خلفائے محمدؐ

عمر ابو النصر

ادارۂ فروغ اردو لاہور

بار دوم
قیمت -/-/10 روپے

محمد طفیل پرنٹر پبلشر نے نقوش پریس لاہور سے چھپوا کر شائع کی

حضرت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مؤلفہ

عمر ابو النصر

مترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

ادارۂ فروغ اردو، لاہور

۱۱- مال روڈ ٭ ۱۱- ایبک روڈ

یعنی

خلیفۂ اول حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ
کے عہدِ خلافت کے واقعات کا تذکرہ

جس کی تالیف میں متعدد عربی مؤرخین کی کتب کے علاوہ
مستشرقین یورپ کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
اور ان کے نظریات پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

مؤلفہ

عمر ابو النصر

اس کتاب میں مندرجہ ذیل مستشرقین کی کتب سے استفادہ کیا گیا:

سر ولیم میور

ھوار

اب لامنس

بکر

گبن

بٹلر

جلیمان

دی غویی

فان کریمر

پرنس کیتانی (اطالوی)

نیز

انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا مطبوعہ ۱۹۲۶ء

اور

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام مطبوعہ ۱۹۱۳ء

فہرست

حصہ اوّل

خلافت کا سوال

حصہ دوم

فتنۂ ارتداد

حصّہ سوم

اسلام کی یلغار

حصّہ چہارم

شام اور فلسطین میں فتوحاتِ اسلامیہ

حصّہ پنجم

اسلامی سلطنت کا داخلی نظام

حصّۂ اوّل

خلافت کا سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

حادثۂ فاجعہ

ابنِ اثیر نے اسد الغابہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذن حضرت بلالؓ بن رباح کے متعلق لکھا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المقدس کی فتح سے فراغت پائی تو حضرت بلالؓ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "مجھے شام میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دیجیے" حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور حضرت بلالؓ مستقل طور پر شام میں اقامت پذیر ہو گئے۔ مدت کے بعد ایک روز بلالؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضورؐ فرما رہے ہیں:

"بلالؓ! یہ کیا ماجرا ہے؟"

بلالؓ کی آنکھ کھل گئی۔ اب انہیں ایک لمحہ قرار نہ تھا۔ اسی بے چینی کے عالم میں وہ مدینہ روانہ ہو گئے اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر زار و قطار رونے لگے۔ جب حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ تشریف لائے ہیں تو وہ دونوں آپ کے پاس آئے۔ بلالؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسوں کو دیکھ کر سینے سے لگا لیا اور انہیں پیار کرنے لگے۔ حسینؓ نے آپ سے کہا:

"ہماری خواہش ہے کہ صبح کی اذان آپ دیں۔"

بلالؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر گوشوں کا دل کیسے تھوڑا کر سکتے تھے۔ صبح کی نماز کے وقت مسجد کی چھت پر چڑھے اور اذان دینی شروع کی۔ جس وقت انہوں نے "اللہ اکبر اللہ اکبر" کہا، اس سرے سے اس سرے تک سارا مدینہ تھرا اٹھا۔ جب "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" پر پہنچے تو اہلِ مدینہ کے دل اور بھی بے چین ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب بلالؓ کی زبان سے "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" نکلا تو مدینہ کا کوئی متنفس نہ تھا جو زار و قطار روتا ہوا گھر سے باہر نہ آ گیا ہو۔ اور کوئی آنکھ نہ تھی جو اپنے محبوب رسولؐ کی جدائی کے غم میں ساون بھادوں کی طرح نہ برس رہی ہو۔ اس دن مدینہ ایک ماتم کدہ بنا ہوا تھا جہاں ہر طرف آہیں تھیں اور سسکیاں!

اس روایت کو نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد جب مدینہ والوں کی یہ کیفیت تھی کہ حضرتِ بلالؓ کی اذان سن کر وہ اپنے پیارے آقا کی یاد میں تڑپ اٹھے، تو اس وقت ان کے حزن و ملال کا کیا عالم ہو گا جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شاہد لم یزل سے ہم کنار ہو رہے تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس روز اہلِ مدینہ پر بجلی گر پڑی تھی ان کے دل خون ہو رہے تھے اور شدتِ غم سے ان پر بے ہوشی کا عالم طاری تھا۔ مدینہ والوں کی یہ حالت اس لئے تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف خدا کے رسول تھے بلکہ وہ مسلمانوں کے باپ، مومنوں کے رفیق، غریبوں اور کمزوروں کے خادم، اُمّت کے معلّم، فقیروں کے ملجا، ضعیفوں کے ماویٰ اور مصیبت زدوں کے مونس و غمخوار تھے۔ آپ عربوں کے لئے حریت و آزادی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ ان پر موت وارد ہو چکی تھی۔ آپ نے انہیں حیاتِ تازہ بخشی۔ وہ قعرِ مذلت میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے انہیں بامِ عرش پر پہنچا دیا۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں میں زندگی کی جو روح پھونکی تھی، اس نے ان کے دلوں میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا اور یہ اسی انقلاب کا اثر تھا کہ جب وہ عرب کی سرزمین سے نکلے اور ایسے ملکوں میں پہنچے جو فتنہ و فساد اور افتراق و انشقاق کی آماجگاہ تھے۔ جہاں ہر طرف جہالت کا بازار گرم تھا۔ تو انہوں نے اس تعلیم کے اثر سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو ملی تھی، وہاں کے باشندوں کی کایا پلٹ دی۔ اور اسلامی اخلاق و آداب عدل و انصاف اور اخوتِ انسانی کے ایسے شاندار نمونے پیش کئے جن کی نظیر ڈھونڈے نہیں مل سکتی۔ بالفاظِ دیگر انہوں نے ایک نئی زمین اور ایک نئے آسمان کی بنیاد رکھی۔ وہ جو بھیڑوں کے

ریوڑ چرایا کرتے تھے، کاروانِ انسانیت کے سالار بن گئے۔

اسلام کا یہ عروج معجزہ سے کم نہ تھا۔ مستشرقین یورپ نے ہزار کوشش کی کہ کسی طرح اس کے حقیقی اسباب معلوم کر لیں۔ لیکن آخر الامر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ عربوں کی یہ ترقی انسانی قوتوں کی حد سے ماوراء ہے اور یہ کسی ایک جماعت کے بس کی بات نہیں کہ وہ محض اپنے زورِ بازو سے ایسا انقلاب برپا کر دے۔

---

(۲)

خلافت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کسی شخص کو خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا اور نہ اس امر کے متعلق کوئی ہدایت دی تھی کہ خلیفہ منتخب کرتے وقت کن کن باتوں کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اس لئے آپؐ کی وفات کے بعد جب خلافت کا مسئلہ درپیش ہوا تو مختلف طبقوں میں کشمکش پیدا ہو گئی۔ ہر گروہ چاہتا تھا کہ خلیفہ اسی میں سے ہو۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد صحابہ کرام کو ایسے خلیفہ کی ضرورت کا احساس ہو گیا تھا جو مسلمانوں کی ہر پہلو سے نگرانی کر سکے۔ جنگوں کا سلسلہ بحسن وجوہ جاری رکھ سکے۔ آپس کے تنازعات کو سلجھا سکے اور اسلامی حکومت کو کماحقہٗ چلا سکے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین سے پہلے ہی انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے اور یہ کوشش کی کہ اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لیں۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کو اس کا علم ہوا تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچے اور انصار کے اس ارادہ کی مخالفت کی۔ اب دو فریق ہو گئے۔ ایک انصار کا اور دوسرا مہاجرین کا۔ انصار چاہتے تھے کہ خلافت ان کے حصہ میں آئے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال تک اپنی قوم میں رہ کر

اسلام کی تبلیغ فرماتے رہے۔ لیکن اس مدت میں معدودے چند لوگوں نے آپؐ کی دعوت قبول کی۔ اس کے بعد جب آپؐ نے ہجرت فرمائی تو انصار کثیر تعداد میں آپؐ پر ایمان لائے اور اس طرح انہوں نے اسلام کو تقویت پہنچائی۔ وہ ہر جنگ میں آپؐ کے دوش بدوش لڑے اور کسی دشمن کی یہ مجال نہ ہوئی کہ وہ آپؐ کو نقصان پہنچا سکتا۔ یہاں تک کہ بالآخر سارا عرب آپؐ کا حلقہ بگوش ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک انصار سے انتہائی خوش تھے۔ اس لئے خلافت کا حق انہی کو پہنچتا ہے۔

اس کے برعکس مہاجرین یہ کہتے تھے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے جس کی وجہ سے ہمیں شدید ترین مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کوئی ظلم نہ تھا جس کا ہمیں تختۂ مشق نہ بننا پڑا ہو۔ گو ہماری تعداد تھوڑی تھی لیکن ہم نے کسی موقعہ پر بھی گھبراہٹ اور بے دلی کا اظہار نہیں کیا۔ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور آپؐ کے اہلِ خاندان ہیں۔ عرب اگر مطیع ہو سکتے ہیں تو قریش ہی کے مطیع ہو سکتے ہیں اس لئے خلافت کے ہم ہی حقدار ہیں۔

نزاع کو طول پکڑتے دیکھ کر انصار نے تجویز پیش کی کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہئے اور ایک مہاجرین میں سے۔ مہاجرین اس تجویز کو منظور کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔ بالآخر تھوڑی دیر کی بحث و تمحیص کے بعد سب لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے اور اسی وقت اور اسی جگہ آپ کی بیعت کر لی گئی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اس لئے وہ اس اجتماع میں شریک نہ ہو سکے۔ ان کو جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی خبر پہنچی تو اس انتخاب کو انہوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ اب ایک تیسرا فریق اور پیدا ہو گیا۔ جس کا دعویٰ یہ تھا کہ خلافت اہلِ بیت کا حق ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی رشتہ دار آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ اور آپؐ کے چچازاد بھائی حضرت علیؓ تھے۔ لیکن حضرت عباسؓ ان سابقون الاولون میں سے نہیں تھے جنہوں نے شروع میں ہی حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کر لی تھی۔ وہ غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے شریک ہوئے تھے۔ انہوں نے حضورؐ کی بیعت بھی ہجرت کے کئی سال بعد کی تھی۔ لیکن حضرت علیؓ کی پرورش خود حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیرِ نگرانی ہوئی تھی۔ حضورؐ پر جو اشخاص سب سے پہلے ایمان لائے تھے حضرت علیؓ ان میں سے ایک تھے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ

کی شادی آپ سے کر دی تھی۔ جہاں تک علم و فضل اور اسلام کی راہ میں قربانیوں کا تعلق ہے، آپ کا مرتبہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

جو لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے ان کی دلیل یہ تھی کہ جو شخص رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہو وہی خلافت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ اس کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاندان کی نسبت خاندانِ بنو ہاشم زیادہ معزز ہے۔ جہاں تک عربوں کی اطاعت کا سوال ہے وہ خاندان بنو ہاشم کی اطاعت کو زیادہ ترجیح دیں گے۔ اگر مہاجرین سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے سامنے یہ حجت پیش کر سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہونے کی بناء پر خلافت کے زیادہ مستحق ہم ہیں تو اہل بیت نبویؐ یہ دلیل کیوں نہیں لا سکتے کہ ہم رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اور آپ کے قریبی رشتہ دار ہیں اس لئے خلافت پر سب سے زیادہ حق ہمارا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت کا نظریہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا نہ صرف اس لئے کہ شیخینؓ کی شخصیتیں بڑی زبردست تھیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ جس قسم کا عدل و انصاف انہوں نے قائم کیا، جاہلی عصبیت کو دبانے میں جو کوششیں انہوں نے کیں۔ اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مناصب عالیہ سے دُور رکھنے میں جو احتیاط انہوں نے برتی اور اخوت اور مساوات کا حقیقی نمونہ پیش کرنے میں جس بالغ نظری کا ثبوت انہوں نے دیا۔ اس نے لوگوں کے دلوں میں ان کی انتہائی قدر و منزلت پیدا کر دی۔ مزید برآں ان کے عہدِ خلافت میں جنگ آزمائیوں اور فتوحات کا سلسلہ کچھ اس طرح جاری رہا کہ کسی کو خلافت کے مسئلہ پر سوچنے اور غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔

لیکن حضرت عثمانؓ کے عہد میں بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر عصبیت نے پھر زور پکڑ لیا۔ زمانہ جاہلیت میں عداوت کی جو آگ بنو ہاشم اور بنو امیہ کے درمیان بھڑک رہی تھی اور جسے اسلام کے بارانِ رحمت نے ٹھنڈا کر دیا تھا، وہ پھر لَو دینے لگی اور فتنہ و فساد دوبارہ سر اٹھانے لگا۔ حضرت علیؓ کے حامی کہتے تھے:

"ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی حضرت علیؓ ہیں۔ وہ شخص کتنا ظالم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو جائز نہیں سمجھتا اور اس طرح آپ پر حملہ کرتا ہے۔"

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دئے گئے اور زمامِ خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آئی تو ان لوگوں کا مقصد پورا ہو گیا جو خلافت کو صرف اہلِ بیت کا حق سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں اموی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر یہ

الزام رکھتے تھے کہ انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کی مدد کرنے میں کوتاہی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت عثمان رضؓ بیچارگی کے عالم میں شہید کر دیئے گئے امویوں کی تائید بعض صحابہؓ نے بھی کی چنانچہ شام کے والی حضرت معاویہ رضؓ بن ابی سفیان رضؓ نے حضرت علی رضؓ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ حضرت معاویہ رضؓ کے پاس قوت وطاقت زیادہ تھی اور ان کے لشکر میں اتحاد و اتفاق بھی پایا جاتا تھا۔ لیکن حضرت علی رضؓ کو یہ سہولتیں حاصل نہ تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت معاویہ رضؓ پر فتح نہ پا سکے۔

شیعہ حضرات کے دعویٰ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حضرت علی رضؓ کا حق ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بارہ میں کوئی نصِ صریح اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح ارشاد موجود نہیں۔ اسی لئے انصار نے دعویٰ کیا کہ خلافت ان کا حق ہے۔ مہاجرین نے کہا خلافت کے وہی مستحق ہیں اور حضرت علی رضؓ کے حامیوں نے کہا کہ سوائے حضرت علی رضؓ کے اور کوئی بھی خلافت کا حقدار نہیں۔ اگر خلافت کے متعلق کوئی نصِ صریح ہوتی تو کسی گروہ اور کسی شخص کو ضرورت نہ تھی کہ وہ اس پر اپنا حق جتاتا اور اس بارہ میں دلائل دے کر دوسرے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا۔

تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تھوڑی مدت کے بعد حضرت علی رضؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کی بیعت کر لی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کے بعد جب حضرت عمر رضؓ خلیفہ ہوئے تو حضرت علی رضؓ نے ان کی بھی بیعت کر لی اور حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے بعد جب خلافت حضرت عثمان رضؓ کے حصہ میں آئی تو حضرت علی رضؓ نے اس وقت ان کی بھی بیعت کر لی۔ اگرچہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت عثمان رضؓ کی بیعت انہوں نے ناراضی کی حالت میں کی[1]

جب حضرت علی رضؓ خلیفہ مقرر ہوئے تو ان لوگوں کو بہت تقویت پہنچی جو خلافت کو اہلِ بیت کے لئے مخصوص کرتے تھے۔ وہ کہنے لگے کہ امامت ایسی چیز نہیں ہے جو عام مصلحت کے خیال سے امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا جائے کہ جسے وہ چاہے خلیفہ بنا دے۔ بلکہ خلافت دین کا ایک رکن اور اسلام کا ایک ستون ہے

---

[1] بیعت ایک مذہبی معاہدہ ہے اور مذہب میں جبر یا سختی یا ناراضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تو یہ ہے کہ من شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر۔ اپنی مرضی اور خوشی کی بات ہے۔ لا اکراہ فی الدین کے زرین اصول کے مطابق حضرت علی رضؓ جیسا فاضل، عالم اور بہادر انسان کس طرح کسی ایسے شخص کی بیعت کر سکتا تھا جس سے وہ ناخوش اور ناراض ہو تاریخ میں جس قدر روایتیں حضرت علی رضؓ اور حضرت عثمان رضؓ کی باہمی ناراضی کے متعلق ملتی ہیں ساری کی ساری ناقابلِ اعتماد قطعاً غلط اور فرضی ہیں۔ ان کی نہ کوئی اصل ہے نہ سند۔ (محمد احمد)

کسی نبی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ خلافت کے بارہ میں کوتاہی سے کام لے اور اس کا حل امت کے سپرد کر دے۔ بلکہ اس کے لئے کسی امام کا تعین ضروری اور لازمی ہے"۔ امام کے متعلق ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ امام چھوٹے بڑے سب گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت اور خلافت کے لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو متعین کیا تھا۔ اس بارہ میں وہ کئی حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جنہیں اہل سنت نہیں مانتے یا اگر مانتے ہیں تو ان کی تاویل کرتے ہیں۔ اس دعویٰ کے ساتھ ہی وصیت کا نظریہ بھی پیدا ہو گیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کا لقب "وصی" رکھ دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی وصیت کی تھی۔ اس لئے وہ رسول اللہ کے وصی ہیں۔

آگے چل کر شیعہ حضرات بھی مختلف گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ جن میں سب سے زیادہ معتدل امامیہ ہیں امامیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بارہ اماموں کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو کوئی حق نہیں تھا کہ وہ حضرت علیؓ کی موجودگی میں خلیفہ بنتے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ ان دونوں کی خلافت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے بھی نہیں دیکھتے۔ وہ کہتے ہیں: چونکہ حضرت علیؓ خود شیخینؓ کی امامت پر راضی ہو گئے تھے۔ آپ نے ان کی بیعت کر لی تھی اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اس لئے ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم ان کو برا بھلا کہیں۔ اور جو کچھ حضرت علیؓ نے کیا اس سے تجاوز کریں۔ چنانچہ ابن ابی الحدید جو ایک اعتدال پسند شیعہ ہے، لکھتا ہے:

"یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ نے جب معاویہؓ سے براءت کا اظہار کیا تو ہم نے بھی ان سے براءت کا اظہار کیا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ کہا کہ اہل شام "عمروؓ بن العاص اور دوسرے صحابہؓ جنہوں نے معاویہؓ کا ساتھ دیا ہے غلطی پر ہیں" تو ہم نے بھی ان پر ویسا ہی حکم لگا دیا۔ حاصل یہ کہ ہم حضرت علیؓ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سوائے مرتبۂ نبوت کے اور کسی چیز میں فرق نہیں کرتے۔ نبوت کے علاوہ ہم ان دونوں میں تمام باتیں مشترک مانتے ہیں، اس کے علاوہ ہم اکابر صحابہؓ کو بھی برا بھلا نہیں کہتے بلکہ حضرت علیؓ نے ان سے جس قسم کا معاملہ کیا ہم بھی ان سے اسی قسم کا معاملہ کرتے ہیں"۔

خلاصۂ کلام یہ کہ شیعہ اصحاب کے نظریات کی بنیاد اس بات پر ہے کہ صرف حضرت علیؓ خلافت

اور امامت کے حق دار تھے۔ اور یہ کہ امام کی اطاعت ایمان کا ایک حصہ ہے۔ امام عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک مافوق البشر ہستی ہے جو ہر قسم کے گناہوں اور خطا سے پاک ہوتی ہے۔

خلافت کے بارہ میں شیعوں کے نظریہ کو ہم نے اس فصل میں ذرا تفصیل کے ساتھ اس لیے بیان کر دیا ہے کہ یہی نظریہ ان حوادث و واقعات کا باعث بنا جو آگے چل کر پیش آئے۔

---

(۳)

انصار اور خلافت

خلافت کے بارہ میں فرانسیسی مستشرق لامنس کا جدید نظریہ

بعض مستشرقین [illegible] جن میں فرانسیسی مستشرق [illegible] لامنس بخصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔ اس نظریہ کے حامی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت ایک خاص گروہ کی کوشش کی مرہون ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیدا ہوگیا۔ یہ گروہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ عامرؓ بن الجراح پر مشتمل تھا۔ لامنس اپنے نظریہ کی تائید میں بعض واقعات بھی پیش کرتا ہے۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ان تینوں حضرات کے باہمی اتفاق کا نتیجہ ہے اسی لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنایا اور اگر ابوعبیدہؓ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں انتقال نہ کر جاتے تو حضرت عمرؓ اپنے بعد انہی کو خلیفہ نامزد کرتے۔ اس لئے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے موقعہ پر ان تینوں میں اس قسم کا سمجھوتہ ہو چکا تھا[1]۔

[1] لامنس کا یہ نظریہ محض فرضی ہے۔ ہرگز اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ ان تینوں نفوسِ مقدسہ میں یہ معاہدہ ہوا تھا۔ لہٰذا بہتانٌ عظیم۔ (محمد احمد)

اس نظریہ میں اگر کچھ صداقت ہے تو بس اتنی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا انتخاب اس طرح اچانک ہوا کہ پہلے سے کسی کو اس کا شان گمان بھی نہ تھا۔ اور اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ کہیں کوئی فتنہ پیدا نہ ہو جائے اور مسلمان مختلف گروہوں میں نہ بٹ جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ خلافت کی خواہش سے کوسوں دور تھے۔ بلکہ وہ چاہتے تھے کہ حضرت عمر رضؓ یا حضرت ابو عبیدہ رضؓ میں سے کسی کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ وہ ضعیف العمر انسان تھے اور ان کا خیال تھا کہ خلافت کا بار بوڑھا شخص نہیں اٹھا سکتا۔ اس کے لئے عمر رضؓ یا ابو عبیدہ رضؓ جیسے مضبوط انسان کی ضرورت ہے۔ لیکن مسلمانوں میں سے کسی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سوا اور کسی کی خلافت کو پسند نہ کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظروں میں ان کا جو مقام تھا اور اسلام میں انہیں جو فضیلت حاصل تھی، اس کے ہوتے ہوئے مسلمان خلافت رسول ؐ کے لئے کسی اور کو ہرگز منتخب نہ کر سکتے تھے۔

حصولِ خلافت کے لئے انصار کی جدوجہد

انصار دو گروہوں میں منقسم تھے اوس اور خزرج۔ یہ دونوں گروہ جاہلیت کے زمانہ میں ایک دوسرے کے خلاف برسرِ پیکار رہتے تھے۔ خزرج تعداد میں زیادہ تھے زمانہ اسلام میں ان کے رئیس سعد رضؓ بن عبادہ تھے جو بنی ساعدہ میں سے تھے سقیفہ بنی ساعدہ انہی کے گھر کے قریب تھا۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو انصار سقیفہ میں جمع ہو کر اس سانحۂ عظیم کے متعلق بات چیت اور اس مسئلہ پر غور کرنے لگے کہ رسول اللہ ؐ کے بعد کون خلیفہ ہو۔ ان کی خواہش تھی کہ خلافت انہی میں سے کسی کو حاصل ہو۔ اس لئے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و حمایت کی تھی۔ آپ کا ہر طرح ساتھ دیا تھا اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے حضور ؐ کی معیت میں تمام عرب کو اپنی تلوار کے جوہر دکھائے تھے۔

سعد رضؓ بن عبادہ اس وقت بیمار تھے۔ کچھ لوگ انہیں سقیفہ میں لے آئے۔ لیکن وہ اس قدر کمزور تھے کہ ان کی آواز لوگوں کو سنائی نہ دیتی تھی۔ اس لئے وہ جو کچھ کہتے تھے ان کے بیٹے قیس بلند آواز سے لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ سعد رضؓ بن عبادہ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"اے گروہ انصار! تمہیں دین میں وہ سبقت اور اسلام میں وہ فضیلت حاصل ہے جو عرب کے کسی قبیلہ کو حاصل نہیں۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چند سال اپنی قوم میں رہے اور ان سے توحید کی طرف بلاتے اور شرک اور بت پرستی سے روکتے رہے۔ لیکن باستثنائے چند کسی نے آپ ؐ کی دعوت قبول نہ کی۔ اور

جو لوگ ایمان لائے، ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ کفار کے دستِ تعدی کو آپ سے دُور رکھ سکتے۔ یا دین کو کوئی تقویت پہنچا سکتے یا خود ان مصائب و شدائد سے بچ سکتے، جو مشرکین مکہ کے ہاتھوں انہیں پیش رہے تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں فضیلت دینے اور اپنی نعمت سے بہرہ ور کرنے کا ارادہ کیا تو اس نے تمہیں ایمان لانے، رسول اللہ کی دعوت قبول کرنے، آپؐ کا اور آپؐ کے حلقہ بگوشوں کا ساتھ دینے اور دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے کی توفیق عطا کی۔ اور تم اپنے دشمنوں پر ہمیشہ غالب رہے۔ عرب کو طوعاً و کرہاً اسلام قبول کرنا پڑا۔ تمہاری تلواروں نے سارے عرب کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع بنا دیا۔ حضورؐ اپنی وفات کے وقت تم سے بے حد خوش تھے اس لئے اب تم خلافت کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار ہو جاؤ کیونکہ یہ تمہارا حق ہے۔"

تمام حاضرینِ مجلس نے سعدؓ کی تقریر کا متفقہ طور پر یہ جواب دیا:

"اگر آپ کی یہی رائے ہے تو ہم اس سے اختلاف نہیں کرتے اور خلافت کے لئے آپ ہی کا نام پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ آپ ہم میں سب سے زیادہ بزرگ ہیں۔"

بات یہاں ختم نہیں ہوئی۔ اس نے طول کھینچا اور یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ اگر مہاجرین قریش نے اس فیصلہ کو تسلیم نہ کیا اور کہا کہ ہم مہاجرین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولین صحابہؓ ہم سے ہیں۔ آپؐ کے اہلِ خاندان ہیں تو پھر کیا ہو گا اور اس وقت انصار کس بنا پر ان کا مقابلہ کریں گے؟

اس پر چند اشخاص کہنے لگے کہ اگر یہ صورت ہوئی تو پھر ہم ان سے کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو جائے اور ایک امیر تم میں سے۔ اس کے بغیر ہم کسی اور بات پر ہرگز رضامند نہ ہوں گے۔

جب سعدؓ نے ان کی یہ باتیں سُنیں تو کہا:

"تم نے تو شروع ہی میں کمزوری دکھا دی۔"

انصار کے دلائل کا تجزیہ

انصار کے مندرجہ بالا دلائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خلافت کے لئے ان کے پاس صرف یہ دلیل تھی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپؐ کی قوم نے ایذائیں پہنچائیں اور آپؐ کے اہلِ وطن نے آپؐ کو گھر سے نکال دیا تو انہوں نے آپؐ کو پناہ دی اور ہر موقع پر آپؐ کی مدد کی۔ لیکن محض اسی دلیل کی بناء پر قبائلِ عرب ان کی سیادت اور حکومت پر رضامند نہیں ہو سکتے تھے۔ اور یہی چیز تھی جس کی وجہ سے انصار طبعاً اپنے تئیں کمزور محسوس کرتے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ خلافت کے بارہ میں ہرگز تساہل نہ کرتے اور کبھی یہ نہ کہتے کہ ایک امیر ہم میں سے

ہو جائے اور ایک امیر مہاجرین میں سے۔ ان کے رئیس سعدؓ بن عبادہ نے بھی شروع میں ہی اس امر کو محسوس کر لیا تھا اور اسی بنا پر انہوں نے یہ فقرہ کہا تھا:

"تم نے تو شروع ہی میں کمزوری دکھا دی"

یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ ایک جدید مملکت کے دو امیر ہوں اس سے تو ہمیشہ کے لئے فساد کی ایک راہ کھل جاتی اور مملکت اسلامیہ کو کسی صورت میں بھی چین نصیب نہ ہوتا۔

انصار کی باہمی گروہ بندی

پھر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے انصار دو گروہوں میں منقسم تھے۔ پہلا گروہ خزرج کا تھا اور دوسرا اوس کا۔ خزرج تعداد میں زیادہ تھے۔ ان کے رئیس سعدؓ بن عبادہ تھے جو چاہتے تھے کہ خزرج کو خلافت مل جائے۔ لیکن اوس خزرج کے کسی آدمی کو اپنا امیر بنانے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑائیوں اور جھگڑوں کا ایک لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔ اسلام نے آکر یہ لڑائیاں اور جھگڑے ختم کرا دئیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ لیکن جاہلیت کے دنوں کی یاد دونوں فریقوں کے دلوں میں باقی تھی جس کو خزرج اور اوس دونوں جانتے تھے۔ اسی لئے جب سعدؓ بن عبادہ نے یہ ذکر چھیڑا کہ خلافت انصار کا حق ہے تو اسی باہمی اختلاف کی بنا پر ان کو انصار کی کامیابی پر کامل یقین نہ تھا اور وہ متردد تھے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ تھا کہ چند گھنٹوں کے بعد انصار، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت پر رضامند ہو گئے اور انہوں نے آپ کی بیعت کر لی۔

---

(۴)

اصحابِ ثلاثہ

خلافت کے بارہ میں لامنس اور دیگر مستشرقین کے نظریے کی تردید

مشہور عیسائی مستشرق لامنس اور اس کی تقلید میں بعض دوسرے مستشرقین کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح تینوں نے مل کر اس بات پر اتفاق کر لیا تھا کہ جب ایک شخص کو خلافت مل جائے تو وہ اسے اپنے انتقال کے وقت دوسرے کے نام منتقل کر دے اور جب دوسرے شخص کا وقت آجائے تو وہ تیسرے کے حق میں وصیت کر جائے۔ اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ بن خطاب کو زخمی کیا گیا تو آپ نے فرمایا "اگر آج ابوعبیدہؓ زندہ ہوتے تو خلافت میں ان کے سپرد کر دیتا۔"

لیکن جب اس نظریہ کو واقعات اور تاریخ کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے تو اس کی غلطی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اتنی اچانک ہوئی تھی کہ صحابہؓ کو خلافت کے بارہ میں پہلے سے سوچنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا تھا۔ جب حضورؐ نے وفات پائی اور خلافت کا سوال پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کا نام پیش کیا تاکہ فتنہ نہ پھیلے اور مسلمانوں کا شیرازہ منتشر نہ ہو جائے۔

انصار رضؓ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع

پچھلی فصل میں بتایا جا چکا ہے کہ انصارؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر خلافت کے بارہ میں فیصلہ کرنا چاہا۔ انصار کے اس اجتماع کی خبر سب سے پہلے حضرت عمر رضؓ کو ہوئی۔ وہ فوراً مسجد نبوی میں پہنچے اور حضرت ابو بکر رضؓ کو بلایا۔ حضرت ابو بکر رضؓ حضرت علی رضؓ کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے۔ جب وہ باہر آئے تو حضرت عمر رضؓ نے ان سے کہا "آپ فوراً میرے ساتھ چلیں"۔ حضرت ابو بکر رضؓ نے فرمایا: "میں تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہوں آپ کے ساتھ کیسے چل سکتا ہوں؟" حضرت عمر رضؓ نے کہا "لیکن واقعہ ایسا پیش آگیا ہے کہ آپ کا میرے ساتھ چلنا بے حد ضروری ہے"۔

جب حضرت ابو بکر رضؓ مسجد نبوی سے باہر نکلے تو حضرت عمر رضؓ نے آپ سے کہا "آپ کو کچھ پتہ بھی ہے انصار رضؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہیں اور چاہتے ہیں کہ خلافت سعد رضؓ بن عبادہ کے سپرد کر دی جائے۔ بعض لوگ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہئے اور ایک قریش میں سے"۔

حضرت ابو بکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کا سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچنا

حضرت صدیق رضؓ یہ خبر سن کر بہت مضطرب ہوئے اور سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف چلے۔ راستہ میں حضرت ابو عبیدہ رضؓ بن الجراح مل گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ ہو لئے۔ آگے چل کر ان تینوں کو ابن عدی رضؓ اور عویم بن ساعدہ رضؓ ملے اور ان سے کہا:

"آپ حضرات لوٹ جائیے۔ جو کچھ آپ چاہتے ہیں وہ نہیں ہو گا"

لیکن انہوں نے ان کی بات پر کان نہ دھرا اور سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضؓ نے انصار سے مخاطب ہونا چاہا۔ وہ اپنی تقریر شروع کرنی ہی چاہتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضؓ نے ان سے کہا:

"ذرا ٹھہر جاؤ! میں ان سے کچھ کہہ لوں۔ اس کے بعد جو تمہارا جی چاہے کہہ لینا"

چنانچہ حضرت ابو بکر رضؓ نے اپنی تقریر شروع کی اور جو کچھ حضرت عمر رضؓ کہنا چاہتے تھے وہ سب کہہ دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

حضرت ابو بکر رضؓ کی تقریر

"اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مخلوق کی طرف رسول اور اپنی امت کے لئے گواہ بنا کر بھیجا تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کی

عبادت کریں اور اسی کو اپنا معبود سمجھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر مختلف فرضی معبودوں کی پرستش کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ معبود ہماری شفاعت کریں گے، ہمیں فائدہ پہنچائیں گے لیکن ان کی حقیقت گھڑے ہوئے پتھروں سے زیادہ نہ تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے:

ویعبدون من دون اللہ ما لا یضرھم ولا ینفعھم ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ وقالوا ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی[1]

جب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے تو عربوں کو اپنے آباؤ اجداد کا دین چھوڑنا بڑا دوبھر معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے خدا تعالیٰ نے اولین مہاجرین رض کو آپ کی تصدیق کرنے، آپ پر ایمان لانے، آپ کی تکالیف دور کرنے اور آپ کے ساتھ آپ کی قوم کے شدید مظالم سہنے کی توفیق بخشی۔ ساری قوم ان کی مخالف تھی اور اس نے متفقہ طور پر ان غریبوں پر ظلم و ستم توڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ لیکن یہ لوگ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود کبھی ہراساں نہ ہوئے۔ یہی تھے جنہوں نے زمین میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ کی عبادت کی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ یہی آپ کے مددگار تھے آپ کے اہلِ قبیلہ تھے اور اب یہی لوگ آپ کے بعد سب سے زیادہ خلافت کے حق دار ہیں۔ اس بارہ میں ان سے ظالم شخص ہی جھگڑ سکتا ہے۔ اے گروہِ انصار! تم بھی مہاجرین رض کی دین میں فضیلت اور اسلام قبول کرنے میں ان کی اولیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور اپنے رسول کا مددگار بنایا۔ اس کے رسول نے تمہاری طرف ہجرت کی۔ آپ کی کئی ازواجِ مطہرات اور کئی بڑے بڑے صحابہ تمہیں میں سے تھے اس لئے اولین مہاجرین کے بعد کوئی شخص تمہارے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس ہم امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر۔ تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جائے گا۔"

حضرت عمر رض اور حضرت حباب رض بن منذر کا جھگڑا

حضرت ابو بکر رض یہیں تک پہنچے تھے کہ حباب رض بن منذر بن جموح کھڑے ہوئے اور انہوں نے انصار رض کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے گروہِ انصار! خلافت کو اپنے ہاتھ

---

[1] اور اللہ کے سوا ان کو پوجتے ہیں جو نہ پوجنے والوں کو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں اور یہ کہ ہم تو ان کی پوجا صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔

ہیں رکھو۔ لوگ تمہارے ہی سائے تلے ہیں۔ کوئی شخص تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں کرے گا۔ اور لوگ۔ تمہاری ہی رائے پر چلیں گے۔ تم عزت و ثروت والے ہو۔ تعداد اور تجربہ کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت رکھتے ہو۔ صاحب عزم و ہمت اور بہادر ہو۔ سب کی نظریں تمہاری طرف ہیں۔ اس لئے آپس میں اختلاف پیدا نہ ہونے دو۔ اس سے تمہاری رائے کی وقعت جاتی رہے گی۔ باقی رہا مہاجرینؓ کا مسئلہ تو یہ اس طرح طے ہو سکتا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے۔"

اب حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ کھڑے ہوتے اور فرمانے لگے:

"ایک میان میں دو تلواریں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ خدا کی قسم! عرب کبھی تمہیں امیر بنانے پر راضی نہ ہوں گے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے نہیں تھے۔ عرب اسی کی اطاعت کریں گے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے ہوگا۔ اس لئے ہمیں دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔ ہم ہی خلافت اور امارت کے حقدار ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی اور آپؐ کے ہم قوم ہیں۔ ہماری مخالفت وہی شخص کر سکتا ہے جو باطل پر ہو اور ہلاکت کے گڑھے میں گرنا چاہتا ہو۔"

جب حضرت عمرؓ اپنی تقریر ختم کر چکے تو حبابؓ بن منذر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے:

"اے گروہ انصار! تم اپنے ارادوں پر مضبوطی سے قائم رہو اور ان لوگوں کی بات نہ سنو۔ اگر یہ تمہاری نہیں مانتے تو ان کو یہاں سے جلاوطن کر دو۔ اللہ کی قسم تم ان لوگوں کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہو۔ تمہاری تلواروں سے اسلام کو وہ کچھ حاصل ہوا جو اوروں کی وجہ سے حاصل نہ ہو سکا۔ تم نے ہی اس کی حفاظت کی اور تمہاری وجہ سے ہی اسلام کا درخت پھلا پھولا۔"

اس پر حضرت عمرؓ اور حبابؓ میں کچھ تلخ کلامی ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوعبیدہؓ اٹھے اور کہنے لگے:

"اے گروہ انصارؓ! تم ہی وہ لوگ ہو جو سب سے پہلے اسلام کی مدد کو آئے۔ اب تم ہی اس میں سب سے پہلے تفرقہ ڈالنے والے نہ بنو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقعہ پر جو تقریر فرمائی وہ اخلاص، سوز وگداز اور تقویٰ سے لبریز تھی۔ آپ نے صرف مہاجرینؓ کی فضیلت ہی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ انصارؓ کی بزرگی بھی تسلیم کی۔ آپ نے ان کے متعلق تعریفی کلمات کہے اور ان کو بتلایا کہ خلافت کے حقدار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والے اور آپؐ کے

اہلِ قوم ہی ہو سکتے ہیں۔ انصارؓ نے بھی چونکہ اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں سرانجام دی ہیں۔ اس لئے ان کا حق ہے کہ وہ وزیر بنیں" لیکن جب حبابؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اس معاملہ کا تصفیہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے، تو حضرت عمرؓ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے فرمایا کہ عرب انصارؓ کی امارت پر کبھی راضی نہ ہوں گے۔ اور جو شخص اولین مہاجرینؓ کی مخالفت کرتا ہے وہ باطل پر ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرانے والا ہے۔ حبابؓ نے اس کا بہت سخت جواب دیا اور اپنی قوم سے کہا کہ وہ مہاجرینؓ کو مدینہ سے نکال باہر کریں۔ اس پر تکرار شروع ہو گئی۔ جب جھگڑا زیادہ بڑھا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے چاہا کہ اس جوش و خروش کو ٹھنڈا کیا جائے۔ آپ نے انصارؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تم نے اسلام کی سب سے پہلے مدد کی ہے اب تم ہی اس میں سب سے پہلے تفرقہ ڈالنے والے نہ بنو۔"

بشیرؓ بن سعد مہاجرین کی حمایت پر

اس مرحلہ پر اوس نے معاملہ میں دخل دیا۔ جاہلیت میں ان کے اور خزرج کے درمیان عداوت تھی اور کئی بار خونریز لڑائیاں بھی ہو چکی تھیں۔ اس لئے اوس نہیں چاہتے تھے کہ خزرج کو خلافت مل جائے۔ چنانچہ ان کے ایک رئیس بشیرؓ بن سعد بولے:

"اے گروہ انصارؓ! خدا کی قسم ہمیں مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے اور اللہ پر ایمان لانے میں پہل کرنے کا شرف حاصل ہے لیکن یہ سب کچھ ہم نے اپنے رب کی رضا اور اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کے لئے کیا تھا ہمیں یہ مناسب نہیں کہ ہم اس کے بدلہ دنیوی شان و شوکت اور جاہ و جلال طلب کریں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہمیں اس کی جزا دینے والا ہے۔ بیشک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش میں سے تھے اور آپ کی قوم ہی خلافت کی سب سے زیادہ حق دار ہے خدا نہ کرے کہ میں ان سے اس معاملہ میں کبھی جھگڑوں۔ تم بھی ان کی مخالفت اور ان سے لڑائی جھگڑا نہ کرو۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت

بشیرؓ بن سعد کے ان الفاظ سے انصار کے قبیلہ اوس کا موقف واضح ہو گیا۔ جنہوں نے اپنے قبیلہ کے ایک رئیس کے ذریعہ اس بات کا اعلان کر دیا کہ وہ خلافت کے بارہ میں مہاجرین اولین سے کوئی جھگڑا نہیں کریں گے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "تمہارے سامنے عمرؓ اور ابوعبیدہؓ موجود ہیں۔ ان دونوں میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔"

اس پر ان دونوں نے کہا یہ ہرگز نہیں۔ خلافت کا آپ سے زیادہ حقدار کوئی نہیں۔ آپ مہاجرینؓ میں سب سے افضل ہیں۔ غارِ ثور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی رہے ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں امامت کے فرائض انجام دیتے رہے ہیں۔ آپ سے زیادہ اور کس کا حق ہو سکتا ہے؟ اپنا ہاتھ بڑھایئے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ بشیرؓ بن سعد جلدی سے آگے بڑھے اور سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

جب اوس نے دیکھا کہ بشیرؓ بن سعد نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی اور یہ بھی دیکھا کہ خزرج سعدؓ بن عبادہ کو امیر بنانا چاہتے ہیں تو آپس میں کہنے لگے کہ اگر تم پر خزرج کو ایک بار بھی حاکم بنا دیا گیا تو یہ فضیلت ہمیشہ ان ہی کے پاس رہے گی اور تمہیں کبھی اس سے حصہ نہ ملے گا۔ اٹھو اور ابوبکرؓ کی بیعت کر لو۔ چنانچہ اوس نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔ اب تو بیعت کے لئے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ میں جلدی سے آگے بڑھ کر بیعت کروں۔ لوگوں کی وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ انہیں خزرج کے بیمار رئیس سعدؓ بن عبادہ کا بھی دھیان نہ رہا اور وہ ان کو کچلتے ہوئے بیعت کے لئے آگے بڑھنے لگے۔

چونکہ حضرت علیؓ اور بنو ہاشم کے افراد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مصروف تھے اس لئے نہ تو وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جا سکے اور نہ اس وقت حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہی کر سکے۔ سعدؓ بن عبادہ نے بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور ان کی وفات اسی حالت میں ہوئی۔

---

(۵)

اسلام کا پہلا خلیفہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ نہایت نرم دل اور نیک خو تھے۔ محبت اور شفقت گویا آپ کی فطرت تھی۔ آپ ایمان و یقین کا مجسمہ تھے۔ عزم و ہمت اور قول و عمل میں پختگی آپ کی ہر حرکت سے ہویدا تھی۔ اولوالعزمی اور مستقل مزاجی، راست بازی اور نیک خصالی میں کوئی آپ کا نظیر نہ تھا۔ آپ بنی تیم بن مرہ میں سے تھے۔ آپ کا شجرۂ نسب مرہ بن کعب بن لوئی پر پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ ام الخیر سلمٰی بنت صخر بن عامر بھی بنی تیم میں سے تھیں۔ آپ عام الفیل سے دو سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے آپ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ خاصے امیر تھے۔ لیکن تجارت کے ذریعہ جو کماتے تھے اسے مسکینوں، محتاجوں، غریبوں، مسافروں، یتیموں اور بیواؤں پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ قریش آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔ چونکہ آپ میں سخاوت کا مادہ بے حد تھا اس لئے کثرت سے لوگوں کی دیتیں اور خوں بہا ادا کیا کرتے تھے۔ آپ کو عربوں، خصوصاً قریش کا حسب نسب بیان کرنے میں بے حد مہارت حاصل تھی۔ عرب کی تاریخ آپ کو ازبر تھی۔ ہر قوم کے مفاخر و مثالب سے آپ پوری طرح آگاہ تھے۔ جاہلیت اور اسلام میں آپ کا مشغلہ تجارت تھا۔ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے۔ ایک تجر

آپ کا راس المال چالیس ہزار درہم تک پہنچ گیا۔ آپ نے اس میں سے پینتیس ہزار درہم اللہ کی راہ میں دے دیئے۔ آپ ان غلاموں کو اکثر خرید لیا کرتے تھے جو قبولِ اسلام کی پاداش میں اپنے آقاؤں کے ہدفِ ستم بنتے۔ اور جس غلام کو خریدتے اس کو راہِ خدا میں آزاد کر دیتے۔ حضرت بلال رضؓ بھی انہی غلاموں میں سے ایک تھے جنہیں آپ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق کو قبول کیا اور اس کے نتیجہ میں کفار کے مظالم کا نشانہ بنے۔

غور کیا جائے تو حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اخلاص اور وفا کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ آپ نے سب سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر لبیک کہی۔ اس وقت آپ باعتبار وجاہت قریش میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ ہر فرد بشر آپ کی عزت کرتا تھا۔ آپ مالدار اور آسودہ حال تھے۔ آپ کی شہرت دور دور تک پہنچی ہوئی تھی۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ پیغمبروں کی جماعت میں سب سے پہلے وہ لوگ داخل ہوتے ہیں، جو اپنی کمزوری اور مفلسی کی بنا پر اپنی قوم میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔ جو لوگ مالدار ہوتے ہیں اور اپنے آپ کو نہایت شریف اور معزز سمجھتے ہیں وہ بالعموم شروع میں نبی کی بات پر کان دھرنا یا اسے قبول کرنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر رضؓ اپنی قوم میں مال و دولت کے لحاظ سے بلند اور وجاہت و عزت کے اعتبار سے بے مثل انسان تھے۔ تاہم آپ نے کسی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی قوم کے مذہب اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقے کو یک قلم ترک کر دیا اور وہ دین اختیار کر لیا جس میں آپ جیسے مالدار اور وجیہہ انسان اور ایک بے بس غلام میں کسی قسم کا فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ دراصل یہی وہ قربانی اور یہی وہ اخلاص کا جذبہ تھا جس کی مثال صدرِ اول کے مسلمانوں میں بھی ملنی ناممکن ہے۔ چنانچہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"سوائے ابوبکر رضؓ کے اور کوئی نہیں جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی ہو اور اس نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اسے قبول کر لیا ہو۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے قبولِ اسلام کی بنا پر قریش کے ہاتھوں بے انتہا تکالیف اٹھائیں یہاں تک کہ ایک مرتبہ آپ مکہ ترک چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ ہجرت کے ارادہ سے جا رہے تھے کہ راستہ میں آپ کو قریش کا ایک رئیس ابن دغنہ ملا اور پوچھا: "آپ کہاں جا رہے ہیں؟" جب اسے حقیقتِ حال کا پتہ چلا تو اس نے کہا "آپ جیسا شخص کسی صورت میں بھی مکہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔

ہمیشہ سچ بولتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور ناداروں کی مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ کسی شخص کی مجال نہیں ہے کہ وہ آپ کو آنکھ بھر کے دیکھ سکے۔ چنانچہ وہ آپ کو مکہ واپس لے آیا۔ قریش نے اس شرط پر آپ کو مکہ میں رہنے کی اجازت دے دی کہ ابوبکرؓ لوگوں کے سامنے باآوازِ بلند نماز نہ پڑھا کریں۔ چنانچہ آپ نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی اور وہاں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ آپ انتہائی رقیق القلب تھے۔ خدا کے غضب کا خیال آتا تو زار و قطار رونے لگتے۔ جب کبھی آپ نماز یا قرآن پڑھتے، مشرکوں کی عورتیں اور بچے آپ کے اردگرد جمع ہو جاتے۔ یہ دیکھ کر قریش کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ان کی عورتیں اور بچے اسلام قبول نہ کرلیں۔ انہوں نے اس کی شکایت ابن دغنہ سے کی اور اس نے آپ کی حمایت و پناہ سے ہاتھ اٹھا لیا۔ آپ نے بالکل پروا نہ کی اور خدائے عزوجل کی مدد اور حمایت پر بھروسہ کرتے رہے۔ آخر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے اور رفیقِ غار بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ہم نے اس فصل میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بعض اخلاق و عادات کو بے حد مختصر طور پر بیان کیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فضائل ریت کے ذروں کی طرح بے حساب و شمار ہیں۔ اگلی فصلوں میں بھی ہم آپ کے فضائل پر بحث کریں گے۔ لیکن حق یہی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی گرد کو بھی کوئی نہیں پا سکتا۔ آپ میں جو صفات پائی جاتی تھیں، وہ ہر حاکم میں پائی جانی چاہئیں۔ ہر لیڈر اور سردار میں ان کا پرتو ہونا چاہیے۔

حضرت ابوبکرؓ نے خلافت کے وقت جو خطبہ پڑھا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کس طرح کا جمہوری نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس خطبہ میں اسلام کے پہلے عظیم الشان خلیفہ نے بتلایا کہ ایک حاکم پر اپنی رعایا اور عوام کے کیا کیا حقوق ہوتے ہیں۔ آج تک جس قوم نے بھی ان اصولوں کو اپنایا جو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے خطبہ میں بیان کئے ہیں، وہ قوم برابر ترقی کے راستہ پر گامزن ہوتی چلی گئی۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

"اے لوگو! مجھے تم پر حاکم بنا دیا گیا ہے حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں ٹھیک رستے پر چلوں تو میری مدد کرو اور اگر دیکھو کہ میں غلط رستے پر جا رہا ہوں تو مجھے سیدھا کر دو۔ صدق امانت ہے اور کذب خیانت۔ ہر ضعیف اور کمزور میرے نزدیک اس وقت تک طاقتور ہے جب تک میں اس کا

حق نہ دلوا دوں اور ہر طاقت ور میرے نزدیک اس وقت تک ضعیف اور کمزور ہے جب تک میں اس سے مظلوم کا حق نہ لے لوں۔ تم میں سے کوئی جہاد کو ترک نہ کرے۔ کیونکہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ اس قوم پر ذلت طاری کر دیتا ہے۔ جب تک میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کی اطاعت کروں میری اطاعت کرو۔ اور جب میں اللہ کے احکام کے خلاف جاؤں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔ نماز کے لئے اُٹھو۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے.....“

اس خطبہ میں حضرت صدیق اکبر رض نے لوگوں کے سامنے اپنی سیاست نہایت واضح طور پر بیان کر دی۔ آپ نے ان کو بتلایا کہ مسلمان سب برابر ہیں اور انہیں ایک دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ آپ نے خلیفہ اور مختارِ مطلق ہوتے ہوئے لوگوں سے مدد کی اپیل کی۔ آپ نے ان سے اقرار کیا کہ وہ ہر شخص کو اس کا حق دلائیں گے اور اس کے بدلے میں صرف یہ چاہا کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ؐ کے خلاف نہ چلیں اس وقت تک ان کی اطاعت کی جائے۔ حریت افکار کی یہ مثال آج کل کی متمدن و مہذب دنیا میں کہیں نہ ملے گی۔

خلفائے راشدین میں حضرت ابوبکر صدیق رض پہلے خلیفہ تھے۔ خلافت راشدہ کا آغاز ہجرت کے بارھویں سال رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رض کی بیعتِ خلافت سے ہوا، اور سنہ ۴۰ھ میں حضرت علی کی شہادت پر ختم ہو گیا۔ اس خلافت کا قیام دوسری دنیوی بادشاہتوں کی طرح نہ تھا بلکہ اس کی بنیاد روحانیت اور تقویٰ پر تھی۔ اس میں چھوٹے بڑے، غریب امیر، آزاد اور غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ خلیفہ بازاروں میں بغیر کسی پہرہ کے اس حالت میں پھرتا تھا کہ اس کے بدن پر پھٹی ہوئی قمیص اور پاؤں میں ٹوٹا ہوا جوتا ہوتا تھا۔ جب وہ مجلس میں بیٹھتا تھا تو اس کے لئے کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس کا کھانا عام لوگوں کی طرح نہایت سادہ ہوتا تھا۔ اس طرح خلفاء راشدین رض نے لوگوں کے سامنے قربانی، اخلاص اور مساوات کی ایک مثال قائم کر دی۔ ایسی مثال، جس کا نمونہ پیش کرنے سے زمانہ آج تک قاصر رہا ہے۔

حصّۂ دوم

فتنۂ ارتداد

(۱)

جزیرۂ عرب میں بغاوت

بعض بدوی قبائل میں اسلام سے ارتداد کا فتنہ اتنا زبردست تھا کہ اس نے جزیرۂ عرب کے اطراف وجوانب کو ہلا ڈالا اور اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اس کے لئے زبردست خطرہ کا موجب بن گیا۔ اگر خدانخواستہ یہ فتنہ کامیاب ہو جاتا تو اسلام کی بنیادیں ہی اکھڑ جاتیں اور دنیا کے سامنے جاہلیت کا زمانہ پھر عود کر آتا۔

بعض قبائلِ عرب کا زکوٰۃ دینے سے انکار

صحرائی علاقوں خصوصاً نجد اور یمن میں اسلام کا اثر بعض بدویوں پر بہت ہی کم تھا۔ وہ محض نام کے مسلمان تھے۔ دراصل انہیں اسلام سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ صرف اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت جانتے ہوئے بعض ان فرائض کو ترک کر دینا چاہا جو اسلام نے ان پر عائد کئے تھے۔ انہیں سب سے زیادہ وہ فرائض شاق گزرتے تھے جن کا تعلق مال سے تھا مثلاً زکوٰۃ وغیرہ۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ زکوٰۃ دراصل ایک قسم کا جزیہ اور ٹیکس ہے جس کی ادائیگی کے لئے ان پر اسی طرح ظلم کیا جاتا ہے جس طرح ایک جابر بادشاہ ٹیکس لینے کے لئے اپنی رعایا کو نشانۂ ستم بناتا ہے۔ وہ

اس حقیقت سے نا آشنا تھے کہ زکوٰۃ کوئی جزیہ یا تاوان نہیں۔ بلکہ صدقہ ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ اور صرف انہی لوگوں سے وصول کیا جاتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ کے فضل نے مال و دولت کی فراوانی سے نواز رکھا ہو۔ اس کی غرض یہ ہے کہ مسلمانوں میں کوئی شخص فقیر اور بھوکا ننگا نہ رہے اور غریب لوگ زندگی کی آسائشوں میں اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ یکساں حصہ گیر ہو سکیں۔ لیکن بدوی اس فرق کو نہ سمجھ سکے۔ انہوں نے سرکشی اور بغاوت پر کمر باندھ لی اور تہیہ کر لیا کہ وہ کسی صورت میں بھی زکوٰۃ ادا نہ کریں گے۔

جھوٹے نبیوں کا خروج

زکوٰۃ کی عدم ادائیگی کے فتنہ کے ساتھ ساتھ ایک اور خوفناک فتنہ نے بھی سر اٹھایا۔ یعنی عرب میں نبوت کے کئی جھوٹے مدعی پیدا ہو گئے جنہوں نے کہنا شروع کیا کہ ہمارے پاس خدا تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ نبوت کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ تھے:۔ طلحہ اسدی، اسود عنسی، مسیلمہ کذاب اور سجاح تمیمیہ ان مدعیانِ نبوت کے قبائل ان کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور اس طرح سرزمین عرب میں ایک زبردست فتنہ پھوٹ پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عزم و ثبات

گو یہ وقت نازک ترین وقت تھا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ آپ نے ان سب لوگوں سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا جنہوں نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر کے جزوی طور پر اسلام کو ترک کیا تھا، یا مختلف مدعیانِ نبوت کی فرماں برداری اور اطاعت اختیار کر کے کلیتہً اسلام سے روگرداں ہو گئے تھے۔

اسامہؓ کے لشکر کی شام کو روانگی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حزم و ہمت کے مالک اور صدق و صفا کے پیکر تھے ایمان آپ کی رگ و پے میں رچا ہوا تھا جس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جب آپ نے انتہائی نامساعد اور نہایت ہولناک حالات میں اسامہؓ بن زید کو شام بھیجا تھا۔ بات یہ تھی کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حضورؐ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ نے غزوۂ موتہ میں رومیوں کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کیا حضورؐ کو ان کی وفات کا بے حد رنج ہوا۔ اس جنگ میں قضاعہ کے قبائل نے جو شام کی سرحد پر آباد تھے رومیوں کی مدد کی تھی اور مسلمانوں کے لشکر کے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔ حضرت رسولِ کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے مرض الموت سے کچھ پہلے ایک لشکر اسامہ بن زید رض کی سرکردگی میں ان کے باپ کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے تیار کیا اور اسے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ اس لشکر میں حضرت ابوبکر رض، حضرت عمر رض اور بڑے بڑے صحابہ رض شامل تھے۔ اسی دوران میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت کی خبر سن کر لشکر نے جو مدینہ سے روانہ ہو چکا تھا اپنی روانگی ملتوی کر دی اور مدینہ سے باہر ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت یابی کا انتظار کرنے لگا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی اور بعد وہی قبائل نے ارتداد اختیار کیا تو بعض صحابہ رض نے حضرت ابوبکر رض سے عرض کیا کہ مناسب ہوگا اگر اسامہ رض کے لشکر کی روانگی فی الحال ملتوی کر دی جائے۔ کیونکہ اس وقت انتہائی نازک صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے۔ دشمن کے حملہ کا خطرہ لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہا ہے۔ اگر اس وقت اسامہ رض کا لشکر شام چلا گیا تو مدینہ بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس مشورے کو ماننے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔ آپ نے فرمایا "نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ لشکر ضرور شام جائے گا۔ اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الموت کے دوران میں اس کو بھیجنے کی تاکید کی تھی۔ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی خلاف ورزی کس طرح کر سکتا ہوں؟"

جب اسامہ رض کے لشکر کی روانگی کو ملتوی کرنے کا مشورہ سختی سے رد کر دیا گیا تو بعض لوگوں نے حضرت ابوبکر رض سے یہ عرض کیا کہ اسامہ رض کی عمر بہت کم ہے کسی سن رسیدہ شخص کو اسامہ رض کی جگہ لشکر کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رض کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور آپ نے فرمایا:

"ابو قحافہ کے بیٹے (ابوبکر صدیق رض) کی یہ مجال ہو سکتی ہے کہ جس شخص کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار بنایا ہو وہ اسے معزول کر دے؟"

حضرت عمر رض انصار کی ترجمانی کرتے ہوئے اس بارہ میں زیادہ اصرار کر رہے تھے۔ جب ان کا اصرار بڑھتا چلا گیا تو حضرت ابوبکر رض نے اٹھ کر ان کی داڑھی پکڑ لی اور فرمایا:

"تمہاری ماں تمہیں روئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رض کو لشکر کی سرداری سونپی تھی اور تم کہتے ہو کہ میں اسے ہٹا دوں۔"

حضرت صدیق رض نے اس موقعہ پر لشکر کے ان جذبات کو خوب اچھی طرح بھانپ لیا تھا جو اس کے اندر اکابر صحابہ رض اور قریش کے بڑے بڑے جہاندیدہ آدمیوں پر بیست سالہ اسامہ رض کو سردار بنانے کی وجہ سے پیدا ہوئے تھے

اور آپ نے لوگوں کے دلوں سے جاہلیت کے ان اثرات کو مٹا دینے کا تہیہ کر لیا تھا جن کے تحت وہ سن رسیدہ آدمیوں پر کسی نوجوان سالارِ لشکر کا تقرر برداشت نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس درخواست کو سختی سے رد کر کے اپنی برتائی اور فضیلت کے جو اثرات ان کے دلوں میں جاگزیں تھے، انہیں محو کر دیا۔

حضرت عمرؓ بھی اس لشکر میں شامل تھے۔ مگر اس وقت اشد ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ مدینہ میں موجود رہیں تاکہ اس نازک وقت میں حضرت ابوبکرؓ کی مدد کر سکیں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے ہرگز یہ گوارا نہیں کیا کہ بغیر اسامہؓ کی اجازت کے انہیں بطور خود مدینہ میں ٹھہرا لیں۔ انہوں نے باقاعدہ اسامہؓ سے اس امر کی درخواست کی۔ اور جب اسامہؓ نے اجازت دے دی تو حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ حضرت ابوبکرؓ اپنے اس طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دراصل یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ جس شخص کو کوئی عہدہ دیا جائے تو ضروری ہے کہ اس عہدہ کے اعتبار سے اس کا احترام کیا جائے اور اسے اس کے دائرہ عمل میں آزاد رکھا جائے۔

جب لشکر کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت اسامہؓ اور اس لشکر کو جو مدینہ کے باہر کھڑا تھا، رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ پیدل ان کے ساتھ چل رہے تھے۔ اس پر اسامہؓ نے کہا:

"یا تو آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ میں خود گھوڑے سے اترتا ہوں۔"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا:

"خدا کی قسم! نہ تم اترو گے اور نہ میں سوار ہوں گا۔ کیا ہوا اگر میرے پاؤں اللہ کے رستے میں گرد آلود ہو گئے؟"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے سردار کی جتنی قدر و منزلت کی اس سے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بلند مرتبے کا پتہ چلتا ہے۔ اس طرح آپ نے امت کو کئی سبق دے دیے۔

آپ نے لوگوں کو بتانا چاہا کہ جو شخص امیر ہو اس کی عزت کرنی چاہیے۔ اس لئے آپ نے اسامہؓ کی مشایعت کے لئے پیدل چلنا گوارا فرمایا۔ آپ کی خواہش تھی کہ قیادت کو انتہائی مضبوط ہونا چاہیے اس لئے آپ نے اسامہؓ سے اس امر کی درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ میں ہی رہنے دیا جائے۔ جس کی اسامہؓ نے

اجازت دے دی۔

حضرت اسامہ رض کوئی غیر معمولی نوجوان نہیں تھے۔ آپ اس وقت بچپن کی منزلوں سے نکل کر جوانی کی حدود میں داخل ہوئے تھے۔ اور آپ کا خلیفہ کے خاص مقربین یا بڑے بڑے بہادروں میں بھی شمار نہیں ہوتا تھا لیکن پھر بھی صدیق اکبر رض نے چاہا کہ لشکر میں ان کی عزت و تکریم کی جائے اور ان کے ہر حکم پر لبیک کہا جائے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کرنی اور کرانی چاہتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی حضرت اسامہ رض کو مہاجرین اور انصار کے اکابر صحابہ رض پر سردار بنایا تھا۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رض لوگوں کو یہ بات جتلا دینا چاہتے تھے کہ بڑائی صرف عمر پر منحصر نہیں ہوتی اور اسلام کسی قسم کی جاہلی عصبیت اور حسب و نسب میں فضیلت کا روادار نہیں۔

لشکر کی روانگی کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رض نے اسے مندرجہ ذیل نصیحتیں فرمائیں:

"میں تمہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت کرتا ہوں ان کو یاد رکھنا اور ان کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ یعنی خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، عہد شکنی نہ کرنا، مثلہ نہ کرنا (یعنی جنگ میں مقتولوں کے اعضاء مثلاً ناک کان وغیرہ نہ کاٹنا) چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجوروں اور پھل دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ جلانا، بھیڑوں بکریوں، گایوں اور اونٹوں کو کھانے کے سوا اور کسی غرض کے لئے ذبح نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو ترک دنیا کر کے گرجاؤں میں بیٹھے ہوں گے، ان سے تعرض نہ کرنا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ تمہارا گزر ایسے لوگوں میں بھی ہوگا جو تمہارے پاس قسم قسم کے کھانے لائیں گے۔ جب تم ان کھانوں کو کھاؤ تو اللہ کا نام لے کر کھانا۔ پس خدا کا نام لے کر روانہ ہو جاؤ۔ وہ تم کو دشمنوں کے نیزوں اور طاعون سے بچائے۔"

اسامہ رض کے لشکر کی واپسی:-

یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو اسامہ رض کا لشکر مدینہ سے روانہ ہوا۔ شام کی حدود پر پہنچ کر اس نے قضاعہ کے علاقہ کو تاخت و تاراج کیا۔ اور مال غنیمت لے کر چالیس دن کے بعد فتح اور ظفر مندی کے ساتھ مدینہ واپس آ گیا۔

یہ لشکر بھیجنا مسلمانوں کے لئے انتہائی مفید ثابت ہوا۔ کیونکہ جب مرتدین کو مدینہ سے اس لشکر کی روانگی

کا حال معلوم ہوا تو وہ حیران و ششدر رہ گئے اور کہنے لگے کہ اگر مسلمانوں کے پاس قوت و طاقت نہ ہوتی تو ایسے وقت میں وہ اپنے لشکر کو غسانیوں کے مقابلہ کے لئے ہرگز نہ بھیجتے۔

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ اسامہؓ کے لشکر کی تعداد پچاس ہزار تھی۔ اس میں مہاجرینؓ اور انصارؓ کی تعداد ڈیڑھ اور دو ہزار کے درمیان تھی۔ باقی لشکر قریش کے قبائل پر مشتمل تھا۔ قریش کے ان قبائل نے اس جنگ میں بھی اور بعد کی جنگوں میں بھی بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے اور پرچم اسلام کو ہر موقعہ پر سربلند رکھا۔

---

(۲)

حضرت صدیقؓ کا عزم صمیم

اکثر صحابہؓ کا خیال تھا کہ ان مرتدین سے جنہوں نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے، نرمی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ ان قبائل کا کہنا تھا کہ ہم نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں مگر زکوٰۃ دینے کے لئے نہیں۔ صحابہؓ کہتے تھے کہ جس حد تک یہ لوگ ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں اس حد تک ان کا تعاون قبول کر لیا جائے اور کچھ دنوں کے لئے ان سے زکوٰۃ لینی بھی ملتوی کر دی جائے۔ تاکہ اس مدت میں اسامہؓ کا لشکر واپس پہنچ جائے اور مسلمان اس قابل ہو جائیں کہ ہر حملہ کا منہ توڑ جواب دے سکیں۔ لیکن حضرت صدیقؓ نے یہ مشورہ قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ اس طرح دین کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچتا تھا۔ دین دراصل ایک پتھر کی طرح ہے کہ اگر اس کا کوئی ایک کونہ بھی جھڑ جائے تو آخر کار پورا پتھر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ پھر اسلام تو ایسا دین ہے کہ خواہ ابوبکرؓ ہوں یا کوئی اور اس کے تشریعی عقائد میں سر مو بھی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ کوئی شخص خدائی احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں کمی بیشی کا مجاز نہیں۔ اسی لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بارہ میں جو موقف اختیار کیا وہ آپ کے آہنی عزم پر دلالت کرتا ہے۔ آپ نے مرتدین کے مطالبات کے سامنے جھکنے سے سختی سے انکار کر دیا اور فرمایا: "خدا کی قسم! اگر وہ مجھے ایک رسی کا ٹکڑا بھی، جسے

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ادا کیا کرتے تھے' دینے سے انکار کریں گے تو میں اس رسی کے ٹکڑے کے لئے بھی ان سے لڑوں گا۔"

حضرت صدیقؓ کے اس ارادہ سے آپ کی انتہائی عقلمندی' قوت ارادی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے آپ کے عشقِ صادق کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ جب انسان کا ایمان مضبوط ہوتا ہے تو وہ دشمن کی طاقت اور قوت کو بالکل ہیچ سمجھتا ہے اور خواہ دشمن کا لشکر طاقت و قوت اور شان و شوکت میں کتنا ہی بڑھا چڑھا کیوں نہ ہو وہ بے دھڑک اس یقین کے ساتھ اس کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا ہے کہ فتح و نصرت اور کامرانی اسی کی قسمت میں لکھی ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کرنے والے' اس کی راہ میں ایثار و قربانی سے کام لینے والے' دین کی عزت کے لئے کوشاں رہنے والے اور اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر جدوجہد کرنے والے کو کبھی ذلیل اور رسوا نہیں کرتا بلکہ ہر موقعہ پر اس کو اپنی مدد اور فتح و نصرت سے نوازتا ہے۔

مرتدین کا مدینہ کی طرف رُخ کرنا

اسامہؓ کے لشکر کے چلے جانے کے بعد مدینہ کی حفاظت کرنے والوں کی تعداد بے حد کم رہ گئی تھی[1]۔ اس لئے حضرت صدیقؓ نے تمام حالات کا نہایت دُور اندیشی اور احتیاط سے جائزہ لیا۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ اسامہؓ کے لشکر کی واپسی سے پہلے مرتدین سے چھیڑ چھاڑ کی جائے۔ اسی لئے آپ نے مختلف طریقوں سے اس بات کی کوشش کی کہ مدینہ کے اردگرد عبس' ذبیان' اسد اور طےؔ کے قبائل کے ساتھ جو مرتد ہو کر' اسلام کے دشمن بن کر مسلمانوں سے برسرپیکار ہونا چاہتے تھے' فی الحال جنگ نہ کی جائے۔ بلکہ لڑائی کو اس وقت تک ٹالا جائے جب تک اسامہؓ کا لشکر واپس نہ پہنچ جائے لیکن یہ قبائل بھی جانتے تھے کہ اگر اسامہؓ کا لشکر پہنچ گیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اس لئے انہوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ چنانچہ مرتدین کا ایک لشکر ذی القصہ اور ایک لشکر ابرق میں[2] اترا اور وہاں سے انہوں نے حضرت صدیقؓ کے پاس ایک وفد بھیجا جس میں پھر اپنی اس پیشکش کو دہرایا کہ اگر زکوٰۃ معاف کر دی جائے تو وہ نماز وغیرہ دوسرے اسلامی ارکان ادا کرنے کو تیار ہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے کی طرح

---

[1] بعض مورخین نے تو ان کی تعداد چند سو لکھی ہے۔ [2] یہ دونوں مقام مدینہ کے قریب واقع ہیں۔

اس مرتبہ بھی سختی کے ساتھ انکار کر دیا اور ان کو مدینہ سے نکال دیا۔

بعض مورخین کا خیال ہے کہ اس وفد کے مدینہ آنے کی غرض یہ تھی کہ موجودہ صورتِ حال کا جائزہ لیا جائے اور مسلمانوں کے لشکر کی صحیح تعداد معلوم کی جائے۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے اور بہت ممکن ہے کہ اس وفد کے آنے کی غرض یہی ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا یہ جواب سن کر وفد واپس اپنے لشکر میں چلا گیا اور آپ کے جواب کے ساتھ ساتھ مدینہ کی ساری صورتِ حال، مسلمانوں کی قلتِ تعداد اور ان کی کمزور حالت کا سارا نقشہ بیان کر دیا۔

وفد نے مسلمانوں کی قلتِ تعداد کا حال تو اپنے ساتھیوں کو سنا دیا لیکن وہ اس حقیقت کو فراموش کر گیا کہ فتح و نصرت کثرتِ تعداد اور قوت و طاقت کی مرہونِ منت نہیں ہوتی بلکہ فتح کا دارومدار قوتِ ایمان، قوتِ ارادی اور صدقِ یقین پر ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے جو طاقتیں سامنے آئیں وہ قوت و تعداد کے نشہ میں چور ہوتی تھیں۔ انہیں میدانِ جنگ میں اپنے وسیع تجربہ کا گھمنڈ ہوتا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے ان کی ایک پیش نہ گئی اور ہر مرتبہ انہیں ناکامی ہی کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تارکینِ زکوٰۃ کے وفد کو ناکام واپس کرنے کے بعد مدینہ والوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ اور مدینہ کے مسلمانوں کا ایک لشکر مرتب فرما کر لشکر کے مختلف حصوں کو علی رضؓ، طلحہ رضؓ، زبیر رضؓ اور ابن مسعود رضؓ کی نگرانی میں دے دیا۔ آپ کو خوف تھا کہ کہیں دشمن مدینہ پر شبخون نہ مارے۔ اس لئے آپ نے شہر کے ارد گرد ہر اہم ناکے پر فوج کا ایک دستہ متعین فرما دیا۔ باقی لوگ مسجد میں آکر جمع ہو گئے اور اس بات کا انتظام کر دیا گیا کہ اگر دشمن رات یا دن کے کسی حصہ میں مدینہ پر حملہ کرے تو ناکوں پہ متعین دستوں کو مدد مل سکے۔

اسی طرح تین دن گزر گئے۔ تین روز کے بعد عبس، ذبیان، طی اور ان کے مددگاروں نے رات کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ٹھانی۔ انھوں نے اپنے لشکر کے ایک حصہ کو ذی حسی مقام پر ہی چھوڑ دیا، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس سے کام لیا جا سکے۔ مدینہ کے ناکوں پر جو دستے متعین تھے انہوں نے کچھ لوگوں کو مدینہ کے ارد گرد اور مدینہ سے باہر بھیجا ہوا تھا۔ تاکہ وہ دشمنوں کی حرکات و سکنات کا پتہ چلائیں۔ جب ان لوگوں نے دیکھا کہ مرتدین رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ کی جانب بڑھے چلے آرہے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو فوراً خبر کر دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کا مرتدین پر حملہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فوراً اس امر کی اطلاع دی گئی آپ مسجد نبوی میں تشریف لائے در لشکر

کے ساتھ اونٹنیوں پر سوار ہو کر ان لوگوں کے مقابلے کے لئے نکلے اور پہلے ہی حملے میں مرتدین کو شکست دے دی۔ جب مرتدین شکست کھا کر بھاگے تو مسلمانوں نے ان کا پیچھا شروع کیا۔ حتیٰ کہ وہ ذی حسیٰ مقام تک پہنچ گئے۔ جہاں مرتدین کا بقیہ لشکر موجود تھا۔ وہ مسلمانوں کو دیکھ کر مقابلہ میں نکل آیا۔ اس لشکر نے مسلمانوں کے اونٹوں کے گلوں میں رسیاں ڈالنی چاہیں۔ تاکہ ان کو پکڑ لیں اور ساتھ ہی مسلمان بھی ان کے قبضہ میں آجائیں۔ لیکن اونٹوں نے فوراً اپنا رُخ پھیر لیا اور مدینہ کی جانب بھاگنے لگے۔ اونٹ اتنی تیزی سے بھاگے جا رہے تھے کہ مسلمانوں کے روکے نہ رُکتے تھے۔ مرتدین کسی ایک مسلمان کو بھی گرفتار نہ کر سکے اور ان کی چال اکارت گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے باقی رات تیاری میں گزاری اور رات کے آخری حصہ میں مرتدین سے مقابلہ کرنے کے لئے اسلامی لشکر کے ہمراہ مدینہ سے باہر نکل آئے۔

ادھر مرتدین نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کے اونٹ مدینہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں تو وہ دھوکے میں آ گئے۔ اور انہوں نے "ذی القصہ" والوں کی طرف آدمی بھیجا کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور خود اس امید میں سو گئے کہ کل مدینہ پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیں گے۔

لیکن یہ ان کی بھول تھی۔ صبح ہوتے ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنا لشکر لے کر ان کے ڈیروں پر پہنچ گئے۔ وہ بے خبر پڑے سو رہے تھے۔ انہوں نے مسلمانوں کی آواز تک نہ سُنی۔ تا آنکہ مسلمانوں کی تلواریں ان کے گلوں میں پیوست ہو گئیں۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہونے پایا تھا کہ مسلمان دشمنوں پر فتح پا کر اپنے ساتھ مالِ غنیمت لئے واپس آ گئے۔

اس واقعہ سے قبیلہ عبس میں کھلبلی مچ گئی۔ ان کو سان گمان بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ ان کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا اور ان کے خواب سب ادھورے رہ گئے۔ اس جھنجھلاہٹ میں ان سب مسلمانوں کو انہوں نے قتل کر دیا، جو ان کے پاس تھے۔ اب حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بڑے اہتمام کے ساتھ مسلمانوں کو لڑائی کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ اسی اثناء میں اسامہؓ کا لشکر شام سے واپس آ گیا۔ آپ نے اسے مدینہ میں آرام کرنے کا حکم دیا اور اپنے پیچھے اسامہؓ کو مدینہ کا امیر بنا کر خود بنی عبس کے مقابلہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے بہ منت عرض کیا کہ آپ اپنے تئیں خطرہ میں نہ ڈالیں اور مدینہ میں ہی قیام فرمائیں۔ کیونکہ اگر خدانخواستہ آپ کی ذات کو کسی طرح کا نقصان پہنچ گیا تو امت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا آپ لشکر کی قیادت کے لئے اپنی جگہ کسی اور شخص کو نامزد فرما دیجئے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اپنے لشکر کے ساتھ سب سے پہلے ابرق پہنچے۔ وہاں عبس اور بنو بکر کو شکست دی کچھ دنوں ابرق میں قیام فرمایا۔ پھر آگے بڑھ کر بنی ذبیان کو مغلوب کیا اور ان کی زمینیں اور چراگاہیں مسلمانوں کے گھوڑوں کے لئے وقف کر دیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ واپس آ گئے۔ چونکہ مدینہ کے آس پاس بسنے والے دشمن قبیلوں کی سرکوبی ہو چکی تھی۔ اس لئے اب آپ کو اطمینان ہو گیا کہ مدینہ آئندہ ان لوگوں کی تاخت و تاراج سے محفوظ رہے گا۔

مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے متعدد لشکروں کی روانگی

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے اسامہؓ کے لشکر کو کچھ دن تک آرام کرنے دیا اور جب وہ تازہ دم ہو چکا تو ارادہ فرمایا کہ عرب کے مرتدین پر ایک بھرپور حملہ کر کے ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ ایک لشکر لے کر مدینہ سے نکلے اور ذی القصہ میں جو نجد کی جانب مدینہ سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع ہے قیام فرمایا۔ وہاں آپ نے گیارہ جھنڈے بنا کر انہیں گیارہ امیروں میں تقسیم کر دیا۔ اور ہر امیر کو اپنے دستہ کے ساتھ مختلف اطراف و جوانب کو جانے کا حکم دیا۔ پھر ہدایت کی کہ راستے میں جس مسلمان قبیلہ کے پاس سے گزریں اسے اپنے ساتھ مرتدین سے جنگ کرنے کی ترغیب دیں۔ اس سے یہ فائدہ ہو گا کہ کچھ لوگ تو مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ میدان میں نکل آئیں گے اور کچھ لوگ اپنے مرتد بھائی بندوں کی حمایت کے لئے گھروں میں ہی بیٹھے رہیں گے۔ اس کے بعد مسلمانوں اور مرتدین کے حامیوں میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے گا۔

آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بزاخہ کے مقام پر طلیحہ بن خویلد اسدی کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور ہدایت کر دی کہ جب وہ اس مہم سے فارغ ہو جائیں تو بطاح میں مالک بن نویرہ کے مقابلہ کے لئے چل کھڑے ہوں۔

عکرمہؓ بن ابوجہل کو یمامہ میں مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کے لئے بھیجا اور ان کے پیچھے شرحبیلؓ بن حسنہ کو ان کی امداد و تقویت کے لئے روانہ کر کے حکم دیا کہ مسیلمہ سے فارغ ہو کر قضاعہ کی طرف بڑھیں۔

مہاجرؓ بن ابی امیہ کو صنعاء میں اسود عنسی کے مقابلہ پر متعین کیا۔

حذیفہؓ بن محصن کو عمان میں اہل دبا کا سر کچلنے کے لئے روانہ کیا۔

عرفجہؓ بن ہرثمہ کو اہل مہرہ کی طرف بھیجا۔ ان کو اور حذیفہ بن محصن کو حکم دیا کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں اور

فرمایا کہ جو جس کے رقبۂ حکومت میں ہو اس کے ماتحت رہے (یعنی جب دونوں عمان میں ہوں تو حذیفہؓ امیر ہوں گے اور عرفجہؓ ان کے ماتحت، اور جب مہرہ میں ہوں تو عرفجہؓ امیر ہوں گے اور حذیفہؓ ماتحت)

سویدؓ بن مقرن کو تہامۂ یمن کی طرف بھیجا۔

علاءؓ بن حضرمی کو بحرین روانہ کیا۔

طریفہؓ بن حاجز کو بنی سلیم اور ان کے ساتھ جو ہوازن شامل ہو گئے تھے ان کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔

عمروؓ بن العاصؓ کو سرحد شام کی طرف روانہ فرمایا۔

مرتدین کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خط

لشکر کے دستوں اور امراء کی تعیین کے بعد آپ نے عرب کے مرتدین کے نام ایک ہی مضمون کے خطوط بھیجے جن میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آپؐ کی وفات کے ذکر کے بعد لکھا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم میں سے بعض لوگ، جنہوں نے پہلے اسلام کو قبول کر لیا تھا اور اس کے احکام پر عمل کرنے لگے تھے، اب اس دین کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ انہوں نے اپنی نادانی اور جہالت سے اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانا اور وہ شیطان کے بہکائے میں آ گئے۔ میں نے مہاجرینؓ، انصارؓ اور تابعینؒ کے لشکر کے ساتھ فلاں شخص کو تمہاری طرف بھیجا ہے اور اسے حکم دیا ہے کہ وہ اس وقت تک جدال و قتال سے اپنا دامن بچائے جب تک تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بُلا نہ لے۔ جو اس کی بات مان لے گا، اسلام کا اقرار کرے گا، اپنے بُرے اعمال سے باز آ جائے گا اور نیک کام کرنے لگے گا، اس سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ بلکہ اس کی امداد و اعانت میں ساعی ہو گا۔ لیکن جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں گے ان کے متعلق میں نے حکم دیا ہے کہ ان سے جنگ کی جائے۔ انہیں آگ میں جلا دیا جائے، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا جائے اور کسی سے بجز اسلام کے اور کچھ قبول نہ کیا جائے۔ جس شخص نے ان باتوں کو مان لیا اور اسلام قبول کر لیا تو یہ اس کے لئے بہتر ہو گا۔ لیکن جس نے ایسا نہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکے گا۔ میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ وہ میرے اس خط کو تمہارے مجمعِ عام میں سُنا دے اور نشانی یہ مقرر کی ہے کہ جس بستی کے لوگ اذان دیں، ان سے ہاتھ روک لیا جائے۔ اور اگر وہ اسلام کا اقرار کر لیں تو ان کا اقرار قبول کر لیا جائے۔"

یہ خط لکھ کر ہر لشکر کے سپرد کر دیا گیا اور انہیں حکم دے دیا گیا کہ اس خط کو عام مجمعوں میں سنا دیا جائے اور مرتدین کو اللہ تعالیٰ اور اسلام کی طرف لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے۔

امرائے عساکر کے لئے ہدایتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امرائے عساکر کے لئے ایک عہد بھی لکھا جس کا مضمون سب امراء کے لئے ایک ہی تھا۔ ہر امیر نے وہ عہد نقل کر لیا اور اس پر کاربند ہونے کا وعدہ کیا۔ اس عہد کی عبارت مندرجہ ذیل تھی:۔

"یہ عہد ابوبکرؓ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے اور فلاں شخص سے لیا جاتا ہے جب کہ وہ ان لوگوں سے لڑنے جا رہا ہے جنہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔ فلاں شخص سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہوگا۔ وہ پوشیدہ اور اعلانیہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے گا، خدا کی راہ میں ہر طرح کوشاں ہوگا۔ ان لوگوں سے جہاد کرے گا جو اسلام کو چھوڑ کر شیطان کے پیروکار بن گئے ہیں البتہ حجت تمام کرنے کے لئے وہ پہلے انہیں اسلام کی طرف بلائے گا۔ اگر وہ دائرہ اسلام میں آجائیں گے تو ان سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ لیکن اگر انکار کریں گے تو ان سے اس وقت تک برسر جنگ رہے گا جب تک وہ اسلام قبول کرنے کا اعلان نہ کر دیں۔ اگر مرتدین اسلام قبول کر لیں تو وہ ان تمام حقوق و فرائض سے انہیں آگاہ کر دے گا جو ان پر واجب ہوتے ہیں اور جو حکومت کی طرف سے ان کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ ازاں بعد جو فرائض ان کے ذمہ واجب ہوں گے وہ ان کی بجاآوری کا انتظام کرے گا اور جو حقوق ان کے ہوں گے، وہ ادا کرے گا۔ حالتِ ارتداد میں ان سے کسی قسم کی رو رعایت نہ کرے گا اور نہ ان سے لڑنے میں پیچھے ہٹے گا جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری کا اقرار کرے تو اس کا یہ اقرار قبول کرے گا اور ہر نیک کام میں اس کی مدد کرے گا۔ لیکن جو شخص حالتِ ایمان کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے انکار پہ کمر باندھے گا تو اس سے لڑے گا۔ البتہ اگر وہ دوبارہ اسلام کی دعوت قبول کرے گا تو اس سے کسی قسم کا مواخذہ نہیں لیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر وہ اپنے دل میں کوئی اور بات پوشیدہ رکھے گا تو اللہ تعالیٰ اس سے خود نپٹ لے گا۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی دعوت پر کان نہیں دھرے گا، اسے، جہاں کہیں وہ ملے گا، قتل کر دے گا اور اس سے اسلام کے سوا اور کچھ قبول نہ کرے گا۔ جو شخص اسلام کی دعوت پر ایمان لے آئے گا اس کا یہ اقرار قبول کر لے گا۔ لیکن جو شخص انکار کرے گا، تو اس سے لڑے گا اور اگر خدا تعالیٰ اسے اس مرتد پر فتح

دے گا تو اس کو تلواروں اور آگ کے ذریعہ ہلاک کر دے گا۔ جو مالِ غنیمت حاصل ہو گا اسے سوائے خمس کے، فوج میں تقسیم کر دے گا۔ خمس ہمارے پاس آنا چاہیئے۔ اس شخص سے اس بات کا بھی عہد لیا جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو عجلت اور فساد سے باز رکھے گا۔ کسی غیر کو اپنے لشکر میں داخل نہ ہونے دے گا جب تک کہ اس کو اچھی طرح پہچان نہ لے۔ تاکہ جاسوسوں کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ سفر اور حضر میں مسلمانوں سے نرمی اور محبت کا برتاؤ کرے گا۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھے گا۔ اور مسلمانوں کو بھی اس بات کی تاکید کرے گا کہ وہ نیک صحبت اختیار کریں۔ اپنے ساتھیوں سے نرمی کا سلوک کریں۔"

حقیقت یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمان تباہی اور بربادی کے ہولناک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد شاملِ حال نہ ہوتی اور وہ حضرت ابو بکرؓ جیسے صادق الایمان آہنی عزم وارادہ کے مالک، اور اسلام کے عاشقِ زار کو کھڑا نہ کرتا تو مسلمان صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاتے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے مقابلہ میں جس جرأت، دلیری اور ہمتی کا مظاہرہ کیا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اس وقت جب مدینہ کا ہر متنفس یہ کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کرنا چاہیئے شاید خدائے تعالیٰ ان کے دلوں کو پھیر دے اور وہ اسلام قبول کر لیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہر ممکن خطرہ کو مول لیتے ہوئے مرتدین سے مقابلہ کرنے اور فتنہ و فساد کو جڑ سے اکھاڑ دینے کا تہیہ کر لیا۔ اس طرح آپ نے مرتدین کے لئے اس امر کے سوچنے کی گنجائش بھی نہ رکھی کہ اب اسلام کمزور ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے سرزمینِ عرب میں جس فتنہ کی بنیاد رکھی ہے اسلام میں اس کے روکنے کی طاقت نہیں ہے۔ اگر حضرت صدیقِ اکبرؓ اس موقعہ پر بے نظیر جرأت اور بہادری کا مظاہرہ نہ کرتے تو یقیناً سارا عرب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا اور مدعیانِ کاذبہ کی طاقت وقوت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔ لیکن خدائے تعالیٰ جو دین کا محافظ ہے ایسا ہونا کس طرح گوارا کر سکتا تھا۔ اس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو چنا اور آپ کے ذریعہ مرتدین کا بالکلیہ استیصال کرادیا۔

---

(۳)

اسلام کی شمشیرِ برّاں

حضرت خالدؓ بن ولید اور طلیحہ بن خویلد الاسدی کا باہم مقابلہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو ان دشمنانِ اسلام کی طرف بھیجا جو مدینہ سے قریب تر تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ وہ پہلے طلیحہ بن خویلد الاسدی اور اس کے مددگاروں کا مقابلہ کریں۔ اور اس پر فتح پالیں تو پھر مالک بن نویرہ کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جائیں۔

طلیحہ بن خویلد الاسدی اور مالک بن نویرہ دونوں انتہائی طاقت و قوت کے مالک تھے اور حضرت خالدؓ بن ولید کو ان دونوں کے مقابلہ پر بھیجنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت خالدؓ بن ولید کی جرأت اور بہادری پر کتنا اعتماد تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو یقین تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھوں اسلام اپنے دشمنوں پر غالب آجائے گا اور جزیرۂ عرب اور مدینہ کے گردو نواح میں دوبارہ امن قائم ہو جائے گا۔

طلیحہ بن خویلد الاسدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہو گئی تو اس نے بے حد طاقت حاصل کر لی اور کئی قبائل کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ دراصل اس کی خواہش تھی

کہ وہ بھی حضورؐ کی سی شان و شوکت حاصل کر سکے ۔ چنانچہ اس نے سب سے پہلے اپنی قوم بنی اسد کو اپنی نبوت کی طرف بلایا جو فوراً ہی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی ۔ اب اس نے قبیلہ طے کی طرف رُخ کیا چونکہ قبیلہ طے اور بنی اسد کے درمیان دوستی تھی ۔ اس لئے طے والے بھی اس کے ساتھ ہو گئے ۔ قبیلہ غطفان نے بھی اس کی اطاعت قبول کر لی ۔ گو ان قبیلوں کے با رسوخ اور معزز اشخاص طلیحہ کے ساتھ شریک نہیں ہوئے اور انہوں نے اپنے دین کو نہیں بدلا ۔ لیکن عوام کثیر تعداد میں اس کے پیرو ہو گئے ۔ جس کے نتیجہ میں اس کے گرد ایک زبردست لشکر جمع ہو گیا ۔ اس لشکر کا پڑاؤ سرزمین نجد میں طے کے ایک چشمہ بزاخہ پر تھا لشکر کی تعداد چار ہزار جنگجوؤں سے بھی زیادہ تھی ۔ اس کے مقابلہ پر حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کی تعداد ایک ہزار سے تجاوز نہ تھی ۔

حضرت خالدؓ بن ولید حسب الحکم حضرت صدیقؓ طلیحہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے ۔ عبس اور ذبیان بھی مدینہ سے شکست کھا کر طلیحہ کے پاس بزاخہ پہنچ چکے تھے ۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ قبیلہ طے کے دو خاندانوں "جدیلہ" اور "غوث" کے پاس اپنے آدمی بھیجے اور ان سے درخواست کی کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ مل جائیں ۔ بعض لوگ تو فوراً آکر مسلمانوں کے لشکر میں شامل ہو گئے ۔ لیکن بعض نے تاخیر سے کام لیا ۔

عدیؓ بن حاتم طائی کی کوششوں سے قبیلہ طے کا قبولِ اسلام

ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حاتم طائی کے لڑکے عدیؓ کو اس کے قبیلہ کی طرف بھیجا اور اسے سمجھا دیا کہ تم جا کر اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دینا اور ان سے کہنا کہ وہ خواہ مخواہ فتنہ انگیزی نہ کریں ۔ چنانچہ عدیؓ نے ایسا ہی کیا ۔ ان کی قوم نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا اور عدیؓ سے کہا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کے پاس جا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دو ۔ ہم اپنے ان آدمیوں کو جو طلیحہ کے لشکر میں ہیں، خط لکھتے ہیں کہ وہ واپس آ جائیں ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلیحہ کو ہمارے دوبارہ اسلام قبول کرنے کا پتہ چل جائے اور وہ ان لوگوں کو قتل کرا دے ۔ چنانچہ عدیؓ حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ماجرا کہہ سنایا ۔ حضرت خالدؓ نے اس مشورہ کے مطابق دشمن پر کچھ عرصہ کے لئے حملہ ملتوی کر دیا ۔ اسی اثناء میں وہ لوگ جو طلیحہ کے پاس تھے، قبیلہ میں واپس آ گئے ۔ عدیؓ نے ان کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جسے انہوں نے قبول

کر لیا۔ اس پر عدیؓ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لے کر حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس گئے۔ اس طرح مسلمانوں کو ایک ہزار جنگجو سوار اور مل گئے۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید طلیحہ کے لشکر کی جانب روانہ ہو گئے۔ قریب پہنچ کر آپ نے دو مسلمانوں عکاشہؓ بن محصن اور ثابتؓ بن اقرم انصاری کو طلیحہ کے لشکر کا حال احوال معلوم کرنے بھیجا۔ راستے میں ان دونوں کو طلیحہ کا بھائی حبال ملا جسے ان دونوں نے قتل کر دیا۔ جب یہ خبر طلیحہ کو ملی تو وہ اپنے ایک اور بھائی سلمہ کے ساتھ ان دونوں کے مقابلے کے لئے نکلا۔ مقابلہ کے وقت طلیحہ نے عکاشہؓ کو اور اس کے بھائی سلمہ نے ثابتؓ کو شہید کر دیا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو ان واقعات کا علم ہوا تو آپ نے اپنے لشکر کو لڑائی کے لئے تیار ہونے کا حکم دیا۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور تھوڑی ہی دیر میں حضرت خالدؓ نے طلیحہ کے لشکر کو شکست دے دی۔ طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد وہ ایمان لے آیا اور مرتے دم تک اسلام پر ہی قائم رہا۔

قبیلہ تمیم میں سجاح بنت حارث کا ورود

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم کے مختلف قبائل میں کئی امیر مقرر کئے تھے جن میں زبرقان ابن بدر، قیس بن عاصم، وکیع بن مالک، اور مالک بن نویرہ بھی تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان میں سے بعض تو اسی عہد پر قائم رہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے باندھا تھا اور انہوں نے زکوٰۃ کی ساری رقوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔ لیکن بعض لوگوں نے زکوٰۃ روک لی اور ارتداد اختیار کر لیا۔ بعض ابھی تذبذب ہی میں تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

جن لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ اس اختلاف نے قبیلہ میں انتشار کی حالت پیدا کر دی تھی۔

اسی اثناء میں اس قبیلہ سے سجاح بنت حارث اٹھی۔ اس عورت کا والد ایک تمیمی قبیلہ بنی یربوع کی ایک شاخ بنو تغلب سے تعلق رکھتا تھا۔ اس تعلق کی وجہ سے تمیم نے اس کی مدد کی۔

بنو تمیم میں خانہ جنگی

اس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور بنو تغلب کے عیسائیوں کی ایک جماعت اس کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سجاح نے ان کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لشکر سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ بنی تمیم میں پہنچی تو اس نے

بنو یربوع کے سردار مالک بن نویرہ کو بلا بھیجا اور اس سے رائے طلب کی۔ مالک بن نویرہ نے مشورہ دیا کہ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا خیال چھوڑ دو۔ بلکہ پہلے بنو تمیم میں اپنے مخالفوں سے نپٹ لو۔ ادھر وکیع بن مالک اور اس کی قوم بھی سجاح کے ساتھ ہو گئی تھی۔ سجاح نے مالک بن نویرہ کے مشورے پر عمل کیا اور اپنے مخالف تمیمی خاندانوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ اس طرح بنو تمیم میں خود لڑائی کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی توجہ مسلمانوں کی طرف سے ہٹ گئی۔ اگر بنو تمیم متفقہ طور پر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیتے تو دس ہزار کا عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے مقابلہ پر نکل آتا اور ان کے لئے بڑی مشکل کا سامنا ہو جاتا۔

سجاح کا مسیلمہ کذّاب کی طرف جانا

جب سجاح نے دیکھا کہ یہاں اس کی دال گلتی نظر نہیں آتی تو اس نے اپنے لشکر کو، جو ربیعہ اور ایاد وغیرہم قبائل پر مشتمل تھا، بنی حنیفہ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ بنو حنیفہ میں مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا تھا۔ جب مسیلمہ نے سجاح کے لشکر کی آمد کا حال سُنا تو بہت گھبرایا اور اس نے خیال کیا کہ اگر وہ اور اس کی قوم سجاح سے برسر پیکار ہو گئی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فوجیں اس پر ٹوٹ پڑیں گی اور اس کے اردگرد جو قبائل ہیں وہ بھی اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکیں گے۔ اس خطرہ کے پیشِ نظر اس نے سجاح کو کچھ تحفے تحائف بھیجے اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

سجاح اور مسیلمہ کذّاب کی شادی

جب ان دونوں کی ملاقات ہوئی تو مسیلمہ نے اس سے شادی کی درخواست کی اور بہت کچھ لالچ وغیرہ بھی دیا۔ چنانچہ سجاح کی رضامندی کے بعد دونوں کی شادی ہو گئی۔ تین دن کے بعد سجاح اپنے لشکر میں واپس ہوئی۔ جب لوگوں نے اس سے حالات پوچھے تو اس نے کہا:

"میں نے مسیلمہ کو حق پر پایا اس لئے میں نے اس کی تابعداری اختیار کر کے اس سے شادی کر لی۔"

لوگوں نے سجاح سے پوچھا "تم نے کچھ مہر بھی وصول کیا ہے؟" اس نے کہا "نہیں۔ اس نے مجھے مہر تو نہیں دیا۔" اس پر اس کے ساتھیوں نے کہا کہ بغیر مہر وصول کئے شادی کرنا اس کے لئے انتہائی غیر مناسب ہے۔ اس پر وہ مسیلمہ کے پاس واپس آئی اور مہر کا مطالبہ کیا۔ مسیلمہ نے سجاح کے مؤذن شبث بن ربعی الریاحی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اس امر کا اعلان کر دے کہ مسیلمہ نے دو نمازیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے واجب کی تھیں ہٹا دی ہیں۔ اور وہ عشا اور فجر کی نمازیں ہیں۔

مہر کے بارہ میں سجاح اور مسیلمہ کے درمیان یہ تصفیہ ہوا کہ مسیلمہ یمامہ کی زمینوں کے لگان کی نصف آمدنی سجاح کو بھیجا کرے گا۔ سجاح نے مطالبہ کیا کہ وہ سال آئندہ کی آمدنی میں سے اس کا حصہ پہلے ہی اسے دے دے۔ جس پر مسیلمہ نے نصف سال کی آمدنی میں سے اس کا حصہ اسے دے دیا۔ بقیہ حصے کی وصولی کے لیے سجاح نے اپنے آدمیوں کو مقرر کر دیا اور خود واپس چلی گئی۔ جب سجاح بنو تمیم میں پہنچی تو مالک بن نویرہ کو افسوس ہوا کہ اس نے اسلامی حکومت سے بغاوت کیوں کی؟ لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرے۔ بنو تمیم کے بقیہ مرتدین اور ان کے امراء کا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے حضرت خالدؓ بن ولید سے اپنی ندامت کا اظہار کیا اور ان کی خدمت میں زکوٰۃ ارسال کر دی۔

مالک بن نویرہ سردار قبیلہ بنی یربوع کا قتل

لیکن مالک بن نویرہ نے زکوٰۃ ادا نہ کی وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اس کے قبیلہ بنو یربوع میں حضرت خالدؓ بن ولید اور ان کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اس لئے اس نے انہیں منتشر ہونے کا حکم دے دیا۔ جب حضرت خالدؓ بطاح پہنچے تو میدان خالی پڑا تھا اور کوئی متنفس دکھائی نہ دیتا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خالدؓ نے فوج کے دستوں کو مختلف اطراف میں ان لوگوں کو تلاش کرنے کے لئے بھیجا۔ ایک دستہ بنی یربوع کے کچھ لوگوں کو پکڑ لایا۔ ان میں مالک بن نویرہ بھی تھا۔ حضرت خالدؓ نے ان سب کو قید کر دیا اور اس کے بعد ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ سب قتل کر دیے گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کے لشکر کے بعض آدمیوں نے یہ گواہی دی تھی کہ جب بنی یربوع نے مسلمانوں کی اذانوں کی آوازیں سنی تھیں تو انہوں نے بھی اذانیں دینی شروع کر دی تھیں۔ اسی بناء پر ان کا خیال تھا کہ ان لوگوں کا خون ناحق بہایا گیا ہے اور خلیفہ کے احکام کی صریح موجودگی میں ان کا قتل ہرگز جائز نہ تھا۔ جو لوگ اس خیال کے حامی تھے ان میں حضرت ابو قتادہؓ بھی تھے جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی تھے۔ اس وجہ سے یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا اور معاملہ بہت بڑھ گیا۔ پھر ایک اور بات نے اس امر کو اور زیادہ اہمیت دے دی اور وہ یہ کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے مالک بن نویرہ کی بیوہ سے شادی کر لی۔ ابو قتادہؓ اس بات کو برداشت نہ کر سکے۔ وہ لشکر کو چھوڑ کر مدینہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور ان سے شکایت کی کہ کس طرح خالدؓ نے آپ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے

قتادہؓ کے اس فعل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا کہ وہ بغیر خالدؓ سے اجازت لئے ان کے لشکر کو چھوڑ کر چلے آئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ، قتادہؓ یا کسی اور کے معاملہ میں اس بات کے روادار نہ تھے کہ فوجی احکام کی خلاف ورزی کی جائے۔ کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے لشکر میں کمزوری پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ اس وقت لشکرِ اسلام مخالفینِ اسلام سے برسرِ پیکار تھا اور ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کی صفوں میں کامل اتحاد اور اتفاق رہے۔ اسی لئے انہوں نے ابوقتادہؓ کو مجبور کیا کہ وہ دوبارہ خالدؓ کے لشکر میں جائیں اگر غور سے دیکھا جائے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ فعل جنگی سیاست کے نقطۂ نگاہ سے انتہائی عقلمندی اور بڑی دوراندیشی پر دلالت کرتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو ابوقتادہؓ کو خالدؓ کے لشکر میں واپس کر دیا۔ لیکن مدینہ کے مسلمانوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کے اس فعل پر کثرت سے نکتہ چینی ہونے لگی۔ مالک بن نویرہ کا بھائی متمم بن نویرہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے بھائی کے ساتھ حضرت خالدؓ نے جو سلوک کیا تھا اس کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے خالدؓ کے فعل کی مذمت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: "چونکہ خالدؓ نے ایسے لوگوں پر تلوار چلائی ہے جنہوں نے اذان کا جواب اذان سے دیا تھا۔ اس لئے اگر یہ الزام صحیح ہے تو انہیں قید کر دینا چاہئے۔" لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور حضرت عمرؓ سے فرمایا:

"عمرؓ! خالدؓ نے ایک تاویل[1] کی اور اس میں ان سے غلطی ہو گئی۔ اس لئے تم خالدؓ کے بارہ میں اپنی زبان بند کر لو۔"

جب حضرت خالدؓ بن ولید حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کے معاملہ میں اپنی معذرت پیش کی۔ ادھر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خود مالک بن نویرہ کا خون بہا ادا کر دیا۔ بنو یربوع کی طاقت ٹوٹ چکی تھی۔ قبیلہ تمیم بھی سارے کا سارا دوبارہ اسلام لے آیا۔ اور اس بات پر راضی ہو گیا کہ جس طرح وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زکوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اسی طرح وہ حضرت ابوبکرؓ کو بھی زکوٰۃ ادا کیا کریں گے۔

---

[1] حضرت خالدؓ بن ولید نے یہ تاویل کی تھی کہ ان لوگوں نے قتل کے خوف سے اذانیں دینی شروع کر دی تھیں۔

فوج کے سالاروں کو سزا دینے کے متعلق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی پالیسی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ سیاست بڑی دور اندیشی اور حکمت پر مبنی تھی کہ اگر فوج کے سالاروں اور عمال سے اثنائے جنگ میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو انہیں سزا نہ دی جائے۔ کیونکہ اگر لڑائی کے دوران میں کسی لشکر کے سردار کو سزا دی جائے تو دوسرے لشکروں کے سرداروں کی پوزیشن بھی نازک ہو جاتی ہے۔ ان کے بارے میں بھی شکایتیں ہونے لگتی ہیں۔ ان کے حاسدین کی زبانیں ان کے خلاف مصروفِ عمل ہو جاتی ہیں اور اس طرح فوج کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

آج کل کی متمدن حکومتوں کا بھی یہی طریقہ ہے کہ اگر ان کے افسروں سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو وہ اس کا محاسبہ کرنے میں سرعت سے کام نہیں لیتیں اور جب تک وہ اپنی ذمہ داریوں پر متعین رہتے ہیں ان کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتیں۔ وہ اس وقت تک انتظار کرنے کی پالیسی پر عمل پیرا رہتی ہیں جب تک دلوں کے جوش ٹھنڈے اور شکایتوں کے دفتر بند نہ ہو جائیں۔ اگر کوئی ایسا ہی سنگین معاملہ ہوتا ہے جس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو وہ ایسے افسروں کا تبادلہ کر دیتی ہیں لیکن اکثر اوقات تبادلہ کے ساتھ ہی ان کے منصب میں ترقی بھی کر دی جاتی ہے تاکہ شکایت کرنے والوں کو یہ کہنے کا موقع نہ مل سکے کہ فلاں افسر کا تبادلہ ان کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے یا ان کی شکایت پر عمل میں آیا ہے۔ اس طریقۂ عمل سے نہ صرف یہ کہ مخالفین کے منہ بند ہو جاتے ہیں بلکہ سرکاری ملازمین کے دلوں میں حکومت پر اعتماد بھی بحال رہتا ہے۔

بنو حنیفہ کے ساتھ جنگ

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بنو حنیفہ کا ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لے آیا تھا۔ قبیلہ کا سردار مسیلمہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو کچھ عطایا دیئے جن میں سے مسیلمہ کو بھی اپنا حصہ ملا۔ واپس جا کر اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کے بعد پھر مدینہ آیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

"مجھے بھی آپ کے ساتھ امرِ نبوت میں شریک کیا گیا ہے۔ اس لئے نصف ملک ہمارے لئے ہے اور نصف ملک قریش کے لئے!"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب میں لکھوایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
من محمد رسول اللہ الی مسلمة الکذاب السلام علی من اتبع
الھدیٰ اما بعد فان الارض للہ یورثھا من یشاء و العاقبة للمتقین

ترجمہ: "میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا اور مہربان ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام، اس پر سلام جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ ساری زمین اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام تو متقیوں ہی کا اچھا ہوگا۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عکرمہؓ بن ابوجہل کو مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کرنے کے لیے یمامہ بھیجا اور ان کے پیچھے شرجیلؓ کو ان کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ اور حکم یہ دیا کہ جب دونوں فوجیں جمع ہو جائیں تب جنگ شروع کی جائے۔ لیکن عکرمہؓ نے اس خیال سے کہ جنگ میں کامیابی کا فخر ان ہی کے حصہ میں آئے اکیلے پہنچ کر بنو حنیفہ پر حملہ کر دیا۔ جب بنو حنیفہ سے لڑائی شروع ہوئی تو عکرمہؓ نے شکست کھائی شرجیلؓ کو جب اس کا پتہ چلا تو وہ جہاں تھے وہیں ٹھہر گئے۔ عکرمہؓ نے ساری سرگذشت حضرت ابوبکرؓ کو لکھ بھیجی حضرت ابوبکرؓ کو عکرمہؓ کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا اور آپ نے ان کو جواب میں لکھا:

"نہ میں تمہاری صورت دیکھوں گا نہ تم میری۔ اس وقت واپس نہ ہونا۔ کیونکہ اس طرح لوگوں میں بددلی پھیل جائے گی۔ تم حذیفہؓ اور عرفجہؓ کو ساتھ لے کر آگے بڑھو اور اہل عمان و مہرہ سے جنگ کرو۔ اس کے بعد مہاجرؓ بن ابی امیہ کے ساتھ شامل ہو کر یمن اور حضر موت کے مرتدین کی خبر لو۔"

شرجیلؓ کو آپ نے اس وقت تک انتظار کرنے کا حکم دیا جب تک ان کے پاس دوسرا حکم نہ پہنچے۔

اس اثناء میں خالدؓ بن ولید بنو یربوع کی سرکوبی سے فارغ ہو چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے انہیں یمامہ بھیجا اور کئی اور لشکروں کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔ کیونکہ یمامہ میں مسیلمہ کا زور بہت بڑھ چکا تھا۔ طبری کی روایت کے مطابق مسیلمہ کے لشکر کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ چکی تھی۔ اکثر لوگوں نے اس کی اطاعت محض عصبیت اور اپنی قومیت کے تحفظ کی خاطر قبول کی تھی۔ حالانکہ وہ اس پر مطلق ایمان نہیں لائے تھے اور اس کو جھوٹا سمجھتے تھے چنانچہ ان میں سے بعض کہتے تھے:

"ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ جھوٹا ہے۔ لیکن ربیعہ کا کذاب ہمیں مضر کے صادق سے زیادہ محبوب ہے۔"

حضرت خالدؓ اپنے لشکر کے ہمراہ یمامہ روانہ ہو گئے۔ ادھر شرجیلؓ نے بھی وہی حرکت کی جو عکرمہؓ سے سرزد ہوئی تھی اور ان کو بھی وہی نقصان اٹھانا پڑا جو عکرمہؓ کو اٹھانا پڑا تھا۔ اس پر حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو زبردست سرزنش کی۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ پہنچے تو وہاں مسیلمہ کذاب کے پیروؤں سے نہایت شدید جنگ پیش آئی۔ بنو حنیفہ نہایت بے جگری سے لڑے۔ قریب تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے۔ لیکن خدا تعالیٰ کی مدد بروقت آ پہنچی اور باجمیعت مومنین نے عین موقعہ پر مسلمانوں کو ابھارا کہ وہ بنو حنیفہ پر ایک تازہ حملہ کریں۔ چنانچہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ سینکڑوں اشخاص اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر بنو حنیفہ کے لشکر میں گھس گئے اور ان کو قتل کرنا شروع کیا۔ مسلمان بہادر مسیلمہ تک بھی پہنچ گئے اور اسے قتل کر ڈالا۔ مسیلمہ کو قتل کرنے کا فخر وحشی اور ایک انصاری کے حصہ میں آیا۔ وحشی وہی شخص ہے جس نے جنگِ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ جب بنو حنیفہ نے دیکھا کہ ان کا سردار مارا گیا اور مسلمانوں کا حملہ شدت سے جاری ہے تو وہ ہمت ہار بیٹھے اور بھاگ کر اپنے قلعہ میں پناہ گزین ہو گئے جس کا حضرت خالدؓ نے محاصرہ کر لیا۔

جب بنو حنیفہ قلعہ میں پڑے پڑے بہت عاجز ہوئے اور انہوں نے کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو ان کا ایک آدمی مجاعہ بن مرارہ خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور آپ سے صلح کر لی۔ صلح نامہ میں یہ شرائط تھیں کہ بنو حنیفہ کے ان لوگوں کی جنہوں نے لڑائی میں حصہ لیا، جان بخشی کر دی جائے گی۔ ان کے پاس سونے، چاندی اور اسلحہ وغیرہ کے جتنے ذخیرے ہوں گے وہ سب ضبط کر لئے جائیں گے اور ان کے جو لوگ قید کر لئے گئے ان میں سے چوتھائی بدستور مسلمانوں ہی کے قبضہ میں رہیں گے۔

جب صلح نامہ کی شرائط پر اتفاق ہو گیا اور صلح طے پا گئی تو حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس حضرت ابو بکر صدیقؓ کا خط پہنچا جس میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ بنو حنیفہ کے تمام لوگ جنہوں نے جنگ میں حصہ لیا تھا، قتل کر دیئے جائیں۔ لیکن معاہدہ لکھا جا چکا تھا اس لئے حضرت خالدؓ نے اپنے وعدہ کو نباہا اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سارے حالات لکھ بھیجے۔

جب صلح ہو چکی تو بنو حنیفہ اسلام لے آئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان لوگوں کا ایک وفد حضرت ابو بکرؓ کے پاس بھیجا۔ جب یہ لوگ حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان سے فرمایا: "تمہیں کیا

ہو گیا تھا؟ تم نے اپنے آپ کو اور ہمیں مصیبت میں کیوں ڈالا؟"

انہوں نے جواب دیا:۔

"اے رسول اللہ کے خلیفہ! جو کچھ ہمارے ساتھ گزری اس کا آپ کو سب پتہ ہے۔ جو کچھ ہوا وہ ایسا کام تھا جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور ہمارے لئے منحوس تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قصوروں اور ہماری غلطیوں کو معاف فرمائے۔"

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان سے مسیلمہ کا کلام سننے کی خواہش کی تعمیلِ حکم میں انہوں نے اس کے بعض کلمات سنائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے جب یہ کلام سنا تو ان کو بنو حنیفہ کی جہالت پر بے حد تعجب ہوا اور آپ نے اس امر پر سخت حیرت کا اظہار کیا کہ ان لوگوں کو انتہائی فصیح و بلیغ کلام (قرآن مجید) اور ہزلیات (مسیلمہ کا کلام) میں کچھ بھی فرق محسوس نہیں ہوا۔

بنو حنیفہ کے ساتھ لڑائی میں جہاں مرتدین کا بھاری نقصان ہوا اور ان کے سترہ ہزار آدمی مارے گئے وہاں مسلمانوں کا نقصان بھی ناقابلِ تلافی ہوا۔ اس جنگ میں ایک ہزار سے زیادہ مہاجرینؓ و انصارؓ اور تابعینؒ شہید ہوئے۔ بنو حنیفہ کو شکست دینے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید یمامہ کی ہی ایک وادی میں جسے وبر کہتے تھے ٹھہر گئے اور آئندہ کے لئے خلیفہ کے احکامات کا انتظار کرنے لگے۔

---

(۴)

جزیرۂ عرب کے اطراف و جوانب میں

مرتدین کا استیصال

یمن میں اسود عنسی کا خروج

بنو حنیفہ اور مسیلمہ کذاب کے استیصال کی تفصیلات کے بعد اب ہم اسود عنسی اور یمن میں مرتدین کے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں

جس زمانے میں یمن پر ایرانیوں کا قبضہ تھا وہاں "باذان" نامی ایک شخص ایرانیوں کی طرف سے عامل تھا۔ اس نے آخر کار اسلام قبول کر لیا اور اس کی وجہ سے یمن میں بھی اسلام پھیل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو یمن کا حاکم رہنے دیا اور یہ اپنے انتقال تک اسی عہدہ پر فائز رہا۔ باذان کے انتقال کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے "شہر" کو صنعاء کا والی بنا دیا اور یمن کے باقی حصوں میں دوسرے عمال مقرر کر دیے حضرت معاذؓ بن جبل کو حضورؐ نے اس سارے علاقے کی معلمی کے فرائض سپرد فرمائے۔ آپؓ ہر ولایت میں جاتے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کے احکام کی تعلیم دیتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے قبل، قبائل "قحطان" کی ایک شاخ "عنس" میں ایک کاہن اسود عنسی نامی نے نبوت کا دعویٰ کیا جسے یمنی بدوؤں کی ایک جماعت نے قبول کر لیا۔ ان بدوؤں کے ساتھ مل کر اسود عنسی نے نجران پر حملہ کر دیا اور خفیف سے مقابلہ کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ وہاں قبیلہ مذحج کے لوگ بھی اس کے ساتھ

ہو گئے۔ جس سے اس کی جمعیت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا۔

اب اسے خیال پیدا ہوا کہ اگر انہی فتوحات پر قناعت کر لی گئی تو معاملہ تلپٹ ہو جائے گا۔ خطرہ یہ تھا کہ اگر مسلمان طاقت حاصل کر کے اس علاقہ کی طرف بڑھے تو اس کی ساری فتوحات پر پانی پھر جائے گا۔ اس نے آگے بڑھ کر مزید علاقہ پر اپنا قبضہ جمانے اور وہاں کے قبائل کو اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا۔ وہ صنعاء کی طرف بڑھا۔ صنعاء یمن کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک تھا اور وہاں کے باشندے اپنی دولت مندی کی وجہ سے مشہور تھے صنعاء کا عامل "شہر" اپنی ایرانی فوج کو جو ابناء[1] کے نام سے مشہور تھی ساتھ لے کر اسود عنسی کے مقابلہ میں نکلا لیکن شکست کھائی اور میدان جنگ میں مارا گیا۔

صنعاء کی طرف خروج کرنے اور اس پر قابض ہونے میں اسود عنسی کو صرف پچیس دن لگے۔ شہر فتح کرنے کے بعد اس نے مرحوم گورنر "شہر بن باذان" کی بیوی سے جبراً شادی کر لی۔

اس فتح کی وجہ سے سارے یمن میں اسود عنسی کا شہرہ ہو گیا۔ وہاں کے باشندے دھڑا دھڑ اس کی اطاعت قبول کرنے اور اس کے دین میں داخل ہونے لگے۔ کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو دل سے اسود عنسی سے نفرت کرتے تھے۔ لیکن وہ برملا اپنی نفرت کا اظہار نہ کر سکے اور جان کے خوف سے خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔

یمن کے عمال نے سارا حال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام اطلاعات کی اطلاع پا کر یمن میں "ابناء" کے سرداروں کے نام ایک خط لکھا جس میں انہیں تاکید کی گئی تھی کہ وہ اسلام پر قائم رہیں۔ اور جس طرح بھی ممکن ہو، اسلحہ اور قوت سے کام لے کر اسود کے مقابلے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور اسے قتل کر ڈالیں۔

اسود کے قتل کی سازش

ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل کیا لیکن جب وہ اسود کے مقابلے پر آئے تو معلوم ہوا کہ اسود کی طاقت وقوت اور اس کے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس پر آسانی سے قابو پانا ممکن نہیں۔ اسی اثناء میں ان کو پتہ چلا کہ اسود عنسی کے لشکر کا سردار قیس بن یغوث المرادی اسود سے برگشتہ ہو گیا ہے۔ انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور قیس کو اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ انہوں نے اس خدمت کے لئے ایک

---

[1] ابناء نامی فوج ان لوگوں پر مشتمل تھی جو ایرانی النسل تھے لیکن یمن میں پیدا ہوئے تھے۔

نہایت ہوشیار شخص کو منتخب کیا۔ جس نے بہت ہی جلد قیس کو رام کر لیا اور وہ "ابناء" کے ساتھ ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسود عنسی کی بیوی "ازاد"[1] سے رابطہ پیدا کیا اور اس سے کہا:

"اے ہمارے چچا کی بیٹی! تجھے معلوم ہے کہ تیرے خاوند نے تیری قوم کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے تیرے پہلے خاوند کو قتل کر دیا اور تیری قوم کو بھی قتل و غارت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے ان کو ہر قسم کے مظالم کا نشانہ بنایا اور عورتوں کو ذلیل کیا۔ کیا اب بھی تیرے لئے اس کے وجود میں کوئی کشش باقی ہے؟ اسود کے لئے اب صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو اس کو نکال دیا جائے یا اس کو قتل کر دیا جائے۔"

"ازاد" نے اس کا یہ جواب دیا۔ "جو تم کہتے ہو بالکل درست ہے۔ جس قدر مجھے اس شخص سے نفرت ہے، روئے زمین پر اور کسی سے نہیں۔ جب تم اس سے لڑنے کا ارادہ کرو تو مجھے اطلاع کر دینا۔"

اسی اثناء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام "ابناء" کے سرداروں اور اہلِ نجران کے نام آیا جس میں انہیں اسود سے جنگ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ چنانچہ وہ اس کے لئے تیار ہوگئے اور صنعاء میں جو "ابناء" موجود تھے ان کو بھی لکھا کہ وہ اس موقعہ پر ان کی مدد کریں۔

اسود کا قتل

لیکن وہ زیادہ دیر تک صبر نہ کر سکے۔ چونکہ اسود کی بیوی "ازاد" ان لوگوں کے ساتھ شریک ہوگئی تھی اس لئے اس کے مشورہ سے ابناء میں سے "فیروز" نامی ایک شخص اسود کے مکان میں چپکے سے داخل ہوگیا اور رات کو موقعہ پا کر اسے قتل کر دیا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے اسود کے مکان پر سے اذان دی اور اس کے قتل کا اعلان کر دیا۔ اسود کے ساتھی بھاگ گئے اور وہاں کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے قتل کے حالات لکھ بھیجے۔ لیکن جس وقت قاصد مدینہ پہنچا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو چکی تھی۔

یمن میں دوبارہ فتنہ کا خروج

اسود کا فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہیں تھا صنعاء سے لے کر سواحل یمن تک سارا علاقہ اس کا مطیع ہوگیا تھا۔ اس کی موت کے بعد صنعاء اور اس کے گرد و نواح کے مسلمانوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ اب فتنہ دب گیا ہے اور فضا صاف

---

[1] "ازاد" پہلے شہر بن بازان عامل صنعاء کی بیوی تھی۔ اسود عنسی نے "شہر" کو قتل کرنے کے بعد اس سے جبراً شادی کر لی تھی۔

ہو گئی ہے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ جب اس علاقہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچی تو فتنہ پھر بھڑک اُٹھا اور بعض رؤسا کے کہنے پر وہاں کے لوگوں نے ارتداد اختیار کر لیا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے ان کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر روانہ کیا اور ان یمنی سرداروں اور رئیسوں کو جنہوں نے ارتداد اختیار نہیں کیا تھا بلکہ بدستور اسلام پر قائم تھے، کہلا بھیجا کہ جب تک ان کی امداد کے لئے اسلامی لشکر نہیں پہنچ جاتا وہ مرتدین کے مقابلہ پر جمے رہیں۔

اسود عنسی کے لشکر کے سردار قیس بن عبد یغوث کو جو اسود عنسی کے قتل کی سازش میں بھی شریک تھا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ملی تو وہ مرتد ہو گیا اور اسود کے پسپا شدہ لشکر کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا۔ اب صنعاء میں اسی کے نام کا ڈنکا بجنے لگا۔ "ابناء" کے ایک سردار "فیروز" نے جو اپنے اسلام پر ثابت قدم تھا، قیس سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ ایک لشکر مرتب کر کے آگے بڑھا اور قیس سے لڑ کر اسے شکست دی۔ لیکن یہ لوگ صنعاء میں داخل نہ ہو سکے۔ انہیں خبر ملی تھی کہ قیس کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کا ایک بڑا لشکر آ رہا ہے۔ اس لئے وہ صنعاء کے قریب ہی مختلف راستوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد مسلمانوں کا لشکر آ پہنچا اور یہ لوگ اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ مسلمانوں کے لشکر کی کمان مہاجرؓ بن ابی امیہ کے ہاتھ میں تھی، جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسود عنسی کے لشکر سے لڑنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے عکرمہؓ بن ابوجہل بھی عمان اور کی جنگوں سے فارغ ہو کر آ پہنچے۔ ان دونوں لشکروں نے مل کر مرتدین پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی۔ مرتدین کے سردار قیس اور عمرو بن معد یکرب الزبیدی[1] گرفتار کر لئے گئے اور انہیں مدینہ بھیج دیا گیا۔ مدینہ پہنچ کر ان دونوں نے اپنے گذشتہ افعال پر پشیمانی کا اظہار کیا، ارتداد سے توبہ کی اور معافی چاہی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کی جان بخشی فرما دی اور انہیں یمن واپس کر دیا۔ یہ لوگ اپنی توبہ پر قائم رہے اور بعد کو اسلام کی راہ میں بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

اہلِ کندہ کا ارتداد

اہلِ کندہ نے بھی ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ ان کے ارتداد کا سبب یہ تھا کہ کندہ میں زیاد بن عبید انصاری زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر تھے

---

[1] عمرو بن معد یکرب عرب کا مشہور دلیر شہسوار تھا۔ اس کی شجاعت کی دھاک ہر طرف بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ارتداد اختیار کر کے اسود عنسی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

انہوں نے ایک شخص شیطان بن حجر اور اس کے بھائی کی ایک اونٹنی بطور زکوٰۃ وصول کی اور اس پر مہر لگا دی۔ یہ دونوں اس اونٹنی کو دینا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ لیکن زیادہ نے اونٹنی دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر شیطان اور اس کے بھائی نے اپنی قوم بنی عمرو بن معاویہ سے امداد طلب کی اور وہ بربنائے عصبیت ان کے ساتھ ہو گئی۔ حضرموت اور سکون کے لوگوں نے زیاد کی مدد کی۔ دونوں فریقوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ مرتدین کا سردار اشعث بن قیس تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے مہاجرؓ بن ابی امیہ اور عکرمہؓ بن ابوجہل کو اہل کندہ کی سرکوبی کا حکم دیا۔ چونکہ اشعث بن قیس کی جمعیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا اس لئے مہاجرؓ نے تیز رفتار سواروں کا ایک دستہ اپنے ہمراہ لیا اور بقیہ لشکر کو عکرمہؓ کی سرداری میں چھوڑ کر بسرعت تمام محجر الزرقان پہنچے، جہاں اشعث بن قیس مقیم تھا۔ مہاجرؓ نے فوراً ہی اشعث بن قیس پر ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ اشعث اس ناگہانی حملہ کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اس لئے فرار ہو کر نجیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ تمام مرتدین بھی وہیں پہنچ گئے۔ مہاجرؓ بن ابی امیہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ اسی اثناء میں عکرمہؓ بھی بقیہ لشکر کو اپنے ہمراہ لے کر پہنچ گئے۔ جب اشعث نے دیکھا کہ محاصرہ سختی سے جاری ہے اور مسلمانوں کو مزید کمک بھی پہنچ گئی ہے تو مجبور ہو کر صلح کی درخواست کی۔ درخواست میں اس نے اپنی قوم کے صرف نو آدمیوں اور ان کے اہل و عیال کے لئے جان بخشی کی خواہش کی۔ مہاجرؓ نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ اشعث اس فہرست میں اپنا نام لکھنا بھول گیا تھا۔ چنانچہ ان نو آدمیوں کو چھوڑ کر باقی تمام مرتدین کو معہ ان کے اہل و عیال اور اشعث کے گرفتار کر لیا گیا اور انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔ جب یہ لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے روبرو پیش ہوئے تو اشعث نے توبہ کی اور اپنی جان بخشی کا طالب ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اشعث، بلکہ باقی تمام قیدیوں کو مع ان کے اہل و عیال کے رہا کر دیا۔ اشعث مدینہ میں اس وقت تک رہا جب تک عراق فتح نہ ہو گیا۔

اہلِ بحرین کی سرکوبی

اہل بحرین جن میں ربیعہ کے قبائل شامل تھے، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے اور حضورؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا امیر مقرر فرما دیا۔ جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، منذر بیمار تھے اور اسی بیماری میں چند روز کے بعد ان کا انتقال بھی ہو گیا۔ ساتھ ہی اہل بحرین نے دوسرے عرب قبائل کے ساتھ ارتداد اختیار کر لیا۔ اہلِ بحرین میں سے قبیلہ بکر ارتداد پر قائم رہا۔ قبیلہ عبدالقیس نے بھی یہ کہہ کر مرتد ہونا چاہا کہ اگر

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو کبھی وفات نہ پاتے۔ اس قبیلہ میں ایک شخص جارُود بن معلی تھا جسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہوئی تھی اور اس کو اسلام کے متعلق کافی معلومات حاصل تھیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی قوم مرتد ہونے لگی ہے تو اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا:

"اے قبیلہ عبد القیس! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں اگر تمہیں اس کا کچھ پتہ ہو تو مجھے جواب دینا لیکن اگر پتہ نہ ہو تو جواب مت دینا۔"

قوم نے کہا:

"پوچھو!"

اس نے کہا:

"کیا تم جانتے ہو کہ گذشتہ زمانوں میں اللہ تعالیٰ انبیاء کو مبعوث فرماتا رہا ہے؟"

انہوں نے کہا:-

"ہاں!"

جارودؓ نے کہا:

"کیا تمہیں انبیاء کے متعلق صرف علم ہے یا تم نے انہیں دیکھا بھی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"نہیں! ہمیں ان کے متعلق صرف علم ہے۔"

جارودؓ نے کہا:

"ان کے ساتھ کیا ماجرا گذرا؟"

انہوں نے کہا:

"وہ وفات پا گئے۔"

جارودؓ نے کہا "اسی طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وفات پا گئے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

قبیلہ عبد القیس کے لوگوں کے دلوں پر اس بات کا بے حد اثر ہوا اور انہوں نے کہا:

"ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے

اور رسول ہیں۔ اے جارود! آپ ہمارے سردار ہیں اور ہم سب سے افضل ہیں۔"
چنانچہ قبیلہ عبد القیس ارتداد سے بچ گیا۔

جارودؓ اور ان کے قبیلہ کے سوا ربیعہ کے باقی تمام قبائل مرتد ہو گئے۔ ان کا ایک وفد کسریٰ شہنشاہ ایران کے دربار میں حاضر ہوا۔ کسریٰ نے ان لوگوں پر منذر بن نعمان بن منذر کو اپنا نائب مقرر کر دیا اور سات ہزار ایرانی فوج اس کے ساتھ کر دی۔ بنو بکر بن وائل کا سردار حطم بن ضُبَیعہ تھا۔ اس نے اپنے قبیلہ کو گمراہ کرنے کے علاوہ قطیف اور ہجر کے باشندوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس کے بعد جارودؓ اور قبیلہ عبد القیس سے لڑنے کے لئے مشرکین و مرتدین کا ایک لشکرِ جرار اکٹھا کیا اور ان پر حملہ بول دیا۔ قبیلہ عبد القیس قلعہ بند ہو گیا اور حطم بن ضبیعہ نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

مسلمان، مرتدین کے ہاتھوں سخت ایذائیں اُٹھا رہے تھے کہ علاءؓ بن حضرمی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے فوج لے کر بحرین کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال حنفی اور قیس بن عاصم منقری بنو حنیفہ اور بنو تمیم کی ایک جماعت لے کر ان سے مل گئے۔ اہلِ یمن بھی کثرت سے ان کے لشکر میں شامل ہو گئے۔ راستے میں ایک جگہ رات گذارنے کے لئے لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ ابھی وہ اونٹوں پر سے اُترے ہی تھے کہ سارے کے سارے اونٹ مع ساز و سامان کے بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے پاس اب نہ کوئی سواری تھی، نہ زادِ راہ، نہ پانی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ ہلاکت کے سوا اب ان کے لئے کوئی راہ نہیں ہے۔ اس وقت مسلمان جس پریشانی میں مبتلا تھے اس کا کوئی شخص بھی اندازہ نہیں کر سکتا۔

جس جگہ مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تھا وہ چٹیل میدان تھا۔ جہاں نہ کسی قسم کی روئیدگی تھی۔ نہ پانی کا نام و نشان تھا اور نہ کہیں کوئی سایہ دار جگہ نظر آتی تھی۔ ان کی زندگی کا واحد ذریعہ اونٹ تھے اور وہ بھاگ گئے تھے لیکن علاءؓ بن حضرمی نہایت بہادر اور جری تھے۔ ان کا دل ایمان سے بھرپور تھا۔ انہوں نے رات کو خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔ جب صبح ہوئی تو لشکرِ اسلام نے دُور سے پانی چمکتا ہوا دیکھا۔ وہ وہاں پہنچے۔ پانی پیا، غسل کیا۔ ابھی دن چڑھا ہی تھا کہ ان کے اونٹ ہر چہار طرف سے آ آ کر پانی پر جمع ہونے لگے۔ لشکر والوں نے اونٹوں کو پکڑ لیا اور ان کے نکیلیں ڈال دیں۔ اس کے بعد ان کو پانی پلایا۔ شاید اونٹوں کے بھاگ کر واپس آ جانے کی وجہ یہ ہو کہ وہ بے حد بھوکے پیاسے ہوں۔ پانی اور چارہ کی تلاش میں نکل گئے ہوں۔ رات کے اندھیرے میں

انہیں کچھ دکھائی نہ دیا ہو لیکن صبح ہونے پر وہ پانی اور سبزہ دیکھ کر پھر وہاں پہنچ گئے ہوں۔

علاءؓ بن حضرمی اپنا لشکر لے کر بحرین پہنچے اور حطم کے لشکر کے قریب ہی خیمہ زن ہو گئے۔ جارودؓ بھی جو عبدالقیس کے ساتھ قلعہ میں محصور تھے علاءؓ کے پاس آن پہنچے۔ حطم نے اپنے لشکر کے اردگرد خندق کھدوا رکھی تھی۔ دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ لڑائی کا سلسلہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

ایک رات علاءؓ اپنے خیمہ میں لیٹے تھے کہ مرتدین کے لشکر گاہ کی طرف سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں۔ علاءؓ نے خبر لینے کے لئے اپنے جاسوس بھیجے اور انہوں نے تھوڑی دیر میں آ کر خبر دی کہ سارا لشکر شراب میں وحشت ہے اور نشہ میں واہی تباہی بک رہا ہے۔ علاءؓ بن حضرمی نے موقعہ کو غنیمت جانا۔ وہ اپنی فوج کے ساتھ خندق عبور کر کے مرتدین کے لشکر میں داخل ہو گئے اور راستے گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ مرتدین کا سردار حطم بن ضبیعہ بھی مارا گیا۔ اسی علاقہ میں کسریٰ کے نائب منذر بن نعمان کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے تھے انہوں نے جزیرہ دارین میں پناہ لی۔ لیکن علاءؓ نے ان کا وہاں بھی تعاقب کیا اور انہیں شکست دی۔ اس طرح تمام بحرین سے مرتدین کا خاتمہ ہو گیا۔

عمان میں مرتدین کا استیصال

اہلِ عمان رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ایمان لے آئے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر جلندی کے دو لڑکوں جیفر اور عبد کو والی بنا دیا تھا۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد عمان میں ایک شخص لقیط بن مالک ازدی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور اپنے اردگرد بڑی جمعیت اکٹھی کر لی۔ جیفر اور عبد اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں بے بس پا کر پہاڑوں میں چلے گئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو سارا حال لکھ بھیجا۔ آپ نے حذیفہؓ بن محصن کو لقیط بن مالک کے مقابلے کے لئے بھیجا اور ان کی مدد کے لئے عرفجہؓ بن ہرثمہ کو روانہ کر دیا۔ اسی دوران میں عکرمہؓ بن ابوجہل بھی یمامہ سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کو بھی عمان جانے کا حکم دیا۔

لقیط نے اپنی فوج (دبی) کو اکٹھا کیا۔ مسلمان بھی پہنچ گئے۔ لڑائی شروع ہوئی جس میں مرتدین کو شکست فاش نصیب ہوئی اور انہیں جانی و مالی طور پر بھاری نقصان اٹھانا پڑا۔

اہلِ مہرہ کا ارتداد اور ان کی سرکوبی

جب عکرمہؓ عمان کی مہم سے فارغ ہوئے تو اپنے لشکر اور قبائل ناجیہ، عبدالقیس، راسب اور سعد کے ساتھ بلادِ مہرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کیونکہ اہلِ مہرہ نے بھی ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ مہرہ میں کئی بیرونی قبائل

کے لوگ بھی آباد تھے۔ اہلِ مہرہ سب کے سب مرتد ہو گئے تھے۔ لیکن وہ دو گروہوں میں تقسیم ہو کر آپس میں دست و گریباں رہتے تھے۔ ایک گروہ کا سردار سخریت تھا جو خاص اہلِ مہرہ میں سے تھا۔ دوسرا گروہ مصبح کے جھنڈے تلے تھا جو قبیلہ بنو محارب کا ایک فرد تھا۔

عکرمہؓ نے مہرہ پہنچ کر سخریت کو خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس خط کا سخریت پر اثر ہوا اور وہ اپنے ساتھیوں سمیت ایمان لے آیا۔ لیکن مصبح نے اسلام قبول نہ کیا۔ عکرمہؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور فتح پائی۔ مصبح مارا گیا۔ مسلمانوں کو کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ چند دن تک عکرمہؓ یہیں ٹھہرے رہے۔ اس انتظار میں کہ اس علاقہ میں سکون ہو جائے اور یہ لوگ اسلام لے آئیں۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حکم سے مہاجرین امیہ کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے یمن روانہ ہو گئے

قضاعہ کا ارتداد

حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے قضاعہ کے مرتدین سے لڑنے کے لئے مسلمانوں کے لشکر کا امیر بنایا تھا۔ عمروؓ بن العاص پہلے بھی ان لوگوں سے غزوہ ذات السلاسل میں جنگ کر کے انہیں شکست دے چکے تھے۔ اس جنگ میں قضاعہ کے سینکڑوں آدمی مارے گئے تھے۔ جو لوگ قتل ہونے سے بچ گئے تھے انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب قضاعہ نے دیکھا کہ ہر چہار طرف کے قبائل مرتد ہو رہے ہیں تو انہوں نے بھی ارتداد اختیار کر لیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے قضاعہ میں پہنچ کر اپنی تلوار کے خوب جوہر دکھائے اور ان کو پھر زکوٰۃ کی ادائیگی اور اسلام قبول کرنے پر مائل کیا۔

ایک سال کی مسلسل جنگوں کے بعد آخر کار لشکرِ اسلامی نے مرتدین پر پوری طرح قابو حاصل کر لیا۔ مرتدین دوبارہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبائلِ عرب جس وحدت اور اخوت سے ہم کنار تھے، وہ انہیں دوبارہ حاصل ہو گئی۔ جزیرۂ عرب فتنہ و فساد اور انتشار سے پاک ہو گیا اور ملک کے طول و عرض میں اسلام کا جھنڈا اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ لہرانے لگا۔

---

(۵)

ارتداد کا پس منظر

عرب کے قدیم مورخین نے ان لڑائیوں کے اسباب پر کوئی روشنی نہیں ڈالی جو مرتدین سے پیش آئیں۔ اس لئے کہ ان کی غرض صرف واقعات کو جمع کر دینا تھا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں یورپین مورخین نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ ان اسباب پر بحث کی ہے جو ان کے خیال میں ان جنگوں کا باعث بنے۔ لہٰذا ہم بھی تفصیل کے ساتھ ان اسباب پر گفتگو کرتے ہیں :۔

محاذِ جنگ کا جغرافیائی لحاظ سے جائزہ :۔

مذکورہ جنگوں کے حقیقی اسباب پر بحث کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ سارے محاذِ جنگ کا جغرافیائی لحاظ سے جائزہ لیا جائے۔ مرتدین سے جتنی جنگیں ہوئیں وہ سب جزیرہ عرب میں ہوئیں جس علاقہ میں طرفین کی فوجوں کی نقل و حرکت ہوتی تھی وہ حجاز میں ساحل بحرِ احمر سے نجد تک پھیلا ہوا تھا اور سرزمین رصناد میں ختم ہوتا تھا۔ رصناد، حسا اور عارض و سدیر کے درمیان واقع ہے۔ اور اس میں شمالی حجاز، جبل شمر اور نجد کے علاقے شامل ہیں۔

یہ سارا علاقہ بالعموم صحراء پر مشتمل ہے۔ یہاں پانی کی انتہائی قلت ہے۔ البتہ کہیں کہیں نخلستان واقع ہیں جہاں کھجور اور دیگر پھلوں کے درخت اُگے ہوئے ہیں۔ اس منطقہ میں پہاڑ بہت کم ہیں۔ بعض پہاڑ نجد میں ہیں اور بعض شمر کے علاقہ میں۔ ساری زمین ریتیلے میدانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس علاقہ میں آبادی بھی بے حد کم ہے۔ جہاں کہیں آبادی ہے وہ وادیوں کے درمیان یا ان نشیبی علاقوں میں ہے جہاں بارش کا پانی اکر جمع ہو جاتا ہے۔ ان نخلستانوں میں قابلِ ذکر وادی حمض کے وسط میں مدینہ کا نخلستان۔ وادی رمہ کے وسط میں بریدہ اور عنیزہ کا نخلستان اور وادی حنیفہ کے گرد پھیلے ہوئے عارض کے نخلستان ہیں۔

ارتداد کے اسباب

محاذِ جنگ کے جغرافیائی جائزہ کے بعد اب ہم ان جنگوں کے اسباب کی طرف آتے ہیں۔ ہم نے پچھلی فصل میں بیان کیا تھا کہ عربوں کے مرتد ہونے کے اسباب میں یہ بات خاص طور پر داخل تھی کہ بعض قبائل کو اسلام کے متعلق مطلق واقفیت نہ تھی۔ ان میں وہ جاہلی عصبیت علیٰ حالہٖ قائم تھی جس کو اسلام مٹانا چاہتا تھا جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے یہ قبائل مسلمانوں کی طاقت اور قوت و شان و شوکت کی وجہ سے خاموش رہے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو بعض قبائل کے لوگوں نے قریش کے غلبہ اور دباؤ کو ماننے سے قطعی انکار کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بالکل مطلق العنان اور آزاد ہو کر اسی طرح زندگی گذاریں جس طرح وہ کچھ عرصہ پہلے گذارتے تھے اور کسی شخص یا کسی قوم کے غلبہ اور سرداری کو قبول نہ کریں۔ بعض لوگوں نے منہ سے اسلام پر قائم رہنے اور نماز پڑھنے کا اقرار تو کر لیا لیکن اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ دراصل زکوٰۃ تاوان ہے جو ہم پر ڈالا گیا ہے اور ہم آزاد منش عربی باشندے اس تاوان کو کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جن لوگوں نے تاریخِ ارتداد کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بات بھی واضح ہو گئی ہو گی کہ اکثر ان عرب قبیلوں نے اسلام کے خلاف بغاوت کی جو مکہ اور مدینہ سے دُور رہتے تھے۔ ان میں بعض طاقت ور تھے اور بعض کمزور۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ چونکہ ہم اسلامی مراکز سے بہت دور رہیں۔ اس لئے اسلامی فوجیں ہم تک پہنچنے کی جرأت نہ کریں گی اور اگر کریں گی بھی تو اس عرصہ میں ہم اپنی طاقت اور قوت کو بہت بڑھا لیں گے اور اسلامی لشکر کے لئے ہمیں شکست دینا آسان کام نہ ہوگا۔

پس ارتداد کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عربوں میں ان کی جاہلی عصبیت عود کر آئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ جس طرح جاہلیت کے زمانہ میں وہ آزادانہ زندگی گذارتے تھے اور کسی قوم یا شخص کو ان پر حکومت کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ اب بھی ایسا ہی ہو۔ یہ جاہلی عصبیت کئی طریقوں سے

ظاہر ہوئی۔ بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ بعض قبائل میں جھوٹے نبی کھڑے ہو گئے اور انہوں نے اپنے قبیلوں کو اپنی تائید کے لیے بلایا۔ چنانچہ ان کی بعض ایسے لوگوں نے بھی تائید اور مدد کی جو ان کے دعوؤں پر مطلق یقین نہ رکھتے تھے اور انہیں جھوٹا سمجھتے تھے لیکن چونکہ انہیں قریش اور انصار مدینہ کی ماتحتی گوارا نہیں تھی اس لیے انہوں نے ان جھوٹے نبیوں کو جھوٹا سمجھتے ہوئے بھی ان کی اطاعت اختیار کر لی کیونکہ وہ ان کے علاقوں کے باشندے تھے اور اپنے علاقہ کے لوگوں کو وہ بہرحال قریش اور انصار سے افضل و برتر سمجھتے تھے۔

یہ بات کسی صورت میں بھی نہیں کہی جا سکتی کہ ارتداد کا سبب عرب کے قبائل کی اسلام سے نفرت تھی۔ بلکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں اس کی وجہ وہ قومی عصبیت تھی جس کو یہ لوگ اختیار کرنا چاہتے تھے لیکن جس کا اسلام مطلق روادار نہ تھا۔ یہ لوگ قریش اور انصار کی سیادت و سرداری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھے اور اسی وجہ سے وہ اسلامی افواج کے مقابلے پر آئے۔

قبائلِ عرب کی پانچ اقسام

جرمنی کا مشہور مستشرق "کیتانی" لکھتا ہے کہ وہ عرب جن کا تعلق ارتداد کی جنگوں سے ہے۔ پانچ اقسام پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم ان اعراب (بدو) مسلمانوں کی ہے جنہوں نے کامل طور پر مدینہ کی حکومت اور اس کے غلبہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو مدینہ اور مکہ کے قریب یا ان دونوں شہروں کے درمیان آباد تھے۔ ان میں مشہور قبائل جہینہ، مزینہ، بلی، اشجع، اسلم، ہذیل اور خزاعہ تھے۔

دوسری قسم میں وہ قبائل شامل ہیں جنہوں نے گو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ مجبور ہو کر عہد و پیمان کر لیے تھے اور حضورؐ کی زندگی کی آخری جنگوں میں شرکت بھی کی تھی لیکن اسلام ان میں پورے طور پر قائم نہ ہوا تھا اور وہ مدینہ کے تسلط سے آزاد ہونے کے لیے کسی موقعہ کی تلاش میں تھے ان قبائل میں ہوازن، عامر بن صعصعہ، ثقیف، سلیم اور خثعم شامل تھے۔

تیسری قسم ان قبائل کی ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی سرحد پر واقع تھے جنہوں نے سیاسی طور پر مدینہ کا تسلط اور غلبہ اپنے اوپر تسلیم کر لیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زکوٰۃ اور صدقات بھی بھیجتے تھے۔ ان میں سے مشہور قبائل : بنو اسد، بنو غطفان اور بنو تمیم تھے جو نجد کے علاقہ میں آباد تھے۔

چوتھی قسم میں وہ قبائل تھے جنہوں نے مدینہ کی حکومت اور غلبہ کو تسلیم نہ کیا تھا اور صرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفود بھیجے اور ظاہری طور پر آپ کی تابعداری اختیار کرنے پر اکتفا کی تھی۔ ان قبائل میں مسلمانوں کی

بہت تھوڑی تعداد آباد تھی ان مسلمانوں کی حفاظت کا سارا دارومدار اس امر پر تھا کہ مدینہ میں مسلمانوں کو قوت وطاقت حاصل رہے تاکہ ان قبائل کے لوگ ان کے خوف سے اپنے اِن کے مسلمانوں پر ظلم وستم نہ ڈھا سکیں۔ ان قبائل میں بنو حنیفہ عبد القیس، عمان کے ازد اور حضرموت اور یمن کے اکثر قبائل شامل تھے۔ ان قبائل کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے قبل کئی معلمین کو اس غرض کے لئے بھیجا تھا کہ وہ ان میں جا کر لوگوں کو اسلام کی تعلیم اور اسلامی اخلاق کی بنیاد پر ان کی تربیت کا کام سرانجام دیں۔

پانچویں قسم میں وہ قبائل آتے ہیں جو سرے سے اسلام پر ایمان ہی نہیں لائے تھے بلکہ بدستور عیسائیت اور شرک پر قائم تھے۔ یہ وہ قبائل تھے جو عرب کے شمالی حصہ میں مقیم تھے مثلاً بنی کلب، بنی تغلب، غسان، قضاعہ، تنوخ، بکر اور حضرموت و یمن کے بعض قبائل۔

متذبذب قبائل

عرب کے بعض قبائل نے فتنہ ارتداد کے وقت غیر جانبداری کا مسلک اختیار کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ قبائل جو مکہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں رہتے تھے انہوں نے ارتداد اختیار نہیں کیا تھا۔ یہ قبائل کنانہ، ازد، بجیلہ، خثعم، عک، اشعر، حکم وغیرہ تھے جب مرتدین سے جنگیں شروع ہوئیں تو یہ قبائل بالکل خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے کسی فریق سے تعرض نہ کیا اور نہ دونوں میں سے کسی کی مدد کی۔

مکہ کے شمال مشرق میں جو قبائل آباد تھے ان میں سے بعض قبائل مثلاً ہوازن، عامر بن صعصعہ، جذیلہ اور بنو سلیم نے گو ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ لیکن ان میں سے کسی قبیلہ نے مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔

طے کے قبائل بھی اسی فکر میں تھے کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ بالآخر ان میں سے بعض طلیحہ اسدی کے ساتھ مل گئے۔

مدینہ کے شمال میں قضاعہ کے قبائل نے کھلم کھلا مسلمانوں سے جنگ کی۔

قبائل عرب کے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض کافی حد تک مذبذب تھے۔ بعض لوگ مرتد تو ہو گئے تھے لیکن چونکہ ان کو کامل یقین نہیں تھا کہ وہ مسلمانوں پر غالب آ جائیں گے۔ اس لئے انہوں نے اپنی نظریں ان جنگوں کی طرف مرکوز رکھیں جو عرب کے اطراف وجوانب میں لڑی جا رہی تھیں۔ وہ اس بات کے انتظار میں تھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ بعض قبائل نے اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمال کو اپنے علاقہ سے نکال دیا تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اٹھائی۔

کھلم کھلا جنگ کرنے والے قبائل

وہ قبائل جنہوں نے کھلم کھلا ارتداد کی جنگوں میں حصہ لیا، مندرجہ ذیل تھے:۔

بنو فزارہ اور غطفان ۔ یہ قبائل مدینہ کے مشرق اور نجد کے راستہ میں واقع تھے۔ ان کے رؤسا مدینہ آئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے زکوٰۃ معاف کرنے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے ان کو صاف جواب دے دیا۔ اس پر ان لوگوں نے اپنی جمعیت کو مجتمع کیا اور مدینہ پر زبردست حملہ کر دیا۔ ان کا جو حشر ہوا وہ ہم پچھلی فصل میں بیان کر چکے ہیں۔

بنو اسد ۔ جو طلیحہ اسدی کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ جبل شمر کے جنوب میں حجاز اور نجد کے درمیان سکونت پذیر تھے۔ بنو اسد کے ساتھ بنو فزارہ، غطفان اور طے کے قبائل بھی مل گئے تھے۔

بنو تمیم ۔ جو مالک بن نویرہ کے ساتھ تھے۔

بنو حنیفہ ۔ جو مسیلمہ کذاب کے پیرو تھے۔

مرتدین سے مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کی جماعتیں

مرتدین کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کی جو جماعتیں میدان میں آئیں وہ انصار کے دونوں قبیلوں اوس و خزرج اور مہاجرین اور مکہ کے قریش پر مشتمل تھیں۔ ان لوگوں میں لڑنے والوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

مہاجرین، انصار اور قریش کے ساتھ وہ قبائل بھی تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان سکونت پذیر تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام پر لبیک کہا تھا۔ جو بعض غزوات میں بھی شریک ہوئے تھے جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے مرتدین سے جہاد کرنے کے لئے ان لوگوں کو دعوت دی تو یہ بڑی خوشی سے ان جنگوں میں شامل ہوئے۔ یہ قبائل اسلم، غفار، مزینہ، اشجع، جہینہ اور کعب وغیرہ تھے۔ ان قبائل کے لڑنے والوں کی تعداد تین ہزار تھی۔

قبیلہ ثقیف جو مکہ اور طائف کے درمیان تھا وہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی فوج میں شامل تھا۔ اس قبیلہ کے افراد بڑے بہادر اور نہایت جنگجو تھے۔ یہ لوگ بدستور اسلام پر قائم رہے اور مرتدین کے ساتھ جنگوں میں انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس قبیلہ میں دو ہزار لڑنے والے موجود تھے۔

جنگہائے ارتداد میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بے نظیر جرأت

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اگر کل فوج کو جمع کر لیا جائے تو اس کی تعداد دس ہزار سے متجاوز نہیں تھی۔ اس دس ہزار فوج کو آپ نے بارہ حصوں میں تقسیم کیا اور ان بارہ حصوں کو مرتدین سے لڑنے کے لئے عرب کے گوشہ گوشہ میں روانہ کیا۔ اسلامی فوج نے اپنی قلتِ تعداد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ہر محاذ پر مرتدین کو شکست فاش دی۔ عرب میں امن قائم کیا۔ افتراق پیدا کرنے والوں کی بیخ کنی کی اور اس طرح سرزمین عرب میں اسلام کو دوبارہ قائم کیا اور عربوں کے ان زبردست حملوں کے لئے زمین تیار کی جو مرتدین سے جنگ کرنے کے بعد وقوع میں آئے اور جنہوں نے ایک عالم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

ان جنگوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس عزم و استقلال اور جرأت و بہادری کا ثبوت دیا روئے زمین پر اس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر دکھا دیا کہ آپ کے قدم مصائب کی شدید آندھیوں، خطرات کے مہیب بادلوں اور آفات کے زبردست بگولوں کے مقابلہ میں بھی ایک انچ پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ آپ کو خدا تعالیٰ پر کامل یقین اور بھروسہ تھا کہ وہ اپنے قائم کئے ہوئے دین کی آپ مدد کرے گا اور اس کے دشمنوں کو نیست و نابود کر دے گا۔ خدا تعالیٰ پر یہی یقین اور بھروسہ تھا جس کی وجہ سے آپ کو ہر میدان میں فتح نصیب ہوئی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس موقعہ پر جب کہ تمام عرب میں ارتداد کی آگ پورے زور شور سے بھڑک رہی تھی اور قریب تھا کہ وہ سارے جزیرہ کو جلا کر خاک کر دے اور اسلام کا نام ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، دینِ خدا کی وہ خدمت انجام دی جس نے اسلام کو دوبارہ اس جزیرہ میں زندگی بخشی۔ آپ نے بروقت اور نہایت جرأت مندانہ طریقہ سے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور جب تک اس فتنہ کی آگ کو کلی طور پر فرو نہ کر دیا نہایت عزم و استقلال کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے رہے۔ بظاہر نظر یہ فتنہ انتہائی خوفناک نظر آتا تھا مگر آپ نے اپنی بے نظیر قابلیت کو کام میں لا کر ایک سال سے بھی کم عرصہ میں اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اسلام کی ساری تاریخ میں اس قسم کی مثال ملنی ناممکن ہے اور آج تک مسلمانوں میں کوئی ایسا فرد پیدا نہیں ہوا جس نے دین اسلام کی ایسی عظیم الشان خدمت کی ہو جیسی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کی۔

مرتدین سے جنگوں کے وقت مسلمانوں کی کمزور حالت

مذکورہ بالا جنگوں کے وقت مسلمان جس طرح کمزوری سے دوچار اور مرتدین جس طرح قوت وطاقت کے نشہ میں چور تھے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ مزید برآں مسلمانوں کو اپنے گھر میں بیٹھ کر مقابلہ کرنا نہیں پڑا۔ بلکہ پرہیبت صحراؤں کو عبور کر کے، جہاں نہ پانی کا نشان ملتا تھا نہ کسی قسم کے سبزہ کا، مرتدین کے علاقوں میں جا کر لڑنا پڑا۔ وہ اپنے مرکز سے دور تھے۔ راستے بھی نہایت پرخطر تھے۔ لیکن ان تمام مشکلات اور مصائب کے باوجود انہوں نے ہر میدان میں اپنے دشمنوں پر فتح پائی اور ان کی عظیم الشان جمعیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ انہوں نے مرتدین کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ چھوڑا کہ یا تو وہ اپنے گزشتہ افعال پر ندامت کا اظہار کر کے امن شکن کارروائیوں سے باز آجائیں یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

جو شخص ان واقعات پر گہری نظر ڈالتا ہے اس کے لئے یہ ماننے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا کہ جو کچھ ہوا وہ سب قوتِ ایمانی کی برکت سے اور جذبۂ قربانی کی بدولت ہوا۔ اس وقت مسلمانوں کے دل میں اس بات کی شدید تڑپ تھی کہ وہ سرزمینِ عرب سے اس فتنہ کو ملیامیٹ کر دیں جس کی موجودگی میں اس کا شدید خطرہ تھا کہ کہیں جاہلیت کا زمانہ جو ابتری، بدنظمی اور بت پرستی کا دوسرا نام تھا، دوبارہ لوٹ کر نہ آجائے۔ چنانچہ اسی خطرہ کے پیشِ نظر انہوں نے اپنی پوری طاقت سے فتنہ ارتداد کا مقابلہ کیا اور عرب کو پھر سے نئی زندگی بخشی۔ عربوں کی صفوں میں یکجہتی پیدا کی اور انہیں پھر ایک ہی مسلک میں منسلک کر دیا۔

حصّہ سوم

اسلام کی یلغار

عراق کی فتح اور ایران پر حملہ

(۱)

اسلامی فتوحات کے اسباب

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا کامل یقین تھا کہ خدا اپنے دین کو ہر میدان میں فتح بخشے گا اور اسے دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک غالب کر کے ہی دم لے گا۔ یہی یقین تھا جس کی بدولت آپ نے ایران جیسی عظیم الشان حکومت پر بھی حملہ کرنے میں کسی قسم کا تردد محسوس نہیں کیا۔ آپ کو عربوں کی قوت و طاقت کا اچھی طرح علم تھا۔ آپ جانتے تھے کہ عربوں اور ایرانیوں کا کسی طرح بھی باہم مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر تمام عرب فوجوں کو ملا لیا جاتا جب بھی ان کی تعداد ایران کے کسی ایک شہر کی حفاظت کرنے والی فوج کی تعداد کے برابر بھی نہ تھی۔ عرب جس تنگی اور تکلیف سے زندگی بسر کرتے تھے ایرانی اس کا قیاس بھی نہیں کر سکتے تھے۔ لڑائی کی صورت میں عربوں کو کسی جانب سے بھی مدد ملنے کا امکان نہ تھا لیکن اس کے برعکس ایرانی اپنے وسائل کو کام میں لا کر چند دنوں میں بڑے سے بڑا لشکر جمع کر سکتے تھے۔ زندگی کے کسی شعبے میں عربوں کو ایرانیوں پر کسی قسم کی برتری حاصل نہ تھی اور کسی صورت میں بھی وہ ایرانیوں کے ہم پلہ قرار نہیں دیئے جا سکتے تھے۔ فتوحات کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ لشکر کی تعداد وافر ہو۔ اسے دشمن سے لڑنے کے لئے ہر قسم کی آسانیاں مہیا ہوں۔ لیکن عربوں کو ان میں سے کوئی بات بھی میسر نہ تھی۔

ظہورِ اسلام سے پہلے عربوں کے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں بھی یہ خیال نہیں آسکتا تھا کہ وہ کبھی ایران پر چڑھائی کر سکتے اور اس پر اپنا تسلط جما سکتے ہیں۔ ان کے بعض قبائل ایرانیوں کے مطیع تھے۔ عرب کے شمال میں قیاصرۂ روم کی حکومت تھی اور شمال مشرق میں خسروانِ ایران کی۔ روم اور ایران میں باہم چپقلش رہتی تھی جس کے باعث دونوں حکومتیں ایک دوسرے کی سرحد پر حملہ کرتی رہتی تھیں۔ فریقِ مخالف کی طرف سے ان حملوں کو روکنے کے لئے طرفین نے اپنی اپنی سرحدوں پر مضبوط قلعے اور چھاؤنیاں تعمیر کیں لیکن جب ان سے کام نہ چلا تو دونوں نے اپنے قرب وجوار کے سرآوردہ عرب قبائل کے سرداروں کو لالچ دیا۔ ان کے جنگجو اور بہادر لوگوں کو فوج میں بھرتی کیا۔ انہیں قواعدِ جنگ سکھائے۔ آلاتِ حرب سے لیس کیا اور تنخواہیں مقرر کر دیں۔ اس طرح یہ عرب سردار اور ان کے اہلِ قبیلہ روپیہ کے لالچ میں اپنے اپنے مالکوں کے لئے جان دینے اور ان کے لئے ہر قسم کی قربانی کرنے لگے۔ بہ الفاظِ دیگر خود وہ عرب جنہیں اپنی آزادی، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ پیاری تھی، ایران اور روم کی کاسہ لیسی میں مصروف ہو گئے۔

اسلام سے قبل اہلِ عرب ایرانیوں اور رومیوں کو بڑی ہیبت، عزت اور احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے اور ان عظیم الشان سلطنتوں کی سطوت، عظمت اور جبروت سے انتہائی مرعوب تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ ان سلطنتوں کے باشندوں کو ہر قسم کا آرام، ہر طرح کا چین نصیب ہے۔ ان کے پاس طاقت اور قوت کے خزانے ہیں۔ ان کی فوجیں جدید ترین آلاتِ حرب سے پوری طرح مسلح ہیں۔ اس کے برعکس وہ خود انتہائی کس مپرسی اور ذلت کی زندگی گذار رہے ہیں، نہ ان کے پاس طاقت ہے نہ قوت، نہ ہتھیار ہیں نہ فوج، ہتھیاروں میں لے دے کر ان کے پاس تیر کمان، نیزے اور تلواریں تھیں۔ لیکن یہ چیزیں ایرانیوں اور رومیوں کے جدید ترین اسلحہ کے سامنے کیا کام آسکتی تھیں۔ عربوں کی یہی سقیم حالت تھی جس کے پیشِ نظر اسلام سے قبل ان کے واہمہ میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ وہ اپنے جزیرہ سے اس عزم کے ساتھ نکلیں گے کہ اپنی پڑوسی سلطنتوں پر حملہ کریں اور ان کی طاقت و قوت اور عظمت و جبروت کو آن کی آن میں خاک میں ملا کر رکھ دیں۔

لیکن اسلام نے آکر ان عربوں کے تنِ مردہ میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان کی حالتوں میں ایک عظیم تغیر، ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اسلام نے عربوں میں اتحاد کی داغ بیل ڈالی، ان کے عزائم کو بلند اور مضبوط کیا۔ انہیں اس بات کا احساس دلایا کہ روئے زمین پر وہی سب سے زیادہ معزز ہیں، پھر انہیں حقیقی آزادی سے روشناس کیا جس کے زیرِ اثر بڑی بڑی طاقتیں اور با جبروت بادشاہتیں ان کی نظروں میں ہیچ ہو گئیں۔

جونہی خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ مرتدین عرب کے استیصال سے فارغ ہوئے آپ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ ایران اور روم کی بادشاہتوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں چند ہزار نفوس پر مشتمل مسلمانوں کا حقیر سا لشکر کم مائیگی، بے بضاعتی، اسلحہ اور سامانِ رسد کی کمی اور ہزارہا مشکلات کے باوجود عرب کے تپتے ہوئے صحراؤں کو قطع کر کے ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے مقابل صف آرا ہو گیا جو اپنی تہذیب و تمدن، قوت و شوکت اور رعب و دبدبہ کی وجہ سے تاریخ عالم میں اپنے لئے ایک خاص مقام رکھتی تھیں۔ خلیفہ کے احکام کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ اسلامی لشکر نے ایرانی سلطنت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ اس کے سامنے ایرانی لشکرِ جرار کی، وافر سامانِ جنگ کے باوجود کچھ بھی پیش نہ جا سکی۔ اسی طرح رومی سلطنت بھی اپنی ہیبت اور شکوہ و عظمت کے ساتھ مسلمانوں کے قدموں پر آ پڑی اور مسلمان اس کے اکثر حصہ پر قابض ہو گئے۔ اس قبضہ کو ابھی نصف صدی بھی نہیں گزری تھی کہ ایرانی اور رومی سلطنت کے کھنڈروں پر مسلمانوں نے ایک اور عظیم الشان سلطنت کی عمارت تعمیر کر دی جو قوت و طاقت، تہذیب و تمدن، مضبوطی و استحکام اور شان و شوکت کے لحاظ سے گذشتہ سلطنتوں سے کہیں بہتر اور دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں سے ایک تھی۔

مسلمانوں کا یہ عروج مورخین کے لئے انتہائی حیرت و استعجاب کا باعث ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تاریخ ایسی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، جس میں ایک خانہ بدوش قوم جسے دنیوی آسائشوں سے کچھ بھی حصہ نہ ملا ہو جس کا گزارہ اونٹنیوں کے دودھ اور باسی گوشت پر ہو، جسے رائج الوقت فنونِ جنگ سے مطلق واقفیت نہ ہو، دیکھتے دیکھتے بگولہ کی طرح اُٹھے اور آن کی آن میں آندھی کی طرح اپنے ہمسایہ ملکوں پر چھا جائے اور وہ ملک اپنے اعلیٰ ترین سامانِ جنگ، اپنی انتہائی شان و شوکت کے باوجود اس بدو قوم کے سامنے خس و خاشاک بن کر بہہ جائیں۔

مورخین نے ان حیرت انگیز واقعات کے دو عوامل بیان کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام نے عربی قبائل میں وہ تاثیر پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ صحراء سے نکل کر بڑی بڑی عظیم الشان سلطنتوں کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ خود ان ممالک میں بھی، جنہیں عربوں نے فتح کیا تھا، اندرونی طور پر ایسے حالات پیدا ہو گئے تھے جنہوں نے اسلامی فتوحات کے لئے راستہ صاف کر دیا۔

اسلام کا ظہور ان قبائل میں ہوا، جو پراگندگی میں اپنی حد کو پہنچ گئے تھے، بتوں اور غیر اللہ کی پرستش نے ان کی عقلوں پر دبیز پردے ڈال دیئے تھے، آپس کی خانہ جنگیوں نے ان میں خطرناک حد تک انتشار پیدا کر دیا تھا

لیکن اسلام نے آکر ان تمام قبائل کو باہم شیر و شکر کر کے ایک روحانی، اجتماعی اور اخلاقی نظام میں جکڑ دیا۔ جس
زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے وہ زمانہ اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے انتہائی انحطاط کا زمانہ تھا
لوگوں کو ایک لڑی میں پروئے رکھنے اور آدابِ زندگی پر عمل پیرا کرنے کے لئے کسی قسم کے نظام کا وجود نہیں
تھا۔ اس وقت صرف عرب ہی کی یہ حالت نہیں تھی بلکہ ایران، شام اور دوسرے ممالک بھی اسی رنگ میں رنگے
ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ ان ممالک میں عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان زبردست جھگڑے پیدا ہوتے
تھے جس کی وجہ سے ان کی ترقی اور خوشحالی پر شدید اثر پڑ رہا تھا اور ان ممالک میں خانہ جنگیاں شروع ہو
گئی تھیں۔

دنیا کی یہ حالت تھی کہ اسلام کا ظہور ہوا۔ اس نے اپنی تعلیم کی بدولت عرب کے تمام قبائل کو مجتمع اور
منظم کر دیا۔ اسلامی تعلیم کی روشنی میں جو قوانین مسلمانوں نے مرتب کئے انہوں نے عربوں پر گہرا اثر ڈالا۔ اسلام
نے قبائل کو باہم متحد اور مربوط کرنے کے لئے جو طریقے استعمال کئے ان میں عقیدۂ توحید سب سے زیادہ
مؤثر ثابت ہوا۔ جب عربوں نے دیکھا کہ ان سب کا معبود ایک ہے تو قبیلہ قبیلہ کا بت جدا ہونے کی وجہ سے
ان میں باہمی طور پر جو بیگانگی پائی جاتی تھی وہ دور ہونے لگی۔ اسلام نے آکر لوگوں کو یہ احساس دلایا کہ سب
انسان برابر ہیں اور کسی شخص کو کسی شخص پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اگر کسی قبیلہ کا سردار کوئی جرم کرتا ہے تو قانون
کی نظر میں وہ بھی اسی سزا کا مستحق ہے جس سزا کا مستحق ایک عام آدمی ہے۔ اخوت کا جو سبق اسلام نے آکر
پڑھایا اس نے قبائل کو اسلام کی طرف راغب کیا اور خود اسلام لانے کے بعد انہوں نے باقی دنیا میں اسلام
کو پھیلانے کا تہیہ کر لیا۔ غرض ایک مضبوط نظام جس نے تمام مسلمانوں کو باہم مربوط کر رکھا تھا اور اخوت
و مساوات کی تعلیم کا زبردست اثر یہ وہ عوامل تھے جو اولین اسلامی فتوحات میں بہت کافی حد تک ممد و معاون
ثابت ہوئے۔

اس کے بالمقابل ایران اور روم میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ ان سلطنتوں کو تباہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔
ایران کے اکاسرہ نے یہود و نصاریٰ پر ظلم و ستم توڑنے اور ہر طرح ان کو ستانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ادھر
قیاصرۂ روم نے جو عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے۔ تمام سلطنت میں یہودیوں اور آزاد خیال مفکرین کو جور و عدوان
کا تختۂ مشق بنا رکھا تھا۔ عین اسی وقت اسلام نے حریتِ فکر، حریتِ ضمیر اور حریتِ عقیدہ کا بانگِ دہل اعلان کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء رض نے لشکر اسلامی کے سرداروں کو اسی تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی پُرزور تاکید کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایرانی اور رومی ممالک کی رعایا کے ایک بہت بڑے حصہ نے جو ظلم و ستم اور جور و الم کی چکی میں پس رہا تھا نہ صرف یہ کہ حملہ کے وقت عربوں کی کوئی مزاحمت نہیں کی بلکہ ہر طرح ان کی تائید اور مدد کی۔

ایرانی اور مشرقی روم کی سلطنتوں کے زوال اور عرب فوجوں کے ہاتھوں ان کی شکست کا ایک سبب ان دونوں حکومتوں کے جابرانہ قوانین بھی تھے۔ رومی قوانین نے اس مشرقی سلطنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تھا اور ان کی وجہ سے رعایا کے مختلف طبقوں میں باہمی منافرت و مخاصمت پیدا ہو گئی تھی۔ سلطنت میں رومی اور غیر رومی دونوں باشندے آباد تھے اور ملکی عہدوں پر ہر ایک کا حق تھا۔ لیکن تمام بڑے بڑے عہدے اور ہر قسم کے اعزاز رومیوں کو ہی دیئے جاتے تھے اور غیر رومی رعایا کو سیاسی اور شہری حقوق سے کلیتہً محروم رکھا جاتا تھا اس کا نتیجہ طبعی طور پر یہ ہوا کہ غیر رومی رعایا کے دل میں رومیوں کی طرف سے نفرت کے جذبات پیدا ہونے لگے اور اس طرح سلطنت میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔ اس زمانہ میں رومی عساکر نے بھی اپنی قومی خصوصیات کو ترک کر دیا تھا اور فوجوں کے سپاہی سلطنت کی بے لوث خدمت کرنے کی بجائے تنخواہوں اور اجرتوں کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ تنخواہ دار سپاہی کسی صورت میں بھی اس طرح خلوص سے میدانِ جنگ میں کام نہیں کر سکتا جس طرح وہ سپاہی جس کے پیشِ نظر صرف اپنے ملک کی خدمت ہوتی ہے، محض جذبۂ قربانی ہی اس کو میدانِ جنگ میں لاتا ہے۔ اور اس کے دل میں تنخواہ اور اجرت کا خیال بھی نہیں آتا۔ رومی فوجوں کی دیکھا دیکھی ان سرداروں اور ان کی فوجوں نے بھی تنخواہ کا مطالبہ شروع کر دیا جن کو رومی سلطنت نے سرحد پر اس لئے مقرر کیا تھا کہ وہ سلطنت کے خلاف ہر حملہ کو روکیں اور دشمن کو مملکت کی حدود میں قدم نہ رکھنے دیں۔ رومی اور غیر رومی عناصر میں اسی قسم کے جذبات کے ابھرنے سے سلطنت میں ضعف شروع ہو گیا۔ فوج کی حالت بدل گئی اور وہ فتوحات جو رومی فوج کے ہاتھوں مسلسل ہوتی رہتی تھیں، رک گئیں۔

لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود مسلمانوں کے لشکر ان کی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے، ہرگز اس قابل نہیں تھے کہ وہ ان منظم رومی اور ایرانی لشکروں کا مقابلہ کر سکتے جو جنگ کے لئے ہر وقت کیل کانٹے سے لیس کھڑے رہتے تھے۔ عربوں کی فتح کا سب سے بڑا سبب وہ دینی جذبہ تھا جس نے موت کو ان کی آنکھوں

میں بالکل حقیر کر دیا تھا اور وہ ہر خطرہ سے بے پرواہ ہو کر، ان سلطنتوں سے لڑنے کے لئے نکل آئے تھے۔
اس جذبہ کے سامنے ایرانیوں کی تنظیم اور رومیوں کی شجاعت بھی کچھ کام نہ آ سکی۔

عربی فوجوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے افسروں اور سرداروں کے احکام کی اطاعت بلا چون و چرا اور آنکھیں بند کر کے کیا کرتی تھیں جس سے ان کی صفوں میں کامل اتحاد اور یک جہتی رہتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ وہ ایک ٹھوس اور سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو گئے تھے جس کو توڑنا ان کے دشمنوں کے بس میں نہ تھا۔ جنگی تیاریوں اور سامان رسد میں کمی کی تلافی اس کامل اطاعت اور فرماں برداری سے بھی ہو جاتی تھی جو عرب سپاہی اپنے افسروں کے لئے روا رکھنا اپنے اوپر فرض سمجھتے تھے۔

اولین عربی فتوحات میں عربی فوجوں کا ایک امتیاز یہ تھا کہ وہ انتہائی پھرتی، تیزی اور چستی سے کام کرتی تھیں جس نے ان کی کامیابی میں بے حد مدد دی۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ جنگ جیتنے میں حیرت انگیز پھرتی سے کام لیا بلکہ فتوحات کے بعد ایک لمحہ ضائع کئے بغیر مفتوحہ علاقوں کی نئے سرے سے تعمیر شروع کر دی وہاں انتہائی منظم حکومت قائم کر کے، اسلامی قوانین جاری کر دئے اور اپنا تسلّط اس طرح جما لیا کہ دشمن کی فوج دوبارہ حملہ کی جرأت نہ کرے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، سلطنت میں ایسے لوگ بھی کثرت سے آباد تھے جن پر حکومت کی طرف سے بے انتہا مظالم کئے جاتے تھے۔ ملکی مناصب میں ان کے لئے کوئی حصہ نہیں رکھا جاتا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے علاقوں پر رومیوں نے مختلف جنگوں میں قبضہ کر لیا تھا اور وہ لوگ محکومی اور غلامی کی ذلیل زندگی بسر کر رہے تھے۔ رومی حکومت نے ان کی دل دہی کے لئے کوئی کوشش نہ کی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے وہاں پہنچتے ہی ان سے انتہائی فیاضانہ سلوک کیا۔ اور اس طرح پیش آئے جیسے اپنے بھائیوں سے پیش آتے ہیں۔ اس سلوک کا ان لوگوں پر جو اب تک ظلم و ستم کی چکی میں پستے چلے آ رہے تھے بے حد اثر ہوا اور وہ اس سرزمین میں مسلمانوں کے سب سے بڑے مددگار بن گئے۔

مسلمانوں نے جنگوں میں میانہ روی اور ضبطِ نفس کی بڑی اعلیٰ مثالیں پیش کیں۔ انہوں نے ان وحشیانہ حرکات سے کلی طور پر اجتناب کیا جو اس زمانہ کی لڑائیوں کا طرۂ امتیاز بن چکی تھیں۔ عربوں کے حملہ سے پہلے جب ایرانی اور رومی لشکر اپنے ہمسایہ ملکوں اور علاقوں پر فوج کشی کرتے تھے تو لوٹ مار اور قتل و غارت کا وہ بازار گرم ہوتا تھا کہ الامان والحفیظ۔ شہروں کو جلانا، آبادیوں کو برباد کرنا، مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کو

بے دریغ قتل کر دینا اور بقیۃ السیف لوگوں کو شدید تکلیفیں پہنچانا ان کے لئے معمولی باتیں تھیں اور وہ اس میں لذت محسوس کرتے تھے۔ لیکن جب مسلمانوں کی فوجیں ان ملکوں میں پہنچیں تو انہوں نے مفتوحہ علاقوں کے باشندوں سے انتہائی رواداری اور محبت کا سلوک کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو اپنے حاکموں کے ہاتھوں ایذائیں جھیل رہے تھے اور ان کا پچھلا برتاؤ ان کی نظروں کے سامنے تھا، خود مسلمانوں کا استقبال کرنے کھڑے ہو گئے اور ان جنگوں میں جس حد تک ہو سکتا تھا انہوں نے مسلمانوں کی اعانت کی۔

ان عوامل کے علاوہ عرب فوجوں کے سپہ سالاروں کی جنگی مہارت نے بھی فتوحات اسلامیہ میں بہت مدد دی۔ علاوہ دیگر سپہ سالاروں کے مسلمانوں کے پاس ایک ایسا جلیل القدر انسان تھا جس کی گرد کو بھی دوسرے سپہ سالار نہیں پہنچ سکتے تھے۔ یہ تھے "سیف اللہ" خالد بن ولید رضی اللہ عنہ۔ آپ نے جس عقلمندی، دلیری اور بہادری سے جنگوں میں کام کیا اور جس طرح فوجوں کو ترتیب دے کر انہیں دشمن کے مقابلہ میں بھیجا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ عراق مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا، سلطنت ایران کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور یرموک کی جنگ کے بعد شام اور فلسطین سے رومی سلطنت کا اقتدار ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ایران اور روم میں مسلمانوں کی کامیابی کے ہم نے جو اسباب گنوائے ہیں، یورپین مستشرقین نے بھی کم و بیش انہی اسباب کا ذکر کیا ہے۔ اس لئے ہم علیحدہ علیحدہ ہر مستشرق کی رائے کو درج کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ البتہ پروفیسر نکلسن نے مذکرہ بالا اسباب کے علاوہ چند مزید اسباب بھی بیان کئے ہیں جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نکلسن لکھتا ہے:۔

"عربوں کا یہ خاصہ تھا کہ وہ جب بھی باہر نکلتے خواہ سفر کے لئے خواہ جنگ کے لئے، تو اپنے ساتھ کم سے کم سامان لیتے اور بہت ہلکے پھلکے ہو کر نکلتے۔ وہ خانہ بدوش تھے اور ان کا کسی ایک جگہ قیام نہ ہوتا تھا اس لئے لازماً انہیں ایسا کرنا پڑتا تھا۔ صحرائی علاقہ میں رہنے کی وجہ سے جہاں میلوں تک نہ پانی کا نشان نظر آتا ہے، نہ کسی قسم کی خوراک کا، انہیں بھوک اور پیاس کو برداشت کرنے کی عادت بھی پڑی ہوئی تھی اور وہ بہت کم غذا پر قانع ہو سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ آسانی کے ساتھ لمبے سے لمبے سفر کر سکتے اور اپنے دشمن پر اچانک، چھاپہ مار سکتے تھے۔ اس کے بالمقابل ایرانی اور رومی فوجیں سامان جنگ اور سامان رسد وغیرہ کی ایک کثیر مقدار

اپنے ساتھ رکھتی تھیں۔ انہیں اپنے عالیشان خیموں کو اکھاڑنے اور بار کروانے میں ہی کافی وقت لگ جاتا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ تیزی کے ساتھ سفر کر سکتی تھیں اور نہ اچانک دشمن کے سر پر پہنچ کر اسے ہراساں یا مغلوب کر سکتی تھیں۔

مزید برآں عربی فوجیں فنِ مبارزت میں کافی مہارت رکھتی تھیں۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ عام لڑائی شروع ہونے سے پہلے فریقِ مخالف کی طرف سے ایک بہادر جس کو اپنی قوت و طاقت پر ناز ہوتا تھا باہر نکلتا تھا اور اپنے دشمنوں کو چیلنج کرتا تھا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص ہے جو میرے مقابلہ پر آئے؟ جواب میں دوسری طرف سے بھی ایک بہادر نکل آتا تھا اور دونوں میں باہم لڑائی شروع ہو جاتی تھی۔ چونکہ عرب کے گھوڑے ایرانی اور رومی گھوڑوں سے کہیں زیادہ تیز اور چالاک ہوتے تھے اور عرب تلوار کی لڑائی میں خوب مہارت رکھتے تھے اس لئے بالعموم انفرادی جنگ میں عرب شہسوار اپنے مدِ مقابل پر غالب آجاتا تھا اور اس کو قتل کر دیتا تھا۔ جس سے فریقِ مخالف کے حوصلے پست ہو جاتے تھے اور وہ مسلمانوں کی طاقت سے مرعوب ہو جاتا تھا۔

عربوں کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی پشت کی جانب سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ وہ اس وقت تک کبھی آگے نہ بڑھتے تھے جب تک مفتوحہ علاقہ کا انتظام پوری طرح نہ کر لیتے اور جب تک ان کو اس بات کا پورا یقین و وثوق نہ ہو جاتا کہ دشمن کسی طرح بھی ان پر پیچھے کی جانب سے اچانک حملہ نہیں کر سکتا۔ جنگی نقطۂ نظر سے یہ بات نہایت اہم ہے جس کا جنگ کے دوران میں دشمن پر حملہ کرتے وقت اور پیچھے ہٹتے ہوئے خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ عربوں نے اس اہم نکتہ کو ہمیشہ مدِ نظر رکھا اور اس طرح کبھی دشمن کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دیا۔

---

(۲)

عراق میں فتوحات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی دور اندیشی اور دوربینی سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ملکِ عرب کی مضبوطی نظامِ خلافت کی استواری اور اسلام کی شان و شوکت کے لئے قبائلِ عرب کا ایران اور روم سے برسرِ پیکار ہو جانا[1] ضروری ہے۔ دشمنانِ اسلام سے مصروفِ جنگ ہو کر وہ اپنے باہمی اختلافات بھول جائیں گے اور ان کی ساری کوششیں اپنے دشمنوں کو شکست دینے میں صرف ہو جائیں گی۔ حضرت ابوبکرؓ کی یہ سیاست آپ کے کمالِ تدبر و فراست پر دلالت کرتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ عرب قبائل کے دل سے ابھی تک روحِ جاہلیت کا اثر پوری طرح زائل نہیں ہوا تھا۔ وہ لڑائی جھگڑوں کے دلدادہ تھے اور باہمی خانہ جنگی کے مواقع تلاش کرتے رہتے تھے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خطرہ کو بروقت بھانپ کر ان کی ساری توجہ دوسری طرف منعطف کر دی اور ان کو آپس کے لڑائی جھگڑوں کے لئے کوئی موقعہ ہی نہ ملا۔

---

[1] روم و ایران پر حملہ کرنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ خود یہ دونوں طاقتیں اسلام کو مٹانے اور مسلمانوں کو تباہ کر دینے کی عملی تدابیر میں مصروف تھیں۔ چنانچہ جنگ یرموک میں قیصر نے ایک لاکھ کی جمعیت مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجی تھی۔ اگر حضرت صدیقؓ کمال ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ اس خطرناک مسئلہ کو نہ حل کرتے تو ایران و روم کی فوجیں بہت ہی جلد مدینہ اور مکہ کو تباہ کر کے رکھ دیتیں۔ (محمد احمد)

حضرت صدیق اکبرؓ کے دل میں یہ خیال اس وقت اور بھی راسخ ہو گیا جب مثنیٰ بن حارثہ شیبانی اور سوید بن قطبہ عجلی نے آپ کو لکھا کہ ایران اس وقت دورِ انحطاط سے گذر رہا ہے۔ وہاں کے حالات بہت جلدی جلدی پلٹا کھا رہے ہیں اور ایرانی قوم میں کمزوری راہ پا چکی ہے۔ ساتھ ہی یہ درخواست بھی کی کہ وہ ان دونوں کی مدد کے لئے لشکر روانہ کریں۔ ان لشکروں کی مدد سے وہ ایران پر چڑھائی کر دیں گے۔ مثنیٰ بن حارثہ اور سوید بن قطبہ دونوں قبیلہ بنی بکر بن وائل سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن سرحد پر جا کر آباد ہو گئے تھے وہ اکثر عجمی سرزمین پر چھاپے مارا کرتے تھے اور جو کچھ ہاتھ لگتا، سمیٹ لایا کرتے تھے۔ لیکن خود کسی کے ہاتھ نہ آتے تھے۔ مثنیٰ حیرہ کی جانب سے چھاپہ مارتا تھا اور سوید ابلہ کی جانب سے خیال غالب یہی ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کے دوران میں بھی ان دونوں کا یہی کام تھا کہ اپنے اردگرد کی زمینوں پر چھاپے مارتے اور جس قدر مال ملتا وہ لے کر چلے آتے۔ دشمن اگر پیچھا کرتا تو اس کی نظروں سے بچ کر عرب کے صحرا میں غائب ہو جاتے اور کسی کے ہاتھ نہ آتے۔

حضرت ابوبکرؓ اسی فکر میں تھے کہ ایسا کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے عرب آپس کے لڑائی جھگڑوں میں نہ الجھ جائیں۔ کیونکہ مرتدین کے استیصال کے بعد جو سکون و جمود پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے اس خطرہ کو اور قریب کر دیا تھا۔ اسی اثناء میں مثنیٰ کا خط پہنچا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کو ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم

جس وقت یہ خط حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچا تو حضرت خالدؓ بن ولید بنو حنیفہ کی بغاوت کے استیصال سے فارغ ہو چکے تھے۔ آپ نے ان کو ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا اور کہلا بھیجا کہ اپنی مہم کا آغاز ہند کی سرحد ابلہ سے کریں۔ عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمال کی طرف سے ایران پر حملہ آور ہوں اور اپنے حملہ کی ابتداء مضیح سے کریں جو شمالی عراق میں واقع تھا۔ آپ نے ان دونوں کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ ایران پر چڑھائی کرنے کے لئے کسی شخص کو مجبور نہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ کے اس حکم سے کہ صرف انہی اشخاص کو اس مہم میں شامل کیا جائے جو بطیب خاطر اس کے لئے آمادہ ہوں اور کسی شخص کو مہم میں شمولیت پر مجبور نہ کیا جائے آپ کی دقت نظر اور دوراندیشی کا ایک اور ثبوت ملتا ہے۔ آپ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ ایرانیوں سے مقابلہ کے لئے ایسے لوگوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے جو اس مہم میں شامل ہونا پسند نہ کرتے ہوں۔ آپ کی یہ رائے حق اور بالکل درست رائے تھی کہ اسلامی لشکر صرف ان لوگوں پر مشتمل ہونا چاہئے جو اپنی خوشی سے اس مہم میں شمولیت کریں نہ کہ خوف اور جبر کی وجہ سے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید کو یمامہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مکتوب ملا تو آپ نے ایرانی سرحد کے سپہ سالار اور سردار ہرمز کو ایک تہدیدی خط بھیجا جس میں لکھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا ھرمز کے نام مکتوب

"یا اسلام لے آؤ۔ یا ذمی بن کر ہماری سلطنت میں شامل ہونا اور جزیہ دینا قبول کرو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پھر تم اپنے سوا کسی کو ملامت نہ کرنا۔ ہم اپنے ساتھ ایک ایسی قوم کو لا رہے ہیں جو موت سے اسی طرح محبت کرتی ہے جس طرح تم زندگی سے۔"

حضرت خالدؓ بن ولید نے ہرمز کو اپنے لشکر کے متعلق جو کچھ لکھا تھا درحقیقت حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی وہی چاہتے تھے آپ کی خواہش تھی کہ لشکر میں صرف ایسے لوگ شامل ہوں جن کی نظروں میں موت کی پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہ ہو اور وہ موت کو انتہائی حقیر شے سمجھتے ہوں۔ کیونکہ یہی لوگ ہوتے ہیں جو میدانِ جنگ میں بے جگری سے لڑتے ہیں۔ اور زندگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خطرناک سے خطرناک جنگوں میں بے دھڑک گھس جاتے ہیں۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ حکم دے دیتے کہ طوعاً و کرہاً ہر شخص کو لشکر میں شامل کیا جائے تو لشکر میں ضعف اور ابتری پیدا ہو جاتی۔ کیونکہ اب مقابلہ ایسے دشمن سے تھا جو تعداد، قوت، طاقت، سامانِ جنگ، غرضیکہ ہر لحاظ سے عربوں سے برتر تھا اور خود عربوں کو بھی اس کی برتری کا اعتراف تھا۔ مزید برآں مسافت بھی دور کی تھی۔ اس بنا پر مقابلہ کے لئے صرف ایسے ہی اشخاص کی ضرورت تھی جو موت سے ڈرنے والے نہ ہوں اور اپنی جانیں ہتھیلیوں پر لے کر نکلیں۔ اگر ایسے لوگوں کو بھی ساتھ ملا لیا جاتا جو دل سے اس مہم میں شمولیت پر راضی نہ تھے تو سارے لشکر میں بددلی پھیلنے، کمزوری پیدا ہونے اور آخر کار دشمن کے ہاتھوں نقصان اٹھانے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی عراق کو روانگی

حضرت خالدؓ بن ولید اپنے لشکر کو صرف ایک ہی راستے سے لے کر نہیں چلے بلکہ لشکر کے تین حصے کر کے انہیں تین مختلف راستوں سے یکے بعد دیگرے عراق کے ایرانی صوبہ[1] کی طرف روانہ کیا۔ آپ نے مثنیٰ بن حارثہ کو جو ابلہ

---

[1] عراق دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے۔ پرانے زمانہ میں یہ علاقہ عرب کا ایک حصہ تھا اور عرب قبائل ہی یہاں رہتے تھے لیکن ایران نے نہ صرف یہ کہ عرب کے اس حصہ پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ فرات کے مغرب کی طرف بھی اپنا تسلط جما لیا تھا اور اس علاقہ کو بعض اقوام ایران کی باجگذار ہو گئی تھیں۔ (محمد احمد پانی پتی)

کے مقام پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی زیر ہدایت حضرت خالد رضؓ بن ولید سے آملے تھے سب سے پہلے روانہ کیا اس کے ایک روز بعد عدی بن حاتم کی سرداری میں دوسرا لشکر بھیجا۔ تیسرے روز عاصم بن عمرو کو لشکر کے تیسرے حصے کے ہمراہ روانہ کر دیا اور اس کے بعد خود نکلے۔ لشکر کے تمام حصوں کو مقام حفیر میں مل جانے کی ہدایت تھی تاکہ دشمن پر اجتماعی حملہ کیا جا سکے۔

ادھر جب ہرمز کو حضرت خالد رضؓ بن ولید کا خط ملا تو اس نے شہنشاہ ایران کسریٰ اردشیر کو سارے معاملے کی اطلاع دی۔ ساتھ ہی مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کے لیے لشکر بھی جمع کیا اور یمامہ کی جانب واقع ایک شہر کاظمہ کا رخ کیا۔ راستے میں اسے پتہ چلا کہ مسلمانوں کا لشکر حفیر میں جمع ہو رہا ہے۔ یہ سن کر اس نے لشکر کی باگیں حفیر کی طرف موڑ دیں۔

جب حضرت خالد رضؓ کو اس کی خبر ملی تو وہ اپنی فوج کو لے کر "کاظمہ" کی طرف روانہ ہو گئے۔ مجبوراً ہرمز کو بھی کاظمہ کا رخ کرنا پڑا۔ حضرت خالد رضؓ نے اغلباً حفیر کو چھوڑ کر کاظمہ جانا اس لیے پسند کیا کہ آپ کے خیال میں وہ جگہ لڑائی کے لیے نسبتاً موزوں تھی۔ ہرمز انتہائی عقلمند اور بے حد پھرتیلا تھا۔ جب حضرت خالد رضؓ بن ولید کاظمہ پہنچے تو ہرمز پہلے ہی وہاں موجود تھا۔ چونکہ پانی کی جگہ پر ہرمز اور اس کے لشکر نے قبضہ کر لیا تھا اس لیے حضرت خالد رضؓ کو مجبوراً ایسی جگہ اترنا پڑا جہاں پانی کا نشان تک نہ تھا۔

غزوۂ ذات السلاسل

لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے حضرت خالد رضؓ بن ولید میدان میں نکلے اور ہرمز کو مقابلہ کے لیے طلب کیا۔ ہرمز میدان میں آیا اور دونوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ہرمز چاہتا تھا کہ دھوکا دے کر حضرت خالد رضؓ کو شہید کر دے لیکن اس کی کوئی تدبیر کام نہ آئی۔ حضرت خالد رضؓ بن ولید نے اس پر قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد عام لڑائی شروع ہو گئی۔ مسلمانوں نے دشمنوں کی صفوں میں گھس کر ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد ایرانی لشکر مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس جنگ میں ایرانیوں کو زبردست شکست اٹھانی پڑی۔ یہ لڑائی "ذات السلاسل" کے نام سے مشہور ہے کیونکہ اس جنگ میں ایرانی سپاہیوں نے اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں باندھ لیا تھا۔ تاکہ کوئی شخص بھاگ نہ سکے اور سپاہ آخری وقت تک لڑتی رہے۔

قارن کا حضرت خالد رضؓ بن ولید سے مقابلہ اور شکست

کسریٰ نے ہرمز کی مدد کے لیے "قارن بن قریانس" کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا تھا جب یہ لشکر موجودہ شہر

بصرہ سے چار میل دور شمال میں "مذار" کے مقام پر پہنچا تو ہرمز کی شکست خوردہ فوج اس سے آملی۔ قارن نے اس فوج کو اپنے ساتھ ملا کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ مثنیٰ کو جب یہ پتہ چلا کہ قارن ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا چلا آرہا ہے تو انہوں نے اس کی اطلاع حضرت خالدؓ بن ولید کو دی۔ اس وقت حضرت خالدؓ نے پہلا کام یہ کیا کہ مالِ غنیمت کی تقسیم کی اور ولید بن عقبہ کو مالِ غنیمت کا خمس دے کر فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس مدینہ روانہ کر دیا اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ "ثنی" کے مقام پر ایرانی فوجوں کا زبردست اجتماع ہو رہا ہے۔ اس کام سے فارغ ہو کر آپ اپنے تھکے ماندے لشکر کو ساتھ لے کر آگے بڑھے اور قارن کے لشکر کے بالمقابل پہنچ گئے لڑائی کا آغاز مبارزت سے ہوا اور اس کے بعد عام معرکہ شروع ہو گیا۔ اس جنگ میں بھی مسلمانوں نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اور ایرانی فوج کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔ ہزاروں ایرانی ہلاک ہو گئے اور ان کے بڑے بڑے سردار قارن۔ انوشجان اور قباد مارے گئے۔ جب ایرانیوں کو شکست ہو گئی تو وہ مشرقی جانب بھاگنے لگے مسلمانوں نے تعاقب کیا لیکن ایرانی کشتیوں میں سوار ہو کر پار نکل گئے اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آسکے۔ طبری نے اس جنگ میں کام آنے والے ایرانیوں کی تعداد تیس ہزار لکھی ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے مالِ غنیمت اپنی فوجوں میں تقسیم کیا اور خمس سعید بن نعمان کے ہاتھ فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

جنگِ ولجہ

جب کسریٰ کو مدائن میں ایرانی افواج کی ہزیمتوں کی خبر پہنچی تو دربار میں زبردست اضطراب پیدا ہو گیا۔ کسریٰ نے فوراً ایک اور زبردست لشکر "اندرزغر" کی زیر قیادت مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ اندرزغر مدائن سے نکل کر 'ولجہ' کے مقام پر پہنچا جہاں اس نے عرب کے نصاریٰ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ اِدھر کسریٰ نے اس کے پیچھے مدد کے لئے ایک دوسری فوج بہمن جادویہ کی سرکردگی میں روانہ کی۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو ان فوجوں کے آنے کا حال معلوم ہوا تو آپ نے اس خطرہ کے پیشِ نظر کہ ایرانی کہیں دھوکہ سے لشکر کی پشت پر حملہ نہ کر دیں، سب سے پہلے لشکر کی پشت کے تحفظ کا پورا پورا انتظام کیا اور خطِ رجعت کو محفوظ و مامون رکھنے کے لئے جابجا دستے متعین کر دئے۔ اس کے بعد لشکر کو کوچ کا حکم دیا آپ نے تین اطراف سے حملہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ دشمن کے دو جانب کمین گاہوں میں اپنی فوج کو چھپا دیا اور لشکر کے ایک حصہ کو ساتھ لے کر خود سامنے سے حملہ کر دیا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ شدید جنگ کے بعد جب طرفین کے حملے پست ہونے لگے تو اسلامی فوج کے جو دستے کمین گاہوں میں چھپے بیٹھے تھے انہوں نے یکے بعد دیگرے

اپنی جگہوں سے نکل کر ایرانی فوج پر دھاوا بول دیا۔ ایرانی فوج اس ناگہانی حملہ کے لئے تیار نہ تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں اس میں شکست کے آثار پیدا ہونے لگے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں کو اپنی تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا۔ بہت سے ایرانی قتل ہوئے باقی بھاگ گئے۔ بھاگنے والوں میں لشکر کا سپہ سالار اندرزغر بھی تھا جو صحرا کی طرف نکل گیا اور وہیں پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

معرکۂ الیس

اس جنگ میں بکر بن وائل کے بہت سے عیسائی بھی مارے گئے تھے سا ان سے ان کے ہم قوم عیسائی جوش میں آ گئے اور انہوں نے دربارِ کسریٰ میں لکھا کہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لئے ان کی مدد کی جائے۔ خود وہ انبار کے متصل "الیس" نامی مقام پر جمع ہونے لگے اور بہمن جاذویہ کا انتظار کرنے لگے جس کو "اندرزغر" کی مدد کے لئے بھیجا گیا تھا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اندرزغر کے لشکر کو شکست ہو چکی تھی۔ الیس کے مقام پر ایک ایرانی سردار "جابان" بھی پہلے سے موجود تھا۔

جب حضرت خالدؓ کو الیس پر دشمن کے مجتمع ہونے کی خبر ملی تو آپ اپنی فوج کو لے کر تیزی سے روانہ ہو گئے آپ کا خیال تھا کہ دشمن کو کمک پہنچنے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جب حضرت خالدؓ الیس پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ دشمن کے سپاہی بے فکر بیٹھے کھانے پینے میں مشغول ہیں۔ اگرچہ دشمن کو پتہ چل گیا تھا کہ خالدؓ آپہنچے ہیں مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی اور بے فکری سے اپنے کاموں میں لگے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ خالدؓ کی فوج تھکی ہوئی ہے اور سفر کی مشقت کی وجہ سے وہ فوراً حملہ نہ کرے گی بلکہ کچھ سستائے گی۔

حضرت خالدؓ کے لئے دو راستے کھلے تھے یا تو کچھ دیر آرام کرتے اور حملہ کو اگلے روز پر ملتوی کر دیتے یا فوراً ہی ہلہ بول دیتے لیکن جب آپ نے دشمن کی فوج کو اس حالت میں دیکھا تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ حملہ فوراً شروع کر دیا جائے چنانچہ آپ نے اپنی فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ دشمن کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ خالدؓ آتے ہی حملہ شروع کر دیں گے۔ وہ گھبرا گئے۔ مسلمانوں نے ایرانیوں اور ان کے حلیفوں پر زبردست حملہ شروع کر دیا۔ لیکن چونکہ ایرانیوں کو یہ امید تھی کہ بہمن جاذویہ ایک زبردست لشکر لے کر ان کی مدد کو آ رہا ہے اس لئے وہ اس آس پر میدان میں جمے رہے لیکن آخر کب تک؟ ایرانی لشکر میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے ادھر مسلمانوں نے ایرانیوں پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دئے۔ تھوڑی دیر میں بھاگڑ مچ گئی۔ بہت سے قتل ہوئے اور ان کا سارا سامان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ اس طرح الیس کی لڑائی بھی دوسری لڑائیوں کی طرح ایرانیوں کی شکست پر منتج ہوئی۔

یہ تمام لڑائیاں جن کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے صفر ۱۲ھ میں ہوئیں۔ صرف ابلہ کی لڑائی محرم میں ہوئی تھی

حضرت خالدؓ کے لشکر کی تعداد اٹھارہ ہزار تھی اور ہر موقعہ پر اسی لشکر کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔

امغیشیا کا حصول

الیس کی لڑائی سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید "امغیشیا" کی جانب روانہ ہوئے۔ جب وہاں کے باشندوں نے مسلمانوں کی آمد کی خبر سنی تو وہ شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور تتر بتر ہو گئے۔ امغیشیا حیرہ کی طرح ایک بہت بڑا شہر تھا۔ مسلمانوں کو وہاں اتنا سامان ملا کہ اب تک کسی جنگ میں نہ ملا تھا۔ ایک ایک سوار کے حصے میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار درہم آئے۔ اس کے علاوہ حضرت خالدؓ نے ان لوگوں کو جنہوں نے لڑائیوں میں غیر معمولی جرأت، دلیری اور بہادری کے مظاہرے کئے تھے مزید بیش قرار انعامات بھی دیئے۔ خمس حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جس کو دیکھ کر آپ بے حد خوش ہوئے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے بعد حضرت خالدؓ نے اس شہر کو ڈھا دینے کا حکم دیا۔

سقوطِ حیرہ

حیرہ[1] کے مرزبان (ایرانی حاکم) نے جب "امغیشیا" کا حال سنا تو ڈرا کہ چند دنوں میں خالدؓ یہاں پہنچ جائیں گے اور پھر اس کی خیر نہیں۔ چنانچہ اس نے لڑائی کی تیاری کی اور اپنے بیٹے کو آگے آگے روانہ کر دیا۔ اس کے پیچھے خود بھی لشکر لے کر حیرہ سے باہر نکل آیا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ حیرہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں مرزبان کے لڑکے کی فوج سے مڈھ بھیڑ ہوئی۔ حضرت خالدؓ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے اس کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے دی۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا لشکر بھی ان سے آ کر مل گیا اور اس کو ساتھ لے کر حضرت خالدؓ نے حیرہ کا رخ کیا اور خورنق اور نجف کے درمیان پڑاؤ ڈالا۔

حاکم حیرہ "ازاذبہ" کو اپنے بیٹے کا حشر معلوم ہوا اور عین اسی وقت اس نے کسریٰ ازدشیر کی وفات کی خبر بھی سنی یہ دونوں باتیں سن کر اس کی روح خشک ہو گئی۔ اس نے اپنی خیریت اسی میں سمجھی کہ حضرت خالدؓ کے حیرہ پہنچنے سے پہلے وہ بغیر لڑے دریائے فرات پار کر کے اندرون ملک میں بھاگ جائے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ توقع کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید چند روز بعد حیرہ پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ کچھ روز تک تو شہر کے باشندے مسلمانوں کے مقابلہ پر ڈٹے رہے لیکن جب محاصرہ نے شدت اختیار کی تو انہوں نے عاجز آ کر اپنے سرداروں کو

---

[1] اس زمانہ میں حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا جو سلطنت ایران کے باجگذار تھے، صدر مقام تھا۔

صلح پر مجبور کیا۔ تمام سردار اپنے اپنے محلات سے نکل کر حضرت خالدؓ کے پاس گئے اور ان سے صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ ہر رئیس سے علیحدہ علیحدہ ملے اور ان کو کافی سرزنش کی۔ منجملہ اور باتوں کے آپ نے ان سے کہا:

"تم پر افسوس ہے تم آخر کون ہو؟ کیا عرب ہو؟ اگر عرب ہو تو تم عربوں سے کس بات کا انتقام لیتے ہو؟ کیا عجمی ہو؟ اگر عجمی ہو تو تمہیں انصاف اور عدل کی مخالفت کرنے کی کیوں ضرورت پیش آئی؟"

پھر آپ نے ان سے فرمایا:

"تمہیں تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کرنی ہوگی۔ پہلی بات یہ کہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ۔ اس طرح جو سہولتیں ہمیں میسر ہوں گی وہی تمہیں بھی ہوں گی اور جو حقوق ہم پر واجب ہوں گے وہی تم سے لئے جائیں گے دوسری صورت یہ ہے کہ تم جزیہ دینا قبول کرو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں آجاؤ۔ خدا کی قسم ہم اپنے ساتھ ایک ایسی قوم کو لائے ہیں جو موت کی اتنی ہی خواہاں ہے جتنے تم زندگی کے۔"

ان سرداروں نے کہا ہم جزیہ دینا قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ پر مصالحت ہوگئی۔ حضرت خالدؓ نے فتح کی خوشخبری کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں وہ تحفے بھی ارسال کر دیئے جو سرداران حیرہ نے قدیم دستور کے مطابق حضرت خالدؓ کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان تحفوں کو اس شرط پر قبول کیا کہ یہ جزیہ کی رقم میں شمار ہوں گے تحفوں کی حیثیت میں نہیں

اہلِ حیرہ کے ساتھ عہد نامہ

حضرت خالدؓ نے اہل حیرہ کے ساتھ جو عہد نامہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

یہ وہ عہد نامہ ہے جو خالدؓ بن ولید نے حیرہ کے رؤسا عدی اور عمر بسران عدی۔ عمرو بن عبدالمسیح ایاس بن قبیصہ اور حیری بن کال سے کیا ہے۔ اس معاہدہ پر اہلِ حیرہ بھی راضی ہو گئے ہیں اور انہوں نے اس کی منظوری دے دی ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے اہلِ حیرہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ ادا کریں گے۔ اس کے بدلے ہم مسلمانوں کے ذمہ ان کی حفاظت ہے۔ اگر ہم ان کی محافظت نہ کریں تو ان کے اوپر کوئی رقم واجب نہیں۔ اور اگر اہل حیرہ قولاً یا فعلاً بدعہدی کریں تو ہم ان سے بری الذمہ ہیں یہ معاہدہ ربیع الاول ۱۲ھ میں لکھا گیا۔"

جب حضرت خالدؓ نے اہلِ حیرہ سے صلح کر لی تو صلوبا بن نسطونا جو قس ناطف کا رئیس تھا حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس آیا اور آپ سے ایک معاہدہ کیا۔ جس کی رُو سے دریائے فرات کے کنارے اس کی جتنی زمین تھی اس کے بدلے اس نے بارہ ہزار دینار سالانہ دینے کا اقرار کیا۔

جنوبی عراق پر مسلمانوں کا تسلّط

ایرانی مرزبان اور دہقان (زمیندار، جاگیردار، رئیس وغیرہ) تمام صورتِ حال کا گہری نظر سے جائزہ لے رہے تھے اور اس بات کے منتظر تھے کہ حضرت خالدؓ بن ولید حیرہ والوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت خالدؓ کو ہر جگہ فتوحات ہی نصیب ہو رہی ہیں اور آپ بہت آسان شرائط پر مفتوحہ علاقوں کے لوگوں سے صلح کر رہے ہیں تو فلالیج سے ہرمزجرد تک کے رؤساء نے آکر بیس لاکھ درہم سالانہ جزیہ پر صلح کر لی۔ ان لوگوں کے لئے بھی باقاعدہ عہدنامے لکھے گئے۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے ضرار بن ازور، ضرار بن خطاب، مثنیٰ بن حارثہ، ضرار بن مقرن، قعقاع بن عمرو، بسر بن ابی رہم اور عتیبہ بن نہاس سردارانِ لشکر کو حیرہ کے اطراف و جوانب میں چھوٹے چھوٹے لشکروں کے ہمراہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ اگر راستے میں کسی جگہ مزاحمت کی جائے تو مقابلہ کرو اور اس وقت تک بس نہ کرو جب تک یہ تمام علاقے اسلامی فوجوں کے زیرِ نگین نہ آجائیں۔ ان میں امن قائم نہ ہو جائے۔ اور کوئی جماعت ایسی نہ باقی رہ جائے جو اسلام نہ قبول کرے یا جزیہ نہ دے۔

ایرانی رؤساء اور عراقی امرائ کے نام حضرت خالدؓ بن ولید کے مکتوب

جب جنوبی عراق پر مسلمانوں کا پورا تسلط ہو گیا اور دجلہ تک کا تمام علاقہ حضرت خالدؓ بن ولید کے ہاتھ پر فتح ہو گیا تو آپ نے ایک آدمی حیرہ کا اور ایک انباط کا بلا بھیجا۔ حیری باشندے کے ہاتھ آپ نے ایک خط ایرانی رؤساء کی طرف روانہ کیا اور انباطی کے ہاتھ ایک خط عراق کے ان امراء کے نام بھیجا جو زمیندار اور جاگیردار تھے اور ابھی تک انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول نہ کی تھی۔

ایرانی رؤساء کے نام مکتوب

ایرانی رؤساء کے نام حضرت خالدؓ بن ولید نے جو خط بھیجا اس کا مضمون یہ تھا:

"خالدؓ بن ولید کی طرف سے ایرانی رؤساء کے نام

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے تمہارا سارا نظام درہم برہم کر دیا۔ تمہاری تدبیروں کو بے اثر بنا دیا اور تمہارے اتحاد کو توڑ دیا۔ اگر ہم تمہارے ملک پر حملہ نہ کرتے تو یہ تمہارے حق میں برائی ہوتی۔ اب بہتر یہ ہے کہ تم ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں اور تمہارے ملک کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلے جائیں گے۔ لیکن اگر تم نے ہماری اطاعت اور فرمانبرداری اختیار نہ کی تو تم کو ایسے لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہونا پڑے گا جو موت کو اتنا ہی پسند کرتے ہیں جتنا تم زندگی کو۔"

عراقی امراء کے نام مکتوب

نبطی کے ہاتھوں عراق کے امراء و رؤساء، زمینداروں اور جاگیرداروں کو جو خط روانہ کیا اس کا مضمون یہ تھا:۔

"خالدؓ بن ولید کی طرف سے فارس کے زمینداروں اور جاگیرداروں کے نام

خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے جس نے تمہاری عزت کو خاک میں ملا دیا۔ تمہارے اتفاق و اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا تم اسلام قبول کرو۔ کیونکہ اسی طرح تم امن میں رہو گے یا ہماری حفاظت میں آ کر ذمی بن جاؤ اور جزیہ ادا کرو۔ اگر تم نے یہ باتیں قبول نہ کیں تو میں ایسی قوم تمہارے پاس لایا ہوں جو موت کو اتنا ہی پسند کرتی ہے جتنا تم شراب پینے کو۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کے خطوط پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اپنے لشکر پر بہت ناز تھا اور جس کو بھی خط لکھتے تھے اس کو یہ کہہ کر ضرور ڈراتے تھے کہ اس کو ایسی قوم سے مقابلہ کرنا پڑے گا جو موت کی اتنی ہی عاشق ہے جتنے تم زندگی کے۔ یہ لکھ کر وہ کسی تعلّی کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ بالکل حق بات کہتے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کی فوج جو حضرت خالدؓ کے ساتھ تھی چند ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور اسے اپنے وطن اور قوم سے دور ایک ایسی سلطنت سے مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو جاہ و جلال، قوت و طاقت اور رعب و دبدبہ کے لحاظ سے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔ لیکن دشمن کی عظیم الشان قوت، محاذ جنگ کی انتہائی دوری اور سفر کی انتہائی تکلیف دہ ہونے کے باوجود اس نے ایک مرتبہ بھی حوصلہ نہیں ہارا، اور حضرت خالدؓ بن ولید کی سرکردگی میں میدان جنگ میں شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھائے جن کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

کسریٰ ازدشیر کی وفات کے بعد ایرانیوں میں اس مسئلہ پر شدید اختلاف پیدا ہو گیا تھا کہ آئندہ شاہی خاندان میں سے کس شخص کو بادشاہ بنایا جائے۔ ایک سال تک یہ جھگڑا چلتا رہا۔ اس عرصہ میں نہ انہوں نے عربوں سے لڑنے کے لئے کسی سپہ سالار کو بھیجا نہ کوئی لشکر روانہ کیا۔ اور مسلمانوں نے دجلہ تک کے تمام علاقے پر تسلط جما لیا۔

اس دوران میں ایرانیوں نے سوائے "بہر سیر" کے اور کسی جگہ مسلمان فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ "بہر سیر" ایران کا ایک بڑا شہر تھا اور دجلہ کے جنوب مغرب میں اس ایوان کے سامنے تھا جو دریا کی مشرقی سمت واقع تھا۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید کا خط جو رؤسا ایران کے نام آپ نے لکھا تھا، پہنچا تو ایران میں بڑی تشویش پیدا ہوئی اور اہل ایران نے فیصلہ کیا کہ اس موقع پر باہمی اختلافات کو ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک شخص کو جو شاہی خاندان میں سے نہیں تھا اس وقت تک کے لئے چن لیا جب تک کہ آل کسریٰ میں سے کوئی ایسا موزوں شخص نہ مل جائے جسے بادشاہت سونپی جا سکے۔ جس آدمی کو انہوں نے چنا وہ "فرخ زاد خسرو" تھا۔ لیکن اس شخص کے ہاتھ میں زیادہ دیر تک بادشاہی نہ رہی اور اہل ایران نے یزدجرد بن شہریار کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت خالدؓ اور آپ کے لشکر سے لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

---

(۳)

عراق پر اسلام کا تسلّط

انبار کی فتح

حیرہ کی فتح کے بعد جنوبی عراق کا سارا علاقہ مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔ اب حضرت خالدؓ بن ولید نے شمالی عراق کا قصد کیا۔ اس علاقہ کی تسخیر کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عیاض بن غنم کو بھیجا تھا۔ لیکن وہ یہاں کوئی کارنامہ سرانجام نہ دے سکے۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو مقرر کیا اور اپنے لشکر کو لے کر انبار پہنچ گئے۔ انبار دریائے فرات کے کنارے موجودہ بغداد کے مغرب میں دس فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید انبار پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کے باشندے قلعہ بند ہو گئے ہیں، قلعوں کے ارد گرد خندقیں کھود لی ہیں اور خود فصیلوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ آپ نے اپنے لشکر کو تیر برسانے کا حکم دیا۔ اس طرح سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید انتظار میں وقت گنوانے والے نہ تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"میں ایسی قوم کو دیکھ رہا ہوں جسے جنگ کا بالکل سلیقہ نہیں ہے۔ تم تاک تاک کر ان کی آنکھوں میں تیر مارو اور سوائے آنکھوں کے اور کسی چیز کو نشانہ نہ بناؤ۔"

چنانچہ مسلمانوں نے ایسا ہی کیا جس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ مورخین کے بیان کے مطابق ایک دن میں مسلمانوں نے

ایک ہزار آدمیوں کو اندھا کر دیا۔

اب حضرت خالدؓ نے اپنی توجہ خندق کی طرف مبذول کی اور اسے پار کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے آخر کار ایک بہت عمدہ تدبیر آپ کو سوجھ گئی۔ آپ نے لشکر کے تمام کمزور اونٹوں کو ذبح کرنے اور ان کو خندق میں پھینکنے کا حکم دیا۔ اس طرح خندق کا ایک حصہ ذبح شدہ اونٹوں سے پر ہو گیا۔ جس کا ایک پل سا بن گیا۔ اب آپ نے لشکر کو حکم دیا کہ اونٹوں کے پل پر سے گزر کر قلعہ پر حملہ کر دے۔ چنانچہ مسلمانوں نے پہلے دمدمہ پر قبضہ کیا اور اس کے بعد فصیل پر پہنچ کر دشمن سے جنگ شروع کر دی۔ گو ایرانیوں نے بڑی بہادری سے مسلمانوں کا مقابلہ کیا لیکن کچھ پیش نہ گئی۔ جب ان کے سردار "شیرزاد" نے یہ ماجرا دیکھا تو صلح کی درخواست کی۔ حضرت خالدؓ نے اس شرط پر صلح کی کہ ایرانی قلعہ کو خالی کر دیں اور بغیر کچھ مال و متاع لئے یہاں سے نکل کر جہاں چاہیں چلے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور انبار کا قلعہ ایرانیوں سے خالی ہو گیا۔

جنگ عین التمر

جب فتح پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور انبار کے اطراف کے رئیسوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی تو حضرت خالدؓ "زبرقان بن بدر" کو انبار میں چھوڑ کر خود عین التمر روانہ ہوئے جو کوفہ کے مغرب میں انبار کے قریب ایک قصبہ تھا اور جہاں "مہران بن بہرام" ایرانیوں اور عربوں کی ایک بہت بڑی جمعیت لئے پڑا تھا۔ نیز عقہ بن ابی عقہ بھی قبائل نمر، تغلب، ایاد کے نصاریٰ عرب کو ساتھ لئے موجود تھا۔ جب ان لوگوں نے حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر سنی تو عقہ نے مہران سے کہا:

"عرب لوگ عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں اس لئے تم ہمیں خالدؓ سے لڑنے دو۔"

مہران نے کہا:

"بے شک تم عربوں سے لڑنا خوب جانتے ہو۔ جس طرح ہم عجمیوں سے لڑنا خوب جانتے ہیں۔"

اس زمانہ میں عجمی عربوں کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ جب اس طرح مہران نے عجمیوں کو عربوں سے علیحدہ کر لیا تو اس کے بعض آدمیوں نے اس کو ملامت کی جس پر اس نے کہا:

"کوئی فکر نہیں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ تمہارے فائدے کے لئے اور ان کے نقصان کے لئے کیا ہے۔ کیونکہ اب تمہارا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا ہے جنہوں نے تمہارے بڑے بڑے رؤساء اور سپہ سالاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ تمہاری تلواروں کی دھاروں کو کند کر دیا ہے۔ میں نے بڑی ہوشیاری سے تمہیں ان کے حملوں سے بچایا ہے۔ اگر ان لوگوں نے خالدؓ پر غلبہ پا لیا تو اس فتح میں تمہارا ہی نام ہو گا لیکن اگر ان کو

شکست ہو گئی تو خالدؓ کی فوجیں اس وقت تم تک پہنچ سکیں گی جب وہ تھک کر چور ہو چکی ہوں گی۔ ہم تازہ دم ہو کر ان کا مقابلہ کریں گے اور ان پر فتحیاب ہوں گے۔"

مہران کی ان باتوں سے اس کی قوم کی تسلی ہو گئی اور یہ لوگ علیحدہ کھڑے ہو کر دیکھتے رہے کہ عقہ کیا کرتا ہے۔

عقہ میدانِ جنگ میں حضرت خالدؓ کے مقابلے کے لئے نکلا۔ مہران اپنی فوج کے ساتھ قلعہ میں تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید نے عقہ کو آتے دیکھا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں ہی اس شخص کے ساتھ نبٹ لوں گا۔ تم علیحدہ کھڑے دیکھتے رہو۔

عقہ فوجوں کی صفوں کی ترتیب اور درستگی میں مصروف تھا کہ حضرت خالدؓ اس پر اچانک جھپٹے اور اسے زندہ گرفتار کر لیا۔ اس کی فوج اپنے سپہ سالار کو حضرت خالدؓ کے ہاتھوں میں زندہ گرفتار دیکھ کر بھاگی اور اس طرح بغیر لڑائی کے مسلمانوں نے اپنے دشمن عیسائیوں پر فتح پائی۔

جب مہران کو یہ خبر پہنچی تو اس کے حواس باختہ ہو گئے اور وہ اپنی فوج کو لے کر چپکے سے قلعے سے کھسک گیا۔ جب عقہ کا شکست خوردہ لشکر قلعہ میں پہنچا تو دیکھا کہ ایرانی فوج وہاں سے جا چکی ہے۔ اس نے قلعہ کے دروازے بند کر لئے اور اندر محصور ہو کر بیٹھ گیا۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ خالدؓ بھی دوسرے عرب سالاروں کی طرح ہیں جو مالِ غنیمت سمیٹ کر واپس چلے جائیں گے۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور حضرت خالدؓ نے بدستور ان کا محاصرہ کئے رکھا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خالدؓ انہیں کسی طرح چھوڑنے والے نہیں تو مجبور ہو کر انہوں نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور قلعہ کے دروازے کھول دیئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کے سرداروں عقہ اور عمرو بن الصعق کی گردنیں اُڑانے کا حکم دیا۔ باقی عیسائی عرب بھی جو قلعہ میں پناہ گزین تھے قتل کر دیئے گئے۔ قلعہ میں چالیس بچے بھی ملے۔ ان کو قید کر کے مسلمان فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ ان بچوں میں فاتحِ اندلس موسیٰ کے والد نصیر اور محمد بن سیرین کے والد سیرین بھی تھے۔

عیاض بن غنم کی حضرت خالدؓ بن ولید سے استمداد

پہلے ذکر آ چکا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کو شمالی عراق فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا اور انہیں حکم دیا تھا کہ خالدؓ کے ساتھ حیرہ کے مقام پر مل جائیں۔ حضرت خالدؓ بن ولید اس دوران میں فتح پر فتح حاصل کر رہے تھے۔ وہ سرحدی قبائل اور رؤسا کو زیرنگیں کر کے ایرانی سرداروں اور ایرانی فوجوں سے برسرپیکار تھے

لیکن عیاض بن غنم کو ابھی تک عیسائی خود مختار رؤسا سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ جس علاقہ میں وہ مصروف جنگ تھے وہ علاقہ عراق، ایران اور شام کی سرحد پر واقع تھا۔ جب حضرت خالدؓ بن ولید عین التمر کی لڑائی سے فارغ ہوئے تو انہیں عیاض بن غنم کا خط ملا جس میں ان سے مدد طلب کی گئی تھی۔ عیاض بن غنم اس وقت شمالی عراق میں "دومۃ الجندل" کا محاصرہ کئے ہوئے تھے لیکن مسلمان فوج کے لئے اس وقت حالات سخت خطرناک تھے اور اندیشہ تھا کہ کہیں چاروں طرف سے دشمن ان پر نہ ٹوٹ پڑیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت خالدؓ کو اپنی امداد کے لئے خط لکھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو جواب دیا:

من خالد الی عیاض: ایاک ارید ٥

البث قلیلاً تاتک الجلائب یحملن آساداً علیہا القاشب

کتائب یتبعہا کتائب

"از جانب خالد بنام عیاض۔ میں تمہارے ہی پاس آ رہا ہوں کچھ انتظار کرو۔ عنقریب تمہارے پاس ایسی اونٹنیاں پہنچیں گی جن پہ خونخوار شیر سوار ہوں گے تمہارے پاس فوجوں کے بعد فوجیں پہنچیں گی۔"

حضرت خالدؓ بن ولید کی دومۃ الجندل کو روانگی

حضرت خالدؓ بن نے عین التمر کو عویم بن الکاہل کی نگرانی میں چھوڑا اور خود فوجوں کے ساتھ دومۃ الجندل روانہ ہو گئے۔ جب باشندگانِ دومۃ الجندل کو حضرت خالدؓ کے آنے کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے حلیف عیسائی قبائلِ عرب بہراء، کلب، غسان، تنوخ، ضجاعم کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ اس وقت دومۃ الجندل میں جو فوج موجود تھی اس کے دو سردار تھے ایک اکیدر بن عبد الملک جس کو حضرت خالدؓ نے غزوہ تبوک میں قید کیا تھا۔ دوسرا جودی بن ربیعہ۔

اکیدر کو حضرت خالدؓ کی جرأت اور بہادری کا پورا حال معلوم تھا اس نے اپنی قوم سے کہا:

میں خالدؓ کو تم سب لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ ان سے زیادہ مبارک فال اور لڑائی میں تیز دست سپہ سالار میں نے آج تک کوئی نہیں دیکھا۔ کوئی فوج خواہ کم ہو یا زیادہ، اگر خالدؓ کے مقابلہ پر آئے گی تو اس کے لئے

سوائے شکست کھانے کے اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔ تم میرا کہنا مانو اور مسلمانوں سے صلح کر لو"۔

لیکن اس کی قوم نے اس کی بات نہ مانی۔ جس پر وہ ان کو چھوڑ کر چلا گیا اور راستے میں ہی مارا گیا۔

جنگِ دومتہ الجندل

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید دومتہ الجندل پہنچ چکے تھے۔ مشرکین کی فوجوں کے سردار اس وقت جودی بن ربیعہ اور ودیعہ کلبی تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے عیاض بن غنم کی فوج کے ساتھ مل کر شہر پر حملہ نہیں کیا۔ بلکہ شہر کے ایک طرف عیاض کو مقرر کیا اور دوسری طرف اپنا لشکر رکھا۔ اس طرح "دومتہ الجندل" خالد رضی اللہ عنہ اور عیاض رضی اللہ عنہ کے لشکر کے بیچ میں آ گیا۔ جودی بن ربیعہ اور ودیعہ کلبی کے لشکر حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے مقابلے کے لئے نکلے اور باقی عیاض کے مقابلے کے لیے۔ لیکن مسلمانوں کے آگے مشرکین اور عیسائی فوجوں کی کچھ بھی پیش نہ گئی۔ لشکر میں جتنے بھی مشرک تھے سب کو مسلمانوں نے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ جودی کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور ودیعہ کو عینیہ بن حصن نے گرفتار کر لیا۔ دونوں طرف کے مفرور بھاگ کر قلعہ میں داخل ہوئے اور دروازہ بند کر لیا۔ شکست خوردہ فوجوں میں سے کچھ قلعے میں داخل نہ ہو سکی تھیں، باہر ہی رہ گئی تھیں۔ عاصم بن عمرو نے جو قبیلہ بنی تمیم سے تھا، اس قبیلہ کے حلیف بنو کلب کو امان دے دی تھی اس لئے وہ تو بچ گئے اور باقی جو لوگ قلعہ کے باہر تھے وہ قتل کر دئے گئے۔ اس کے بعد حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے اہلِ قلعہ کے روبرو جودی کو مار ڈالا۔ پھر قلعہ پر دھاوا بول کر اس کا دروازہ اکھیڑ پھینکا اور اہلِ قلعہ کو قتل کرا دیا۔

جب ایرانیوں اور عرب قبیلوں کو پتہ چلا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید حیرہ سے چلے گئے ہیں تو انہوں نے اس پر دوبارہ حملہ کرنے اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ حیرہ کے عربی قبائل نے بھی ایرانیوں کی شکست پر اپنے سردار عقہ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے جنگ کی تیاریاں کرنی شروع کر دیں۔ دربار ایران سے دو نامور سرداروں "زرمہر" اور "روزویہ" کو علیحدہ علیحدہ لشکر دے کر بھیجا گیا۔ یہ دونوں حصید اور خنافس کی طرف روانہ ہوئے۔

جب حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید واپس حیرہ پہنچے اور انہیں تمام حالات کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے لشکر کے بعض سرداروں کو اس امر پر مامور کیا کہ وہ کسی تدبیر سے دشمن کو ایک جگہ اکٹھا کر دیں۔ تاکہ ان پر ایک ہی دفعہ بھرپور حملہ کر کے ان کا قصہ ہمیشہ کے لئے پاک کر دیا جائے۔ لیکن دشمن ایک جگہ جمع نہ ہوئے۔ شاید انہیں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی نیت کا پتہ چل گیا تھا اور انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ان کی اس تدبیر کو کبھی پورا نہ ہونے دیں گے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی یہ تدبیر بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس عظیم سپہ سالار میں کتنی جرأت پائی جاتی تھی۔

اسے اپنے نفس پر کتنا اعتماد اور اپنے لشکر کی بہادری پر کتنا یقین تھا۔ لڑائیوں میں عام قاعدہ یہی ہے کہ ہر سپالار اپنی مد مقابل جماعتوں سے فرداً فرداً لڑنا چاہتا ہے۔ کیونکہ اسی طرح دشمن کی جمعیت کو منتشر اور پراگندہ کر کے اسے شکست دینا آسان ہوتا ہے۔ لیکن حضرت خالد رض کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ وہ دشمن کی زبردست جمعیت سے مقابلہ کرنا چاہتے تھے۔ یہی جرأت اور اعتماد تھا جو ہر میدان میں ان کی کامیابی کا باعث بنا اور فتح و کامرانی ایک کنیز کی حیثیت سے ان کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلتی رہی۔

جنگ حصید و خنافس

جب حضرت خالد رض دشمن کی فوجوں کو یکجا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو آپ نے دو لشکر حصید اور خنافس بھیجے تاکہ وہاں جو فوجیں پڑی ہوئی تھیں ان کا قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ اسلامی لشکر نے وہاں پہنچ کر ایرانیوں اور عیسائیوں کو زبردست شکست دی جس میں وہ دو زبردست سردار "زرمہر" اور "روزبہ" بھی مارے گئے، جو ایرانی دربار سے بھیجے گئے تھے۔

"مضیح" میں ایرانیوں اور عربی قبائل کی بیخ کنی

اس کے بعد حضرت خالد رض خود لشکر لے کر "مضیح" پہنچے۔ اس جگہ وہ لشکر بھی آکر مل گئے جنہیں آپ نے حصید اور خنافس بھیجا تھا اور یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ فلاں دن فلاں گھڑی فلاں جگہ بقیہ اسلامی لشکر سے آملیں۔ جب تینوں لشکر اکٹھے ہو گئے تو آپ نے از سر نو اپنے لشکر کو ترتیب دیا اور رات کے وقت تین اطراف سے اچانک دشمن پر حملہ کر کے اسے تہ تیغ کر دیا۔

اس معرکہ میں دو آدمی ایسے بھی مارے گئے جن کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رض کی یہ تحریر موجود تھی کہ وہ مسلمان ہیں، انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔ لیکن چونکہ وہ لوگ مجبوراً دشمنانِ اسلام کے ساتھ تھے اور دشمنوں میں اس امر کی شناخت نہیں ہو سکتی تھی کہ کون دشمن ہے اور کون مسلمان؟ اس لئے دوسرے دشمنانِ اسلام کے ساتھ وہ بھی مارے گئے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان دونوں کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو آپ نے ان کا خون بہا ادا کر دیا۔ حضرت عمر رض بن خطاب پہلے ہی حضرت خالد رض بن ولید کی بعض کارروائیوں سے ناراض تھے ان کے اس فعل سے انہیں اور غصہ آیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رض نے ان کی شکایت کے جواب میں فرمایا:

"جو شخص حربیوں[1] کے ساتھ ان کے علاقہ میں رہے اس کا یہی انجام ہوگا۔"

---

[1] کفار میں سے جو شخص مسلمانوں سے برسرِ پیکار رہا اسے حربی کہا جاتا ہے۔

"نجار" اس معاملہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"یہ دونوں آدمی یقیناً ایسی جگہوں پر جا کر آباد ہو سکتے تھے جہاں وہ امن و سکون سے زندگی بسر کرتے۔ انہیں ایسے مقام پر جانے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی جہاں موت نے اپنے بازو پھیلا رکھے تھے اور جہاں دشمنانِ اسلام اپنی فوجیں لئے پڑے تھے۔ اس بناء پر حضرت عمرؓ کو حضرت خالدؓ پر اظہارِ ناراضی کا کوئی حق نہیں تھا۔"

ہماری رائے میں نجار کا یہ کہنا بالکل درست ہے۔ ان دونوں کو حضرت خالدؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ یہ دونوں خود اپنے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ان کو چاہئے تھا کہ میدانِ جنگ سے بہت دور ہٹ کر کسی محفوظ جگہ مقیم ہوتے۔ دشمنانِ اسلام میں رہ کر یہ امید رکھنا کہ مسلمانوں کے نیزے انہیں چھوڑ کر دوسرے لوگوں کو اپنا شکار بنائیں گے انتہائی بعید از عقل بات ہے۔

مختلف جنگیں

مصیخ میں ایرانیوں اور عربی قبائل کی بیخ کنی کرنے کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے اپنے لشکر کے سرداروں کو کوچ کرنے اور "ثنی" جانے کا حکم دیا جو رصافہ کے قریب ایک موضع ہے اور جہاں ایرانیوں کا لشکر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے جمع تھا۔ وہاں پہنچ کر حضرت خالدؓ نے راتوں رات دشمن کا صفایا کر دیا اور ایک شخص بھی بچ کر نہ جا سکا۔ ثنی سے کچھ دور ایک مقام "زمیل" میں بھی دشمن کی فوجوں کا اجتماع تھا۔ "ثنی" کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید وہاں پہنچے اور دشمن کی فوجوں کو شکست دی۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ "رضافہ" میں ہلال بن عقبہ نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے ایک زبردست جماعت تیار کی ہے۔ یہ سن کر حضرت خالدؓ بن ولید رضافہ روانہ ہو گئے۔ مگر جونہی دشمن کو حضرت خالدؓ کے آنے کی خبر ہوئی وہ بھاگ کر "رضاب" اور "فراض" چلا گیا۔ یہ دونوں مقامات دومۃ الجندل کے قریب شام، عراق اور عرب کے مقامِ اتصال پر واقع تھے۔

جنگِ فراض

جب مسلمان فراض پہنچے تو رومیوں کو اپنی فکر پیدا ہوئی۔ انہوں نے ایک طرف دربارِ ایران سے مدد مانگی اور دوسری طرف قبائل تغلب، ایاد، نمر کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ اس طرح مسلمانوں سے لڑنے کے لئے رومی سپہ سالار کی سرکردگی میں ایک عظیم الشان لشکر جمع ہو گیا۔

فراض دریائے فرات کے کنارے واقع تھا۔ دریا کے ایک طرف مسلمانوں کا لشکر تھا اور دوسری طرف رومیوں کا۔ رومی لشکر نے حضرت خالدؓ کو پیغام بھیجا کہ یا تو تم دریا عبور کر کے ہماری طرف آجاؤ یا ہم تمہاری طرف

آجاتے ہیں۔ حضرت خالدؓ نے جواب بھیجا کہ تم ہی ادھر آجاؤ۔ چنانچہ رومی لشکر دریا عبور کر کے مسلمانوں کے مقابل صف آراء ہو گیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ تمام دن بڑی خوں ریز جنگ ہوتی رہی۔ اگرچہ اسلامی لشکر تھکا ٹوٹا چور چور اور رومی لشکر مع اپنے حلیفوں کے بالکل تازہ دم تھا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کے آگے رومیوں کی کچھ پیش نہ گئی اور انہیں شکست فاش نصیب ہوئی۔ چونکہ پیچھے دریا تھا۔ اس لئے رومی بھاگ بھی نہ سکے۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ اس معرکہ میں ایک لاکھ رومی کام آئے۔

یہ لڑائی عراق میں حضرت خالدؓ کی آخری لڑائی تھی، جو ماہ ذی القعدہ ۱۲ھ کے وسط میں ہوئی تھی۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا پوشیدہ طور پر حج کرنا

حضرت خالدؓ بن ولید اس لڑائی کے بعد فراض میں دس روز تک مقیم رہے۔ ۲۵ ذی القعدہ کو انہوں نے فوج کو حیرہ واپس چلے جانے کا حکم دیا۔ فوج کے اگلے حصہ پر عاصم بن عمرو اور پچھلے حصہ پر شجرہ بن الاعز کو مقرر کیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ "ساقہ" (فوج کا آخری حصہ جو اصل لشکر سے بہت پیچھے رہتا ہے) پر رہیں گے۔ لیکن اپنے خاص آدمیوں کو بتا دیا کہ میں حج کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ آپ چند ہمراہیوں کو ساتھ لے کر انتہائی تیزی سے سفر کرتے ہوئے صرف بارہ روز میں فراض سے مکہ پہنچ گئے اور فریضہ حج ادا کرنے کے بعد اتنی تیز رفتاری سے واپس ہوئے کہ ابھی لشکر اسلام حیرہ پہنچا بھی نہ تھا کہ آپ لشکر کے "ساقہ" میں آ کر مل گئے اور سب کے ساتھ حیرہ میں داخل ہوئے۔ اس عرصہ میں لشکر کو سوائے ان لوگوں کے جنہیں آپ نے اپنے ارادہ سے مطلع کر دیا تھا، مطلق پتہ نہ چلا کہ آپ حج کو تشریف لے گئے ہیں، جب انہوں نے آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے سر منڈے دیکھے تب ان کو اس واقعہ کا پتہ چلا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت خالدؓ بن ولید لشکر کو چھوڑ کر حج کرنے مکہ گئے تھے تو آپ کو بے حد تعجب ہوا۔ آپ نے انہیں اس قسم کے کام کرنے سے منع فرمایا اور کسی قدر ناراضگی بھی ظاہر کی کہ ایسے خطرناک موقع پر فوج کو تنہا چھوڑ کر چلے جانا مناسب نہ تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ واپس آ کر بعض ان چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کیا جو باقی رہ گئے تھے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی شام کو روانگی

جب ایرانیوں کی طرف سے یہ خطرہ دور ہو گیا کہ کسی وقت وہ مسلمانوں پر فوج کشی کر سکیں گے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خیال پیدا ہوا کہ اب رومیوں پر

چڑھائی کرنی چاہئے۔ آپ نے پہلے بھی شام کی سرحد پر خالدؓ بن سعید کو فوج دے کر بھیج رکھا تھا۔ اب آپ نے خالدؓ بن ولید کو حکم دیا کہ وہ حیرہ سے شام چلے جائیں۔ وہاں یرموک میں جو مسلمانوں کی فوج ہے اس کی مدد کریں۔ اور عراق میں اپنے پیچھے مثنیٰ بن حارثہ کو نصف فوج کے ساتھ چھوڑ جائیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل میں حضرت خالدؓ صفر ۱۳ھ میں عراق سے یرموک (شام) روانہ ہو گئے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا عراق سے شام تک کا سفر انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس سفر میں آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک ایسے صحرا کو قطع کیا جس میں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آپ کی فوج کو مسلسل پانچ دن پانچ رات اس صحرا سے گزرنا پڑا۔ پیاس کی شدت سے فوجیوں کے گلوں میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ لیکن انہوں نے بڑے صبر اور بڑے استقلال سے یہ دن گذارے۔

حیرہ سے چل کر آپ "بہراء" پہنچے۔ وہاں کے لوگ اسلامی لشکر کی آمد سے بالکل بے خبر تھے۔ ان کو دیکھتے ہی ان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور وہ بالکل مقابلہ نہ کر سکے۔ بہراء کو زیر کرنے کے بعد آپ "اراک" پہنچے۔ اراکیوں نے آپ سے صلح کر لی۔ اس کے بعد "تدمر" پہنچے۔ پہلے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ لیکن پھر صلح کر لی۔ "تدمر" کو فتح کرنے کے بعد وہاں سے کچھ فاصلہ پر "قریتین" آئے۔ وہاں کے لوگوں نے اطاعت قبول نہیں کی۔ جس پر آپ نے ان سے لڑائی چھیڑ دی اور فتحیاب ہوئے۔ اس جنگ میں مالِ غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اس کے بعد "قصم" پہنچے۔ وہاں قضاعہ کے ایک قبیلہ بنو مشجعہ نے آپ سے صلح کر لی۔ بعد ازاں آپ دمشق کے قریب ایک مقام "ثنیۃ العقاب" پہنچے اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سیاہ جھنڈا لہرایا۔ پھر مرج الراہط آئے اور غسانیوں کو زیر کیا۔ اس کے بعد بصریٰ پہنچے۔ وہاں کے باشندوں سے مقابلہ ہوا جس میں حضرت خالدؓ فتحیاب ہوئے اور اہلِ بصریٰ صلح کرنے پر مجبور ہو گئے۔ بصریٰ شام کا پہلا شہر ہے جو حضرت خالدؓ بن ولید اور عراقی فوجوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہاں سے جو مالِ غنیمت حاصل ہوا اس کا پانچواں حصہ حسبِ دستور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس کے بعد آگے روانہ ہوئے اور ربیع الثانی میں یرموک پہنچ کر وہاں مسلمان فوجوں سے مل گئے۔[1]

مستشرق "دی غوبی" شام کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ حضرت خالدؓ نے حیرہ سے شام تک مندرجہ ذیل مقامات فتح کئے:۔ عین التمر، قراقر، سوی، اراک، تدمر، قریتین، حوارین[2] اور مرج راہط۔

---

[1] طبری۔ بلاذری۔ واقدی [2] حوارین قریتین سے تین گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے۔

بلاذری کے کہنے کے مطابق حضرت خالدؓ بن ولید دومۃ الجندل سے بھی گذرے تھے لیکن دی غویا اس سے انکار کرتا ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید مرج راہط سے بصریٰ گئے جہاں آپ تین مسلمان سرداروں سے ملے جو یزید شرجیل اور ابو عبیدہ تھے۔ ان کی مدد سے آپ نے بصریٰ فتح کیا۔ بصریٰ فتح کرنے کے بعد یہ سب سردارانِ فوج وادی عربہ میں حضرت عمروؓ بن العاص کی فوج کی امداد کے لئے پہنچے۔ دی غویا اور طبری وغیرہ اس کو نہیں مانتے۔ کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے بصریٰ اکیلے ہی فتح کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ شہر ان مسلمان سرداروں کے ساتھ مل کر فتح کیا جو آپ کی آمد سے قبل ہی اس شہر کا محاصرہ کئے پڑے تھے۔

عراق کی جنگوں میں حضرت خالدؓ بن ولید کے کارہائے نمایاں

حقیقت یہ ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ایک سال کی قلیل مدت میں عراق کے اندر جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ تاریخ کے صفحات میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں اس قدر تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایک زبردست دشمن کو ہر موقع پر شکست فاش دینا صرف آپ ہی کا کام تھا۔ آپ کے لشکر کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہ تھی مگر اس کے مقابلہ پر دشمن کی فوج اسلامی فوج سے بیسیوں گنا زیادہ ہوتی تھی اور پھر ہر قسم کے اسلحہ اور سامانِ جنگ سے پوری طرح آراستہ بھی۔ اس حالت میں جبکہ اسلامی لشکر انتہائی کمزور اور ایرانی لشکر انتہائی طاقتور تھا آپ نے نہایت ہی قلیل عرصہ میں ایرانیوں کی عظیم الشان سلطنت کے ہاتھ سے ابلہ اور فراض تک کا سارا علاقہ چھین لیا۔ ایرانی، عربی اور رومی افواج سے جب بھی مقابلہ ہوا، حضرت خالدؓ نے اسلامی جھنڈے کو کبھی سرنگوں نہیں ہونے دیا اور اس وقت تک بس نہیں کیا جب تک دشمن پر مکمل طور پر قابو نہ پا لیا۔ آپ کے رعب و دبدبہ کا یہ عالم تھا کہ دشمن پر آپ کا نام سنتے ہی کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔ جس جنگ میں آپ شامل ہوتے تھے اس میں مسلمانوں کی فتح کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی تھی کہ دشمن جب یہ سنتا تھا کہ اس فوج کی کمان خالدؓ بن ولید کر رہے ہیں تو وہ ڈر اور ہیبت کے مارے ہمت ہار بیٹھتا تھا اور اس طرح مسلمانوں کو فتح حاصل ہو جاتی تھی۔

آپ محض فاتح ہی نہیں تھے کہ کسی شہر کو فتح کیا اور آگے چل کھڑے ہوئے۔ بلکہ جس شہر کو فتح کرتے تھے اس پر پوری طرح تسلط جما کر آگے بڑھتے تھے۔ جو شہر آپ کی اطاعت قبول کرتا تھا وہاں آپ عامل مقرر کر دیتے تھے

جو وہاں کے شہری نظام کی نگہداشت کرتے تھے۔ ایک امیر وہاں انصاف قائم رکھتا اور شہر کا انتظام کرتا تھا، اور دوسرا امیر اس شہر کے باشندوں سے ان شرائط کے مطابق خراج وصول کرتا تھا، جو اس شہر کے باشندوں نے قبول کی ہوتی تھیں اور جو باقاعدہ ضبطِ تحریر میں آجاتی تھیں۔

حضرت خالدؓ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ کسانوں، کاشتکاروں اور پیشہ وروں سے قطعاً بُرا سلوک نہیں کرتے تھے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔ اس کے برعکس ان کے ساتھ انتہائی نرمی سے پیش آتے تھے ہر معاملہ میں ان سے رعایت برتتے تھے۔ اگر کوئی شخص ان کو تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرتا تو اس کو اس کے ارادے سے باز رکھتے تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ یہی لوگ قوم کے اصل ستون ہوتے ہیں۔ اسی نیک سلوک کا نتیجہ تھا کہ یہ لوگ ایرانیوں کے احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر معاملہ میں مسلمانوں کے احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے، کیونکہ ان کو تجربہ تھا کہ رومی افسر اور فوج کے سردار جب بھی ان کے پاس سے گذرتے تھے ان پر انتہائی سختیاں کرتے، ان پر ظلم ڈھاتے اور ہر طرح ان کو ذلیل کرتے تھے۔ لیکن مسلمانوں کی حالت اس کے بالکل خلاف تھی۔

جہاں خالدؓ ان غریب لوگوں سے انتہائی نرمی اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے وہاں دشمنوں سے ان کا سلوک نہایت سخت تھا۔ میدان جنگ میں ان سے مطلق صبر نہ ہوتا تھا اور دشمن کو دیکھتے ہی اس پر حملہ کر کے اس کا قلع قمع کر دینا چاہتے تھے۔ اکثر اوقات خود میدانِ مبارزت میں نکل کر دشمن کے لشکر کے سپہ سالار کو اپنے مقابلہ میں بلاتے تھے، اور پھر اس طرح جھپٹتے تھے جس طرح باز چڑیا پر جھپٹتا ہے اور اس کا تیا پانچا کر کے رکھ دیتے۔ جب دشمن یہ دیکھتا تھا تو ڈر اور رعب اس کے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتا، اس میں بزدلی اور کمزوری پیدا ہو جاتی، اور وہ شکست کھا جاتا تھا۔

۱۲ھ حضرت خالدؓ بن ولید کی زندگی کا روشن ترین سال تھا۔ تمام عراق اور ایران کا سرحدی علاقہ گیارہ ماہ سے بھی کم مدت میں حضرت خالدؓ کی تلوار کے اثر سے اسلامی حکومت کے زیر نگین آگیا۔ اس عرصہ میں پندرہ مقامات پر آپ کو فتح نصیب ہوئی[1]

---

[1] حضرت خالدؓ بن ولید نے عراق میں مندرجہ ذیل لڑائیاں لڑیں:۔ (۱) ذات السلاسل (۲) المذار (۳) ولجہ (۴) الیس اور امغیشیا (۵) نہر وضم فرات بادقلی (۶) حیرہ (۷) انبار یعنی ذات العیون اور کلواذی (۸) عین التمر (۹) دومۃ الجندل (۱۰) حصید (۱۱) خنافس (۱۲) مصیخ (۱۳) ثنی (۱۴) زمیل (۱۵) فراض

اور کسی ایک موقعہ پر بھی شکست کا منہ دیکھنا نہیں پڑا۔

جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے حضرت خالدؓ بن ولید اپنے دشمنوں کے معاملہ میں بے حد سخت تھے۔ آپ دشمن کو کبھی بھاگنے کا موقعہ نہ دیتے تھے۔ نیز اگر کوئی شخص وعدہ کر کے اس سے پھر جاتا تھا تو ہرگز معاف نہ کرتے تھے اور اس کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ہی دم لیتے تھے۔ حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ خالدؓ تلوار چلانے میں انتہائی شدت سے کام لیتے ہیں۔ مطلب یہ تھا کہ آپ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہیں کرتے۔ آپ اس شخص پر مطلق رحم نہ کرتے تھے جو جنگ میں شکست کھا کر بھاگ جاتا تھا۔ کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ جو شخص آج بھاگ گیا ہے وہ لازماً کل پھر مقابلے میں آئے گا۔ اس لئے آپ ایسے لوگوں کو اس وقت تک نہ چھوڑتے تھے جب تک انہیں کیفر کردار تک نہ پہنچا لیتے تھے۔ حضرت خالدؓ کی یہ پالیسی اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے انتہائی دور اندیشی پر مبنی تھی اس زمانہ میں مسلمان بہت تھوڑی تعداد میں تھے طور پر یہ بات حکمت اور سیاست سے بہت بعید تھی کہ دشمنوں کو ڈھیل کا کوئی موقعہ بھی دیا جائے کیونکہ اس طرح وہ دوبارہ فوج کشی کر کے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا سکتے تھے۔ اگر حضرت خالدؓ بن ولید عراق فتوحات میں یہ طریقہ اختیار نہ کرتے تو وہاں کبھی مسلمانوں کا تسلط برقرار نہ رہ سکتا تھا اور اس قدر تھوڑے عرصہ میں ایسی سنگلاخ اور وسیع سرزمین میں کبھی اسلام نہ پھیل سکتا تھا۔

حصّۂ چہارم

شام اور فلسطین میں فتوحاتِ اسلامیہ

عربوں اور رومیوں کے درمیان معرکے

(۱)

شام اور فلسطین میں فتوحات

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اطراف وجوانب میں اسلامی لشکر بھیجے تھے اس وقت خالدؓ بن سعید کو بھی ایک لشکر کے ساتھ یہ حکم دے کر روانہ فرمایا تھا کہ وہ تیماء چلے جائیں اور اس علاقہ کے اردگرد کے عربوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔ لیکن کسی مرتد کو اپنی فوج میں شامل نہ کریں[1]۔ صرف اسی شخص سے لڑیں جو ان سے لڑے۔ اور اس وقت تک اپنی جگہ سے نہ ہلیں جب تک کوئی دوسرا حکم نہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت خالدؓ بن ولید کو منع کرنا چاہتے تھے کہ وہ رومیوں سے لڑنے میں اتنی سرگرمی نہ دکھائیں۔ کیونکہ آپ کو پتہ چلا تھا کہ رومیوں نے فلسطین میں عرب کی حدود پر زبردست فوجیں جمع کر لی ہیں۔ سلطنتِ روما کی سرحد پر یہ لشکر بھیجنے سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی غرض غالباً یہ تھی کہ آپ رومیوں کو مسلمانوں کی قوت، طاقت اور شجاعت سے مرعوب اور انہیں خبردار کرنا چاہتے تھے کہ وہ آگے بڑھ کر زمین عرب

---

[1] حضرت صدیق اکبرؓ نے مرتدین کو اسلامی لشکر میں شامل کرنے یا ان سے مدد لینے کی سختی سے ممانعت کر رکھی تھی کیونکہ ایسا کرنا دینی غیرت وحمیت کے خلاف تھا۔

ہیں قدم رکھنے کی جرأت نہ کریں۔ یہ بات بھی یقین کی حد تک کہی جا سکتی ہے کہ حضرت ابو بکر رض دشمن کو اس طرح غافل رکھ کر درمیانی عرصے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ جب عراق، عرب کے زیر نگیں آ جائے اس وقت رومی سلطنت کے مقابلے کے لئے زبردست لشکر روانہ کیا جائے۔

اس میں شک نہیں کہ ہرقل (شہنشاہ قسطنطنیہ) عرب پر حملہ کرنا، مسلمانوں کی طاقت کو توڑنا اور اسامہ رض بن زید کی مہم کا جو رومی سلطنت کی سرحد پر بھیجی گئی تھی انتقام لینا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے عرب اور روم میں سے اپنے مددگاروں کو تیار بھی کیا تھا۔ اس کے علاوہ عربوں کا رومی سلطنت کے حدود اور اس کے علاقوں پر چھاپے مارنا اور عربی لشکروں کا رومی شہروں کو روندنا ہرقل کے لئے خاص طور پر خطرہ کا الارم تھا اور وہ اس پر کبھی خاموش نہ بیٹھ سکتا تھا۔

خالد رض بن سعید نے تیما اور اس کے گرد و نواح سے کافی بڑا لشکر جمع کر لیا تھا۔ جب رومیوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس سے پہلے کہ مسلمان اپنے لشکر میں اور اضافہ کریں اور ان عیسائی عرب قبیلوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیں جو شام کی سرحد پر آباد ہیں، ان پر ایک زبردست حملہ کر کے ان کی طاقت کو بالکل ختم کر دیا جائے۔

یہ فیصلہ کرنا رومیوں کی دقتِ نظر کی دلیل ہے اور اس امر کا ثبوت بھی کہ انہیں ان عرب عیسائی قبیلوں پر، جو شام کی سرحدوں پر آباد تھے، کلیۃً اعتماد نہ تھا کہ وہ جنگ چھڑنے کی حالت میں رومیوں یعنی اپنے ہم مذہبوں کی مدد اور اعانت کریں گے۔[1]

رومیوں سے لڑنے کیلئے چار قائدین کی مدینہ سے روانگی

جب خالد رض بن سعید کو رومیوں کے ارادوں کا پتہ چلا تو انہوں نے سارے معاملہ کی حضرت ابو بکر صدیق رض کو اطلاع دی اور ان سے رومیوں کے مقابلہ میں مدد چاہی۔ اس وقت حضرت صدیق رض اکبر نے روم اور شام کے

---

[1] سر ولیم میور کا بیان ہے کہ بیزنطینی حکومت عربوں کو روکنے کے لئے زیادہ بے چین نہیں تھی۔ اس لئے کہ شام کے شہر ہر چند بہت خوبصورت اور مقدس تھے تاہم وہ عرب سے اتنی دور واقع تھے کہ ان پر آسانی سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی لئے انہوں نے اپنے ملک کا مضبوطی سے دفاع نہیں کیا۔

معاملات پر نہایت سنجیدگی سے غور کیا اور ۱۲ھ کے اواخر میں چار جھنڈے تیار کرائے[1]۔ ایک جھنڈا خالد رض بن سعید کی جگہ یزید رض بن ابی سفیان کو دیا اور انہیں دمشق کی طرف روانہ کیا۔ دوسرا شرجیل رض بن حسنہ کے سپرد فرمایا اور انہیں وادی اردن جانے کا حکم دیا۔ تیسرا عمرو رض بن العاص کو عطا کیا اور اس فرمان کے ساتھ کہ پہلے وہ ساحلِ بحرِ احمر کے متوازی سفر کرتے ہوئے ایلا یا العقبہ تک پہنچیں، پھر فلسطین میں داخل ہوں۔ چوتھا جھنڈا ابو عبیدہ رض عامر ابن الجراح کو مرحمت فرمایا اور انہیں حمص جانے کا حکم دیا۔ جہاں تک مذکورہ بالا تین سالاروں کے ساتھ ابو عبیدہ رض کو بھیجنے کا تعلق ہے، مؤرخین کا اس میں باہم اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ساتھ ہی بھیجے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ان تینوں سرداروں کے چلے جانے کے کچھ ماہ بعد ابو عبیدہ رض کو ان کی مدد کے لیے لشکر دے کر روانہ کیا گیا تھا[2]۔

بلاذری وغیرہ مؤرخین کے لکھنے کے مطابق شروع میں ہر سردار کے ساتھ تین تین ہزار فوج بھیجی گئی۔ طبری کہتا ہے کہ شرجیل رض بن حسنہ اور یزید رض بن ابی سفیان ان دونوں کے ساتھ سات سات ہزار فوج تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ چاروں سردار جب شام کی طرف روانہ ہوئے ہوں گے تو کسی کے لشکر کی تعداد تین ہزار سے زائد نہ ہوگی اور بعد میں حضرت صدیق رض ان کی مدد کے لیے لشکر بھجواتے رہے ہوں گے جن سے آخر میں جا کر طبری کی روایت کے مطابق ان کی تعداد سات سات ہزار تک پہنچ گئی ہوگی۔ اس بات کی تائید حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس عادت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ کسی لشکر کو بھیجنے کے بعد کمک کے طور پر اور فوجیں بھی بھجواتے رہتے تھے۔ یہ کمک جو جزیرہ عرب کے اطراف سے آتی تھی دفعتہً نہیں آجاتی تھی بلکہ متفرق اوقات میں آتی رہتی تھی۔ جب مختلف اطراف کے مسلمان مدینہ پہنچتے، آپ ان کو شام کی سرحد پر اسلامی فوجوں کی امداد کے لئے بھجوا دیتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رض نے سفر کے لئے ہر لشکر کا راستہ معین فرما دیا تھا۔ اسی طرح ہر سردار کے لئے وہ ولایت بھی مقرر فرما دی تھی جہاں کا اسے ــــ فتح کے بعد ــــ والی بننا تھا۔ عمرو رض بن العاص کو فلسطین، یزید رض بن ابی سفیان کو دمشق اور شرجیل رض بن حسنہ کو اردن کی ولایت سپرد کی گئی۔ طبری نے اس لشکر کی تعداد جو شام کی طرف بھیجا گیا

---

[1] مؤرخین کا لشکر بھیجنے کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ طبری کہتا ہے کہ یہ لشکر ۱۳ھ کے اوائل میں روانہ کئے گئے تھے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ۱۳ھ میں بھیجے گئے تھے۔ بلاذری کہتا ہے کہ یکم صفر ۱۳ھ کو روانہ کئے گئے تھے۔ بعض مؤرخین نے بلاذری کی تائید کی ہے۔ یورپین مستشرقین کا خیال ہے کہ یہ لشکر ۱۲ھ کے اوائل میں بھیجے گئے۔

[2] اٹلی کا مستشرق کیتانی کہتا ہے کہ ابو عبیدہ رض جنگ یرموک سے پہلے شام میں کبھی دکھائی نہیں دئے۔

ستائیس ہزار لکھی ہے۔

بعض مستشرقین خصوصاً دی غوجی نے فتح سے قبل ہی ولایات کی تقسیم پر کافی بحث کی ہے اور کہا ہے کہ یہ اپنی قسم کی پہلی مثال تھی۔ اس طرح گویا حضرت ابو بکرؓ نے ریچھ کو مارنے سے پہلے ہی اس کی کھال بیچ دی لیکن ہمیں اس تقسیم میں کوئی اعتراض کا پہلو نظر نہیں آتا۔ ایسا کرنے سے خلیفہ کی غرض ان علاقوں کی تعیین کرنی تھی جن پر فرستادہ سالاروں کو حملہ کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرما دیا تھا کہ جب اس علاقہ کی فتح مکمل ہو جائے تو وہی شخص اس پر حاکم اور اس کی حالت کو سدھارنے، وہاں کے شہری نظام کو درست کرنے کا ذمہ دار ہوگا ایسا کرنا اس زمانہ میں بے حد ضروری تھا۔ کیونکہ خلیفہ کو علم تھا کہ راستے بے حد طویل ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرورت تھی کہ ڈاک آپ کو وقت پر ملتی رہے تاکہ فتح اور دوسرے امور کی اطلاعات آپ تک باقاعدہ پہنچتی رہیں۔ پس حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایسا کرنا آپ کی غایت احتیاط کی دلیل ہے۔ اس طرح سالار کو اس امر کا اطمینان رہتا تھا کہ اس کے سپرد جو فرائض و واجبات ہیں ان کو پہلے ہی بتا دیا گیا ہے اور اب خلیفہ کی طرف سے اس بارہ میں احکام خلافت کے انتظار میں پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

حضرت ابو بکرؓ کی قائدین عساکر کو نصیحتیں

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے سالاروں کو رخصت کرتے وقت بعض نصیحتیں کیں جن میں ان کا دستور العمل واضح فرمایا۔ حضرت عمروؓ ابن العاص کو جو نصیحتیں فرمائیں یہ ہیں:

"میں نے تمہیں اس لشکر کی قیادت سونپی ہے۔ لشکر کے اکثر آدمی مکہ، طائف، ہوازن اور بنی کلاب میں سے ہیں۔ تم فلسطین جاؤ اور ابو عبیدہؓ کے ساتھ خط و کتابت کرو۔ جب انہیں تمہاری ضرورت ہو تو اپنی فوج لے کر ان کے پاس پہنچ جاؤ۔ تم جو کام بھی کرو اس میں ان کا مشورہ ضرور حاصل کر لو۔ پوشیدہ اور علانیہ کام کرتے وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔ میں نے تم کو ایسے لوگوں پر مقدم کیا ہے جو اسلام لانے میں تم سے مقدم ہیں اور بزرگی کے لحاظ سے بھی تم سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لئے تم آخرت کے عمال میں سے بنو۔ اپنے اعمال کے ذریعہ خدا تعالیٰ کو راضی کرو اور ایلیا کے راستے فلسطین پہنچ جاؤ۔"

"جن باتوں کی طرف میں نے تمہیں توجہ دلائی ہے ان کے بارہ میں کمزوری مت دکھانا۔ کمزوری سے ہمیشہ خدا کی پناہ مانگتے رہنا۔ یہ بات کبھی نہ کہنا کہ مجھے ابن ابی قحافہ (حضرت ابو بکرؓ) نے دشمن کے مقابل کر دیا ہے لیکن مجھ میں اس کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ اے عمروؓ! جان لو! تمہارے ساتھ بدر کی جنگ میں شریک ہونے والے مہاجرین اور

انصار ہیں۔ ان کی عزت اور ان کے حق کا اعتراف کرو۔ اپنا غلبہ اور اقتدار ان پر جمانے کی کوشش نہ کرنا۔ دیکھو! تمہارے دماغ میں شیطانی نخوت داخل نہ ہونے پائے اور تم یوں کہنے لگو، جاؤ کہ مجھے ابوبکرؓ نے اس لیے والی بنایا ہے کہ میں ان میں سب سے بہتر ہوں۔ نفس کے دھوکوں سے بچتے رہنا اور لشکر کے سپاہیوں کے ساتھ اس طرح رہنا گویا تم انہی میں سے ایک ہو۔ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرنا، نماز کی تاکید رکھنا، جب نماز کا وقت ہو جائے تو اذان دینا، اپنے دشمن سے بچتے رہنا اور اپنے ساتھیوں کو چوکس رہنے کا حکم دینا۔ کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔ رات کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ دیر تک بیٹھے رہنا جب تم دشمن کے سامنے جاؤ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ اپنے مقدمۃ الجیش کو ہمیشہ اپنے آگے رکھنا۔"

"جب کسی کو نصیحت کرو تو اختصار کے ساتھ۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس طرح تمہاری رعایا بھی تم سے ٹھیک ہو جائے گی۔ جب اپنے دشمن کو دیکھو تو آگے ہی بڑھو، پیچھے نہ ہٹو۔ یہ تمہارے لیے فخر کا باعث ہوگا۔ اپنے ساتھیوں کو قرآن کریم پڑھنے کی تاکید کرتے رہنا اور جاہلیت کے ذکر اذکار سے منع کرنا کیونکہ اگر جاہلیت کا کچھ بھی اثر ان میں باقی رہ گیا تو یہ ان کے درمیان عداوت کا بیج بو دے گا۔ دنیا کی خوبصورتی سے اعراض کرنا، یہاں تک کہ تم ان لوگوں سے مل جاؤ جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ ان لوگوں میں سے ہونا جن کی خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں بایں طور تعریف فرمائی ہے:

وجعلناهم ائمة يهدون بامرنا واوحينا اليهم فعل الخيرات واقام الصلاة وايتاء الزكوة وكانوا لنا عابدين۔

یعنی ہم نے ان کو دنیا کا ایسا پیشوا اور رہبر بنایا ہے جو ہمارے احکام کے بارہ میں لوگوں کو ہدایت دیتے رہتے ہیں۔ ہم نے ان کو نیکی کا کام کرنے، نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی ہے، اور وہ ہماری ہی عبادت کرتے ہیں۔"

بقیہ سالاروں میں سے ہر ایک کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ نصیحتیں فرمائیں:

"اپنے لشکر کے ساتھ اچھی طرح رہنا، ان سے اچھا سلوک کرنا۔ جب ان کو نصیحت کرو تو اختصار کا خیال رکھنا۔ کیونکہ زیادہ باتیں کرنے سے بعض حصے بھول جاتے ہیں۔ اپنے نفس کی اصلاح کرنا، اس طرح لوگ تم سے بھلائی سے پیش آئیں گے۔ اپنے دشمنوں کے ایلچیوں کی عزت کرنا اور ان کو اتنی تھوڑی دیر اپنے پاس بٹھانا کہ جب وہ تمہارے لشکر کے باہر نکلیں تو اس کے متعلق انہیں کچھ معلوم نہ ہو سکے۔ جب وہ تمہارے پاس

آئیں تو لشکر کے سب سے شاندار حصہ میں ان کو ٹھہرانا۔ اپنے بھید کو چھپانا، تاکہ تمہارا نظام درہم برہم نہ ہو۔ ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔ راتوں کو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھنا، اس طرح تم کو ہر قسم کی خبریں مل سکیں گی۔ لشکر میں پہرہ کا انتظام کرنا اور پہرہ والے سپاہیوں کو تمام لشکر میں پھیلا دینا، اکثر اچانک ان کا معائنہ بھی کرنا۔ اگر کسی ایسے شخص کو سزا دو جو اس کا مستحق ہو تو اس میں کسی قسم کا خوف دل میں نہ لانا۔ مخلص اور وفادار ساتھیوں کے ساتھ میل جول رکھنا، جن سے خلوص و اخلاص کے ساتھ ملنا، بزدلی نہ دکھانا۔ کیونکہ اس طرح دوسرے لوگ بھی بزدلی کا اظہار کرنے لگیں گے۔"

یہ ہدایات مجملہ ان بیشتر ہدایات کے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں اپنے قائدین لشکر کو دیں اور جو کتب تاریخ و مغازی میں درج ہیں۔ یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے قبل لشکر کے کسی سپہ سالار اور کسی امیر کو ایسی واضح، ایسی قطعی اور ایسی شاندار ہدایات کبھی نہیں دی گئی تھیں پھر ان ہدایات کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ ہر زمانہ میں اور ہر جگہ کار آمد ہو سکتی ہیں۔ ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی بے نظیر سیاست، حسنِ انتظام اور انسانی سرشت کی نہایت درجہ معرفت کا پتہ چلتا ہے۔ ازمنہ ماضیہ اور عہدِ حاضر کی جنگوں میں فوجوں کے سپہ سالاروں کو جو ہدایات دی جاتی ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی ہدایات ان میں ایک خاص اور منفرد درجہ رکھتی ہیں۔

یزیدؓ بن ابی سفیان کی بیزنطینی لشکروں سے مڈھ بھیڑ

تمام سالارانِ عساکر اپنی اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔ یزیدؓ بن ابی سفیان شام جاتے ہوئے تبوک سے گذرے اور اسے فتح کیا۔ جب وہ فلسطین میں داخل ہوئے اور روابی پہنچے جو بحیرہ مردار کے جنوب میں وادی عربہ کے سرے پر واقع ہے، تو ان کی مڈھ بھیڑ ایک بیزنطینی لشکر سے ہو گئی جس کی قیادت قیصر یہ کا بطریق "سرجیوس" کر رہا تھا۔ بیزنطینی لشکر شکست کھا کر غزہ پہنچا جہاں ایک اور عربی لشکر سے اس کا اچانک سامنا ہو گیا اور اس عربی لشکر نے داثن کے مقام پر، جو غزہ سے تھوڑی دور واقع ہے، بیزنطینی لشکر کو شکست فاش دے کر بالکل تباہ و برباد کر دیا۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ داثن کے مقام پر یزیدؓ نے ہی بطریق کی فوجوں کا مقابلہ کیا تھا۔ اور وادی عربہ میں بیزنطینی فوج کے ساتھ یزیدؓ کا نہیں بلکہ ایک دوسرے شخص کا مقابلہ ہوا تھا۔ یزیدؓ نے ابو امامہ باہلی کو

اس لشکر کا مقابلہ کرنے بھیجا تھا جو وادی عربہ میں پڑا تھا اور جس کی تعداد تین ہزار تھی، چنانچہ ابوامامہ وہاں پہنچا اور ان سے شکست دی۔

عرب مورخین نے اس امر کا تذکرہ نہیں کیا کہ واثن کی لڑائی کس تاریخ کو وقوع میں آئی لیکن مستشرقین کہتے ہیں کہ یہ لڑائی ماہ ذی القعدہ ۱۲ھ کے آخر یا ماہ ذی الحجہ کے شروع میں ہوئی تھی۔

ہرقل کا اسلامی لشکروں پر علیحدہ علیحدہ حملہ کرنے کا منصوبہ

حضرت عمروؓ بن العاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایت کے مطابق ایلیا کے راستے فلسطین پہنچے اور عربات پر اتر گئے۔ جب ہرقل کو اسلامی افواج کے پہنچنے کا پتہ چلا تو اس نے کوشش کی کہ اپنے عظیم الشان لشکر کو چار حصوں میں منقسم کر کے مسلمانوں کے لشکروں سے علیحدہ علیحدہ بھڑا دے تاکہ اس طرح مسلمانوں کی قوت کمزور ہو جائے اور ان کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے۔ عمروؓ بن العاص کو جب یہ اطلاع ملی کہ ہرقل کی ایک لاکھ فوج ان کا مقابلہ کرنے آرہی ہے تو انہیں بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ کیونکہ ان کے پاس بہت تھوڑی فوج تھی۔ تاہم انہوں نے تیاری کی جب رومیوں کی فوج اسلامی لشکر کے سامنے پہنچ گئی تو عمروؓ بن العاص نے جھنڈا اور ایک ہزار سوار عبداللہ بن عمرؓ کو دے کر انہیں میدان میں بھیجا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو مسلمان فوج نے بڑی دلیری سے دشمن کا مقابلہ کرنا شروع کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ لڑتے بھڑتے رومیوں کے سپہ سالار کے پاس پہنچ گئے اور اس کو نیزے سے قتل کر ڈالا۔ اس سے رومیوں کے دلوں میں مسلمانوں کا ڈر بیٹھ گیا اور وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کے سامان جنگ اور مال غنیمت پر قبضہ کر لیا۔ سینکڑوں قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے[1]۔

دوسرے روز رومی پہلے سے بھی زیادہ لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر آ گئے۔ اس لشکر کی تعداد واقدی نے ایک لاکھ لکھی ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے لشکر کو ترتیب دیا۔ میمنہ پر ضحاک کو مقرر کیا، میسرہ پر سعید بن خالد کو، ساقہ پر ابوالدرداء کو اور خود قلب میں رہے۔ آپ کے ساتھ اہل مکہ تھے۔ آپ نے لوگوں کو قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا اور ثواب و جنت کی ترغیب دے دے کر ان کے دل بڑھانے لگے۔

اس معرکہ میں بھی مسلمان رومیوں پر فتحیاب ہوئے۔ یاد رہے کہ یہ روایت جو ہم نے بیان کی ہے صرف

---

[1] ان واقعات کا طبری نے مطلق ذکر نہیں کیا۔ صرف واقدی نے انہیں "فتوح الشام" میں درج کیا ہے۔

واقدی کے ہاں ہے۔ طبری میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ابن اثیر نے بھی اس کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ واقدی کا شمار ان مورخین میں ہے جن پر قطعاً اعتماد نہیں کیا جا سکتا، جن کی بیان کردہ روایات کی کوئی وقعت نہیں سمجھی جاتی۔ دوسرے مورخین نے اس بارہ میں جو کچھ بیان کیا ہے اور جو حقیقت سے قریب تر سمجھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضرت عمرو بن العاص کو یہ پتہ چلا کہ رومی زبردست لشکروں کے ساتھ مسلمانوں کی فوجوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں تو انہوں نے تمام مسلمان سالاروں کو لکھا کہ اس وقت اسلامی لشکر علیحدہ علیحدہ رومیوں کا مقابلہ نہ کریں۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ایک جگہ مجتمع ہو کر، ایک ہی لشکر کی صورت میں رومیوں سے لڑیں۔

ہمارے خیال میں زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ رومیوں کو جب مسلمان فوجوں کے شام کی طرف کوچ کرنے کا علم ہوا تو انہوں نے ہرقل کو تمام واقعات کی اطلاع دی۔ ہرقل حمص آیا۔ جب اس نے یہ سنا کہ مسلمان فوج علیحدہ علیحدہ چار حصوں میں منقسم ہے تو اسے یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اپنی کثیر التعداد فوجوں کو مسلمانوں کے چاروں لشکروں سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دے اور اس طرح انہیں یکجا نہ ہونے دے۔ چنانچہ اس نے ہر فوج کے مقابلے میں دگنی فوج بھیج دی۔ جب مسلمانوں کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے عقلمندی اور احتیاط سے سارے معاملہ کا جائزہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمرو بن العاص نے انہیں لکھا کہ اس وقت مناسب یہی ہے کہ تمام اسلامی لشکر آپس میں مل جائیں۔ اس لئے کہ اگر ہم ایک جگہ جمع ہو کر مقابلہ کریں گے تو قلت تعداد کے باوجود، دشمن ہمیں مغلوب نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر ہم متفرق اور منتشر ہو کر دشمن کے مقابلہ میں آئیں گے تو اس وقت ہم میں کوئی آدمی ایسا نہیں ہو گا جو دشمن کا دیر تک بھی مقابلہ کر سکے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی ان کو وہی مشورہ دیا جو حضرت عمرو بن العاص نے دیا تھا۔ آپ نے انہیں لکھا:

"ایک جگہ جمع ہو کر ایک ہی لشکر کی صورت اختیار کرو اور پھر دشمنوں سے جم کر مقابلہ کرو۔ تم اللہ کے مددگاروں میں سے ہو۔ اللہ اسی کی مدد کرتا ہے جو اللہ کی مدد کرتا ہے اور اس کو چھوڑ دیتا ہے جو اس سے انکار کرتا ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بھی جو اس وقت عراق میں مصروف پیکار تھے لکھا کہ اپنی فوج کو ساتھ لے کر شام پہنچو اور وہاں مسلمان افواج کے ساتھ مل کر ہرقل کی فوجوں کا مقابلہ کرو۔ چنانچہ حضرت خالدؓ دیگر مسلمان سالاروں سے بصریٰ میں آ کر مل گئے۔ جب بصریٰ فتح ہو گیا تو خالدؓ بن ولید مع دیگر

سالاروں کے عمروؓ بن العاص کی مدد کو چلے جنہیں فلسطین کی وادی عربہ میں ایک زبردست بیزنطینی لشکر کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ لیکن بیزنطینی خود ہی عمروؓ بن العاص سے مقابلہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے اجنادینؓ چلے گئے، جہاں دیگر مسلمان سالاروں سے ان کا سامنا ہو گیا۔ ان بیزنطینی افواج کا سالار ہرقل کا سگا بھائی تیودرس (تذارق) تھا۔

بعض عرب مورخین نے اس جنگ کو جنگِ اجنادین کی بجائے جنگِ یرموک کے نام سے یاد کیا ہے لیکن مستشرقین نے اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ معرکہ یرموک اس تاریخ کے دو سال بعد وقوع میں آیا۔

مورخین میں بیزنطینی لشکروں کی تعداد میں بھی اختلاف ہے۔ بلاذری کہتا ہے کہ ان لشکروں میں ایک لاکھ سپاہی شامل تھے۔ لیکن مستشرق لامنس کہتا ہے کہ وہ اس سے بہت کم تعداد میں تھے تاہم وہ پچاس ہزار سے زیادہ تھے۔ مسلمانوں نے ان لشکروں پر جو فتح عظیم حاصل کی تھی اس کی تصدیق عرب اور فرانسیسی دونوں کرتے ہیں۔

اس معرکہ میں عربی لشکر کے سپہ سالار کی تعیین کے بارہ میں بھی مورخین متفق نہیں ہیں۔ بعض عرب مورخین کہتے ہیں کہ اس سارے لشکر کی قیادت حضرت خالدؓ بن ولید کو سونپی گئی تھی۔ اور یہ امر بعید از قیاس بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اغلب گمان یہی ہے کہ عراق میں آپ نے جس جرأت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا اس سے متاثر ہو کر سالارے قائدین نے آپ کو ہی متفقہ طور پہ اپنا سردار تسلیم کرنے پر رضامندی ظاہر کر دی ہو۔

اکثر مورخین اس پر متفق ہیں کہ یہ معرکہ ۲۸ جمادی الاول ۱۳ھ مطابق ۳۰ تموز (جولائی) ۶۳۴ء کو پیش آیا تھا۔

حضرت خالدؓ کی قیادت کا مسئلہ

یورپین مورخین کا فتوحاتِ شام اور لشکرِ اسلامی کی قیادت کے متعلق بھی عرب مورخین سے اختلاف ہے۔ بعض یورپین تو قطعی طور پر اس سے انکار کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے خلافت سنبھالتے ہی خالدؓ بن ولید کو معزول کر دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید حضرت عمرؓ فاروق کی خلافت کے ابتدائی زمانے میں کافی مدت تک شام میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار رہے۔ وہ اپنے دعویٰ کی تائید میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) ۱۴ھ میں دمشق کی فتح کے موقعہ پر عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ حضرت خالدؓ بن ولید نے ہی کیا تھا۔ نیز ربیع الثانی ۱۵ھ میں اس دن جب مسلمان جنگِ یرموک کے لئے نکلے تھے تو خالدؓ نے ہی انتظامِ دمشق

ؔ اجنادین کا صحیح محلِ وقوع معلوم نہیں۔ تاہم اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ مقام فلسطین کے ضلع جبرین کے علاقہ میں یا جبرین اور رملہ کے درمیان کسی جگہ واقع تھا۔ (جغرافیہ فلسطین و شام مصنفہ لی۔ اسٹرینج صفحہ ۱۸۱) محمد احمد

کے مطالبہ پر اس معاہدہ کی تجدید کی تھی۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس معاہدہ کے وقت موجود تھے لیکن ان کو معاہدہ کے متعلق کسی قسم کا اختیار نہیں تھا۔ عربی مورخین میں سے بلاذری نے اس رائے کی تائید کی ہے۔

(۲) ایک دوسری روایت سے جو ابو عبیدہ القاسم بن سلام سے مروی ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے تقریر کی جس میں انہوں نے کہا کہ "جب تک جنگی ضروریات مقتضی رہیں عمر رضی اللہ عنہ بن الخطاب نے مجھے شام کا عامل بنائے رکھا۔ لیکن جب حالات تبدیل ہو گئے تو مجھ پر عیب لگانے لگے"۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے ہمیں یہ بات نظر آتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے "سپہ سالارِ اعظم" کے عہدہ پر کسی کو فائز نہیں کیا تھا۔ بلکہ جب رومیوں سے لڑنے کے لئے فوجیں جمع کی تھیں تو ایک کی بجائے چار سپہ سالار مقرر کئے تھے۔ ان کے لئے چار ہی علم بھی بنوائے تھے اور ہر سپہ سالار کے لئے اس کا علاقہ مقرر کر دیا تھا جہاں اسے جانا، فتح کرنا اور بعد میں اس کی ولایت کا انتظام سنبھالنا تھا۔ چنانچہ ہر قائد اپنے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ لیکن جب شام میں حالات کی تبدیلی سے تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر یہ رائے دی کہ بیزنطینی رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تمام لشکروں کو یکجا ہو جانا چاہئے' تو اس اتحاد کے وقت یہ مشکل درپیش ہوئی کہ ان تمام سپہ سالاروں کی قیادت کس کو سونپی جائے۔ چونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف سے اس سلسلہ میں کوئی ہدایت نہیں تھی۔ اس لئے ہمارے خیال کے بموجب تمام سپہ سالاروں نے متفقہ طور پر اس ذمہ داری کو حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کے سر ڈال دیا۔ کیونکہ عراق میں جس جرأت و بہادری اور فنونِ جنگ میں مہارت کا حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے نمونہ پیش کیا تھا اس کو دیکھتے ہوئے اس اہم عہدے کے لئے سب کی نظر حضرت خالد رضی اللہ عنہ پر ہی پڑی۔

---

(۲)

فیصلہ کن معرکہ

جنگِ یرموک اور جنگِ اجنادین کے متعلق مورخین کا اختلاف

مستشرقین یورپ کہتے ہیں کہ معرکۂ یرموک ۱۵ھ میں پیش آیا اور جنگِ اجنادین ۱۳ھ میں ہوئی۔ ان کا کہنا ہے: مورخین عرب نے اس معاملہ میں غلطی کی ہے کہ جنگِ اجنادین کی بجائے جنگِ یرموک کا ذکر کیا ہے اور اس طرح جنگِ یرموک کے وقوع سے دو سال پہلے ہی اس کا بیان کر دیا ہے۔

جرمنی کا مشہور مستشرق میخائل دی خوئی جو لیڈن یونیورسٹی میں عربی زبان کا پروفیسر رہ چکا ہے۔ اس بارہ میں اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:-

"ابن اسحاق کہتا ہے کہ اجنادین فلسطین کے علاقہ میں رملہ اور بیت جبرین کے درمیان واقع تھا لیکن بعض لوگوں کے نزدیک وہ رملہ اور خلیل جبرون کے بیچ میں تھا۔ ان شہروں کے درمیان ایک قدیم بستی بھی تھی جس کو یرموث کہتے تھے۔ مشہور سیاح روبنسون کہتا ہے کہ اس بستی کا نام یرموک تھا۔ ان امور کے تسلیم کر لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اجنادین یرموث کے قریب واقع تھا۔ اس لئے مؤرخین نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ یہی لڑائی جنگِ یرموک تھی

ریرموک اور یرموث میں ک اور ث کا فرق ہے اور اس فرق کو مؤرخین نے نظر انداز کر دیا) حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یرموث کے قریب جو جنگ ہوئی ہے وہ جنگِ اجنادینؓ[1] تھی اور دوسری لڑائی جو وادی یرموک میں ہوئی تھی وہ جنگِ یرموک تھی"۔

اس اختلاف کو جو جنگِ اجنادین اور جنگِ یرموک کے بارہ میں مؤرخین کے درمیان پیدا ہو گیا ہے نظرانداز کرتے ہوئے ہم مؤرخین عرب کے بیان کردہ واقعات کے مطابق جنگِ یرموک کا حال بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ اس جنگ کے وقوع میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے۔ اختلاف صرف اس زمانہ کے متعلق ہے جس میں وہ واقع ہوئی اور یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے۔

جنگِ یرموک

حضرت خالدؓ بن ولید مسلمان لشکروں سے اس وقت ملے جب وہ رومیوں اور ان کے حلیف عربوں کے زبردست لشکروں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا لشکر چار سالاروں کی قیادت میں چار جگہ بٹا ہوا ہے۔ وہ چار سالار مندرجہ ذیل تھے:

ابوعبیدہؓ بن الجراح، یزیدؓ بن ابی سفیان، عمروؓ بن العاص اور شرجیلؓ بن حسنہ۔

مسلمانوں کی تعداد رومیوں کے مقابلہ میں بہت کم تھی۔ بعض مؤرخین ان کی تعداد چالیس ہزار بتاتے ہیں اور بعض چھیالیس ہزار۔ طبری کی روایت کے بموجب رومیوں کی تعداد دو لاکھ چالیس ہزار تھی اور ابن اثیر کی بیان کردہ ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ۔ عیسائی پادری مسلسل ایک ماہ تک شہروں میں گشت لگاتے اور رومیوں کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال دلا دلا کر لڑائی کے لئے ابھارتے رہے۔ چنانچہ رومی اس کثرت اور اس شان و شوکت کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے نکلے جس کی مثال ملنی ناممکن ہے۔

جب حضرت خالدؓ بن ولید نے یہ دیکھا کہ مسلمان کسی ایک امیر کے جھنڈے تلے متحد نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف قائدین کی سرکردگی میں علیحدہ علیحدہ منقسم ہیں، تو آپ کو ڈر پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح دشمن سے مقابلہ کی نوبت آگئی، تو مسلمانوں میں کمزوری پیدا ہو جائے گی اور وہ دشمن پر غالب نہیں پا سکیں گے۔ اس لئے آپ نے تمام امراء کو جمع کیا اور ان سے فرمایا:

"یہ دن وہ دن ہے جس میں فخر اور سرکشی مناسب نہیں۔ تمہارا دشمن سے جہاد خالص اللہ تعالیٰ کے لئے

---

[1] اجنادین کے مقام پر بھی ایک جنگ نہیں بلکہ دو جنگیں ہوئی ہیں۔ ایک حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں اور دوسری حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں۔ اس کی مفصل بحث حضرت عمر فاروقؓ کی سوانح حیات میں آئے گی۔ (محمد احمد پانی پتی)

ہونا چاہیئے۔ تم اپنے اعمال سے اپنے خدا کو راضی کرو اور اس کے لئے آج کے دن سے بہتر اور کوئی دن نہیں۔ آج کے بعد یہ موقعہ ہاتھ نہ آئے گا۔ تم ایسی قوم سے، جو شان و شوکت، قوت و طاقت اور تنظیم میں تم سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے اس انتشار کی حالت میں نہ لڑو، کیونکہ ایسا کرنا قطعاً مناسب نہیں۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس صورت حال کا پتہ ہوتا تو وہ تمہیں کبھی ایسا نہ کرنے دیتے۔ اس لئے بجائے اس کے کہ تم ان احکام پر عمل پیرا ہو جو بارگاہ خلافت کی طرف سے تمہیں دیئے گئے ہیں، میری رائے پر عمل کرو۔"

تمام امراء نے کہا "آپ کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟"

حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے کہا:

"اس وقت مسلمانوں پر بہت سخت وقت پڑا ہوا ہے۔ دشمن تنظیم اور ترتیب کے ساتھ میدان جنگ میں موجود ہے لیکن تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لئے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لئے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ ہمیں یہ چاہیئے کہ ہم سب ایک امیر کے ماتحت ہو جائیں۔ اس سے کسی کی شان میں فرق نہیں پڑے گا اور نہ اللہ تعالیٰ اور اس کے خلیفہ کے نزدیک اس کا مرتبہ کم ہو جائے گا۔ رومی ہم پر حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ اگر آج ہم نے ان کو پیچھے دھکیل دیا تو پھر برابر دھکیلتے ہی چلے جائیں گے۔ لیکن اگر انہوں نے ہمیں شکست دے دی تو پھر ہم کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ہمیں امارت کے متعلق آپس میں تعاون کرنا چاہیئے۔ اس طرح کہ ہم میں سے باری باری ہر ایک شخص امیر ہو۔ ایک شخص آج، دوسرا کل، تیسرا پرسوں۔ آج کے دن تم مجھے امیر بنا دو۔"

چنانچہ سب سالاروں نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی یہ بات مان لی اور انہیں متفقہ طور پر اس دن کے لئے اسلامی لشکروں کا متحدہ سپہ سالار چن لیا گیا۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ رومی مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے اس سج دھج اور اس شان سے نکلے تھے جس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے جواب میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید بھی اس جرأت اور بہادری کے ساتھ میدان میں آئے کہ ایسا نظارہ عربوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ بن ولید نے لشکر کو چھتیس، اور ایک روایت کی رو سے چالیس دستوں میں منقسم کیا۔ ایک دستہ ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا۔ میمنہ کے دستوں پر عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور شرجیل رضی اللہ عنہ بن حسنہ، میسرہ کے دستوں پر یزید رضی اللہ عنہ بن ابی سفیان اور قلب کے دستوں پر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ متعین ہوئے۔ اس کے علاوہ ہر دستے پر ایک آزمودہ کار اور بہادر آدمی کو امیر مقرر کیا گیا۔ ابوہریرہ کو قاضی اور ابوسفیان کو نقیب بنایا گیا، جو لشکر میں پھر پھر کر

لوگوں کو نصیحتیں کرتے تھے، انہیں جوش دلاتے تھے۔ آپ ہر دستے کے سامنے کھڑے ہوتے اور کہتے:

"اللہ اللہ۔ تم عرب کے نوجوان اور اسلام کے مددگار ہو۔ لیکن تمہارے دشمن روم کے نوجوان اور شرک کے مددگار ہیں۔ یا اللہ! آج کا دن ایک یادگار دن ہے تو اپنے بندوں پر نصرت نازل فرما۔"

جب جنگ شروع ہوئی تو رومیوں نے مسلمانوں کی صفوں پر شدید حملہ کیا۔ مسلمانوں کی صفیں اس زبردست حملہ کی تاب نہ لا کر ان کے سامنے نہ ٹھہر سکیں اور بعض دستے پیچھے ہٹ گئے۔ ان دستوں پر عکرمہؓ اور ان کے چچا حارث بن ہشام متعین تھے۔ عکرمہؓ نے کہا:

"میں نے ہر موقع پر پاکوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا ہے۔ کیا آج کافروں کے مقابلے میں میرا پاؤں پیچھے ہٹ سکتا ہے؟"

پھر آواز دی "تم میں سے کون ہے جو میرے ہاتھ پر موت کے لئے بیعت کرتا ہے؟"

اس پر چار سو آدمیوں نے جن میں حارث بن ہشام اور ضرار بن الازور بھی شامل تھے ان کی بیعت کی۔ یہ لوگ حضرت خالدؓ بن ولید کے خیمے کے سامنے جان توڑ کر لڑے اور بہادری کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں نے جس جرأت، ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ اس کا ذکر تاریخ کے صفحات پر لافانی حیثیت کا حامل بن چکا ہے۔

یزیدؓ بن ابی سفیان رومیوں کے تابڑ توڑ حملوں کے باوجود اپنے دستہ کے لئے اپنی جگہ پر جمے رہے اور رومیوں کو ہر بار پیچھے ہٹا دیا۔ عمروؓ بن العاص کے دستہ پر بھی رومیوں نے شدید حملہ کیا۔ لیکن وہ بھی اپنی جگہ ثابت قدم رہا اور بے جگری سے دشمن کا مقابلہ کرتا رہا۔ میدانِ جنگ خون سے لالہ زار ہو گیا۔ آخر کار یہ دستہ رومیوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا اور فوج سے علیحدہ ہو کر عورتوں کے خیمہ گاہ تک پہنچ گیا۔ جب خواتینِ اسلام نے دیکھا کہ عمروؓ بن العاص کا دستہ پیچھے ہٹ رہا ہے تو انہوں نے اپنے خیموں کی چوبیں اکھاڑ لیں اور ان کو مسلمانوں کے سروں پر مارنے لگیں، ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کہتی جاتی تھیں کہ اگر تم نے ہماری حفاظت نہ کی تو تم ہمارے خاوند کہلانے کے مستحق نہ ہو گے۔ اس پر بھاگنے والوں کو بڑی غیرت آئی۔ وہ دوبارہ رومیوں کے سامنے جا کر ڈٹ گئے اور انہیں مار مار کر پیچھے ہٹا دیا۔

حضرت خالدؓ خود میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دے رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سارے محاذِ جنگ پر بھی آپ کی نظر تھی۔ جب آپ نے دیکھا کہ مسلمانوں کا ایک حصہ رومیوں کے حملوں کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ رہا ہے تو فوراً چند دستوں کو آگے بڑھایا کہ وہ پیچھے ہٹنے والے مسلمانوں کو روکیں اور ان کے قدم مضبوط کریں۔

اسی وقت آپ نے ابو عبیدہؓ کو رومیوں پر ایک زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور پوری طاقت سے رومیوں پر حملہ کر دیا۔ ادھر عورتیں اپنے خیموں سے نکل نکل کر مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے آ کھڑی ہوئیں اور چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ اگر میدان سے قدم پیچھے ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔ یہ آوازیں سُن کر مسلمانوں میں پہلے سے بھی زیادہ جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے اتنی شدت اور اتنے جوش سے رومیوں پر دھاوا بولا جس کی تصویر کوئی مورخ اپنے قلم سے نہیں کھینچ سکتا۔ اس وقت جو رومی بھی سامنے آتا تھا مسلمانوں کے ہاتھ سے بچ کر نہ جاتا تھا۔ مسلمانوں کے اس اچانک اور زبردست حملہ سے رومیوں کے حواس باختہ ہو گئے اور ان کے قدم ڈگمگانے لگے۔ اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ یکایک حضرت خالدؓ بن ولید قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور اس کی سوار اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہو کر تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ سب سے پہلے دشمن کے سواروں نے حضرت خالدؓ کے دستہ سے شکست کھائی اور بھاگنے لگے۔ مسلمان فوج نے ان کو راستہ دے دیا اور وہ اندھا دھند بھاگتے ہوئے صحرا کی طرف نکل گئے۔ جدھر جس کو موقعہ ملا بھاگ گیا اس کے بعد حضرت خالدؓ آگے بڑھے اور دشمن کی پیدل فوج پر زبردست حملہ کر دیا۔ دشمنوں کو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی دیوار ان پر آ پڑی ہے۔ وہ گھبرا کر پسپا ہوئے۔ پیچھے پہاڑ تھا اس لئے راستہ نہ ملنے کی بنا پر بہت سے مارے گئے۔ اس کے بعد انہوں نے وادیٔ واقوصہ کا رُخ کیا اور اس میں گر پڑے۔ مصیبت یہ ہوئی کہ رومیوں میں سے اکثر آدمیوں نے اپنے آپ کو زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑ رکھا تھا۔ تاکہ کوئی شخص فوج سے بھاگ نہ سکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب چند آدمی وادی میں گرے تو بقیہ لوگ بھی زنجیروں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ ہی گرتے چلے گئے اور تمام فوج وادی میں غرق ہو گئی۔

طبری نے لکھا ہے کہ وادی واقوصہ میں ایک لاکھ بیس ہزار رومی غرق ہوئے۔ جو لوگ میدانِ جنگ میں مارے گئے وہ ان کے علاوہ تھے لیکن اس میں بہت مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ لڑائی تمام دن اور رات کے اکثر حصہ میں جاری رہی۔ صبح ہوئی تو حضرت خالدؓ بن ولید رومی لشکر کے سپہ سالار کے خیمے میں بیٹھے تھے اور آپ کو مکمل فتح حاصل ہو چکی تھی۔

رومیوں کے لئے یہ جنگ قہرِ الٰہی سے کم نہ تھی۔ ان کے لشکر کے بڑے بڑے سردار اور بہادر اس جنگ میں مارے گئے۔ مسلمانوں کو بھی اس جنگ میں بہت کافی نقصان اٹھانا پڑا اور ان کے تین ہزار آدمی جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی کافی تعداد میں تھے، شہید ہو گئے۔ اندازہ ہے کہ ایک ہزار صحابہؓ نے اس جنگ میں شہادت پائی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی

معرکہ ابھی جاری ہی تھا کہ حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس حضرت عمرؓ بن الخطاب کا قاصد آیا اور ایک خط دیا جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کی اطلاع تھی۔ اسی خط میں حضرت عمرؓ نے یہ بھی لکھا تھا کہ انہوں نے خالدؓ کو اپنے لشکر کی قیادت سے ہٹا دیا ہے اور ان کی جگہ ابوعبیدہؓ کو لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا ہے۔ شاید اس سے حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ خالدؓ کو اس لشکر کی قیادت سے الگ کر دیا جائے جو عراق سے ان کے ساتھ آیا تھا اور ان کی بجائے ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار مقرر کر دیا جائے۔

جب حضرت خالدؓ نے حضرت عمرؓ کا خط پڑھا تو مناسب نہ سمجھا کہ اس وقت، جب کہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، اس خط کے مضمون کو عام لوگوں پر ظاہر کیا جائے۔ جب لڑائی ختم ہو گئی تو حضرت خالدؓ بن ولید کے پاس عکرمہؓ اور ان کے بیٹے عمرؓ لائے گئے جو زخموں سے چور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ آپ نے عکرمہؓ کا سر اپنی ران پر اور عمرؓ کا سر اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے حلق میں پانی ٹپکاتے اور ان کے چہروں کو گرد سے صاف کرتے ہوئے کہا:

"خدا کی قسم! عمرؓ بن الخطاب کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔"

معرکۂ یرموک میں مسلمان عورتوں کی بے نظیر بہادری

اس معرکہ کے ضمن میں ہم نے جو کچھ واقعات بیان کیے ہیں ان میں اس امر کا اور اضافہ کرنا ضروری ہے کہ اس جنگ میں مسلمان عورتوں نے بھی زبردست بہادری اور جرأت کا ثبوت دیا۔ انہوں نے اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ وہ لشکرِ اسلامی کو پانی پلاتی پھرتی تھیں۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ بعض عورتوں نے مسلمانوں کے عزائم کو مضبوط اور ان کے دلوں میں بہادری کا جذبہ پیدا کرنے میں بے حد مدد دی۔ وہ مسلمانوں کی صفوں کے پیچھے سے چلاتی تھیں کہ دشمن پر زبردست حملہ کرو۔ جب کسی مسلمان سپاہی کے کان میں کسی عورت کی آواز آتی تھی تو اس کے جوش و خروش اور ولولہ میں اور اضافہ ہو جاتا تھا اور وہ دشمنوں کی صفوں پر اس طرح ٹوٹتا تھا کہ اس کے آگے کوئی تلوار، کوئی نیزہ اور کوئی بڑے سے بڑا بہادر بھی نہ ٹھہر سکتا تھا۔

اسلامی لشکر کے بہت سے سپاہی اپنے ساتھ اپنی بیویوں اور بچوں کو لائے تھے۔ عورتیں لشکر کے پیچھے رہتی تھیں۔ ان کے ہاتھوں میں پتھر ہوتے تھے، جو بھی بھاگنے کی کوشش کرتا وہ اس کے منہ پر پتھر دے مارتی تھیں

اور اسے دوبارہ لشکر میں جانے اور دشمنوں سے آخر دم تک لڑنے پر مجبور کرتی تھیں۔

جب رومی زبردست حملہ کر کے آگے بڑھے تو حضرت خالدؓ بن ولید عورتوں کے پاس پہنچے۔ وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑی تھیں، ان کے ساتھ ابو سفیانؓ بھی تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے ان عورتوں سے کہا:

"اے خواتینِ اسلام! جو شخص بھی شکست کھا کر تمہارے پاس آئے تم اسے قتل کر ڈالو۔"

ان وجوہ کی بناء پر ہر مسلمان مجبور تھا کہ وہ دشمن کے مقابلہ میں آخر دم تک لڑے اور پیچھے کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ خواہ ایسا کرنے میں اسے موت کا سامنا ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ یہ امر کس قدر حیرت انگیز ہے کہ ایک لشکر جس کی تعداد صرف چالیس ہزار ہے، اپنے سے کئی گنا بڑے لشکر پر (جسے سامانِ جنگ کی فراوانی، تنظیم اور تہذیب و تمدن کی وجہ سے اپنے اوپر ناز ہے) غالب آجاتا ہے اور لشکر کی زیادتی، سامانِ جنگ کی فراوانی اور عسکری تنظیم دشمن کے کسی کام نہیں آتی۔

اگر کوئی شخص یہ کہے جیسا کہ بعض یورپین مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھا بھی ہے کہ عراق اور شام میں اسلامی فتوحات کی وجہ یہ تھی کہ یہ دونوں سلطنتیں اپنے داخلی امور میں پھنسی ہوئی تھیں اس لئے دلجمعی سے مسلمان افواج کا مقابلہ نہیں کر سکیں تو اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ ان داخلی جھگڑوں کی موجودگی کے باوجود ایرانیوں اور رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لئے عظیم الشان فوجیں اکٹھی کر لیں جو مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی گنا زیادہ تھیں۔ حقیقت یہ تھی کہ ایرانی اور رومی فوجیں بحروبر سے اُبل پڑی تھیں۔ آخر یہ داخلی جھگڑے ایرانیوں اور رومیوں کو مقدور عظیم الشان افواج کو جمع کرنے سے کیوں نہ روک سکے۔

جس امر نے مسلمانوں کی ان جنگوں میں مدد کی وہ ان کی جرأت، قربانی، اعلاءِ کلمۃ اللہ اور دینِ اسلام پھیلانے کے لئے ان کا جذبہ صادق تھا۔ اس کے علاوہ سالاران (عساکر) کی بے نظیر مہارتِ جنگ اور حسنِ تدبیر کا بھی ان فتوحات میں بہت بڑا حصہ تھا۔

حضرت خالدؓ بن ولید کی معزولی کا سوال

رہا حضرت خالدؓ بن ولید کو شام کے لشکر کی قیادت سے علیحدہ کرنے کا معاملہ تو اس بارہ میں ہماری یہ رائے ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو کبھی افواجِ شام کا سپہ سالار مقرر نہیں کیا تھا جو حضرت عمرؓ انہیں معزول کر دیتے۔ آپ نے حضرت خالدؓ کو صرف شام کی طرف جانے والی فوجوں کی مدد کے لئے بھیجا تھا۔ آپ صرف اپنے اس لشکر کے سردار تھے جو عراق سے شام آیا تھا۔ آپ کی طرح

دیگر چار حضرات بھی حضرت صدیقؓ کے حکم سے اپنی اپنی فوج کے سردار تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید کو یرموک اور اجنادین کے ان تمام سالاران عساکر نے اپنی مرضی سے ایک دن کے لئے اپنا امیر مقرر کیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو اس معاملے کا علم ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اب صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کا منشا یہ تھا کہ خالدؓ اور بقیہ قائدین کی فوجوں کو جو شام میں موجود تھیں علیحدہ علیحدہ قیادت کے ماتحت نہ رکھا جائے۔ بلکہ ایک سپہ سالار کے ماتحت کر دیا جائے۔ اس غرض کے لئے آپ نے ابو عبیدہؓ کو چُنا اور انہیں جنگ کے تمام معاملات طے کرنے اور فوجیں اِدھر سے اُدھر بھیجنے کا اختیار سونپ دیا۔ کیونکہ اس وقت جنگی مصلحتوں کا تقاضا یہی تھا۔

مورخین میں اس کے متعلق بھی اختلاف ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے کس وقت حضرت خالدؓ کو ابو عبیدہؓ کے ماتحت کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ واقعہ جنگ یرموک کے دوران میں پیش آیا اور بعض کہتے ہیں کہ دمشق کی فتح کے بعد[1]

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات جمادی الثانی ۱۳ھ میں ہوئی۔ البتہ تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض ۲۱ جمادی الثانی بتلاتے ہیں اور بعض ۲۲ جمادی الثانی۔ بلاذری جو معرکۂ یرموک کو معرکۂ اجنادین کے بعد قرار دیتا ہے، لکھتا ہے کہ مسلمانوں کو حضرت صدیقؓ کی وفات کی خبر یرموک پر معرکۂ یا قوصہ[2] کے دوران میں ملی۔

---

[1] مستشرق لامنس کہتا ہے کہ ابو عبیدہؓ کو خالدؓ کی جگہ لشکر کا سپہ سالار یرموک کے بعد مقرر کیا گیا۔ بکر بھی اسی رائے کی تائید کرتا ہے۔

[2] فتوح البلدان بلاذری صـ۱۱۳ جرمن مستشرق خابل بھی گبن کی کتاب "عروج و زوال سلطنت روما" کے حاشیہ میں اسی کی تائید کرتا ہے

حصّۂ پنجم

خلیفۂ اوّل کے عہد میں
اسلامی سلطنت کا داخلی نظام

(۱)

سلطنت کا داخلی نظام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں چونکہ اسلامی سلطنت زیادہ وسیع نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے سلطنت کا انتظام و انصرام کرنے کے لئے بھی وسیع پیمانے پر انتظامات نہیں کئے گئے۔ اسلامی سلطنت اس شان و شوکت اور تہذیب و تمدن سے بالکل خالی تھی جس کے لئے اس کی ہمسایہ سلطنتیں چار دانگ عالم میں شہرت رکھتی تھیں۔

حکومت کا سارا انتظام کلی طور پر خلیفہ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ ہی حاکم تھے، آپ ہی قاضی تھے۔ جو احکام دیئے جاتے تھے وہ سب آپ ہی دیتے تھے۔ جو حدود (سزائیں) قائم کی جاتی تھیں ان کا اجراء آپ ہی کرتے تھے۔ تاہم آپ نے اپنی آسانی کے لئے بعض امور مدینہ کے بعض صحابہؓ کو سپرد کر رکھے تھے۔ مورخین نے بیان کیا ہے کہ آپ نے مدینہ کا قاضی حضرت عمرؓ کو مقرر کیا تھا اور شام بھیجنے سے پہلے حضرت ابوعبیدہؓ عامر بن الجراح کو بیت المال کا انچارج بنا رکھا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے لئے کوئی معین کاتب (پرائیویٹ سیکرٹری) مقرر نہیں کیا تھا عموماً خط و کتابت کا کام حضرت زیدؓ بن ثابت، حضرت عثمانؓ بن عفان اور حضرت علیؓ بن ابی طالب سرانجام دیا کرتے تھے جب کبھی حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کچھ لکھوانے کی ضرورت ہوتی تھی آپ ان تینوں میں کسی کو بلا لیا کرتے تھے۔

چونکہ مملکت کا سارا انتظام خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور آپ اپنی مدد کے لئے کبھی کبھی کسی شخص کو بلا کر اس کے سپرد کچھ کام کر دیتے تھے اس لئے ان لوگوں کی تنخواہوں کا کوئی سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ بیت المال سے تمام مسلمانوں کا جتنا جتنا وظیفہ مقرر تھا اتنا ہی ان لوگوں کو بھی ملتا تھا۔ ان کے کام کے معاوضہ میں کوئی زائد رقم انہیں نہیں دی جاتی تھی۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں سلطنتِ اسلامی کا نظام صرف جزیرۂ عرب میں قائم تھا کیونکہ عراق اور شام کے وہ علاقے جو اسلامی سپہ سالاروں کے ہاتھوں فتح ہو رہے تھے ان میں باقاعدہ طور پر کوئی حکومت قائم نہیں تھی۔ وہاں کے داخلی امور پر ابھی تک پوری طرح قابو نہیں پایا جا سکا تھا اور نہ ان علاقوں میں کسی قسم کی کوئی تنظیم قائم کی گئی تھی۔ ان علاقوں کا انتظام اسلامی لشکر کے ان قائدین کے ہاتھوں میں تھا جنہیں دیارِ خلافت کی طرف سے انہیں فتح کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

جزیرۂ عرب کے صوبوں کے امیر

جزیرۂ عرب کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مختلف صوبوں (ولایات) میں تقسیم کر دیا تھا اور ہر صوبہ پر ایک امیر مقرر فرما دیا تھا، جو نماز پڑھاتا تھا۔ مقدمات کا فیصلہ اور حدودِ شرعی کا نفاذ کرتا تھا۔ وہ خود ہی امیر اور خود ہی قاضی ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ مبارک میں جزیرۂ عرب کے صوبے اور ان کے امیر مندرجہ ذیل تھے:

(۱) مکہ۔ اس کے والی عتابؓ بن اسید تھے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں ہی مکہ کا والی مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں بھی بدستور یہی حاکم رہے۔

(۲) طائف۔ اس کے امیر حضرت عثمانؓ بن عفان تھے۔ یہ بھی عہدِ رسالت سے یہیں مقرر تھے۔

(۳) صنعاء۔ اس کے والی مہاجرؓ بن ابی امیہ تھے۔ مرتدین کی جنگوں میں آپ نے اسے فتح کیا اور اس کے والی بنائے گئے۔

(۴) حضرموت۔ اس کے امیر زیادؓ بن لبید تھے۔

(۵) خولان۔ اس کے امیر یعلیٰؓ بن امیہ تھے۔

(۶) زبید و رمع (یمن) اس کے امیر ابوموسیٰ اشعریؓ تھے

(۷) جند ۔ اس کے امیر معاذؓ بن جبل تھے ۔

(۸) نجران ۔ اس کے امیر جریرؓ بن عبداللہ تھے ۔

(۹) جرش ۔ اس کے امیر عبداللہؓ بن ثور تھے ۔

(۱۰) بحرین ۔ اس کے امیر علاءؓ بن حضرمی تھے ۔

خلیفہ کا گزارہ

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک کامیاب تاجر تھے ۔ خلافت کے بعد بھی آپ کا گزارہ چھ مہینے تک تجارت سے ہی ہوتا رہا ۔ اس عرصہ میں آپ نے اپنے خرچ کے لئے بیت المال سے ایک پائی بھی نہیں لی ۔ ایک دن آپ اپنے کندھے پر کمبلوں کی ایک گٹھڑی اٹھائے بازار کی طرف جا رہے تھے کہ راستے میں حضرت عمرؓ مل گئے ۔ انہوں نے آپ سے پوچھا :

" آپ کہاں جا رہے ہیں ؟ "

حضرت ابوبکرؓ نے کہا :

" بازار جا رہا ہوں ؟ "

حضرت عمرؓ بولے :

" آپ یہ کیا کر رہے ہیں ؟ آپ کو تو خلیفہ بنایا گیا ہے اور مسلمانوں کے تمام معاملات آپ کی نگرانی میں دئے گئے ہیں آپ ان معاملات کو کس طرح سرانجام دیں گے ؟ "

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا :

" آخر میں اپنے بال بچوں کو کہاں سے کھلاؤں ؟ "

حضرت عمرؓ نے عرض کیا :

" آپ میرے ساتھ ابوعبیدہؓ (امین بیت المال) کے پاس چلئے ۔ وہ بیت المال میں سے آپ کا کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے ۔ "

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ دونوں حضرت ابوعبیدہؓ کے پاس گئے اور انہوں نے آپ کا اتنا ہی وظیفہ مقرر کرایا جتنا باقی مہاجرینؓ کو ملتا تھا ۔ اس کے علاوہ آپ کا اور آپ کے اہل و عیال کا لباس بھی بیت المال ہی سے دیا جانے لگا ۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے لئے چھ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کیا گیا تھا ۔ لیکن جب آپ

وفات پانے لگے تو آپ نے بیت المال میں سے جتنا روپیہ لیا تھا وہ سب واپس کرنے کا حکم دے دیا چنانچہ اس غرض کے لئے آپ کے ورثاء نے آپ کی زمین بیچی اور اس سے جو روپیہ حاصل ہوا وہ بیت المال میں داخل کر دیا۔

بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ شروع سے ہی اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ بیت المال میں سے کچھ لیا جائے۔ اسی لئے آپ نے اپنی زمین بیچنے کا حکم دیا تاکہ جو کچھ آپ نے اپنے عرصۂ خلافت میں بیت المال میں سے لیا ہے وہ سب اس میں واپس پہنچ جائے اور اس طرح دوسرے مسلمانوں کا حق نہ مارا جائے۔

فوجوں کے اخراجات

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں مسلمان سپاہی بغیر کسی تنخواہ کے کام کرتے تھے۔ خلیفہ اور بیت المال پر ان کا کوئی بار نہ تھا۔ وہ اپنے پاس سے سامانِ جنگ خریدتے تھے۔ راستے میں جو کچھ بھی خرچ ہوتا تھا وہ خود ہی برداشت کرتے تھے۔ البتہ جب جنگوں کے بعد مالِ غنیمت ہاتھ آتا تھا تو اس میں سارے سپاہی شریک ہوتے تھے۔ غنیمت کا ۴/۵ حصہ لشکر کو ملتا تھا۔ البتہ اگر کوئی شخص میدانِ جنگ میں کسی دشمن کو مار گراتا تھا تو مقتول کے بدن پر جو کچھ ہوتا تھا وہ سب اس کے مارنے والے کے حصہ میں آتا تھا۔ عراق اور روم کی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھ اس قدر مالِ غنیمت آیا کہ عربوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ جب ان مسلمانوں نے یہ دیکھا جو اپنے گھروں میں بیٹھے تھے، تو وہ بھی جوق در جوق اپنے بھائیوں سے ملنے میدانِ جنگ میں پہنچنے لگے۔

اموال تقسیم کرنے میں مساوات

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مسلمانوں میں اموال تقسیم کیا کرتے تھے تو سب کا حصہ ایک جیسا مقرر کرتے تھے۔ کسی شخص کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ سے کہا گیا۔

"آپ سابقون الاولون اور ان لوگوں کو، جنہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا، کس طرح برابر برابر گنتے ہیں؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جواب دیا:

"جو لوگ ابتداءً اسلام میں داخل ہوئے انہوں نے یہ کام آخرت کے لئے کیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دین میں پہلے داخل ہوئے اس لئے ان کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ میں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں دے سکتا۔"

مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ (خمس)، زکوٰۃ، صدقہ، ذمیوں کا جزیہ وغیرہ غرضیکہ جو رقم یا مال آپ کو موصول ہوتا تھا

وہ سب آپ بیت المال میں جمع کرا دیتے اور پھر اس میں سے اپنا ماہانہ وظیفہ لیتے تھے۔ اپنے عمال اور ولاۃ کو ان کی تنخواہیں بھیجتے تھے اور باقی مال ان مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے جو مدینہ یا اس کے باہر رہائش رکھتے تھے۔ جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ابتداً ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور جو جنگِ بدر اور جنگِ احد میں شامل ہوئے تھے۔

جمع قرآنِ کریم

قرآن کریم کے جمع کرنے کا مہتم بالشان کام بھی حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہد میں سرانجام دیا گیا تھا۔ اس اہم کام کی طرف توجہ اس طرح مبذول ہوئی کہ یمامہ اور مرتدین کی جنگوں میں کئی قاری شہید ہو گئے۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضؓ کو خیال پیدا ہوا کہ اگر اسی طرح قاری شہید ہوتے رہے تو کہیں قرآنِ کریم ہی ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے اس کو ایک مصحف میں جمع کر لینا چاہیے آپ نے اس رائے کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے کیا۔ شروع میں تو آپ راضی نہ ہوئے اور فرمایا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کر سکتا ہوں۔ لیکن آخرکار حضرت عمر رضؓ کے اصرار سے راضی ہو گئے اور زید رضؓ بن ثابت کو اس کام پر مامور فرما دیا۔

صحابہ رضؓ کرام قرآنِ کریم کو کھالوں، ہڈیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھ لیا کرتے تھے۔ بہت سے لوگ اس کو حفظ بھی کرتے تھے۔ جب بارگاہِ خلافت سے حضرت زید رضؓ بن ثابت کو قرآن کریم کے جمع کرنے کا کام تفویض ہوا تو آپ نے سب جگہوں سے قرآنِ کریم کی سورتوں اور آیتوں کو جمع کر کے ایک جگہ لکھنا شروع کیا۔ سورۃ توبہ کی دو آیات نہیں ملتی تھیں جو بے حد تلاش کے بعد آخر خزیمہ رضؓ بن ثابت کے پاس سے دستیاب ہو گئیں۔ حضرت زید بن ثابت نے تمام قرآن جمع کر کے اسے ایک مصحف میں ترتیب دیا اور حضرت ابوبکر رضؓ کے حوالے کر دیا جو آخری وقت تک آپ ہی کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکر رضؓ کی وفات کے بعد وہ مصحف حضرت عمر رضؓ کے پاس آ گیا اور حضرت عمر رضؓ کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور حضرت عمر رضؓ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضؓ کے پاس منتقل ہو گیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے عہد میں اسے حضرت حفصہ رضؓ کے پاس سے منگوا کر اس کی مختلف نقلیں کرائیں اور ایک ایک نقل تمام بڑے بڑے اسلامی شہروں میں بھیج دی۔

---

(۲)

مسئلۂ خلافت

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد نہیں فرمایا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ چاہتا تھا کہ خلافت اس کے حصہ میں آئے دوسرا فریق چاہتا تھا کہ خلیفہ اس کے قبیلہ میں سے ہو۔ آخر تھوڑی دیر کی بحث بحثی کے بعد تمام مسلمانوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خلافت پر اتفاق ہو گیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضؓ مرض الموت[1] میں مبتلا ہوئے تو وہ وقت بڑا نازک تھا۔ دشمنانِ اسلام سے جنگیں ہو رہی تھیں آپ کو خوف پیدا ہوا کہ اگر میں نے اپنے جیتے جی مسلمانوں کے لئے کوئی خلیفہ مقرر نہ کر دیا تو میرے بعد ان میں فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اس غرض کے لئے آپ نے اپنی نظر تمام صحابۂ کرام

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق رضؓ ۷ جمادی الثانی ۱۳ھ کو بخار سے بیمار ہوئے اور ۱۵ روز بیمار رہنے کے بعد ۲۱ جمادی الثانی ۱۳ھ کی شام کو وفات پا گئے آپ کی مدتِ خلافت دو سال تین مہینے دس دن ہے۔ آپ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے پہلو میں بجانبِ مشرق دفن ہوئے۔

پر دوڑائی اور ان میں کسی ایک آدمی کو ڈھونڈا جو سختی کے ساتھ سلطنت کا نظام قائم رکھ سکے لیکن اس کی طبیعت میں تندی اور درشتی نہ ہو، جو نرم دل ہو لیکن کمزور نہ ہو۔ اس معیار پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ پورے اترتے تھے۔ لیکن جو بات حضرت عمرؓ میں تھی وہ کسی اور میں نہ تھی اور حقیقتاً آپ ہی حضرت ابوبکرؓ کے بعد خلیفہ ہونے کے مستحق تھے۔ یہ صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی رائے نہ تھی بلکہ ان تمام لوگوں نے بھی، جن سے حضرت صدیق اکبرؓ نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا یہی رائے دی کہ خلافت کے لئے حضرت عمرؓ سے بہتر اور کوئی آدمی نہیں۔

رفیق بک اعظم مؤلف کتاب "اشہر مشاہیر الاسلام" لکھتے ہیں:

"صحابۂ کرام میں صرف دو آدمی ایسے تھے جن میں مذکورہ بالا صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔ ایک حضرت عمرؓ بن الخطاب، دوسرے حضرت علیؓ بن ابی طالب۔ لیکن حضرت عمرؓ کی یہ عادت تھی کہ اگر آپ کسی بات کا ارادہ کرتے اور بعد کو اس پر عمل کرنے میں دشواری پیدا ہوتی تو ارادہ ترک فرما دیتے۔ لیکن حضرت علیؓ بن ابی طالب اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرما لیتے تو پھر خواہ اس راہ میں کتنی ہی رکاوٹیں اور دشواریاں پیش آئیں آپ اس سے نہ ہٹتے اور اسے پورا کر کے ہی چھوڑتے۔"

ممکن ہے اس امر میں کچھ سچائی ہو لیکن حضرت علیؓ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پہلی بیعت کے وقت کا رویہ اور آپ کا یہ دعویٰ کہ آپ ہی خلافت کے صحیح حقدار ہیں[1] منجملہ ان اسباب کے تھا جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حضرت علیؓ کے ہاتھ میں زمام خلافت دے دینے سے روکا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظروں میں خلافت کسی خاص گروہ کا ورثہ نہیں تھی۔ مسلمانوں میں سے جو کوئی خلافت کے معیار پر پورا اترتا اس کو حاصل کر سکتا تھا چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ اپنی اسی خواہش کا ذکر فرمایا تھا کہ کاش انصارؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیتے کہ خلافت میں ان کا بھی حصہ ہوگا یا نہیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو سقیفہ بنی ساعدہ والے دن کوئی جھگڑا ہی پیدا نہ ہوتا۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آئندہ ہونے والے خلیفہ کا اپنی نظروں میں انتخاب کر لیا تو چاہا کہ صحابہؓ سے بھی اس کی تصدیق کرا لی جائے اور ان سے بھی اس امر میں مشورہ حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف

---

[1] جہاں تک معلوم ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہی خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ اگر وہ ایسا دعویٰ کرتے تو بقول مؤلف کتاب اپنی مستقل مزاجی کی عادت کے مطابق بڑی سختی کے ساتھ اپنے دعوے پر قائم رہتے اور ہرگز تین خلیفوں کی پے در پے بیعت نہ کرتے۔ بلکہ شروع ہی سے لوگوں کو اپنی بیعت کی دعوت دیتے۔ (محمد احمد پانی پتی)

کو بلا بھیجا اور حضرت عمرؓ فاروق کے متعلق ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا:

"آپ کی رائے بالکل درست ہے۔ صرف یہ بات ہے کہ عمرؓ میں سختی ہے۔"

حضرت صدیقؓ نے کہا:

"عمرؓ کی سختی کا سبب یہ ہے کہ میں نرم طبیعت رکھتا تھا۔ میں نے اندازہ کیا ہے کہ جس معاملہ میں میں نرمی اختیار کرتا تھا اس میں عمرؓ کی رائے سختی کی جانب مائل ہوتی تھی۔ لیکن جن معاملات میں میں نے سختی اختیار کی عمرؓ کی رائے ان میں نرمی کی طرف مائل ہوتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ خلافت ان کو نرم دل بنا دے گی۔"

اس کے بعد آپ نے حضرت عثمانؓ بن عفان سے پوچھا انہوں نے جواب دیا:

"عمرؓ جیسا انسان ہم میں اور کوئی نہیں۔"

حضرت عثمانؓ سے پوچھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے دوسرے مہاجرینؓ اور انصارؓ سے بھی حضرت عمرؓ کے بارہ میں دریافت فرمایا۔ سب نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے کو سراہا اور حضرت عمرؓ کو خلیفہ بنانے کی حمایت کی۔

جب حضرت صدیقؓ نے دیکھ لیا کہ ان کی رائے کی کسی نے مخالفت نہیں کی تو آپ نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور ان کو وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا۔ آپ نے لکھوایا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابوبکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں سے کیا ہے۔"

اس کے بعد آپ پر بیہوشی طاری ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے اپنی طرف سے لکھ دیا:

"میں نے تم لوگوں پر عمرؓ بن خطاب کو مقرر کیا ہے اور تم لوگوں کی بہتری اور بھلائی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔"

اسی دوران میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہوش آ گیا اور آپ نے حضرت عثمانؓ سے کہا کہ جو کچھ تم نے لکھا ہے مجھے پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمانؓ نے، جو حضرت ابوبکرؓ نے لکھوایا تھا اور جو انہوں نے خود لکھا تھا سب پڑھ کر سنا دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا:

"مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ڈر تھا کہ اگر اسی بیہوشی کے دوران میں میری موت ہو گئی تو میرے بعد لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا۔ "جی ہاں یہی بات ہے۔"

آپ نے فرمایا "خدا تعالیٰ تمہیں اس کی جزا دے۔" اس طرح حضرت عثمانؓ نے جو کچھ لکھا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کی توثیق کر دی۔

طبری کہتا ہے:

"جب یہ تحریر لکھی جا چکی تو آپ اسی شدتِ مرض میں لوگوں کے سامنے آئے۔ آپ کی بیوی حضرت اسماءؓ بنت عمیس آپ کو پکڑے ہوئے تھیں۔ آپ نے لوگوں سے کہا:

"میں نے جس شخص کو تم پر خلیفہ مقرر کیا ہے کیا تم اس پر راضی ہو؟ کیونکہ میں نے صرف اپنی ہی رائے سے عمرؓ کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ صاحب الرائے لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد بنایا ہے۔ پھر میں نے اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کو بھی خلیفہ منتخب نہیں کیا۔"

لوگوں نے جواب دیا "ہم آپ کے انتخاب کو بصدق دل قبول کرتے ہوئے عمرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کرتے ہیں۔"

پھر آپ نے فرمایا:

"تمہیں چاہیے کہ تم عمرؓ کا کہا مانو اور ان کی اطاعت کرو۔"

سب حاضرین نے اس کا بھی اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس بلایا اور ان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"اے عمرؓ! میں نے تمہیں اپنے بعد خلیفہ بنایا ہے۔ میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا اور وہ کام کرنا جس میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ اے عمرؓ! اللہ تعالیٰ کے بعض حقوق رات سے متعلق ہیں، ان کو وہ دن میں قبول نہیں کرے گا اور بعض حقوق دن سے متعلق ہیں ان کی مقبولیت رات میں نہ ہو گی جب تک فرائض کی ادائیگی نہ کی جائے اللہ تعالیٰ نوافل قبول نہیں فرماتا۔ اے عمرؓ! قیامت میں وہی لوگ فلاح پائیں گے جن کے نیک اعمال وزنی ہوں گے۔ جن کے نیک اعمال برے اعمال کی نسبت کم ہوں گے انہیں مصائب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ اے عمرؓ! کامیابی اور نجات قرآن مجید پر عمل اور حق کی پیروی کرنے سے میسر ہوتی ہے۔ اے عمرؓ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ترغیب و ترہیب اور انذار و بشارت کی آیات قرآن مجید میں ساتھ ساتھ نازل ہوئی ہیں تاکہ مومن خدا تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور ہمیشہ اس سے اپنی مغفرت طلب کرتا رہے۔ اے عمرؓ! جب قرآن مجید میں دوزخیوں کا ذکر آئے تو دعا کرو کہ اے اللہ! مجھے ان لوگوں میں شامل نہ کر لیو۔ اور جب جنتیوں کا ذکر آئے تو دعا کرنا کہ اے اللہ!

تو مجھے ان لوگوں میں شامل کر۔ اے عمرؓ! جب تم میری ان وصیتوں پر عمل کرو گے تو گویا مجھے اپنے پاس بیٹھا ہوا پاؤ گے۔"

جب حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس سے چلے گئے تو آپ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

"اے اللہ! میری غرض ایسا کرنے سے صرف مسلمانوں کی خیر خواہی ہے۔ مجھے ان میں فتنہ کا ڈر تھا۔ اس لئے میں نے ان کے بارہ میں وہ کام کیا جسے تو بہتر طور پر جانتا ہے۔ میں نے بہت غور کرنے کے بعد لوگوں میں سب سے بہترین، سب سے زیادہ طاقتور اور لوگوں کی بھلائی کے لئے سب سے زیادہ کوشاں رہنے والے انسان کو ان پر مقرر کیا ہے۔ میری موت اب قریب ہے اس لئے تو ہی میرے بعد مسلمانوں کا نگران بن۔ وہ تیرے بندے ہیں۔ ان کی پیشانیاں تیرے ہاتھ میں ہیں۔ اے اللہ! ان کے والیوں کی اصلاح کر۔ عمرؓ کو خلفائے راشدین میں سے بنا اور مسلمانوں کو اس کا مددگار اور معاون بنا دے۔"

---

(۳)

ولاۃِ ثلاثہ

ہم شروع میں مستشرق ور لامنس " کا وہ نظریہ بیان کر چکے ہیں جو اس نے اپنی کتاب " الولاۃ الثلاثۃ " میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت کے بارہ میں قائم کیا ہے۔ اس جگہ ہم اس نظریہ پر ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت، آپ کی سیاست اور آپ کے اعمال کے تمام پہلو اجاگر ہو جائیں۔

لامنس نے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں میں سب سے زیادہ عقلمند، سب سے زیادہ مدبر اور سب سے زیادہ وسیع النظر تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ ہی سے ان کے دل میں خلافت کے حصول کی خواہش چٹکیاں لے رہی تھی۔ خلافت کی خواہش عمرؓ بن الخطاب اور ابو عبیدہؓ عامر ابن الجراح کے دلوں میں بھی تھی۔ لیکن چونکہ ابوبکرؓ مسلمانوں میں ایک بہت بلند مرتبہ کے مالک تھے اور سارے مسلمان ان کی بزرگی کی وجہ سے ان کا نہایت درجہ احترام کرتے تھے۔ اس لئے ان تینوں حضرات کے درمیان اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ ابوبکرؓ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد پہلے خلیفہ بنیں اور اپنی خلافت کے دوران میں عمرؓ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کریں جن کی سختی کی وجہ سے اکثر مسلمان ان کی حکومت سے ڈرتے تھے۔ ابوبکرؓ نے اپنے عہد کا پاس کیا اور اپنے زمانہ خلافت

ہیں عمرؓ کی خلافت کے لئے راہ ہموار کر لی۔ جب آپ کا آخری وقت نزدیک آیا تو آپ نے لوگوں سے عمرؓ کی خلافت قبول کرنے کا عہد لے لیا۔

ان تینوں کے مبینہ باہمی مشورہ کو لامنس نے "سیاسی سازش" قرار دیا ہے اور اپنے اس دعوے میں جان پیدا کرنے کے لئے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس "سازش" میں بعض عورتیں بھی شریک تھیں۔ اس خود ساختہ "سازش" کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لامنس نے من گھڑت روایات کا سہارا ڈھونڈا ہے جن کا مستند تاریخی کتابوں میں کوئی ثبوت نہیں ملتا لامنس نے لکھا ہے کہ اس "سازش" میں عائشہؓ شریک تھیں جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی اور ابوبکرؓ کی بیٹی تھیں، اور ذکاوت، فطانت اور سیاسی سوجھ بوجھ میں بہت کم لوگ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک اور بیوی (عمرؓ کی بیٹی) حفصہؓ کو بھی ملایا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مرض الموت میں مبتلا تھے تو یہ دونوں رسول اللہ کے پاس گئیں اور آپ کو مجبور کیا کہ ابوبکرؓ کو حکم دیں کہ وہ آپؐ کی غیر حاضری میں لوگوں کو نماز پڑھائیں؎۔ لامنس نے یہ بھی لکھا ہے کہ "رسول اللہؐ نے ان دونوں کی باہمی سازش کو محسوس کر لیا تھا اور جب ان دونوں نے آپ سے ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کے لئے بڑے زور سے کہا تو آپ نے اس غرض کے لئے عثمانؓ کا نام لیا۔"

یہ تعجب انگیز امر ہے کہ لامنس اپنے دعوے کی تائید میں جو کوئی روایت یا حوالہ پیش کرتا ہے وہ ایسی کتابوں سے پیش کرتا ہے جو نایاب ہوتی ہیں یا پھر اس کا ماخذ وہ نادر مخطوطات ہوتے ہیں جو صرف یورپ کے کتب خانوں ہی میں موجود ہیں اور جن تک پہنچنا یا جن کے متعلق یہ تحقیق کرنا کہ جو کچھ لامنس نے ان کتابوں اور مخطوطات کے حوالے سے لکھا ہے، واقعی وہ ان میں پایا بھی جاتا ہے یا نہیں، انتہائی دشوار امر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کو خلافت کے لئے اس واسطے ہرگز نامزد

؎ جو سب سے بڑا قصہ لامنس نے لکھا ہے وہ بالکل فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس کے بالمقابل طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ اس بات کو ناپسند کرتی تھیں کہ ان کے باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں۔ آپ نے بیان کیا تھا کہ لوگ کبھی ایسے آدمی کو پسند نہیں کریں گے جو آپؐ کی جگہ پر آپ کی بجائے نماز پڑھائے کیونکہ مجھے خیال تھا کہ اگر رسول اللہؐ کی بیماری میں کسی نے آپؐ کی جگہ نماز پڑھائی اور رسول اللہؐ وفات پا گئے تو لوگ اس پر نحوست کا الزام لگائیں گے اسی لئے میں نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کی بجائے کسی اور شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دیں۔

نہیں فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان پہلے ہی سے اس کے متعلق کوئی سمجھوتہ ہو چکا تھا بلکہ محض اس وجہ سے کہ آپ کو پورا یقین تھا کہ صحابہؓ میں عمرؓ سے زیادہ اور کوئی اس عظیم اور اہم ذمہ داری کے منصب کا اہل نہیں جیسا کہ بعد کی تاریخ نے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا جو کچھ خیال تھا وہ بالکل درست تھا اور حضرت عمرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمتیں سرانجام دیں جن کی نظیر ملنی ناممکن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کی ساری تاریخ میں ہمیں اس امر کی کوئی ایک مثال بھی نہیں ملتی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان لوگوں میں سے تھے جو اقتدار کے بھوکے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کی مطلق پروا نہیں تھی اور آپ کی شدید خواہش تھی کہ آپ کو دنیوی معاملات سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ آپ نہیں چاہتے تھے کہ حکومت سنبھالنے کی وجہ سے انصاف کے خلاف کوئی بات آپ سے صادر ہو۔ جس کے لئے آپ کو خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کرنی پڑے۔ آپ نے اپنی جگہ حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھی محض اس لئے مقرر کیا کہ آپ کو فتنہ کا شدید خوف تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ مسلمان ہر قسم کی کمزوری سے کوسوں دور رہیں۔ آپ کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ مسلمانوں کو ترقی کی شاہراہ سے بھٹکنے نہ دے۔ مسلمان ہر میدان میں فتح اور کامرانی سے مشرف ہوتے رہیں۔ ان میں اقتدار کی خواہش پیدا نہ ہو اور خلافت کے متعلق مسلمانوں میں کسی قسم کا اختلاف پیدا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جو خواہشات تھیں وہ سب کی سب نہایت احسن طور پر پوری ہو گئیں۔ جس خلیفہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نامزد کیا تھا مسلمان اس پر راضی ہو گئے۔ اور صحابہؓ اور غیر صحابہ سب نے حضرت صدیقؓ کے انتخاب کو انتہائی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا۔ فتوحاتِ اسلامیہ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور مسلمانوں کے قدم اپنی ہمسایہ سلطنتوں میں برابر آگے ہی بڑھتے گئے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی زندگی میں ہی خلافت کا فیصلہ نہ کر جاتے بلکہ اس امر کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیتے اور مسلمانوں کے درمیان خلافت کے بارہ میں باہم اختلاف اور انتشار پیدا ہو جاتا تو مسلمانوں کی تباہی یقینی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کی فوجیں روم اور ایران میں پھنسی ہوئی تھیں۔ رومی اور ایرانی اس اختلاف اور عصبیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمان افواج پر پل پڑتے اور نہ صرف یہ کہ ان کو اپنی حدود سے باہر نکال دیتے بلکہ خود آگے بڑھ کر سرزمینِ عرب پر حملہ کر دیتے اور آن کی آن میں اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیتے لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی فراستِ ایمانی، اپنے تدبر اور اپنی دوراندیشی سے اس خطرہ کو پہلے ہی بھانپ لیا اور اپنی زندگی میں خلیفہ کا انتخاب کر کے تمام مسلمانوں سے اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد لے لیا۔ آپ کے اس عمل نے مسلمانوں کو اس تباہی و بربادی سے بچا لیا جو حضرت صدیقؓ کے بعد انتشار و اختلاف کی وجہ سے ان پر نازل ہوتی۔

اختتامیہ

آج کل اردو میں جتنی کتابیں حضرت خلیفہ اول رضؓ کے متعلق ملتی ہیں ان میں سے کسی میں حضرت موصوفؓ کے سوانح حیات اس قدر جامعیت کے ساتھ نہیں ملیں گے جیسے آپنے اس تالیف میں ملاحظہ فرمائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر ابوالنصر نے اس کتاب کو لکھتے وقت ان تمام تالیفات کو پیشِ نظر رکھا ہے جو اسے عربی، فرانسیسی اور انگریزی میں دستیاب ہو سکیں اس وسیع مطالعہ سے فائدہ اٹھا کر ہی مؤلف اتنی بسیط سوانح عمری حضرت صدیق اکبرؓ کی اپنے ناظرین کی خدمت میں پیش کر سکا۔ اس کتاب کی جامعیت ہی اس کا اردو ترجمہ شائع کرنے کی محرک ہوئی۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سوانح عمریوں میں سے چند کے نام یہاں گنوا دیئے جائیں جو حضرت صدیق اعظمؓ کے حالات میں اب تک اردو میں لکھی گئی ہیں۔ تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اردو میں اس موضوع پر کیا کچھ لکھا گیا ہے۔ اس فہرست کے پیش کرنے سے یہ بھی مقصد ہے کہ ان کتابوں میں سے جن کتب کے مطالعہ کا ناظرین کو اتفاق ہو، ان کے مقابلہ میں اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انہیں زیرِ نظر تالیف کی جامعیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

اگرچہ یہ فہرست انتہائی محنت اور نہایت تلاش کے بعد مرتب کی گئی ہے لیکن بہت ممکن ہے کہ اب بھی بعض کتابوں کے نام رہ گئے ہوں۔ اگر کسی صاحب کو کسی ایسی کتاب کا علم ہو جو اس فہرست میں نہیں ہے وہ براہِ کرم "ادارۂ فروغِ اردو" کو مطلع فرمائیں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ نام بھی شاملِ فہرست کر دیا جائے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اردو سوانح عمریاں

۱ - سیرۃ الصدیقؓ — از مولوی عبدالرحیم دانا پوری عظیم آبادی۔ مطبوعہ کلکتہ۔ صفحات ۲۵۶۔ بہت پرانی کتاب ہے۔ اب نہیں ملتی۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔

۲ - الصدیقؓ — از مولانا محمد شاہ خان اکبر آبادی۔ بڑی تقطیع پر اندازاً ڈھائی سو صفحات پر مدت ہوئی شائع ہوئی تھی۔ اب کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔

۳ - سوانح ابوبکر صدیقؓ و خالدؓ بن ولید۔ بڑی تقطیع پر مختصر سی کتاب تھی جو عرصہ دراز گذرا مولوی انشاء اللہ خان ایڈیٹر اخبار "وطن" لاہور نے عربی سے ترجمہ کر کے شائع کی تھی۔

۴ - سیرۃ الصدیقؓ از نواب صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خان شروانی - بڑی تقطیع کے کوئی ڈیڑھ سو صفحات پر شائع ہوئی تھی اور بار بار چھپی ہے - بہت دلچسپ اور پُر اثر کتاب ہے اور بڑی قابلیت سے مرتب کی گئی ہے -

۵ - العتیق از مولوی عبد الحفیظ عتیق مطبوعہ آگرہ اخبار آگرہ پریس در ۱۹۲۵ء - بڑی تقطیع کے ۲۹۶ صفحات ہیں -

۶ - الصدیقؓ - اس کتاب کو نہایت درجہ تلاش اور تحقیق کے بعد عرصہ دراز کی محنت میں مولوی عبد الرزاق کانپوری مؤلف "البرامکہ" نے عربی کتابوں سے مدد لے کر تالیف کیا تھا - مگر افسوس وہ اس کو اپنی زندگی میں شائع نہ کر سکے اور اب تک یہ مسودے کی شکل میں ہے -

۷ - سوانح عمری صدیقؓ اکبر - صفحات ۱۰۰ - شائع کردہ ملک سردار محمد دل محمد تاجران کتب لاہور -

۸ - سیرۃ الصدیقؓ - صفحات ۵۰ - مؤلفہ مولوی محمد بشیر صدیقی علی پوری مولوی فاضل - مطبوعہ ۱۹۱۴ء

۹ - ثانی اثنین از مولوی عبد الحلیم شررؔ ایڈیٹر "دلگداز" صفحات ۵۸

۱۰ - ابوبکر صدیقؓ از سید غلام مصطفٰے بی - اے (علیگ) ہیڈ ماسٹر مسلم ہائی سکول لاہور و سید محمد عاصم شوق بجنوری بی اے مطبوعہ ۱۹۲۷ء صفحات ۱۳۴

۱۱ - حضرت ابوبکر صدیقؓ از آغا رفیق بلند شہری -

۱۲ - ابوبکر صدیقؓ از فیروز بک

۱۳ - الصدیقؓ از مولوی محمود خان پروفیسر چیفس کالج لاہور

۱۴ - ابوبکر صدیقؓ از محمد رضا (عربی سے ترجمہ)

۱۵ - سیرۃ صدیقؓ اکبر شائع کردہ کتب خانہ تجارتی مطبع علیمی لاہور

۱۶ - سیرۃ الصدیقؓ از مولوی بدر الدین

۱۷ - الصدیقؓ از نذیر احمد سیماب

۱۸ - حضرت ابوبکر صدیقؓ از شجاع ناموس

۱۹ - حضرت ابوبکر صدیقؓ - شائع کردہ اشاعتی ادارہ مکتبہ اردو لاہور

۲۰ - الصدیقؓ - شائع کردہ تاج آفس کراچی -

۲۱۔ الصدیقؓ از حافظ عبدالرحمٰن۔ صفحات ۱۳۰۔ مطبوعہ ۱۸۹۷ء

۲۲۔ سیرت الصدیقؓ از مولوی عبدالحیٔ۔ مطبوعہ ۱۹۰۳ء صفحات ۹۴

۲۳۔ سیرت الصدیقؓ۔ صفحات ۵۶۔ شائع کردہ تاج کمپنی لاہور

۲۴۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ از حسرت۔ صفحات ۹۶

۲۵۔ الصدیقؓ از محمد محمود خان

۲۶۔ حضرت ابوبکرؓ از شرافت حسین عظیم آبادی۔

۲۷۔ صدیقِؓ اکبر از عبدالعزیز فاروقی

۲۸۔ ابوبکر صدیقؓ از مولوی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور

۲۹۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ از مشیر الحق

۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ از الطاف شوکت بی۔اے

۳۱۔ یارِ غار از مولوی محمد ظفر ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی۔ وکیل گوڑگانوہ۔ صفحات ۱۳۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء

۳۲۔ سیرۃ الصدیقؓ از مولانا علم الدین سالک ایم۔اے پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور۔ شائع کردہ مولوی محمد عبداللہ قریشی بی۔اے سیکرٹری انجمن معین الاسلام لاہور صفحات ۸۴

۳۳۔ صدیقِؓ اکبر از مرزا محبوب بیگ بی۔اے۔ شائع کردہ خان محمد گنائی منیجر کشمیری گزٹ لاہور مطبوعہ ۱۸۹۷ء صفحات ۷۶

۳۴۔ صدیقِؓ اکبر از خواجہ محمد عباد اللہ اختر بی۔اے امرتسری۔ شائع کردہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجرانِ کتب لاہور۔ مطبوعہ ۱۹۲۰ء صفحات ۲۱۷

یہ وہ کتابیں ہیں جو مخصوص طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حالات و واقعات کے متعلق لکھی گئیں لیکن ان کے علاوہ ان سینکڑوں کتابوں میں بھی آپ کے مشرح حالات اور آپ کے عہدِ مبارک کے تفصیلی واقعات ملتے ہیں جو مختلف مصنفین اور مؤلفین نے "تاریخِ اسلام" کے موضوع پر وقتاً فوقتاً اردو میں لکھیں۔ میں نے ان کی لمبی فہرست مرتب کی تھی مگر قلتِ گنجائش کی وجہ سے حذف کر رہا ہوں۔ ان کے علاوہ صرف "خلفائے راشدین" کے حالات میں بھی اکثر بہت عمدہ کتابیں اردو میں موجود ہیں جن میں چاروں خلفا کے واقعاتِ حیات مفصل بیان کئے گئے ہیں مگر عدمِ گنجائش

کے باعث مجھے ان کتابوں کے نام بھی چھوڑنے پڑے۔

اردو کے اس تمام سوانحی لٹریچر سے یہ بات ضرور واضح ہوگئی کہ جس قدر زیادہ سوانح عمریاں حضرت ابوبکرؓ کی اردو میں لکھی گئی ہیں اور جس قدر کثرت کے ساتھ حضرت صدیقؓ کے حالات اسلام کی تاریخوں میں درج ہیں، اتنے باقی کے تین خلفاء کے نہیں ہیں۔ بلاشبہ حضرت صدیقِ اکبرؓ اپنے عظیم الشان اور عدیم النظیر کارناموں کی وجہ سے اس کے مستحق بھی تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ ان کے یارِ غار کی سوانحِ حیات لکھی جاتیں۔ خدا کے ہزاروں لاکھوں سلام اس عاشقِ رسولؐ پر ہوں جو اپنے مقدس آقا کے قدموں میں ابدی نیند سو رہا ہے۔ نہ وہ زندگی میں اپنے محبوب سے جدا ہوا اور نہ انتقال کے بعد۔

مورخہ یکم نومبر ۱۹۵۵ء

فاروق اعظم

خلیفۂ ثانی امیر المومنین حضرت عمر فاروق کے عہد خلافت
کی تاریخ اور اس پر تبصرہ

جسکی

تالیف و تبویب میں ایک سو عربی انگریزی اور فرانسیسی کتابوں سے مدد لی گئی ہے
اور صدر اسلام کے واقعات پر مستشرقین کی آراء خصوصیت سے درج کتاب کی گئی ہیں

مؤلفہ

عمر ابو النصر

مترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

ادارۂ فروغِ اردو، لاہور

فہرست

شام اور فلسطین میں اسلامی فتوحات

عراق میں اسلامی فتوحات

(۱)

عمرؓ بن الخطاب

ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۳ تاریخ تھی اور پیر کا دن، حضرت عمرؓ بن الخطاب مسجدِ نبوی سے نکلے۔ چہرے پر شدید اضطراب اور آنکھوں سے آنسو رواں ــــــــ ابھی تھوڑی دیر پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خاک دانِ فانی سے ملاءِ اعلیٰ کی طرف کوچ فرما گئے تھے۔

اس وقت حضرت ابوبکرؓ اور بنو ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے۔ یہ طے ہو چکا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی جگہ دفن کیا جائے گا جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ کو بھی دوسرے صحابہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین کے انتظامات میں شریک ہونا چاہئے تھا لیکن اپنی تمام تر حوصلہ مندی اور مستقل مزاجی کے باوجود وہ زیادہ دیر تک اس جگہ ٹھہرنے کی تاب نہ لا سکے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تھی اور نہایت بے چینی اور حد درجہ بیقراری کی حالت میں باہر نکل آئے۔

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش ایک زبردست ہنگامہ برپا تھا۔ لوگ رنج و ملال کی تصویر بنے ہوئے تھے۔ ہر زبان پر اسی جانکاہ حادثہ کا ذکر تھا لیکن حضرت عمرؓ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے تصورات میں گم تھے۔ ماضی کے واقعات ایک ایک کر کے ان کی آنکھوں میں پھر رہے تھے۔ اس وقت قبولِ اسلام کا منظر ان کی نگاہوں میں تھا جب وہ

ایک عجیب تصرفِ غیبی کے زیر اثر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے اور تمام خطرات کو پس پشت ڈالتے ہوئے انہوں نے قریش کے سامنے اپنے اسلام کا واشگاف اعلان کر دیا تھا۔ چھپ کر نماز پڑھنے کی بجائے، دوسرے مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر عین خانہ کعبہ کے سامنے ——— اپنے دشمنوں اور خون کے پیاسوں کے سامنے ——— نماز ادا کی تھی۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ کی آنکھوں کے سامنے وہ مناظر آگئے جب ان کے قبولِ اسلام کے بعد کفار قریش کو یہ یقین ہوگیا کہ اگر اسلام کی ترقی کو بزور نہ روکا گیا، تو ان کی صفوں میں شدید انتشار پیدا ہو جائے گا اور یہ انتشار ان میں ایک ایسی خانہ جنگی کا آغاز کر دے گا جس کے انجام کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ کیا ہوگا۔ اس خوف سے انہوں نے مسلمانوں کو شدید تکلیفیں پہنچانے اور اسلام کا کلی استیصال کرنے کی تدبیریں شروع کر دیں۔ ان کا خیال تھا کہ مسلمان زیادہ دیر ان تکلیفوں کو برداشت نہ کر سکیں گے اور آخرکار انہیں پھر اپنے آبائی دین کی طرف لوٹنا پڑے گا۔

وہ تمام مظالم جو مکہ کی زندگی میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر ڈھائے گئے، ایک ایک کر کے حضرت عمرؓ کی نگاہوں سے گزرتے گئے۔ انہوں نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی سے ان مظالم کو سہا اور اُف تک نہ کی۔ آخر جب قریش کے ظلم و ستم کی کوئی حد ہی نہ رہی تو خدا کی طرف سے ہجرت کا حکم نازل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہتے ہوئے مکہ سے رخصت ہو گئے:

"اے مکہ کی سرزمین! تو مجھے دنیا کی سب بستیوں سے زیادہ پیاری ہے مگر کیا کروں تیرے سپوت مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔"

اب مدینہ کی زندگی حضرت عمرؓ کی نظروں کے سامنے تھی کہ مشرکین مکہ نے یہاں بھی رسول اللہؐ کو چین نہ لینے دیا۔ بار بار اپنی فوجیں لے کر چڑھائی کی اور ہر بار یہ تہیہ کر کے آئے کہ مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔ وہ (عمرؓ) ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ آخر ایک وقت آیا جب کفار کا زور ٹوٹ گیا، مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور سارا عرب اسلام کے زیر نگیں ہوگیا۔

آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں نہیں ہیں۔ وہ ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو چکے ہیں۔ اب مسلمانوں کا کیا بنے گا؟ کون سی طاقت انہیں سنبھالے رکھے گی؟

حضرت عمرؓ انہی افکار و تصورات میں کھوئے ہوئے تھے کہ ایک مہاجر آیا اور کہا: "انصار سقیفہ بنی ساعدہ

جمع ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے میں سے ایک امیر منتخب کر لیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہو۔"

ہم اس جگہ سقیفہ بنی ساعدہ کا پورا حال نہیں لکھ سکتے کیونکہ "سیرۃ الصدیق" میں اس کا مفصل حال آچکا ہے۔ البتہ صرف یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ جب واقعۂ سقیفہ کے نتیجہ میں خلافت کا بار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر آ پڑا[1] تو حضرت عمرؓ نے انتہائی وفاداری سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ساتھ دیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی تمام مدت خلافت میں نہایت خلوص سے ان کی خدمت کی اور سلطنت اسلامی کے استحکام کے سلسلہ میں نہایت گراں قدر مشورے دیئے اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو انہیں پورا اطمینان تھا کہ اپنا جانشین وہ ایک ایسے شخص کو مقرر کر کے جا رہے ہیں جو صحابہؓ میں سب سے زیادہ اس کام کا اہل ہے اور اس کے ہاتھوں اسلام کا مستقبل پوری طرح محفوظ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ جب مرض الموت میں مبتلا تھے تو حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ "اے خلیفۂ رسول! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے اپنے بعد عمرؓ کو خلیفہ نامزد کیا ہے حالانکہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہے۔ جب آپ کی موجودگی میں ان کا یہ حال ہے تو آپ کے بعد تو خدا جانے وہ لوگوں پر کیا قہر ڈھائیں۔ آپ اب اس دنیا کو چھوڑ کر اپنے رب کے حضور حاضر ہو رہے ہیں، کیا وہ آپ سے آپ کی رعایا کے متعلق سوال نہیں کرے گا؟"

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا "تم مجھے ڈرانے آئے ہو؟ جب میں اپنے پروردگار سے ملوں گا تو عرض کروں گا کہ اے میرے خدا میں نے امت پر ایک ایسے شخص کو مقرر کیا ہے جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔"

---

[1] بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ کے موقعہ پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت کا حاصل ہو جانا مہاجرین کے ایک گروہ کی سازش کا نتیجہ تھا چنانچہ مشہور مصنف امین سعید اپنی کتاب "نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ" میں اسی نظریہ کی تائید کرتا ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت کسی سوچی سمجھی سازش کے ماتحت نہیں تھی بلکہ اچانک وقوع میں آئی تھی۔ پہلے سے کسی شخص کو اس کا سان گمان بھی نہیں تھا۔ اس موقعہ پر مہاجرین کی کوئی جماعت سوائے تین آدمیوں۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہؓ کے موجود نہیں تھی اگر حضرت عمرؓ جرأت سے کام لیکر حضرت ابوبکرؓ کی بیعت میں پہل کرکے اور دوسرے لوگوں کو بھی بیعت کی طرف دعوت نہ دیتے تو اس بات کا سخت خطرہ تھا کہ سقیفہ میں جھگڑا طول پکڑ جاتا اور اس طرح ایسے مناقشات کی بنیاد پڑ جاتی جو کسی کے روکے نہ رکتے اور ان کا نتیجہ اسلام کی تباہی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔

حضرت طلحہؓ نے عرض کیا: "اے خلیفۂ رسول اللہ! کیا عمرؓ لوگوں میں سب سے بہتر ہیں؟"
اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کا چہرہ تمتما اٹھا اور آپ نے بڑے جلال سے فرمایا:
"خدا کی قسم وہ لوگوں میں واقعی سب سے بہتر ہے۔"

وہ کیا خصوصیات تھیں جن کی بنا پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے بعد عمرؓ ہی کو یہ عظیم ذمہ داری اٹھانے کے لئے منتخب فرمایا؟ حضرت عمرؓ اپنے نفس پر انتہائی قابو پانے والے، سختی کے وقت سختی کرنے والے، نرمی کے وقت نرمی سے پیش آنے والے اور انتہائی صائب الرائے شخص تھے۔ غیر متعلق باتوں سے قطعاً واسطہ نہ رکھتے تھے۔ مصائب اور پریشانیوں کے وقت کبھی ہمت نہ ہارتے تھے بلکہ نہایت خندہ جبینی کے ساتھ ان کا سامنا کرتے اور انتہائی استقلال سے ان کا مقابلہ کرتے تھے۔ آپ کسی دوسرے سے کوئی بات سیکھنے میں قطعاً عار محسوس نہ کرتے تھے۔ جس کام کو اپنے ہاتھ میں لیتے اسے نہایت چابکدستی اور محنت سے سرانجام دیتے تھے۔ کسی معاملہ میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے اور حق کے مقابلہ میں کسی چیز کی پروا نہ کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمرؓ کو خلافت سونپ کر فراست اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے اخلاص کا ایک بہترین نمونہ پیش کیا۔ اگر آپ خلافت کے مسئلہ کو اپنی زندگی ہی میں طے نہ کر جاتے تو یقیناً مسلمان اس مسئلہ میں اُلجھ کر اپنے دشمنوں کی طرف سے غافل ہو جاتے اور اس صورت میں دنیا کی تاریخ آج کچھ اور ہی ہوتی۔ خلافت کے بارے میں امتِ مسلمہ کا انتشار، ارتداد کے فتنہ سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوتا۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب واقعۂ فیل کے تیرہ سال بعد پیدا ہوئے[1]۔ آپ کا شمار معززینِ قریش میں ہوتا تھا۔ جاہلیت میں آپ کے سپرد سفارت کا کام تھا یعنی جب قریش اور کسی دوسرے قبیلہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو جاتا

---

[1] آپ کا نسب یہ ہے: عمرؓ بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب آپ قریش کی شاخ بنی عدی میں سے تھے۔ والدہ کا نام حنتمہ تھا جو ہاشم ابن المغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کی بیٹی تھیں۔

یا آپس میں جنگ چھڑ جاتی تو قریش آپ کو دوسرے قبیلہ کی طرف سفیر بنا کر بھیجتے تھے۔ آپ اوائلِ اسلام ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ آپ سے پہلے چالیس مردوں اور گیارہ عورتوں نے اسلام قبول کیا تھا۔[1]

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہے۔ ۱۳ھ میں آپ خلیفہ بنے۔ آپ انتہائی پاک سیرت کے مالک تھے۔ خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے اپنے گزارہ کے لئے اتنی ہی رقم لی جتنی دوسرے لوگوں کو ملتی تھی۔ آپ کے عہد میں خدا تعالیٰ نے شام، عراق اور مصر کو مسلمانوں کے زیرِ نگیں کر دیا۔

آپ طویل القامت تھے، جسم بھاری تھا، پیشانی کے بال موجود نہ تھے۔ رنگ سفید تھا اور دونوں آنکھیں سُرخ تھیں۔

آپ انتہائی محنت سے کام کرنے والے تھے۔ آپ کی ہیبت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ آپ میں درشتی اور سختی پائی جاتی تھی لیکن یہ سختی امورِ مملکت کی سر انجام دہی کے لئے بے حد ضروری تھی۔ اگر آپ سختی سے کام نہ لیتے تو مملکت میں کبھی امن وامان قائم نہ رہتا اور اعراب جو اپنی سرکشی میں مشہور تھے کبھی آپ کی اطاعت اور اسلامی حکومت کی فرمانبرداری قبول نہ کرتے۔ ایک شخص کے قول کے مطابق اگر حضرت عمرؓ نہ ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت قائم رہنی بھی مشکل تھی۔[2]

---

[1] الاستیعاب لابن عبد البر (مطبوعہ ہندوستان)

ابن سعید نے اپنی کتاب "نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ" میں یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے انتالیس مردوں اور ایک عورت نے اسلام قبول کیا تھا۔ یہ امر واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے خاندان کی عورتیں جن میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہؓ اور آپ کی صاحبزادیاں تھیں شروع میں ہی ایمان لاچکی تھیں۔ اس کے علاوہ خود حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ بھی حضرت عمرؓ سے پہلے اسلام لاچکی تھیں۔ تعجب ہے کہ گو مؤلف کتاب مذکور نے فاطمہؓ کے اسلام کا ذکر کیا ہے لیکن پھر بھی کہتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے پہلے صرف ایک عورت رسول اللہ صلعم پر ایمان لائی تھی۔

[2] شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید

(۲)

ایران میں خلفشار اور عراق پر حملوں کی ابتدار

ہم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ان عربی لشکروں کا حال بیان کیا تھا جنہوں نے مہیب صحراؤں کو قطع کر کے فارس اور روم کی سرحدوں پر جا کر دم لیا تھا۔ ساتھ ہی وہ اسباب بھی بیان کئے گئے تھے جنہوں نے مسلمانوں کی فتوحات میں مدد دی تھی۔ یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ عہدِ صدیقی کی فتوحات ابتدائی فتوحات تھیں۔ فتوحات کا پورا زور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ہوا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں بعض ان باتوں کو جنہیں ہم نے حضرت ابوبکرؓ کے حالات میں اجمالاً بیان کیا تھا قدرے تفصیل سے بیان کر دیں۔ ان میں سب سے اہم وہ واقعات ہیں جو اس زمانہ میں سلطنتِ ایران کے دارالحکومت مدائن میں پیش آ رہے تھے۔ ان واقعات کو پڑھ کر ایران کے اندرونی حالات کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات سے ہی ایران اپنے اندرونی مناقشات میں گرفتار تھا۔ سب سے پہلے شہنشاہِ ایران کسریٰ پرویز، اس کے بیٹوں اور مملکت کے سربرآوردہ سرداروں کے درمیان اختلافات رونما ہوئے اور ان کی وجہ سے ایران میں ایک خلفشار برپا ہو گیا۔

ان مناقشات کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ولی عہد مملکتِ ایران "شیرویہ" کو یہ معلوم ہوا کہ اس کا والد اس کی بجائے اپنی دوسری بیوی شیریں کے لڑکے کو ولی عہد مقرر کر رہا ہے، اس پر اس نے اپنے والد کے خلاف سازش شروع کر دی۔ شیریں ایک رومی عیسائی لونڈی تھی جس سے کسریٰ پرویز نے شادی کر لی تھی اور وہ بادشاہ کے دل پر اتنی قابض ہو گئی تھی کہ وہ اس کے کسی مطالبہ کو رد نہیں کر سکتا تھا۔

حقیقی ولی عہد کو معزول کرنا ایران کی شہنشاہیت میں کوئی نیا واقعہ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی ایسی مثالیں موجود تھیں اور بیشتر شاہانِ کسریٰ جائز وارث سلطنت کی بجائے کسی دوسرے کو ولی عہد مقرر کر چکے تھے۔ لیکن اس موقعہ پر ایران کے سرداروں اور بارسوخ اشخاص کو جو بات سب سے زیادہ کھٹک رہی تھی وہ "شیریں" کی عیسائیت تھی۔ یہ بہت مشکل تھا کہ وہ ان جنگوں کو بھول جاتے جو عرصہ دراز سے ایران اور روم کی عیسائی سلطنت کے درمیان ہوتی چلی آ رہی تھیں اور جن میں بے شمار ایرانی کام آ چکے تھے۔

بوڑھے بادشاہ کسریٰ پرویز کے گذشتہ کارنامے جو ایرانی قوم کی سربلندی کی خاطر اس نے سر انجام دیے تھے اور وہ فتوحات جو اس نے اپنے دشمنوں پر حاصل کی تھیں ایسی نہ تھیں کہ ان کو آسانی سے بھلایا جا سکتا لیکن ایرانی سرداروں نے کسی بات کا لحاظ نہ کیا اور اس موقعہ پر ولی عہد کو بادشاہ کے خلاف بھڑکایا۔ چنانچہ اس نے درباریوں اور امراء کی مدد سے اپنے بوڑھے باپ کو تخت سے اتار کر قید خانے میں ڈال دیا اور آپ تختِ ایران پر متمکن ہو گیا۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد پہلے اس نے شیریں کے لڑکے اور اپنے دوسرے سوتیلے بھائیوں کو باپ کے سامنے قتل کرا دیا اور اس کے چند روز بعد اپنے باپ کے قتل کا حکم بھی دے دیا۔

قباد ثانی (شیرویہ) نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے تمام بھائیوں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس خوف سے کہ وہ کہیں اس کے خلاف بغاوت برپا نہ کر دیں لیکن اس کو اپنے ظلم کا بدلہ جلدی ہی مل گیا اور وہ چند ماہ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ ۶۲۸ء میں اس نے تخت پر قبضہ کیا تھا۔ آٹھ ماہ بعد اس کا بھی وقت آن پہنچا۔

شیرویہ کے بعد اس کا بیٹا اردشیر تخت پر بٹھایا گیا۔ لیکن چونکہ اس کی عمر صرف ایک سال کی تھی اس لئے امرائے ملک نے ایک اور شخص کو عارضی طور پر تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت ایرانی فوجوں کا سپہ سالار شہر یار زتھا جو بیزنطینی حکومت سے جنگ آزما ہو چکا تھا لیکن اب اس نے رومیوں سے گٹھ جوڑ کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اسے تختِ ایران پر قبضہ کرنے میں مدد دیں گے۔ چنانچہ رومیوں کی اس یقین دہانی کے بعد وہ اپنے لشکر کے ہمراہ دارالحکومت کی طرف بڑھا اور بغیر کسی مقابلہ کے اس پر قبضہ کر لیا۔ اس نے کمسن بادشاہ اور نائب السلطنت

کو قتل کر دیا اور خود بادشاہ بن بیٹھا۔ لیکن اس کی بادشاہت زیادہ دیر تک قائم نہ رہی۔ خود اس کے لشکر نے اس کے خلاف بغاوت کر کے اسے ٹھکانے لگا دیا۔

اس کے بعد ایران کی سیاسی حالت بے حد ابتر ہو گئی۔ یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ تخت پر آئے۔ سب سے پہلے کسریٰ پرویز کی بیٹی بوران دخت کے سر پر تاج رکھا گیا۔ اس نے ایک سال چار ماہ حکومت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی میں یہی ملکہ ایران پر حکمران تھی۔ اس کے بعد کسریٰ پرویز کا چچازاد بھائی جوان شیر تخت پر بیٹھا لیکن اسے صرف ایک ماہ حکومت کرنے کی مہلت ملی۔ اب کسریٰ پرویز کی دوسری بیٹی آزرمی دخت تخت نشین کی گئی لیکن کچھ مدت کے بعد اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ایک شخص کسریٰ بن مہر خبار دشیر بابکان" کے خاندان سے تھا تخت پر بیٹھا۔ لیکن اسے بھی چند روز سے زیادہ حکومت کرنی نصیب نہ ہوئی۔ ایرانی امراء نے جب یہ حالت دیکھی اور دوسری طرف انہیں اسلامی افواج ایرانی شہروں پر پے در پے کامیاب حملے کرتی نظر آئیں تو ان کے اضطراب کی کوئی حد نہ رہی اور انہوں نے بڑی بحث و تمحیص کے بعد شاہی خاندان کے ایک فرد یزدجرد ثالث بن شہریار کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ لیکن ایرانی اقتدار کا وقت آ لگا تھا۔ اسی یزدجرد کے عہد میں صحرائے عرب سے وہ زبردست آندھی اٹھی جس نے آن کی آن میں تمام ایوان ہائے کسریٰ کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا اور ایرانی سلطنت ایک داستانِ پارینہ بن کر رہ گئی۔

سیرتِ صدیقِ اکبرؓ میں بیان ہو چکا ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو شام جانے کا حکم دیا تھا تو حضرت خالدؓ آدھی فوج خود لے کر شام روانہ ہو گئے اور آدھی فوج مثنیٰؓ بن حارثہ کے پاس ہی چھوڑ دی تھی جو اس وقت عراق میں ایرانی فوجوں سے مقابلہ کر رہے تھے۔ مثنیٰؓ بڑے بہادر اور بڑے زیرک سپہ سالار تھے۔ آپ ہی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توجہ عراق اور ایران پر حملہ کرنے کی طرف دلائی تھی اور بعد کو پیش آنے والی جنگوں میں صدق بصیرت، جرأت اور بہادری کی ایسی مثالیں دکھائی تھیں جن کی وجہ سے وہ لشکر میں بے حد مقبول ہو گئے تھے اور انہیں اس بات کا پورا اطمینان تھا کہ دشمن سے جنگ کی صورت میں وہ کبھی نقصان نہیں اُٹھا سکتے۔

اِدھر یہ حال تھا کہ حضرت خالدؓ کے چلے جانے سے اسلامی لشکر میں معتد بہ کمی واقع ہو گئی تھی لیکن ایرانی لشکر پورے ساز و سامان اور پوری طاقت و قوت کے ساتھ موجود تھا۔ حضرت خالدؓ بن ولید کے چلے جانے کے بعد

دربارِ ایران کی طرف سے ایک بہت بڑی فوج حیرہ کی طرف بھیجی گئی جہاں مثنیٰ بن حارثہ مقیم تھے۔ اس فوج کا سردار ہرمز تھا۔ "بابل" کے قریب دونوں فوجوں میں سخت لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مثنیٰ نے مدائن تک ایرانیوں کا پیچھا کیا اور پھر حیرہ واپس آ گئے۔ اس کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ ایرانی ایک اور لشکرِ جرار مسلمانوں کے مقابلے کے لئے تیار کر رہے ہیں۔ اسی دوران میں انہیں یہ بھی پتہ چلا کہ ایرانی اپنے اندرونی جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے ہیں۔ وہ فوراً مدینہ پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس وقت بسترِ علالت پر تھے۔ مثنیٰ نے انہیں سارے حالات سنائے اور مزید فوج بھیجنے کی درخواست کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا بھیجا اور جب وہ آئے تو ان سے فرمایا:

"مجھے یقین نہیں کہ میں آج شام تک زندہ رہ سکوں۔ میرے مرنے کے بعد تم کل کا دن ختم ہونے سے پہلے پہلے مثنیٰ کے ساتھ لوگوں کو لڑائی پر روانہ کر دینا۔ تم کو کوئی مصیبت تمہارے دینی کام اور حکمِ الٰہی سے غافل کرنے نہ پائے۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کیا کیا تھا۔ حالانکہ مسلمان اس وقت ایک بہت بڑے ابتلاء میں تھے۔ جب اہلِ شام پر فتح حاصل ہو جائے تو اہلِ عراق کو عراق واپس بھیج دینا۔ کیونکہ وہ عراق ہی کے کاموں کو خوب سر انجام دے سکتے ہیں اور عراق ہی میں ان کا دل خوب کھلا ہوا ہے۔"

اس وصیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو حالتِ نزع میں بھی مسلمانوں کی بہبودی کا خیال رہا اور مرتے وقت بھی آپ دینی امور پر ہی غور کرتے رہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وصیت کے مطابق حضرت عمرؓ اگلے روز نمازِ فجر سے پہلے ہی منبر پر کھڑے ہوئے اور لوگوں کو عراق جانے اور جہاد میں حصہ لینے کی ترغیب دی۔ آپ نے فرمایا:

"اس سرزمین میں پہنچو جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہیں اس کا وارث بنا دے گا۔ چنانچہ اس نے فرمایا ہے: لیظھرہ علی الدین کلہ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب کرنے والا ہے، اسے عزت دینے والا ہے اور اس کی مدد کرنے والا ہے۔ روئے زمین کی وراثت مسلمانوں ہی کی ہے، کہاں ہیں خدا تعالیٰ کے نیک بندے؟"

حضرت عمرؓ کی تقریر کے بعد عراقی لشکر کے سپہ سالار مثنیٰ کھڑے ہوئے اور آپ نے اپنی تقریر میں ان تمام خدشات کو رفع کیا جو مسلمانوں کے دلوں میں ایرانی سلطنت اور ایرانی حکومت کے متعلق جمے ہوئے تھے۔

آپ نے کہا:

"لوگو! تم ایرانیوں کو خاطر میں نہ لاؤ۔ ہم نے ان کو آزما لیا ہے اور ان کے اوپر غالب رہے ہیں۔ ہم نے ان کے زرخیز علاقے ان کے ہاتھوں سے چھین لئے ہیں اور وہ ہم سے دب گئے ہیں۔"

اس دعوت کے جواب میں عراق جاکر جہاد کرنے کے لئے سب سے پہلے جس شخص نے اپنے آپ کو پیش کیا وہ ابوعبیدہ بن مسعود الثقفی تھے۔ آپ کے بعد اور بھی بہت سے لوگوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ لیکن چونکہ پہل ابوعبیدہ بن مسعود الثقفی نے کی تھی اس لئے حضرت عمرؓ نے انہیں فوج کا سالار مقرر کر دیا اور مثنیٰ بن حارثہ کو حکم دیا کہ وہ فوراً عراق پہنچیں اور ابوعبید ثقفی کا انتظار کریں۔ جب ابوعبید کا لشکر مدینہ سے روانہ ہونے لگا تو حضرت عمرؓ نے انہیں نصیحت کی کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے رہیں۔ ابوعبید پانچ ہزار مسلمانوں کا لشکر لے کر مدینہ سے حیرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستہ میں آپ جن جن مقامات سے گزرتے تھے وہاں کے لوگوں کو ایرانیوں سے لڑنے پر آمادہ کرتے تھے۔ اس طرح راستہ میں سے بھی سینکڑوں لوگ آپ کے ساتھ ہو گئے۔

ایرانیوں نے اپنے باہمی جھگڑوں کو ختم کر کے یزدجرد کو بادشاہ تو بنا لیا تھا لیکن انہیں ذہنی سکون کسی دم میسر نہ تھا۔ کیونکہ انہیں روزمرہ یہ خبریں مل رہی تھیں کہ آج مسلمانوں نے فلاں شہر پر قبضہ کر لیا، آج مسلمانوں نے فلاں علاقہ کی طرف کوچ کر دیا، آج فلاں ایرانی سردار نے مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست کھائی اور آج فلاں ایرانی فوج مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ بادشاہ بھی ان واقعات سے بہت متاثر تھا۔ اس نے اپنے گرد و پیش نظر دوڑائی کہ عربوں سے مقابلہ کے لئے کوئی ایسا سپہ سالار منتخب کیا جائے جو ان کے بڑھتے ہوئے قدم روک لے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد اس کی نظر رستم پر جا کر ٹکی جس کا شمار لشکر ایران کے مشہور سرداروں میں ہوتا تھا چنانچہ یزدجرد نے جتنی فوج اکٹھی ہو سکتی تھی کی اور رستم کو اس کا سپہ سالار بنا دیا[1]۔ اس نے رستم کو بطور خاص ہدایت کی کہ

---

[1] "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" کے مؤلف خضری مرحوم اور "اشہر مشاہیر الاسلام" کے مؤلف ابن سعید نے اپنی کتابوں میں غلطی سے یہ لکھا ہے کہ رستم کو ایرانی افواج کا سپہ سالار ملکہ "ازرمی دخت" نے بنایا تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے رستم کو ملکہ ازرمی دخت نے نہیں بلکہ خود شاہ یزدجرد نے سپہ سالار مقرر کیا تھا۔

جو قدم اٹھائے، احتیاط سے اٹھائے۔ جلدی ہرگز نہ کرے اور لڑائی یا درمیانی وقفہ میں اپنی فوج کو لطف و مراعات سے نوازتا رہے۔

رستم نے چاہا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مکر و فریب اور دھوکہ سے کام لے۔ چنانچہ اس نے عراق کے دہاقین[1] اور ان لوگوں کو جن کے شہروں پر مسلمانوں نے حملہ کیا تھا، مسلمانوں کے خلاف فتنہ و فساد اور بغاوت و سرکشی پر اُبھارا کہ اس طرح نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی جائے بلکہ انہیں جزیرۂ عرب کی طرف دھکیل دیا جائے۔ یہ لوگ ایرانیوں سے مرعوب تھے اور انہیں یقین تھا کہ ایرانی دیر یا سویر اپنے علاقے عربوں سے واپس لے کر چھوڑیں گے اور اعراب کو ایک نہ ایک دن لامحالہ جزیرۂ عرب ہی میں پناہ لینی پڑے گی۔

دوسرا کام رستم نے یہ کیا کہ نرسی اور جابان کی سرکردگی میں دو لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کئے۔ نرسی کسریٰ کا خالہ زاد بھائی اور عراق کا ایک جاگیردار تھا۔ جابان بھی عراق کا ایک رئیس تھا۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی جانب بڑھے۔ جابان اپنی فوجیں لے کر نمارق[2] پہنچا اور نرسی نے "کسکر" میں پڑاؤ ڈال دیا۔ ادھر مثنیٰ اور ابو عبید حیرہ تک پہنچ چکے تھے۔ ابو عبید نے ایرانیوں پر حملے کے لئے اپنی قوتوں کو جمع کیا اور جابان سے مقابلہ کرنے نمارق پہنچے۔ دونوں فوجیں نبرد آزما ہوئیں۔ ایرانیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا لیکن ابو عبید کی فوجوں کے سامنے کوئی پیش نہ جا سکی اور ان کو میدان چھوڑنا پڑا۔

نمارق کی فتح کے بعد ابو عبید "کسکر" کی طرف روانہ ہوئے جہاں نرسی اپنی فوج لئے پڑا تھا۔ جابان کی فوج کے شکست خوردہ سپاہی بھی بھاگ کر نرسی کی فوج میں شامل ہو گئے۔ مقام سقاطیہ میں دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور نمارق کی طرح یہاں بھی ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی۔ لیکن ایران کی یہ دونوں فوجیں اس لشکر کے مقابلہ میں کوئی حیثیت ہی نہ رکھتی تھیں جو رستم کی سرکردگی میں عراق کی طرف آ رہا تھا۔

جب رستم کو جابان اور نرسی کی شکستوں کا پتہ چلا تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اس نے ایک ایرانی سردار بہمن جادویہ کی سرکردگی میں ایک لشکر ابو عبید کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا اور درفش کاویانی[3] اس کے ساتھ

---

[1] دیہاتی زمیندار اور تعلقہ دار وغیرہ۔

[2] نمارق کوفہ کے قریب ایک موضع ہے اور حیرہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

[3] درفش کاویانی ایران کا قدیم قومی جھنڈا تھا جو کئی ہزار سال سے کیانی خاندان کی یادگار رچلا آتا تھا۔ اسے فتح و ظفر کی کلید سمجھا جاتا تھا اور خاص خاص موقعوں پر تبرک کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ (مترجم)

کر دیا جو فوج کے سر پر سایہ کئے رہتا تھا۔

دونوں لشکر مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام مروحہ پر صف آرا ہوئے۔ دریا کے اِس طرف مسلمان تھے اور دوسری طرف بہمن جادویہ کا ایرانی لشکر۔ دریا پر کشتیوں کا ایک پُل بنا ہوا تھا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے بہمن نے کہلوایا کہ تم ہماری طرف آؤ گے یا ہم تمہاری طرف آئیں۔ ابو عبید پہلی فتوحات کے نشہ میں سرشار تھے انہوں نے کہلوا بھیجا کہ ہم خود ہی تمہاری طرف آتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی سخت غلطی تھی۔ لشکر کے دوسرے سرداروں نے انہیں سمجھایا بھی لیکن ابو عبید اپنی فوج کو لے کر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے دوسرے کنارے پہنچ گئے۔

دریا کے اس طرف میدان ناہموار تھا جس کی وجہ سے مسلمان فوج کو ترتیب سے کھڑے ہونے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ علاوہ ازیں ایرانی فوج کے پاس کئی دیوہیکل ہاتھی تھے جن کے گلوں میں بڑی بڑی گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں اور زور زور سے بج رہی تھیں۔ ان پر بڑی بڑی جھولیں پڑی تھیں جن سے ان کی شکلیں اور بھی خوفناک ہو گئی تھیں عربی گھوڑے ان دیوہیکل ہاتھیوں کو دیکھ کر بھڑک اُٹھے اور پیچھے ہٹے۔ ابو عبید نے جب یہ دیکھا تو وہ خود بھی گھوڑے سے اُتر آئے اور دوسرے گھڑ سواروں کو بھی یہی حکم دیا اور ہدایت کی کہ ہاتھیوں پر جو جھولیں پڑی ہیں انہیں کھینچ کر فیل بانوں کو نیچے گرالیں اور قتل کر ڈالیں۔ اس طرح سینکڑوں فیل سوار قتل کر دیئے گئے۔ لیکن دوسری طرف خود ہاتھی مسلمانوں پر پل پڑے تھے اور ان سے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ مسلمانوں نے ہاتھیوں پر تلواروں سے حملہ شروع کر دیا۔ خود ابو عبید نے "پیلِ سپید" پر حملہ کیا اور اس کی سونڈ کاٹ ڈالی۔ "پیلِ سپید" ایک مست ہاتھی تھا اور تمام ہاتھیوں کا سردار۔ وہ درد سے بیتاب ہو کر آگے بڑھا اور ابو عبید کو گرا کر ان کے سینہ پر پاؤں رکھ دیا جس سے ان کی پسلیاں چُور چُور ہو گئیں۔

اِدھر ایرانیوں نے مسلمانوں پر ہلّہ بول دیا اور اسلامی فوج پیچھے ہٹنے لگی۔ بنی ثقیف کے ایک نوجوان عبداللہ بن مرثد ثقفی نے ازراہِ غیرت دریا کا پُل توڑ دیا کہ جب مسلمان اپنے لئے کوئی راہِ فرار نہ پائیں گے تو بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کریں گے اور ایرانی فوج کو پیچھے دھکیل دیں گے لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ مسلمان جب پسپا ہوتے ہوئے دریا پر پہنچے تو پُل موجود نہیں تھا۔ وہ سالارِ لشکر کے مارے جانے اور ایرانی حملہ کی شدّت سے پہلے ہی بدحواس ہو رہے تھے، اسی بدحواسی کے عالم میں دریا میں کودنے لگے اور اس طرح چار ہزار مسلمان پانی میں ڈوب گئے۔

مثنیٰ ابن حارثہ نے جب یہ حالت دیکھی تو دوبارہ پُل بندھوانے کا حکم دیا اور خود مسلمانوں کی حفاظت

کے لئے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایرانیوں کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے اور پل تیار ہو جانے پر ساری فوج کو پار اتارا اور سب سے آخر میں خود پہنچے۔ حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار فوج باقی رہ گئی ہے۔

یہ لڑائی تاریخ میں "واقعۂ جسر" کے نام سے مشہور ہے اور رمضان المبارک سنہ ۱۳ھ میں ہفتہ کے دن پیش آئی۔

بعض مؤرخین عرب نے ابو عبید کے اس نا عاقبت اندیشانہ فعل کی مختلف توجیہات کی ہیں لیکن بعض نے اقرار کیا ہے کہ واقعی انہوں نے دریا کو عبور کرنے میں سخت غلطی کی۔ خصوصاً جبکہ مثنیٰ بن حارثہ اور دیگر سرداران فوج نے ان کے اس ارادہ کی مخالفت کی تھی اور انہیں ایرانیوں کے حیلہ و مکر اور چھل فریب سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرت عمرؓ نے یہ جاننے کے باوجود کہ ابو عبید ایک اچھے سپہ سالار نہیں ہیں انہیں کیوں اس اہم عہدے پر مقرر کر دیا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابو عبید ہی وہ شخص تھے جنہوں نے سب سے پہلے خلیفہ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہا تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کی جرأت اور اخلاص کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں یہ عہدہ تفویض کر دیا۔ اگرچہ یہ بات بھی ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو سب سے پہلے لڑائی کے لئے پیش کرے اس کا زیرک سپہ سالار اور نادر جنگجو ہونا ضروری نہیں ہے۔

واقعۂ جسر مسلمانوں کی کھلی شکست اور ایرانیوں کی کھلی فتح تھی لیکن یہ ایرانیوں کی آخری فتح تھی۔ اس کے بعد پھر انہیں فتح و کامیابی کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ مثنیٰ نے دربارِ خلافت سے مدد مانگی اور وہاں سے فوراً فوجیں روانہ کی گئیں ادھر مثنیٰ نے بھی عراق کے سرحدی مقامات میں اپنے نقیب بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی۔ جب مدینہ سے فوجیں پہنچ گئیں تو مثنیٰ اس ایرانی لشکر کو روکنے کے لئے جو مہران کی سرکردگی میں حیرہ پر حملہ کرنے کی غرض سے آ رہا تھا' بویبؔ[1] کی طرف روانہ ہوئے۔

اس موقعہ پر مثنیٰ نے اس غلطی کا اعادہ نہیں کیا جو ابو عبید نے دریا کو عبور کر کے کی تھی۔ بلکہ انہوں نے

---

[1] بویب' کوفہ کے قریب ایک نہر ہے جو دریائے فرات سے نکلتی ہے۔

ایرانیوں کو دریا کے اِس پار آنے دیا۔ ایرانی دریا کو عبور کر کے مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہو گئے۔

لڑائی شروع ہوئی۔ ایرانی اور مسلمان دونوں بڑی بہادری سے لڑے لیکن اس مرتبہ ایرانی مسلمانوں کے مقابل نہ ٹھہر سکے اور بھاگنا شروع کر دیا۔ مثنیٰ نے آگے بڑھ کر دریا کا پُل توڑ دیا۔ ایرانیوں نے پُل ٹوٹا ہوا دیکھا تو مجبوراً پلٹے اور پشت پھیر کر دوسری طرف بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے تعاقب کیا اور دُور تک ان کو قتل کرتے چلے گئے۔ قبیلہ تغلب کے ایک شخص نے ایرانی فوج کے سردار مہران کو قتل کر ڈالا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو کر پکارا:

"میں ہوں تغلب کا وہ نوجوان جس نے عجم کے سالار کو قتل کیا ہے۔"

فتح کے بعد مثنیٰ نے فوج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ایرانی فوج کو روکنے کے لئے میں نے جو پُل کاٹ دیا تھا جنگی نقطۂ نگاہ سے یہ بات ٹھیک نہیں تھی۔ گو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نصرت سے ہمیں فتح عطا فرما دی لیکن دشمن کا راستہ اس وقت تک کبھی نہ روکنا چاہیئے جب تک اس کا مقابلہ کرنے کے لئے وافر تعداد میں فوج موجود نہ ہو۔

---

(۳)

عراق پر عام لشکر کشی

جب ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ عرب مسلسل ان کے شہروں پر حملہ کر کے انہیں فتح کرتے چلے جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ عربوں کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔ مثنیٰ کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا جس میں ایرانیوں کے تمام ارادوں کی تفصیل بیان کر کے اپنے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ اس موقعہ پر سواد عراق کے زمینداروں سے نقضِ عہد کا زبردست خطرہ ہے۔ ان میں بغاوت اور سرکشی کے آثار پیدا ہونے لگے ہیں ساتھ ہی مدد کی درخواست بھی کی۔

حضرت عمرؓ نے اس خط کے پہنچنے پر مثنیٰ کو لکھا کہ اپنے تمام لشکر کو سمیٹ کر بصرہ سے متصل عراق اور عرب کی سرحد کی طرف چلے آؤ۔ امیر المومنین کی اس سے غرض یہ تھی کہ اسلامی لشکر جزیرۂ عرب سے اس قدر قریب رہے کہ اگر اس پر کوئی حملہ ہو اور اس میں تابِ مقاومت باقی نہ رہے تو وہ جزیرۂ عرب اور اس کے صحراؤں میں داخل ہو کر اپنا بچاؤ کر سکے اور دشمن کو اپنے اوپر قابو نہ پانے دے۔

اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے بڑے پیمانہ پر تیاریاں شروع کر دیں اور تمام عمالِ سلطنت کو لکھا کہ جہاں جہاں کوئی بہادر، رئیس، صاحبِ تدبیر، شاعر، خطیب، اہل الرائے اور ایسا شخص

جس کے پاس ہتھیار اور سواری ہو اسے جلد سے جلد میرے پاس بھیج دو ۔ یہ ذی الحجہ ۱۳ھ کا واقعہ ہے حضرت عمرؓ یہ احکام دے کر حج کے لئے روانہ ہوئے ۔ ابھی آپ حج سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ہر طرف سے لشکر پہنچنے لگے ۔ جو قبائل مدینہ کے قریب تھے وہ مدینہ میں جمع ہونے لگے اور جو عراق کے قریب تھے وہ مثنیٰ کے لشکر میں پہنچنے لگے ۔

جب محرم کا مہینہ آیا تو سارے مدینہ طیبہ میں فوجیں ہی فوجیں تھیں اور اطراف میں بھی جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے ۔ حضرت عمرؓ نے لشکر ترتیب دیا ہراول پر طلحہؓ، میمنہ پر زبیرؓ اور میسرہ پر عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو مقرر کیا اور خلافت کے جملہ امور حضرت علیؓ کے سپرد کر کے خود اس فوج کے سپہ سالار کی حیثیت سے روانہ ہوئے ۔ پہلا پڑاؤ "صرار" پر ہوا جو مدینہ طیبہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک چشمہ ہے ۔ ابھی تک کسی کو ٹھیک طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ آیا حضرت عمرؓ بنفسِ نفیس فوج کے ساتھ عراق تشریف لے جائیں گے یا اپنی بجائے کسی اور آدمی کو فوج کا سپہ سالار مقرر کر کے خود واپس مدینہ چلے جائیں گے ۔ صرار پہنچ کر حضرت عمرؓ نے تمام فوج سے اس بارے میں رائے لی ۔ خود حضرت عمرؓ کی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقعہ پر دشمنانِ اسلام سے جہاد کرنے تشریف لے جائیں ۔ لشکر کے عام لوگ بھی یہی چاہتے تھے لیکن کبار صحابہ کی یہ رائے تھی کہ حضرت عمرؓ کا جانا ٹھیک نہیں آپ کو چاہئے کہ مدینہ طیبہ ہی میں رہیں اور یہاں سے برابر فوجیں اور سامانِ جنگ محاذ پر بھیجتے رہیں ۔ جہاد پر جانے سے یہ چیز آپ کے لئے زیادہ بہتر ہے ۔

حضرت عمرؓ نے بھی غور و خوض کے بعد اسی رائے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا ۔ صحابہ کرام نے اس موقعہ پر جو مشورہ دیا وہ اصابت رائے کی بہترین مثال تھا ۔ اگر حضرت عمرؓ لڑائی کے لئے تشریف لے جاتے اور خدانخواستہ آپ کو کوئی صدمہ پہنچ جاتا تو تمام معاملہ دگرگوں اور اسلام کے اقتدار کا خاتمہ ہو جاتا ۔ اب حضرت عمرؓ کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کون شخص اس بارِ گراں کو اٹھانے کے لئے مقرر کیا جائے ۔ لشکر میں جتنے لوگ موجود تھے ان میں سے کسی کے متعلق حضرت عمرؓ کو یہ اطمینان نہ تھا کہ وہ اس عظیم ذمہ داری سے پورے طور پر عہدہ برآ ہو سکے گا ۔ آپ نے اضلاع اور صوبوں کے عمال پر نظر ڈالنی شروع کی ۔ آخر کبار صحابہؓ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو جو ایک جلیل القدر صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے، لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا ۔ سعدؓ بن ابی وقاص ان دنوں بنی ہوازن میں صدقات کی وصولی پر مامور تھے ۔ حضرت عمرؓ نے انہیں طلب فرمایا اور حکم دیا کہ وہ بعجلتِ ممکنہ عراق پہنچیں اور راستہ میں قبائل کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی ترغیب دیں ۔ چنانچہ سعدؓ لشکر کو

لے کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں جس قبیلے کے پاس سے گزرتے اسے اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد پر چلنے کی دعوت دیتے، اس طرح آپ کے ساتھ ایک زبردست لشکر ہو گیا۔ ابھی سعدؓ راستہ میں ہی تھے کہ مثنیٰ بن حارثہ کی وفات کی خبر ملی۔ معرکہ جسر میں مثنیٰ کو بعض زخم آئے تھے جو بگڑتے چلے گئے اور آپ جانبر نہ ہو سکے۔ مثنیٰ کی وفات سے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور اسلامی لشکر کو سخت صدمہ پہنچا کیونکہ ان کی موت سے اسلامی لشکر ایک بہادر سپہ سالار سے محروم ہو گیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں مثنیٰ ہی تھے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایرانیوں سے جنگ شروع کرنے کا باعث بنے تھے۔ تدبر اور تجربہ کے ساتھ وہ فنونِ جنگ کے پوری طرح ماہر تھے فوج سے اپنے احکام منوانے کا انہیں خاص ملکہ تھا جس کام کا ایک بار ارادہ کر لیتے تھے پھر اس کو پورا ہی کر کے چھوڑتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ہر میدان میں انہیں دشمنوں پر فتح دی۔ جنگوں میں وہ ہمیشہ خالدؓ بن ولید کے طریقوں کی پیروی کرتے تھے اور ان ہی کی طرح میدانِ جنگ میں فوجوں کو ترتیب دیتے تھے۔

جب مثنیٰ نے دیکھا کہ ان کی موت قریب ہے تو سعدؓ کو ایک خط لکھا جس میں عجمیوں کے تمام طور طریقے بیان کئے۔ پچھلے تمام واقعات اور اپنے تمام تجربات سے انہیں آگاہ کیا اور آخر میں لکھا کہ وہ ایرانیوں سے عرب اور عراق کی سرحد پر جنگ کریں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی تو ان کے لئے آگے بڑھنے کا راستہ کھلا ہوا ہے لیکن اگر خدانخواستہ شکست کی کوئی صورت پیدا ہوئی تو وہ آسانی کے ساتھ اپنے علاقہ میں واپس آ سکتے ہیں اور وہاں سے مدد لے کر پھر ایرانیوں کے مقابلہ کے لئے نکل سکتے ہیں۔

جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت عرب فنونِ جنگ کے ماہر نہ تھے۔ ان میں ابھی یہ فن ابتدائی حالت میں تھا۔ اسی لئے ابو عبید الثقفی واقعہ جسر میں صحیح حالات کا اندازہ نہ لگا سکے اور مسلمانوں کو زبردست شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ انتہائی سوجھ بوجھ کے مالک تھے آپ ابو عبید کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف تھے لیکن ابو عبید نے چونکہ سب سے پہلے اپنے آپ کو جہاد پر جانے کے لئے پیش کیا تھا اس لئے حضرت عمرؓ نے ان کی ہمت افزائی اور عام ترغیب و تشویق کی خاطر انہیں فوج کا سپہ سالار بنا دیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ جب وہ عراق روانہ ہونے لگے تو ان کو نصیحت فرمائی:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی باتوں کو ہمیشہ غور سے سننا، انہیں اپنے مشوروں میں برابر شریک

رکھنا۔ جلد بازی سے کبھی کام نہ لینا اور جو قدم اٹھانا پورے غور و خوض اور معاملہ کا ہر پہلو دیکھ کر اٹھانا۔ یاد رکھو تم لڑائی پر جا رہے ہو اور لڑائی میں وہی شخص کامیاب ہو سکتا ہے جو دانشمندی سے ہر کام کا پہلے خوب اچھی طرح جائزہ لے لیتا ہے اور جلد بازی سے کام نہیں لیتا۔"

لیکن چونکہ ابو عبید کو فوجی امور کا پہلے کوئی تجربہ نہ تھا اس لئے انہوں نے حزم و احتیاط اور جنگی چالوں سے کام نہ لیا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کی اس نصیحت کو بھی بڑی حد تک نظر انداز کر دیا کہ ہر معاملہ میں صحابہ کرام سے مشورہ کرتے رہنا۔ کیونکہ وہ صاحب تجربہ ہیں اور تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

ابو عبید کی شکست اور اس میں مسلمانوں کے کثیر جانی نقصان سے حضرت عمرؓ کو بے حد رنج ہوا تھا۔ آپ ایک ایک مسلمان کی جان کو قیمتی سمجھتے تھے۔ جنگ میں مسلمانوں کے خون کی ارزانی آپ کو کسی صورت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ اس مرتبہ آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو سپہ سالار بنا کر بھیج تو دیا لیکن لشکر کی تمام مہمات خود اپنے قبضۂ اختیار میں رکھیں۔ آپ مدینہ سے برابر جنگی ہدایات بھیجتے رہتے تھے اور اس طرح آپ نے محاذِ جنگ سے سینکڑوں میل دور ہوتے ہوئے بھی درحقیقت لشکر کی کمان اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی۔ آپ کی طرف سے سعدؓ کو بطور خود آگے بڑھنے اور حملہ کرنے کی اس وقت تک ممانعت کر دی گئی تھی جب تک دربارِ خلافت سے ان کے پاس کوئی حکم نہ پہنچے۔

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص لشکر کو لے کر عراق روانہ ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا اور فرمایا:

"میں نے تمہیں عراق میں لڑنے والی فوجوں کا سالار بنایا ہے اس لئے میری یہ نصیحت یاد رکھو کہ تم ایسے کام کے لئے جا رہے ہو جو بہت سخت اور تکلیف دہ ہے۔ اس سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے جو حق ور استی پر ہو۔ اس بناء پر لازم ہے کہ تم خود بھی بھلائی کی عادت ڈالو اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس کی تلقین کرو تاکہ فتح تمہارے قدم چومے۔ اگر کوئی تکلیف تمہیں پیش آئے تو اس پر صبر اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔"

اس کے علاوہ آپ نے انہیں فخر و مباہات سے پرہیز کرنے اور اپنے ساتھیوں پر کسی قسم کی بڑائی جتانے سے منع فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وہ سب سے پہلے "زرود"[1] پہنچیں۔ اور جب وہاں چاروں طرف سے

---

[1] زرود مدینہ اور کوفہ کے درمیانی راستہ میں کوفہ سے اکتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

فوجیں اکٹھی ہو جائیں تو پھر حملہ کے لئے آگے بڑھیں۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص پہلے "زرود" پہنچے اس کے بعد خلیفہ کے احکام کے مطابق کوچ کر کے "شراف" میں پڑاؤ ڈال دیا اور وہاں اپنی قوتوں کو مجتمع کرنے لگے۔ "شراف" میں حضرت سعدؓ کے پاس تئیس ہزار فوج جمع ہو گئی۔ یہاں سعدؓ کے پاس حضرت عمرؓ کا ایک اور فرمان آیا جس میں آپ نے انہیں ہدایت کی کہ تمام فوج کو دس دس سپاہیوں میں بانٹ دیا جائے۔ ہر دس آدمیوں پر ایک امیر ہو جسے عریف کے نام سے پکارا جائے۔ اس کے بعد اسی ترتیب کی بنیاد پر لشکر کو مختلف دستوں میں تقسیم کر دیا جائے اور ان دستوں کو مختلف حصوں میں بانٹ کر ان کے سردار مقرر کر دئے جائیں۔ چنانچہ لشکر کے مندرجہ ذیل حصے کر کے ان پر مندرجہ ذیل افسر مقرر کئے گئے:

(۱) ہراول : زہرہ بن عبداللہ بن قتادہ

(۲) میمنہ (دایاں حصہ) : عبداللہ بن المعتصم

(۳) میسرہ (بایاں حصہ) : شرجیل بن السمط

(۴) ساقہ (پچھلا حصہ) : عاصم بن عمرو التیمی

(۵) طلائع (گشت کی فوج) : سواد بن مالک

(۶) مجرد (بے قاعدہ فوج) : سلمان بن ربیعۃ الباہلی

(۷) پیدل : حمال بن مالک الاسدی

(۸) شتر سوار : عبداللہ بن ذی السہمین

(۹) رابد (رسد وغیرہ کا بندوبست کرنے والے) : سلمان فارسی

اس کے علاوہ قاضی عبدالرحمٰن بن ربیعۃ الباہلی کو - کاتب زیاد بن ابی سفیان کو اور مترجم ہلال ہجری کو بنایا گیا۔ اس لشکر کے لئے حضرت عمرؓ نے کئی طبیب بھی بھیجے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے خط میں لکھا:

"ہدایات بالا کے مطابق لشکر کی تقسیم کے بعد جب ہر سپاہی اپنے عریف، ہر عریف اپنے قائد اور ہر دستہ اپنے سردار سے اچھی طرح واقف ہو جائے تو باقاعدہ نظام کے تحت اپنے لشکر کو لے کر چلو اور قادسیہ میں جا کر پڑاؤ ڈال دو۔"

آپ نے انہیں یہ بھی لکھا کہ اسلامی لشکر اور صحراء عرب کے درمیان دریا وغیرہ کی قسم سے کوئی روک نہ ہو
آپ نے تحریر فرمایا:

تم "شراف" سے مسلمانوں کو لے کر روانہ ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ بھروسہ رکھو اور اسی سے اپنے ہر کام میں مدد چاہو۔ اچھی طرح جان لو کہ تمہارا مقابلہ ایک ایسی قوم سے ہے جو کثرتِ تعداد، سامانِ جنگ کی فراوانی اور فنونِ جنگ میں تم سے کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر ہے۔ جب تمہاری ایرانی فوج سے مٹھ بھیڑ ہو تو ان سے جنگ شروع کر دو۔ خبردار! ان سے مناظرہ نہ کرنے لگنا، ان کے دھوکے میں نہ آجانا۔ وہ لوگ بڑے فریبی اور مکار ہوتے ہیں اور ایسے طور طریقے استعمال کرتے ہیں جو تمہارے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتے۔

جب تم قادسیہ[1] پہنچو تو وہاں قیام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین ہو، پشت پر عرب کے پہاڑ ہوں اور بیچ میں ریتلا میدان ہو۔ ایک بار مورچے جما کر پھر وہاں سے مت ہٹو۔ جب ایرانی یہ دیکھیں گے تو اپنی پوری جمعیت سے تم پر حملہ آور ہوں گے لیکن اگر تم نے دشمن کے مقابلہ میں پامردی کا ثبوت دیا تو مجھے امید ہے کہ تم ان پر فتح یاب ہو گے۔ یہ ضرب انہیں ایسی کاری پڑے گی کہ اس کے بعد وہ اتنی زبردست طاقت لے کر تم پر حملہ آور نہ ہو سکیں گے۔ لیکن اگر خدانخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو قادسیہ کی سرزمین سے پیچھے ہٹ کر عرب کے پہاڑوں میں چلے آنا جو تمہارے لئے سپر کا کام دیں گے۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ پھر تمہیں دوبارہ حملہ کرنے کی توفیق بخشے اور تم ان پر فتح پا سکو۔"

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ برابر اسلامی لشکر اور ایرانی لشکر کے حال احوال دریافت فرماتے رہے جس روز سعدؓ "شراف" سے روانہ ہو رہے تھے اس روز حضرت عمرؓ کا خط ان کے نام پہنچا جس میں لکھا تھا:

"مجھے لکھو کہ ایرانیوں کا لشکر کہاں تک پہنچ چکا ہے، تمہارے مقابلہ کے لئے ان کا سپہ سالار کون ہے، ساتھ ہی یہ بھی لکھو کہ اسلامی فوج کی منزلیں کون کون سی ہیں اور اسلامی لشکر اور مدائن میں کتنا فاصلہ ہے، مدائن[2] کا حال اس طرح

---

[1] قادسیہ ایران کا دروازہ شمار کیا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں یہ بڑا سرسبز و شاداب علاقہ تھا اور نہروں اور پلوں کی وجہ سے نہایت محفوظ سمجھا جاتا تھا۔

[2] مؤلف کتاب ہذا کو غلطی لگی ہے، حضرت عمرؓ نے مدائن کا نہیں بلکہ قادسیہ کی سرزمین کا پورا نقشہ طلب فرمایا تھا۔ (مترجم)

تحریر کرو گویا میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے موقعہ جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے اور یہ بھی لکھ دیا کہ دربارِ ایران کی طرف سے رستم کو ہمارے مقابلہ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ جب تک دشمن پر فتح حاصل نہ کر لی جائے وہ قادسیہ ہی میں ٹھہرے رہیں اور فتح کے بعد ایران کے دارالحکومت مدائن کی طرف بڑھیں۔

ایرانی فوج کے سپہ سالار "رستم" نے حیرہ کو اپنا مستقر بنا رکھا تھا اور حیرہ سے مدائن تک سارے راستے میں بیسیوں چوکیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اس کے قاصد ان چوکیوں میں برابر گشت لگاتے اور لشکر کی خبروں سے شاہ یزدجرد کو مطلع کرتے رہتے تھے۔ روزانہ جو واقعات پیش آتے تھے ان کی خبر بادشاہ کو مل جاتی تھی۔ سعدؓ نے بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے یہی طریقہ اختیار کیا اور راستہ میں جا بجا چوکیاں قائم کر دیں۔ اسلامی لشکر کے قاصد برابر قادسیہ اور مدینہ کے درمیان سرگرمِ عمل رہ کر حضرت عمرؓ کو تازہ ترین اطلاعات بہم پہنچاتے رہتے تھے۔ اس طریقہ سے حضرت عمرؓ فوج کی نقل و حرکت، حملہ کے بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوجوں کی تقسیم کے متعلق برابر احکام بھیجتے رہتے تھے، گویا مدینہ میں بیٹھے عراق میں فوجوں کی کمان کر رہے تھے۔

---

(۴)

قادسیہ

جنگِ قادسیہ درحقیقت ایرانی سلطنت کے لئے موت کا پیغام تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے لشکر میں ستّر سے زیادہ بدری صحابہؓ، تین سو ستّرہ بیعتِ رضواں میں شامل ہونے والے صحابہؓ اور تین سو ایسے صحابہؓ تھے جو فتح مکہ کے موقعہ پر موجود تھے ان کے علاوہ سات سو ایسے تھے جو صحابی تو نہیں تھے مگر صحابہؓ کی اولاد تھے۔

رستم ایک لاکھ بیس ہزار کی سپاہ ساتھ لے کر مدائن[1] سے نکلا اور حیرہ سے باہر "ساباط" کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔ سعدؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ اس کے لشکر کا سارا حال معلوم ہوگیا۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو ان تمام حالات کی اطلاع دی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ تم ایرانی فوج کی کثرت اور ساز و سامان کی فراوانی سے قطعاً مرعوب نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے مدد چاہو اور اسی پر بھروسہ کرو۔ نیز شاہِ ایران کے پاس چند آدمی

---

[1] "پرشیا" مصنفہ مسٹر بنجمن صفحہ ۲۷۴۔ اسلامی لشکر کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے لیکن مستند روایات کی رُو سے اس کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

بھیجو جو اسے اسلام کی دعوت دیں۔ اگر وہ دعوت قبول کر لے تو فبہا، ورنہ اس کا وبال اسی کی گردن پر ہے۔

مؤرخین عرب بیان کرتے ہیں[1] کہ سعدؓ نے دربارِ ایران میں بھیجنے کے لئے جن چودہ اشخاص کو منتخب کیا تھا وہ سردارانِ قبائل میں سے تھے اور خوش گفتاری، وجاہت، سیاست اور بہادری میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اس سفارت میں مندرجہ ذیل اشخاص شامل تھے (۱) عطارد بن حاجب (۲) اشعث بن قیس (۳) حارث بن حسّان (۴) عاصم بن عمرو (۵) عمرو معدی کرب (۶) مغیرہ بن شعبہ (۷) معنی بن حارثہ (۸) نعمان بن مقرن (۹) بسر بن ابی رہم (۱۰) حملہ بن جویہ (۱۱) حنظلہ بن الربیع التمیمی (۱۲) فرات بن حیان العجلی (۱۳) عدی بن سہیل، اور (۱۴) مغیرہ بن زرارہ۔

مدائن میں یزدجرد شاہِ ایران کو عربی سفیروں کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنے دربار کو خوب سجایا اور یہ لوگ پہنچے تو انہیں دربار میں طلب کیا۔ عربی سردار جبّے پہنے، کندھوں پر یمنی چادریں ڈالے ہاتھوں میں کوڑے لئے اور موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ انہیں دیکھ کر درباریوں پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ خود بادشاہ پر بھی خوف چھا گیا۔

جب سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو "یزدجرد" اسلامی وفد کے قائد نعمان بن مقرن سے مخاطب ہوا اور کہنے لگا:

"تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟"

نعمان آگے بڑھے اور کہا:

"اے بادشاہ! کچھ عرصہ پہلے ہم وحشی اور جاہل تھے لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل کیا اور ہماری ہدایت کے لئے ایک رسول مبعوث فرمایا جس نے ہمیں صراطِ مستقیم دکھائی، نیکی کی طرف بلایا اور بدی کے راستوں سے بچنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر ہم اس کی دعوت قبول کر لیں گے تو دنیا اور آخرت میں ضرور کامیاب اور کامران ہوں گے۔

ہم نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم دعوت کو اپنی ہمسایہ اقوام تک پہنچائیں اور انہیں بتلائیں کہ اسلام میں تمام خوبیاں جمع ہیں۔ یہ حق کو حق اور باطل کو باطل کی صورت میں پیش کرتا ہے۔

---

[1] ۔ یوربین مؤرخین نے اس واقعہ سے قطعی طور پر انکار کیا ہے۔

اے بادشاہ! ہم آپ کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر آپ نے اسے قبول کر لیا تو ہم آپ سے مطلق تعرض نہیں کریں گے۔ کتاب اللہ آپ کے حوالے کر دیں گے وہی آپ کی رہنما ہوگی، اور اس کے احکام کی پیروی کرنا آپ کا فرض ہوگا۔ لیکن اگر آپ اسلام قبول نہیں کرتے تو پھر دو صورتیں ہیں۔ یا جزیہ دے کر اپنے ملک پر ہمارا اقتدار تسلیم کیجئے اور یہ وعدہ بھی کہ آپ کی سلطنت میں ظلم و تشدد کا دور دورہ نہ ہوگا اور برے کام نہ کئے جائیں گے، یا پھر میدانِ جنگ میں تلوار سے فیصلہ کر لیجئے۔"

جب نعمان بن مقرن اپنی تقریر ختم کر چکے تو یزدجرد بولا:

"اے قومِ عرب! ساری دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت اور کوئی قوم نہ تھی۔ اگر ہم ایک اونٹ ذبح کر کے بھی تم کو کھلا دیتے تو تم خوش ہو جاتے تھے اور تمہارا سارا شور وشر اور فتنہ و فساد دب جاتا تھا۔ اگر تم کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو ہم سرحد کے زمینداروں اور سرداروں کو لکھ بھیجتے تھے اور وہ تمہارا سارا کس بل نکال دیتے تھے۔ میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ ملک گیری کی ہوس اپنے دل سے نکال دو اور آرام سے اپنے گھروں کو جاؤ۔ تمہیں خواب میں بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ تم ہم پر فتح یاب ہو سکتے ہو۔ اگر دو چار مقامات پر تمہیں فتح حاصل ہو گئی ہے تو اس سے دھوکا نہ کھاؤ اور اگر ضروریاتِ زندگی نے تمہیں لوٹ مار پر مجبور کر دیا ہے تو ہمیں سارے حالات بتاؤ ہم تمہاری ضروریات کا انتظام اور تمہارے اوپر ایسا حکمران مقرر کر دیں گے جو تم سے نرم سلوک کرے گا۔"

بادشاہ کی اس تقریر سے تھوڑی دیر کے لئے سب لوگ خاموش ہو گئے۔ آخر مغیرہ بن زرارہ نے اس سکوت کو توڑا اور بادشاہ سے مخاطب ہو کر کہا:

"میرے ساتھی رؤسائے عرب میں سے ہیں حلم اور وقار کی وجہ سے زیادہ گفتگو نہیں کر سکتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہی ان کے لئے مناسب تھا۔ لیکن بعض کہنے کے قابل باتیں رہ گئی ہیں جو میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

اے بادشاہ! واقعی ہم ایسے ہی ذلیل اور بدبخت تھے جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ تھے۔ ہم سانپ بچھو ہر قسم کے حشرات الارض اور ہر قسم کے مردار کھا جاتے تھے۔ اون اور چمڑا ہمارا لباس تھا اور زمین کی پشت ہمارا بستر۔ ہم آپس میں کٹ مرتے تھے اور اپنی بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیتے تھے۔ ہمارا یہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ملک میں ایک برگزیدہ رسولؐ پیدا کیا جو حسب و نسب اور

اخلاق و عادات میں ہم سب سے ممتاز تھا۔ پہلے پہلے ہم نے اس کو جھٹلایا اور اس کی مخالفت کی لیکن رفتہ رفتہ اس کی باتوں نے ہمارے دلوں میں اثر کرنا شروع کر دیا۔ آخر کار ہم نے اسے قبول کر لیا۔ اس نے اگر ہماری کایا پلٹ دی ۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا اور جو کچھ کرتا تھا وہ بھی خدا کے حکم سے کرتا تھا ۔ اس نے ہم کو حکم دیا کہ ہم اس دین کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں ۔ جو اس کو قبول کرلے اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں ۔ اور جو قبول نہ کرے لیکن جزیہ دینے پر راضی ہو جائے تو ہمارے اوپر اس کی حفاظت فرض ہے ۔ مگر جو اسلام بھی قبول نہ کرے اور جزیہ دینے سے بھی انکاری ہو اس کے لئے تلوار ہے ۔ آپ کے لئے بہتر یہ ہے کہ آپ مسلمان ہو جائیں اور اپنی جان اور سلطنت بچالیں ورنہ جزیہ دے کر اسلام کی حمایت میں آجائیں ۔ اگر یہ دونوں باتیں آپ کو منظور نہیں تو پھر جنگ کے لئے تیار ہو جائیں"

یزدجرد یہ الفاظ سن کر غصہ سے بے تاب ہو گیا اور کہنے لگا :

" اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا تو تم میں سے کوئی شخص بھی یہاں سے زندہ بچ کر نہ جا سکتا ۔ جاؤ میرے پاس تمہارے لئے کچھ نہیں ہے ' اپنے سردار سے کہہ دینا کہ رستم آرہا ہے وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قادسیہ کی خندق میں دفن کر دے گا "

یہ کہہ کر اس نے مٹی کا ایک ٹوکرا منگوایا اور ان سفراء سے پوچھا کہ تم میں سب سے زیادہ معزز کون ہے ؟ عاصم بن عمر نے کہا "میں !" یزدجرد نے حکم دیا کہ یہ ٹوکرا عاصم کے سر پر رکھ دیا جائے ۔ چنانچہ وہ ٹوکرا عاصم کے سر پر رکھ دیا گیا اور وہ یہ کہتے ہوئے دربار سے باہر نکل گئے :

" شاہِ ایران نے خود اپنے ہاتھ سے اپنی زمین ہمارے حوالے کر دی " یہی بات انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص سے جا کر کہی کہ ایران کی فتح مبارک ہو ، دشمن نے خود اپنی زمین ہمیں دے دی ۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے ۔

اس گفتگو کے بعد شاہ یزدجرد نے رستم کو پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہو جاؤ ۔ چنانچہ وہ اپنی کثیر التعداد فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور مقام کوثا میں پہنچ کر خیمہ زن ہوا ۔ کوثا سے روانہ ہو کر وہ قادسیہ پہنچا اور مسلمانوں کے سامنے مقام " عتیق " میں ڈیرے ڈال دئے ۔

رستم لڑنے سے جی چرا رہا تھا اس لئے کہ وہ مسلمانوں سے بے حد مرعوب ہو چکا تھا لیکن شہنشاہِ ایران کی طرف سے برابر احکام آرہے تھے کہ لڑائی چھیڑ دو پھر بھی اس نے ٹال مٹول میں کئی مہینے لگا دئے ، اور

صلح کی کوشش شروع کی۔ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس پیغام بھیجا کہ اپنے کسی آدمی کو میرے پاس بھیج دو۔
میں اس سے صلح کی بات چیت کرنی چاہتا ہوں۔ سعدؓ نے ربعی بن عامر کو بھیج دیا۔ رستم نے بڑی شان سے
دربار منعقد کیا۔ سونے کا تخت بچھوایا، اس کے چاروں طرف دیباج، حریر اور رومی قالینوں کا فرش کرایا۔
ہر طرف زریں گاؤ تکئے لگوائے۔ ربعی بن عامر نہایت سادہ لباس میں دربار میں پہنچے۔ اس شان و شوکت کا
ان پر مطلق کوئی اثر نہ ہوا اور نہایت بے پروائی سے آہستہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے۔ اپنی برچھی کی انی کو
اس طرح فرش میں چبھوتے جاتے تھے کہ وہ قیمتی فرش کٹ کٹ کر ناکارہ ہو گیا۔ رستم نے پوچھا کہ تمہارا اس ملک
میں آنے کا مقصد کیا ہے؟ ربعی نے وہی جواب دیا جو اسلامی سفیروں نے شاہ یزدجرد کو دیا تھا اور جس میں
تین باتیں پیش کی گئی تھیں۔ قبولِ اسلام یا جزیہ یا تلوار۔ رستم نے یہ بات سن کر کہا اچھا میں اپنے مشیروں سے
مشورہ کر کے پھر تمہیں مطلع کروں گا۔

دوسرے روز رستم نے پھر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے اپنا سفیر بھیجنے کی درخواست کی۔ اس مرتبہ
انہوں نے حذیفہؓ بن محصن کو روانہ کیا۔ حضرت حذیفہؓ رستم کے دربار میں اس شان سے پہنچے کہ اس کے تخت
تک اپنے گھوڑے پر سوار گئے۔ رستم نے ان سے پوچھا تم ہمیں کتنے روز کی مہلت دے سکتے ہو؟ حذیفہ نے
کہا تین روز کی۔ رستم خاموش ہو گیا اور حذیفہؓ اسلامی لشکر میں واپس آ گئے۔

تیسرے روز رستم نے پھر اسلامی سفیر کو بلوایا اب کے سعدؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو روانہ کیا۔ مغیرہ گھوڑے
سے اتر کر رستم کے تخت کی طرف بڑھے اور اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ درباریوں کو اس بیباکی
پر بڑا تعجب ہوا اور رستم کے چوبداروں نے بازو سے پکڑ کر حضرت مغیرہؓ کو تخت سے اتار دیا۔

حضرت مغیرہؓ نے تمام درباریوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے سردارانِ ایران! ہم تمہیں عقلمند سمجھتے تھے لیکن تم نرے بے وقوف نکلے۔ ہم لوگوں میں یہ
دستور نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھ جائے اور تمام لوگ بندے بن کر اس کے آگے گردن جھکائیں۔
تمہارے لئے مناسب یہ تھا کہ ہمیں پہلے سے مطلع کر دیتے کہ تمہارے ہاں کمزور طاقتوروں کی پرستش کرتے
ہیں اور انہیں خدا بنا کر اونچی جگہ پر بٹھلاتے ہیں۔ اگر مجھے پہلے سے یہ بات معلوم ہوتی تو میں تمہارے دربار
کا کبھی رخ بھی نہ کرتا۔ لیکن اب کہ میں آ گیا ہوں تمہیں صاف طور پر بتلائے دیتا ہوں کہ تمہاری سلطنت کے
چند ہی دن باقی رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ جنہیں تم ظلم کی چکی تلے پیس رہے ہو وہی تمہاری سلطنت کو تہ و بالا کر دیں گے۔"

جب مترجم نے اس تقریر کا ترجمہ کیا تو اس سے تمام دربار متاثر ہوا۔ نچلے طبقہ کے لوگ کہنے لگے "اس عرب نے واقعی سچی بات کہی۔" سردار کہنے لگے "اس نے ہماری رعایا کو ہمارے خلاف بغاوت پر اکسایا ہے۔ ہماری غلطی تھی کہ ہم اس قوم کو حقیر سمجھتے تھے۔"

رستم بھی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا یہ چوبداروں کی غلطی تھی۔ میں نے کوئی ایسا حکم نہ دیا تھا۔ پھر اس نے مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور کہا "ان تکلوں سے تمہارا کام کس طرح چلے گا؟" مغیرہ نے جواب دیا "آگ کی لو خواہ کتنی ہی چھوٹی کیوں نہ ہو بہر حال آگ ہے۔" رستم نے ان کی تلوار کی میان کو دیکھ کر کہا "کس قدر بوسیدہ میان ہے؟" مغیرہ نے جواب دیا "ہاں میان تو بوسیدہ ہے لیکن تلوار پر دھار ابھی رکھی گئی ہے۔" اس کے بعد صلح کی بات چیت ہوئی۔ رستم نے چاہا کہ کچھ لالچ دے کر اپنا کام نکالے۔ لیکن مغیرہ نے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اگر تم اسلام یا جزیہ دینا منظور نہیں کرو گے تو پھر اسی سے فیصلہ ہوگا۔ رستم کو بھی جوش آگیا اور کہنے لگا:

"سورج کی قسم! کل تمام عربوں کو برباد کر دوں گا۔"

مغیرہ چلے آئے اور دونوں طرف لڑائی کی بھٹی پورے طور پر دہکنے لگی۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ جس طرح یورپین مؤرخین نے شاہ یزدجرد کے پاس اسلامی سفارت بھیجے جانے سے قطعی انکار کیا ہے اسی طرح انہوں نے متذکرہ بالا واقعات کو بھی نہیں مانا ہے۔ البتہ شاہنامہ فردوسی میں اس کا ذکر ملتا ہے لیکن اس طرح نہیں جس طرح عرب مؤرخین نے بیان کیا ہے۔

فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں شاہانِ ایران کے کارناموں کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ رستم نے سعدؓ کو ایک خط لکھا جو سیم وزر کے لالچ اور دھمکیوں سے پُر تھا اور جس میں سعدؓ کو ڈرایا گیا تھا کہ اسلامی لشکر کے سپاہی فارس کے بہادروں اور نہاوند اور مدائن کے شہسواروں کا کسی صورت میں بھی مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ اس کے جواب میں سعدؓ نے لکھ دیا کہ ہم لوگ کسی بڑی سے بڑی طاقت سے بھی مرعوب ہونا نہیں جانتے۔ یا ہم تمہاری سرزمین پر قابض ہو جائیں گے یا مارے جائیں گے، تیسری بات کوئی نہیں ہوگی۔ ہم دیباج وحریر پہننے اور مشک وعنبر استعمال کرنے کے مطلق عادی نہیں ہیں اور نہ کبھی ہم کھانے پینے کی چیزوں پر فخر کرتے ہیں۔ آخر میں انہوں نے لکھا کہ تمہارے لئے اب دو ہی راستے ہیں۔ یا قبولِ اسلام یا جنگ۔

اگرچہ مؤرخین عرب نے کسی ایسے خط کا ذکر نہیں کیا۔ تاہم ممکن ہے کہ رستم نے سعدؓ اور سعدؓ نے رستم کو ایسے خطوط لکھے ہوں۔ بالایں ہمہ فردوسی کی روایات پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے اپنے شاہ نامہ میں بہت سی ایسی باتیں اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

حضرت مغیرہؓ کے چلے آنے کے بعد رستم نے اپنی فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ دونوں فوجوں کے درمیان نہر عتیق حائل تھی۔ رستم نے سعدؓ کو کہلا کر بھیجا کہ تم نہر کے اس طرف آؤ گے یا ہم تمہاری طرف آئیں۔ سعدؓ کو ابو عبیدہ کا واقعہ یاد تھا انہوں نے جواب دیا کہ تم ہی ہماری طرف آ جاؤ۔ چنانچہ رستم نے نہر پر پل بنانے کا حکم دیا اور ساری ایرانی فوج نہر کے اس کنارے پر پہنچ گئی۔

یورپین مؤرخین کا کہنا ہے کہ رستم نے نہر کو عبور کر کے اور قادسیہ کے میدان میں آ کر نبرد آزما ہونے میں سخت غلطی کی تھی۔ جنگی نقطۂ نگاہ سے اس کے لئے یہ مناسب تھا کہ وہ اپنی ہی جگہ رہتا تا کہ عربوں کو مجبور ہو کر نہر کے اس پار جانا پڑتا۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً عربی لشکر کو شکست فاش اٹھانی پڑتی۔ البتہ رستم نے جس طریقہ سے اپنی فوج کو ترتیب دیا تھا، جس طرح ہاتھیوں کو موقعہ موقعہ کھڑا کیا تھا اور جس بہادری کے ساتھ جنگ کے پہلے روز اس نے مسلمانوں کے دانت کھٹے کر دیئے تھے انہوں نے اس کی بے حد تعریف کی ہے۔[1] ان مؤرخین نے جنگِ قادسیہ میں عربوں کی فتح کے اسباب یہ بتائے ہیں کہ ایک تو انہوں نے ہاتھیوں پر حملہ کر کے انہیں بے کار کر دیا دوسرے یہ کہ دورانِ جنگ میں عربوں کو برابر کمک پہنچتی رہی جس سے ان کے حوصلے بلند ہوتے رہے اور وہ بڑی جرأت و دلیری کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں لڑتے رہے، تا آنکہ ان پر فتح پائی۔

جب رستم کا تمام لشکر نہر کے دوسرے کنارے مسلمانوں کے بالمقابل پہنچ گیا تو اس نے باقاعدہ طور پر اس کی تنظیم کی اور لشکر کے ہر حصہ کے آگے جنگی ہاتھی کھڑے کئے۔ ایک سو ہاتھی قلب میں رستم کے ساتھ تھے پچھتر ہاتھی میمنہ میں، پچھتر میسرہ میں، بیس مقدمۃ الجیش میں اور تیس ساقہ میں تھے۔ ان کے اوپر ہودجوں میں قبائلی بیٹھے تھے۔

عربی لشکر کی ترتیب پانچویں روز کے چاند کی مانند تھی۔ لشکر میں خطیب جا بجا لوگوں کو صبر و استقلال کی

---

[1] "پرشیا" مصنفہ سجمن

تلقین کر رہے تھے۔ قرآنِ کریم کی وہ آیات بلند آواز سے پڑھ کر مجاہدین میں ایک نئی روح پھونک رہے تھے جن میں صبر کرنے والوں اور خدا تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ وہ ان کو بتا رہے تھے کہ وہ عرب ہیں جنہوں نے کبھی دشمن کے سامنے ذلت برداشت نہیں کی۔ کبھی کسی کے ظلم پر خاموش نہیں بیٹھے اور اب اگر انہوں نے دشمن کے مقابلہ میں کمزوری دکھائی تو یہ بات ان کے لئے انتہائی عار کا موجب ہوگی۔

سعد رض بن ابی وقاص عرق النسا کی تکلیف کے سبب خود میدانِ جنگ میں موجود نہیں رہ سکتے تھے۔ نہ گھوڑے پر سوار ہو سکتے تھے نہ چل پھر سکتے تھے اس لئے وہ ایک قدیم شاہی محل میں جو قصر عذیب کے نام سے مشہور تھا چلے گئے۔ یہ محل عین میدانِ جنگ کے کنارے واقع تھا۔ آپ اس عمارت کی چھت پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ گئے۔ اپنی جگہ اسلامی لشکر کا سردار خالد بن عرفطہ کو بنایا۔ بعض لوگوں نے خالد کو نائب سالار بنانے پر اعتراض کیا۔ جب حضرت سعد رض کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے محل کی چھت پر سے پکار کر معترضین سے کہا:

"خدا تعالیٰ کی قسم! اگر دشمن مقابلہ پر نہ ہوتا تو میں تمہیں سخت سزا دے اور دوسروں کے لئے نمونۂ عبرت بنائے بغیر نہ چھوڑتا۔"

اس کے بعد انہوں نے تمام علمبرداروں کے نام اس مضمون کا خط لکھا: "میں نے اپنی جگہ خالد بن عرفطہ کو تم پر سالار مقرر کیا ہے۔ میں اپنے درد کی وجہ سے مجبور ہوں ورنہ خود میدانِ جنگ میں حاضر رہتا۔ اس لئے تم پر ان کے ہر حکم کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جس امر کی ہدایت دیں گے میرے حکم سے دیں گے اور جو کچھ کریں گے میری رائے سے کریں گے۔"

جب حضرت سعد رض بن ابی وقاص کا یہ فرمان لشکر میں پڑھا گیا تو تمام لوگوں نے خالد کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا اقرار کیا۔ اگرچہ کمان خالد بن عرفطہ کے ہاتھ میں تھی لیکن سعد رض برابر انہیں ہدایات روانہ کرتے رہتے تھے۔ جو حکم دینا ہوتا تھا پرچوں پر لکھ کر اور گولیاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد انہی ہدایات کے مطابق عمل کرتے جاتے تھے۔

حضرت سعد رض نے لشکر کو مطلع کر دیا تھا کہ نمازِ ظہر کے بعد میں تین تکبیریں کہوں گا۔ تیسری تکبیر لڑائی شروع کرنے اور عام حملہ کرنے کی علامت ہوگی۔

جب مسلمانوں نے ظہر کی نماز پڑھ لی تو سعد رض نے تین تکبیریں کہیں۔ تمام لوگوں کی نظریں انہی کی طرف تھیں۔ دونوں طرف کے بہادر مبارزت کے لئے اپنے اپنے لشکروں سے باہر نکلے اور رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے ایک دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ چوتھی تکبیر پر عام حملہ شروع ہو گیا۔

---

(۵)

جنگِ قادسیہ کے تین دن

سعدؓ کا چوتھی تکبیر کہنا تھا کہ عربوں نے ایرانیوں پر زبردست حملہ بول دیا اور عام جنگ شروع ہوگئی۔ لیکن شروع ہی میں عربوں کے گھوڑوں کو ہاتھیوں کا سامنا کرنا پڑا جو ایرانیوں کے ہر حصّۂ فوج کے سامنے کھڑے تھے ایرانیوں نے عربوں کے قبیلۂ بجیلہ کے مقابلہ کے لئے ہاتھی آگے بڑھائے۔ عربوں کے گھوڑے ہاتھیوں کو دیکھ کر بدکے اور پیچھے کی طرف بھاگے اور کسی کے روکے نہ رُک سکے۔ جب سواروں نے یہ حالت دیکھی تو وہ اپنے گھوڑوں سے اتر آئے اور پیدل ہی تلواریں کھینچ کر دشمن کے مقابلہ میں آگئے۔ پیدل فوج بڑی بے جگری سے لڑی لیکن ہاتھیوں کے مقابلہ میں وہ بے بس تھی۔

سعدؓ محل کے اوپر سے یہ سب ماجرا دیکھ رہے تھے۔ پہلے انہوں نے قبیلہ بنی اسد کو بجیلہ کی مدد کے لئے بھیجا جو برچھیاں لے کر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ ایرانیوں نے ہاتھیوں کے حملہ کا سارا زور اب بنی اسد کی طرف کر دیا اور ان کے پانچ سو آدمی ہاتھیوں کے ریلے میں آکر روندے گئے۔ جب سعدؓ نے یہ دیکھا تو انہوں نے بنی تمیم کے سردار عاصم تمیمی کو بلا بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم سے ان ہاتھیوں کی کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی؟ انہوں نے اپنے قبیلہ بنی تمیم کے دو حصّے کئے۔ ایک حصّہ کو حکم دیا کہ وہ ہاتھیوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں پر

تیر چلا کر انہیں مار ڈالیں اور دوسرے حصّہ کو حکم دیا کہ وہ قریب جا کر ہاتھیوں کے ہودوں اور عماریوں کو الٹ دیں۔

چنانچہ تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کئے اور دوسرے لوگوں نے ہودوں اور عماریوں کو الٹ کر ان میں جتنے آدمی تھے ان سب کو قتل کر دیا۔

یہ لڑائی کچھ رات گئے تک جاری رہی۔ جب بالکل ہی اندھیرا چھا گیا تو دونوں فریق میدان سے ہٹے یہ قادسیہ کی لڑائی کا پہلا دن تھا جو "یوم ارماث" کہلاتا ہے۔

تمام رات مسلمان شہیدوں کو دفن کرتے اور زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھا اٹھا کر اپنے خیموں میں لاتے رہے۔ زخمیوں کی مرہم پٹی عورتوں نے کی جو کثیر تعداد میں اسی غرض کے لئے آئی تھیں۔ محض تھوڑا سا وقفہ فوج کو آرام کے لئے مل سکا۔

جب صبح ہوئی تو پتہ چلا کہ شام کی طرف سے مسلمانوں کے لئے کمک آ رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہؓ کو جو شام میں لڑنے والی فوجوں کے سردار تھے، حکم بھیجا تھا کہ دمشق کی فتح کے بعد عراق کے لشکر کو قادسیہ بھیج دیا جائے تاکہ وہ لڑائی میں سعدؓ کی مدد کر سکیں۔ چنانچہ ابو عبیدہؓ نے چھ ہزار فوج عراق روانہ کر دی۔ اس لشکر کے سردار ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص تھے۔ ہراول دستہ کے امیر قعقاع بن عمرو تھے۔ انہوں نے اپنی طبعی ذکاوت سے یہ محسوس کر لیا تھا کہ مسلمانوں کو قادسیہ میں فوری امداد کی ضرورت ہے اس لئے وہ اپنے دستہ کو لے کر تیزی سے سفر کرتے ہوئے عین اس موقع پر پہنچ گئے جب مسلمان رومیوں کے مقابلہ کے لئے تیار تھے۔

قعقاع نے ایرانیوں پر رعب ڈالنے کے لئے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے لشکر کے دس حصّے کر دئے۔ تھوڑے تھوڑے وقفہ سے یکے بعد دیگرے یہ دستے میدانِ جنگ میں پہنچتے رہے جس سے رومیوں کو یہ خیال پیدا ہو گیا کہ مسلمانوں کو متواتر اور لاانتہا کمک پہنچ رہی ہے جس سے ان پر خوف طاری ہو گیا۔

سب سے پہلے قعقاع پہنچے۔ انہوں نے آتے ہی ایرانیوں کو دعوتِ مبارزت دی۔ یکے بعد دیگرے ایرانیوں کے کئی بہادر ان کے مقابلہ کے لئے نکلے مگر سب مارے گئے۔ آخر عام مقابلہ شروع ہوا۔ مسلمانوں کے دل کمک پہنچ جانے سے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ بڑی بے جگری سے آگے بڑھے اور رومیوں کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ البتہ ہاتھیوں سے مفر کی کوئی صورت نہ تھی جو مسلمانوں کے گھوڑوں اور ان کی صفوں پر سیلاب کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ جس طرف بھی جاتے تھے کائی سی پھٹ جاتی تھی۔ ہاتھیوں کا طریقہ یہ تھا

کہ وہ اپنی سونڈ سے کسی آدمی کو پکڑتے اور زور سے سونڈ ہلا کر اسے کسی دوسرے آدمی پر دے مارتے تھے۔ دونوں آدمی زمین پر گر پڑتے تھے اور ہاتھی آگے بڑھ کر دونوں کو اپنے پاؤں تلے کچل دیتا تھا۔

آخر قعقاع کے ساتھیوں کو ایک نئی تدبیر سوجھی انہوں نے فوج میں جتنے اونٹ تھے ان سب کے اوپر بڑی بڑی کالی جھولیں اور برقعے ڈال دیئے جس سے ان کی صورتیں بڑی مہیب ہو گئیں اس کے بعد ان کو آگے بڑھایا۔ ایرانیوں کے گھوڑوں نے انہیں ہاتھی سمجھا اور وہ بدک کر پیچھے کی طرف بھاگے مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور سینکڑوں ایرانیوں کو مار گرایا۔ اس طرح ایرانیوں کو اس دن اسی قسم کی شکست کا سامنا کرنا پڑا جیسی ایک دن پہلے مسلمان اٹھا چکے تھے۔

دوسرے روز کی لڑائی نصف شب تک جاری رہی۔ اس میں دو ہزار مسلمان اور دس ہزار ایرانی مقتول و مجروح ہوئے اگرچہ ایرانیوں نے منہ کی کھائی تھی تاہم فتح و شکست کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا اور لڑائی اگلے دن کے لئے ملتوی ہو گئی۔ یہ دن "یوم اعواث" کہلاتا ہے۔

تیسرے روز دن چڑھنے سے پہلے ہی قعقاع نے اپنی فوج کے ایک دستہ کو صحرا کی طرف بھیج دیا۔ جب سورج طلوع ہوا تو وہ دستہ تلواریں چمکاتا اور نیزے ہلاتا میدان جنگ میں پہنچ گیا۔ ایرانیوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کو مزید کمک پہنچ گئی۔

آج کا معرکہ قادسیہ کی جنگ کا سب سے شدید معرکہ تھا۔ ہاتھی حسب معمول پھر میدان جنگ میں موجود تھے۔ مسلمانوں کو سب سے زیادہ تکلیف ان ہاتھیوں ہی کی وجہ سے تھی۔ سعدؓ نے چند ایرانیوں کو جو پہلے پارسی تھے مگر بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، بلایا اور ان سے پوچھا کہ ان ہاتھیوں کا کیا علاج کیا جائے انہوں نے رائے دی کہ ان کی سونڈیں اور آنکھیں بے کار کر دی جائیں۔ تمام ہاتھیوں میں دو ہاتھی بڑے دیو پیکر اور خوفناک تھے۔ ایک کا نام ابیض تھا اور دوسرے کا اجرب۔ سعدؓ نے قعقاع اور چند اور آدمیوں کو بلایا اور ان ہاتھیوں کو بے کار کرنے کا کام ان کے سپرد کیا۔ قعقاع نے پہلے کچھ سوار اور کچھ پیدل ہاتھیوں کے گرد بھیج دیئے جنہوں نے ان کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ پھر وہ ایک اور آدمی کو اپنے ساتھ لے کر فیل ابیض کی طرف بڑھے اور برچھیوں سے اس کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالیں ہاتھی درد سے بیتاب ہو کر پیچھے ہٹا یکایک قعقاع نے تلوار کا ایک ہاتھ مار کر اس کی سونڈ مستک سے الگ کر دی۔ دو اور آدمیوں نے

فیلِ اجرب کا یہی حال کیا۔ یہ دونوں ہاتھی پیچھے کی طرف بھاگے ان کو دیکھ کر باقی کے تمام ہاتھی بھی اپنی ہی فوج کو کچلتے ہوئے ان دونوں ہاتھیوں کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو اس مہیب بلا سے نجات ملی۔

اب لڑائی نے بڑی شدت اختیار کر لی۔ دونوں فوجیں ایک دوسرے کی صفوں میں گھس گئیں اور زبردست رن پڑنے لگا۔ دونوں فوجوں کے نعروں اور ایرانی فوج کے طبلوں سے کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی تھی۔ طبل اتنے زور سے بج رہے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا زمین دہل رہی ہے۔

رات قریب آچکی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے لڑائی بند ہوئی لیکن پھر دوبارہ شروع ہو گئی۔ جب دوبارہ لڑائی شروع ہوئی تو سعدؓ کا حکم تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے لیکن ایرانیوں نے تیر برسانے شروع کر دیے۔ اس پر قعقاع سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ اپنے جوش میں سعدؓ سے اجازت لئے بغیر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے آگے بڑھے۔ فوج کے دوسرے دستوں نے بھی ان کا تتبع کیا اور ساری کی ساری مسلمان فوج میدانِ جنگ میں آگئی۔ زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ اس رات سوائے گھوڑوں کے ہنہناہٹ اور تلواروں کی کھٹاکھٹ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ تمام رات سعدؓ کو کچھ پتہ نہ چل سکا کہ لڑائی کا کیا ڈھنگ ہے اور انہوں نے ساری رات انتہائی بے چینی اور بے قراری میں گزاری۔ صبح ہونے پر پتہ چلا کہ مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا جنگ کا تیسرا روز "یومِ عماس" کے نام سے پکارا جاتا ہے اور وہ رات "لیلۃ الہریر" کے نام سے۔

جب سورج چڑھا تو قعقاع نے بلند آواز سے پکار کر کہا: "مسلمانو! تھوڑی دیر کے لئے اور میدان میں جمے رہو۔ ابھی آدھا دن بھی نہیں گزرے گا کہ ایرانیوں کی شکست یقینی ہے۔" ان کی آواز پر قبائل کے رؤسا قعقاع کے گرد جمع ہو گئے اور مسلمانوں نے پھر ایرانی فوج پر شدت سے حملہ کر دیا۔ اس حملہ نے ایرانیوں میں مقابلہ کی تاب نہ چھوڑی۔ فوج کے دونوں بازوؤں کے پاؤں اکھڑنے لگے۔ ایک سخت حملہ نے ان کے قلب میں بھی ابتری پیدا کر دی اور سپاہی بھاگنے لگے۔

ایرانی فوج کا سپہ سالار رستم قلبِ لشکر میں اپنے تخت پر بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔ لشکر میں شکست کے آثار تو پیدا ہو ہی چکے تھے کہ یک لخت اس کے تخت کا اگلا حصہ کھل گیا۔ ایک زبردست آندھی کے جھونکے نے تخت کے شامیانہ کو اڑا کر نہر میں پھینک دیا۔ رستم بدحواس ہو چکا تھا، تخت سے اٹھ کر بھاگا اور نہر میں کود پڑا لیکن ہلال نامی ایک سپاہی نے نہر میں کود کر اس کی ٹانگ پکڑ لی اور باہر نکال کر تلوار سے کام

تمام کر دیا۔

جب ایرانیوں کو اپنے سپہ سالار کے مارے جانے کا علم ہوا تو ان میں کھلبلی مچ گئی اور وہ نہر کی طرف بھاگے لیکن ایرانی فوج کے ایک دستہ نے جو باقی فوج سے پہلے ہی پُل عبور کر کے نہر کے دوسری طرف پہنچ گیا تھا یہ خیال کر کے کہ کہیں مسلمان ہمارا تعاقب نہ کریں، پُل توڑ دیا تھا۔ ایرانی ہزیمت خوردہ فوج نے جب پُل ٹوٹا ہوا دیکھا تو وہ واپس پلٹی۔ لیکن مسلمانوں نے اس کو اپنی تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا اور دور دور تک ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل کرتے چلے گئے۔

قادسیہ کی لڑائی پورے تین دن تک جاری رہی۔ اس دوران میں ساٹھ گھنٹے تک اس طرح لڑائی ہوئی کہ درمیان میں فوجوں کو کچھ آرام کا موقع مل گیا لیکن تیس گھنٹے تک تو یہ عالم رہا کہ ایک منٹ کے لئے بھی بند نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے جو لڑائیاں لڑنی پڑیں یہ لڑائی ان میں سب سے زیادہ خونناک تھی جس کے نتیجہ میں بالآخر آلِ ساسان کی بساط لپیٹ دی گئی اور ایرانی شہنشاہی کا جس نے صدیوں بڑی شان و شوکت اور دبدبہ کے ساتھ ایران پر حکومت کی تھی، ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

ایران کی مشہور تاریخ ''پرشیا'' کا مؤلف بنجمن اپنی کتاب میں اس لڑائی کا حال اس طرح بیان کرتا ہے:

''لڑائی کے تیسرے روز شام کے وقت ایرانی سپہ سالار رستم نے جب دیکھا کہ اس کی فوج کا بُرا حال ہے تو اس نے فوج کو لے کر نہر عتیق عبور کر جانے کا ارادہ کیا۔ اس سے اس کی دو غرضیں تھیں ایک تو یہ کہ شدید جنگ و جدال کے بعد وہ اپنی فوج کو کچھ آرام دے سکے اور دوسری یہ کہ یہ نہر اس کے لشکر اور عربی فوج کے درمیان حائل ہو جائے۔

عربوں کو اس کے اس ارادے کا پتہ چل گیا اور انہوں نے زبردست حملے کر کے ایرانی فوج کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ تمام رات لڑائی ہوتی رہی۔ جب صبح ہوئی تو انفرادی حملے ایک عام حملہ میں تبدیل ہو گئے اس وقت موقعہ پا کر بعض ایرانی دستے نہر کو پار کر گئے۔ جب دن نکلا تو یکایک شدید آندھی اٹھی جس نے ایرانیوں کو اندھا کر دیا اور وہ عربوں کے مقابلہ میں پورے طور پر جم نہ سکے۔ عربوں نے اس فرصت کو غنیمت جانا اور شدت کے ساتھ ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کی صفیں تتر بتر کر دیں۔ اس کے بعد رستم کی طرف بڑھے

جو ایک تخت پر بیٹھا اپنے لشکر کو لڑا رہا تھا۔ رستم نے عربوں کو اپنی طرف آتے دیکھا تو بھاگنے کا ارادہ کیا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی۔ ہلال بن علقمہ نے تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا سر لے کر تمام لشکر میں پھرایا۔

جب ایرانیوں نے اپنے سپہ سالار کا یہ حشر دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے لیکن چند لوگوں نے میدان چھوڑنا اپنے لئے عار خیال کیا وہ ڈٹے رہے اور نہایت پامردی کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن کب تک یہ ایک ایک کر کے وہ سارے بہادر مسلمانوں کی تلواروں سے مارے گئے۔

بیشک معرکۂ قادسیہ میں ایرانیوں نے شکست کھائی۔ لیکن یہ شکست بھی ان کی سربلندی کی دلیل ہے انہوں نے بزدلی کی وجہ سے شکست نہیں کھائی، بلکہ اپنی پوری طاقت اور پوری جوانمردی سے غنیم کا مقابلہ کیا لیکن تقدیر ہی پلٹ چکی تھی اور تقدیر کے آگے کس کی چل سکتی ہے؟"

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کو بڑی بے چینی کے ساتھ اس جنگ کے نتیجہ کا انتظار تھا۔ انہیں یقین تھا کہ اسلام کا مستقبل اس جنگ سے وابستہ ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس میں فتح پائی تو ایرانی سلطنت کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا لیکن اگر خدانخواستہ انہیں شکست اٹھانی پڑی تو نہ صرف یہ کہ پسپا ہونا پڑے گا بلکہ ایرانی اور رومی دونوں سلطنتیں اپنی پوری قوت کے ساتھ عرب پر حملہ کر دیں گی اور عربوں میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ بہ یک وقت ان دونوں طاقتوں کے مقابلہ پر ٹھہر سکیں۔ دوسرے مسلمانوں سے بھی یہ بات پوشیدہ نہیں تھی۔ ہر شخص کی نگاہیں آسمان کی طرف لگی رہتی تھیں اور وہ بڑی بے چینی سے سعد رضؓ کے پیغام کے منتظر تھے۔

حضرت عمر رضؓ کو تو اس قدر بے چینی تھی کہ آپ روزانہ صبح کو مدینہ سے نکل کر قاصد کی راہ دیکھتے رہتے تھے جب دوپہر ہو جاتی تھی تب واپس آتے تھے۔ ایک روز حسبِ معمول آپ مدینہ کے باہر سعد رضؓ کے قاصد کا انتظار فرما رہے تھے کہ ایک سانڈنی سوار آتا دکھائی دیا۔ آپ آگے بڑھے اور اس سے حال پوچھا۔ اس نے فتح کی خوشخبری دی۔ آپ اس کی اونٹنی کے ساتھ دوڑتے جاتے تھے اور اس سے فتح کے حالات پوچھتے جاتے تھے جب مدینہ میں داخل ہوئے تو لوگوں نے آپ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرنا شروع کیا۔ اس وقت قاصد کو معلوم ہوا کہ جو شخص اس کے ساتھ ہے وہ کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ خود امیر المومنین ہیں، اس نے کہا:

"امیر المومنین! آپ نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتلایا؟ میرے پاس تو آپ کا ایک خط ہے۔"

چنانچہ اس نے سعدؓ بن ابی وقاص کا خط نکال کر آپ کو دیا۔ آپ نے تمام مجمع میں اسے پڑھ کر سنایا۔ اس میں لکھا تھا:

"خدا تعالیٰ نے ہمیں ایرانیوں پر ایک شدید جنگ کے بعد فتح دی ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو دشمنوں کی اس قدر زبردست فوج کا سامنا کرنا پڑا کہ پہلے کبھی نہ کرنا پڑا تھا۔ لیکن اس زبردست فوج سے ایرانیوں کو کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ انہیں شدید ہزیمت اٹھانی پڑی اور وہ بری طرح قتل ہوئے۔ مسلمانوں میں سے بھی بہت سے آدمی شہید ہوئے۔ شہداء میں سے بعض کے ناموں کا ہمیں پتہ ہے اور بعض کا نہیں......"

جب حضرت عمرؓ شہداء کے نام پڑھ رہے تھے تو ان پر رقت طاری تھی اور ان کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ آپ نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا:

"میری خواہش ہے کہ لوگوں کی جس قدر بھی ضروریات ہیں وہ سب پوری کر دوں تاکہ ہم سب برابر ہو جائیں میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں غلام بنانا چاہوں۔ میں خود خدا کا بندہ ہوں۔ میری خوش نصیبی ہوگی کہ میں اس طرح تمہاری خدمت کروں کہ تم بے فکر ہو کر اپنے گھروں میں سوؤ۔ اور میری بدبختی ہو گی اگر میری یہ خواہش ہو کہ تم اگر میرے دروازے پر حاضری دو۔ میں تمہیں تعلیم دینا چاہتا ہوں لیکن خالی باتوں سے نہیں بلکہ عمل سے۔"

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو خط لکھا جس میں انہیں حکم دیا کہ وہ سرحد کے ان زمینداروں کو ان کی زمینیں واپس کر دیں جنہوں نے اس آخری جنگ میں ایرانیوں کا ساتھ دیا۔ آپ کی دلیل یہ تھی کہ بیشک اس موقع پر انہوں نے ہم سے عہد شکنی کی لیکن اس عہد شکنی پر انہیں مجبور کیا گیا تھا۔ آپ نے سعدؓ کو حکم دیا کہ جو زمیندار یا کاشتکار اپنی زمین پر واپس آجائے اس پر جزیہ عائد کر کے اس کی زمین اسے واپس کر دی جائے تاکہ وہ اطمینان اور آرام سے اپنے کام میں مصروف ہو جائے۔ لیکن جو واپس نہ آئے اس کی زمین بطورِ غنیمت لے لی جائے۔

اس حکم کا یہ اثر ہوا کہ اکثر زمیندار اور کاشتکار اپنی اپنی زمینوں پر واپس آگئے اور مسلمانوں کے عدل و انصاف اور احترام حقوق و واجبات سے متمتع ہونے لگے۔

اکثر مؤرخین کا اندازہ ہے کہ جنگِ قادسیہ میں مسلمان شہداء کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ اس کے مقابلہ میں ایرانیوں کا نقصانِ جان مسلمانوں سے چار گنا زیادہ تھا۔ البتہ مسلمانوں کو جو مالِ غنیمت حاصل ہوا تھا،

اس کا کوئی شمار نہ تھا۔ اس غنیمت نے مسلمانوں کو ہکا بکا کر دیا کیونکہ انہوں نے اس سے پہلے اتنا مالِ غنیمت کبھی خواب میں بھی نہ دیکھا تھا۔ ہر سپاہی کو مالِ غنیمت میں سے ہزاروں درہم کے علاوہ قیمتی سامان اور اسلحہ بھی ملا۔

یہ معرکہ شعبان ۱۴ھ میں پیش آیا۔

---

(۶)

ایرانی شہنشاہی موت کے دروازہ پر

سعدؓ بن ابی وقاص نے فتح قادسیہ کے بعد دو مہینے تک آرام کیا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ مدائن[1] پر چڑھائی کریں۔ چنانچہ وہ اپنی فوجوں کی تنظیم اور سامانِ جنگ کی فراہمی کے بعد قادسیہ سے نکلے اور مدائن کا رخ کیا۔ سب سے پہلے انہیں "برس[2]" میں ایک ایرانی جمعیت سے مقابلہ پیش آیا جس کی قیادت مشہور ایرانی سردار ہرمزان کر رہا تھا۔ اسلامی لشکر نے ہرمزان کو شکست دی اور وہ اپنی فوجوں کے ساتھ حلہ کے شمال میں بابل کی طرف بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے وہاں بھی اس کا پیچھا کیا اور دوبارہ اس کو شکست دے کر اس کی قوت کو توڑ ڈالا۔

بقیۃ السیف ایرانی سپاہی تین حصوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک حصہ جنوب میں اہواز بھاگ گیا، دوسرا حصہ کسریٰ کی فوجوں سے جا ملنے کو مدائن چلا گیا اور تیسرے نے مشرقی جانب نہاوند کا رخ کیا۔

---

[1] مدائن ایران کا دارالحکومت تھا اور قادسیہ سے بجانب شمال ۳۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔

[2] برس قادسیہ اور حلہ کے درمیان ایک بستی ہے۔

سعدؓ بن ابی وقاص نے کچھ روز بابل میں قیام کیا۔ اس کے بعد ایران کے دار السلطنت مدائن کی طرف روانہ ہوئے۔ مدائن دریائے دجلہ کے دونوں جانب آباد تھا۔ جو حصہ بائیں کنارہ پر تھا اسے مشرقی مدائن اور جو دائیں کنارے پر تھا اسے مغربی مدائن کہا جاتا تھا۔ مغربی مدائن کو "بہرہ شیر" بھی کہتے تھے۔[1] "بہرہ شیر" پر پہنچ کر عربوں نے شہر کے سامنے منجنیقیں لگا دیں اور شہر کا زبردست محاصرہ کر لیا۔ بادشاہ نے صلح کا ارادہ کیا اور سعدؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ میں مغربی مدائن تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ تم آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کرو اور مشرقی مدائن ایرانیوں کے پاس ہی رہنے دو۔ لیکن حضرت سعدؓ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور فوج کو شہر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جب مسلمان شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ سارا شہر خالی پڑا ہے اور کسی متنفس کا اس میں نشان نہیں ملتا۔ معلوم ہوا کہ شہر والے دریا عبور کر کے مشرقی مدائن پہنچ چکے ہیں اور پل توڑ دیا ہے تاکہ مسلمان دریا عبور نہ کر سکیں۔

جب یزدجرد کو معلوم ہوا کہ مغربی مدائن مسلمانوں کے ہاتھ میں چلا گیا تو اس نے اپنے اہل و عیال اور خزانہ کو حلوان بھیج دیا اور خود بھی بھاگنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ سعدؓ نے حکم دیا کہ کشتیوں میں بیٹھ کر دریا پار کیا جائے لیکن کوئی کشتی نہ ملی کیونکہ ایرانی بھاگتے وقت انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ اسی اثناء میں ایک ایرانی سعدؓ کے پاس آیا اور انہیں مشورہ دیا کہ جس قدر جلد ہو سکے آپ دریا پار کر کے دوسرے کنارے پہنچ جائیں۔ ساتھ ہی ایک جگہ بھی بتائی جہاں سے دریا عبور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ دریا بڑی تیزی سے بہہ رہا تھا اس لئے سعدؓ کو تامل ہوا۔ وہ ایرانی دوبارہ سعدؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا "آخر آپ ہچکچا کیوں رہے ہیں؟ میں آپ کو صاف صاف بتلائے دیتا ہوں کہ اگر آپ نے مشرقی مدائن پہنچنے میں ذرا سی دیر بھی کی تو یزدجرد ہر وہ چیز جو مدائن میں ہے لے کر وہاں سے چلا جائے گا۔"

اس پر سعدؓ کو بھی گھبراہٹ پیدا ہوئی اور انہوں نے لشکر کو جمع کر کے کہا:

"تمہارے دشمن نے دریا کے دامن میں پناہ لی ہے لیکن تمہیں کسی چیز سے بھی، خواہ وہ کتنی ہی خوفناک کیوں نہ ہو، ڈرنا نہ چاہیئے۔ میری رائے یہ ہے کہ دنیا کمانے سے قبل تم اپنے دشمن سے جہاد کر کے اس کا سارا زور توڑ دو۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اس دریا کو عبور کر کے مدائن پر حملہ کیا جائے۔"

سارے لشکر نے بڑی خوشی سے اس بات کو قبول کر لیا۔ سعدؓ نے پوچھا بتاؤ تم میں سے کون کون شخص اپنے آپ

---

[1] تاریخ طبری

کو اس بات کے لئے پیش کرتا ہے کہ وہ اس دریا کو عبور کرے اور دوسرے کنارے پر جا کر قبضہ جمالے تاکہ باقی لوگ بھی بے خوف ہو کر دریا پار کر سکیں۔ اس غرض کے لئے عاصم بن عمرو اور چھ سو اور آدمیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ حضرت سعدؓ نے عاصم کو اس فوج کا سردار بنایا اور عاصم نے فوج کو دس حصّوں میں منقسم کیا۔ ہر حصّہ میں ساٹھ سوار تھے۔ اس کے بعد گھوڑے دریا میں ڈالنے کا حکم دیا جس کی تعمیل ہر سوار نے کی۔ ایرانیوں نے جو مسلمانوں کو اس طرح دریا پار کرتے دیکھا تو اپنی فوج سے چند سوار منتخب کئے۔ ان سواروں نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے اور مسلمان سواروں کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اس طرح وہ کنارے سے بہت دُور نکل آئے۔

جب ان کی مڈبھیڑ پہلے دستے سے ہوئی تو عاصم نے چلا کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار نکال کر ان سے لڑو۔ چنانچہ مسلمان سواروں نے پانی ہی میں ایرانیوں پر حملے شروع کر دیئے۔ ایرانی کنارے کی طرف پلٹے۔ ان کے پیچھے پیچھے عاصم بھی اپنے سواروں کو لے کر کنارے پر پہنچ گئے اور قبضہ کر لیا۔ جب سعدؓ نے یہ دیکھا کر عاصم کی فوج دوسرے کنارے پہنچ چکی ہے تو بقیہ فوج کو بھی اپنے گھوڑے دریا میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ سب لوگوں نے تعمیلِ ارشاد کی اور اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ گھوڑے لٹھوں کی طرح تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پہنچ گئے اور ساری فوج سلامتی کے ساتھ دریا پار کر گئی۔

جب ایرانیوں نے دیکھا کہ سعدؓ کا لشکر بڑھتا چلا آرہا ہے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اب شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہوئے بغیر نہیں رہے گا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ سعدؓ کا سارا لشکر کنارہ پر پہنچتا مدائن کے سارے لوگ اور یزدجرد کی ساری فوجیں شہر چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور حلوان جا کر پناہ لی جو ایران کا ایک شہر تھا۔ یزدجرد اور اس کے ساتھی اپنے محلّات چھوڑتے وقت ایوانِ کسریٰ کے سارے خزانے اور مال و متاع اپنے ساتھ نہ لے جا سکے۔ سب سے پہلے شہر میں عاصم بن عمرو کا دستہ داخل ہوا اس کے بعد قعقاع کا دستہ پہنچا۔ جب سعدؓ شہر میں داخل ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ بھاگتے ہوئے ایرانی لشکر کا تعاقب کیا جائے۔ اس کے بعد آپ ایوانِ کسریٰ میں داخل ہوئے۔ اب سعدؓ کی نظروں کے سامنے عظیم الشان محلّات اور شاندار باغات تھے لیکن ان کے مکینوں کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔ انہیں یہ دیکھ کر بے حد عبرت ہوئی اور بے اختیار ان کی زبان سے قرآن کریم کی یہ آیت نکلی:- کم ترکوا من جنات وعیون وزروع ومقام کریم ونعمة کانوا فیها فاکهین، کذالک واورثناها قوماً آخرین۔

"کافر بہت سے باغات، چشمے، کھیت، عمدہ مکانات اور آرام کا سامان چھوڑ گئے جس میں وہ بائیں بنایا کرتے تھے۔ یونہی ہونا تھا اور یہ سب سامان ہم نے دوسری قوموں کو عطا کر دیا۔"

آپ نے ایوانِ کسریٰ میں نمازِ شکرانہ ادا کی۔ دیواروں پر بے شمار تصاویر بنی ہوئی تھیں لیکن آپ نے انہیں یونہی رہنے دیا، چھیڑا تک نہیں۔ اسی ایوان میں بیٹھ کر شہنشاہ یزدجرد نے اسلامی سفارت کے سامنے عربوں کا نہایت تحقیر آمیز لہجہ میں اور شاہانِ کسریٰ کا نہایت فخر و مباہات کے ساتھ تذکرہ کیا تھا۔ وہی ایوانِ کسریٰ اب بھی موجود تھا لیکن یزدجرد اور اس کے مغرور درباریوں کا کہیں پتہ نہ تھا اور وہی حقیر و ذلیل عرب اب فاتحین کی حیثیت سے اس میں کھڑے تھے۔

ایوانِ کسریٰ عجائباتِ عالم میں شمار ہونے کے قابل تھا۔ اس میں ایسے ایسے نوادر جمع تھے جن کی نظیر نہیں مل سکتی تھی۔ ایوان میں سب سے اہم حصہ شہنشاہ کا ایوان تھا اس کی بلندی ایک سو اکیس قدم عرض بیاسی قدم اور طول ایک سو چونسٹھ قدم تھا۔ اس کی چھت پر ایک نیلا گنبد تھا جس میں جواہرات جڑے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اندھیری رات میں آسمان پر لاتعداد ستارے چمک رہے ہوں۔ ایوان کے فرش پر ایک قالین بچھا تھا جو ایرانی کاریگری کا ایک لاثانی نمونہ تھا۔ اس پر ایرانی جس قدر بھی فخر کرتے کم تھا۔ اس میں ہیرے جواہرات سے ایک باغ بنایا گیا تھا اس کی زمین سونے کی، سبزہ زمرد کا، جدولیں پکھراج کی، درخت سونے چاندی کے، پتے حریر کے، پھل جواہرات کے اور نہریں موتیوں کی بنی ہوئی تھیں۔ سعدؓ نے اس قالین کو خمس کے ساتھ مدینہ بھیج دیا جہاں حضرت علیؓ کے مشورے کے مطابق حضرت عمرؓ نے اسے کاٹ کاٹ کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

مدائن سے عربوں کو جو غنیمتیں حاصل ہوئیں ان کا کوئی شمار ہی نہ تھا۔ سونے چاندی کے پیالے، شاہانِ ایران کے مرصّع تاج اور ان کے مزرکشی کپڑے کسریٰ کے تخت کے آگے پڑے ہوئے تھے اور ان پرشکوہ اور پرہیبت محلات میں نادرۂ روزگار چیزوں کے سامنے عرب فاتحین مبہوت کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں کھچی ہوئی تھیں اور وہ بڑی حیرت کے ساتھ کبھی ان بلند و بالا محلات کی طرف نظر اٹھاتے تھے اور کبھی ان عجیب و غریب اشیاء کی طرف۔

مسلمانوں نے مدائن سے جو غنیمتیں حاصل کی تھیں مؤرخینِ عرب نے ان میں سے کئی چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ انہی چیزوں میں ایک اونٹنی تھی جو خالص سونے کی بنی ہوئی تھی، ایک گھوڑا تھا جو چاندی کا بنا ہوا تھا، مشک اور

دوسری خوشبوئیں تو اتنی بڑی مقدار میں تھیں جن کا کوئی شمار ہی نہیں۔ چنانچہ کافور کی کثرت کو دیکھ کر عرب یہ سمجھے کہ یہ نمک ہے۔ انہوں نے اسے اپنی ہانڈیوں میں ڈال لیا جب چکھا تو ساری ہانڈیاں گرانی پڑیں۔ سعدؓ نے تمام مالِ غنیمت ایک جگہ اکٹھا کیا اور خمس نکال کر باقی مال تیس ہزار مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم کی رُو سے ہر سوار کے حصہ میں بارہ ہزار درہم آئے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مدائن کی فتح کے موقعہ پر اکثر مسلمانوں کے پاس اپنے اپنے گھوڑے موجود تھے۔ بہت کم ایسے لوگ تھے جن کے پاس اپنے گھوڑے نہیں تھے۔

ایک اور قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ اگرچہ سارا مدائن عجیب عجیب چیزوں اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا لیکن کسی مسلمان سپاہی نے ان بیش قیمت چیزوں کو ناجائز طور پر اپنے پاس نہ رکھا بلکہ جو چیز انہیں ملی انہوں نے لے جا کر اپنے سپہ سالار سعدؓ بن ابی وقاص کی خدمت میں پیش کر دی۔ سعدؓ تو روزانہ ایسے نظارے دیکھتے ہی رہتے تھے لیکن جب کسریٰ کی تلوار جو ہیروں اور جواہرات سے مزین تھی اور دوسری بیش قیمت چیزیں جن کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کئے دیتی تھی حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کی گئیں تو جہاں حضرت عمرؓ ان کی خوبصورتی اور جمال پر عش عش کر اٹھے وہاں آپ کے دل پر اسلامی فوج کی عدیم المثال دیانت کا بھی بے حد اثر ہوا اور آپ نے کھلے مجمع میں اس دیانت وامانت کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا:

"امیر المومنین! جب آپ ہر قسم کی بددیانتی سے بچتے ہیں تو رعایا کیوں نہ بچے؟"

مدائن کی فتح کے بعد حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے مدائن کے گھر فوج میں تقسیم کر دیئے اور اپنے اور لشکر کے اہل وعیال کو قادسیہ سے بلا کر ان میں ٹھہرایا۔ ایرانیوں کے ہزیمت خوردہ سپاہی مدائن سے جلولا[1] پہنچے اور اپنی قوتوں کو ایک قریبی پہاڑ کے دامن میں مجتمع کرنے لگے وہ جگہ لڑائی کے لئے نہایت ہی موزوں تھی جلولا سے کسریٰ نے بھی انہیں سامانِ جنگ اور کمک بھیجنی شروع کی۔ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو جب ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے ساری کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ وہ ہاشم بن عتبہ کو بارہ ہزار فوج دے کر جلولا روانہ کر دیں۔ مقدمۃ الجیش پر قعقاع، میمنہ پر مسعر بن مالک، میسرہ پر عمرو بن مالک اور

---

[1] آج کل اس جگہ کو قزل رباط کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہ بغداد سے چھیانوے میل دور بجانب مشرق واقع ہے پرانے زمانہ میں اور موجودہ زمانہ میں بھی اس شہر سے قافلے گزرا کرتے ہیں۔

ساقہ پر عمرو بن مرہ کو مقرر کیا جائے۔ چنانچہ ہاشم لشکر لے کر روانہ ہو گئے جس میں مہاجرین، انصار اور دیگر عرب قبائل کے سرکردہ اشخاص شامل تھے۔ جلولاء پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا گیا۔ ایرانی وقتاً فوقتاً شہر سے باہر نکل کر حملہ کرتے تھے، ان حملوں کا سلسلہ دو ماہ تک جاری رہا اور اس مدت میں اسی معرکے پیش آئے۔

سعدؓ برابر مسلمانوں کو کمک روانہ کرتے رہتے تھے۔ جب ایرانیوں نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں کی جمعیت روز بروز بڑھتی ہی جاتی ہے تو انھوں نے اپنے قلعوں سے نکلنے اور میدانِ جنگ میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ٹھان لی۔ ایرانی فوج باہر نکلی اور مسلمانوں کے سامنے صف آراء ہو گئی۔ قعقاع نے اپنے دستے کو ایرانیوں پر زبردست حملہ کرنے کا حکم دیا۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں ایرانیوں نے بڑی بہادری، جرأت اور ثابت قدمی کا ثبوت دیا لیکن آخر تاب نہ لا سکے۔ ان کے قدم اکھڑنے لگے اور انھوں نے بھاگنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور ان کو "جبال" سے بھی پرے دھکیل دیا۔ مورخین کے قول کے مطابق اس لڑائی میں ایک لاکھ ایرانی مارے گئے۔

اس لڑائی میں بے شمار و بے حساب مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ ہزاروں ایرانیوں کو قیدی بنا لیا گیا لیکن حضرت عمرؓ نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

زیاد بن ابیہ مالِ غنیمت کا خمس اور فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ آئے تھے۔ آپ نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ سارا حال امیر المومنین سے بیان کیا کہ کس طرح مسلمانوں کو اس جنگ میں تکالیف اٹھانی پڑیں اور کس طرح خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تم نے جس فصاحت و بلاغت سے فتح کا حال میرے سامنے بیان کیا ہے کیا مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟

زیاد نے جواب دیا۔ "امیر المومنین! دنیا میں سب سے زیادہ رعب جس شخص کا میرے دل میں ہے وہ آپ ہیں، اگر میں آپ کے سامنے یہ حال بیان کر سکتا ہوں تو دوسروں کے سامنے کیوں نہیں کر سکتا؟"

چنانچہ وہ حضرت عمرؓ کے حکم سے مسجد میں منبر پر کھڑے ہوئے اور فتح کا تمام حال اس فصاحت و بلاغت سے بیان کیا کہ معرکہ کی تصویر لوگوں کے سامنے کھینچ دی۔

حضرت عمرؓ بے اختیار بول اٹھے۔ "خطیب اس کو کہتے ہیں۔"

زیاد نے کہا۔ "امیر المومنین! ہمارے بہادروں کے کارناموں نے ہماری زبانوں کو کھول دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ کاشتکاروں کو ان کے حال پر باقی رہنے دیا جائے، اپنی جگہ سے

انہیں ہٹایا نہ جائے، سوائے ایسے لوگوں کے جو مسلمانوں سے لڑیں یا دشمن کی طرف بھاگ جائیں۔ اس حکم سے حضرت عمرؓ کی دور اندیشی کا پتہ چلتا ہے۔ آپ چاہتے تھے کہ زمین پر ہمیشہ موروثی مزارعین کو آباد رکھا جائے تاکہ وہ اس کی نگہداشت کر سکیں اور مسلمان جو جنگوں میں مشغول رہتے ہیں اور جنہیں کاشت کرنے کے لئے کوئی موقعہ نہیں مل سکتا اس کی پیداوار سے فائدہ حاصل کر سکیں۔

اگرچہ ان پے در پے اسلامی فتوحات سے ایرانیوں پر زبردست خوف وہراس طاری ہوچکا تھا اور وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اب چند دنوں میں تمام ایران پر عربوں کا قبضہ ہونے والا ہے تاہم ان میں بہادری، جرأت اور وطنیت کی روح بہت زیادہ تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے دارالحکومت اور اپنی سلطنت کے ایک بہت بڑے حصہ پر مسلمانوں کے قبضہ کو نظرانداز کرتے ہوئے تکریتؔ[1] میں ان کے مقابلہ کی تیاری کی اور وہاں ہتھیار اور لشکر جمع کرنے شروع کئے۔ جب سعدؓ کو پتہ چلا تو انہوں نے "عبداللہ بن المعتم" کو ان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ ایرانی قلعہ تکریت میں محاصرہ نشین ہو گئے۔ قلعہ میں ایرانیوں کے علاوہ عرب کے عیسائی قبیلوں ایاد، تغلب اور نمر کی بھی ایک بھاری جمعیت موجود تھی۔ عبداللہ نے پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا، قلعہ کے نصاریٰ موقعہ بموقعہ قلعہ سے باہر نکلتے اور اسلامی لشکر پر حملہ کرتے لیکن ہر بار انہیں ہزیمت اٹھانی پڑتی۔ جب ایرانیوں نے یہ حال دیکھا تو انہوں نے قلعہ چھوڑ کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ جب اسلامی لشکر کے سالار کو ان کے اس ارادہ کا پتہ چلا تو انہوں نے عرب عیسائیوں سے خفیہ تعلق قائم کر کے انہیں اپنی طرف مائل کر لیا۔ وہ لوگ اسلام لے آئے اور انہوں نے اسلامی لشکر کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ طے یہ پایا کہ جب مسلمان قلعہ پر حملہ آور ہوں اور ایرانی بھاگنے کا ارادہ کریں تو یہ نومسلم پیچھے سے ان پر حملہ کر دیں اور انہیں بچ کر نکلنے میں کامیاب نہ ہونے دیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ایرانی دو پاٹوں کے بیچ میں پس کر رہ گئے۔ مسلمان قلعہ پر قابض ہو گئے اور اس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط فوج متعین کر دی گئی۔

سعدؓ نے ماسبذان (جسے آج کل کرکوک کہتے ہیں) کے علاقہ کو فتح کرنے کے لئے ضرار بن خطاب کی سرکردگی میں ایک لشکر روانہ کیا۔ انہوں نے اس کو فتح کر لیا ایک اور دستہ جس کے سردار عمر بن مالک تھے قرقیساء اور ہیت کی طرف روانہ ہوگیا اور یہ دونوں مقامات بھی بآسانی فتح ہو گئے۔

---

[1] عراق کا مشہور شہر ہے اور دجلہ کے دائیں کنارے پر بغداد سے ۱۰۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

ان فتوحات کے بعد عراق میں ایرانی جنگوں کا خاتمہ ہو گیا۔ ایرانی مغرب کی طرف چلے گئے اور فارس و عراق کے درمیانی پہاڑوں میں جا کر پناہ گزین ہوئے۔ اس طرح سارا عراق اسلامی جھنڈے تلے آ گیا۔

جب حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے ان جدید فتوحات کی خبر امیرالمومنین کو بھیجی تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ ایک دستہ کو ابلہ[1] فتح کرنے کے لیے بھیجیں تا کہ اس راستے سے ایرانیوں کو کوئی مدد نہ پہنچ سکے۔ جنوبی جانب سے مسلمان فوج کا خط رجعت محفوظ رہے اور اسے کسی حملہ کا خطرہ باقی نہ رہے۔

سعدؓ نے عتبہ بن غزوان کو ابلہ فتح کرنے بھیجا جنہوں نے اسے فتح کر کے اس کے قریب ہی حضرت عمرؓ کے حکم سے بصرہ شہر کی بنیاد رکھی اور اس میں فوجوں کو ٹھہرایا۔ اس طرح بصرہ اہواز[2] اور خلیج فارس کے علاقہ کے لیے فوجی چھاؤنی بن گیا۔

حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی ۱۷ھ میں عراق میں ایک دوسرے شہر کوفہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ اس شہر کے بسانے کی وجہ یہ تھی کہ مدائن کی آب و ہوا اسلامی فوجوں کو سازگار نہ آئی وہ وہاں بے حد کمزور ہو گئے اور ان کی صورتیں بدل گئیں۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ کوئی جگہ تلاش کرو جسے بحری اور بری دونوں حیثیتیں حاصل ہوں اور وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا نہ پڑتا ہو۔ انہوں نے اس جگہ کا انتخاب کیا جہاں آج کل کوفہ آباد ہے۔ یہاں سے فرات ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی منظوری دے دی اور یہاں کوفہ شہر آباد کر کے اسے فرات اور دجلہ کے علاقہ کی فوجی چھاؤنی بنا دیا گیا۔

کوفہ حیرہ سے ساڑھے میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اس دوران میں ایرانیوں کا مشہور سردار "ہرمزان" اہواز میں مقیم تھا اور وقتاً فوقتاً اسلامی علاقے پر حملے کرتا رہتا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح فوجی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا کرتا رہے۔ حضرت عمرؓ نے عتبہ ابن غزوان کو جو بصرہ میں اسلامی فوجوں کے سردار تھے حکم بھیجا کہ ہرمزان سے جنگ کی جائے۔ اُدھر سعدؓ کو لکھا کہ عتبہ کے پاس کمک بھیجو۔ عتبہ کا مقابلہ ہرمزان سے ہوا، ہرمزان نے شکست کھائی اور اہواز و مہرجان کا علاقہ مسلمانوں کو دے کر صلح کر لی۔

---

[1] ابلہ خلیج فارس کے علاقہ میں ایک مضبوط سرحدی قلعہ اور بندرگاہ تھی۔

[2] اہواز خوزستان کے صوبہ میں بصرہ کی حدود پر واقع تھا۔

کچھ عرصے کے بعد سرحد کی تعیین کے سلسلے میں مسلمانوں اور ہرمزان میں اختلاف پیدا ہوا اس نے صلح توڑ دی اور کردوں کو اپنے ساتھ لے کر مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ عتبہ نے امیر المومنین سے دوبارہ ہرمزان سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی اور کچھ کمک بھی روانہ کی۔ چنانچہ عتبہ اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور ہرمزان کو شکست دے کر اہواز کے اکثر علاقہ پر قابض ہو گئے لیکن ہرمزان پھر مسلمانوں کے مقابلہ پر آموجود ہوا۔

جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ان اسباب کا پتہ چلانا چاہا جن کی وجہ سے ہرمزان دوبارہ نقضِ عہد کا مرتکب ہوا۔ امیر المومنین کا ذہن اس طرف گیا کہ جب تک ذمی لوگ ہرمزان کے ساتھ بغاوت میں شریک نہ ہوں اس وقت تک ہرمزان نقضِ عہد کی جرأت نہیں کر سکتا اور ذمیوں کی بغاوت کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مسلمان فاتحین ان پر ظلم و ستم کرتے ہوں گے۔ اس معاملہ کی تحقیق کے لئے آپ نے کوفہ کے معززین کا ایک وفد طلب فرمایا۔ چنانچہ دس آدمی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے یہی سوال کیا کہ کیا مسلمان ذمیوں پر ظلم و ستم تو نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا، "ہرگز نہیں ہرمزان کی بغاوت بغیر کسی سبب کے ہے اور ذمیوں سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا ہے۔"

جب حضرت عمرؓ کو اچھی طرح اطمینان ہو گیا تو آپ نے عتبہ کو ایک خط لکھا:

"مسلمانوں کو ظلم سے دور رکھو اور ذمیوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری طرف سے کوئی زیادتی ہونے پر اہلِ ذمہ بغاوت اور سرکشی پر کمر باندھ لیں۔ تمہیں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے وفاءِ عہد کی وجہ سے دیا ہے لہٰذا وفاءِ عہد کا ہمیشہ خیال رکھو اور اہلِ ذمہ کے ساتھ حسنِ سلوک میں خدا کے احکام پر چلو اگر تم نے ایسا کیا تو خدا تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہوگا۔"

واقعہ یہ ہے کہ ہرمزان کی بار بار عہد شکنی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ مسلمان ذمیوں پر ظلم کرتے تھے بلکہ اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ کسریٰ کے بادشاہ یزدجرد کا کس بل ابھی پوری طرح نکلا نہیں تھا وہ مرو میں مقیم تھا۔ عربوں نے تمام مملکتِ ایران پر ابھی قبضہ کیا نہیں تھا وہ برابر ان علاقوں کے لوگوں کو جن پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا خفیہ خطوط بھیج کر انہیں بغاوت اور عہد شکنی پر ابھارتا رہتا تھا۔ اس نے فارسؔ کے سرداروں کو بھی عربوں کے خلاف

ؔ وہ علاقہ جو اصفہان، بحرِ فارس، کرمان اور عراق کے درمیان واقع ہے۔

لڑنے کے لئے آمادہ کر دیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فارس اور خوزستان کے سرداروں نے باہم خط و کتابت کر کے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یزدجرد نے بھی ان کی مدد کے لئے فوج بھیجی۔

حضرت عمر رض کو جب ان واقعات کی اطلاع ملی تو آپ نے سعد رض بن ابی وقاص کو کوفہ اور ابو موسیٰ اشعری رض کو بصرہ خط لکھے کہ وہ دو لشکر اہواز روانہ کر دیں۔ کوفہ سے نعمان بن مقرن روانہ ہوئے اور بصرہ سے سہیل بن عدی۔ نعمان بن مقرن رامہرمز پہنچ کر ہرمزان کے مقابل ہوئے اور اس کو شکست دی۔ ہرمزان شکست کھا کر تستر بھاگ گیا نعمان بن مقرن اپنی فوج کو لے کر تستر پہنچے وہاں بصرہ کی فوج بھی ان سے آملی۔ دونوں فوجوں نے مل کر شہر کا محاصرہ کر لیا جو ایک مہینہ تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں ہرمزان اور اسلامی فوجوں کے درمیان برابر چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوتی رہیں۔ آخر کار مسلمان غالب آ گئے اور انہوں نے "تستر" پر قبضہ کر لیا۔ ہرمزان نے اس شرط پر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کرنا منظور کیا کہ اسے امیر المومنین کے پاس مدینہ پہنچا دیا جائے۔ مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اسے ایک فوجی دستہ کی حفاظت میں مدینہ روانہ کر دیا۔

جب ہرمزان کو حضرت عمر رض کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اس سے پوچھا:

"تم بار بار معاہدے کر کے انہیں توڑتے کیوں رہے؟"

جواب دینے سے قبل اس نے پینے کے لئے پانی مانگا۔ چنانچہ اسے پانی کا پیالہ دیا گیا۔ اس نے کہا "مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں پانی پینے کی حالت ہی میں قتل نہ کر دیا جاؤں۔"

حضرت عمر رض نے فرمایا:

"نہیں۔ جب تک تم پانی نہ پی لو گے قتل نہیں کئے جاؤ گے۔"

ہرمزان نے پانی کا پیالہ زمین پر رکھ دیا اور کہنے لگا:

"مجھے پانی پینے کی ضرورت نہیں ہے میں تو امان لینا چاہتا تھا۔"

حضرت عمر رض نے کہا:

"میں تو تجھے ضرور قتل کروں گا۔"

اس نے جواب دیا:

"آپ تو مجھے امان دے چکے۔"

حضرت عمر رض نے کہا "تم جھوٹ کہتے ہو۔"

لیکن حاضرین مجلس نے کہا: "امیر المومنین! آپ نے جو الفاظ اس سے فرمائے تھے ان سے اس کو امان مل گئی۔"

چنانچہ اسے امان دے دی گئی، وہ اسلام لے آیا اور حضرت عمرؓ نے اسے مدینہ میں رہنے کی اجازت مرحمت فرما دی۔

بار بار کے تجربوں سے حضرت عمرؓ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ مسلمان عراق میں اور حدودِ فارس پر اس وقت تک چین کی نیند نہیں سو سکتے اور انہیں اس وقت تک اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں ہو سکتا جب تک شاہِ ایران ان کے قرب و جوار میں موجود ہے وہ اپنی قوم کے لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتا رہے گا اور بغاوتیں پھوٹتی رہینگی اس لئے آپ نے تہیہ کر لیا کہ یزدجرد کو سرزمینِ ایران سے بھی نکال دیا جائے۔ اسی اثنا میں آپ کو یہ خبر ملی کہ اہلِ نہاوند مسلمانوں سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ وہ اپنا لشکر ساتھ لے کر سرزمینِ ایران پر چڑھائی کر دیں اور اس وقت تک دم نہ لیں جب تک کلی طور پر ایران سے شہنشاہی کا خاتمہ نہ ہو جائے اور فتنہ بیخ و بن سے اکھاڑ کر نہ پھینک دیا جائے۔

---

(۷)

سلطنتِ ایران کا خاتمہ

جس زمانہ میں اسلامی فوجیں عراق میں پے در پے فتوحات حاصل کر رہی تھیں اس زمانہ میں بحرین کے عامل علاء بن الحضرمی تھے۔ انہیں ان فتوحات کا حال معلوم ہوا تو خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ان کے دل میں بھی پیدا ہوا اور انہوں نے خلیفہ کی اجازت کے بغیر بحرین سے ایک فوج سمندر کے راستے فارس پر حملہ کرنے کے لئے بھیج دی۔ لیکن اصطخر پہنچنے پر اس فوج کو ایرانیوں کے زبردست لشکر کا سامنا کرنا پڑ گیا۔ ایرانی فوج کی ایک زبردست جمعیت اسلامی فوج اور مسلمانوں کی کشتیوں کے درمیان حائل ہو گئی۔ خشکی کے راستے بھی سارے مسدود کر دئے اور مسلمان طاؤس کے مقام پر محصور ہو کر رہ گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ نے امیر بصرہ عتبہ بن غزوان کو حکم بھیجا کہ وہ علاء بن حضرمی کی مدد کے لئے لشکر بھیجیں۔ انہوں نے ایک زبردست جمعیت ابو بسرہ کی سرکردگی میں فارس بھیجی۔ اس فوج نے جا کر علاء بن حضرمی کی فوج کو ایرانیوں کے محاصرہ سے نکالا اور دونوں فوجیں بحرین اور بصرہ واپس آگئیں۔ اس جرم کی سزا میں حضرت عمرؓ نے علاء بن حضرمی کو بحرین کی امارت سے ہٹا دیا۔

حضرت عمرؓ کو عراق کی طرف سے تو اطمینان ہو گیا تھا لیکن جزیرہ کا صوبہ جو فرات اور دجلہ کے درمیان واقع ہے

ابھی تک ایرانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اس کے جنوب میں ربیعہ کے عربی قبائل آباد تھے اور مغرب میں مضر کے قبائل۔ اگر جزیرہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو یہاں سے ایرانی پھر ریشہ دوانی کر کے ان قبائل کو مسلمانوں کے خلاف اُبھار سکتے تھے۔ اس لئے حُسنِ سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ ان عربی قبائل کو تو پورے طور پر جدید اسلامی مملکت میں شامل کر لیا جاتا اور جزیرہ کو مطیع بنا لیا جاتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ جزیرہ کو فتح کرنے کے لئے فوجیں بھیجی جائیں۔ اس حکم کی تعمیل میں حضرت سعدؓ نے عیاض بن غنم کو ایک فوج دے کر جزیرہ کی طرف بھیجا یہ وہی عیاض بن غنم ہیں جنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے شمالی عراق پر چڑھائی کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا اور ان کے ساتھ حضرت خالدؓ بن ولید کو جنوبی عراق کی فتح پر مامور کیا تھا۔

حضرت عیاضؓ بن غنم فوج لے کر جزیرہ کی جانب روانہ ہوئے اور رہا پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہاں کے اکثر باشندے عیسائی تھے، انہوں نے جزیہ پہ صلح کر لی۔ رہا کو فتح کرنے کے بعد عیاضؓ حران کی طرف بڑھے اور اسے بھی فتح کر لیا۔ پھر نصیبین پہنچے اور اس پر بآسانی قابض ہو گئے۔ اس کے بعد دیارِ بکر کا رُخ کیا اور اس علاقہ کو بھی فتح کر لیا۔ دراصل جزیرہ کے عربوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کے پاس چونکہ طاقت نہیں ہے اس لئے وہ لڑائی میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کی متابعت تو قبول کر لی لیکن جزیہ دینے سے معذوری ظاہر کی، اس لئے کہ یہ بات ان کی برداشت سے باہر اور حمیت کے برخلاف تھی کہ وہ اپنے ہم قوم عربوں کو جزیہ دیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی عربی وحدت کو قائم رکھنے اور قبائلِ عرب کی عصبیت کو تقویت پہنچانے کے لئے یہ منظور فرما لیا کہ ان سے جزیہ کے نام سے کوئی رقم وصول نہ کی جائے لیکن اس کی بجائے جزیہ سے دوگنی رقم صدقہ کے نام سے وصول کی جائے گی۔ ان قبائل نے اس شرط کو قبول کر لیا اور حضرت عمرؓ نے انہیں اپنی زمینوں پر واپس آنے اور کھیتی باڑی کرنے کی اجازت دے دی۔

۲۱ھ تک عربوں اور ایرانیوں میں مقابلہ جبل حمرین کے مغرب میں عراق عرب اور جنوب میں اہواز اور اصطخر کے علاقوں تک محدود رہا۔ حضرت عمرؓ نہ چاہتے تھے کہ اسلامی فوجیں اپنا قدم اور آگے بڑھائیں لیکن یزدجرد شاہِ ایران اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کو دوبارہ حاصل کرنے کا زبردست خواہشمند تھا اس لئے وہ قبائل کو عربوں کے خلاف بغاوت کرنے پر برابر اکساتا رہا اور ان کی مدد کے لئے فوجیں بھی بھیجتا رہا۔ آخر حضرت عمرؓ نے اس فتنہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکنے کا تہیہ کر لیا۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمان عراق اور اطرافِ فارس میں

اس وقت تک اطمینان سے نہ بیٹھ سکیں گے جب تک یزدجرد اور اس کے لشکر کا خاتمہ نہ کر دیا جائے۔

اسی دوران میں آپ کو یہ خبر بھی ملی کہ نہاوند کے قریب ایرانی فوجوں کا ایک لشکرِ جرار مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہو رہا ہے۔ یہ خبر سُن کر حضرت عمرؓ نے عاملِ بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ آپ کے پاس جتنی فوج ہے اسے لے کر ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو جائیے۔ کوفہ کے عامل حذیفہ بن یمان کو بھی اسی مضمون کا خط لکھا۔ ان دونوں لشکروں کا امیر نعمان بن مقرن کو مقرر کیا اور انہیں لکھا:

"مجھے خبر ملی ہے کہ ایرانیوں کا ایک کثیر لشکر تمہارے مقابلہ کے لئے نہاوند میں جمع ہوا ہے۔ جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت پر بھروسہ کرتے ہوئے اسلامی لشکر کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ دیکھو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سختی نہ کرنا جس سے انہیں تکلیف پہنچے، کسی کا حق نہ مارنا اور انہیں ہمیشہ خطرناک مواقع سے بچانا کیونکہ میرے نزدیک ایک مسلمان کی جان ایک لاکھ دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔"

جب حضرت نعمانؓ کو یہ خط ملا تو وہ تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ کوفہ سے روانہ ہوئے۔ ان کے لشکر میں کئی بڑے بڑے صحابہؓ اور قبائلِ عرب کے سردار شامل تھے۔ لشکر نے نہاوند کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈال دئے۔ نہاوند جبالِ حمرینؔ[1] کے دامن میں واقع ہے۔ ایرانیوں نے جنگ کی زبردست تیاریاں کی تھیں اور اپنے اردگرد خندقیں کھود لی تھیں۔ نعمانؓ نے اپنے جاسوسوں کو بھیجا کہ وہ تمام حالات کا پتہ چلائیں۔ جاسوس خبر لے کر آئے کہ ایرانیوں نے قلعہ کے چاروں طرف کانٹے بچھا دئے ہیں اور اپنے خیال میں بڑے محفوظ ہو کر بیٹھے ہیں۔

نہاوند میں نعمانؓ کو برابر کمک پہنچ رہی تھی وہ لوگ جو قادسیہ کی جنگ میں حاضر نہیں تھے اور اس میں شرکت کے فخر سے محروم رہ گئے تھے انہوں نے اس داغ کو مٹانے کے لئے دھڑا دھڑ نہاوند پہنچنا شروع کیا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جس طرح جنگِ قادسیہ کے نتیجہ میں عرب عراق کے طول و عرض، فارس کی حدود اور اس کے اطراف و جوانب حتیٰ کہ دارالحکومت ایران "مدائن" پر قابض ہو گئے تھے اسی طرح جنگِ نہاوند کے نتیجہ میں ان کے لئے تمام ملک ایران کو فتح کرنے کا راستہ صاف ہو گیا۔

---

[1] جبالِ حمرین موجودہ زمانہ میں عراق اور ایران کی حدِ فاصل ہے۔

نعمان نے اپنے لشکر کی تنظیم کی۔ میمنہ پر حذیفہ بن یمان، میسرہ پر سوید بن مقرن، مقدمہ پر نعیم بن مقرن، مجردہ پر قعقاع اور ساقہ پر مجاشع بن مسعود کو مقرر کیا اور خود قلب لشکر کی قیادت سنبھالی۔

ایرانی قلعہ بند تھے کبھی کبھی شہر سے نکل کر حملہ آور ہوتے اور پھر قلعہ میں گھس جاتے۔ اسی طرح کئی دن گزر گئے اور کوئی نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔ مسلمان سرداروں نے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیئے۔ آخر یہ تجویز ہوئی کہ کل صبح مسلمانوں کا ایک دستہ ایرانیوں سے لڑنے کے لئے جائے اور جب لڑائی شروع ہو تو اس طرح آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتا رہے جس سے ظاہر ہو کہ اس میں ایرانیوں سے لڑنے کی تاب نہیں ہے۔ یہ دیکھ کر ایرانی ان پر دباؤ ڈالتے ہوئے آگے بڑھتے چلے آئیں گے۔ جب وہ اصل اسلامی لشکر کے قریب آ جائیں تو چند دستے ان کی پشت پر جا کر ان کا راستہ کاٹ دیں اور پھر ان پر دونوں جانب سے حملہ کر دیا جائے۔ اس طرح ایرانی دونوں طرف سے گھر جائیں گے اور ان کے لئے بھاگنے کی کوئی صورت نہ رہے گی۔

اس تجویز کے مطابق نعمانؓ نے قعقاعؓ کو ایرانیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا انہوں نے اسی حکمت عملی سے کام لیا اور اپنے دستہ کے ساتھ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے رہے۔ ایرانیوں نے خیال کیا کہ مسلمان ہمارے حملہ کی تاب نہ لا کر پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ وہ اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کو دھکیلتے ہوئے اپنے قلعہ کی حدود سے باہر نکل آئے۔ قلعہ میں سوائے پہرہ داروں کے اور کوئی باقی نہ رہا۔

قعقاع پیچھے ہٹتے ہوئے اس جگہ تک آ گئے جہاں نعمان کی قیادت میں باقی اسلامی لشکر چھپا ہوا تھا۔ نعمان نے حکم دے دیا تھا کہ جب تک وہ حکم نہ دیں کوئی شخص اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ اسلامی لشکر نے اپنے سردار کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ ایرانی برابر تیر برسا رہے تھے اور ان کی تیر باری سے سینکڑوں مسلمان شہید ہو گئے تھے لیکن جب تک نعمان نے حکم نہ دیا کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ دوپہر ڈھلنے کے بعد نعمان نے دستور کے مطابق تین نعرے لگائے تیسرے نعرے پر فوج نے ایرانیوں پر زبردست حملہ کر دیا۔ ایرانی فوج دونوں طرف سے مسلمانوں کے نرغہ میں آ گئی تھی لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ دونوں فوجوں میں شدید مقابلہ ہوا اور کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ ایسی ہولناک لڑائی پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ زوال سے لے کر جھٹپٹے تک اتنے ایرانی قتل ہوئے کہ ان کی لاشوں سے میدان پٹ گیا اور اس قدر خون بہا کہ سپاہی تو علیحدہ رہے گھوڑوں تک کے پیر پھسلنے لگے۔ چنانچہ امیر لشکر نعمان کا گھوڑا پھسلا اور وہ بھی اس کے ساتھ زمین پر گرے۔ زخموں سے پہلے ہی چور تھے جانبر نہ ہو سکے ان کے بھائی سوار نے جب یہ دیکھا تو خود ان کا لباس پہن لیا۔ جھنڈا حذیفہ بن یمان نے پکڑ لیا۔ اس طرح لوگوں کو

نعمان کی شہادت کا پتہ نہ چلا اور مسلمان یہ سمجھتے ہوئے کہ ہمارا سردار ہمیں لڑا رہا ہے، بے جگری سے لڑتے رہے رات ہوئی تو جنگ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری تھا۔ ایرانیوں نے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ لیکن ان کا بھاگنا بالآخر ان کی طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ قعقاع نے ایرانیوں کا ہمدان تک تعاقب کیا۔

اس فتح نے نہاوند کے آس پاس کی آبادیوں کو سخت خوفزدہ کر دیا۔ انہوں نے حذیفہ بن الیمان کی خدمت میں آکر امان اور صلح کی درخواست کی۔ مسلمانوں کو نہاوند میں کثیر مال و متاع اور سونے چاندی کے مرصع زیورات ملے۔ یہ مالِ غنیمت، امیرالمومنین کی خدمت میں خمس ارسال کرنے کے بعد، فوجیوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ امیرالمومنین کو جب نعمان بن مقرن کی شہادت کی خبر ملی تو آپ بے اختیار رو پڑے اور خاصی دیر تک روتے رہے۔ آپ نے اسلامی لشکر کو ہدایات بھیجیں کہ وہ فتح نہاوند پر ہی بس نہ کریں بلکہ سرزمین ایران میں پھیل کر اسے پوری طرح اپنے قبضہ میں لے لیں تاکہ فتنہ و فساد کی جڑ پورے طور پر کٹ جائے اور ہر وہ قوت جو اسلام اور عرب کے مقابلہ پر ہے پوری طرح نیست و نابود ہو جائے[1]۔

مؤرخینِ عرب میں سے مسٹر بجن اس معرکہ کا حال بایں طور بیان کرتے ہیں :

"معرکۂ جلولاء کے بعد یزدجرد شاہِ ایران شمالی ایران کے ایک شہر رَے[2] میں آکر مقیم ہو گیا اور اسے ایرانی شہنشاہی کا دارالحکومت اور اپنے لشکر کی چھاؤنی بنا لیا۔ اس کے بعد اپنے سرداروں کو جو پہلے مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر بار ہزیمت اٹھا چکے تھے، حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کے حملوں کی مدافعت کے لئے اپنی ہر تدبیر بروئے کار لائیں اور حلوان کو آخری دم تک اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ لیکن اس کے سرداروں نے اپنے بادشاہ کے احکام پر مطلق دھیان نہ دیا جس کا خمیازہ انہیں جلدی ہی بھگتنا پڑا اور حلوان جیسا مضبوط شہر مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

اس کے باوجود یزدجرد نے ہمت نہ ہاری اور ہر ممکن طریقہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روکنے اور ان کے لشکروں کو عرب تک دھکیلنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ اس کی ہمت و جرأت نے جنوب میں ہرمزان کو بھی

---

[1] تاریخ معرکۂ نہاوند

[2] رے کا شہر موجودہ شہر طہران کے بالکل قریب واقع ہے۔

حوصلہ دلایا اور وہ کئی ماہ تک عربوں کے مقابلہ میں ڈٹا رہا۔ کئی مؤرخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ہرمزان اور عربوں کے درمیان جو معرکے ہوئے ان کی تعداد اسی تک پہنچتی ہے اور ان معرکوں کے بعد ہی عربوں کے لئے اہواز پر چڑھائی کرنا اور اس پر فتح پانا ممکن ہوا۔

ہرمزان کی شکست کے بعد کسریٰ فارس نے ان عربی لشکروں کے مقابلہ کے لئے جو اب خاص سرزمین ایران پر حملہ کرنا چاہتی تھیں بڑی زبردست قوت جمع کرنی شروع کی۔ اس کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اس لشکر نے نہاوند پہنچ کر خندقیں کھودلیں اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے جم کر بیٹھ گیا۔

یزدجرد نے ایرانی فوجوں کا سپہ سالار فیروزان کو مقرر کیا جو قادسیہ کی جنگ میں بھی ایرانی لشکر کا سپہ سالار رہ چکا تھا۔ نہاوند کی طرف سے آنے والے اسلامی لشکر کی قیادت نعمانؓ بن مقرن کے سپرد تھی اور اس کی تعداد تیس ہزار تھی۔ نعمانؓ نے نہاوند پہنچ کر اس بات کی کوشش کی کہ فیروزان ان کے لشکر کے مقابلہ کے لئے میدان میں نکلے۔ لیکن فیروزان نے عافیت اور بھلائی اسی میں دیکھی کہ اس کا لشکر اپنے قلعوں میں خندقوں کے پرے ہی جما بیٹھا رہے اور عرب اس وقت تک چٹیل میدان میں پڑے رہیں جب تک ان کا زادِ راہ ختم نہ ہو جائے، اور وہ تھک کر چور نہ ہو جائیں۔

لیکن نعمانؓ بھی فنونِ جنگ کی مہارت میں کسی سے کم نہ تھے۔ ان کے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور انہوں نے لشکر میں یہ بات پھیلا دی کہ انہیں خلیفہ کی وفات کی خبر ملی ہے جس سے وہ بے حد مضطرب ہیں اور اب مجبوراً لشکر کو واپس جانا پڑے گا۔

چنانچہ وہ اپنی فوج کو لے کر عراق کی جانب چل پڑے۔ فیروزان بھی اسلامی لشکر کے پیچھے نکل کھڑا ہوا لیکن اس کی فوج نہایت بے ترتیبی اور پراگندگی کی حالت میں تھی۔ نعمان کو ان تمام حالات کا پتہ چل گیا۔ تین دن کے بعد اسلامی لشکر ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ وہ پوری طرح منظم اور لڑائی کے لئے ہمہ تن تیار تھا۔ نعمان نے ایرانی لشکر کا انتظار کیا اور جب وہ بھی اس جگہ پہنچ گیا تو اسلامی لشکر نے پلٹ کر اس پر بڑی شدت سے حملہ کر دیا جس سے ایرانی لشکر بدحواس ہو گیا۔ فیروزان مارا گیا اور ایرانیوں پر اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ بری طرح واپس بھاگے لیکن اکثر قتل ہوئے۔ عربوں میں اپنے قائد (نعمان) کی وفات سے اور بھی زیادہ جوش پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے ہزیمت خوردہ لشکر کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ہمدان پہنچ گئے۔ ہمدان والوں نے بغیر لڑے ان کے سامنے ہتھیار ڈال دئے اور ہمدان خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔"

"تاریخ التواریخ" (HISTORIAN'S HISTORY OF THE WORLD) (مطبوعہ انگلستان
میں فتوحاتِ عربیہ کے باب کا مؤرخ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یزدجرد نے نہاوند میں لشکر جمع کیا اور فیروزان کو اس کی قیادت سپرد کی۔ اس کا کہنا ہے کہ عراق میں اسلامی فتوحات اور مدائن کے اسلامی قبضہ میں آجانے کے بعد یزدجرد پہاڑوں میں بھاگ گیا تھا۔ لیکن اس کے لشکر کے سردار اور دوسرے وطن پرست ایرانی بطور خود نہاوند میں جمع ہوئے اور اپنی تہذیب و تمدن، مذہب اور وطن کو بچانے کی خاطر مسلمانوں کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔

واقعہ یہ ہے کہ معرکۂ نہاوند نے ایرانیوں کی کمر توڑ دی۔ اس لڑائی کے بعد عربی لشکر کو ایران میں اور کوئی بڑا معرکہ پیش نہیں آیا۔ اردگرد کے علاقے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوتے گئے اور سارے ایران پر قبضہ کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہی۔ احنف بن قیس تمیمی خراسان کی طرف روانہ ہوئے۔ مجاشع بن مسعود السلمی نے اردشیر اور سابور کا رخ کیا، عثمان بن ابی العاص الثقفی اصطخر پہنچے، ساریہ بن زنیم الکنانی فسا اور دارابجرد کو فتح کرنے میں مشغول ہوئے۔ سہیل بن عدی کرمان گئے، عاصم بن عمرو سجستان اور حکم بن عمیر التغلبی مکران پر قابض ہو گئے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے ان میں سے بعض لوگوں کی امداد کے لئے کوفہ سے لشکر بھی بھیجے۔ چنانچہ سہیل بن عدی کی امداد کے لئے عبداللہ بن عتبان کو، احنف بن قیس کی امداد کے لئے علقمہ بن نضیر کو، عاصم بن عمرو کی امداد کے لئے عبداللہ بن عمیر الاشجعی کو اور حکم بن عمیر کی امداد کے لئے شہاب بن المخارق کو روانہ کیا۔

لشکروں کی روانگی کے بارے میں اوپر جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ صرف یہی لشکر جن کا ذکر کیا جا چکا ہے ایران کی فتح کے لئے روانہ ہوئے تھے۔ ان لشکروں کے علاوہ بھی اور کئی فوجیں جو تعداد اور سامانِ جنگ کے لحاظ سے متذکرۃ الصدر لشکروں سے بڑھ چڑھ کر تھیں، حضرت عمرؓ کے حکم سے ایران پہنچی تھیں۔ بصرہ کا لشکر اہواز اور اصطخر سے عبداللہ بن عتبان کی سرکردگی میں جنوبی سمت سے فوجی سرگرمیاں شروع کرنے کے ارادے سے جنوبی ایران کو فتح کرنے روانہ ہوا۔ سب سے پہلے یہ اصفہان پہنچا اور اسے سر کر لیا اس کے باشندوں نے جزیہ پر صلح کر لی۔ وسطِ ایران سے نعیم بن مقرن کوفہ کے لشکر کو لئے آگے بڑھے اور خراسان پہنچے قزوین فتح کیا۔ شمالی علاقہ کو فتح کرنے کے لئے جو لشکر روانہ ہوا اس کے سردار عتبہ بن فرقد اور بکیر بن عبداللہ تھے۔ عتبہ بن فرقد موصل سے چلے اور اربیل، رواندوز کا راستہ اختیار کیا۔ بکیر بن عبداللہ حلوان سے چلے۔ ان دونوں کو آذربائیجان[1] فتح کرنے کا حکم ہوا تھا۔ یہ دونوں لشکر اپنے اپنے مقررہ راستوں سے گزر کر آپس میں مل گئے۔ ان کا

---

[1] آذربائیجان کا صوبہ بحر خزر (کیسپین) کے مغرب میں ہے۔

زبردست مقابلہ کیا گیا۔ حضرت عمر رض نے نعیم بن مقرن کو ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ چنانچہ وہ بھی ان کے ساتھ آکر شریک ہو گئے اور آذربائیجان فتح کر لیا۔

معرکۂ نہاوند کے بعد یزدجرد شاہِ ایران خراسان کے مشہور شہر مرو الشاہجان بھاگ گیا تھا۔ حضرت عمر رض نے احنف بن قیس کو خراسان جانے اور اسے فتح کرنے کا حکم دیا۔ جب احنف وہاں پہنچے تو یزدجرد بھاگ کر "مرو الروز" چلا گیا۔ وہاں جا کر اس نے ترکستان کے بادشاہ سے جو ماوراء النہر میں مقیم تھا، اپنی مدد کے لئے ایک لشکر بھیجنے کی درخواست کی۔ چنانچہ ترکستان کے بادشاہ نے اس کی مدد کے لئے ایک لشکر روانہ کر دیا۔ یزدجرد نے چین کے بادشاہ کو بھی اسی قسم کا ایک خط لکھا۔ جب احنف کو معلوم ہوا کہ یزدجرد "مرو الروز" میں موجود ہے تو وہ اپنا لشکر لے کر اس طرف چلے۔ یزدجرد وہاں سے بلخ بھاگ گیا۔ لیکن احنف بھی تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ اب یزدجرد کے لئے مقابلہ کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اس نے کچھ ایرانی لشکر جمع کیا اور احنف کے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں آگیا۔ لڑائی ہوئی جس میں یزدجرد کی فوجوں نے شکست کھائی۔ کسریٰ دریائے جیحون کی طرف بھاگا اور اپنی بقیۃ السیف فوج کے ساتھ دریا کو عبور کر لیا۔

یزدجرد نے ابھی دریا عبور کیا ہی تھا کہ ترکستان اور چین سے فوجیں اس کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ ان فوجوں کو لے کر یزدجرد نے دوبارہ دریا عبور کیا اور احنف کی فوجوں کے سامنے پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔ دوبارہ لڑائی شروع ہوئی، کئی معرکوں کے بعد تاتاری فوجیں شکست کھا کر بھاگ کھڑی ہوئیں اور یزدجرد کو بھی دوبارہ بھاگنا پڑا۔

اس کے بعد یزدجرد کی ہمت بالکل پست ہو گئی۔ آئندہ اسے کبھی نیا لشکر مرتب کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ وہ اپنے وطن سے دور دیارِ غیر میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اس نے کئی بار ایرانیوں کو عربوں کے خلاف ابھارنے اور بغاوت کرنے کی ترغیب دی لیکن ناکام رہا۔ اگر کہیں بغاوت نے سر نکالا بھی تو اسلامی فوجوں نے اسے فوراً کچل ڈالا۔

یزدجرد دس برس تک اسی جلاوطنی کی حالت میں مارا مارا پھرتا رہا، آخر حضرت عثمان رض کے عہد میں مار ڈالا گیا۔

---

(۸)

فتوحات پر ایک نظر

سیرت صدیق رضؓ میں ان اسباب کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو عراق پر فوج کشی کی ضرورت پیش آئی۔ اس طرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کی توجہ سب سے پہلے مثنیٰ ابن حارثہ نے مبذول کرائی تھی۔ چنانچہ حضرت صدیقؓ نے خالدؓ کو جنوبی عراق اور عیاض بن غنم کو شمالی عراق کی طرف بھیج دیا تھا۔ حضرت خالدؓ نے عراق میں بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دئے اور کوئی بھی ایرانی لشکر ان کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ حضرت خالدؓ ابھی عراق ہی میں مصروفِ پیکار تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انہیں شام بھیج دیا اور مثنیٰ بن حارثہ ایرانیوں سے جنگ کرنے کے لئے اکیلے رہ گئے۔ جب حضرت عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے سعدؓ بن ابی وقاص کو عراق میں اسلامی لشکر کا سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اسلامی فوجیں ایران کے طول و عرض میں چھا گئیں اور ایران کی شہنشاہی کا بڑے عبرتناک طور پر خاتمہ ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کو وحدتِ عربیہ اور قبائلِ عرب کے اتحاد کا بڑا خیال تھا۔ آپ کے نزدیک عربی النسل مسلمانوں اور عیسائیوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ آپ قبائلِ عرب میں خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق کیوں نہ رکھتے ہوں، باہمی اتحاد بے حد ضروری سمجھتے تھے، کیونکہ اسی طرح ان بیرونی قوتوں کو روکا جا سکتا تھا جو عربوں کو ہر دم استعمار اور

غلامی کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔

اگرچہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے تمام ایران پر قبضہ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود ہم اس عظیم الشان کام کو کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے جو اس سلسلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید نے سرانجام دیا تھا۔ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو یہ خالدؓ بن ولید کی اولین فتوحات ہی کا اثر تھا جس نے ان ایرانیوں کے دل میں عربوں کا رعب پیدا کر دیا تھا جو اس سے پہلے انہیں انتہائی ذلیل قوم سمجھتے تھے اور جن کے واہمہ میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ عربوں جیسی بھوکی ننگی قوم ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت بھی کر سکتی ہے۔ کجا یہ کہ وہ ان کی ساری سلطنت کو ہی ملیا میٹ کر دیتے۔ خود عرب بھی یہی خیال کرتے تھے کہ کسریٰ اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنا نہ صرف یہ کہ ناممکن ہے بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت اور تباہی کے غار میں گرانا ہے۔ لیکن جب خالدؓ بن ولید کی بے مثل بہادری، جرأت اور دلیری نے ان کے دلوں سے ایرانیوں کا رعب مٹا دیا تو وہ بڑھ چڑھ کر عراقی جنگوں میں حصہ لینے لگے۔

ان جنگوں میں عربوں نے جس دلیری اور بہادری سے کام لیا اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ان کے دلوں میں یہ بات راسخ تھی کہ اگر وہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرتے ہوئے کام آگئے تو شہیدوں کی موت مریں گے اور آخرت میں ان کو جنت ملے گی۔ جنت، اور اسلام کی راہ میں شہادت یہی وہ عوامل تھے جنہوں نے عربوں میں بہادری اور شجاعت کے جذبات پیدا کر دئیے تھے۔ خواہ کتنا ہی شدید مقابلہ کیوں نہ درپیش ہو وہ میدان جنگ میں ڈٹے رہتے تھے۔ جب حملہ کرنے کا وقت آتا تھا تو اس شدت کے ساتھ حملہ کرتے تھے کہ ساری زمین دہل جاتی تھی۔ بہادری کے جو کارہائے نمایاں انہوں نے دکھائے، تاریخِ عالم میں ان کی نظیر ملنی دشوار ہی نہیں، ناممکن ہے۔

اس جگہ غنیمتوں کی تقسیم کے متعلق بھی کچھ بیان کر دینا ضروری ہے۔ جنگی قانون کی رُو سے غنیمت کے پانچ حصے کئے جاتے تھے۔ ایک حصہ جس کو خمس کہتے ہیں بیت المال یعنی سلطنت کے خزانہ میں بھیج دیا جاتا تھا جہاں اسے مصالح عامہ پر خرچ کیا جاتا تھا۔ باقی چار حصے لڑنے والے فوجیوں میں تقسیم کر دئے جاتے تھے۔ ایران کی جنگوں میں مسلمانوں نے بے حساب مالِ غنیمت حاصل کیا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بعض بعض دفعہ مالِ غنیمت میں سے ایک ایک سپاہی کو بارہ بارہ ہزار درہم ملے۔ یہ اتنی بڑی رقم تھی جو عربوں نے کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ وہ کبھی اس قدر کثیر مال و دولت پر قابض ہو سکیں گے۔

آج کل کے جنگی نظام کی رو سے سپاہیوں کے سارے اخراجات حکومت پورے کرتی ہے، سپاہیوں کے کھانے پینے، لباس وغیرہ کا سارا خرچ حکومت کا خزانہ ادا کرتا ہے۔ لیکن صدر اسلام میں سوائے اسلحہ کے، کہ جس شخص کے پاس اسلحہ نہ ہوتے تھے اسے مہیا کر دیئے جاتے تھے باقی تمام اخراجات کا ذمہ دار سپاہی خود ہی ہوتا تھا۔ اگرچہ بے اسلحہ لوگوں کو اسلحہ مہیا کر دیئے جاتے تھے تاہم اکثر سپاہیوں کے پاس ان کے اپنے اسلحہ موجود ہوتے تھے۔ ہر سپاہی پر واجب تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کی نگہداشت رکھے اور اس کے لئے خوراک اور زین وغیرہ مہیا کرے۔ سپاہی یہ اخراجات مالِ غنیمت میں سے پورے کرتے تھے۔ شارع نے بھی یہ قاعدہ بنا دیا تھا کہ غنیمت میں سوار کا حصہ پیدل سے زیادہ ہوگا۔

سیرت صدیقؓ میں ہم نے بعض ان اسباب کا ذکر کیا تھا جنہوں نے عربوں کی فتوحات میں مدد دی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی ضروری ہے کہ ان فتوحات کا سب سے اہم سبب بہادری کا وہ بے پناہ جذبہ تھا جو ہر عرب سپاہی کے دل میں موجزن تھا۔ یہ درست ہے کہ ایرانی سپاہی تنخواہ دار ہوتے تھے اور یہی ان کی کمزوری کا بڑا سبب تھا۔ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں کہ وہ سپاہی اس عقیدہ کے راستہ میں جوش و خروش اور خلوص سے لڑ سکے جس پر اسے ایمان نہ ہو، جس کو وہ سرے سے کوئی اہمیت ہی نہ دیتا ہو۔ وہ لوگ مال و دولت کے لالچ میں لڑتے تھے اور لڑائی میں اسی وقت جم سکتے تھے جب دشمن طاقت و قوت میں ان سے کم تر ہو لیکن اگر مقابلہ سخت ہوتا تو یہ تنخواہ دار سپاہی میدانِ جنگ میں ڈٹے رہ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگنے کو ترجیح دیتے تھے۔

اس کے علاوہ ہمیں اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ جس زمانہ میں اسلامی فوجوں نے ایرانی علاقہ پر حملہ کیا اس زمانہ میں ایران خود اپنے داخلی تنازعات میں بری طرح الجھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ایرانیوں اور رومیوں میں جو شدید جنگیں ہو چکی تھیں انہیں بھی دونوں طاقتوں کو کمزور کرنے میں بہت بڑا دخل تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ بات کسی طرح خیال میں آنے والی نہیں کہ عرب اتنی طاقت کے مالک تھے کہ وہ ایرانیوں پر غالب آ سکتے تھے۔ ایرانی لاکھ کمزور سہی طاقت و قوت میں ان کا اور عربوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ عرب اپنی تمام کوشش کے باوجود دس ہزار سے زیادہ سپاہی میدان میں نہیں لا سکتے تھے لیکن ایرانی بڑی آسانی سے پچاس پچاس ہزار سپاہی عربوں کے سامنے لا کھڑے کر دیتے تھے۔ لیکن طاقت و قوت کے نشہ میں اس قدر سرشار ہونے کے باوجود

وہ کمزور اور غریب عربوں کے سامنے ٹھہر نہ سکے اور چند سال میں ان کی سلطنت صفحۂ ہستی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نابود ہو گئی۔

مسلمانوں کو ایران فتح کرنے میں سات سال کا عرصہ لگا۔ اس عرصہ میں وہ دریائے فرات سے لے کر دریائے جیحون تک جو آج کل کی طرح قدیم زمانے میں بھی ایران اور افغانستان کی حدِ فاصل تھا، ایرانیوں سے برسرپیکار رہے اور ایران کا چپہ چپہ فتح کر لیا۔ دریائے جیحون پر آ کر وہ رک گئے کیونکہ حضرت عمرؓ نے انہیں آگے بڑھنے سے منع کر دیا تھا۔ عہدِ اموی میں آ کر مسلمان دریائے جیحون کو عبور کر کے افغانستان کے علاقے میں داخل ہوئے اور وہاں اسلام کا جھنڈا گاڑا۔

عرب، ایرانیوں اور رومیوں سے ایک ہی وقت میں برسرپیکار تھے۔ کئی کئی محاذوں پر بیک وقت لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ مملکتِ ایران کو فتح کرنے میں جو دیر لگی اس کی یہی وجہ تھی۔ اگر عربوں کو صرف ایرانیوں سے ہی لڑائی درپیش ہوتی تو کبھی لڑائی اتنا طول نہ کھینچتی اور ایرانی اتنے سال تک کبھی عربوں کے لئے دردِ سر نہ بنے رہتے۔

ان جنگوں میں عربی سپہ سالاروں نے جس جرأت اور جس جنگی مہارت کا ثبوت دیا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ ان سپہ سالاروں میں سب سے ممتاز حضرت خالدؓ بن ولید ہیں۔ یہ آپ کے بے نظیر حُسنِ تدبیر ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ جس لشکر میں شامل ہوئے اسے کبھی شکست کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا اور وہ ہر میدان میں کامیاب رہا۔ خالدؓ بن ولید کے بعد جس دوسرے سپہ سالار کا نمبر آتا ہے وہ مثنیٰ بن حارثہ ہیں۔ وہ بھی جرأت، بہادری اور حُسنِ تدبیر میں اپنا جواب آپ ہی تھے۔ انہوں نے اپنی وفات کے وقت سعدؓ بن ابی وقاص کو جو مشورے دیئے تھے بعد میں وہی مشورے حضرت عمرؓ نے بھی انہیں دیئے۔

سعدؓ بن ابی وقاص بھی ایک عظیم سپہ سالار تھے۔ انہوں نے جنگِ قادسیہ کے موقع پر جس طرح لشکر کی تنظیم کی تھی اس نے مسلمانوں کو کامیابی سے ہمکنار کر دیا تھا اور اسی جنگ میں فتح یاب ہونے کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے حوصلے بے حد بلند ہو گئے اور انہوں نے چند ہی برس میں سارے ایران پر قبضہ کر لیا۔ البتہ یہ بات ضرور تھی کہ وہ ہر کام میں خلیفہ کی ہدایات کے محتاج تھے۔ جب تک خلیفہ کی طرف سے ان کو احکام موصول نہ ہو جاتے تھے وہ اپنی مرضی سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھے اپنے سپہ سالاروں کو آگے بڑھنے، پیچھے ہٹنے، کسی جگہ ٹھہرنے اور دشمن پر حملہ کرنے کے احکام بھیجا کرتے تھے اور فوج ان احکام کے مطابق عمل کر کے ہمیشہ فتح یاب اور مظفر و منصور رہا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایران کی فتح کا فخر اگر کسی کے حصہ میں آسکتا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت عمرؓ ہی ہیں۔

(۹)

شام اور فلسطین پر عربوں کی یلغار

سیرتِ صدیق رضؓ میں ہم نے معرکۂ یرموک کا تفصیل سے ذکر کر دیا تھا۔ اگر بعض عرب مؤرخین کے قول کے بموجب یہ مان بھی لیا جائے کہ یرموک کی جنگ ۱۳ھ میں پیش آئی تھی تب بھی بوجہ اس کے کہ یہ حضرت عمر رضؓ کے عہدِ خلافت میں ہوئی تھی اس میں مسلمانوں کی کامیابی کا فخر حضرت عمر فاروق رضؓ کے حصہ میں آتا ہے۔ کیونکہ جن مؤرخین نے ۱۳ھ میں جنگِ یرموک کا ہونا بیان کیا ہے انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ لڑائی ابھی جاری ہی تھی کہ حضرت عمر رضؓ کا خط پہنچا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی وفات کی خبر دی گئی تھی۔ یہ لڑائی ایک روز سے زیادہ جاری نہیں رہی[1]۔

---

[1] (LAURENCE OLIPHANT) اپنی کتاب (THE LAND OF GILEAD) میں اپنی سیاحتِ فلسطین کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اثنائے سیاحت میں اسے شوق پیدا ہوا کہ وہ یرموک کو بھی جاکر دیکھے جہاں رومیوں اور عربوں کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ وہاں گیا اور اس دریا کے کنارے بیٹھا جو سرزمینِ یرموک کے برابر سے گزرتا ہے اس کے قریب ہی ایک قدیمی شہر کے آثار ہیں جس کا نام یربوث ہے۔ (باقی [illegible] پر)

معرکۂ یرموک کس طرح پیش آیا؟ ——— جب عربوں نے رومی علاقے پر حملے شروع کئے تو شروع شروع میں رومیوں نے اس طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ معمولی بدوی حملے ہیں اور جب سرحدی شہروں کے باشندے ان کو منہ توڑ جواب دیں گے تو اعراب خود بخود اپنے صحراؤں میں واپس ہو جائیں گے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ عرب ان کے شہر پر شہر فتح کئے جا رہے ہیں اور مفتوحہ علاقوں کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام کر رہے ہیں تب انہوں نے معاملہ کی نزاکت کو سمجھا۔ قیصر کے حکم سے ایک زبردست لشکر تیار کیا گیا جسے یرموک میں تباہی کا سامنا کرنا پڑا[1]۔

جیسا کہ سیرتِ صدیقؓ میں بھی بیان ہو چکا ہے معرکۂ یرموک کی تاریخ میں زبردست اختلاف ہے۔ کوئی اسے ۱۳ھ میں بتاتا ہے اور کوئی ۱۵ھ میں۔ جرمنی کے مستشرق نولڈیکی نے اپنی کتاب میں سریانی زبان کی ایک کتاب کے ورق کی عبارت درج کی ہے اور اس کی مدد سے اس مشکل کو حل کرنا چاہا ہے۔ یہ کتاب جس میں شام میں عربوں کی فتوحات کا حال بیان کیا گیا تھا ضائع ہو چکی ہے صرف وہ ورق باقی رہ گیا تھا لیکن وہ بھی مکمل حالت میں نہیں۔

---

[1] معرکۂ یرموک کا مفصل حال "سیرت صدیقؓ" میں بیان ہو چکا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶۹) "واقوصہ" اس جگہ کا نام ہے جس میں معرکۂ یرموک پیش آیا۔ اس کو تین اطراف سے دریا محیط ہے اور چوتھی جانب ایک تنگ گھاٹی ہے۔ جنگ کے وقت رومی اسی زمین پر تھے جو دریا سے گھری ہوئی تھی، عربوں نے اس تنگ گھاٹی پر قبضہ کر لیا اب رومی لشکر کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ جب تک عرب فوج کو شکست نہ دے لے اس تنگ گھاٹی سے نکل سکے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو رومیوں نے شکست کھائی اور عرب ان کو دریا کی طرف دھکیلتے چلے گئے جس سے ہزاروں آدمی غرقاب ہو گئے۔ (ڈاکٹر جیلانی تاریخ العرب (انگریزی) ص ۳۱)

معجم البلدان میں لکھا ہے کہ یرموک شام کی ایک وادی ہے جو غور تک بڑھتی چلی آئی ہے۔ اس کا پانی اردن میں گرتا ہے اور پھر بہہ کر بحیرۂ متعفن (لوط) میں چلا جاتا ہے۔

سید امیر علی اپنی کتاب "تاریخ اسلام" میں یرموک کے متعلق لکھتے ہیں: "یرموک ایک گمنام سا دریا ہے جو حوران کی بلندیوں سے نکل کر جھیل طبریہ کے جنوب میں چند میل دور سے دریائے اردن سے مل جاتا ہے۔ جائے اتصال سے تیس میل اوپر بجانب شمال یہ دریا نیم دائرہ کی شکل میں ایک میدان کے گرد گھومتا ہے جس میں ایک بڑی فوج قیام کر سکتی ہے۔ یرموک کے کنارے ناہموار اور ڈھلوان ہیں۔ جگہ کے سرے پر ایک گھاٹی ہے جو میدان کے دروازے کا کام دیتی ہے۔ اس جگہ کو واقوصہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اسے اسلامی تاریخ میں زبردست اہمیت حاصل ہے۔

ہم بھی اس ورق کی عبارت کو درج کر دیتے ہیں۔ اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ معرکۂ یرموک ۱۲ رجب ۱۵ھ کو پیش آیا۔

سطریں عبارت

۱ - ۸ - .... مبہم سطریں

۹ - .... حمص اور کئی دوسرے شہر برباد ہو گئے اور ان کے رہنے والے موت کے گھاٹ اتار دیے گئے

۱۰ - .... محمد اور کثرت سے لوگ قتل کیے گئے اور قیدی بنائے گئے۔

۱۱ - .... جلیل سے بیت ..... تک

۱۲ - عرب (دمشق کے؟) اطراف[1] میں پھیل گئے

۱۳ - اور ہر جانب حملہ بول دیا

۱۴ - اور آئے .... اور .... ان کی طرف ...... اور ...... ہیں

۱۵-۱۶ - سنہ ......، ۲۰ میں لشکر کا ہراول دستہ حمص سے روانہ ہوا اور اس نے بھیڑوں کے ریوڑ کے ریوڑ لوٹ لیے

۱۷-۱۸ - .... "شہر آب" کی دسویں تاریخ کو رومی دمشق سے بھاگ گئے

۱۹ - ان کی تعداد دس ہزار تھی

۲۰-۲۳ - ایک سال کے بعد ۹۴۷ء میں شہر آب کے مہینہ کی بیس تاریخ کو رومی "جابیہ" میں جمع ہوئے لیکن شکست کھائی اور پچاس ہزار کے قریب رومی مارے گئے

۲۴ - ۹۴۷ء میں .... (۱)

۲۵ - .... اور منتشر ہو گئے

۲۶ - .... خوش ہوئے

۲۷ -

۲۸ -

۲۹ - .... اور رومی دل شکستہ ہو گئے

---

[1] نولدیکی کا خیال ہے کہ یہاں "اطراف" سے مراد "دمشق کے اطراف" ہیں۔

نولڈیکی لکھتا ہے کہ جس کتاب کا یہ ورق ہے اس کا مصنف "خلیل" یا "دمشق" کا کوئی راہب ہے۔ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا وہ جنگِ یرموک کے موقعہ پر موجود تھا یا اس نے دوسروں کی نقل کی ہوئی روایات ہی پر اکتفا کیا۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عبارت واقعۂ یرموک کے بالکل قریب لکھی گئی ہے۔ اس سے معرکۂ یرموک کی تاریخ کا بھی پتہ چل جاتا ہے۔ سریانی مؤلف نے یہ تاریخ ۲۰ رشہر آب سنہ ۹۴۷ سیلوکیدی مطابق اگست سنہ ۶۳۶ء لکھی ہے جو سنہ ھجری کے لحاظ سے ۱۲ ررجب سنہ ۱۵ھ بنتی ہے۔

سیلوکیدی سنہ اس زمانہ میں ایشیائے کوچک، عراق، شام اور فلسطین کی کئی قوموں میں رائج تھا۔ یہ سنہ ۳۲۲ ق م میں سکندر کی وفات کے بعد اس وقت رائج کیا گیا تھا، جب سیلوکس شام میں تخت نشین ہوا۔ بلاذری نے بھی اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں اس سنہ کے مہینوں کا ذکر کیا ہے گو اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سنہ کس طرح رائج ہوا۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ بلاذری نے اپنی تمام معلومات کا مرجع واقدی کو ٹھہرایا ہے اور واقدی کو اپنی کتاب تصنیف کرتے وقت اس کا علم نہ تھا۔

اس سریانی صحیفہ میں ایک بات اور قابلِ توجہ ہے اور وہ یہ کہ اس کے مؤلف نے اکیسویں سطر میں بجائے یرموک کے "جابیہ" پر فوجوں کا اکٹھا ہونا بیان کیا ہے حالانکہ جابیہ دریائے یرموک کے کنارے سے بہت دور واقع ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ پہاڑوں اور غاروں کے ایک سلسلہ کی وجہ سے جو جابیہ سے لے کر یرموک تک پھیلے ہوئے ہیں، عرب جابیہ کو یرموک کے منطقہ ہی میں شمار کرتے تھے۔ جابیہ کا ذکر غسانیوں کی تاریخ میں بار بار آتا ہے۔

شام کی زمین عراق کی زمین سے بہت کچھ مختلف تھی۔ عراق کی زمین عرب کی طرح ریتلی تھی اس لئے عربوں کو اس پر چلنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہوتی تھی اور وہ بآسانی دشمن کے مقابلہ میں جم سکتے تھے لیکن شام کی زمین پہاڑی اور سخت تھی۔ عربوں کے لئے ایسی زمین پر چلنا اور اس پر دشمن کا مقابلہ کرنا بہت مشکل تھا۔ علاوہ ازیں شام کے اکثر شہروں کے گرد فصیلیں کھنچی ہوئی تھیں جیسے معان، کرک، بصریٰ، دمشق، حمص وغیرہ۔

جس وقت عربوں نے شام میں اپنے حملوں کا آغاز کیا تو عرب کے عیسائیوں کو بے حد تشویش ہوئی۔ ہر چند وہ اس رومی سیاست کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے جس کا دائرہ ان کے قبیلوں تک بھی وسیع تھا لیکن اس کے باوجود وہ رومیوں کی اطاعت کا جوا اس وقت تک اپنے سروں سے اتارنے کے لئے تیار نہ تھے جب تک

وہ نئے حاکموں کی سیاست اور ان کے عادات و خصائل سے کلی طور پر واقف نہ ہو جائیں، وہ اس بات کا اطمینان چاہتے تھے کہ نئے حاکم آکر کہیں انہیں اپنے مظالم کا نشانہ تو نہیں بنائیں گے۔ شروع میں بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ مسلمان محض لوٹ مار کی خاطر جنگ کرنے آئے ہیں۔ لیکن جب عربوں نے متعدد شہروں پر قبضہ کر لیا تو ان عرب عیسائیوں کو پتہ چلا کہ مسلمان اپنے ساتھ وہ اخلاق، وہ عدل اور وہ نظام لے کر آئے ہیں جس سے وہ آج تک آشنا ہی نہیں تھے اور اس کی مثال بھی رومیوں کے عہد میں ملنی ناممکن تھی۔ جب انہیں مسلمانوں کی طرف سے ہر طرح کا اطمینان ہو گیا اور انہوں نے حقیقی عدل و انصاف کا مزا چکھ لیا تو وہ دل و جان سے مسلمانوں کے حامی ہو گئے اور ہر ممکن طریقہ سے اسلامی لشکر کی مدد کرنے اور انہیں سامانِ خوراک اور مختلف معلومات بہم پہنچانے لگے۔ اکثر لوگوں نے مسلمانوں کے بے نظیر عدل و انصاف، اخلاق اور عملی نظام کو دیکھ کر اسلام بھی قبول کر لیا۔

یہ ٹھیک ہے کہ ایک قوم ہونے کی وجہ سے عرب عیسائیوں کے دل طبعی طور پر عربوں کی طرف مائل تھے لیکن اس تعلق کا اظہار اسی وقت ہوا جب انہوں نے مسلمانوں کی فتوحات کے بعد ان کے عدل و انصاف اور ضبطِ نفس کو بچشمِ خود دیکھ لیا۔ مختلف طبقوں کے درمیان تعلقات کی استواری محض قومیت کے ایک ہونے پر منحصر نہیں ہوتی۔ قوموں کی زندگی کا دارومدار عصبیت پر نہیں بلکہ اخلاق، عدل اور حق و انصاف کے اعلیٰ اصولوں کو برقرار رکھنے سے ہوتا ہے۔

تاریخ صدیق رضی میں معرکہ یرموک کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ کس طرح مسلمانوں نے باوجود قلتِ سامان اور قلتِ تعداد کے رومیوں کے زبردست لشکر کو شکستِ فاش دی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی نے اپنی زندگی میں شام پر چڑھائی کرنے والے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصہ کا ایک سردار مقرر کر دیا تھا۔ ادھر حضرت خالد رضی بن ولید کو عراق سے شام میں اسلامی لشکروں کی مدد کے لئے جانے کا حکم دیا تھا۔ جب حضرت عمر رضی نے خلافت سنبھالی تو یہ مناسب سمجھا کہ لشکرِ اسلامی پانچ سرداروں کی بجائے ایک قیادت کے ماتحت کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی کو سارے لشکر کا، جس میں حضرت خالد بن ولید کی امدادی فوج بھی شامل تھی سپہ سالار مقرر فرمایا۔

معرکہ یرموک کے بعد ہرقل نے اور بھی زور شور سے مسلمانوں کے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

ان حالات میں مسلمان سپہ سالار نے موزوں طریق کار یہ سمجھا کہ جن شہروں کو مسلمان فتح کر چکے ہیں انہیں عارضی طور پر خالی کر دیا جائے۔

ہرقل کے لشکر جنگِ یرموک کے بعد دمشق کی جانب چل پڑے۔ اب کے تیوذورس کی جگہ باہان کو رومی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کیا گیا۔ رومی فوجوں نے بیسان کو اپنا مرکز بنایا اور مسلمانوں نے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ فحل ایک محفوظ مقام تھا، جغرافیائی لحاظ سے اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ یہ بحیرۂ طبریہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔

معرکہ فحل میں رومیوں اور عربوں کی تھوڑی تھوڑی فوجوں نے حصہ لیا تھا۔ اس جنگ میں اسلامی لشکر کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ شامل نہیں تھے۔ واقدی کے کہنے کے مطابق اس جنگ میں سپہ سالار کے فرائض شرجیل بن حسنہ نے سرانجام دیئے تھے۔ یہ جنگ ۲۸ ذیقعدہ ۱۳ھ کو ہوئی تھی۔ اس میں رومیوں کو زبردست شکست اٹھانی پڑی اور فحل سے بیسان تک سارے علاقے پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ ہزیمت خوردہ رومی لشکر مرج الصفر پہنچا لیکن محرم ۱۴ھ میں اسے وہاں سے بھی نکلنے پر مجبور ہونا پڑا۔ اب رومی دمشق پہنچے اور اس کے دروازے بند کر کے بیٹھ رہے۔ اس کے دو ہفتے بعد مسلمانوں نے دمشق کے سامنے پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔

---

(۱۰)

دمشق کا محاصرہ

فتوحاتِ اسلامیہ کے وقت دمشق شام کا ایک مشہور شہر تھا لیکن اس قدر وسیع اور اتنا خوبصورت نہ تھا جتنا آج کل ہے۔ اس کی مساحت کا اندازہ ان فصیلوں کے آثار دیکھ کر ہو سکتا ہے جو آج بھی باقی ہیں۔ ان فصیلوں کی اونچائی بیس قدم اور چوڑائی پندرہ قدم تھی۔ یہ فصیلیں مربع پتھروں کی بنی ہوئی تھیں۔ پتھر اتنے بھاری ہیں کہ بیس پچیس آدمیوں کی ایک جماعت بھی ان کو بمشکل اپنی جگہ سے ہٹا سکتی ہے۔ ان پتھروں کی ہیئت اور بناوٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض رومی زمانہ سے پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔[1]

رومی شہنشاہ ڈیوکلشیان نے دمشق کو فوجی لحاظ سے مضبوط بنانے اور اس کی دفاعی حیثیت مستحکم کرنے کے لئے کئی ٹھوس تدابیر اختیار کی تھیں۔ اس کا خیال تھا کہ دمشق کو اپنی مشرقی سلطنت کا اہم فوجی مرکز بنا دے تاکہ نہ صرف بیرونی حملوں کا دفاع کیا جا سکے بلکہ یہاں سے ایران اور دوسرے ممالک پر حملہ کرنے کے لئے فوجیں بھی بھیجی جا سکیں۔ جب مسلمانوں نے دمشق پر چڑھائی کی تو اس کی فصیلیں بہت اونچی تھیں۔ اس میں لاتعداد کنگرے

---

[1] نان کریمر

بنے ہوئے تھے اور ہر وقت تیر انداز متعین رہتے تھے جو دشمنوں کو فصیلوں کے قریب آنے اور شہر تک پہنچنے سے روکتے تھے۔

فصیل کے چاروں طرف خندق کھدی ہوئی تھی جو ٹھنڈے پانی سے بھری رہتی تھی۔ اس کا عرض دس سے پندرہ قدم تک تھا۔ شہر کے دروازوں اور فصیل کے دوسرے حصوں پر بعض چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے، یہاں وہ لوگ رہتے تھے جن کے ذمہ شہر کی حفاظت کا انتظام تھا۔

دمشق میں داخل ہونے کے کئی راستے تھے جو خندقوں کے اوپر بنے ہوئے تھے۔ ہر راستہ کے آخری سرے پر ایک دروازہ ہوتا تھا جس پر لوہا منڈھا ہوا ہوتا تھا تاکہ دشمن اس کو آگ لگانے یا توڑنے کی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب عربوں نے دمشق کا محاصرہ کیا ہے تو ان دروازوں میں سے بعض اچھی حالت میں موجود تھے۔ شہر کے شمالی جانب جو دروازہ تھا اسے باب الفرادیس کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہ دروازہ سارے کا سارا پتھروں کا بنا ہوا تھا اور اس پر پل بھی نہیں تھا[1]۔ مشرقی جانب جو دروازہ تھا اسے بابِ توما[2] کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ توما شاہ ہرقل کا داماد تھا اور جس وقت مسلمان دمشق کا محاصرہ کرنے پہنچے ہیں وہ ہرقل کی طرف سے اس شہر کا حاکم تھا۔ اغلباً عربوں نے دمشق فتح کرنے کے بعد اس دروازہ کا نام "بابِ توما" رکھ دیا تھا۔ مغربی جانب جو دروازہ تھا اسے باب الجابیہ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

فان کریمر کے لکھنے کے مطابق شہر کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ کی نسبت بہت خوبصورت تھا۔ دمشق کی سب سے اہم سڑک "درب مستقیم" تھی جو مغربی دمشق کو مشرقی دمشق سے ملاتی تھی۔ یہ باب توما سے لے کر باب الجابیہ تک سیدھی چلی جاتی تھی۔ اس کی چوڑائی پندرہ قدم تھی۔

اسلامی لشکر دمشق کی فصیل کے سامنے ۱۶ محرم الحرام ۱۴ھ کو پہنچا۔ جب اہلِ دمشق نے مقدمۃ الجیش کو آتے دیکھا تو وہ "غوطہ" اور دمشق کے اطراف سے آکر شہر میں جمع ہو گئے اور دروازوں کو بند کر لیا۔ "غوطہ"

---

[1] سرولیم میور

[2] ہارٹمن

اور اس کے گرجے مسلمانوں نے بزور اپنے قبضہ میں کر لئے اور اس کے بعد آگے بڑھ کر دمشق کا محاصرہ کر لیا۔

مغربی دروازہ ریاب الجابیہ، کے سامنے لشکر کے سپہ سالار ابو عبیدہؓ عامر بن الجراح ٹھہرے۔ خالدؓ بن ولید نے مشرقی دروازہ کے سامنے پڑاؤ ڈالا۔ اس دروازہ کے قریب ہی ایک گرجا تھا جس کا نام "دیر صلیبا"[1] تھا لیکن فتح دمشق کے بعد اس کا نام "دیر خالد" مشہور ہو گیا۔ شرجیل بن حسنہ "باب الفرادیس" کے سامنے اترے۔ یزید بن معاویہ نے جنوبی جانب اس جگہ پڑاؤ ڈالا جو باب صغیر اور باب کیسان کے درمیان ہے۔ عمرو بن العاص کے متعلق بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ اس وقت فلسطین میں تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ شہر کے شمال مشرق میں باب توما کے قریب تھے۔

بعض مستشرقین اس تقسیم سے انکار کرتے ہیں۔ اٹلی کا مشہور عالم اسلامیات "کیتانی" تو یہاں تک کہتا ہے کہ ابو عبیدہؓ اس زمانہ میں شام میں موجود ہی نہیں تھے[2] لیکن چونکہ مستند روایات کی رُو سے اسی تقسیم کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ان مستشرقین کی روایت کو کوئی اہمیت دی جائے۔

دمشق کے محاصرہ کے متعلق بعض مستشرقین نے عجیب رائے قائم کی ہے "کارل بکر" اس محاصرہ کے متعلق کہتا ہے کہ عربوں کے پاس اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ وہ دمشق جیسے شہر کا کامل محاصرہ کر سکتے۔ نہ وہ محاصرہ کے فن سے واقف تھے اور نہ ان میں اس کی استعداد تھی[3]۔

"لامنس" بھی اسی کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ عربوں نے جو محاصرہ کیا تھا وہ بہت نامکمل تھا۔ محاصرہ کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ مسلمانوں کے پاس موجود ہی نہیں تھیں۔ حتیٰ کہ فصیلوں پر چڑھنے کے لئے ان کے پاس سیڑھیاں تک نہ تھیں[4]۔

اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے اس خیال سے کہ اہل دمشق کو شمال کی طرف سے کسی قسم کی امداد نہ مل سکے یا مسلمانوں پر کسی قسم کا حملہ نہ ہو سکے، ابو الدرداء عامر بن عویمر خزرجی کو ایک دستہ دے کر برزہ بھیج دیا[5] جو بعلبک کے

---

1. فتوح البلدان بلاذری صـ۱۲۱، خلافت از سر ولیم میور صـ۱۲۶
2. تاریخ القرون الوسطیٰ صـ۳۴۲، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام صـ۹۰۴
3. تاریخ القرون الوسطیٰ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی صـ۳۴۲
4. تاریخ شام از لامنس جلد اول صـ۵۵
5. فتوح البلدان بلاذری صـ۱۲۷

راستہ میں واقع ہے۔ حمص کی طرف سے کسی کارروائی کے پیشِ نظر ذوالکلاع کو کچھ فوج دے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلہ پر متعین کر دیا چنانچہ ہرقل نے حمص سے جو فوجیں بھیجی تھیں وہ وہیں روک لی گئیں۔ اسی طرح علقمہ بن حکیم اور مسروق عبسی کو بھی دمشق اور فلسطین کے درمیان مقرر کر دیا گیا تاکہ ادھر سے کسی قسم کی کوئی امداد نہ آنے پائے[1]۔

محاصرہ کے دنوں میں حاکمِ دمشق کے متعلق مؤرخین میں بے حد اختلاف ہے۔ طبری کہتا ہے کہ اس کا نام باہان تھا۔ سیف بن عمرو اس کا نام نسطاس بتلاتا ہے اور ابنِ اثیر انسطاس۔ ابنِ خلدون کہتا ہے کہ اس کا نام منصور بن سرجون تھا[2]۔ "لامنس" ابنِ سرجون کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ دمشق کا ایک بہت معزز شخص اور بیزنطینی عہد میں شہر کے مالی معاملات کا نگران تھا[3]۔ پروفیسر دی غوبی لکھتا ہے کہ منصور بن سرجون ہرقل کا مخالف ہو گیا تھا کیونکہ ہرقل نے اسے حکم دیا تھا کہ اگر وہ شہر کا حاکم رہنا چاہتا ہے تو رومی خزانہ میں ایک لاکھ درہم داخل کرے جب ہرقل نے بیزنطینی فوجوں کو باہان کی قیادت میں مسلمانوں کے حملہ کو روکنے کے لئے دمشق بھیجا تو اس موقعہ پر منصور نے لشکر کے ساتھ عجیب وغریب رویّہ اختیار کیا۔ اس نے نہ شہر کے خزانہ میں سے فوج کو ایک درہم دیا اور نہ خوراک ہی مہیا کی[4]۔

بہت ممکن ہے کہ یہ حقائق صحیح ہوں اس زمانہ میں شام کے عیسائی بیزنطینیوں سے حد درجہ بیزار تھے۔ کیونکہ بیزنطینیوں نے ان کے علاقہ میں لوٹ کھسوٹ مچا رکھی تھی اور وہاں کے باشندوں پر بڑے ظلم وستم توڑتے تھے۔

جب مسلمانوں نے شامی علاقوں پر حملہ کیا تو وہاں کے باشندے یہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک بادل ہے جو تھوڑے عرصہ کے بعد چھٹ جائے گا اور عرب کچھ مدت کے بعد اپنے وطن واپس ہو جائیں گے[5]۔ ہرقل اور اس کے

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۵۱

[2] تاریخ ابنِ خلدون جزو دوم صفحہ ۲۲۱

[3] تاریخِ شام صفحہ ۵۶

[4] تذکرہ دی غوبی صفحہ ۸۸، ۸۹

[5] خلفاء اولین از سر ولیم میور صفحہ ۱۴۶

سردارانِ لشکر بھی یہی خیال کرتے تھے ان کو یہ خیال اس وجہ سے بھی پیدا ہوا تھا کہ عربی لشکر کے پاس ہتھیاروں کی بے حد کمی تھی کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں ہے۔ کسی کے پاس نیزہ ہے تو ڈھال نہیں ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے شہنشاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ دمشق پر مسلمانوں کا یہ حملہ وقتی بات ہے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ ہی آپ محاصرہ اٹھ جائے گا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں بیزنطینی لشکر ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھا۔ رومی فوجوں کی تعداد بھی مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی۔ اگر مسلمانوں میں قوتِ ایمان اور جذبۂ خلوص نہ ہوتا تو ان کے فتح یاب ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔

اہلِ دمشق نے قیصر سے مزید فوجیں بھیجنے کی درخواست کی تھی جس کے جواب میں ہرقل نے سواروں کی ایک فوج بھیجی لیکن ذوالکلاع حمیری نے جو حمص اور دمشق کے درمیان ایک دستہ کے ساتھ اسی کام پر مامور تھے کہ اگر کوئی رومی فوج اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے آئے تو اسے آگے نہ جانے دیں اس فوج کو راستہ ہی میں روک لیا اور اسے مجبور ہو کر واپس جانا پڑا۔[1]

گرمی آ چکی تھی اور عرب بڑی سختی کے ساتھ دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اس کے بعد سردی آئی مگر محاصرہ پھر بھی شدت کے ساتھ جاری رہا۔ سردی گذر کر دوبارہ گرمی آ گئی لیکن مسلمانوں کی سرگرمیاں اسی طرح جاری رہیں۔ اس بات کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے کہ عرب محاصرہ ختم کر دیں گے۔ جب اہلِ دمشق نے یہ دیکھا تو انہوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرنے کے متعلق سوچنا شروع کیا حالانکہ مسلمان فصیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے تھے اور رومیوں کی قوت و طاقت میں بھی کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

بعض یورپین مؤرخ لکھتے ہیں کہ اثنائے محاصرہ میں بیزنطینی فوجوں نے کئی بار باہر نکل کر مسلمانوں پر حملے بھی کئے تھے۔[2] لیکن عربی تاریخوں میں اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔

مؤرخین دمشق میں مسلمانوں کے داخلہ کی کیفیت کے بارے میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ اکثر مؤرخینِ عرب کا کہنا ہے کہ اسلامی فوجیں دمشق کے دو دروازوں سے داخل ہوئیں۔ پہلے دروازے سے

---

[1] تاریخِ عرب از سیدیو صفحہ ۱۰۶

[2] طبری صفحہ ۲۱۵۲، خلافت از سر ولیم میور صفحہ ۱۴۲

[3] مذکرۃ دی غوربی صفحہ ۸۲، پروفیسر بکر صفحہ ۳۴۳

لڑتی بھڑتی اور دوسرے دروازے سے صلح واطمینان کے ساتھ۔ جب عیسائیوں نے دیکھا کہ مسلمان شہر میں گھس گئے ہیں تو دوسرا دروازہ خود بخود اس شرط پر کھول دیا کہ انہیں امان دی جائے گی۔ اکثر مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ خالدؓ بن ولید جو لڑتے بھڑتے شہر کے اندر داخل ہوئے تھے، مشرقی دروازے سے اندر گھسے تھے اور ابو عبیدہؓ جنہوں نے عیسائیوں کو امان دینا قبول کر لیا تھا، باب الجابیہ سے داخل ہوئے تھے۔ شہر کے وسط میں دونوں سرداروں کی ملاقات ہوئی۔ خالدؓ کی رائے یہ تھی کہ ہم نے شہر کو لڑ کر فتح کیا ہے اس لئے شہر والوں کو امان نہیں دینا چاہئے لیکن چونکہ ابو عبیدہؓ امن دینے کی شرط پر صلح کر چکے تھے اس لئے مفتوحہ علاقہ میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کر لی گئیں۔

مستشرقین کہتے ہیں کہ جب شہر کا بچاؤ کرنے والی فوجوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں تو وہ شہر چھوڑ کر چلی گئیں۔ جب شہر والے مایوس ہو گئے تو انہوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی بعض مؤرخ کہتے ہیں کہ سقوطِ دمشق شہر کے اسقف کی غداری کی وجہ سے ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ جب شہر والوں نے مسلمانوں سے مناسب شرائط پر صلح کر لی تو انہوں نے خود بخود شہر کے دروازے کھول دیئے۔ شہر والوں کی طرف سے شرائط شہر کے اسقف اور منصور بن سرجون نے طے کی تھیں۔

طبری فتح کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دمشق کے بطریق کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے خوشی میں جشن منعقد کیا۔ خوب کھانے پکے، شہر والوں نے اتنی شراب پی کہ ان پر مدہوشی طاری ہو گئی اور وہ بے سدھ ہو کر پڑ رہے مسلمانوں میں سے سوائے خالدؓ کے کسی کو اس واقعہ کی خبر نہ تھی۔ انہیں ان کے جاسوسوں نے بتلا دیا تھا کہ دمشق والے کس شغل میں مشغول ہیں۔ انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور رسیوں کی سیڑھیاں تیار کرائیں۔ جب دن نکلنے کے قریب ہوا تو وہ قعقاع بن عمرو اور چند اور ساتھیوں کو ساتھ لے کر شہر پناہ کی طرف گئے۔ شہر پناہ کے محافظ بکثرت شراب نوشی کے سبب مدہوش پڑے تھے۔ خالدؓ اور ان کے ساتھیوں نے پانی سے بھری ہوئی خندق کو ایک جگہ سے عبور کیا اور رسیوں کی سیڑھیوں کی کمندیں بنا کر انہیں فصیل کے کنگروں سے اٹکا دیا اور ان کے ذریعے اوپر چڑھ گئے صبح کا وقت تھا اور رومی غافل پڑے سو رہے تھے۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگ تو نگرانی کرنے لگے اور باقیوں نے اندر سے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ لشکر جو باہر منتظر کھڑا تھا نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے شہر میں داخل ہو گیا۔ عیسائی ہڑبڑا کر اٹھے، دیکھا تو مسلمان شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ خالدؓ مشرقی دروازے سے داخل ہوئے تھے۔ رومی فوراً ابو عبیدہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے صلح کی درخواست کی جو انہوں نے قبول کر لی۔ رومیوں نے شہر کے باقی دروازے بھی کھول دیئے

ابو عبیدہ رض وسط شہر میں خالد رض سے ملے اور ان کو بتایا کہ میں نے صلح کر لی ہے اس پر ناچار انہوں نے بھی صلح تسلیم کر لی۔

یہ روایت جو طبری نے سیف بن عمرو سے نقل کی ہے اور اسی قبیل کی اور دوسری روایات کچھ غور و فکر چاہتی ہیں۔ عقل انہیں آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خالد رض کے حملہ کے معاً بعد دمشق والوں کا ابو عبیدہ رض کے پاس دوڑ کے جانا اور ان سے صلح کی درخواست کرنا بہت ہی بعید از قیاس ہے۔ آخر اتنی سرعت اور اتنی تھوڑی سی مدت میں رومیوں کو یہ خیال کس طرح آیا کہ وہ ابو عبیدہ رض کے پاس جاکر صلح کی درخواست کریں؟ کیا وہ خالد رض سے جنہوں نے شہر پر حملہ کیا تھا صلح کی درخواست نہ کر سکتے تھے؟ پھر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خالد رض کے شہر میں داخلہ سے ابو عبیدہ رض بالکل بے خبر کس طرح ہو سکتے تھے اور کیا وہ اتنی جلدی صلح پر رضا مند ہو گئے جبکہ انہیں مطلق پتہ نہ تھا کہ دوسری طرف ان کی فوج کے ایک افسر کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کیا عقل اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ خالد رض دمشق پر حملہ کریں اور ابو عبیدہ رض کو اس کی خبر نہ پہنچیں؟

بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں دو صلح نامے لکھے گئے۔ ایک صلح نامہ خالد رض کے ساتھ لکھا گیا اور دوسرا ابو عبیدہ رض کے ساتھ۔ لیکن خالد رض اس وقت اسلامی لشکر کے سپہ سالار نہیں تھے وہ کس طرح بطور خود کوئی معاہدہ کر سکتے تھے؟

واقدی[1] اور بلاذری[2] مندرجہ بالا دونوں روایتوں سے بالکل مختلف روایتیں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح مستشرقین میں بھی دمشق کی فتح کے بارے میں آپس میں اختلاف ہے۔ سر ولیم میور طبری کی روایت کی تائید کرتے ہیں اور جرمنی کے مستشرق مسٹر ہارٹمن اس کے خلاف واقعہ بیان کرتے ہیں۔

جہاں تک ہم نے تحقیق کی ہے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمان دمشق میں صلح کے بعد داخل ہوئے۔ لڑ بھڑ کر نہیں۔ صلح نامہ بھی ہماری رائے کی تائید کرتا ہے۔

بلاذری کی روایت کے بموجب اہل دمشق سے صلح اس بات پر ہوئی تھی کہ دمشق کے آدھے مکانات اور آدھے گرجے مسلمانوں کے ہوں گے۔ سیف بن عمرو جس سے طبری نے روایت کی ہے اور جس کی انگریزی مستشرق

---

[1] فتوح الشام از واقدی صفحہ ۳۶ تا ۳۷

[2] فتوح البلدان از بلاذری صفحہ ۱۲۱

سر ولیم میور نے بھی تائید کی ہے یہ کہتا ہے کہ صلح کی بنیاد اموال و جائیداد کی تقسیم پر تھی یعنی عیسائیوں نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ اپنے نصف اموال اور نصف اراضی مسلمانوں کو دے دیں گے۔ میور اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ صلح کی شرائط میں یہ امر بھی شامل تھا کہ عیسائی اپنے مکانات اور گرجے بھی آدھے مسلمانوں کو دے دیں گے۔

البتہ واقدی کہتا ہے کہ صلح نامہ میں نصف مکانات اور گرجے مسلمانوں کے حوالے کرنے کا کہیں ذکر نہیں اس کا کہنا ہے کہ دمشق کی فتح کے بعد وہاں کے اکثر باشندے بھاگ کر انطاکیہ میں ہرقل سے جا ملے، اس طرح شہر کے بہت سے مکانات خالی ہو گئے جن میں مسلمانوں نے رہائش اختیار کر لی۔ اکثر مورخین نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے۔

صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ عیسائی مسلمانوں کو جزیہ ادا کرتے رہیں گے۔ جزیہ کی شرط پر تمام مورخین متفق ہیں لیکن اس کی مقدار کے بارے میں اختلاف ہے۔ سیف بن عمرو کے قول کے مطابق ہر فرد بشر کے لئے جزیہ کا ایک دینار مقرر ہوا تھا[1]۔ بلاذری بھی ایک روایت میں اسی قول کی تائید کرتا ہے[2]۔ ایک دوسری روایت میں وہ بیان کرتا ہے کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر لگایا گیا تھا جو بالغ تھے اور بچوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جزیہ کی شرح کو بھی تبدیل فرما دیا اور ہر شخص پر اس کی مالی حالت کے مطابق جزیہ لگایا گیا۔

ابن خلدون کہتا ہے کہ دمشق کی فتح رجب ۱۴ھ (مطابق ستمبر ۶۳۵ء) میں ہوئی تھی اور محاصرہ چھ ماہ تک جاری رہا تھا[3]۔ لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ محاصرہ ستر دن سے زیادہ جاری نہیں رہا۔

---

[1] طبری صفحہ ۲۱۵۴

[2] بلاذری صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵

[3] یعنی محرم سے رجب ۱۴ھ تک۔

(۱۱)

شام اور فلسطین میں پیش قدمی

بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ دمشق کو دوبارہ فتح کیا گیا۔ پہلی دفعہ قبضہ کے بعد جب عربوں کو اس بات کا پتہ چلا کہ ہرقل ان کے مقابلے کے لئے ایک اور زبردست لشکر جمع کر رہا ہے تو انہوں نے اسے خالی کر دیا۔ اس روایت کی بعض عرب مؤرخین مثلاً بلاذری[ل] نے بھی تائید کی ہے۔

اس نئے رومی لشکر کی قیادت تھیوڈوسیوس سکلاریس کے سپرد تھی۔ یہ لشکر جس میں ایک لاکھ سپاہی شامل تھے اجھیل حولہ (جسے بحر سیت بھی کہتے ہیں) کی جنوبی جانب بڑھا۔ رومی سپہ سالار چاہتا تھا کہ دمشق اور عرب کا درمیانی راستہ کاٹ کر عرب فوجوں کا تعلق عرب سے بالکل منقطع کر دے تاکہ انہیں کسی طرح کی امداد نہ پہنچ سکے۔

ہرقل موسم سرما کے گزرنے کے انتظار میں رہا۔ جب سردیاں گزر گئیں اور گرمیاں آ گئیں تو ربیع الثانی ۱۵ھ میں اس کا لشکر اسلامی فوجوں کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ خالدؓ نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے لشکر کے سرداروں کو مشورہ دیا کہ شام کا شمالی حصہ حتیٰ کہ دمشق بھی خالی کر دیا جائے اور جنوب کی طرف جا کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

ل فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۳۲

چنانچہ یہی کیا گیا اور مسلمان شمالی شام کو چھوڑ کر جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ اپنے قبضہ کے دوران میں مسلمانوں نے مقامی عیسائی آبادی کے ساتھ جس حُسنِ سلوک سے کام لیا تھا اس نے تمام لوگوں کو مسلمانوں کا گرویدہ کر رکھا تھا۔ اسی حُسنِ سلوک کا اثر تھا کہ جب مسلمان اس علاقہ کو چھوڑ کر جانے لگے تو عیسائی روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو پھر واپس لائے۔[1]

مستشرقین نے بیان کیا ہے کہ اس موقعہ پر رومیوں اور عربوں میں جو معرکہ ہوا تھا وہ یرموک میں پیش آیا تھا۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ دمشق کی فتح سے پہلے جو لڑائی ہوئی تھی وہ جنگِ اجنادین تھی۔ لیکن معرکۂ یرموک ۱۵ھ میں دمشق کی فتح کے بعد پیش آیا۔ اس بارے میں ہمارا خیال جس کی تائید بعض یورپین مؤرخین بھی کرتے ہیں، یہ ہے کہ عرب رومیوں سے دو مرتبہ اجنادین میں لڑے۔ پہلا معرکہ بڑا زبردست تھا۔ اس کے بعد یرموک کا معرکہ پیش آیا۔ پھر فتحِ دمشق ہوئی اس کے بعد دوبارہ اجنادین کا معرکہ پیش آیا۔

دوسری بار ہونے والے معرکۂ اجنادین کی تفصیلات بہت حد تک پردۂ خفاء میں ہیں۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ یہ رجب ۱۵ھ میں پیش آیا تھا اور اس میں ہرقل کی فوجوں کو زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ معرکۂ اجنادین کے بعد اور بھی کئی معرکے پیش آئے لیکن کسی جگہ رومی لشکر کو فتح کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ قیصر پہلے بھاگ کر انطاکیہ پہنچا۔ اس کے بعد دل شکستہ ہو کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ مسلمان جن علاقوں کو چھوڑ کر گئے تھے واپس آکر ان پر دوبارہ قابض ہو گئے۔

مؤرخینِ عرب ذکر کرتے ہیں کہ دمشق کی فتح کے بعد مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے فلسطین کا رُخ کیا، جہاں رومیوں کی اسی ہزار فوج موجود تھی۔ طبری اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ ابو عبیدہؓ نے یزید بن ابی سفیان کو فوج کے ایک دستہ کے ساتھ دمشق میں چھوڑا اور خود فحل کا قصد کیا جو موجودہ شرقِ اردن کے علاقہ عجلون میں واقع ہے۔

فلسطین میں رومیوں کے چار جنگی مرکز تھے۔ فحل، اجنادین، قیساریہ اور بیت المقدس۔ ان چاروں مرکزوں میں بہ تعدادِ کثیر فوجیں موجود تھیں اور انہوں نے ان شہروں کو مضبوط کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

---

[1] بلاذری بروایت ابوحفص دمشقی دتنوخی۔ نیز تذکرہ دی خویی صفحہ ۱۰۵۔ امام ابو یوسف نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" میں لکھا ہے کہ مسلمانوں نے اس علاقہ کو خالی کرتے وقت مقامی آبادی سے جتنا جزیہ وصول کیا تھا وہ بھی واپس کر دیا تھا (کتاب الخراج صفحہ ۱۰۴)

مورخین میں معرکہ فحل کے بارے میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ معرکہ یرموک کے بعد ۱۳ھ میں ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ بعد میں پیش آیا تھا۔ بعض نے بیان کیا ہے کہ اسلامی لشکر نے مجتمع ہو کر فحل پر حملہ کیا تھا لیکن بعض کہتے ہیں کہ حملہ کرنے والے چند دستے تھے۔ یہاں ان کا سخت مقابلہ ہوا۔ بالآخر مسلمان شہر پر قابض ہو گئے۔

جب اسلامی لشکر فحل کی فتح سے فارغ ہو چکا تو ابو عبیدہؓ نے حمص کا رُخ کیا۔ ہرقل نے دو لشکر روانہ کئے۔ ایک حمص کی طرف بڑھنے والی اسلامی فوج کے مقابلہ کے لئے اور دوسرا دمشق پر قبضہ کرنے کے لئے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ دمشق اسلامی فوجوں سے خالی ہو گیا ہے اور اس پر قبضہ کرنے کا یہ بہت اچھا موقع ہے۔

دمشق کے مغربی جانب مرج الروم میں مسلمانوں کی مٹھ بھیڑ رومیوں کی دونوں فوجوں سے ہوئی۔ ابو عبیدہؓ نے بھی اپنے لشکر کے دو حصے کئے ایک حصہ جس کی قیادت وہ خود کر رہے تھے اسلامی لشکر سے مقابلہ کرنے والی رومی فوج کے سامنے ڈٹ گیا اور دوسرا حصہ جس کی قیادت خالدؓ کے سپرد تھی دمشق جانے والی فوج کے مقابلہ پر آ گیا۔ لیکن رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسرا رومی لشکر مسلمانوں کی نظر بچا کر دمشق کی جانب روانہ ہو گیا۔ ابو عبیدہ کو جب یہ خبر ملی تو انہوں نے خالدؓ کو اس لشکر کے پیچھے بھیجا۔

ادھر یزید بن ابی سفیان کو جنہیں ابو عبیدہؓ نے دمشق میں چھوڑا تھا جب رومی فوج کے آنے کا پتہ چلا تو وہ اپنی مختصر فوج کو لے کر رومیوں کے مقابل آ گئے۔ رومیوں کو یہ پتہ نہ تھا کہ خالدؓ بھی ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی تھیں کہ پیچھے سے خالدؓ نے حملہ کر دیا ادھر یزید نے اپنی فوج کو بڑھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رومی دونوں جانب سے پس کر رہ گئے۔ بہت کم لوگ بھاگ کر کامیاب ہو سکے، باقی سب مارے گئے۔

ابو عبیدہؓ کا پہلے رومی لشکر سے مقابلہ ہوا جس کی قیادت تیودورس کر رہا تھا۔ لڑائی میں رومی سپہ سالار مارا گیا اور فوج زبردست ہزیمت اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اسلامی لشکر نے اس کا تعاقب کیا، بہت سے سپاہیوں کو قید کر لیا بہت سے مارے گئے۔ بالآخر یہ شکست خوردہ رومی فوج حمص پہنچی۔

ابو عبیدہؓ "بعلبک" کے رستے حمص کی طرف روانہ ہوئے۔ خالدؓ نے "بقاع" کا رُخ کیا اور اس کو فتح کر لیا۔ اہلِ بعلبک نے ابو عبیدہؓ سے اس شرط پر صلح کر لی کہ انہیں امان دی جائے گی۔ ان کے اموال محفوظ

رہیں گے اور ان کے گرجاؤں کو چھیڑا نہیں جائے گا۔ ابو عبیدہؓ نے ان کو صلح نامہ لکھ کر دے دیا اور خود حمص کی جانب بڑھے۔ اہلِ حمص کی طرف سے شروع میں زبردست مزاحمت ہوئی۔ شہر میں بعض اوقات رومی سپاہی بھی تھے وہ موقعہ بموقعہ شہر سے نکلتے، مسلمانوں سے مقابلہ کرتے اور پھر جھٹ شہر میں جا گھستے اور شہر کے دروازے بند کر لیتے۔

اگرچہ شدید سردی کا موسم تھا اور مسلمانوں نے سردی کی وجہ سے بڑی تکلیف بھی اٹھائی لیکن وہ برابر شہر کا محاصرہ کئے رہے۔ جب حمص والوں نے دیکھا کہ مسلمان کسی طرح بھی محاصرہ اٹھانے کا نام نہیں لیتے تو انہوں نے امان کی شرط پر صلح کی درخواست کی۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے ان سے انہی شرائط پر صلح کر لی جن شرائط پر اہلِ دمشق کے ساتھ کی تھی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کو سارا حال لکھ بھیجا اور ان سے مزید ہدایات طلب کیں۔ حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا کہ ابھی حمص میں رہ کر ہی اپنی فوج کی تنظیم کرو اور اس علاقہ میں جو عرب آباد ہیں ان کو اپنی فوج میں شامل ہونے کی ترغیب دو۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ میں بھی تمہاری مدد کے لئے برابر لشکر روانہ کرتا رہوں گا۔

ابوعبیدہؓ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق حمص ہی میں ٹھہرے رہے اور خالدؓ کو قنسرین کا علاقہ فتح کرنے بھیجا اس علاقہ میں بعض عرب قبیلے آباد تھے اور ایک رومی لشکر بھی موجود تھا۔ جب حضرت خالدؓ وہاں پہنچے تو مقابلہ شروع ہو گیا۔ رومی سردار لشکر مارا گیا اور فوج نے شکست کھائی۔ عربوں نے خالدؓ کے پاس آ کر کہا کہ انہیں اس جنگ میں ان کی مرضی کے خلاف زبردستی شامل ہونے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس لئے ان سے درگزر کیا جائے۔ حضرت خالدؓ نے اپنی عادت کے بالکل برخلاف ان کا عذر قبول کر لیا اور انہیں امان دے دی۔ کیونکہ انہیں حضرت عمرؓ کی اس سیاست کا علم ہو گیا تھا کہ عربوں کے ساتھ انتہائی نرمی اور محبت کا سلوک کیا جائے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور مسلمان فوج کی تقویت کا موجب بنیں۔ چنانچہ اس قبیلہ کے بھی اکثر لوگوں نے بالآخر اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد حضرت خالدؓ بن ولید نے شہر "قنسرین" کا رُخ کیا۔ وہ لوگ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت خالدؓ نے انہیں کہلا بھیجا کہ اگر تم بادلوں میں بھی چلے جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ یا تو ہم کو تمہارے پاس پہنچا دے گا یا تمہیں ہمارے سامنے اتار دے گا۔ اس لئے قلعہ بند ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم ہتھیار ڈال دو۔

وہاں کے لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان کے پاس چونکہ زیادہ طاقت نہیں ہے

اس لئے ہتھیار ڈال دینا ہی مناسب ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خالدؓ سے صلح کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ حضرت خالدؓ نے ان سے انہی شرائط پر صلح کی جن شرائط پر حمص والوں سے کی گئی تھی۔ قنسرین پر قبضہ کرنے کے بعد حضرت خالدؓ مرعش پہنچے اور اسے فتح کر کے اس کے باشندوں کو شہر سے نکال دیا۔ مرعش کی فتح کے بعد آپ نے "حدث" کے قلعہ کو فتح کیا۔ کچھ دنوں کے بعد حلب بھی فتح کر لیا گیا۔[1] ہرقل اس زمانے میں انطاکیہ میں مقیم تھا جب اسے خبر ملی کہ حلب پر بھی مسلمان قابض ہو گئے تو وہ ملک شام کی طرف سے مایوس ہو گیا اور قسطنطنیہ کا رخ کیا۔ جاتے ہوئے جب وہ مقام شمشاط پر پہنچا تو ایک بلند پہاڑی پر کھڑے ہو کر اس نے شام کی طرف منہ کیا اور نہایت حسرت سے کہا:

"اے سرزمین شام! رخصت ہونے والے کا سلام قبول ہو۔ یہ ایسی جدائی ہے جس کے بعد ملاقات ممکن نہیں"

جب حضرت عمرؓ کو شمالی شام میں حضرت خالدؓ کے کارناموں کی تفصیل پہنچی تو آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

"خالدؓ نے اپنے کارناموں سے خود اپنے آپ کو سردار بنا لیا ہے۔ خدا ابوبکرؓ پر رحمت نازل فرمائے وہ مجھ سے زیادہ مردم شناس تھے۔"[2]

حمص، حماۃ، قنسرین اور حلب کی فتوحات ۱۵ھ میں ختم ہو گئیں اور ان فتوحات سے اسلامی لشکر اس قابل ہو گیا کہ وہ جنوبی عراق میں متعین اسلامی فوجوں سے براہ راست رابطہ پیدا کر سکتا تھا۔

دمشق اور حلب کے درمیانی شہروں دوما، قطیفہ، نبک، حمص، حماۃ اور معرۃ النعمان کو مطیع کرنے کے بعد اسلامی فوجوں نے شام کے ساحلی علاقہ کو جو شمال میں خلیج اسکندرونہ سے لے کر جنوب میں "صور" کی بندرگاہ تک پھیلا ہوا تھا، فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اس علاقہ میں لاذقیہ، طرابلس، بیروت، صیدا اور صور کے مشہور شہر آباد تھے۔

اس علاقہ کو فتح کرنے کے لئے ابو عبیدہؓ حلب سے روانہ ہوئے۔ پہلے "معرۃ مصرین" پہنچے۔ اسے

---

[1] تاریخ ابو الفداء جلد اول صفحہ ۱۶۰

[2] تاریخ طبری جلد چہارم صفحہ ۱۵۵، ابن اثیر جلد سوم صفحہ ۴۴۳

فتح کیا۔ اس کے بعد "سرمین" کو زیر کیا جو حلب کے قریب ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ اس کے بعد "بوقا" پہنچے جو شہر لاذقیہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اسے فتح کرنے کے بعد جبلہ، بانیاس، خراب اور طرطوس کو فتح کیا۔ طرطوس، لاذقیہ کے جنوب میں لاذقیہ اور طرابلس الشام کے درمیان ایک شہر ہے۔

اس دوران میں جبکہ ابوعبیدہؓ اور خالدؓ شمال میں رومیوں سے برسرِ پیکار تھے یزید بن ابی سفیان جنہیں ابوعبیدہؓ نے دمشق میں چھوڑا تھا ساحلِ لبنان پر مصروفِ عمل تھے۔ آپ نے اپنے لشکر کے ساتھ پہلے "بیروت" پر حملہ کیا۔ اس کو فتح کرنے کے بعد ساحل ساحل کوچ کرتے ہوئے "صیدا" پہنچے اور اس پر قبضہ کر لیا اس کے بعد اور آگے بڑھے اور صور پہنچ کر اسلامی لشکر سے مل گئے۔ وہاں سے پھر بیروت واپس آگئے اور شمالی جانب بڑھنا اور بستیوں اور شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ حتیٰ کہ "عرقا" پہنچے جو "طرابلس الشام" کے شمال میں اس سے تیرہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں "عرقا" بہت خوبصورت اور آباد شہر تھا۔ عرقا کو فتح کرنے کے بعد آپ اس اسلامی لشکر سے مل گئے جو شمالی جانب سے ساحلی شہروں کو فتح کرتا چلا آ رہا تھا۔ اس طرح شام کا سارا ساحلی علاقہ شمال میں لاذقیہ سے لے کر جنوب میں قیساریہ تک عرب مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

تاہم اس منطقہ میں مسلمانوں کی جنگی سرگرمیاں اس وقت تک ختم نہ ہوئیں جب تک مسلمانوں نے کیلیکیہ کو فتح نہ کر لیا۔ کیلیکیہ حلب سے بیالیس میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں بیج اور جرابلس کے درمیان واقع ہے۔ اسے آج کل عمریہ یا معمورہ کہتے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس طرف میسرہ بن مسروق عبسی کی قیادت میں ایک فوج بھیجی تھی۔ وہاں پہنچ کر اس کی رومیوں سے لڑائی ہوئی جس میں مسلمانوں نے فتح حاصل کی لیکن اسلامی لشکر زیادہ دن یہاں نہیں ٹھہرا بلکہ واپس آگیا اور اس علاقہ پر دوبارہ رومیوں کا تسلط ہو گیا۔ یہاں تک کہ فلسطین کی فتح کے بعد سنہ ۱۶ھ میں ہاشم بن عتبہ نے پھر کیلیکیہ پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا۔ دراصل پہلے حملہ کی غرض اس علاقہ پر قبضہ کرنا نہیں تھا بلکہ رومیوں کو ڈرانا تھا کہ وہ شام کی طرف لوٹنے یا نئے لشکر بھیجنے کا قصد نہ کریں۔

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۱۹ھ میں ہرقل پھر شام کے علاقہ میں آیا اور آرا، رفا اور رہا سے ایک زبردست لشکر صحرا کے راستے حمص کی طرف مسلمانوں سے لڑنے کے لئے روانہ کیا۔

جب عرب سالاروں کو اس لشکر کے آنے کی خبر ملی تو انہوں نے مقابلہ کی تیاریاں شروع کیں۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے حضرت عمرؓ کو ان حالات کی اطلاع دے دی۔ انہوں نے سعدؓ بن ابی وقاص کو لکھا کہ ابو عبیدہؓ کے پاس کمک روانہ کر دو۔ انہوں نے قعقاع کے ساتھ ایک لشکر ابو عبیدہؓ کی طرف بھیجا۔ خالدؓ قنسرین سے آ گئے۔ اسی طرح دمشق اور دوسری جہات سے بھی فوجیں آ گئیں۔ ان فوجوں کو لے کر ابو عبیدہؓ حمص سے باہر نکلے اور اپنے لشکر کی تنظیم کرنے کے بعد رومیوں کا انتظار کرنے لگے۔ جب رومی پہنچے تو لڑائی شروع ہوئی۔ بڑے گھمسان کا معرکہ پڑا جس میں بالآخر مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ اس طرح شام میں فتوحات کی تکمیل ہو گئی شام، عراق اور عرب تینوں علاقے اسلامی جھنڈے کے نیچے آ گئے اور دولتِ اسلامیہ کی حدود مدینہ سے لے کر شمال میں جبال طوروس کے جنوب تک اور مشرق میں آرمینیہ تک پھیل گئیں۔

---

(۱۲)

فلسطین میں فتوحات

اب ہم فلسطین کی فتوحات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب شام کی فتح کے لئے چار سپہ سالار منتخب فرما کر روانہ کئے تھے تو حضرت عمرو بن العاص کو فلسطین کی طرف بھیجا تھا اور شام میں چونکہ رومیوں نے زبردست تیاریاں کی تھیں اس لئے حضرت عمرو بن العاص کو باقی تینوں سپہ سالاروں کے ساتھ یرموک آنا پڑا تھا۔ یرموک کی جنگ ختم ہو گئی تو حضرت عمرو بن العاص فلسطین لوٹ آئے اور یہاں آکر رومیوں سے مصروف پیکار ہو گئے۔ آپ کی کوشش یہ تھی کہ فلسطین کی طرف سے شام میں رومی فوجوں کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکے۔ جب مسلمان فتح دمشق اور معرکۂ فحل سے فارغ ہو گئے اور شام میں رومیوں کی طاقت کو پاش پاش کر دیا تو حضرت عمرو بن العاص کو منطقۂ فلسطین اور اردن میں عربی لشکروں کی قیادت سپرد کی گئی کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد ہی میں آپ کو اس علاقہ پر فوج کشی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ بلقاء یا شرق اردن کے علاقہ میں اسلامی فوج کے قائد شرجیل بن حسنہ بھی آپ کی مدد کر رہے تھے۔ فلسطین اور اردن کے علاقہ میں مسلمانوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی کیونکہ فوج کا بڑا حصہ شمالی شام میں تھا جہاں انہیں رومیوں کی زبردست افواج سے مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کے بالمقابل رومیوں کے پاس بہت زبردست طاقت تھی

اور ان کی فوجیں شام اور فلسطین کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اگرچہ ان کی فوجوں کا ایک بڑا حصہ جنگ یرموک میں کام آگیا تھا لیکن پھر بھی ان کی طاقت اور ان کے دم خم میں فرق نہ آیا تھا۔

سنہ ۱۴ھ میں فحل کی فتح کے بعد مسلمانوں کی فوجیں اردن اور فلسطین کے صوبوں میں پھیل گئی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر فلسطین کے ساحلی شہر "عکا" کو فتح کر لیا۔ جس سے فلسطین میں مقیم رومی فوجوں کا ان کے دارالحکومت انطاکیہ سے تعلق منقطع ہو گیا۔ اب صرف سمندری راستے سے ہی آمد و رفت ہو سکتی تھی۔ رومیوں کے پاس سمندری طاقت اچھی خاصی تھی۔

عکا کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اردن اور فلسطین کے دوسرے شہروں کو فتح کرنا شروع کیا۔ یافا اور رلد پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں نے ساحل کے ساتھ ساتھ بڑھنا شروع کیا۔ پہلے غزہ کو فتح کیا اس کے بعد جنوب کی طرف بڑھتے ہوئے فلسطین کی آخری حدود تک پہنچ گئے، جہاں صحرا کی طرف سے مصر کی سرحد شروع ہوتی تھی۔ اس طرح مسلمانوں کا اس جانب سے بھی حجاز سے براہِ راست تعلق قائم ہو گیا۔ اب فلسطین میں صرف چار بڑے شہر ایسے رہ گئے جو مطیع نہیں ہوئے، اور وہ تھے اجنادین، قیساریہ، بیت المقدس اور عسقلان۔

عمروؓ بن العاص نے خود تو اجنادین کا محاصرہ کیا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ایک فوج بیت المقدس کا محاصرہ کرنے بھیج دی اور تیسری فوج کو معاویہؓ بن ابی سفیان کی قیادت میں قیساریہ کے محاصرہ کے لئے روانہ کر دیا۔

مسلمانوں نے اجنادین کا محاصرہ بڑا زبردست کر رکھا تھا۔ رومیوں کا سردار ان کا ایک مشہور اور زیرک سالار ارطبون تھا۔ اس نے کئی بار کوشش کی کہ کسی طرح حضرت عمروؓ بن العاص کو دھوکہ دے کر مسلمانوں کے لشکر میں تفرقہ ڈال دے لیکن وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ آخر دونوں فوجیں میدانِ جنگ میں بالمقابل آ کھڑی ہوئیں بڑے معرکہ کا رن پڑا جس میں بڑی کثرت سے رومی مارے گئے اور ان کو شکست ہوئی۔ ارطبون شکست خوردہ فوج کو ساتھ لے کر بیت المقدس کی طرف بھاگا۔ بیت المقدس کا پہلے ہی مسلمانوں کی ایک فوج محاصرہ کئے پڑی تھی۔ لیکن اس نے ارطبون کی فوج سے کوئی تعرض نہ کیا اور اسے شہر میں داخل ہونے دیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ رومیوں کی تعداد شہر کے اندر اور باہر اتنی زیادہ تھی کہ مسلمانوں نے فی الحال ان سے مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ فتح اجنادین سنہ ۱۵ھ میں ہوئی تھی۔

جب حضرت عمرو بن العاص اجنادین کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے بیت المقدس کا رخ نہیں کیا۔ بلکہ اپنی توجہ ان چھوٹے چھوٹے شہروں کی طرف مبذول کی جو ابھی تک فتح نہ ہوئے تھے۔ مثلاً غزہ، —— نابلس، بیت جبرین، یافا، لد، عمواس وغیرہ جب یہ سارے شہر فتح ہو گئے تب آپ نے بیت المقدس کا قصد کیا۔ ارطبون کی قیادت میں بیت المقدس کے اندر رومی لشکر تھا اور باہر مسلمان فوج شہر کا محاصرہ کئے پڑی تھی۔

یہ محاصرہ بہت طویل ہو گیا۔ چاروں طرف سے اسلامی فوجیں آکر بیت المقدس کا محاصرہ کرنے والی اسلامی فوجوں سے ملتی جاتی تھیں جب شہر والوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کو برابر کمک پہنچ رہی ہے اور قیصر کی طرف سے مدد ملنے کا کوئی امکان نہیں تو وہ مایوس ہو گئے۔ ارطبون بھی ایک رات خاموشی سے مصر کی جانب فرار ہو گیا۔ اس پر شہر والوں کی ہمتیں بالکل پست ہو گئیں اور انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا ارادہ کر لیا۔ انہوں نے اسلامی سپہ سالار کو کہلا بھیجا کہ وہ شہر مسلمانوں کے حوالے کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ خلیفۃ المسلمین خود بیت المقدس تشریف لائیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدۂ صلح پر دستخط کریں۔ کیونکہ بیت المقدس کی شان اور عیسائیوں اور مسلمانوں میں اس کی اہمیت اسی امر کی متقاضی ہے کہ اس موقعہ پر خلیفۃ المسلمین خود تشریف لائیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے عیسائیوں کی یہ شرط حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس روانہ ہو گئے اور شام میں تمام اسلامی سالاروں کو لکھا کہ وہ جابیہ میں ان سے آکر ملیں۔ چنانچہ یزیدؓ بن ابی سفیان، ابو عبیدہؓ ابن جراح اور خالدؓ بن ولید آپ سے ملنے کے لئے جابیہ پہنچے۔ وہ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے اور دیباج و ریشم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو یہ دیکھ کر بے حد رنج ہوا کہ یہ لوگ ابھی سے زینت اور شان و شوکت کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کو گزرے ابھی کچھ زیادہ دن نہیں گزرے۔ آپ نے ان کو سرزنش کی جس پر انہوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے ان کپڑوں کے نیچے ہتھیار پہن رکھے ہیں اور یہ لباس انہیں اس لئے پہننا پڑ رہا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے درمیان ہیں جو شان و شوکت کا بے حد لحاظ رکھتے ہیں اور اگر معمولی کپڑے پہنے جائیں تو ان پر رعب نہیں پڑ سکتا۔ حضرت عمرؓ نے ان کا یہ عذر قبول فرما لیا۔

آپ جابیہ ہی میں تھے کہ اہالیٔ بیت المقدس کا ایک وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے صلح کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ رومی لشکر کے دونوں سپہ سالار مصر بھاگ گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھ سے صلح نامہ کی تحریر ان کو لکھ کر دی:

"اللہ کے بندے عمر امیر المومنین کی طرف سے اہلِ ایلیاء (بیت المقدس) کو یہ امان نامہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ ایلیا کی جان، مال، گرجوں، صلیبوں سب کو امان دی جاتی ہے۔ بیماروں، تندرستوں اور سب مذاہب کے لوگوں کو یہ امان شامل ہے۔ یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ نہ ان کے عبادت خانوں پر قبضہ کیا جائے گا اور نہ انہیں گرایا جائے گا۔ ان کے دینی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی جائے گی۔ اہلِ ایلیاء کا فرض ہے کہ جزیہ ادا کرتے رہیں اور مخارب رومیوں کو اپنے شہر سے نکال دیں۔ جو رومی شہر سے نکلے گا اس کی جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے گی، حتیٰ کہ وہ اپنے وطن سلامتی سے پہنچ جائے اگر اہلِ ایلیاء میں سے کوئی رومیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ بھی جا سکتا ہے، لیکن اگر رومی بھی امن پسندانہ طور پر رہنا چاہیں تو انہیں بھی انہی شرائط کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے۔ اس امان نامہ کی اللہ، اس کا رسولؐ، آپ کے خلفاءؓ اور جملہ مومنین ذمہ داری لیتے ہیں بشرطیکہ یہ لوگ جزیہ ادا کرتے رہیں۔ اس معاہدہ پر خالدؓ بن ولید، عمروؓ بن العاص، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور معاویہؓ بن ابی سفیان گواہ ہیں —— اور یہ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔"

معاہدۂ صلح کے بعد حضرت عمرؓ گھوڑے پر سوار ہو کر بیت المقدس کی جانب روانہ ہوئے۔ آپ کے دونوں جانب سردارانِ فوج تھے۔ بیت المقدس پہنچ کر آپ اسلامی لشکر میں اتر پڑے اور اس وقت تک وہیں رہے، جب تک رومی شہر سے باہر نہ نکل گئے۔ جب بیت المقدس رومیوں سے بالکل خالی ہو گیا تو آپ بغیر کسی سواری کے شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے دروازہ پر بطریق اور شہر کے معززین نے آپ کا استقبال کیا۔ شہر کے اندر پہنچ کر آپ نے شہر کے مشہور گرجا "کنیسۃ القیامہ" کو جا کر دیکھا۔ آپ ابھی اس کو دیکھ ہی رہے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ بطریق نے عرض کیا کہ گرجا ہی میں نماز پڑھ لیجئے مگر آپ نے منظور نہ کیا اور گرجا سے باہر آ کر نماز پڑھی جس جگہ آپ نے نماز پڑھی اس جگہ ایک مسجد بنا دی گئی جس کا نام جامع عمرؓ ہے۔ مسجدِ اقصیٰ بعض مؤرخین کے قول کے بموجب "ہیکل سلیمان" کی جگہ بنی ہوئی ہے۔

ابھی حضرت عمرؓ جابیہ ہی میں مقیم تھے کہ اہالی "رملہ" کے بھی دو نمائندے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی شرائط پر آپ سے صلح کی جن شرائط پر بیت المقدس والوں نے کی تھی۔ (حاشیہ صفحہ ۹۴ پر دیکھئے)

اب جنوبی فلسطین میں صرف دو مقام قیساریہ اور عسقلان باقی رہ گئے تھے جہاں کے باشندوں نے اطاعت قبول نہیں کی تھی۔ معاویہؓ نے قیساریہ کا محاصرہ کر لیا اور ۲۲ھ میں اسے فتح کیا۔ عسقلان ۲۳ھ میں فتح ہوا یہ فلسطین کا آخری شہر تھا جو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اس فتح کے بعد فلسطین کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔

گو فتوحات شام و فلسطین کا حال تو ختم ہو گیا ہے لیکن اہم واقعہ کا تذکرہ ابھی باقی ہے، اور وہ ہے عمواس کا طاعون جو شام میں ۱۸ھ میں پھیلا اور جس نے امیرالمومنین کو دمشق اور شام کے دیگر شہروں کا دورہ کرنے سے روک دیا۔

اس طاعون کا سبب وہ جراثیم تھے جو اس سرزمین پر ہونے والی شدید جنگ نے تمام فضا میں پھیلا دئے تھے۔ غالب گمان یہ ہے کہ عربوں نے اپنے شہیدوں کو تو دفن کر دیا تھا لیکن رومی مقتولوں کو یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔ ان کی لاشیں زمین پر پڑی سڑتی رہیں جس سے تمام فضا زہر آلود ہو گئی اور بڑے وسیع پیمانے پر طاعون پھوٹ پڑا۔ اس طاعون میں تقریباً بیس ہزار مسلمان شہید ہوئے جن میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی شلاً ابوعبیدہؓ قائد لشکرِ اسلامی، معاذؓ بن جبل اور یزیدؓ بن ابی سفیان شامل تھے۔ یہ وبا اس وقت تک دور نہ ہوئی، جب تک کہ حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کو اس علاقہ کا حاکم مقرر نہ کیا اور انہوں نے لوگوں کو شہر چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے جانے کا حکم نہ دیا۔ چنانچہ لوگ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے، جب کہیں انہیں اس منحوس وبا سے نجات ملی۔

طاعون دور ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ شام جاکر وہاں کا ملکی نظام درست کریں اور اس وبا کے بعد وہاں کے مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کریں۔ چنانچہ آپ مدینہ سے شام پہنچے، مصیبت زدہ لوگوں کو پوری پوری امداد بہم پہنچائی، والیوں کا نئے سرے سے تقرر اور مرنے والوں کا سامان ان کے وارثوں میں تقسیم کیا۔

حاشیہ صفحہ ۹۳ : حضرت عمرؓ نے بیت المقدس پہنچ کر فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جنوبی فلسطین اور شمالی فلسطین۔ جنوبی فلسطین کا صدر مقام بیت المقدس کو بنایا اور اس علاقہ کا حاکم علقمہ ابن محرز کو مقرر کیا۔ شمالی فلسطین کا صدر مقام رملہ کو بنایا اور اس علاقہ کا حاکم علقمہ بن حکیم کو مقرر فرمایا۔

شام میں ایک دن جب نماز کا وقت آیا تو لوگوں نے درخواست کی کہ آپ حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کی خواہش دیکھ کر حضرت بلالؓ سے اذان دینے کی درخواست کی جسے انہوں نے قبول کر لیا اور اذان دینی شروع کی۔ اس اذان کو سن کر تمام لوگ زارو قطار رونے لگے۔ ان کی آنکھوں کی سامنے وہ زمانہ آگیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ تھے اور مسجد نبوی میں حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اتنا روئے کہ روتے روتے ان کے آنسو خشک اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔

صحابہؓ کو روتے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہیں دیکھا تھا، رونے لگے۔

---

(۱۳)

مصر کی جانب پیش قدمی

حضرت عمروؓ بن العاص نے زمانۂ جاہلیت میں مصر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ وہاں کی تہذیب و تمدن دولت مندی اور سرسبزی و شادابی سے بے حد متاثر ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی طرح مصر کو فتح کر لیں جب تک مسلمان عراق اور شام کی فتوحات میں مشغول رہے یہ امر ممکن نہ تھا کہ مصر کی طرف بھی توجہ کی جاتی۔ لیکن جب عراق، شام اور فلسطین کی فتوحات قریب قریب مکمل ہو چکیں تو حضرت عمروؓ بن العاص کے دل میں مصر پر چڑھائی کرنے کا خیال چٹکیاں لینے لگا۔ انہوں نے جابیہ کے مقام پر حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا اور مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت چاہی۔ انہیں تفصیل سے بتایا کہ مصر کو فتح کرنے میں کیا کیا فائدے اور اس علاقہ کو چھوڑ دینے سے کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ اطلاع بھی دی کہ رومی سپہ سالار ارطبون فلسطین سے بھاگ کر مصر پہنچ چکا ہے اور وہاں نئے سرے سے لشکر تیار کر رہا ہے۔ وہ اس بات کے انتظار میں ہے کہ اسے کب موقع ملے جو وہ فلسطین اور شام پر حملہ کرے۔

حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن العاص کی باتیں بڑے غور سے سُنیں اور جواب میں کہا: "ہمیں اس فیصلہ کے لئے شام، عراق اور فلسطین کی فتوحات کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیئے!" حضرت عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ عرب ابھی تک

شمالی شام کی سرحدوں پر رومیوں سے برسرپیکار ہیں، ادھر ایران میں ایرانی ابھی تک عربوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آئے۔ اس صورت میں ایک نیا محاذِ جنگ کھول لینا عربی قوت کے ضعف کا موجب ہو سکتا ہے۔

حضرت عمروؓ بن العاص اس وقت تو خاموش ہو رہے لیکن کچھ دنوں کے بعد انہوں نے پھر حضرت عمرؓ کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ مصر کی فتح کے لئے چار ہزار سے زیادہ فوج درکار نہ ہوگی اور اتنی فوج اگر شام سے مصر منتقل کر دی جائے تو شام میں اسلامی فوجوں کی قوت میں خلل پڑنے کا اندیشہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے کہا کہ مصر کو فتح کرنا جنگی نقطۂ نگاہ سے بے حد ضروری ہے کیونکہ جب تک مصر فتح نہ ہوگا عربوں کو ہر وقت اس بات کا خوف لاحق رہے گا کہ کہیں رومی مصریوں کو بھڑکا کر مصر کی جانب سے شام و فلسطین پر حملہ نہ بول دیں۔

اس مرتبہ حضرت عمرؓ نے اس معاملہ کے متعلق سوچنے کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ وہ مدینہ پہنچ کر اس سلسلہ میں انہیں کوئی خط لکھیں گے۔ جب حضرت عمرؓ مدینہ پہنچے تو آپ نے اس مسئلہ میں صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ بعض نے اس رائے کی تائید کی اور بعض نے مخالفت، آخر بڑی بحث و تمحیص کے بعد حضرت عمرؓ اس نتیجہ پر پہنچے کہ مصر کو فتح کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو خط لکھا جس میں انہیں مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی لیکن ساتھ ہی اس بات کی تاکید بھی کر دی کہ وہ اس معاملہ کو بڑی سختی کے ساتھ پوشیدہ رکھیں، کسی کے کان میں اس کی بھنک بھی نہ پڑنے پائے، مصر پر اچانک حملہ ہونا چاہئے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک نیا لشکر اس مقصد کے لئے تیار کرنا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے مصر پر چڑھائی کرنے کی اجازت کے متعلق حضرت عمروؓ بن العاص کو جو خط لکھا تھا وہ سنہ ۱۸ھ کے نصف میں لکھا تھا۔

شام سے مصر کے لئے تین راستے تھے۔ سمندر کا راستہ، ساحل کا راستہ اور صحرا کا راستہ۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے غالباً ساحل کا راستہ اختیار کیا جو قیساریہ سے عریش تک تھا۔ ان دونوں شہروں کی باہمی مسافت ایک سو تریپن (۱۵۳) میل ہے۔ یہ راستہ بہ نسبت دوسرے دو راستوں کے زیادہ آسان اور قریب کا تھا۔ حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس چار ہزار کی مختصر سی فوج تھی جو انہوں نے نہایت احتیاط سے مرتب کی تھی اور صرف انہی سپاہیوں کو اپنے ساتھ

لے جانے کے لئے چنا تھا جن کی بہادری اور جرأت وہ فلسطین کی جنگوں میں آزما چکے تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین سے فصلِ خریف کے اواخر میں روانہ ہوئے تھے۔ جب آپ عریش پہنچے تو اس کو بغیر لڑے بھڑے فتح کر لیا۔ مصر کا یہ پہلا شہر تھا جس پر اسلامی جھنڈا لہرایا گیا۔ عریش میں ہی اسلامی فوج نے عید الاضحیٰ منائی۔ اس جگہ کوئی رومی فوج موجود نہ تھی۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ رومیوں نے حضرت عمروؓ بن العاص اور ان کے لشکر کی آمد کی خبر پا کر شہر چھوڑ دیا ہو کیونکہ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی مہم کو اس قدر پوشیدہ رکھا تھا کہ ان کی سپاہ کو بھی یہ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور ان کا کیا ارادہ ہے۔ صرف یہی ایک بات ہو سکتی ہے کہ عریش میں سرے سے رومیوں کی کوئی فوج موجود نہ ہو اور اس طرح عربوں کو آسانی سے بغیر لڑے بھڑے یا محاصرہ کئے اسے فتح کرنے کا موقع مل گیا ہو۔

اسلامی لشکر نے کچھ دنوں عریش میں آرام کیا اور اس کی خوشگوار ہوا، شیریں پانی، خوش ذائقہ انگوروں اور لذیذ کھجوروں سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ اس کے بعد "فرما" کی جانب بڑھا۔ اس شہر کا آج کل تو نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ لیکن اس زمانے میں جب حضرت عمروؓ بن العاص نے مصر پر حملہ کیا تھا یہ بڑا مضبوط شہر تھا۔ اس کے اردگرد باقاعدہ فصیل بنی ہوئی تھی۔ مشرقی جانب سے یہ مصر کا دروازہ تھا۔ مسلمانوں نے پہلے اس کا محاصرہ کر لیا اور پھر لڑائی کے بعد اسے فتح کر لیا۔ فرما کو فتح کرنے کے بعد وہ "بابلیون" کی جانب بڑھے۔ بابلیون ایک مستحکم قلعہ تھا اور مضبوطی میں اسکندریہ کے قلعہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ ان دونوں زبردست قلعوں کو فتح کر لینے کے بعد تمام وادیٔ نیل کو فتح کرنا کوئی مشکل امر نہ تھا۔ جو حملہ آور بھی ان دونوں قلعوں پر قابض ہوا وہ لازماً اسوان سے رشید تک کے تمام علاقہ پر قابض ہو گیا۔

رومیوں کی عملداری میں اہلِ مصر پر سخت ظلم توڑے جاتے تھے۔ جب رومیوں نے مصر کو فتح کیا تو انہوں نے مقامی رسم و رواج کو مٹا کر اپنے ظالمانہ طریقے رائج کر دیئے اور اصلی باشندوں کے حقوق کو بُری طرح پامال کرنا شروع کیا جس کی وجہ سے قبطیوں[1] اور حاکم رومیوں کے درمیان ایک دائمی عداوت اور مخاصمت پیدا ہو گئی۔ رومی سلطنت پر مسلمانوں کے حملہ سے پہلے جب قیصر ہرقل نے اپنے علاقہ سے ایرانیوں کے حملہ کو

---

[1] مصر کے اصلی باشندے

پسپا کیا تو اپنی مملکت کے استحکام اور مضبوطی کی خاطر یہ ارادہ کیا کہ مملکت کے ہر حصہ میں مقامی مذاہب کو ہٹا کر صرف یونانی کلیسا کے عقائد کو باقی رکھا جائے اور تمام رعایا کو یونانی عقیدہ کی اطاعت پر مجبور کیا جائے تاکہ اس طرح تمام مملکت ایک ہی مذہب کے سانچے میں ڈھل جائے اور اختلافِ مذاہب کی وجہ سے جو جھگڑے پیدا ہوتے ہیں وہ باقی نہ رہیں۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہرقل نے "فیرس" کو مصر کا بطریق اور حاکم مقرر کیا اور اسے مصر کے اصلی باشندوں سے من مانا سلوک کرنے کا اختیار دے دیا کہ جس طرح چاہے قبطی مذہب کو فنا کرے۔ قبطیوں نے اپنے بطریق "بنیامین" کی قیادت میں رومی سیاست کا سخت مقابلہ کیا جو انہیں ان کے مذہب سے ہٹانے کے لئے جاری کی گئی تھی۔ جب "فیرس" کے مظالم شدت اختیار کر گئے تو قبطیوں کا بطریق بنیامین صحراء کی طرف بھاگ گیا لیکن مصر کے باقی باشندے اپنے مذہب کی حفاظت کی خاطر برابر رومیوں کے مقابل ڈٹے رہے۔

رومیوں کا ظلم قبطیوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ یہودیوں پر بھی اسی طرح مظالم توڑے جاتے تھے۔ فیرس نے ان پر بھی یونانی عیسائیت کے عقائد جبراً ٹھونسنے چاہے اور ان کے انکار پر انہیں طرح طرح کے مظالم کا شکار بنانا شروع کیا۔ انہیں زندہ آگ میں جلا دیا جاتا، قتل کر دیا جاتا، ان کی جائدادیں چھین لی جاتیں۔ غرض یہ کہ رومیوں نے ناعاقبت اندیشی سے کام لے کر قبطیوں اور یہودیوں کو اپنا دشمن بنا لیا اور وہ اس بات کے انتظار میں رہے کہ کب ان کو موقع ملے اور وہ رومیوں کے خلاف بغاوت کر دیں۔ چنانچہ جب عربوں نے مصر پر حملہ کیا تو قبطیوں اور یہودیوں نے، جو مسلمانوں کے عدل و انصاف کی داستانیں سن چکے تھے، ان کو خوش آمدید کہا، بڑھ چڑھ کر ان سے تعاون کیا اور ان کے زیرِ سایہ رہنے میں خوشی محسوس کی۔

مصر میں رومیوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی شام اور فلسطین میں تھی۔ انہوں نے جان بوجھ کر مصر کی طرف سے لاپروائی نہیں برتی تھی بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو اس بات کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ عرب اس قدر سرعت کے ساتھ مصر کی جانب اپنی توجہات مبذول کر لیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ عرب سب سے پہلے شام اور فلسطین میں اپنی حکومت مضبوط کرنے پر زور دیں گے اور ایک لمبے عرصے تک کسی اور ملک کو فتح کرنے کا خیال بھی ان کے دلوں میں پیدا نہیں ہوگا۔

رومیوں کے مصر میں کئی اہم قلعے تھے۔ ان میں اہم ترین قلعے وہ تھے جو انہوں نے اسکندریہ کے اردگرد تعمیر کئے تھے۔ ان قلعوں میں زبردست جنگی آلات موجود تھے جن کے ذریعے قلعے کی حفاظت کا کام لیا جاتا تھا۔

نیز اتنا سامان رسد و خوراک بھی موجود تھا جو شہر کی حفاظت کرنے والی پچاس ہزار فوج کے لئے مہینوں کافی ہو سکتا تھا[1]۔

اسکندریہ کے قلعوں کے علاوہ بابلیون، نقیوس اور کربون کے قلعے بھی بڑی اہمیت رکھتے تھے اور بہت مضبوط تھے۔

جس وقت عرب مصر کی سرحدوں پر پہنچے ہیں تو رومیوں کو ان کے حملہ کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ جب اچانک رومی قائدین کو لشکرِ اسلام کے سرحدِ مصر پر پہنچنے کی اطلاع ملی تو ان کے اضطراب اور پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ تاہم رومی حاکم قیرس جلدی جلدی تیاری کر کے اپنے صدر مقام اسکندریہ سے بابلیون کے قلعہ کی طرف روانہ ہوا کہ وہاں پہنچ کر عربوں کے حملہ کو روک سکے۔ اسی اثناء میں اس کو معلوم ہوا کہ مسلمان فوجوں نے "فرما" کا رُخ بھی کیا ہے چنانچہ اس نے ایک فوج "فرما" کی جانب بھی روانہ کی۔ اس ارادہ سے کہ وہ فرما کی حفاظتی فوج کی مدد کر سکے اور جتنی دیر تک ممکن ہو عربوں کی فوجوں سے اس کو بچائے رکھے۔

"فرما" ایک چھوٹا سا شہر تھا جو عریش سے پچھتر میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جب عربی لشکر نے عریش کو فتح کر لیا تو انہوں نے "فرما" کا رُخ کیا اور وہاں پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ عربوں اور شہر کی محافظ فوج میں کئی جھڑپیں ہوئیں۔ آخر کار عرب شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص "فرما" میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہرے بلکہ اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھے اور راستے میں کسی مزاحمت کے بغیر "بلبیس"[2] پہنچ گئے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ ایک مہینہ تک جاری رہا۔ آخر رومی لشکر کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ بلبیس میں رومیوں کی تعداد بارہ ہزار تھی لیکن عرب تین ہزار چند سو سے زیادہ نہ تھے۔ اس معرکہ میں عربوں کے ہاتھوں تین ہزار سے زیادہ رومی مارے گئے تھے۔ بلبیس پر جو مصر کے مشرقی حصہ کے بڑے بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا، عربوں کی فتح نے مصریوں کے دلوں پر گہرا اثر ڈالا۔ ایران، شام، فلسطین

---

[1] فتح مصر از بٹلر

[2] یہ شہر آج بھی موجود ہے اور قاہرہ اور عریش کے درمیان مصر کے مشرقی حصہ میں قاہرہ سے ۵۰ میل اور فرما سے ۹۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

اور عراق میں مسلمانوں کی فتوحات نے مصریوں کے دلوں کو پہلے ہی مرعوب کر رکھا تھا۔ جب انہوں نے اپنی سرزمین میں بھی انہی واقعات کو رونما ہوتے دیکھا تو عربوں کی تعظیم و تکریم میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ یہ واقعہ ہے کہ مصر میں عربوں کی فتوحات کی بڑی وجہ ان کا اس سرزمین پر اچانک حملہ اور ان کا وہ رعب تھا جو مصریوں کے دلوں میں عربوں کی گذشتہ فتوحات کی وجہ سے پیدا ہو چکا تھا۔

حضرت عمرو رضہ بن العاص بلبیس میں کچھ عرصہ آرام کرنے کے بعد اپنی فوج کو لے کر مشرقی صحرا کو قطع کرتے ہوئے ام دنین[1] پہنچے۔ اس جگہ ایک رومی فوج موجود تھی۔ مصر میں رومی فوجوں کا سپہ سالار تھیوڈور اس فوج کا سردار تھا۔ اس کے ساتھ ہی مصر کا رومی حاکم قیرس بھی تھا۔ جب ان دونوں نے سنا کہ عرب اس طرف آ رہے ہیں تو وہ بڑے پریشان ہوئے۔ مقابلہ کی تیاری کی لیکن بے سود۔ رومی لشکر نے بری طرح شکست کھائی اور عرب ام دنین پر قابض ہو گئے۔ حضرت عمرو رضہ نے اس کو اپنے لشکر کے لئے ایک فوجی چھاؤنی بنا لیا۔

ام دنین کی فتح کے بعد حضرت عمرو رضہ بن العاص آگے بڑھے اور قلعۂ بابلیون پر پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس جگہ رومیوں نے بڑی زبردست فوج اکٹھی کر رکھی تھی۔ کیونکہ ان کو پتہ تھا کہ اگر یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تو مصر سے ان کا اقتدار ختم ہو جائے گا۔ حضرت عمرو رضہ بن العاص نے یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ پر حملہ نہ کیا جائے بلکہ پہلے وسطی مصر کو فتح کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح ایک تو رومیوں پر رعب پڑے گا دوسرے رومیوں کی قوت مجتمع نہیں ہو سکے گی بلکہ بٹ جائے گی۔ جب مدینہ سے کمک پہنچ جائے گی تب اس قلعہ پر بآسانی حملہ کر کے رومیوں کی قوت کو توڑا جا سکے گا۔

حضرت عمرو رضہ بن العاص نے پیش قدمی کا پروگرام بہت ہوشیاری سے بنایا تھا۔ وہ اپنی فوج کو لے کر پہلے "ممفیس" پہنچے جو قدیم زمانہ میں فراعنہ کا دارالحکومت تھا۔ اس پر قبضہ کر کے مغربی جانب مڑے اور شہر "فیوم" کا قصد کیا۔ قریب پہنچ کر پتہ چلا کہ "فیوم" میں رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بہت بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے "فیوم" پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے "بہنسا" کا رخ کیا۔ اسے فتح کرنے کے بعد ابھی وہیں مقیم تھے کہ انہیں پتہ چلا کہ رومی سپہ سالار کچھ فوج لے کر ان کے پیچھے چلا آ رہا ہے، وہ پلٹے اور

---

[1] ام دنین دریائے نیل کے مشرقی کنارے بابلیون کے قلعہ کے شمال میں ایک چھوٹا سا قصبہ تھا جو تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ بعد میں اسی علاقہ میں قاہرہ آباد کیا گیا۔

اس کی فوج کو شکست دی۔

رومیوں نے فیوم میں اس غرض کے لئے بڑی زبردست فوج اکٹھی کر رکھی تھی کہ مسلمان ضرور اس طرف آئیں گے اور وہ بآسانی ان سے نپٹ لیں گے۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص وسطی مصر (جیزہ - فیوم - بنی سویف) کے علاقوں میں اپنا رعب ڈال کر تیزی سے شمالی جانب مڑ گئے اور رومیوں کو دوبارہ نئے سرے سے اپنے لشکر کی تنظیم کرنی پڑی اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے انہوں نے جو تیاری کی تھی وہ سب اکارت گئی۔ اس سے ان کو بے حد اضطراب اور ڈر پیدا ہو گیا۔ مسلمان اس تیزی سے مختلف علاقوں میں نقل و حرکت کر رہے تھے کہ رومی حیران تھے کہ آخر کس جگہ مسلمانوں کا جم کر مقابلہ کیا جائے۔ مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ آج اگر جیزہ میں ہیں تو کل فیوم میں اور پرسوں کسی اور جگہ۔ اسلامی لشکر کی اس تیزی اور پھرتی سے نقل و حرکت بھی منجملہ ان اسباب کے تھی جنہوں نے ان کو مصر میں کامیابی کا منہ دکھایا۔

قاہرہ اور فیوم کے علاقوں میں رومیوں کے لشکر کی تعداد ساٹھ ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی اور ان کے دفاعی خطوط اور مضبوط قلعوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا تھا۔ لڑائی میں جس جس سامان اور جس رسد کی ضرورت ہوتی وہ ان کے پاس موجود تھی۔ انہیں دشمن سے لڑنے کے لئے دشمن کے علاقہ میں نہیں جانا پڑتا تھا بلکہ وہ خود اپنے علاقہ میں موجود تھے۔ اس کے بالمقابل عربوں کی تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ سامانِ جنگ کی ان کے پاس بیحد قلت تھی، ان کو اپنے وطن سے بہت دور ایک ایسے علاقہ میں دشمن کا مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا جہاں کی نہ انہیں زبان آتی تھی اور نہ اس علاقہ کا انہیں کچھ علم تھا۔

لیکن بے پناہ دینی جذبہ، موت سے بے خوفی، ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی امداد پر بھروسہ، یہ وہ عوامل تھے جنہوں نے ان کو ہر میدان میں کامیابی بخشی۔ نہ مضبوط قلعے ان کو آگے بڑھنے سے روک سکے اور نہ پہاڑ ان کے سدِّ راہ بن سکے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ ہرگز ایسی قوم کے آگے نہ ٹھہر سکتے جس کے پاس ان لوگوں سے سینکڑوں گنا زیادہ قوت، طاقت، لشکر اور سامانِ جنگ تھا۔

اسلامی لشکر کی یہ نقل و حرکت جو سن ۶۴۰ء کے آخر میں شروع ہوئی تھی چند ہفتے بڑی تیزی سے جاری رہی۔ جولائی کے مہینے میں حضرت عمرو بن العاص کو پتہ چلا کہ حضرت زبیر بن العوام کی سرکردگی میں مدینہ سے کمک آ رہی ہے۔ یہ سن کر وہ ان فوجوں کے استقبال کے لئے "ام دنین" پہنچے۔ ان فوجوں کے آنے سے مصر میں عربی فوجوں کی مجموعی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔

---

(۱۴)

صلح کی بات چیت

معرکۂ عباسیہ جب حضرت عمروؓ بن العاص کو کمک پہنچ گئی تو آپ نے اس امر پر غور کرنا شروع کیا کہ آیا قلعۂ بابلیون پر از خود حملہ کر کے اسے فتح کیا جائے یا رومیوں کے قلعہ سے باہر نکلنے کا انتظار کیا جائے۔ آخر کار بہت غور و فکر کے بعد یہی مناسب سمجھا کہ ابھی کچھ دیر اور انتظار کرنا چاہئے تا کہ اپنی قوت اور لشکر کو مضبوط کرنے کا موقع بھی مل جائے۔ چنانچہ وہ سطریہ[1] میں مقیم ہو گئے۔ کچھ روز تک مسلمانوں اور رومیوں میں چھیڑ چھاڑ نہ ہوئی۔ آخر کار ایک روز حضرت عمروؓ بن العاص کے جاسوسوں نے انہیں خبر دی کہ چالیس ہزار رومی فوج مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے قلعہ سے باہر نکلی ہے۔ اس کے علاوہ دس ہزار فوج اور ہے جو اس خیال سے قلعہ کے اندر چھوڑ دی گئی ہے کہ مسلمان موقع پا کر پیچھے سے قلعہ پر حملہ نہ کر دیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے اس عظیم لشکر کے مقابلہ کے لئے جنگی سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہا۔ آپ نے اپنے لشکر کے تین حصے کئے۔ ایک حصہ کو مغرب میں ام دنین اور دوسرے حصہ کو مشرق میں ثنیۃ الجبل[1] کی جانب روانہ کیا

---

[1] یہ جگہ موجودہ قلعۂ قاہرہ کے قریب واقع تھی۔

اور ان دونوں حصوں کے سرداروں کو ہدایت کی کہ وہ پچھلی جانب سے رومی لشکر کے دونوں بازوؤں پر حملہ کریں
حضرت عمروؓ بن العاص خود سامنے کی جانب سے رومی لشکر کے مقابلہ کے لئے آئے۔

رومی لشکر بڑھتے بڑھتے اس جگہ پہنچا جہاں آج کل قاہرہ کا محلہ عباسیہ آباد ہے۔ یہاں اسلامی لشکر پہلے سے موجود تھا۔ صفیں مرتب ہوئیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔ شروع میں رومیوں کا پلہ بھاری تھا۔ ابھی لڑائی جاری ہی تھی کہ اسلامی فوج کا وہ دستہ جو خارجہ بن حذافہ کی زیر سرکردگی پہاڑوں میں چھپا ہوا تھا اپنی کمین گاہوں سے نکلا اور اچانک رومیوں کے دائیں بازو پر آپڑا۔ رومی اس ناگہانی حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھے۔ ان میں شدید گھبراہٹ اور بے چینی پیدا ہوئی اور وہ بائیں جانب ام دنین کی طرف مڑے جہاں عربی فوج کے دوسرے حصہ نے نیزوں اور تلواروں سے ان کا استقبال کیا۔ اب تین جانب سے رومیوں پر حملہ ہو رہا تھا۔ رومی سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ کسی طرح اس حصار سے نکلیں۔ بڑے معرکہ کا رن پڑا۔ مسلمانوں نے رومیوں کی صفوں کی صفیں الٹ دیں۔ جو لوگ بچ نکلنے میں کامیاب ہو سکے وہ قلعۂ بابلیون پہنچے اور قلعہ میں گھس کر دروازے بند کر لئے۔ بے شمار مال غنیمت اور سامان جنگ عربوں کے ہاتھ آیا اور وہ مطریہ سے لے کر قلعۂ بابلیون تک سارے علاقے پر قابض ہو گئے۔ جب اس معرکہ کی خبر "فیوم" اور "البویط" میں مقیم رومی فوجوں کو پہنچی تو ان کے دلوں پر ایسی دہشت سوار ہوئی کہ وہ ان دونوں شہروں کو چھوڑ کر چلی گئیں۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنی فوج کے چند دستے ان کی جانب بھیجے جنہوں نے ان دونوں شہروں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے علاوہ آپ نے چند اور دستوں کو ارد گرد کے علاقہ میں بھیجا جنہوں نے جیزہ، منف اور اتریب وغیرہ شہروں کو فتح کیا۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص وسطی مصر کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے ماہ ستمبر ۶۴۰ء میں قلعۂ بابلیون کا پوری طرح محاصرہ کر لیا۔ عباسیہ کا معرکہ جولائی میں ہو چکا تھا۔ قلعہ میں رومی فوجوں کی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہ تھی کیونکہ معرکۂ عباسیہ میں ان کے لشکر کا اکثر حصہ موت کے گھاٹ اتر چکا تھا۔

تیدور ـــــ رومی لشکر کا سپہ سالار ـــــ قلعہ میں موجود رومی فوجوں کی کمان کر رہا تھا۔ مصر کا حاکم اور شہنشاہ ہرقل کا نائب قیرس بھی وہیں تھا۔ قلعہ میں جتنے لوگ تھے سب پر انتہائی درجہ کا خوف و ہراس طاری تھا کیونکہ وہ اس بات سے قطعاً ناامید ہو چکے تھے کہ عربوں کو قلعہ پر قبضہ کرنے سے روک سکیں گے اور ان کو پیچھے ہٹا دیں گے۔ ان کو اس بات کا بھی یقین کامل ہو گیا تھا کہ شام اور فلسطین کے معرکوں میں رومی لشکر کے بری طرح شکست کھانے کے بعد اب ہرقل ان کی مدد کے لئے کوئی فوج نہیں بھیج سکے گا۔

ان تمام باتوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے قیرس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب ہمارے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے کہ ہم عربوں سے صلح کر لیں۔ اس کے ساتھیوں نے رضامندی ظاہر کر دی اور اس کو اختیار دے دیا کہ وہ عربوں سے مل کر صلح کی بات چیت کرے۔ چنانچہ قیرس نے چند آدمیوں کا ایک وفد حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں بھیجا۔ عربی سپہ سالار نے وفد کی بہت تعظیم و تکریم کی اور بڑے غور سے اس کی باتیں سُنیں۔ رومی وفد کا قائد بابلیون کا اسقف تھا۔ اس نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بڑی زبردست طاقت جمع کر رکھی ہے اور ان کے پاس بے شمار سامانِ جنگ بھی موجود ہے اس لئے مسلمانوں کے لئے یہی بہتر ہے کہ رومیوں سے صلح کر لیں۔

عربی سپہ سالار نے جواب میں کہا کہ رومیوں اور مصریوں کے لئے صرف تین راستے ہیں۔ ان میں سے وہ جس راستہ کو چاہیں اپنے لئے چُن لیں۔

پہلا یہ کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے۔ جن فوائد سے اس وقت مسلمان متمتع ہو رہے ہیں انہی فوائد سے وہ بھی متمتع ہوں گے۔ اور جو مسلمانوں سے لیا جاتا ہے وہی ان سے لیا جائے گا۔ دوسرا یہ کہ وہ جزیہ ادا کرنا منظور کریں۔ تیسرا یہ کہ لڑائی کے ذریعہ فیصلہ کر لیا جائے۔

حضرت عمروؓ بن العاص نے رومی وفد کو اپنے لشکر میں دو روز تک ٹھہرائے رکھا اس دوران میں وفد نے اس رُوح کا بغائر مطالعہ کیا جو مسلمانوں میں موجود تھی اور اس جوش و خروش کو بھی دیکھا جو ہر مسلمان سپاہی کے دل میں موجزن تھا۔

جب رومی وفد واپس قلعہ میں پہنچا تو قیرس نے ان سے مسلمانوں کے حالات دریافت کئے۔ انہوں نے جواب دیا:

"ہم نے ایسی قوم کو دیکھا ہے جسے موت زندگی سے زیادہ پیاری ہے اور تواضع تکبر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ان میں سے کوئی شخص دنیا اور متاعِ دنیا کا حریص نہیں ہے۔ وہ زمین پر بیٹھنے میں عار محسوس نہیں کرتے، وہ بغیر دسترخوان کے کھانا کھا لیتے ہیں، ان کا سردار بھی ان ہی جیسا ہے، وہ کسی بات میں ان سے ممتاز نہیں، اعلیٰ و ادنیٰ اور آقا و غلام کی ان میں کوئی تمیز نہیں، جب نماز کا وقت آتا ہے تو سب وضو کر کے ایک قطار میں کھڑے ہو کر انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت میں مصروف ہو جاتے ہیں۔"

قیرس کی خواہش پر حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی ایک وفد قلعہ میں بھیجا۔ اس وفد نے بھی وہی شرائط دہرائیں

کے سامنے رکھیں جو حضرت عمروؓ بن العاص نے المقوقس کے سامنے رکھی تھیں یعنی اسلام یا جزیہ یا لڑائی ۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ان شرائط سے کسی صورت میں بھی عدول نہیں کیا جائے گا۔ لیکن رومیوں نے ان میں سے کوئی شرط بھی نہیں مانی ۔ چنانچہ عربوں اور رومیوں کے درمیان سفارتی بات چیت ختم ہو گئی اور عربی وفد نے واپس آکر حضرت عمروؓ بن العاص کو وہ سب کچھ بتا دیا جو اس نے قلعہ میں دیکھا یا سنا تھا۔

یہ سن کر حضرت عمروؓ بن العاص نے ارادہ کیا کہ اب جبکہ بات چیت ناکام ہو چکی ہے رومیوں سے لڑائی کرنے میں جلدی کی جائے اور بہ قوت تمام قلعہ کو رومیوں کے ہاتھوں سے چھین کر اپنے قبضہ میں کر لیا جائے کیونکہ بابلیون اگر رومیوں سے لے لیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وسطی اور بالائی مصر سے رومی سلطنت ختم ہو گئی ۔

حضرت عمروؓ بن العاص جنگی تیاریوں اور فوجوں کی ترتیب میں مصروف تھے کہ انہیں قیرس کا پیغام ملا جس میں کہا گیا تھا کہ ایک ماہ کے لئے عارضی صلح کر لی جائے ۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہ درخواست مسترد کر دی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ صرف تین دن کی مہلت دی جاتی ہے ۔ اگر اس عرصہ میں تم لوگوں نے ہماری تین شرطوں میں سے کوئی ایک شرط قبول کر لی تو خیر ورنہ پھر جنگ کے سوا اور کوئی صورت نہیں رہے گی ۔

قبل اس کے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کو رومیوں کی جانب سے کوئی جواب ملتا یا تین روز کی مدت ختم ہوتی رومی فوجیں اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ قلعہ سے باہر نکلیں ۔ اس ارادہ سے کہ وہ مسلمانوں پر بے خبری کی حالت میں حملہ کر کے انہیں تباہ و برباد کر دیں گی ۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط تھا ۔ مسلمان پوری طرح چوکنے اور تیار رہتے ۔ لڑائی ہوئی اور حسب معمول رومی فوج کو شکست فاش اٹھانی پڑی وہ قلعہ کی طرف پلٹی اور دروازہ بند کر لیا ۔

اب رومیوں کے کس بل نکل چکے تھے ۔ اپنی طاقت اور قوت کے متعلق انہیں جو گھمنڈ تھا وہ خاک میں مل چکا تھا ۔ ان کو یقین ہو گیا کہ مسلمان ضرور قلعہ پر قابض ہو جائیں گے اور پھر ان کی خیر نہیں ۔ چنانچہ انہوں نے دوبارہ صلح کی بات چیت شروع کی ۔ اپنے قاصد ول کے ہاتھ اسلامی سپہ سالار کے پاس کہلا کر بھیجا کہ وہ جزیہ دینا اور اسلامی حکومت کے زیر سایہ رہنا قبول کرتے ہیں ۔ اس لئے صلح کی بات چیت شروع کی جائے ۔ چنانچہ طرفین میں دوبارہ بات چیت شروع ہوئی اور چند شرائط پر دونوں کا اتفاق ہو گیا ۔ یہ پہلا معاہدہ تھا جو مصر میں رومیوں اور عربوں کے درمیان ہوا ۔

معاہدہ کی شرطیں مندرجہ ذیل تھیں :

(۱) یہ صلح جزیہ پر کی جاتی ہے۔
(۲) اس صلح کا نفاذ اس وقت ہوگا جب شہنشاہ ہرقل اس کی منظوری دے دے گا۔
(۳) اگر ہرقل منظوری نہ دے گا تو صلح باطل سمجھی جائے گی۔
(۴) ایک مہینے تک دونوں فوجوں میں لڑائی بند رہے گی۔ ہر لشکر اپنی اپنی جگہ پر رہے گا، آگے نہیں بڑھے گا۔
یہ معاہدہ جیز تحریر میں آنے کے بعد قیرس قلعہ سے نکل کر اسکندریہ گیا اور وہاں سے شہنشاہ ہرقل کو معاہدہ کی تمام تفصیلات لکھ بھیجیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ عربوں کو شکست دے کر انہیں سرزمین مصر سے باہر نکال دینا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔

سلطنتِ روما کے مؤرخین نے لکھا ہے کہ قیرس کا خط ملنے پر شہنشاہ نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ وہ سمندر کے راستے قسطنطنیہ پہنچا اور شہنشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر مصر کے تمام حالات سے جو اس نے بچشم خود ملاحظہ کئے تھے، ہرقل کو آگاہ کر دیا لیکن شہنشاہ نے قیرس کو خوب سخت سست کہنے کے بعد اس کے عذر کو تسلیم اور معاہدہ کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا اور اسے قسطنطنیہ سے بہت دور نظربند کرا دیا۔

ادھر مصر میں رومیوں اور مسلمانوں کے درمیان پھر جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ رومی تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد قلعہ سے اس امید پر نکلتے کہ مسلمانوں پر اچانک حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچا سکیں گے، لیکن ہر بار انہیں منہ کی کھانی پڑتی اور وہ پسپا ہو کر پھر قلعہ میں آ جاتے۔ جب رومی آئے دن کی شکستوں سے تنگ آ گئے، اور قلعہ کا محاصرہ سخت سے سخت تر ہوتا گیا تو سات ماہ کے طویل عرصہ کے بعد انہوں نے مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی پیشکش کی جو قبول کر لی گئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے انہیں امان نامہ لکھ کر دے دیا جس میں کہا گیا تھا کہ رومی تین دن کے اندر اندر قلعہ سے نکل جائیں گے وہ اپنے ساتھ صرف اتنا سامان خوراک لے جا سکیں گے جو چند روز کے لئے انہیں کافی ہو۔ قلعہ میں جو سامان اور ذخائر وغیرہ ہیں، انہیں ساتھ لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ نیز شہر کے باشندوں کو جو اپنے دین پر قائم رہیں گے جزیہ دینا ہوگا۔

قلعہ پر اسلامی جھنڈا ۹ اپریل ۶۴۱ء بروز جمعہ لہرایا گیا اور رومیوں کے نکل جانے کے بعد ۹ اپریل کو قلعہ پر اسلامی فوجوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ قلعہ کو فتح کرنے کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے پہلا کام یہ کیا کہ قلعہ بابلیون اور روضہ و جیزہ کے درمیان دریائے نیل پر دو پل بنوائے۔ اس طرح عرب فوجوں کے لئے دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر جانے اور نقل و حرکت کرنے میں بے حد آسانی ہو گئی۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے فوری علاقو

میں فوجیں بھیجنی شروع کیں۔ ہر شہر اور بستی کے باشندوں نے انہی شرائط پر مسلمانوں سے صلح کر لی جن شرائط پر قلعۂ بابلیون کے باشندوں نے کی تھی۔ انہوں نے جزیہ دینا اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کر لیا واقعہ یہ ہے کہ محض قلعۂ بابلیون پر قبضہ ہو جانے کی وجہ سے عرب تمام وادیٔ نیل کو اپنے قبضہ میں لانے میں کامیاب ہو گئے اور سارے علاقہ میں ان کا رعب اور دبدبہ قائم ہو گیا۔

حضرت عمروؓ بن العاص چند روز بابلیون ہی میں قیام پذیر رہے اور شہر کا نظم و نسق درست کرتے رہے یہیں سے حضرت عمرؓ کو فتح کی خوشخبری بھیجی اور دیگر مصری شہروں خصوصاً اسکندریہ کو فتح کرنے کے لئے مزید کمک طلب کی۔ مئی کا مہینہ شروع ہونے سے قبل ہی آپ اپنی فوج کو لے کر قلعۂ اسکندریہ کی طرف روانہ ہو گئے البتہ فوج کا ایک دستہ عبداللہ بن حذافہ سہمی کی زیر قیادت بابلیون کی حفاظت کے لئے یہیں چھوڑ دیا۔

---

(۱۵)

فتح اسکندریہ

حضرت عمروؓ بن العاص مغربی صحراء کے راستے اسکندریہ روانہ ہوئے۔ پہلے فسطاط پہنچے، وہاں سے امبابہ۔ اس کے بعد عزبۃ المناشی، پھر طرانہ۔ اس سفر میں آپ کو چند ہفتے (مئی، جون) لگے جس میں رومیوں سے کئی جنگیں بھی پیش آئیں لیکن سب میں مسلمانوں ہی کو فتح نصیب ہوئی۔ ان جنگوں میں سب سے بڑی جنگ "جنگِ کریون" تھی اس جگہ رومیوں نے کثیر تعداد میں فوج جمع کر رکھی تھی اور وہ لڑے بھی بڑی بہادری سے۔ عربوں کو انہیں شکست دینے میں بڑی دقت کا سامنا ہوا۔ لیکن بالآخر رومی فوج نے شکست کھائی اور وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے کافی مالِ غنیمت ہاتھ آیا۔

"کریون" کی فتح اور یہاں کے نظم و نسق کی ترتیب سے فارغ ہو کر حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ پہنچے اور شہر کے سامنے ڈیرے ڈال دئے۔

اسکندریہ کا قلعہ مصر کا مضبوط ترین قلعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس شہر میں رومی فوجوں کی تعداد پچاس ہزار نفوس سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جس کے پاس بہترین اسلحہ اور وافر مقدار میں سامانِ خوراک موجود تھا۔ شہر کے پچھلی جانب

سمندر اس کی حفاظت کرتا تھا اور باقی تین اطراف سے مضبوط فصیل۔ اس وجہ سے اس کی فتح کی مہم بے حد کٹھن تھی۔

مسلمانوں نے اسکندریہ کی پوری طرح ناکہ بندی کر رکھی تھی جس سے وہاں کے باشندوں کی تجارت اور معاشی و اقتصادی حالت بالکل تباہ ہوگئی تھی۔ اسکندریہ مصر کا زبردست تجارتی مرکز اور ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی اس کی آبادی بھی تین لاکھ سے کم نہ تھی۔ اتنے آدمیوں کا شہر کی فصیل میں کئی مہینے کے لئے محصور ہو جانا ان کے لئے شدید بے چینی کا باعث ہوا۔

حضرت عمرو رضی بن العاص قاہرہ اور اسکندریہ کے راستہ میں رومیوں کو شکست دیتے اور ان کے بڑے بڑے مرکزوں اور قلعوں کو فتح کرتے ہوئے اواخر جولائی میں اسکندریہ پہنچے تھے۔ جب آپ وہاں پہنچے تھے تو اسکندریہ ان پناہ گزینوں سے بھرا ہوا تھا جو تمام اطرافِ نیل سے بھاگ کر وہاں آ گئے تھے۔

اسلامی لشکر نے اپنے ڈیرے قلعہ اسکندریہ کے قریب نہیں بلکہ بہت پیچھے ہٹ کر ڈالے تھے تاکہ وہ قلعہ کی حفاظت کرنے والی فوج کے حملہ سے محفوظ رہ سکے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرو رضی بن العاص نے تھوڑی سی فوج ساتھ لے کر قلعہ پر ایک معمولی سا حملہ اس غرض سے کیا کہ قلعہ کے کمزور مقامات کا پتہ چل سکے اور شہر پر قبضہ کرنے کی کوئی راہ معلوم ہو سکے۔ لیکن قلعہ کی فصیل پر سے رومیوں نے اسلامی فوج پر آگ پھینکی اور منجنیقوں سے پتھر گرانے شروع کئے۔ حضرت عمرو رضی بن العاص فوج کو لے کر پیچھے ہٹ آئے اور قلعہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے لئے کسی مناسب وقت کی ڈھونڈ میں رہے۔

اس دوران میں رومی شہنشاہی پر ادبار کی گھٹائیں چھا چکی تھیں۔ ہرقل کو شام میں جن زبردست شکستوں اور پے در پے ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا تھا ان سے اس کے دل کو سخت صدمات پہنچے تھے۔ آخر انہی صدمات کی تاب نہ لا کر وہ ۱۴۱ءمیں فوت ہوگیا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے کا نام قسطنطین اور چھوٹے کا کلوناس تھا۔ یہ دونوں سگے بھائی نہیں تھے۔ قسطنطین کی والدہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ کلوناس کی والدہ "مرتینہ" زندہ تھی اور قیصر کے آخری زمانہ میں مہماتِ سلطنت میں اس کی شریک رہتی تھی۔ قیصر کی وفات کے بعد اس نے چاہا کہ اس کا بیٹا کلوناس تخت پر بیٹھے تاکہ امورِ سلطنت میں اس کا عمل دخل اسی طرح برقرار رہے جس طرح قیصر کی زندگی میں تھا لیکن چونکہ قسطنطین بڑا لڑکا تھا اس لئے قانوناً اسی کو تخت پر بیٹھنے کا حق پہنچتا تھا۔ چونکہ قسطنطین، کلوناس اور اس کی والدہ میں اقتدار کے حصول کی جنگ شروع ہوگئی تھی اس لئے سلطنت کے امراء اور رؤسا بھی مختلف دھڑوں میں

بٹ گئے۔ حالانکہ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ تمام ملک میں مکمل اتحاد ہوتا اور ملک کا ایک ہی قائد اور ایک ہی بادشاہ ہوتا۔

بہرحال قسطنطین تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے مصر کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اسکندریہ کے سپہ سالار کو قسطنطنیہ بلایا اور مصر کے جنگی حالات کے متعلق اس سے تبادلۂ خیالات کیا۔ قسطنطین نے سپہ سالار سے وعدہ کیا کہ وہ مصر کی رومی فوجوں کو مزید کمک بھیجے گا۔ لیکن ابھی اس کا ارادہ شرمندۂ تکمیل نہ ہوا تھا کہ اس کا بھی انتقال ہوگیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے چھوٹے سوتیلے بھائی کی والدہ ملکہ مرتینہ نے اسے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی تاکہ زمامِ حکومت اس کے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے اور وہ حسبِ سابق سلطنت کے کاموں میں دخیل ہو سکے۔

قسطنطین کی وفات کے بعد نئے بادشاہ "کلوناس" نے مصر کے سابق حاکم قیرس کو جسے اس کے والد نے جلاوطن کر دیا تھا اپنے عہدہ پر بحال کر دیا اور اسے مصر بھیجا کہ وہ عربوں سے مصالحت کی بات چیت کرے اور وادی نیل میں جنگی سرگرمیوں پر نظر رکھے۔

قیرس اسکندریہ میں ستمبر ۶۴۱ء کو وارد ہوا۔ اس کے ساتھ ہی مصر میں رومی فوجوں کا سپہ سالار "تیدور" بھی واپس آیا۔ قیرس کا باشندگانِ اسکندریہ نے بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔ ان کو اس امر کا اطمینان ہوگیا کہ قیرس ان کو تباہی سے بچالے گا۔

اسکندریہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد ماہِ اکتوبر کے آخر میں قیرس خفیہ طور پر دریائے نیل کے راستہ حضرت عمروؓ بن العاص سے ملنے فسطاط آیا جو ان دنوں اپنے لشکر کو اسکندریہ کی فصیلوں کے اردگرد چھوڑ کر کچھ عرصہ کے لئے وہاں آئے ہوئے تھے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے قیرس کا اس کے شایانِ شان استقبال کیا اور اس سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آئے۔

اب دونوں قائدین کے درمیان صلح کی بات چیت شروع ہوئی جو ماہ نومبر ۶۴۱ء میں ختم ہوئی —— آخر مندرجہ ذیل شرائط پر دونوں کا اتفاق ہوگیا:

(۱) فریقین کے درمیان عارضی صلح گیارہ ماہ تک رہے گی

(۲) عارضی صلح کے دوران میں عرب اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے اور اسکندریہ کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

(۳) رومی لڑائی سے باز رہیں گے۔

(۴) اسکندریہ کی محافظ فوج سمندر کے راستے اپنے وطن واپس چلی جائے گی۔ لشکر اپنا سامان واپس لے جا سکے گا البتہ جو لوگ خشکی کے راستے سفر کریں گے، انہیں جب تک وہ سرزمینِ مصر میں رہیں گے، ہر ماہ اپنے سامان کا کچھ حصہ مسلمانوں کو دینا ہوگا۔

(۵) رومی لشکر مصر واپس نہیں آئے گا اور نہ یہاں اپنا قدم جمانے کے لئے کسی قسم کی کوئی حرکت کرے گا۔

(۶) مسلمان مسیحیوں کے گرجاؤں پر قبضہ کرنے اور ان کے دینی امور میں مداخلت کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے۔

(۷) جو شخص مصر میں رہنا چاہے اسے جزیہ دینا ہوگا۔

(۸) یہودیوں کو اسکندریہ میں رہنے کی اجازت ہوگی۔

(۹) رومی ان شرائط پر قائم رہنے کی ضمانت کے طور پر ۱۵۰ رومی النسل لوگ اور ۵۰ باشندگانِ شہر بطور یرغمال مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے۔

معاہدہ کی یہ شرطیں "حنا نقیوسی" کی بیان کردہ ہیں لیکن مورخینِ عرب کا کہنا ہے کہ فریقین میں صرف اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ مصریوں کو جزیہ دینا پڑے گا جس کی مقدار پچاس ہزار تھی۔ اس کے سوا کسی عربی مورخ نے دوسرے امور کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ معاہدہ زبانی ہوا تھا، تحریری نہیں۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد قیرس اسکندریہ واپس آ گیا اور اس کی اطلاع قسطنطنیہ میں شہنشاہ کو بھیج دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ اس نے معاہدہ کی شرائط منظور کر لی ہیں۔ اِدھر حضرت عمروؓ بن العاص نے بھی معاویہ بن خدیج کو دی کو امیر المومنین رضؓ کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا کہ بارگاہِ خلافت سے معاہدہ کی شرائط کی منظوری حاصل ہو سکے۔

مدینہ پہنچ کر معاویہ نے اپنی اونٹنی مسجدِ نبوی کے دروازہ پر بٹھائی۔ ظہر کا وقت تھا، انہیں امیر المومنین رضؓ کی ایک خادمہ نے دیکھا اور ان سے نام پوچھا۔ معاویہ نے کہا کہ وہ عمروؓ بن العاص کے قاصد ہیں۔ خادمہ نے حضرت عمر رضؓ کو خبر کی آپ نے فوراً معاویہ کو بلا لیا اور پوچھا:

"کیا خبر لائے ہو؟"

معاویہ نے کہا:

"امیر المومنین! میں ایک خوشخبری لایا ہوں۔ خدا تعالیٰ نے اسکندریہ کو ہمارے ہاتھوں فتح کرا دیا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے پوچھا:

"تم آتے ہی مجھ سے کیوں نہیں ملے؟"

معاویہ نے جواب دیا:

"میں اس وقت مدینہ پہنچا تھا جب آپ کے آرام کا وقت تھا۔ میں سمجھا کہ آپ سو رہے ہوں گے اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"تم نے غلط خیال کیا اگر میں دن میں سو جاؤں گا تو رعایا کا نقصان کروں گا اور اگر رات کو سو جاؤں گا تو اپنا نقصان کروں گا۔ میں ان دونوں اوقات میں کیسے سو سکتا ہوں؟"

حضرت عمرؓ فوراً مسجد میں تشریف لائے اور اذان کا حکم دیا۔ مسلمان مسجد میں جمع ہو گئے۔ آپ منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انہیں خوشخبری سنائی کہ اسکندریہ فتح ہو گیا ہے اور تمام مصر نے ہماری اطاعت قبول کر لی ہے۔

قیرس نے اسکندریہ واپس جا کر معاہدہ کی شرائط کے متعلق سب سے پہلے رومی سپہ سالار تیدور کو مطلع کیا تھا۔ اس نے ان شرائط کو قبول کر لیا۔ اس کے بعد قیرس نے چاہا کہ نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ معاہدہ کی شرائط پر عمل درآمد شروع کیا جائے۔ عام لوگوں میں دفعتہً اس خبر کی تشہیر کرنی اس نے مناسب نہ سمجھی کیونکہ اس طرح تمام اسکندریہ میں ایک ہیجان برپا ہو کر شہر کا امن و امان غارت ہو جاتا جس کے نتیجہ میں اسے معاہدہ توڑنا پڑتا اور یہ اسکندریہ والوں کے لئے اور بھی تباہ کن ہوتا۔ اس کے لئے قیرس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ جب وہ اسکندریہ کے حکام اور فوجی سرداروں کو اس معاہدہ کی شرائط کے متعلق اپنا ہم خیال بنا چکا تو اس نے ایک عام اجتماع منعقد کرنے کا حکم دیا۔ جب تمام شہر ایک میدان میں اکٹھا ہو گیا تو اس نے تقریر شروع کی جس میں رومی حکومت کی حالت اور اس کی کمزوری کی تمام تفصیلات بیان کیں۔ اس کے بعد عربوں کے مصر پر حملہ کا تذکرہ کیا اور اشارۃً و کنایۃً اس صلح کا بھی ذکر کیا جو اس نے اسلامی فوج کے سپہ سالار سے کی تھی۔ اس نے مصلحتاً صلح کی شرائط تو نہیں بتائیں لیکن ان تمام وجوہ و بواعث کا ذکر کر دیا جن کی وجہ سے صلح کرنی ناگزیر تھی۔ آخر میں اس نے اہل اسکندریہ سے اپیل کی کہ جن شرائط پر اس نے

مسلمانوں سے صلح کی ہے وہ اگرچہ مجمعِ عام میں نہیں بتائی جا سکتیں، تاہم تمام باشندے ان پر قائم رہیں اور ان کو عملی جامہ پہنانے کے وقت کوئی رکاوٹ نہ ڈالنے کا اقرار کریں۔ کیونکہ جن حالات سے وہ آج کل گزر رہے ہیں ان کے پیشِ نظر شہر کی سلامتی اور شہر والوں کی جان و مال محفوظ رکھنے کے لئے جو سب سے بہتر طریقہ ہو سکتا تھا وہ اس نے اختیار کیا ہے۔

تمام حاضرین نے متفقہ طور پر اس بات کا اقرار کیا کہ وہ بہر صورت صلح کی شرائط پر قائم رہیں گے اور ان کو توڑنے کی کوشش نہ کریں گے۔

باشندگانِ شہر کی طرف سے اطمینان ہونے پر قیرس نے معاہدہ کی شرائط سے شہنشاہِ روم کو اطلاع دی، جس نے انہیں منظور کر لیا اور ان پر عمل درآمد شروع کرنے کا حکم دے دیا۔

جب یہ تمام مراحل طے ہو گئے اور شرائط کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو رومی حکام خفیہ طور پر شہر سے باہر مسلمان سرداروں سے ملے اور ان سے یہ طے کیا کہ اسلامی فوج شہر کی فصیلوں کے نزدیک آ جائے۔ شہر کے دروازے کھول دیئے جائیں گے، فوج شہر میں داخل ہو جائے، تمام شہر اطاعت قبول کرے گا اور جزیہ کی پہلی قسط بھی اسی وقت ادا کر دی جائے گی۔ (جزیہ تین قسطوں میں دینا قرار پایا تھا)

چنانچہ وقتِ معین پر عربی لشکر شہر کی فصیلوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ فوراً ہی یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو گئی عامۃ الناس معاہدہ کی شرائط سے بالکل بے خبر تھے کیونکہ شہر کے حکام نے انہیں شرائط سے مطلع ہی نہیں کیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی وہ جوق در جوق فصیل کے برجوں پر پہنچنے شروع ہوئے کہ دیکھیں رومی فوج اور مسلمانوں کے درمیان کس طرح مقابلہ ہوتا ہے لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا کہ جونہی مسلمان شہر کے دروازوں پر پہنچے، دروازے کھول دیئے گئے اور مسلمان امن و سلامتی کے ساتھ شہر میں داخل ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر کہ سب معاملہ ختم ہو چکا ہے، مسلمانوں کے شہر پر قبضہ نہ ہو سکنے کے متعلق ان کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا ہے اور فریقین میں مصالحت ہو گئی ہے، باشندگانِ شہر میں انتہائی اشتعال پیدا ہوا اور وہ قیرس کے محل پر پہنچے۔ قیرس باہر نکلا اور تفصیل سے تمام واقعات مجمع کے سامنے بیان کئے، اس نے کہا:

"اس صلح سے میرا مدعا صرف یہ تھا کہ میری قوم بچ جائے اور اس پر کوئی آنچ نہ آئے۔ عرب اتنے طاقتور ہیں کہ اب ان کو کوئی چیز آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتی۔ ان سے مقابلہ کرنا بے سود ہے۔"

"خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہے کہ وہ مصر کے حاکم بن جائیں اور خدا تعالیٰ کے منشاء کو پورا ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ رومیوں کے لئے یہی مناسب تھا کہ وہ عربوں سے مصالحت کر لیتے، وہ اگر ایسا نہ کرتے تو تباہ ہو جاتے، خون کی ندیاں بہہ جاتیں، ان کے مال و اسباب ان سے چھن جاتے، ان تمام حوادث کے بعد جو لوگ زندہ رہ جاتے وہ مُردوں سے بدتر ہوتے، ان کے پاس کسی قسم کی ثروت اور جائداد نہ ہوتی اور وہ نہایت ذلت سے اپنی زندگی بسر کرتے، دنیا میں ان کے لئے کسی جگہ بھی ٹھکانا نہ ہوتا اور وہ خانہ بدوشوں کی طرح ادھر سے اُدھر مارے مارے پھرتے۔"

"مسلمانوں سے صلح اس بات پر ہوئی ہے کہ اسکندریہ کے باشندوں کی جان و مال اور دین کی حفاظت کی جائے گی۔ اس صلح کے بعد جو جاہتا ہے کہ عیسائی سلطنت میں چلا جائے اسے اس بات کا اختیار ہے، لیکن جو شخص مسلمانوں کے ماتحت ہو کر مصر ہی میں اپنی زندگی گزارنا چاہے، تو اسے اس بات سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

تقریر کے دوران میں اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حاضرین بھی زار و قطار رو رہے تھے۔ قیرس نے قسم کھا کر کہا کہ اس نے جو کچھ کیا ہے محض قوم کی خاطر کیا ہے۔ اس کا مقصد صرف اور صرف قوم کی بھلائی اور بہتری تھا۔ اس کی اس تقریر اور ان آنسوؤں نے لوگوں پر بے حد اثر کیا۔ ان کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ گیا اور انہوں نے برضا و رغبت مسلمانوں کی اطاعت قبول کر لی۔ جزیہ کی پہلی قسط بھی انہوں نے فوراً مہیا کر دی۔ قیرس خود رقم لے کر جنوبی دروازے سے مسلمانوں کے لشکر میں پہنچا اور مسلمانوں کے حوالے کی۔

اسکندریہ پر مسلمانوں کا رسمی قبضہ یکم محرم ۲۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۶۴۱ء کو ہوا۔ حضرت عمروؓ بن العاص چند روز بعد اپنے پورے لشکر کے ہمراہ شہر میں داخل ہوئے اور حکومت کی زمام اپنے ہاتھ میں لے کر شہر کے نئے انتظام میں مشغول ہو گئے۔

---

(۱۶)

کتب خانہ اسکندریہ

بعض مؤرخین حضرت عمرؓ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ جب اسلامی فوجوں نے اسکندریہ کو فتح کیا تو وہاں ایک عظیم الشان کتب خانہ تھا، جسے حضرت عمرؓ نے جلا دینے کا حکم دے دیا، چنانچہ وہ کتب خانہ بڑی بیدردی سے جلا دیا گیا اور اس طرح دنیا کو ایک زبردست علمی دولت سے ہاتھ دھونے پڑے۔ لیکن یہ الزام سراسر بے بنیاد ہے۔

اسکندریہ نے مصر میں اس وقت سے علمی شہرہ حاصل کیا جب سے خاندانِ بطالسہ نے اس کو اپنی سلطنت کا دارالحکومت بنایا۔ رفتہ رفتہ یہ شہر دنیا کا علمی مرکز بن گیا۔ علوم و معارف اور فنونِ فلسفیہ کا یہاں دریا بہنے لگا۔ اسی زمانہ میں یہاں ایک کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی۔ ۴۸ ق م تک اس کتب خانہ میں قدیم علوم و فنون کی سات لاکھ کتابیں جمع ہو چکی تھیں۔

اسی سال اسکندریہ والوں نے مشہور رومی سپہ سالار جولیس سیزر کے خلاف بغاوت کر دی۔ جولیس سیزر کو کیلوپٹرا نے جو شہنشاہ بطلیموس کی بہن اور امورِ مملکت میں اس کے ساتھ شریک تھی، اپنے بھائی کے خلاف اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ عوام الناس نے قصر الملوک کا جہاں رومی شہنشاہ مقیم تھا محاصرہ کر لیا۔ جولیس سیزر

نے اس خیال سے کہ کوئی شخص اس تک نہ پہنچ سکے، محل کے چاروں طرف آگ روشن کروا دی اور خود بچ کر نکل گیا۔ اس آگ کے شعلے بڑھتے بڑھتے اس عدیم المثال کتب خانے تک بھی پہنچ گئے اور اس کے بڑے حصّہ کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

جولیس سیزر کے بعد جب "مرقص انطونی" کیلوپیٹرا کے عشق میں گرفتار ہوا تو اس نے ۳۶ ق م کے لگ بھگ اس مصری ملکہ کو ایشیائے کوچک کے شاہانِ برجم کے کتب خانہ کی تمام کتابیں تحفہ کے طور پر پیش کیں۔ ان کتابوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ تھی۔ اس طرح اس کتب خانہ نے وہی حیثیت حاصل کر لی جو اسے آگ لگنے سے پہلے حاصل تھی۔ بعد میں روم اور یونان کے عہدِ بُت پرستی کی تالیفات کثرت سے اس میں جمع ہوتی رہیں۔

جب سرزمینِ مصر میں عیسائیت نے اپنا قدم رکھا تو وہاں کی علمی زندگی کو ایک نئے اور خاص رنگ میں ڈھال دیا۔ عیسائیت اور بُت پرستی میں مقابلہ شروع ہو گیا اور دورِ بُت پرستی کے کتب خانوں کے مقابلہ میں مسیحی کتب خانے قائم ہو گئے۔

جب عیسائی قیصروں نے مصر پر اچھی طرح تسلط جما لیا اور عیسائیت کو خوب اچھی طرح فروغ حاصل ہو گیا تو عہدِ بُت پرستی کے اس عظیم الشان کتب خانہ کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا گیا اور اسکندریہ کے دوسرے کتب خانوں میں عیسائی مؤلفین کی کتابوں، کتبِ مقدسہ اور ان کی شروح کی بھرمار ہونے لگی۔

اس کے بعد شہنشاہ تھیوڈوسس (۳۷۹ء تا ۳۹۵ء) کا عہدِ حکومت آیا۔ یہ بادشاہ نہایت ہی متعصّب تھا۔ اس نے مصر کے عہدِ بُت پرستی کے تمام عبادت خانوں اور مدرسوں کو گرانے کا حکم دے دیا انہی عبادت خانوں اور مدرسوں میں اسکندریہ کا مشہور معبد "سراپیس" بھی تھا۔ اسکندریہ کا مذکورہ کتب خانہ بطالسہ کے قدیمی محلات کے منہدم ہونے کے بعد اس معبد میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ اس طرح علم و فن کا وہ بیش بہا خزانہ جو جولیس سیزر کے عہد کی آتش زدگی کے بعد بچنے والی تصنیفات، مکتبہ برجمہ کی دو لاکھ کتابوں اور ۳۸۹ء تک اس کتب خانہ میں شامل ہونے والی نئی مؤلفات پر مشتمل تھا، نہایت بے دردی سے ضائع کر دیا گیا۔

۴۱۵ء میں قبطیوں کے آبائی مذہب کے خلاف اسکندریہ میں ایک اور طوفان اٹھا۔ یہ طوفان اسکندریہ کے بطریارک کیرلس اکبر نے اس شہر کے ایک بُت پرست فلسفی "ہیپاتیا" کے خلاف اٹھایا تھا۔ اس

شورش میں نہ صرف یہ کہ اس غریب فلسفی کی جان گئی بلکہ شہر میں دورِ بُت پرستی کی یادگار جو کچھ علمی کتابیں باقی رہ گئی تھیں، وہ بھی تباہ ہو گئیں۔

۵۲۹ء میں شہنشاہ جوسٹینین (جامع قانونِ جوسٹینین) نے عیسائیت کے علاوہ ہر مذہب کو کچل دینے کا ارادہ کیا۔ اسی سلسلہ میں اس نے بُت پرستوں کے واحد اور آخری مدرسہ "اتھینا" کو بند کرنے اور سلطنتِ روما کے طول و عرض میں بُت پرستوں کے علماء کی لکھی ہوئی ہر کتاب کو ضائع کر دینے کا حکم دے دیا۔

بار بار کی ان آتش زدگیوں اور مختلف شہنشاہوں کے ہاتھوں کتابوں کی تباہی کے بعد اس کتب خانہ میں کچھ باقی ہی نہیں رہا تھا جسے مسلمان آکر جلاتے۔ اسی کی طرف "انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا" میں اشارہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

"ابوالفرج ملطی نے کتب خانہ الکسندریہ کو عمرو بن العاص کے ہاتھوں آگ لگا دینے کی جو روایت بیان کی ہے وہ بالکل بے بنیاد اور صریحاً مغالطہ ہی ہے۔ کیونکہ ان آتش زدگیوں کے بعد جن میں اس کتب خانہ کا اکثر حصہ برباد ہوا اور ۳۸۹ء میں شہنشاہ تھیوڈوسس کے حکم سے پیٹریارک تھیوفیلس کے ہاتھوں اس کتب خانہ کی تباہی کے بعد اس میں کوئی قابلِ ذکر کتاب باقی نہیں رہی تھی۔"

مسلمانوں کے ہاتھوں کتب خانہ الکسندریہ کی تباہی کی روایت بہت بعد کے زمانہ کی پیداوار ہے۔ متقدمین عرب و روم کی کتابوں میں اس واقعہ کا ذکر قطعاً ناپید ہے۔ مسلمانوں کے مصر فتح کرنے کے چھ سو سال بعد تک کوئی مؤرخ اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا حالانکہ اس عرصہ میں بیسیوں کتابیں تاریخ مصر اور مسلمانوں کی فتوحات کے بارے میں لکھی گئیں۔

فرانس کا مشہور مصنف موسیو کرک کہتا ہے "فتح الکسندریہ کے وقت کتب خانہ مذکورہ موجود ہی نہیں تھا جسے مسلمان آگ لگاتے۔"

انگریز مؤرخ بٹلر اس روایت کے متعلق لکھتا ہے "میری ہمیشہ سے یہ رائے رہی ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں کتب خانہ الکسندریہ کی تباہی بالکل بعید از قیاس ہے کیونکہ عرب گیارہ ماہ تک شہر الکسندریہ میں داخل نہیں ہوئے۔ صلح نامہ میں صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ رومی اپنا سارا سامان اپنے وطن لے جا سکتے ہیں۔ اس تمام عرصہ میں سمندر کا راستہ ان کے لئے کھلا ہوا تھا۔ اگر کتب خانہ میں کوئی علمی کتاب باقی ہوتی تو رومی اسے اپنے ساتھ ضرور لے جاتے۔"

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہو جاتا ہے کہ الکسندریہ کا کتب خانہ پہلے ہی جلایا جا چکا تھا اور اس میں کوئی ایسی کتاب باقی نہ رہی تھی جس کو عرب آکر جلاتے۔

---

(۱۷)

مصر میں اسلامی فتوحات

پر

ایک اجمالی نظر

فسطاط کی آبادی

حضرت عمروؓ بن العاص نے اسکندریہ فتح کرنے کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ وہ مصر میں اپنی فوجوں کے لئے کوئی چھاؤنی بنائیں، جیسا کہ عراق میں بصرہ اور کوفہ کو بنایا جا چکا تھا۔ پہلے تو ان کا یہ ارادہ ہوا کہ اسکندریہ ہی کو چھاؤنی بنا لیا جائے لیکن حضرت عمرؓ فاروق نے انہیں منع کر دیا۔ کیونکہ آپ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے اور اسلامی لشکر کے درمیان کوئی دریا حائل ہو۔ تب حضرت عمروؓ بن العاص کی نظر اس میدان پر پڑی جہاں قلعہ بابلیون کے محاصرہ کے وقت اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں آج کل قاہرہ آباد ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے یہاں ایک شہر کی بنیاد ڈالی اور اس کا نام فسطاط رکھا۔

فتح کے بعد مسلمانوں نے مصریوں سے انتہائی رحم دلی اور احسان کا برتاؤ کیا۔ مسلمان مفتوحہ علاقوں کے

باشندوں سے فتح کی نوعیت کے مطابق برتاؤ کرتے تھے۔ جو شہر جنگ کے ذریعہ فتح کئے جاتے تھے مسلمانوں کو پورا اختیار ہوتا تھا کہ اس شہر کے باشندوں کے ساتھ جس قسم کا سلوک مناسب سمجھیں کریں۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی تھی کہ شہریوں پر ان کا رعب طاری ہو جائے تاکہ وہ دوبارہ مقابلہ کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہوں اور فاتحین کے راستہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں۔

لیکن جو شہر صلح کے ذریعے مسلمانوں کے قبضہ میں آتے تھے اور وہاں کے باشندے ان سے جنگ کرنے سے احتراز کرتے تھے ان کا معاملہ جنگ کے ذریعے فتح کئے ہوئے شہروں کے معاملہ سے بالکل مختلف ہوتا تھا۔ اگر وہاں کے باشندے اسلام قبول کر لیتے تھے تو انہیں بالکل مسلمان شہریوں کے سے حقوق دئے جاتے تھے اور اس میں کسی قسم کی تمیز روا نہیں رکھی جاتی تھی کیونکہ اسلام طبقاتی نظام اور گروہ بندی کا قائل نہیں ہے اور اس کے نزدیک تقویٰ اور اعمالِ صالحہ ہی معیارِ فضیلت ہے اس کے علاوہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ لیکن اگر مفتوحہ شہر کے باشندے اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے تھے تو انہیں اس کی اجازت تھی لیکن شرط یہ تھی کہ وہ جزیہ ادا کریں اور اسلامی احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیں۔

جزیہ بھی کسی قسم کا تاوان نہیں تھا بلکہ فی الواقع وہ معاوضہ تھا جو مسلمان، غیر مسلم رعایا سے اس کی حفاظت کے عوض وصول کیا کرتے تھے۔ اس کے بدلے غیر مسلموں کو فوجی خدمات سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ شام میں جب اسلامی فوجوں نے بعض شہروں کو خالی کیا تو جتنا جزیہ انہوں نے ان علاقوں کے شہریوں سے وصول کیا تھا وہ سب واپس کر دیا۔ قائدینِ لشکر کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے یہ جزیہ باشندگانِ شہر کے دفاع اور ان کی حفاظت و سلامتی کے معاوضہ میں وصول کیا تھا لیکن اب کہ وہ ان کا دفاع کرنے اور ان کی سلامتی برقرار رکھنے کے قابل نہیں ہیں یہ وصول شدہ جزیہ انہیں واپس کیا جانا چاہئے۔ پھر خود جزیہ بھی اس قسم کا ٹیکس نہ تھا جو مفتوحہ علاقوں کے باشندوں کی کمر توڑ دیتا بلکہ اس کے برعکس ان ٹیکسوں سے بدرجہا کم تھا جو رومی حکومت کے زمانہ میں مصری باشندوں پر عائد کئے جاتے تھے۔

مزید برآں اکثر شہر جو جنگ کے بعد فتح کئے گئے حضرت عمرؓ کے حکم سے وہاں کے باشندوں سے ویسا ہی سلوک کیا گیا جیسا ان شہروں کے باشندوں سے کیا گیا جنہوں نے صلح کے ذریعہ اپنے شہر مسلمانوں کے حوالے کر دئے تھے۔ اس سے غرض یہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہو مفتوحہ شہروں کے باشندوں سے پیار محبت اور نرمی کا سلوک کیا جائے تاکہ وہ اسلامی حکومت کے گرویدہ ہو جائیں۔ نیز شہروں کو تباہی اور بربادی سے

بچا یا جائے۔ چنانچہ گو قلعۂ بابلیون کو مسلمانوں نے شدید جنگ کے بعد فتح کیا تھا لیکن جب شہر کے باشندے حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس امان طلب کرنے آئے تو آپ نے ان سے مصالحت کرنے، ان کو امان دینے اور ان کے اموال و جائداد کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ کرنے میں ذرا بھی پس و پیش سے کام نہ لیا۔

صرف قلعۂ بابلیون پر ہی موقوف نہیں حضرت عمروؓ بن العاص نے مصری فتوحات کے سلسلہ میں عام طور پر یہ طریقہ اختیار کئے رکھا کہ آپ باشندگانِ ملک سے نرمی اور ہمدردی کا سلوک کرتے اور سختی سے حتی المقدور اپنا پہلو بچائے رکھتے تھے۔ آپ کے پیشِ نظر ہمیشہ یہ بات رہتی تھی کہ فتوحاتِ اسلامی ملک کی تباہی اور بربادی کے لئے نہیں کی جا رہیں اور نہ ان کا مقصد اس قسم کی شدت و سختی اور ظلم و جور روا رکھنا ہے جو رومیوں نے اپنی فتوحات کے دوران میں روا رکھی تھیں۔

حضرت عمروؓ بن العاص کی اس سیاست کا جو آپ نے مصر میں اختیار کی، اور وہاں کے باشندوں کے ساتھ نرمی اور پیار محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں مصر میں خوب اچھی طرح جم گئے۔ فتوحات کے دوران میں وہاں کے باشندے مسلمانوں کی برابر امداد کرتے رہے اور ایک کثیر حصہ نے اسلام بھی قبول کر لیا۔

عربوں کو مصر فتح کرنے میں دو سال دو مہینے لگے[1]۔ یہ فتوحات مشرقی مصر کے سرحدی شہر عریش میں اسلامی فوجیں داخل ہونے سے شروع ہوئیں۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد ایک سال کے اندر اندر اسلامی فوجوں نے دمیاط، ساحلی علاقہ اور شمالی ڈیلٹا کو بھی فتح کر لیا۔

مصر کو نہایت قلیل فوج کے ساتھ فتح کرنا حضرت عمروؓ بن العاص کا بہت بڑا کارنامہ ہے جنگی نقطۂ نظر سے یہ بات بے حد ضروری ہے کہ حملہ آور فوج قلعوں اور فصیلوں کے اندر رہنے والی مدافعتی فوج سے بہت زیادہ ہونی چاہئے اور اس کے مادی ذرائع بھی بہت وسیع ہونے چاہئیں۔ کیونکہ حملہ کی مہم مدافعت کی مہم کے مقابلہ میں بہت زیادہ سخت اور مشکل ہوتی ہے۔ دفاع کرنے والی فوج کو زیادہ قوت و طاقت کی ضرورت نہیں ہوتی خصوصاً جب کہ وہ فوج مضبوط قلعوں، فصیلوں اور بلند و بالا برجوں کی پناہ میں ہو۔ چنانچہ عربوں کے مصر پر حملہ کرنے کے وقت مصر میں متذکرہ بالا احتیاطی اقدامات کی کوئی کمی نہ تھی۔ تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کوئی سپہ سالار کسی شہر یا علاقہ کو فتح کرنے نکلا ہو، اس کی فوج مدافعت کرنے والی فوج سے کم ہو اور پھر

---

[1] ماہ ذوالحجہ ۱۹ھ سے محرم ۲۲ھ تک

اس کو ہزیمت نہ اٹھانی پڑی ہو۔ اس کلیہ سے صرف وہ اسلامی سپہ سالار مستثنیٰ ہیں جو شام، مصر اور عراق کو فتح کرنے کے لئے نکلے۔ ان سپہ سالاروں کے لشکروں کے مقابلہ میں جو لشکر آئے ان میں اور اسلامی لشکروں کی تعداد میں کوئی مناسبت ہی نہیں تھی۔ اس کے علاوہ ایرانی اور رومی فوجوں کے پاس جو بے پناہ وسائل اور مادی ذرائع جنگ جیتنے کے لیے تھے عربوں کے پاس ان کا پاسنگ بھی نہیں تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان چھوٹے چھوٹے لشکروں نے ایرانی اور رومی شہنشاہیتوں کے تختے اُلٹ دیئے اور دراتہ ان کے علاقوں میں گھستے اور شہر پر شہر اور علاقہ پر علاقہ فتح کرتے چلے گئے۔

قبطی، رومی اور عرب مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ اس اسلامی لشکر کی تعداد جو حضرت عمروؓ بن العاص مصر کی جانب لے کر چلے اور جس نے مصر کی مشرقی سرحد پر فتوحات حاصل کیں، چار ہزار سواروں سے زیادہ نہیں تھی۔ ان مؤرخین کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ عربوں کے مقابلہ میں قبطیوں اور رومیوں کے لشکر کی مجموعی تعداد ایک لاکھ سے کسی صورت میں بھی کم نہیں تھی جو اسکندریہ سے لے کر مصر کے بالائی حصہ تک اور فرما سے لے کر فیوم تک پھیلا ہوا تھا۔ ان فوجوں نے مصری شہروں کے استحکامات میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ جا بجا قلعے بنے ہوئے تھے اور دفاعی خطوط قائم تھے۔

عرب اس سرزمین میں اپنی تلوار کے جوہر دکھا رہے تھے جہاں کی کوئی چیز بھی ان کے وطن سے نہ ملتی تھی۔ اس سرزمین کے باشندوں کا مذہب اور تھا، زبان اور تھی، عادات و خصائل اور تھے۔ عرب اس کے راستوں سے ناواقف تھے۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے باوجود اس چھوٹے سے لشکر کے سامنے رومی افواجِ قاہرہ کی کوئی پیش نہ جا سکی اور تمام مصر پر دیکھتے دیکھتے اسلامی افواج کا قبضہ ہو گیا۔

واقعہ یہ ہے کہ مصر کی فتح دنیا کی جنگی تاریخ میں لازوال حیثیت کی حامل ہے۔ حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ ایسا کارنامہ ہے جس کے مقابلہ میں حضرت خالدؓ بن ولید کی عراق و شام میں فتوحات، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی فتح قادسیہ اور فتحِ نہاوند کے سوا اور کسی جنگی جرنیل کے کارناموں کو پیش نہیں کیا جا سکتا۔

---

(۱۸)

امیر المومنینؓ اور آپؓ کے عمّال

پچھلے صفحات میں ان فتوحات کا حال بیان کیا گیا ہے جو مسلمانوں نے عراق، ایران، شام اور مصر میں حاصل کی تھیں اب ہم مختصر طور پر حضرت عمرؓ کی سیاست اور آپ کے جاری کردہ نظام کے متعلق کچھ بیان کریں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں حکومت کا طریقہ تقریباً وہی رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا۔ عہدِ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی سب کچھ تھی۔ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ آپ ہی بہ حالتِ جنگ فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے۔ مقدمات سارے آپ کے پاس ہی پیش ہوتے تھے اور اسلامی حکومت کے سربراہ بھی حضور ہی تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے۔ جن عمال اور امراء کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا آپ نے بھی ان ہی کو باقی رکھا۔ البتہ جب خلافت کے امور میں وسعت پیدا ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی آسانی کے لئے حضرت ابو عبیدہؓ نے بیت المال کا کام اپنے ذمہ لے لیا اور مقدمات فیصل کرنے کا کام حضرت عمرؓ تے۔ فرامین وغیرہ لکھوانے کے لئے کوئی خاص آدمی مقرر نہ تھا

بلکہ صحابہؓ میں جس سے چاہتے یہ کام لے لیتے۔ آپ کے عہد میں حکومت کا کام بے حد سہل اور سادہ تھا اور کسی نئے انتظام کے وضع کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن جب زمامِ خلافت حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں آئی فتوحات میں وسعت پیدا ہوئی، اسلام مشرق و مغرب میں پھیلنے لگا تو لازماً حکومت چلانے کے لئے ایک نیا نظام مرتب کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ ایسا کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ ان نئے شہروں اور علاقوں میں جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا ایرانی اور رومی سلطنتوں کا مقرر کردہ نظام نافذ تھا اور وہاں حکومت کا ہر کام منظم قواعد کے تحت ہوتا تھا اس لئے نئی حکومت کے لئے واجب تھا کہ وہ گذشتہ حکومت کے نظام اور قوانین کی جگہ ایسا نظام اور قوانین مرتب کرے جن سے یہاں کے باشندوں میں بے چینی نہ پیدا ہو اور رعایا کے ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس ہو سکے۔

خلیفہ کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ دور دراز تک پھیلے ہوئے شہروں کے کل حالات سے ذاتی طور پر واقف ہو لازماً ہر شہر کے معاملات اس شہر کے عامل اور امیر کے سامنے پیش ہوتے تھے اور وہی ان سے عہدہ برآ ہوتا تھا۔ یہی عامل حضرت عمرؓ اور آپ کی رعایا کے درمیان واسطہ ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو اس بات کی شدید خواہش تھی کہ آپ کے عمال آپ ہی کی سیرت اختیار کریں، آپ ہی کے طریقوں پر چلیں اور اپنے اخلاق و عادات کو آپ ہی کے اخلاق و عادات کے سانچے میں ڈھالیں۔ اگر کسی عامل سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی تھی تو اس کے ساتھ اپنے آپ کو بھی ذمہ دار قرار دیتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اس بارہ میں خدا تعالیٰ کے سامنے وہی جواب دہ ہوں گے۔ اسی لئے آپ اپنے عمال کی حرکات و اعمال پر کڑی نظر رکھتے اور سختی سے محاسبہ کرتے رہتے تھے۔ آپ نے سلطنت کے ہر علاقہ میں جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو آپ کو دم بدم عمال کے افعال اور ان کی سیاست سے باخبر رکھتے تھے اور بتلاتے رہتے تھے کہ رعایا سے ان کا برتاؤ کیسا ہے؟ آپ اپنے جاسوسوں کی رپورٹوں کی بھی خوب اچھی طرح چھان بین کرتے تھے اور اگر وہ سچی نکلتی تھیں تو عامل سے فوراً جواب طلب کرتے تھے۔ اگر کوئی سنگین معاملہ ہوتا تھا تو اسے اس کے عہدہ سے برطرف کر دیتے تھے لیکن اگر معمولی غلطی ہوتی تھی تو محض سرزنش پر اکتفا کرتے تھے۔ اگر مخبر کی رپورٹ غلط ہوتی تھی تو پھر اس کو سخت سزا دیتے تھے۔ اس طریقہ سے سلطنت کے ہر حصہ کی خبریں آپ کو ملتی رہتی تھیں اور عمال یا رعایا کی کوئی حرکت آپ سے چھپی نہ رہتی تھی۔ آپ کی ہدایت تھی کہ عمال نہایت سادہ زندگی بسر کریں کھانے پینے اور لباس میں میانہ روی اختیار کریں، فضول خرچی اور شان و شوکت سے قطعاً پرہیز کریں۔ حضرت عمر فاروقؓ خود

انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ چونکہ عمال پر آپ کا رعب بے حد تھا اس لئے وہ آپ کے احکام سے سر مو تجاوز نہ کرتے تھے اور جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا حضرت عمرؓ کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنا کر سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔

جب آپ کسی شخص کو عامل بنا کر کسی جگہ بھیجتے تھے تو اسے رخصت کرنے خود شہر سے باہر تک تشریف لے جاتے تھے اور رخصت کرنے کے وقت اسے بیش بہا نصیحتوں سے بھی نوازتے تھے۔ آپ اپنے عمال سے فرمایا کرتے تھے یہ میں نے تمہیں امت محمدیہ پر اس لئے عامل نہیں بنایا کہ تم اسے اپنی دست درازیوں اور ظلم و ستم کا نشانہ بناؤ۔ بلکہ اس لئے بنایا ہے کہ انہیں نماز پڑھاؤ اور عدل و انصاف سے ان کے مقدمات فیصل کرو۔ آپ عمال کو رعایا کے ساتھ حسنِ سلوک اور نرمی کرنے کی بے حد تاکید کیا کرتے تھے اور انہیں حکم دیا کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے کی طرف رغبت دلائیں اور زیادہ احادیث بیان کرنے سے روکیں۔ کیونکہ کثرتِ روایت سے کئی جھوٹی حدیثیں لوگوں میں مشہور ہو گئی تھیں۔

امراءِ لشکر کو آپ کی نصیحت تھی کہ وہ اللہ سے ڈریں، زیادتی نہ کریں، دشمن سے مقابلہ کے وقت بزدلی نہ دکھائیں، دشمن پر فتح پانے کے بعد اس کی لاشوں کا مثلہ نہ کریں، کسی بوڑھے، کسی عورت اور کسی بچے کو قتل نہ کریں، جہاد کو مال و دولت کمانے اور لونڈی غلام حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائیں بلکہ یہ امر اپنے پیشِ نظر رکھیں کہ جہاد صرف اسلام کے جھنڈے کو بلند و بالا کرنے اور اس کو عزت اور رفعت دینے کے لئے ہے۔

اگر رعیت میں سے کوئی شخص کسی عامل کی شکایت آپ کے پاس لاتا تھا تو آپ فوراً عامل کو مدینہ حاضر ہونے کا حکم دیتے تھے اور اس سے اس شخص کی شکایت کے بارہ میں جواب طلب فرماتے تھے۔ اگر عامل کے خلاف شکایت مبنی برحق ہوتی تھی تو مظلوم کی داد رسی فرماتے تھے اور عامل کو سزا دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ بار بار اپنے عمال کو یاد دلایا کرتے تھے کہ وہ رعیت کے خادم ہیں، اپنے آپ کو حاکم کبھی نہ سمجھیں۔ آپ کا اعتقاد تھا کہ جو شخص امت کا مال کھاتا ہے اس کے لئے امت کی خدمت کرنا فرض ہے۔ اس گروہ کا کوئی شخص اگر امت کی خدمت سے پہلو تہی اور اپنے فرائض کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کی حیثیت ایک چور کی سی ہے۔ اسی لئے حضرت عمرؓ رات کو بہت کم سوتے تھے بلکہ رات کا اکثر حصہ مدینہ کی گلیوں میں یہ دیکھنے کے لئے گزار دیا کرتے تھے کہ آیا رعایا مطمئن ہے یا نہیں اور اسے کوئی

تکلیف تو نہیں۔ اگر کسی شخص کو مصیبت یا فقر و فاقہ میں مبتلا دیکھتے تو آپ کی نیند اڑ جاتی، آپ کا آرام جاتا رہتا۔

آپ نے محمد بن مسلمہ کو سلطنت کے عمال کی تفتیش کا کام سپرد کیا تھا۔ جس شہر سے بھی وہاں کے عامل کی کوئی شکایت موصول ہوتی تھی آپ انہیں بھیج دیا کرتے تھے۔ ان کے کام سے آپ بے حد مطمئن تھے آپ نے انہیں ہدایت کر رکھی تھی کہ عامل کی شکایات کے بارہ میں موقع پر جا کر عام مجمعوں میں لوگوں کا اظہار لیں۔ کسی شخص کو یہ ڈر نہیں ہو سکتا تھا کہ اگر میں نے عامل کے خلاف گواہی دی تو عامل بعد میں مجھ سے باز پرس کرے گا اور مجھے نقصان پہنچائے گا کیونکہ اس معاملہ میں حضرت عمرؓ بہت سخت تھے اور آپ کے ڈر سے کوئی عامل اپنے خلاف گواہی دینے والے شخص کو کوئی سزا نہیں دے سکتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب آپ کسی شخص کو عامل بناتے تو تقرر سے پہلے اس کے اموال و اسباب اور جائداد کا جائزہ لے لیتے۔ اگر بعد میں اس کے مال و اسباب میں غیر معمولی زیادتی ہوتی تو زائد مال کی ضبطی کا حکم دے دیتے یا اس میں سے کچھ حصہ ضبط کر لیتے۔ آپ اس بارہ میں یہ دلیل دیتے تھے کہ عامل امت کے اموال میں سے صرف اتنا حصہ ہی لے سکتا ہے جو اسے کافی ہو۔ اگر اس کے پاس مال و اسباب کی زیادتی ہو جائے تو دو صورتوں میں سے ایک صورت ہو سکتی ہے: یا تو اس نے وہ مال ناجائز طور پر حاصل کیا ہے، اس صورت میں اس کے مال کا بیت المال زیادہ حقدار ہے جہاں سے یتیموں، مسکینوں، کمزوروں اور حاجت مندوں کی امداد کی جاتی ہے یا اس کی تنخواہ، اس کے اصل خرچ سے بہت زیادہ ہے۔ اس صورت میں زائد مال کے مسلمان زیادہ حقدار ہیں۔

عتبہ بن ابی سفیان کو حضرت عمرؓ نے کنانہ کا عامل بنایا۔ کچھ عرصہ کے بعد جب وہ مدینہ آئے تو ان کے پاس کافی مال تھا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا "تم نے یہ مال کہاں سے حاصل کیا؟" انہوں نے عرض کیا کہ میں اپنے ساتھ کچھ رقم لے گیا تھا اس سے میں نے تجارت کر کے یہ مال حاصل کیا۔ آپ نے فرمایا "عامل ہونے کی وجہ سے تمہیں اس بات کا اختیار نہیں تھا کہ تم تجارت کرتے۔" اور پھر ان کا مال لے کر بیت المال میں داخل کر دیا۔

حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ حضرت ابو عبیدہؓ جنہیں آپ نے شام کا عامل مقرر کیا تھا، بافراغت زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ نے ان کی تنخواہ کم کر دی۔ کچھ مدت کے بعد آپ نے ان کے متعلق دریافت کیا

تو معلوم ہوا کہ ان کا رنگ متغیر ہو گیا ہے، کپڑے پھٹ گئے ہیں اور برا حال ہے۔ آپ نے فرمایا "خدا تعالیٰ ابو عبیدہؓ پر رحم کرے، انہوں نے صبر کا بہت اچھا نمونہ دکھایا ہے۔" اس کے بعد جتنی تنخواہ کم کی تھی دوبارہ جاری کر دی۔

ایک دفعہ آپ ابو عبیدہؓ کے پاس تشریف لے گئے، ان کے گھر کی حالت نہایت خستہ ہو رہی تھی آپ نے ان سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بہت معمولی کھانا لا کر سامنے رکھ دیا، حضرت عمرؓ رو پڑے اور واپس آ کر ابو عبیدہؓ کو چار سو دینار بھیجے کہ وہ اپنی حالت درست کر سکیں لیکن انہوں نے وہ تمام رقم شہر کے غرباء میں تقسیم کر دی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے معاذؓ بن جبل کو بھی چار سو دینار بھیجے تھے۔ انہوں نے بھی اس رقم کا اکثر حصہ خیرات کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ کو ان دونوں واقعات کا پتہ چلا تو آپ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ امتِ محمدیہ میں ان جیسے اخلاق، تقویٰ اور فضیلت رکھنے والے اشخاص موجود ہیں۔

صرف حضرت ابو عبیدہؓ اور معاذؓ بن جبل پر ہی موقوف نہیں حضرت عمرؓ کے مقرر کئے ہوئے اکثر عمال انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اہلِ حمص نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنے عامل سعیدؓ بن عامر کی شکایت کی اور انہیں معزول کر دینے کا مطالبہ کیا۔ ان کی شکایت یہ تھی کہ سعیدؓ جب تک دن اچھی طرح نہیں چڑھ جاتا لوگوں سے ملاقات نہیں کرتے۔ رات کو اگر کوئی ان سے ملنے آئے تو ملنا تو رہا در کنار جواب بھی نہیں دیتے مہینہ میں ایک دن گھر سے باہر ہی نہیں نکلتے۔ جب حضرت عمرؓ نے تحقیق کرائی تو معلوم ہوا کہ عامل مذکور ہر روز صبح خود آٹا گوندھتا ہے اور خود ہی روٹی پکاتا ہے۔ اس لئے دن چڑھے تک لوگوں سے مل نہیں سکتا۔ ساری رات عبادت میں گزار دیتا ہے، مہینہ میں ایک دن اپنے کپڑے دھوتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں ایک ہزار دینار بھیجے تاکہ وہ کسی نوکر کو مقرر کر لیں لیکن سعیدؓ نے انہیں لشکر میں تقسیم کر دیا۔

جب سعیدؓ بن عامر مدینہ آئے تو ان کے ساتھ صرف ایک لاٹھی اور ایک پیالہ تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس ان دونوں چیزوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت بھی کیا ہے، لاٹھی سے اپنا کھانا باندھ لیتا ہوں اور پیالہ میں کھا لیتا ہوں۔

ایک اور عامل عمیر بن سعد تھے ان کے متعلق حضرت عمرؓ نے کہا تھا کہ میری بڑی خواہش ہے کہ میرے پاس عمیر بن سعد جیسے چند آدمی اور ہوں تاکہ میں خلافت کے کاموں کی سرانجام دہی میں ان سے مدد حاصل کر سکوں

ایک مرتبہ عمیر نے حمص میں منبر پر کھڑے ہو کر کہا تھا کہ اسلام اس وقت تک مضبوط رہے گا جب تک اس کا غلبہ برقرار رکھنے میں شدت سے کام لیا جائے گا۔ لیکن شدت اور سختی لوگوں کو تلوار سے قتل کرنے اور کوڑے مارنے کا نام نہیں بلکہ حق و انصاف سے کام کرنے کا نام ہے۔ ان دنوں جب عمیر حمص کے عامل تھے حضرت عمرؓ نے انہیں مدینہ طلب فرمایا۔ جب وہ حضرت عمرؓ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ان کے کام کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا "جب آپ نے مجھے عامل بنا کر بھیجا تو میں نے شہر کے نیک لوگوں کو جمع کیا اور انہیں مال جمع کرنے پر مقرر کیا۔ جو کچھ انہوں نے جمع کیا میں نے اسے مناسب مواقع پر خرچ کر دیا۔ اگر اس میں سے کچھ بچتا تو آپ کے پاس لے کر آتا۔" حضرت عمرؓ نے پوچھا "گویا تم کچھ بھی نہیں لائے؟" انہوں نے جواب دیا "نہیں!" حضرت عمرؓ نے انہیں دوبارہ حمص بھیجنا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا اور کہا "میں اب کبھی یہ کام نہیں کروں گا۔ میں نے ایک دن ایک عیسائی کو یہ کہہ دیا 'اللہ تجھے ذلیل و خوار کرے۔' اس فقرے پر میں اب تک پچھتاتا ہوں۔ اگر آپ مجھے امیر مقرر نہ فرماتے تو میری زبان سے ایسا فقرہ نکلتا ہی کیوں؟" چنانچہ انہوں نے دوبارہ عامل بننا قبول نہ کیا۔

حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو کسی شہر کا عامل بناتے تھے تو شہر والوں کے نام اسے ایک پیغام بھی دیتے تھے جو وہ مجمع عام میں سناتا تھا۔ اس پیغام میں لکھا ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کو عامل بنایا ہے اور اسے یہ یہ احکام دئے ہیں۔ جب آپ نے حذیفہ بن یمان کو مدائن کا عامل بنایا تو انہیں شہر والوں کے نام جو پیغام دیا اس میں لکھا تھا:

"حذیفہ بن یمان تمہیں جو کچھ کہیں اسے سنو اور ان کی اطاعت کرو اور وہ تم سے جو مانگیں وہ انہیں دو۔"

جب حذیفہ مدائن پہنچے اور شہر کے معززین ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ کے فرمان کو پڑھ کر انہوں نے حذیفہ سے کہا "جو کچھ آپ کی خواہش ہو ہم حاضر کرنے کو تیار ہیں۔"

حضرت حذیفہ نے کہا کہ میں تم سے صرف اتنا مطالبہ کرتا ہوں کہ جب تک میں یہاں رہوں تم میرے لئے اتنا کھانا، جو میرا پیٹ بھرنے کو کافی ہو اور میرے گدھے کے لئے چارہ مجھے دے دیا کرو۔" چنانچہ شہر والوں نے اس کا انتظام کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت عمرؓ نے انہیں مدینہ طلب فرمایا اور وہ مدائن سے روانہ ہو گئے۔ جب حضرت عمرؓ کو ان کے آنے کی خبر پہنچی تو آپ مدینہ سے باہر نکل کر ان کے راستہ میں چھپ کر کھڑے ہو گئے۔ جب حذیفہ قریب پہنچے تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ان کی وہی حالت ہے جو مدینہ سے مدائن روانہ ہونے کے

وقت تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ اپنی کمین گاہ سے نکلے اور حذیفہ کے قریب آ کر انہیں چمٹا لیا اور فرمایا:
"تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔"

حضرت عمرؓ کسی کو کوئی عہدہ دیتے وقت اس بات کو خوب اچھی طرح جانچ لیا کرتے تھے کہ وہ شخص دینی تقوی کے اعتبار سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس امر کو بھی پیش نظر رکھتے تھے کہ وہ جس شخص کو بھی منتخب کریں اس میں انتظامی صلاحیت موجود ہو۔ یہ نہیں تھا کہ دینی اعتبار سے جو شخص بھی نمایاں حیثیت کا مالک ہو، اسے ضرور ہی امور سلطنت تفویض کر دئیے جائیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں نہیں چاہتا کہ ان لوگوں کو کوئی کام سپرد کر کے ان کی شان کم کروں۔ اکثر اوقات آپ سلطنت کے کسی کام کی سرانجام دہی کے لئے کسی شخص کو مقرر کرتے وقت لوگوں سے مشورہ بھی کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ انہیں سلطنت کے ایک کام کی بجا آوری کے لئے کوئی ایسا آدمی بتائیں جو کسی قوم میں ہو لیکن ان کا امیر نہ ہو تو اپنے اعمال کے اعتبار سے ان کا امیر معلوم ہوتا ہو، اور اگر ان کا امیر ہو تو ان ہی کا ایک فرد معلوم ہو۔ لوگوں نے کہا کہ یہ صفت ربیع بن زیاد الحارثی میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے ہم اسی کی سفارش کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے انہیں بلایا اور وہ کام ان کے سپرد کر دیا۔ ربیع نے بالکل حضرت عمرؓ کے حسب منشاء کام کیا جس پر آپ نے ان لوگوں کا بے حد شکریہ ادا کیا جنہوں نے ربیع بن زیاد کی سفارش کی تھی۔

حضرت عمرؓ نے عمروؓ بن معدی کرب سے سعدؓ بن ابی وقاص والیٔ کوفہ کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا:
"وہ سخاوت کرنے میں میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ حسب و نسب کے لحاظ سے بے داغ عربی ہیں، بہادری میں شیر کی مانند ہیں، جب کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو عدل و انصاف سے کرتے ہیں، جب کچھ تقسیم کرتے ہیں تو سب کو پورا پورا دیتے ہیں۔ ہم پر ایسی مہربانی کرتے ہیں جیسی شفیق ماں اپنے بچوں پر مہربانی کرتی ہے۔ ہمیں ہمارا حق پورا پورا دیتے ہیں۔"

لیکن انہی سعدؓ کی جب اہل کوفہ نے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے انہیں معزول کر دیا اور اس میں کسی قسم کی رو رعایت روا نہ رکھی۔ کیونکہ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ ہمیشہ وہی کام کیا جائے جس میں لوگوں کا فائدہ ہو خواہ وہ کام ان کے عمال میں سے کسی کے ذریعہ انجام دیا جائے۔ دوسرے مسلمانوں کے لئے شکوہ و شکایت کی کوئی گنجائش نہ رکھی جائے۔

یہی سعدؓ تھے جنہیں صحابہؓ نے متفقہ طور پر ایرانی فوجوں کے مقابلہ کے لئے عراق بھیجنے کا مشورہ دیا تھا۔ جب

یہ چلنے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

"اے سعدؓ! انہیں یہ بات دھوکا نہ دے کہ تم رسول اللہؐ کے ماموں ہو۔ اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ نیکی کے ذریعہ مٹاتا ہے۔ اللہ کے اور اس کے بندوں میں سے کسی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دنیا کے سب شریف و وضیع اللہ تعالیٰ کے نزدیک برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا پروردگار ہے اور وہ اس کے بندے ہیں۔ صرف خدا تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے ذریعہ ہی وہ دوسروں پر فضیلت حاصل کر سکتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے انعامات کے وارث ہو سکتے ہیں۔ صرف وہی کام خدا تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہو سکتے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئے اور دوسروں کو بھی انہیں کرنے کا حکم دیا۔ میری تمہیں یہ نصیحت ہے کہ انہی کاموں کو اختیار کرنا۔ اگر تم نے انہیں چھوڑ دیا اور ان کی طرف سے بے پروا ہو گئے تو تمہارے سارے اعمال ضائع ہو جائیں گے اور تم سراسر نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔"

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے حضرت عمرؓ کی اس نصیحت کو لفظ بہ لفظ پورا کیا اور انہی کے ہاتھوں عراق فتح ہوا۔

جہاں حضرت عمرؓ اپنے عمال کا محاسبہ کرنے میں بہت سخت گیر تھے وہاں آپ ان لوگوں سے بھی بہت سختی سے پیش آتے تھے جو سرکشی کرتے تھے یا جن کی طرف سے سرکشی کا شبہ ہوتا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ شہر اور ہر علاقہ کے لوگوں کے دلوں پر اپنے عامل کا پورا رعب اور ہیبت طاری ہونی چاہئے تاکہ عوام و خواص کی طرف سے سرکشی کا کوئی احتمال باقی نہ رہے۔ ایک مرتبہ اہلِ عراق نے اپنے امام کو کنکر مارے حالانکہ حضرت عمرؓ نے ان کی درخواست پر پہلے امام کو معزول کر کے دوسرا امام مقرر کیا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ سنا تو انہیں بے حد طیش آیا اور اہلِ شام سے فرمایا:

"اہلِ عراق کے لئے ایک لشکر تیار کرو کیونکہ شیطان نے ان پر اپنا تسلط جما لیا ہے اور انہیں اپنی راہ پر چلانا چاہتا ہے۔"

عتبہ ابن غزوان جو سعدؓ بن ابی وقاص کے ماتحت تھے اپنے افسر سے ناراض ہو کر مدینہ چلے آئے اور حضرت عمرؓ سے ان کی شکایت کی۔ حضرت عمرؓ خاموش رہے، عتبہ نے دوسری بار پھر شکایت کی، حضرت عمرؓ پھر بھی خاموش رہے۔ آخر جب بار بار انہوں نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی شکایت کرنی شروع کی تو حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا:

"عتبہ! انہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم ایسے آدمی کی شکایت کرتے ہو جو قریش میں سے ہے، اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل ہے۔"

عتبہ نے جواب دیا "کیا میں قریش میں سے نہیں ہوں؟ اور کیا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل نہیں ہے؟"

حضرت عمرؓ نے کہا "تمہاری فضیلت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔"

عتبہ نے کہا "میں تو سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس کبھی نہیں جاؤں گا۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "تمہیں ضرور جانا ہو گا" چنانچہ آپ نے انہیں دوبارہ سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس بھیج دیا لیکن راستہ ہی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت معاویہؓ امیر شام نے کسی بات میں عبادہ بن صامت کے خلاف مرضی کوئی کام کیا۔ حضرت عبادہ بن صامت نے اس پر احتجاج کیا۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے کوئی پروا نہیں کی بلکہ حضرت عبادہ کو کچھ سخت الفاظ بھی کہہ دئے۔ عبادہ نے کہا "میں تمہارے ساتھ ایک جگہ کبھی نہیں رہوں گا۔" یہ کہہ کر وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔

جب مدینہ پہنچے تو حضرت عمرؓ نے آنے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے سارا حال بتا دیا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں دوبارہ شام جانے کا حکم دیا۔ البتہ معاویہؓ کو یہ لکھ بھیجا کہ آئندہ عبادہ پر تمہارا کوئی اختیار نہیں ہو گا اور ان پر تمہارا کوئی حکم چلے گا۔

حضرت عمرؓ نے یہ اس لئے کیا کہ آپ نہ تو معاویہؓ کی خدمات کو نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ عبادہ کے علم و فضل سے استغنا برت سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ اگرچہ خلیفہ تھے لیکن اپنے لباس، اپنی سواری، اپنی حرکات و سکنات، غرضیکہ کسی چیز میں بھی عام لوگوں سے ممتاز نہیں تھے۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں پر آپ کی زبردست ہیبت اور رعب چھایا ہوا تھا۔ اگر ارباب حکومت میں سے اور کوئی شخص اس قدر تواضع اور فروتنی سے کام لیتا تو نہ صرف یہ کہ لوگوں پر اس کا رعب و دبدبہ قائم نہ رہتا بلکہ اس کی رعایا خود اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی۔ لیکن یہ حضرت عمرؓ کی سیاست کا کمال تھا کہ انتہائی عاجزی اور مسکینی کے ساتھ زندگی گزارنے کے باوجود کبھی آپ کے رعب و دبدبہ میں کمی واقع نہیں ہوئی لوگوں کے خوف کی حالت یہ تھی کہ ایک مرتبہ انہوں نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا کہ آپ حضرت عمرؓ سے کہیں کہ وہ کچھ نرمی اختیار کریں۔ ان کی ہیبت تو ہماری کنواری لڑکیوں پر بھی طاری ہے۔"

حضرت عمرؓ کا عہد ایک مثالی عہد تھا۔ آپ کسی صورت میں یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ چند افراد تو خوشحال ہوں لیکن باقی قوم بھوکی مرے۔ چند لوگ تو بلند مرتبے حاصل کر کے ہر طرح کے آرام اور راحت کی زندگی گزاریں اور باقی رعایا تنگ دستی اور غربت کی حالت میں اپنے شب و روز بسر کرے۔ آپ امراء کی مصلحتوں پر عوام کی خواہشات کو قربان نہیں کرتے تھے۔ آپ کی نظر میں ایک والی، عام رعایا جیسا ایک فرد تھا جس پر قانون کا اطلاق اسی طرح ہوتا تھا جس طرح باقی لوگوں پر۔ رعایا کا چھوٹے سے چھوٹا فرد بھی اگر عامل کی شکایت کرتا تھا تو آپ فوراً والی کو جواب دہی کے لئے طلب فرما لیتے تھے اور جب تک مقدمہ کا فیصلہ نہ ہو جاتا تھا مدعی اور مدعا علیہ کے درمیان کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتے تھے۔ اگر عامل کو قصور وار پاتے تھے تو شریعت کے مطابق جس سزا کا وہ حقدار ہوتا تھا وہ اسے دیتے تھے۔ اگر قصاص لینا ہوتا تھا تو قصاص لیتے تھے۔ اگر جرم کی نوعیت کچھ سخت ہوتی تھی تو اسے اپنے عہدہ سے معزول بھی کر دیتے تھے۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت عمرؓ جب کسی شخص کو والی بناتے تھے تو اس کے مال و اسباب کا جائزہ لے لیتے تھے اور اس کے سارے سامان کی فہرست بنا کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے۔ اگر بعد میں اس کے مال و اسباب میں غیر معمولی زیادتی ہو جاتی تھی تو زائد مال ضبط کر لیتے تھے۔ ایک بار آپ ایک عمارت کے پاس سے گزرے جو پتھروں اور چونا گچ سے تعمیر کی گئی تھی، آپ نے پوچھا، "یہ مکان کس کا ہے؟" لوگوں نے بتایا کہ یہ عاملِ بحرین کا مکان ہے۔ آپ نے اس کے مال و اسباب کا کچھ حصہ ضبط کر لیا۔

حضرت عمرؓ کو خبر ملی کہ مصر کے عامل عمروؓ بن العاص کے پاس بہت سا مال و اسباب جمع ہو گیا ہے جو اس وقت نہیں تھا جب انہیں مصر کی ولایت سپرد کی گئی تھی۔ حضرت عمرؓ نے عمروؓ سے جواب طلب کیا، انہوں نے کہا کہ مصر کی زمین زراعتی زمین ہے اور یہاں تجارت کو خوب فروغ حاصل ہے۔ میرے پاس جو مال و اسباب ہے وہ میں نے اپنے گھوڑوں اور اس مالِ غنیمت کو جو جنگوں میں حاصل ہوا تھا بیچ کر حاصل کیا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے ان کے زائد مال و اسباب کو ضبط کر کے اسے بیت المال میں داخل کرا دیا۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق آپ کو اطلاع ملی کہ ان کے پاس دس ہزار درہم جمع ہو گئے ہیں۔ جب آپ نے بازپرس کی تو انہوں نے کہا کہ میرے گھوڑوں نے بچے دیئے تھے۔ مالِ غنیمت بھی کافی جمع ہو گیا تھا۔ نیز میں نے کچھ تجارت بھی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے اصل مال و اسباب اور

اپنے نان و نفقہ کے علاوہ جو زائد مال ہے وہ بیت المال میں داخل کر دیں۔

ایسا کرنے سے حضرت عمرؓ کا مقصد یہ تھا کہ عمال اپنی تمام کوششیں رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دیں۔ تجارت اور مال و اسباب کو بڑھانا سلطنت کے عمال کے لئے مناسب نہیں ہے۔

جن دیگر عمال کے مال و اسباب حضرت عمرؓ نے ضبط کئے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

نعمان بن عدی عاملِ میسان۔ نافع بن عمرو الخزاعی عاملِ مکہ۔ یعلی بن منیہ عاملِ یمن۔ سعدؓ بن ابی وقاص عاملِ مکہ۔ خالدؓ بن ولید عاملِ شام۔

---

(۱۹)

حضرت عمرؓ کے عہد کا عدالتی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں قضا کا سارا کام حضورؐ خود انجام دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے عہد میں یہ کام اپنے اور حضرت عمرؓ کے درمیان بانٹ رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ کے سپرد بس یہ خدمت تھی کہ جو مقدمات دربارِ خلافت میں پیش ہوں وہ ان پر غور و فکر کر کے اپنی رائے بتا دیں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو فتوحات میں وسعت پیدا ہونے لگی۔ نئے نئے علاقے اسلامی مملکت میں شامل ہونے لگے، سلطنت کی وسعت کے ساتھ امورِ خلافت میں بھی زیادتی ہو گئی اور نت نئے مسائل پیش آنے لگے۔ ان حالات میں حضرت عمرؓ کے لئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ خلافت کے دیگر امور، انتظامِ سلطنت اور دور دراز تک پھیلی ہوئی فوجوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ قضا کا کام بھی خود ہی سنبھال سکیں۔ اس لئے آپ نے یہ کام بعض کبار صحابہؓ کے سپرد کر دیا۔ ابوالدرداءؓ کو مدینہ، شریحؒ کو کوفہ، ابوموسیٰ اشعریؓ کو بصرہ اور قیسؓ بن ابی العاص السہمی کو مصر کا قاضی مقرر کیا۔ باقی شہروں اور صوبوں میں قضا کا کام وہاں کے امراء کے سپرد کیا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو عام طور پر تفقہ فی الدین کی طرف رغبت دلاتے رہتے تھے۔ اسی سلسلہ میں آپ فقہاء

کو مختلف شہروں میں بھیجتے رہتے تھے تاکہ وہ لوگوں کو علم دین سے واقف کرائیں۔ منجملہ دیگر اغراض کے ایک غرض حضرت عمرؓ کی یہ بھی تھی کہ ہر انسان کو اپنے واجبات کا پتہ لگ جائے تاکہ وہ دوسرے شخص کے حق پر دست درازی نہ کرے اور اس طرح جھگڑوں اور مقدمات کی نوبت نہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے قضاۃ و عمال کو اپنے خطوط میں قضا کے متعلق جو قوانین لکھ کر بھیجے تھے آج تک وہ عدالتوں میں بنیادی اصولوں کے طور پر رائج ہیں۔ ان تمام خطوط میں سب سے مشہور خط وہ ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بھیجا تھا۔ اس خط میں آپ نے اسلامی قضا کے احکام و اصول کو نہایت اعلیٰ پیرایہ میں بیان کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کے بعد اگر عدالتوں میں کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو یہ دیکھا جاتا کہ اس قسم کے معاملہ میں حضرت عمرؓ نے کیا فیصلہ کیا تھا۔

آپ ضروری معاملات میں ہمیشہ اپنے ساتھیوں کی رائے لے لیا کرتے تھے اور مشورہ کے بغیر کوئی اہم فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ کا مقولہ تھا:

"اکیلے شخص کی رائے کچے دھاگے کی طرح ہے، دو آدمیوں کی رائے دو مضبوط دھاگوں کی طرح ہے اور تین آدمیوں کی رائے ایک ایسے حکم کی مانند ہے جس سے سرمو انحراف نہیں کیا جا سکتا۔"

آپ کے زمانہ میں مدینہ ایک مدرسہ کی مانند تھا جس میں سے سینکڑوں قضاۃ، عمال، سپہ سالار اور امراء نکل نکل کر دوسرے ممالک کو جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ جس کسی کو بھی کوئی عہدہ دے کر باہر بھیجتے تھے پہلے اس کی آزمائش کر لیتے تھے اور بہت ہی کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ کی فراست غلط ثابت ہوئی ہو۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

کعب بن سور حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھے تھے، ایک عورت آئی اور اپنے خاوند کی شکایت کی۔ آپ نے کعب سے فرمایا "ان دونوں کے درمیان فیصلہ کرو۔" کعب نے جو فیصلہ کیا اس سے حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور انہیں بصرہ کا قاضی بنا کر بھیج دیا۔ آپ نے ایک شخص سے گھوڑا خریدنے کی بات چیت کی گھوڑے کا تجربہ کرنے کے لئے اس پر سوار ہوئے لیکن گھوڑے نے چوٹ کھائی۔ آپ نے گھوڑے کے مالک کو اس کا گھوڑا واپس کرنا چاہا لیکن اس نے لینے سے انکار کیا۔ اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے شریح کو ثالث مقرر کیا گیا۔ شریح نے کہا "امیر المومنین! دو ہی صورتیں ہیں یا تو آپ یہ داغدار گھوڑا اپنے پاس رکھیں یا گھوڑے کے مالک کو اس کا گھوڑا اصلی حالت میں واپس دیں۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "فیصلہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔" یہ کہہ کر آپ نے انہیں کوفہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ وہ وہاں ایک طویل عرصہ تک قاضی کے عہدہ پر متمکن رہے۔

حضرت عمرؓ کے عہد کے قاضیوں میں سے مشہور قاضی ابو موسیٰ اشعری، سلمان بن ربیعہ الباہلی، ابو قرۃ الکندی، ابو الدرداء، ابو سعید خدری اور عبداللہ بن عباس وغیرہم تھے۔ ان میں سے ہر ایک شخص اپنے علم و فضل اور دیانت و تقویٰ کے لحاظ سے چوٹی کا انسان تھا۔

آپ نے یہ قاعدہ مقرر کر رکھا تھا کہ قاضی صرف دولت مند اور معزز آدمی ہی کو بنایا جائے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو آپ نے ایک خط لکھا تھا جس میں اس قاعدے کی وجہ یہ بیان کی تھی کہ کمزور اور غریب آدمی انصاف ٹھیک طور پر نہیں کر سکے گا۔ بلکہ رشوت کا طالب رہے گا۔ اسی طرح وہ دوسرے بڑے بڑے لوگوں کے رعب میں بھی آ سکے گا اور بڑے آدمی اپنے رعب داب اور اثر و رسوخ سے کام لے کر اپنے حسب مرضی فیصلہ کروا سکیں گے لیکن اس کے برخلاف امیر اور معزز آدمی رشوت کا طالب نہیں ہوگا اور نہ کسی کا رعب اور اثر قبول کر سکے گا۔

حضرت عمرؓ سفارش کو سختی سے ناپسند فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے ایک غلام نے آپ سے ایک شخص کی سفارش کی اور کہا کہ آپ عاملِ عراق کو لکھ دیجئے کہ جب یہ شخص ان کے پاس پہنچے تو وہ اس کی عزت و تکریم کریں اور اس کا خاص خیال رکھیں۔ حضرت عمرؓ نے اسے جھڑک دیا اور فرمایا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اس شخص کے واسطے دوسروں لوگوں پر ظلم کیا جائے، حالانکہ یہ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہے اور اس کا حق بھی اتنا ہی ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا"

ان قضاۃ میں سے جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائے تھے سب سے مشہور شخصیت ابو موسیٰ اشعری رضؓ کی ہے۔ علم و فضل کے علاوہ آپ فنونِ جنگ میں بھی بے حد مہارت رکھتے تھے اور ایران کی فتح میں آپ کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے، آپ کو حضرت عمرؓ نے ایک بہت مشہور خط لکھا تھا جس میں عدالتی نظام و اصول کو نہایت سلیقے سے بیان کیا تھا۔ اس خط کے پڑھنے سے ہمیں وہ تمام اہم اصول معلوم ہو جاتے ہیں جو حضرت عمرؓ نے اپنی مملکت میں عدالتوں کے لئے جاری فرمائے تھے۔ یہ خط حسب ذیل ہے:

"اچھی طرح سمجھ لو کہ قضا ایک اہم فریضہ ہے جو سنتؐ کے مطابق بجا لانا ضروری ہے۔ تمام لوگوں کو اپنے حضور میں، اپنی مجلس میں اور اپنے انصاف میں برابر رکھو[1] تاکہ کمزور اور غریب آدمی انصاف سے مایوس نہ ہو

---

[1] یہ لکھنے سے حضرت عمرؓ کا منشا یہ ہے کہ فیصلہ کرنے میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔

اور زبردست طاقت ور آدمی کو تم سے کسی رو رعایت کی امید نہ ہو[1]۔ جو شخص دعویٰ کرے اس کے ذمہ ثبوت بہم پہنچانا ضروری ہے اور جو اپنے خلاف عائد کردہ الزام کی تردید کرے اس پر قسم واجب ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے لیکن ایسی صلح جو حلال کو حلال رکھے اور حرام کو حرام۔ ایسی صلح جائز نہیں جس سے حرام حلال اور حلال حرام ہو جائے۔ اگر تم نے آج کوئی فیصلہ کیا ہے لیکن مزید غور و فکر اور عقل سے کام لینے کے بعد تمہیں وہ فیصلہ غلط معلوم ہو تو تم بے شک اسے بدل دو۔ کیونکہ سچائی کو برقرار رکھنا ضروری ہے اور باطل پر اصرار کرنے سے حق کی طرف رجوع کرنا بہرحال بہتر ہے[2]۔ جس مسئلہ کے متعلق تمہارے دل میں شبہ پیدا ہو اور کتاب اللہ اور سنت نبوی میں اس کا ذکر نہ ہو تو اس پر خوب اچھی طرح غور کرو پھر اس کی مثالوں اور نظیروں کو دیکھو۔ اس کے بعد قیاس لگاؤ اور جو قیاس اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سنت کے زیادہ قریب ہو اس کے مطابق حکم دو۔ جو شخص ثبوت پیش کرنا چاہے اس کے لئے ایک مدت مقرر کر دو اس مدت کے اختتام تک اگر وہ اپنا ثبوت بہم پہنچا دے تو اس کا حق اسے دلا دو لیکن اگر مدت کے اختتام تک وہ ثبوت بہم پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دو۔ ایسا کرنے سے شک دور ہو جائے گا[3]۔ سب مسلمان قابلِ اعتبار ہیں، سوائے ان اشخاص کے جن کو حد کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہوں یا جنہوں نے جھوٹی گواہی دی ہو یا جن کا نسب مشکوک ہو۔ تنگ دلی کا اظہار نہ کرو۔ فریقین مقدمہ کو کسی قسم کی تکلیف مت پہنچاؤ۔ مقدمے پیش ہونے

---

[1] یہ حکم اس مساوات کی بنیاد ہے جو اسلام لے کر آیا ہے۔ اس مساوات کے بغیر عدالت کا احترام کسی صورت میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر قاضی طرفین میں سے کسی ایک کی جانبداری کریگا تو یقیناً چند روز میں بدنام ہو جائے گا اور اس کا نتیجہ اسے آج نہیں تو کل ضرور بھگتنا پڑے گا۔

[2] اس حکم کا مطلب یہ ہے کہ اگر قاضی نے کوئی فیصلہ کر دیا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بہرحال اس پر اڑا رہے خواہ وہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایک مرتبہ فیصلہ کرنے کے بعد اگر بعض شواہد و واقعات کی رو سے، جو بعد میں اس کے سامنے آئیں، اسے اپنا فیصلہ غلط معلوم ہو تو اس کو چاہئے کہ اپنا پہلا فیصلہ منسوخ کر دے اور دوبارہ صحیح فیصلہ کرے۔

[3] اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اگر اپنا ثبوت پیش کرنے کے لئے کوئی شخص مہلت طلب کرے اور اس بارہ میں معقول وجوہات عدالت کے سامنے رکھے تو اسے مہلت دے دی جائے۔ مثلاً وہ ایسے گواہوں کو حاضر کرنا چاہتا ہے جن کے پیش ہونے سے عدالت پر اصل حقیقت ظاہر ہو جائے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس مہلت کو (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸)

کے وقت بد خلقی مت دکھاؤ۔ اگر مقدمہ کا صحیح فیصلہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا بہت بڑا اجر دے گا۔"

تمام مسلمان قاضیوں نے جو حضرت عمرؓ کے بعد آئے اس خط کو عدالتی نظام کے لئے بنیاد قرار دیا اور درحقیقت یہ اس کا مستحق ہے ——— حضرت عمرؓ کے زمانہ میں قضا نہایت آسان، سہل اور رسمی قواعد و ضوابط سے بالکل آزاد تھی۔ قاضی کے پاس نہ کوئی ایسا شخص ہوتا تھا جو مقدمات کی کارروائی لکھے، نہ اس کے پاس کوئی رجسٹر ہوتا تھا، نہ محاکمات اور جرح وغیرہ کے کوئی اصول تھے لیکن ان باتوں کے باوجود فیصلے نہایت جلدی ہوتے تھے اور ان میں عدل و انصاف کو کسی صورت میں ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا تھا۔

فتوحاتِ اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لئے کثیر التعداد نئے مسائل پیدا ہونے لگے جو انتہائی بُعدِ نظر اور وقتِ بصیرت کے محتاج تھے۔ ان نئے مسائل میں سے مالی مسائل، لشکروں اور فتوحات کے مسائل، مفتوحین اور فاتحین کے حقوق کے مسائل، مسلمانوں اور غیر مسلموں سے علیحدہ علیحدہ لئے جانے والے ٹیکسوں کے مسائل ایسے تھے جن کے متعلق عربوں کو پہلے سے کچھ پتہ نہ تھا۔ سلطنت کی وسعت کے نتیجے میں ایسے جرائم بھی منظرِ عام پر آنے لگے جو عربوں کے کبھی وہم و گمان میں بھی نہ آئے تھے۔ مسلمانوں کے سامنے اب بہت بڑا مسئلہ یہ تھا کہ ان نئے نئے مسائل سے پیدا ہونے والے حالات سے عہدہ برآ ہونے، نئے نئے جرائم کا انسداد کرنے اور ان جرموں کا ارتکاب کرنے والے لوگوں کو سزا دینے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے۔

قرآن کریم اور سنتِ نبوی میں جزوی مسائل کے متعلق احکام بیان نہیں کئے گئے تھے آخر غور و فکر کے بعد یہ قرار پایا کہ قرآن و سنت سے اگر کسی جزوی مسئلے کے متعلق کوئی حکم معلوم نہ ہو سکے تو اس صورت میں انفرادی رائے پر جسے "قیاس" کا نام دیا گیا عمل کیا جائے۔ لیکن یہ قیاس کسی طرح بھی قرآن و سنت کے احکام کے خلاف نہیں ہونا چاہئے۔

اکثر صحابہؓ نے اسی قاعدے پر عمل کیا۔ چنانچہ جہاں کوئی نص قطعی نہ پائی جاتی وہاں صحابہؓ اپنی رائے کو

(بقیہ صفحہ ۱۳۷): "ایک مقررہ مدت کے اندر محدود کر دیا ہے۔ کیونکہ اگر یہ پابندی نہ رکھی جائے تو مہلت حاصل کرنے والا عدالت کی ہر پیشی پر یہ عذر کرے گا کہ ابھی ثبوت بہم نہیں پہنچ سکا، اور اس طرح وہ اپنی مہلت کا ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ اسی لئے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اگر مدت مقررہ تک وہ ثبوت بہم نہ پہنچا سکے تو مقدمہ خارج کر دیا جائے۔

استعمال میں لایا کرتے تھے۔ مؤرخین نے ان کئی مسائل کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے جن میں صحابہؓ نے اپنے قیاس سے فیصلے کئے۔ سب سے پہلا مسئلہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں پیش آیا وہ یہ تھا کہ آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہو۔ ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی رائے پر عمل کیا گیا۔ اس کے بعد ان مرتدین سے جنگوں کا مسئلہ پیش آیا جنہوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں سے کس طرح جنگ کر سکتے ہیں حالانکہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں؟ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اجتہاد کو کام میں لاتے ہوئے فرمایا: ”میں ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں گا جب تک کہ یہ مجھے اونٹ کی وہ رسّی بھی زکوٰۃ میں دینے سے انکار کریں گے جو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیا کرتے تھے۔“ بعد ازاں جمع قرآن کا مسئلہ سامنے آیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کے مشورے کے مطابق قرآنِ کریم جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب وظیفوں اور غنائم کی تقسیم کا مسئلہ درپیش ہوا تو صحابہؓ میں باہم اختلاف پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ غنیمتوں کی تقسیم میں برابری کا اصول نہیں ہونا چاہئے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ کی پیروی کرنے کی وجہ سے اپنے وطن اور اپنے اموال کو چھوڑا، ان کو ان لوگوں کے برابر قرار دیا جائے جنہوں نے مجبور ہو کر اسلام اختیار کیا۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دلیل یہ تھی کہ مہاجرین نے اسلام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے قبول کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی ان کو آخرت میں اس کا اجر دے گا۔ اس دنیا میں انہیں دوسرے لوگوں کے برابر ہی حصہ ملے گا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غنیمتوں کی تقسیم میں مہاجرین اور غیر مہاجرین میں کوئی فرق روا نہیں رکھا لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس اصول کو قائم نہ رکھا بلکہ تفاوتِ درجات کے مطابق غنیموں اور وظائف کی تقسیم کی۔

ایک شہر کے عامل نے حضرت عمرؓ کے پاس رپورٹ کی کہ ایک عورت نے اپنے عاشق کے ساتھ مل کر اپنے خاوند کو قتل کر دیا ہے۔ حضرت عمرؓ ایک شخص کے بدلے دو شخصوں کو قتل کرنے کے بارہ میں متردد تھے لیکن حضرت علیؓ نے فرمایا:

”اگر کچھ لوگ مل کر ایک اونٹ چرائیں اور اس اونٹ کو ذبح کر کے آپس میں بانٹ لیں تو کیا آپ چوری کے جرم میں سب کے ہاتھ نہیں کاٹیں گے؟“

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”بے شک سب کے ہاتھ کاٹوں گا۔“

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تب قتل کے اس مقدمہ میں بھی دونوں آدمیوں کو قتل کی سزا ملنی چاہئیے۔"

حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے پر صاد کیا اور اس عامل کو لکھ دیا کہ ان دونوں قاتلوں کو قتل کر دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ اگر سارے صنعاء والے بھی ایک آدمی کے قتل میں شریک ہوں تو میں سب لوگوں کو قتل کرا دوں۔"

حضرت عمرؓ اجتہاد میں دوسرے سب صحابہؓ سے بڑھے ہوئے تھے۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ کو اتنی کثرت سے مسائلِ مختلفہ کا سامنا کرنا پڑا کہ نہ آپ سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کرنا پڑا اور نہ آپ کے بعد کسی اور خلیفہ کو۔ آپ کے ہاتھ پر بے شمار فتوحات ہوئیں۔ ایران اور روم کی باجبروت اور متمدن قومیں اسلام کے سامنے سپرانداز ہوئیں۔ بعد کے زمانہ میں اس قسم کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اسی لئے حضرت عمرؓ کو ہزاروں اقتصادی سیاسی اور عمرانی مسائل درپیش ہوئے۔ ان مسائل کو سلجھانے کے لئے آپ اپنے اجتہاد کو کام میں لائے۔

جب ہم حضرت عمرؓ کے لئے اجتہاد کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس سے صرف یہ مراد نہیں لیتے کہ آپ صرف اس وقت اجتہاد کو کام میں لاتے تھے جب قرآنِ کریم اور سنت میں کسی مسئلہ کے متعلق کوئی نص نہ ملے آپ کا اجتہاد بہت وسیع مطالب پر مشتمل ہے۔ آپ کی سیرت کو پڑھنے سے پتہ چلے گا کہ آپ ان معنی میں مجتہد تھے کہ آپ قرآنِ مجید کی آیات اور احادیث میں بیان کردہ باتوں کی مصلحتوں کو بھی خوب سمجھتے تھے اور ان مصلحتوں کے مطابق اپنے احکام جاری کرتے تھے۔ اس کی ایک مثال درج ذیل ہے۔ قرآنِ کریم میں آتا ہے:

ان الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم

(ترجمہ): یقیناً صدقات فقراء، مساکین، صدقات وصول کرنے والوں اور ان لوگوں کے لئے ہیں جن کی تالیف قلوب مدنظر ہو۔

اس حکم کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان لوگوں کو جو نئے نئے اسلام لائے تھے بطور تالیف قلوب زکوٰۃ اور صدقات کے اموال سے نوازا۔ حالانکہ وہ فقراء اور مساکین میں شامل نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس قسم کے چند لوگوں کو زکوٰۃ کے اموال میں سے حصہ دیا۔ لیکن جب حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ "اب خدا تعالیٰ نے اسلام کو

عزت دے دی ہے اب وہ کسی کا محتاج نہیں رہا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ "مؤلفۃ قلوبہم" کے زمرہ والے لوگوں کو زکوٰۃ اس وقت تک دی جاتی تھی جب تک اسلام ضعف اور کمزوری کی حالت میں تھا۔ لیکن جب اسلام طاقتور ہو گیا تو یہ مصلحت جاتی رہی اور اب ایسے لوگوں کو دینے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے قحط کے سالوں میں چور کا ہاتھ کاٹنے کی ممانعت کر دی تھی۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اس زمانہ میں زیادہ چوریاں اسی لئے ہوتی تھیں کہ لوگ بھوکے اور محتاج ہوتے تھے۔

باوجود اس بات کے کہ حضرت عمرؓ کو دین اور شریعت کی بڑی زبردست معرفت حاصل تھی لیکن آپ مختلف مسائل میں اکثر صحابہؓ سے مشورہ بھی لیا کرتے تھے۔ شعبی روایت کرتے ہیں:

"بسا اوقات جب کوئی قضیہ حضرت عمرؓ کے حضور پیش کیا جاتا تو آپ اس پر مہینہ مہینہ غور فرماتے اور صحابہؓ سے مشورہ کرتے رہتے۔ آخر ایک روز ایک ہی مجلس میں اکٹھے سو سو قضیوں کا فیصلہ کر دیتے۔"

---

(۲۰)

حضرت عمرؓ کا مالی اور ملکی نظام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک میں حقیقی ثروت کا وجود نہ تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی مال جمع نہ کیا۔ نہ کوئی بیت المال بنایا۔ جنگوں میں جو غنیمتیں حاصل ہوتی تھیں انہیں یا تو جنگ کے معاً بعد یا مدینہ واپس آتے ہوئے بنا بنا راستہ ہی میں تقسیم فرما دیتے تھے۔ یہی حال اموالِ زکوٰۃ اور صدقات کا تھا۔ جونہی اموال آتے تھے ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ یہ تقسیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے تھے۔ زکوٰۃ میں اکثر اونٹ، گھوڑے اور دیگر مواشی آتے تھے۔ ان پر حضور ایک خاص قسم کا نشان ثبت کرا دیتے تھے تاکہ وہ دوسرے مویشیوں سے علیحدہ رہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو اسلامی حکومت کا خزانہ صرف زکوٰۃ کے ان اونٹوں، گھوڑوں اور دیگر مویشیوں پر مشتمل تھا جو مدینہ کے قریب "رُجمی" کے نام سے پکاری جانے والی چراگاہ میں موجود تھے[1]۔ ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لگائے ہوئے نشانات موجود تھے[2]

۱؎ الماوردی صفحہ ۱۷۶

۲؎ البخاری جلد اول صفحہ ۱۹۰

ان یونینیوں کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چالیس ہزار تک پہنچ گئی تھی[1]۔ زکوٰۃ اور صدقات کے ان اموال سے ان غریب مسلمانوں کو سواری اور ہتھیار مہیا کئے جاتے تھے جن کے پاس سامانِ جنگ نہ ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ یہ اموال فقراء، یتامیٰ اور بیوہ عورتوں پر بھی صرف کئے جاتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اگرچہ مسلمان ایک حکومت کے مالک تھے لیکن اس وقت تک فوجیوں اور دوسرے لوگوں کی تنخواہیں مقرر نہیں ہوئی تھیں، نہ حکومت کا کوئی خاص نظام رائج کیا گیا تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت کا زمانہ آیا اور مسلمان دنیا کو فتح کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو مدینہ میں اموال کی آمد شروع ہوئی، لیکن یہ آمدنی زیادہ نہ تھی۔ حضرت عمر فاروق رض کے عہدِ خلافت میں جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا تو اتنی کثرت کے ساتھ غنائم آنے لگے کہ تمام مسلمان اور خود حضرت عمر رض بھی حیرت زدہ ہو گئے چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رض حضرت عمر رض کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رض نے ان سے دریافت فرمایا "تم اپنے ساتھ کتنا مال لائے ہو؟"

انھوں نے جواب دیا "پانچ لاکھ درہم۔"

یہ سن کر حضرت عمر رض حیرت میں رہ گئے اور فرمایا "تمہیں پتہ ہے تم کیا کہہ رہے ہو؟"

انھوں نے جواب میں عرض کیا "جی ہاں! میں کہہ رہا ہوں کہ پانچ لاکھ درہم لایا ہوں" یہ کہہ کر انھوں نے پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کا لفظ بیان کیا۔

حضرت عمر رض منبر پر چڑھے اور فرمایا:

"لوگو! ہمارے پاس کثیر مال آیا ہے۔ اتنا کہ اگر تم چاہو تو تمہیں تول کر دے دیں اور اگر چاہو تو گن کر۔"[2]

جب اموال کی کثرت اور فتوحات میں وسعت ہوئی تو حضرت عمر رض نے باقاعدہ ایک دفتر کی بنیاد رکھی اور ہر مسلمان کا وظیفہ اسلام میں سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کے لحاظ سے مقرر کر دیا۔ اسی طرح عمال اور قاضیوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔ مال جمع کرنے کی ممانعت فرما دی۔ مسلمانوں کے لئے جاگیریں حاصل کرنا اور زراعت کرنا ممنوع قرار دے دیا، کیونکہ تمام مسلمانوں، ان کے اہل و عیال، خدام اور غلاموں کی روزی کا

---

[1] شرح الموطا نسخہ خطیہ

[2] المقریزی جلد اول صفحہ ۹۲

انتظام بیت المال سے کر دیا گیا تھا۔ زراعت اور جاگیریں حاصل کرنے کی ممانعت کے متعلق حضرت عمرؓ کی دلیل یہ تھی کہ اگر مسلمانوں کو زراعت کی اجازت دے دی گئی تو وہ کھیتی باڑی کے جھمیلوں میں پڑ کر اپنے اصلی جوہر یعنی شجاعت اور بہادری کو بھول جائیں گے، سپاہیانہ زندگی ترک کر دیں گے، ان میں عیش و آرام کا مادہ پیدا ہو جائے گا۔ اگر کسی جگہ جہاد کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو وہ اس انتظار میں رہیں گے کہ فصل کٹ لے تو ہم جہاد کے لئے جائیں۔

اگر ذمیوں میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جاتا تو اس کی زمین اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دی جاتی تھی بلکہ اس کے گاؤں والوں میں بانٹ دی جاتی تھی۔ اس کے بدلے ان لوگوں کو اس ذمی کا خراج بھی ادا کرنا ہوتا تھا۔ مسلمان ہونے پر اس کا مال و اسباب اور مویشی وغیرہ جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہوتے تھے پہلے واپس کر دیئے جاتے تھے اور اس کے لئے بھی دیگر مسلمانوں کی طرح وظیفہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

ایسا کرنے سے حضرت عمرؓ کی غرض یہ تھی کہ اہلِ ذمہ اور ان کی زمین سے مسلمان جنگوں کے دوران میں فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں نے جاگیریں خرید لیں تو اس کا سارا نفع وہ خود ہی حاصل کریں گے اور وہ زمین صرف انہی کی ملکیت بن کر رہ جائے گی۔ لیکن آپ چاہتے تھے کہ مفتوحہ علاقے کی زمین آخری زمانے تک مسلمان مجاہدین کی امداد کے لئے استعمال کی جاتی رہے۔ کیونکہ اس زمانے میں تنخواہ دار سپاہی بھرتی کر کے خاص طور پر فوج تیار نہیں کی جاتی تھی بلکہ سارے مسلمان ہی جنگی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے اور جب خلیفہ انہیں جہاد کے لئے بلاتا تھا تو وہ لبیک کہتے ہوئے اپنے آپ کو پیش کر دیتے تھے اور جہاد کے لئے چل کھڑے ہوتے تھے۔ نہ زراعت ان کے راستے میں حائل ہوتی تھی اور نہ تجارت[1]۔

جب حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کے روزینے مقرر کرنے کا ارادہ کیا تو حسبِ معمول اس بارے میں مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا۔ سب نے حضرت عمرؓ کے خیال کی تائید کی۔ اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا جو فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے تھے۔ باقی سب لوگوں نے تو وہی رائے دی جو حضرت عمرؓ کی تھی لیکن مکہ کے ایک معزز شخص حکیم بن حزام نے کہا:

"امیر المومنین! قریش تاجر لوگ ہیں۔ اگر آپ ان کے وظیفے مقرر کر دیں گے تو وہ تجارت بند کر دیں گے

---

[1] ابن اثیر۔ مقریزی۔ ابن عساکر

اور اگر آپ کے بعد کوئی خلیفہ ایسا ہوا جس نے یہ وظیفے بند کر دیئے تو قریش کو دو طرفہ نقصان اٹھانا پڑیگا۔ تجارت پہلے ہی ان کے ہاتھوں سے نکل چکی ہوگی، وظیفے بھی بند ہو جائیں گے۔"

حکیم بن حزام کی یہ رائے بہت مناسب تھی۔ کیونکہ وظیفے مقرر کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ عرب جو ہمیشہ زندگی کے میدانِ کارزار میں سرگرمِ عمل رہتے تھے سست ہو جائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا کہ ان وظیفوں سے عربوں کو اپنی تجارت میں مزید وسعت دینے کا موقع ملے گا۔ حضرت عمرؓ کے عہد تک تو بیشک حجاز میں تجارت کو عروج حاصل رہا لیکن آپ کے بعد آہستہ آہستہ عربوں کے ہاتھ سے تجارت نکلتی گئی۔ انہوں نے انہی وظیفوں پر اکتفا کرلی جو انہیں ماہ بماہ ملتے تھے اور اسی پر مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے دنیوی نعمتوں میں سے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ آپ خود بھی انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی ایسی ہی سادہ زندگی گزارنے پر مجبور کرتے تھے۔ آپ کی حالت اس فقیر کی سی تھی جس کا گزارہ محض قوتِ لایموت پر ہو اور دنیوی نعمتوں اور عیش وآرام کی زندگی سے وہ قطعاً نا آشنا ہو۔ اگرچہ لوگوں نے اس بات کی کوشش کی کہ آپ بھی اپنے لئے بیت المال سے اتنا وظیفہ لیا کریں جتنا دوسرے لوگ لے رہے تھے لیکن آپ نے یہ بات منظور نہ کی۔ بیت المال سے آپ کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ اتنا تھوڑا تھا کہ بسا اوقات اس سے آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی ضروریات بھی پوری نہ ہوتی تھیں لیکن آپ اپنے وظیفہ میں اضافہ کی درخواست کرنے کی بجائے یہ بات بہت بہتر خیال کرتے تھے کہ بیت المال کے افسر سے کچھ رقم قرض لے لیں۔

جب بعض صحابہؓ نے دیکھا کہ امیر المومنین جو رقم اپنے گزارہ کے لئے بیت المال سے لیتے ہیں، وہ آپ کی ضروریات کو بھی کافی نہیں ہوتی اور آپ بہت تکلیف دہ زندگی بسر کر رہے ہیں تو باہم صلاح ومشورہ کرکے ام المومنین حضرت حفصہؓ (جو آپ کی صاحبزادی تھیں) کے پاس آئے اور ان سے کہا "آپ امیر المومنین سے عرض کریں کہ وہ اس تکلیف دہ زندگی کو جو انہوں نے خود اپنے لئے اختیار کر رکھی ہے ترک کر دیں۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ آپ کے پاس آئیں اور صحابہؓ کی بات آپ کے سامنے دُہرا دی لیکن حضرت عمرؓ نے ایسا کرنے سے سختی سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کے نام پوچھے جنہوں نے حضرت حفصہؓ کو یہ صلاح دی تھی۔ حضرت حفصہؓ نے ان لوگوں کے نام بتانے سے انکار کر دیا۔ اگر وہ بتا دیتیں تو ضرور حضرت عمرؓ انہیں سزا دیتے۔

امیرالمومنین نے اپنی بیٹی سے پوچھا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ سے زیادہ کتنے کپڑے پہنتے تھے؟"

حضرت حفصہؓ نے فرمایا:

"دو کپڑے جو آپؐ کسی وفد کے آنے یا کسی تقریب کے موقع پر پہنتے تھے۔"

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کے متعلق پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپؐ کی خوراک انتہائی سادہ ہوتی تھی۔ پھر آپ نے رسول اللہؐ کے بستر کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضورؐ کا بستر کھردرا ہوتا تھا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ سے کہا:

"ان لوگوں کو جو تمہارے پاس آئے تھے یہ بتلا دینا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت پر چلوں گا۔ میری اور میرے پیش رو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کی مثال ان تین آدمیوں کی ہے جنہوں نے ایک راستہ پر سفر کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے پہلا شخص چلا، کچھ زادِ راہ لی اور اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے دوسرا شخص چلا اور وہی راہ اختیار کی جو پہلے نے کی تھی چنانچہ وہ بھی صحیح سلامت منزلِ مقصود پر پہنچ گیا ان دونوں کے پیچھے تیسرا شخص چلا۔ اگر وہ ان دونوں کی راہ اختیار کرے گا تو ان تک پہنچ جائے گا اور اپنی منزلِ مقصود کو پالے گا لیکن اگر دونوں کے راستہ کے خلاف کوئی اور راستہ اختیار کرے گا تو کبھی منزلِ مقصود کو نہیں پا سکے گا۔"

حضرت عمرؓ اپنے گھر والوں کو کبھی یہ اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ ان چیزوں سے نفع کمائیں جن پر ان کا حق نہیں ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبیداللہ بن عمرؓ لشکرِ اسلام کے ساتھ عراق گئے۔ جب واپس ہوئے تو ان کا گزر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس سے ہوا جو ان دنوں امیر بصرہ تھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ان دونوں کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان کو بیت المال سے کچھ رقم اس غرض کے لئے دی کہ وہ اس سے کچھ مال خرید کر مدینہ لے جائیں اور وہاں اسے بیچ کر نفع خود رکھ لیں اور اصل رقم بیت المال میں واپس کر دیں۔ چنانچہ ان دونوں نے ایسا ہی کیا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے اصل رقم کے ساتھ منافع بھی بیت المال میں داخل کرانا چاہا لیکن بعض صحابہؓ نے مداخلت کی۔ پھر بھی ان دونوں کو آدھا نفع بیت المال میں داخل کرانا پڑا۔

اگر امیرالمومنین اس قدر سخت احتیاط نہ برتتے اور خزانہ کے روپیہ کو اپنے اور اپنے اہل و عیال پر کھلے دل سے

خرچ کرتے تو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ اور آپ کے اہل وعیال خوشحال ہو جاتے لیکن سلطنت کا انتظام درہم برہم ہو کے رہ جاتا۔ کیونکہ اگر حاکم، ملک کے خزانہ کی طرف اپنا ہاتھ ناجائز طور پر بڑھائے تو نہ صرف یہ کہ ملک کی دولت میں کمی آجاتی ہے، خزانہ خالی ہو جاتا ہے بلکہ حکومت کے تمام شعبے مختل پذیر ہو جاتے ہیں خیانت کی کثرت سے سارا نظام ابتر ہو جاتا ہے۔

حضرت عمر رض جب لوگوں کو کسی کام سے منع فرماتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کرتے اور ان سے کہتے:

"میں نے لوگوں کو فلاں فلاں کام سے روکا ہے۔ لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ میں تم میں سے کسی کو یہ کام کرتا نہ دیکھوں، ورنہ خدا کی قسم دوسروں سے دگنی سزا دوں گا۔"

گو آپ اور آپ کے اہل وعیال بڑی سختی سے زندگی بسر کرتے تھے لیکن عام لوگوں کو انتہائی سادہ زندگی اختیار کرنے پر مجبور نہیں کرتے تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ انہیں خوشحالی اور فارغ البالی نصیب ہو اور وہ دنیا کی نعمتوں سے متمتع ہو سکیں۔ البتہ اپنے عمال کو وہ بالکل اپنے راستہ پر چلانا چاہتے تھے تاکہ حکومت کا کام ٹھیک طور پر چلتا رہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ آپ اپنی رعایا پر بے حد مہربان تھے اور جہاں تک آپ سے بن پڑتا تھا رعایا کی خوشحالی، راحت و آرام اور اطمینان کے لئے سعی کرتے تھے۔

حضرت عمر رض کا ہمیشہ یہ دستور رہا کہ آپ عربوں کو عمل کی تلقین کرنے اور سستی سے نفرت دلاتے رہتے تھے۔ اپنے عمال کو اکثر لکھتے رہتے کہ وہ اپنے فرائض پوری توجہ کے ساتھ انجام دیں اور کبھی آج کا کام کل پر نہ چھوڑیں، ورنہ بہت سے کام اکٹھے ہو جائیں گے اور ان کا سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔

آپ نے عام لوگوں کو اپنی مجالس میں آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اس کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ دوسرے لوگوں کو بھی یہ پتہ لگ سکے کہ سلطنت کے کام کس طرح سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ امورِ سلطنت پر کس طرح بحث و تمحیص اور ان پر کیونکر عمل کیا جاتا ہے۔

آپ نے مختلف کاموں کی سرانجام دہی کے لئے بعض خاص خاص ماہرین کو مقرر کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اے لوگو! جس کو قرآن کریم کے متعلق کچھ پوچھنا ہو وہ ابی رض بن کعب کے پاس جائے، جس کو فرائض اور واجبات کے متعلق پوچھنا ہو وہ زید رض بن ثابت کے پاس جائے، جس کو فقہ کا کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہو وہ

معاذ بن جبل کے پاس جائے اور جس کو مالی امور کے متعلق کوئی بات پوچھنی ہو وہ میرے پاس آئے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے مجھے مسلمانوں کے اموال کا خازن اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔"

وظیفے مقرر کرنے کے لئے حضرت عمرؓ نے مردم شماری کرائی تھی اور بربنائے سبقتِ اسلام وظائف مقرر فرمائے تھے۔ تقسیم میں سب سے پہلے ان لوگوں کو رکھا تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار تھے۔ اس کے بعد اہلِ بدر کے حصے مقرر کئے تھے۔ پھر ان لوگوں کے جو حدیبیہ اور بیعت رضوان میں حاضر تھے، پھر ان لوگوں کے جو بعد میں ایمان لائے اور قادسیہ اور یرموک کی جنگوں میں شریک ہوئے تھے۔ اسی طرح امہات المومنین، بچوں، اماموں، موذنوں، معلموں، قاضیوں اور شاعروں کے علی احسب المراتب حصے مقرر کئے۔ حصے مقرر کرنے کے بعد آپ نے ایک تقریر کی جس میں فرمایا:

"خدا کی قسم! ان اموال میں سے کسی کا حق دوسرے سے زیادہ نہیں ہے۔ خود میرا حق بھی کسی دوسرے سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں میں سے ہر شخص کا سوائے مملوکہ غلاموں کے ان اموال میں حصہ ہے۔ لیکن چونکہ کتاب اللہ میں مسلمانوں کے مختلف طبقے مقرر کئے گئے ہیں اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طبقوں کو برقرار رکھا ہے۔ اس لئے ہمیں بھی ان کو مدِ نظر رکھنا ہوگا۔ چنانچہ جو حصے مقرر کئے گئے ہیں وہ اس بات کو دیکھ کر مقرر کئے گئے ہیں کہ کس شخص نے اسلام قبول کرنے کے بعد زیادہ تکلیفیں اٹھائیں، کون شخص ابتدائی زمانہ میں ایمان لایا؛ کون شخص مالدار ہے اور کس شخص کی کس قدر ضروریات ہیں۔ خدا کی قسم اگر جبل صنعاء میں کوئی شخص اپنی بکریاں چراتا ہوگا تو اسے بھی ان اموال میں سے حصہ ملے گا۔"

فتوحات کی وسعت کی وجہ سے چونکہ نئے نئے مسائل پیدا ہو گئے تھے اور کاروبارِ حکومت بھی وسیع ہو گیا تھا اس لئے حضرت عمرؓ کو بعض نئی چیزیں ایجاد کرنی پڑیں۔ آپ ہی نے سب سے پہلے درہ استعمال کیا تھا اور آپ ہی نے ایران اور روم کے رجسٹروں کی طرز پر رجسٹر تیار کرائے تھے۔ ان رجسٹروں کو عقیل بن ابی طالب، مخرمہ بن نوفل اور جبیر بن مطعم نے جو قریش کے عقلمند ترین لوگوں میں سے تھے اور جنہیں عربوں کے انساب اور تاریخ کا پورا پورا علم تھا، تیار کیا تھا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ اسلام میں آپ ہی نے سب سے پہلے قید خانہ تیار کرایا تھا۔ چنانچہ مشہور شاعر حطیئہ کو آپ نے قید کیا تھا۔ اسی طرح ایک اور شخص صبیغ کو بھی آپ نے قید خانہ میں قید کیا تھا جہاں اسے جسمانی سزا بھی دی گئی۔ اس کے بعد اسے عراق جلا وطن کر دیا گیا اور وہاں کے عامل کو لکھ دیا گیا کہ اسے

کوئی شخص منہ نہ لگائے۔ اگر سو آدمی بھی کسی جگہ بیٹھے ہوں اور یہ وہاں پہنچ جائے تو لوگ منتشر ہو جائیں۔ آخر جب اس نے اپنے قصور سے توبہ کی تو حضرت عمرؓ نے اسے معاف کر دیا۔

حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ کوئی شخص نماز کے اوقات کے علاوہ مسجد میں نہ بیٹھا رہے۔ آپ نے مسجد کے کونے میں ایک چبوترہ بھی بنوا دیا تھا جس کا نام بطیحا تھا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس کسی کو کوئی بات کہنی یا شعر پڑھنا یا شور مچانا ہو وہ یہ کام اس چبوترہ پر جا کر کیا کرے۔ آپ کے عہدِ حکومت میں مسجد صرف نماز اور قضاء کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ چنانچہ تمام خلفائے راشدینؓ مسجد میں بیٹھ کر ہی مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے۔

جب فتوحات کا سلسلہ تیز ہو گیا، غیر ممالک کے لوگ جوق در جوق اسلام لانے لگے اور مسلمان بچوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو حضرت عمرؓ نے مدرسے بنانے کا حکم دیا اور چند لوگوں کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ وہ بچوں کو دینی علوم سکھائیں اور ان کی تربیت کریں۔

سب سے پہلا رجسٹر جو حضرت عمرؓ نے تیار کرایا وہ خراج اور اموال کا تھا۔ یہ رجسٹر دمشق، بصرہ اور کوفہ میں اسی طرز پر تیار کرائے گئے جس طرز پر پہلے ایرانی اور رومی رجسٹر تیار ہوتے تھے۔ شام کے رجسٹر رومی زبان میں تیار کئے جاتے تھے، عراق کے رجسٹر فارسی زبان میں اور مصر کے رجسٹر قبطی زبان میں۔ ان رجسٹروں کی تیاری کے لئے عیسائی اور مجوسی نوکر رکھے گئے تھے کیونکہ وہ اس کام کو اچھی طرح کر سکتے تھے۔

رجسٹروں اور دفتروں کی تیاری کا باعث یہ ہوا کہ جب حضرت ابوہریرہؓ جو بحرین کے عامل تھے پانچ لاکھ درہم لے کر مدینہ تشریف لائے تو حضرت عمرؓ نے مجلسِ شوریٰ منعقد کر کے لوگوں سے رائے پوچھی کہ اس مال کو کس طرح صرف کیا جائے۔ ولید بن ہشام نے جو ایران اور شام کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے کہا کہ میں نے شام میں دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو یہ رائے پسند آئی اور آپ نے ایران اور شام کی طرز پر دفتر مرتب کرنے کا حکم دیا۔ ایک صندوق بھی تیار کیا گیا جس میں تمام دستاویزات اور معاہدات محفوظ طریقے پر رکھے جاتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اسلامی سلطنت میں چند بڑے بڑے فوجی مرکز بھی قرار دیے جن کا نام جند رکھا۔ یہ مرکز مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن اور فلسطین تھے۔

فوجیں کوچ کے وقت سارا سامانِ جنگ اپنے ساتھ نہیں لیتی تھیں، بلکہ سامان کا اکثر حصہ ان مرکزوں اور

مختلف چھاؤنیوں میں رکھا رہتا تھا اور ضرورت پڑنے پر فوراً فوجوں کو پہنچا دیا جاتا تھا۔ لشکروں کی تنخواہیں مدینے سے نہیں جایا کرتی تھیں بلکہ جہاں کوئی فوج مقیم ہوتی تھی وہیں سے اسے تنخواہ ملتی تھی۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مختلف ممالک سے خراج اور جزیہ کی جو رقم جمع ہوتی تھی وہ ساری کی ساری مدینہ بھیج دی جاتی تھی۔ لیکن یہ غلط ہے۔ مدینہ صرف اتنی ہی رقم بھیجی جاتی تھی جو فوجیوں کو تنخواہیں دینے اور ملکی اخراجات کے بعد باقی بچ جاتی تھی۔

حضرت عمرؓ ہی نے سب سے پہلے امیر المومنین کا لقب استعمال کیا۔ آپ ہی نے اسلام میں سب سے پہلے قاضی مقرر کیے۔ سنہ ہجری بھی آپ ہی کی ایجاد ہے۔ اسلام کے بعد سب سے پہلے شہر آباد کرنے کا فخر بھی آپ ہی کے حصہ میں آیا۔ آپ ہی کے عہد میں آپ کے حکم سے بصرہ اور کوفہ دو نئے شہر آباد کیے گئے۔

آپ کی یہ عادت تھی کہ عام مسائل کے متعلق مسجد میں لوگوں سے استفسار فرماتے تھے۔ اس کے بعد اپنی اور کبار صحابہؓ کی رائے مجلس شوریٰ میں پیش کرتے تھے۔ اس مجلس شوریٰ میں جو رائے پاس ہو جاتی تھی اسی پر عمل درآمد کیا جاتا تھا۔ اس طریقہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کے تمام کام ان صاحب آرائ کا نچوڑ ہوا کرتے تھے جو ملک کے اہلِ فہم و دانش طبقہ کی طرف سے آپ کو دی جاتی تھیں اور سلطنت کا نظام اس خوبی سے چل رہا تھا کہ آپ کے علاوہ اور کسی خلیفہ یا بادشاہ کے عہد میں نہیں چلا۔

سلطنت کے مختلف علاقوں میں آپ جو حاکم بھیجا کرتے تھے ان کی تفصیل یہ ہے:

جن لوگوں کے سپرد ملک کا عام انتظام، جہاد کی تیاری اور نماز پڑھانا ہوتا تھا انہیں امیر کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جن لوگوں کے سپرد قضا اور بیت المال کا کام ہوتا تھا انہیں معتمد اور وزیر کہا جاتا تھا۔ مدینہ سے آپ بعض لوگوں کو مفتوحہ علاقے کی پیمائش، خراج کا اندازہ کرنے اور مردم شماری کرنے کے لیے بھی بھیجا کرتے تھے روانہ ہوتے وقت ان لوگوں کو اپنی قیمتی ہدایات سے نوازتے تھے۔ چنانچہ ان لوگوں سے جنہیں آپ نے عراق کی پیمائش کرنے اور وہاں کے باشندوں پر خراج لگانے بھیجا تھا یہ فرمایا تھا:

"مجھے ڈر ہے کہیں تم عراق کے لوگوں پر اتنا بوجھ نہ ڈال دو جسے وہ اٹھا نہ سکیں۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھے زندہ رکھا اور توفیق دی تو میں وہاں کے باشندوں کو اتنا خوشحال بنا دوں گا کہ میرے بعد وہاں کی بیوائیں تک کسی آدمی کی مدد کی محتاج نہ رہیں گی۔"

ایک بار فرمایا:

"اے اللہ! میں تجھے سلطنت کے امراء پر اپنا گواہ ٹھہراتا ہوں۔ تو جانتا ہے میں ان کو اس لیے بھیجتا ہوں

کہ وہ لوگوں کو دینِ اسلام سکھائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے آگاہ کریں۔ عدل و انصاف قائم رکھیں اور اگر انہیں کسی مشکل کا سامنا ہو تو اسے میرے سامنے پیش کریں۔"

عمال کی تنخواہیں ان کی ضرورت اور شہر کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر مقرر کی جاتی تھیں۔ حمص کے عامل عیاض بن غنم کو ایک دینار، ایک بکری اور دو رطل غذائی اجناس یومیہ ملا کرتی تھیں۔ آپ نے کوفہ میں حضرت عمارؓ بن یاسر کو سرحدوں کی دیکھ بھال کرنے، عثمان بن حنیف کو خراج وصول کرنے اور عبداللہؓ بن مسعود کو بیت المال کی نگرانی کرنے، لوگوں کو قرآن سکھانے اور انہیں دین سے آگاہ کرانے کے لئے بھیجا تھا ان تینوں کے لئے ایک بکری یومیہ مقرر تھی۔ عمارؓ بن یاسر کو نصف بکری ملا کرتی تھی اور باقی نصف بکری میں عبداللہ بن مسعود اور عثمان بن حنیف شریک تھے۔ عمارؓ بن یاسر کی ماہانہ تنخواہ چھ سو درہم تھی۔ عثمانؓ بن حنیف کی پانچ سو درہم اور عبداللہؓ بن مسعود کی سو درہم تھی۔ قاضی شریح کی تنخواہ سو درہم ماہانہ اور دس جریب گیہوں تھی۔

حضرت ابوبکرؓ تنخواہیں، وظائف اور عطیات دینے میں کسی کے علم و فضل اور سابقیتِ اسلام کا لحاظ نہیں رکھتے تھے بلکہ سب کو برابر دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے "جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں سختیاں اور تکلیفیں اٹھائی ہیں وہ اپنا بدلہ خدا تعالیٰ سے آخرت میں پائیں گے۔ موجودہ مال تو دنیا کا مال ہے، اسے لینے میں نیک اور فاجر سب برابر ہیں۔ یہ ان کے اعمال کے بدلے میں نہیں دیا جا رہا۔"

لیکن حضرت عمرؓ فرماتے تھے کہ میں اس شخص کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑا اس شخص کے برابر ہرگز نہیں رکھ سکتا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تنخواہوں میں جو تفاوت برتا تھا وہ اسی اصول کی بنا پر برتا تھا۔

زمانۂ جاہلیت میں عربوں پر عصبیت بری طرح مسلط تھی۔ ہر عرب حسب و نسب میں اپنے آپ کو دوسرے سے برتر سمجھتا تھا۔ لیکن جب اسلام آیا تو اس نے تمام عربوں کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کیا اور باوجود قبیلوں اور خاندانوں کے اختلاف کے، سارے عربوں نے متحد ہو کر ایک قوم اور ایک گروہ کی حیثیت حاصل کر لی۔۔۔۔ ایک دوسرے پر برتری کا احساس جاتا رہا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب عجمی ممالک فتح ہونے لگے اور عربوں اور غیر عربوں میں میل جول ہوا تو آپ نے خطرہ محسوس کیا کہ کہیں عرب عجمیوں کے ساتھ میل ملاپ میں اپنے قومی خصائل کو نہ بھول جائیں اور اس طرح عربی اتحاد میں فرق نہ آ جائے۔ اس لئے آپ نے سختی کے ساتھ اس بات

کی نگہداشت رکھی کہ عرب عجمی خصائل اور اخلاق اختیار کرنے نہ پائیں۔ عربوں کی فضیلت کا آپ کو اس حد تک خیال تھا کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"عربوں کے لئے یہ بات بے حد شرم کا باعث ہے کہ کوئی عرب کسی عرب کا غلام ہو"[1]

جاہلیت اور اسلام کے زمانہ کے جتنے عرب غلام لوگوں کے پاس تھے آپ نے سب آزاد کرا دئے۔ مسعودی کی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی عجمی کو مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیا[2]۔ گریہ بات تو بالبداہت غلط ہے کیونکہ آپ نے مرزبان اور ابو لولوٴ وغیرہ کو جو غیر عرب تھے مدینہ میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن شاید مسعودی کا اس روایت سے یہ مطلب ہو کہ آپ نے عجمیوں کی کسی جماعت کو مدینہ میں آباد ہونے کی اجازت نہ دی، اگرچہ آپ بعض اوقات چند خاص خاص لوگوں کو دارالخلافہ میں رہنے کی اجازت دے دیتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی یہ خواہش تھی کہ عرب میں غیر عرب نہ رہنے پائیں۔ اسی لئے آپ نے خیبر سے یہودیوں کو نکال کر اس کی زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی تھی۔ اسی طرح نجران سے بھی یہودیوں کو خارج کرکے کوفہ کی طرف بھیج دیا تھا۔

عربوں کی جانب بڑھی ہوئی توجہ ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ نے حکم دے رکھا تھا کہ عرب اپنے انساب یاد رکھیں تاکہ ان کی عصبیت برقرار رہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے:

"اپنے انساب اچھی طرح یاد رکھو۔ کہیں تمہاری حالت عراق کے عجمیوں کی طرح نہ ہو جائے کہ جب تم سے کوئی تمہارا نسب پوچھے تو تم صرف یہ کہہ دو کہ میں فلاں قبیلے سے ہوں"[2]

آپ حجاز کے عربوں کو عراق اور شام میں آباد ہونے کی بہت ترغیب دلایا کرتے تھے[3]۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

"حجاز ہی کو اپنا مسکن بنا کر نہ بیٹھے رہو بلکہ اس سرزمین میں جاؤ جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے تم سے وعدہ

---

[1] مسعودی جلد اول صہ ۲۹

[2] ابنِ خلدون جلد اول صفحہ ۱۰۹

[3] ابنِ خلدون جلد اول صفحہ ۲۲۱

کیا تھا کہ وہ تمہیں اس کا وارث بنا دے گا۔"

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ عراق اور شام میں بھی عرب آباد تھے اور آپ چاہتے تھے کہ حجاز کے عرب اور عراق و شام کے عرب آپس میں متحد ہو جائیں اور موقعہ پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد اور تائید کریں۔ یہ بات بے شک تھی کہ دونوں علاقوں کے عربوں کے لب ولہجہ میں فرق تھا لیکن چونکہ زبان کے معاملہ میں حجاز کے عرب باقی سب علاقوں کے عربوں سے بڑھے ہوئے تھے اس لئے حضرت عمرؓ کو یقین تھا کہ حجازیوں کی بولی ہی عراق اور شام کے عربوں کی بولیوں پر غالب آجائے گی اور آپس کے میل ملاپ سے ایک ایسی متحدہ عرب قوم وجود میں آجائے گی جو حجاز سے لے کر شام اور عراق کے نخلستانوں تک پھیلی ہوئی ہو گی۔

حضرت عمرؓ کا یہ نظریہ بالکل درست تھا کیونکہ آئندہ چل کر واقعات نے ثابت کر دیا کہ عراقی عرب مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑے اور انہوں نے ایرانیوں کی کمزوریوں سے مسلمانوں کو مطلع کیا۔ چنانچہ ابو زبید الطائی جو عیسائی تھا معرکہ جسر میں مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑا اور قتل ہوا۔ اس کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کی وجہ محض قومی حمیت تھی۔ اسی طرح عراق میں واقعہ بویب کے دن انس بن ہلال نمری، نمر قبیلہ کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ مسلمانوں کی مدد کے لئے آیا تھا۔ یہ سب لوگ عیسائی تھے لیکن انہوں نے آکر کہا کہ ہم اپنی قوم کے ساتھ ہو کر لڑیں گے[1]۔ اسی طرح تغلب اور دیگر عیسائی قبیلوں کا حال تھا کہ انہوں نے جنگوں میں مسلمانوں کی مدد کی اور اسلامی پرچم کے زیر سایہ مسلمانوں کے دشمنوں سے لڑے۔ حالانکہ وہ سب عیسائی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتے تھے لیکن محض عربیت کا اتحاد دوسرے تمام اختلافات پر غالب آجاتا تھا۔

صرف عراقی عربوں ہی کی یہ حالت نہ تھی۔ شام کے عیسائی عربوں نے بھی اسی طرح مسلمانوں کی ہر موقعہ پر مدد کی۔ اگرچہ "لامنس" ان پر خیانت اور غداری کا الزام لگاتا ہے لیکن انہوں نے اپنے ہم قوم لوگوں کے سامنے اور کسی کی پروا نہ کی۔

حضرت عمرؓ اس رشتہ کو خوب اچھی طرح سمجھتے تھے۔ جب آپ نے شام اور عراق میں فوجیں بھیجیں اور عراق کے عیسائی عربوں نے مسلمانوں کی مدد کی تو آپ نے "تغلب" ایاد اور نمر کے عیسائی قبیلوں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا۔ ان سے صرف وہی صدقات اور ٹیکس لئے جاتے تھے جو مسلمانوں سے لئے جاتے تھے۔ البتہ ایک شرط رکھی کہ وہ اپنے بعد اپنی اولاد کو عیسائی نہیں بنائیں گے[2]۔

---

[1] ابن اثیر جلد دوم صفحہ ۲۱۵   [2] المعارف از ابن قتیبہ صفحہ ۱۹۳

(۲۱)

امیرالمومنین کے اخلاق و عادات

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلافت ملی تو کچھ روز تک آپ بازار جاتے اور تجارت کرتے رہے لیکن جلدی ہی آپ کو احساس ہو گیا کہ خلافت اور تجارت اکٹھی نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ سے کیا۔ حضرت عمرؓ نے بعض صحابہ سے مشورہ کیا کہ خلیفہ کو اپنے اور اہل و عیال کے اخراجات کے لئے بیت المال سے کتنی رقم ملنی چاہئے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھ ہزار درہم سالانہ ملا کریں۔ چنانچہ اس پر عمل ہوتا رہا جب حضرت ابوبکرؓ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ نے فرمایا:

"میرے پاس مسلمانوں کا جو مال ہے وہ سب واپس کر دو کیونکہ میں اس میں سے کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ اپنے دورانِ خلافت میں میں نے بیت المال سے جو رقم لی ہے اس کے بدلے میری فلاں جائداد فروخت کر دی جائے اور اس کی قیمت بیت المال میں داخل کر دی جائے۔"

آپ کے رشتہ داروں نے حضرت ابوبکرؓ کے حکم کی پوری پوری تعمیل کی۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا:

"ابوبکر! تم نے اپنے جانشین پر بہت بوجھ ڈال دیا۔"

جس پاک دامنی، جس پاکیزگی اور جس طرزِ معیشت کا نمونہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی زندگی میں پیش کیا تھا حضرت عمرؓ نے بھی اپنے تمام ایامِ خلافت میں اسی قسم کا پاک نمونہ دکھایا۔ آپ عدل، پرہیزگاری، حق کے بارہ میں شدت، بڑے بڑے لوگوں پر سختی کرنے اور غریبوں سے انتہائی مہربانی کے ساتھ پیش آنے میں خدا تعالیٰ کا ایک زبردست نشان تھے۔ سادہ زندگی بسر کرنے میں کوئی شخص آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہی اخلاق تھے جن کی وجہ سے آپ کے زمانہ میں سلطنت کو انتہائی عروج حاصل ہوا اور اس کی بنیادیں خوب اچھی طرح مستحکم ہو گئیں۔ آپ نے ایک مرتبہ فرمایا "مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح کا حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے۔ اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحبِ حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لئے لوں گا۔"

روایات سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ ہونے کے بعد کافی عرصہ تک حضرت عمرؓ نے بیت المال سے ایک حبہ تک نہیں لیا۔ لیکن جب غربت نے بہت ستایا تو آپ نے بعض صحابہؓ کو بلایا اور ان سے کہا کہ وہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے کوئی اور کام کر نہیں سکتے۔ انہیں بیت المال سے کتنا گزارہ لینا چاہئے؟ حضرت عثمانؓ اور حضرت سعیدؓ بن زید نے عرض کیا کہ آپ کے لئے کیا روک ٹوک ہو سکتی ہے جتنا مال چاہے لے لیجئے۔ لیکن حضرت علیؓ نے عرض کیا کہ آپ صرف اتنا ہی گزارہ لے سکتے ہیں جو آپ کی صبح اور شام کی خوراک اور معمولی لباس کے لئے کافی ہو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور صرف اتنا ہی گزارہ لینا منظور کیا جو قوتِ لایموت کے لئے کافی ہو۔

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے بہت کم گزارہ لیتے تھے۔ آپ کی یہ حالت تھی کہ آپ گرمیوں میں جو کپڑے کا جوڑا پہنتے تھے وہ اس وقت تک پہنے رہتے تھے جب تک وہ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاتا تھا۔ وہ جوڑا بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے اس بارہ میں ایک مرتبہ آپ سے عرض کیا تو انہیں جواب ملا کہ میں اس سے زیادہ عمدہ لباس نہیں پہن سکتا کیونکہ میں جو کچھ پہنتا ہوں مسلمانوں کے مال میں سے پہنتا ہوں۔

آپ ہر روز اپنے اور اپنے اہل و عیال پر صرف دو درہم خرچ کیا کرتے تھے۔ ایک سال آپ نے حج کیا تو اس میں آپ کے سولہ دینار خرچ ہو گئے۔ آپ نے اپنے لڑکے عبداللہ سے فرمایا "عبداللہ بن عمر! ہم نے بہت اسراف سے کام لیا۔" اس زمانہ میں دینار بارہ درہم کا ہوتا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زہد و تقویٰ کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے آپ کے گھر والوں کو ایک چٹائی بطور تحفہ دی۔ جب حضرت عمرؓ گھر میں آئے تو آپ نے پوچھا:

"یہ چٹائی کہاں سے آئی؟"

آپ کی بیوی نے جواب دیا:

"یہ ابو موسیٰ اشعری نے ہمیں بطورِ تحفہ دی ہے۔"

یہ سُن کر حضرت عمرؓ نے اس چٹائی کو زمین پر دے مارا اور ابو موسیٰؓ کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ حاضر ہوئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"تم نے کس تقریب سے یہ چٹائی میری بیوی کو تحفہ میں دی ہے؟"

یہ کہہ کر آپ نے وہ ان کے سر پر دے ماری اور فرمایا:

"اسے لے جاؤ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک سال ملک میں بڑا زبردست قحط پڑا۔ آپ نے اس دوران میں اپنی خوراک انتہائی کم کر دی تھی۔ کئی روایات میں آتا ہے کہ جب تک قحط ختم نہ ہو گیا حضرت عمرؓ نے نہ کوئی لذیذ چیز کھائی نہ شہد چکھا اور نہ گوشت اپنے منہ میں ڈالا۔ حضرت انسؓ بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ قحط کے سال آپ نے اپنے اوپر گھی حرام کر لیا تھا۔ صرف زیتون کا تیل استعمال فرماتے تھے۔ لوگوں کی تکالیف نے آپ کو اس حد تک بے چین کر رکھا تھا کہ کھانے پینے کا سامان خود اپنی پیٹھ پر رکھ کر غریبوں کے گھروں تک جاتے تھے اور انہیں تقسیم کرتے تھے عیاض بن خلیفہ کہتے ہیں کہ میں نے قحط کے سال حضرت عمرؓ کو دیکھا آپ کا رنگ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا حالانکہ اس سے پہلے آپ سُرخ و سپید تھے۔ لوگوں نے عیاض سے اس تبدیلی کا سبب پوچھا تو انہوں نے بتلایا کہ پہلے وہ گھی اور دودھ استعمال کیا کرتے تھے لیکن جب قحط پڑ گیا تو آپ نے یہ تمام چیزیں ترک کر دیں اور محض زیتون کے تیل پر گذارہ کرنے لگے۔ کئی کئی وقت تک آپ کھانا بھی نہیں کھاتے تھے، اسی لئے آپ کا رنگ تبدیل ہو گیا اور صحت خراب ہو گئی۔

کئی لوگوں کی روایت ہے کہ اگر خدا تعالیٰ قحط کو دُور نہ کرتا تو حضرت عمرؓ ضرور اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے اپنی جان دے دیتے۔ اسی قحط کے زمانے میں ایک دفعہ آپ نے اپنے ایک لڑکے کے ہاتھ میں تربوز دیکھا۔ جھٹ وہ تربوز اس کے ہاتھ سے لے لیا اور فرمایا "تم پھل کھاتے ہو اور رسول اللہؐ کی امت

بھوک کی مر رہی ہے۔" بچہ روتا ہوا باہر چلا گیا۔ آپ نے پتہ چلایا کہ لڑکے کو تربوز کہاں سے ملا تو معلوم ہوا اس نے کھجوروں کو بیچ کر ان کے بدلے یہ تربوز لیا تھا۔

قحط کے زمانہ میں آپ روزانہ اپنے دستر خوان پر کئی ہزار لوگوں کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ اپاہج، مریض اور بچے جو آپ کے پاس نہیں آسکتے تھے ان کو کھانا ان کے گھر بھیجا کرتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد تقریباً چار ہزار تھی۔

ایک مرتبہ آپ پیاسے ایک آدمی کے گھر پہنچے اور اس سے پانی مانگا۔ وہ شہد لے آیا۔ آپ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ شہد ہے۔ آپ نے اس کو پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا:

"میں نہیں چاہتا کہ اس کے بدلے قیامت میں میرا محاسبہ کیا جائے۔"

یسار بن نمیر روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کبھی چھنا ہوا آٹا استعمال نہیں فرمایا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں "میں نے قحط کے سال حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ آپ کے لباس میں سولہ پیوند لگے ہوئے تھے۔"

اسی طرح حضرت انسؓ بن مالکؓ بھی بیان کرتے ہیں کہ خلافت کے زمانہ میں میں نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ کی قمیص میں دونوں کندھوں کے درمیان تین پیوند اوپر تلے لگے ہوئے تھے۔

ابو عثمان نہدی روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنی قمیص پر چمڑے کا پیوند لگا رکھا تھا۔ جمعہ کی نماز کا وقت تھا حضرت عمرؓ دیر تک مسجد میں تشریف نہ لائے۔ جب آئے تو منبر پر چڑھ کر فرمایا میں اپنی قمیص کو پیوند لگانے میں مصروف تھا کیونکہ میرے پاس اور کوئی قمیص نہیں تھی۔

عامر بن عبیدہ باہلی کہتے ہیں "میں نے حضرت انسؓ بن مالک سے اونی کپڑوں کے بارہ میں پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہؓ نے اونی کپڑے پہنے ہیں۔ صرف حضرت عمرؓ اور ابن عمرؓ نے انہیں کبھی استعمال نہیں فرمایا۔"

حضرت عمرؓ اس بات سے خوب اچھی طرح واقف تھے کہ خدا تعالیٰ نے پاک چیزوں کو اپنے بندوں کے لئے حلال کیا ہے اور اگر وہ اسراف کو کام میں لائے بغیر ان چیزوں کو استعمال کریں تو یہ شرعاً جائز ہے لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے اپنے اوپر جس قسم کی تنگی وارد کر رکھی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ ہر دم

ان کے سامنے یہ تصور رہتا تھا کہ وہ امیر المومنین ہیں اور یہ بات کسی طرح بھی جائز نہیں کہ رعایا میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں جنہیں پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو لیکن ان کا حاکم جو ان کی ضروریات پوری کرنے کا ذمہ دار ہے وہ سیر ہو کر کھانا کھائے۔ دوسرے لوگ اپنے کپڑوں پر چمڑے کے پیوند لگائیں اور وہ اونی کپڑے پہنے۔

حضرت عمرؓ کی سادہ زندگی، زہد، تقویٰ، کھانے پینے میں انتہائی سادگی اختیار کرنے کی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں ان سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ خلیفہ کی اصلی شان یہ ہے کہ وہ رعایا کے سامنے اپنے آپ کو حاکم کی حیثیت میں نہیں بلکہ خادم کی حیثیت میں پیش کرے اور اسے اپنے اعمال سے یہ بات ثابت کر دینی چاہئے کہ اسے رعایا پر صرف اس کے تقویٰ و طہارت اور اخلاصِ عمل ہی کی وجہ سے فضیلت حاصل ہے —

خلفائے راشدینؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا فرض امت کی خدمت کرنا ہے اور امت کے ہر چھوٹے بڑے کام کے متعلق انہی کو خدا تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کرنی ہو گی۔ حضرت عمرؓ فرماتے تھے:

"اگر کوئی گم شدہ اونٹ دریائے فرات کے کنارے مر جائے تو مجھے یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ قیامت میں خدا تعالیٰ مجھ سے اس کے متعلق پوچھے گا۔"

اسی طرح یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

"اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے کسی عامل نے کسی شخص پر ظلم کیا ہے اور میں اس ظلم کی تلافی نہ کروں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے اس شخص پر ظلم توڑا۔"

جب حضرت عمرؓ خلافت کے زمانہ میں حج کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے تو راستہ میں جہاں پڑاؤ کرتے، اپنے لئے کوئی خیمہ وغیرہ نہ لگواتے بلکہ چادر بچھا کر کسی درخت کے نیچے پڑ رہتے اور اسی کے سایہ میں آرام کرتے۔

ربیع بن زیاد الحارثی کہتے ہیں:

"میں نے ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے عرض کیا کہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کے مستحق ہیں کہ لذیذ غذا کھائیں، عمدہ سواری پر سوار ہوں اور نرم کپڑے پہنیں۔"

"حضرت عمرؓ نے یہ سن کر ایک چھڑی اٹھائی اور میرے سر پر دے ماری۔ پھر فرمایا:

"اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں سنا کر تم خدا تعالیٰ کا یا میرا قرب حاصل کر سکو گے

تو یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ میری اور میری رعایا کی مثال تو اس جماعت کی ہے جو سفر پر چلی۔ سارے لوگوں نے اپنی چیزیں ایک شخص کے حوالے کر دیں اور اسے اپنی تمام ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ تم بتاؤ کیا اس شخص کے لیئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح دے؟"

میں نے عرض کیا "نہیں۔"

اس پر آپ نے فرمایا "پھر میں اپنے آپ کو دوسرے لوگوں پر کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں؟"

احنف کہتے ہیں:

"ہم حضرت عمرؓ کے دروازہ پر بیٹھے تھے۔ ایک لونڈی ہمارے پاس سے گزری۔ ہم نے آپس میں کہا "یہ امیر المومنین کی لونڈی ہے۔" حضرت عمرؓ کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ آپ نے ہمیں اپنے پاس بلایا اور فرمایا "یہ امیر المومنین کی لونڈی نہیں ہے اور نہ انہیں اللہ کے مال میں سے اس لونڈی کو لینے کا اختیار ہی ہے۔" ہم نے پوچھا "آپ کو اللہ کے مال میں سے کیا کیا لینے کا اختیار ہے؟" آپ نے فرمایا "سنو! میں تمہیں بتاتا ہوں مجھے صرف یہ چیزیں لینی جائز ہیں۔ سال میں دو جوڑے۔ ایک جوڑا گرمیوں کا اور ایک جوڑا سردیوں کا۔ اور اپنے اور اپنے اہل و عیال کے گزارہ کا خرچ جو قریش کے ایک معمولی آدمی کے لیے کافی ہو۔ میں مسلمانوں ہی کا ایک فرد ہوں۔ جو انہیں ملتا ہے مجھے بھی وہی ملنا چاہیے۔ ان سے زیادہ لینے کا مجھے کوئی اختیار نہیں۔"

ایک دفعہ لوگوں نے حضرت حفصہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: آپ اپنے والدِ محترم سے کہیں کہ وہ اپنی زندگی میں کچھ نرمی پیدا کریں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

"تو نے اپنے باپ کو دھوکا دیا۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے عمال کو رعایا کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آنے، عدل و انصاف قائم رکھنے اور سخت سزائیں نہ دینے کی تاکید کر رکھی تھی آپ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ رعایا کے ساتھ بے جا سختی کی جائے۔

حضرت ابنِ عمرؓ روایت کرتے ہیں:

"میں ایک دفعہ صبح کے وقت اپنے والد کے ساتھ تھا ہم دونوں سوار تھے۔ ہم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ ہماری طرف آ رہا ہے۔ ہمارے قریب پہنچ کر وہ رونے لگا۔ والد نے اس سے پوچھا روتے کیوں ہو؟ اگر تم کسی بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہو تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ اگر خوف زدہ ہو تو تمہیں امن دیں گے

البتہ اگر تم نے کسی کو قتل کر دیا ہے تو اس کے بدلے تمہیں قتل کیا جائے گا۔ اگر تم کسی جگہ رہنا نہیں چاہتے تو ہم تمہیں دوسری جگہ آباد کر دیں گے۔ اس نے عرض کیا میں بنی تمیم میں سے ہوں۔ میں نے شراب پی تھی، اس کی سزا میں آپ کے عامل ابو موسیٰ اشعری نے مجھے کوڑے مارے، میرا منہ کالا کر دیا اور مجھے لوگوں کے درمیان گشت کرایا اور انہیں حکم دیا کہ خبردار کوئی آدمی اس سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھے، نہ اپنے ساتھ بٹھائے، نہ کھانے پینے میں اپنے ساتھ شریک کرے۔ اس پر میں نے اپنے دل میں تین باتیں سوچیں یا تو تلوار لے کر ابو موسیٰ کا خاتمہ کر دوں، یا شام چلا جاؤں جہاں کوئی شخص مجھے نہیں جانتا، یا دشمن کے ساتھ مل جاؤں اور ان کے ساتھ کھاؤں پیوں، مزے اڑاؤں۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر رو پڑے اور فرمایا، "شراب پینا ایک نہایت قبیح فعل ہے اور ایک مسلمان کو ہرگز زیب نہیں دیتا کہ وہ شراب پئے۔ لیکن یہ زنا کی طرح نہیں ہے۔" آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو خط لکھا جس میں تحریر کیا:

"مجھے فلاں شخص کی زبانی اس اس بات کا پتہ چلا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم نے دوبارہ ایسا فعل کیا تو تمہارا منہ کالا کرا کے تمام شہر میں پھراؤں گا۔ لوگوں سے کہہ دو کہ وہ اس شخص سے برابر میل جول رکھیں اور اگر یہ شخص توبہ کر لے تو اس کی شہادت بھی قبول کر لیا کرو۔"

خود حضرت عمرؓ نے اس شخص کو دو سو درہم دیئے۔"

مختصر یہ کہ امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ اپنی رعایا کو بے حد عزیز رکھتے تھے۔ اس کے فائدہ کے لیے جو بن پڑتا تھا کرتے تھے۔ آپ نے جو سیاست اختیار کی تھی اس سے لوگ آپ کے بے حد گرویدہ ہو گئے تھے۔ آپ ان کے اموال اپنے ذاتی مصرف میں لانا حرام سمجھتے تھے۔ رعیت کا ہر شخص آپ کی نظر میں مساوی حقوق کا حامل تھا۔ عدل و انصاف آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔ حکمت آپ کی گھٹی میں پڑی تھی۔ جس چیز کا جہاں موقع ہوتا اسے وہیں رکھتے تھے۔ جہاں مصلحت نرمی کا تقاضا کرتی تھی وہاں نرمی اختیار کرتے تھے اور جہاں سختی کا تقاضا کرتی تھی وہاں سختی کو کام میں لاتے تھے۔

عربوں کی ہر خصلت و عادت سے آپ اچھی طرح واقف تھے اور جانتے تھے کہ کون سا کام ان کے لئے مفید ہے اور کون سا مضر۔ اس طرح آپ نے ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کر دیا اور انہیں ایک ایسی زندہ قوم بنا دیا جس کی ہیبت سے سارا جہان کانپتا تھا۔ جو ذلت پر کبھی راضی نہ ہوتی تھی اور جو اپنے اوپر

کسی کے ظلم کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے اپنے حیرت انگیز اخلاق کے ذریعہ اپنے جانشینوں کو سخت آزمائش میں مبتلا کر دیا تھا۔ جس طرح حضرت عمرؓ نے عرب کو سنبھالا تھا اور کوئی شخص نہ تھا جو اس طرح اسے سنبھال سکتا۔ آپ کے بعد ایسا کون سا انسان تھا جو رعیت کی خاطر اپنی خواہشوں کو قربان اور زندگی کی تکلیفیں برداشت کر سکتا۔ حضرت عمرؓ ایک مافوق البشر انسان تھے جن کی مثال ان کے بعد اس دنیا میں ملنی ناممکن ہے۔

---

(۲۲)

واقعۂ شہادت

ماہ ذوالحجہ ۲۳ھ کا واقعہ ہے ایک دن حضرت عمرؓ حسب معمول فجر کی نماز پڑھانے مسجد نبوی میں تشریف لائے۔ آپ کے ہاتھ میں درّہ تھا جو کبھی آپ سے علیحدہ نہ ہوتا تھا۔ آپ صفوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ پہلے صفیں سیدھی کرائیں اس کے بعد اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھ لی۔ یکایک مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولولو جو نمازیوں میں شامل تھا ایک دودھاری خنجر لئے آگے بڑھا اور نہایت پھرتی سے آپ پر چھ وار کئے جن میں سے ایک ناف کے نیچے لگا۔ امیرالمومنین اسی وقت زمین پر گر پڑے۔

یہ حملہ اتنی تیزی سے اور اچانک ہوا کہ لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ صفیں درہم برہم ہو گئیں لیکن کچھ دیر کے بعد لوگوں کو ہوش آیا اور بعض دلیر آدمی ابولولو کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھے لیکن اس نے دائیں بائیں خنجر چلانا شروع کر دیا جس سے تیرہ آدمی زخمی ہو کر زمین پر گر پڑے۔ آخر ایک شخص نے آگے بڑھ کر پھرتی سے اپنا کمبل اس پر ڈال دیا اور اسے قابو میں کر لیا۔ جب ابولولو کو یقین ہو گیا کہ وہ اب بچ کر نہیں نکل سکتا تو اس نے اسی خنجر سے خودکشی کر لی۔

جب لوگ حضرت عمرؓ کی جانب بڑھے تو دیکھا کہ آپ کے خون سے تمام زمین سرخ ہو رہی ہے انہوں نے

آپ کی مرہم پٹی کرنے کا ارادہ کیا لیکن آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے روک دیا اور فرمایا:

"کیا تم میں عبدالرحمٰن بن عوف موجود ہیں؟"

عبدالرحمٰن لوگوں کو چیرتے آگے بڑھے اور کہا:

"امیرالمومنین! میں حاضر ہوں"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"آگے آجاؤ اور نماز پڑھاؤ"

چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مختصر سی نماز پڑھائی۔ لوگوں کی نظریں حضرت عمرؓ کی طرف تھیں انہوں نے دیکھا کہ آپ زمین پر ٹیک لگا کر نمازیوں کے ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں۔

جب نماز ختم ہوگئی تو لوگ آپ کو اٹھا کر آپ کے گھر لے آئے۔ اس وقت تمام آنکھیں اشکبار تھیں اور سب کے دل خون ہو رہے تھے۔

مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابو لولو فیروز نہاوند کا رہنے والا تھا۔ وہ ایک روز بازار میں امیرالمومنین سے ملا اور کہنے لگا:

"میرے آقا نے میری طاقت سے زیادہ مجھ پر محصول مقرر کر رکھا ہے۔ آپ کم کرا دیجئے"

حضرت عمرؓ نے پوچھا:

"تمہارا محصول کیا ہے؟"

اس نے کہا "دو درہم روزانہ"

آپ نے پوچھا:

"تم کام کیا کرتے ہو؟"

اس نے کہا:

"نجاری، نقاشی، آہن گری"

امیرالمومنین نے کہا:

"تین پیشے تمہارے ہاتھ میں ہیں، اس حال میں بھی تم شکایت کرتے ہو۔ میرے خیال میں تو یہ رقم تمہارے

پیشوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں ہے۔"

باتوں باتوں میں امیر المومنین نے ابو لولو سے پوچھا:

"مجھے پتہ چلا ہے کہ تم چکیاں بنانا جانتے ہو۔"

اس نے جواب دیا:

"جی ہاں!"

آپ نے فرمایا:

"تو مجھے ایک چکی بنا دو۔"

ابو لولو نے جواب دیا:

"اگر میں زندہ رہا تو ایسی چکی بنا کر دوں گا جس کی شہرت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی۔"

یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا۔ حضرت عمر رض کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا اور آپ نے فرمایا:

"اس غلام نے مجھے دھمکی دی ہے۔"

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رض بیان کرتے ہیں کہ حادثہ سے پہلے رات کو انہوں نے ہرمزان، جفینہ نصرانی اور ابو لولو کو آپس میں سرگوشیاں کرتے دیکھا۔ ان لوگوں کی نظر جب آپ پر پڑی تو گھبرا گئے۔ اسی گھبراہٹ میں ان میں سے ایک کے ہاتھ سے ایک خنجر چھوٹ کر زمین پر گر پڑا جس کی دو دھاریں تھیں۔ یہ خنجر بعینہٖ وہی خنجر تھا جس سے ابو لولو نے امیر المومنین پر حملہ کیا تھا۔

اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں نے حضرت عمر رض کو شہید کرنے کی سازش کی تھی ورنہ رات کے اندھیرے میں عجمی ایرانی، عربی عیسائی اور مغیرہ کے غلام کو ایک جگہ جمع ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ ہرمزان ان ایرانی سپہ سالاروں میں سے تھا جنہیں حضرت سعد رض بن ابی وقاص نے شکست دی تھی۔ شکست سے قبل ہرمزان ایرانیوں اور عراق کے زمینداروں اور کاشتکاروں کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ پیکار کرنے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف تھا۔ اس نے اسلام اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک اس بات کا یقین نہ ہو گیا کہ اس کا قتل یقینی ہے اور بچاؤ کی صورت صرف یہ ہے کہ وہ اسلام لے آئے۔

اس نے بار بار مسلمانوں سے معاہدے کئے کہ وہ آئندہ ان سے جنگ نہیں کرے گا لیکن ہر بار وہ ان معاہدوں کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کے مقابلے پر آتا رہا۔ ایسے لوگ عربوں سے اپنی عداوت کو نہیں چھپا سکتے تھے۔ نہ کبھی یہ بات ان کے ذہن سے محو ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں نے شاہان کسریٰ کی عظیم الشان سلطنت کا تختہ الٹ دیا اور ایران کے دیار و امصار پر قابض ہو گئے۔

جفینہ عیسائی نجران کا رہنے والا تھا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اسے وہاں سے اس لئے لائے تھے کہ وہ لوگوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایسے وقت میں جبکہ وہ ایرانیوں اور رومیوں سے مصروف پیکار تھے، نجران کے عیسائیوں کو جزیرۂ عرب سے نکال کر اور انہیں نقل مکانی کا معاوضہ دے کر شام اور عراق میں آباد کر دیا تھا اس لئے کہ آپ کو اندیشہ تھا کہ ایسے نازک موقع پر یہ عیسائی نقض عہد نہ کر بیٹھیں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ہرقل کے لشکروں کو زبردست شکست دی۔ ہرقل عیسائی تھا اس لئے عین ممکن ہے کہ جفینہ عیسائی بھی اپنے دل میں مسلمانوں کے خلاف کینہ لئے ہوئے ہو اور کچھ عجب نہیں کہ وہ ہرمزان کو اپنا حلیف پا کر اس کے ساتھ اس سازش میں شریک ہوا ہو۔

فیروز ایرانی تو قتل کے جرم کا مرتکب ہے ہی۔

ان تین اشخاص کے علاوہ ایک اور شخص بھی ہے جس کے متعلق ہمیں پورا یقین ہے کہ وہ بھی اس سازش میں شریک تھا۔ اور وہ ہیں کعب الاحبار۔

کعب الاحبار قتل کے واقعہ سے تین روز پہلے امیر المومنین کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے:

"امیر المومنین! آپ تین روز کے اندر اندر وفات پا جائیں گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

"تمہیں کس طرح معلوم ہوا؟"

انہوں نے کہا:

"مجھے کتاب اللہ (تورات) سے پتہ چلا ہے"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"اللہ! عمر رضی اللہ عنہ کے یہ نصیب کہاں کہ تورات میں اس کا ذکر ہو؟"

کعب نے کہا:
"یہ بات نہیں ہے لیکن آپ کی صفت اور آپ کے حلیہ کا اس میں ضرور ذکر ہے۔"
اگلے روز وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:
"امیر المومنین! آپ کی وفات میں صرف دو روز باقی ہیں۔"
تیسرے روز پھر آئے اور کہا:
"امیر المومنین! دو روز گزر چکے اب صرف ایک دن اور ایک رات باقی ہے۔ کل صبح آپ کی وفات یقینی ہے۔"

کعب ایک یہودی تھے جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام کو روز بروز ترقی نصیب ہو رہی ہے اور کسی دین کسی قوت میں اس کے مقابلہ کی تاب نہیں رہی تو انہوں نے اپنی ذکاوت سے اس حقیقت کو پا لیا کہ اب اسلام ہی کا دور دورہ ہونے والا ہے۔ وہ بلند روح، وہ زبردست بہادری اور وہ عظیم الشان قربانیاں جو اس کے سپوت اس کی راہ میں دکھا رہے ہیں ان کی بناء پر وہ ضرور تمام دنیا پر غالب آ جائیں گے اور مشرق سے مغرب تک سارا عالم ان کے زیرِ نگیں آ جائے گا۔ یہ حالات دیکھ کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ انہیں یقین تھا کہ ان کے اسلام قبول کرنے سے انہیں وہ عزت نصیب ہو گی جو ان کی اپنی قوم میں انہیں حاصل نہیں ہے۔

کعب ایک عالم آدمی تھے اور تورات کو عبرانی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔ توریت کے اشعار ایسی ایسی پیچیدہ عبارتوں سے بھرے پڑے تھے جن کو کوئی عرب خواہ وہ عبرانی ہی کیوں نہ پڑھا ہوا ہو، سمجھ ہی نہیں سکتا تھا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے کئی من گھڑت باتیں مسلمانوں کے درمیان پھیلا دیں اور ان کے دین اور عقیدہ کی پاکیزگی کو مکدر کر دیا۔

انہوں نے اوائلِ اسلام ہی میں ایک بلند اور ممتاز مرتبہ حاصل کر لیا تھا۔ اکثر لوگ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ جو توریت وہ پڑھتے ہیں اس میں سب چیزوں کا علم موجود ہے اور جو کچھ وہ انہیں بتاتے ہیں وہ بالکل سچ ہے۔ لوگوں کا ان کی نسبت یہ اعتقاد اور بھی پختہ ہو گیا جب انہوں نے تین روز پہلے حضرت عمرؓ کی وفات کی خبر دی اور وہ فی الواقعہ وقوع میں آ بھی گئی۔ بہت سے لوگ ان اسرائیلیات پر جو انہوں نے بیان کیں آنکھیں بند کر کے ایمان لے آئے اور انہوں نے ان کو تاریخ اور احادیث و تفسیر کی کتابوں میں بھی داخل کر دیا۔ وہ خود بھی

اس سے زیادہ ان کی حقیقت سے واقف تھے کہ وہ خود ان کی بنائی ہوئی باتیں ہوتی تھیں۔ وہ اپنے کلام کی سند تورات میں سے دیتے تھے لیکن تورات ان باتوں سے خالی تھی جو وہ لوگوں سے بیان کرتے تھے آج کل تورات ہمارے سامنے ہے ہم اسے پڑھتے ہیں لیکن ان باتوں میں سے ایک بات بھی ہمیں اس میں نہیں ملتی جو کعب الاحبار نے زمانہ گذشتہ میں بیان کی تھیں۔

ان امور کی موجودگی میں ہمارے لئے یہ شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہ جاتی اور کوئی آدمی اسے جھٹلا نہیں سکتا کہ کعب نے حضرت عمرؓ سے تین روز پہلے آپ کی وفات کا جو تذکرہ کیا تھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انہیں اس تمام سکیم کا پتہ تھا جو ابولولوء نے حضرت عمرؓ کو شہید کرنے کے لئے تیار کی تھی حضرت عمرؓ کو بتانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی قدر و منزلت مسلمانوں میں زیادہ ہو جائے اور وہ ان کی بیان کردہ روایات اور کہانیوں کو بے دھڑک قبول کر لیں۔

زخم کھانے کے بعد حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ ان کا قاتل کون ہے؟ جب آپ کو پتہ چلا کہ قاتل ابولولوء ہے تو آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور فرمایا کہ "الحمد للہ میرا قاتل اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہنے والا مسلمان نہیں ہے۔"

مزید اطمینان کے لیے آپ نے ایک صحابی کو پوچھ گچھ کرنے بھیجا۔ وہ مہاجرین اور انصار سے جا کر پوچھتے تھے کہ کہیں قاتل ان میں سے تو نہیں؟ وہ روتے ہوئے نفی میں جواب دیتے۔ یہ ہو بھی کس طرح سکتا تھا کہ کوئی مسلمان حضرت عمرؓ بن الخطاب پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کر سکتا۔ آپ ہی نے اسلام کو عزت بخشی آپ ہی کے عہد میں فتوحات پر فتوحات ہوئیں جن کے ذریعہ اسلام کا بول بالا ہوا۔ آپ ہی کے لشکروں نے قیصر اور کسریٰ کی عظیم الشان سلطنتوں کو روند ڈالا اور ہر جگہ اسلام ہی کا طوطی بولنے لگا۔

جب لوگ آپ کو مسجد سے اٹھا کر گھر لائے تو طبیب آیا۔ پہلے اس نے کھجوروں کا پانی[1] آپ کو پلایا۔ لیکن

---

[1] بعض لوگ کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ کو کھجوروں کی شراب پلائی گئی تھی لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ عربوں میں دستور تھا کہ وہ رات کو پانی میں کھجوریں ڈال دیتے تھے۔ صبح تک وہ پانی میٹھا ہو جاتا تھا اور وہ اسے استعمال کر لیتے تھے حضرت عمرؓ کو بھی یہی پانی پلایا گیا تھا۔ (مترجم)

وہ زخم کے راستے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد دودھ پلایا وہ بھی سارا کا سارا باہر نکل آیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کو یقین آ گیا کہ اب ان کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔

اس یقین کے بعد آپ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہلا بھیجا کہ وہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مزاروں کے پہلو میں دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی لیکن میں اسے عمرؓ کے لئے قربان کرتی ہوں۔"

حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے لیکن اپنے بیٹے عبداللہؓ کو بلا کر فرمایا:

"میں نے حضرت عائشہؓ سے کہلا بھیجا تھا کہ وہ مجھے اپنے دوستوں کے پاس دفن کرنے کی اجازت دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی ہے لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہوں نے خلافت کے اثر یا تکلف سے اجازت نہ دے دی ہو۔ اس لئے جب میں مر جاؤں تو مجھے غسل اور کفن دے کر میرا جنازہ ان کے دروازہ پر لے جانا اور کہنا:

"عمر اجازت چاہتا ہے کہ اسے آپ کے حجرہ میں اس کے دو محترم رفیقوں کے برابر دفن کیا جائے"

اگر وہ اجازت دے دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع لے جانا۔"

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ والد کی وصیت کے مطابق ان کی وفات کے بعد ہم ان کا جنازہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے قریب لے گئے اور ان سے اجازت طلب کی۔ انہوں نے خوشی سے اجازت دے دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو بہ پہلو دفن کئے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے برابر دفن کئے گئے تھے اور حضرت عمرؓ آپ کے پہلو کے متوازی۔

حضرت عمرؓ کی وفات ترسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ آپ کو ۲۶ ذوالحجہ ۲۳ھ بروز بدھ خنجر مارا گیا اور محرم کی پہلی تاریخ کو بروز اتوار دفن کیا گیا۔ آپ کی کل مدت خلافت دس سال پانچ مہینے اور اکیس دن ہے۔

آپ کو تین بار پانی اور بیری کے پتوں سے نہلایا گیا۔ آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں مشک سے نہ نہلایا جائے۔ نماز جنازہ مسجد نبوی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اور منبر کے درمیان ادا کی گئی۔

نماز جنازہ کے وقت حضرت عبداللہؓ بن سلام حاضر نہیں تھے۔ وہ اس وقت پہنچے جب نماز ختم ہو چکی تھی

انہوں نے لوگوں سے کہا:

"تم نے میرے آنے سے پہلے نماز پڑھ لی ہے لیکن تم عمرؓ کی تعریف کرنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جا سکو گے۔"

یہ کہہ کر آپ نے کہا:

"اے عمرؓ! تم بہترین اسلامی بھائی تھے۔ حق کے بارہ میں بے حد سخی اور باطل کے بارہ میں بے حد بخیل تھے۔ رضا کے موقع پر راضی ہوتے تھے اور ناراضی کے موقع پر ناراض۔ تمہاری آنکھ عفیف تھی، تمہارا ظرف بہت اعلیٰ تھا۔ نہ تم کسی کے مداح تھے اور نہ عیب گو۔"

حضرت علیؓ آپ کے جنازہ پر آئے اور فرمایا:

"دنیا میں مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ شخص تھا جو اس کپڑے میں لپٹا ہوا ہے۔"[1]

ام ایمنؓ نے آپ کی وفات کے موقع پر روتے ہوئے کہا:

"اب اسلام کمزور ہو گیا۔"

زید بن وہب روایت کرتے ہیں کہ ہم عبداللہؓ بن مسعود کے پاس آئے۔ حضرت عمرؓ کا ذکر چل پڑا جس پر وہ رو پڑے اور اتنا روئے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور آپ نے کہا عمرؓ اسلام کا ایک مضبوط قلعہ تھے جس میں لوگ داخل تو ہو جاتے تھے لیکن نکلتے نہیں تھے۔ لیکن جب ان کی وفات ہو گئی تو قلعہ کی دیواروں میں دراڑ پڑ گئی اور لوگ اسلام سے نکلنے لگے۔

سعید بن زید نے حضرت عمرؓ کی وفات کے دن روتے ہوئے فرمایا:

"آج میں اسلام پر روتا ہوں۔ عمرؓ کی موت نے اسلام کی عمارت میں ایک ایسی دراڑ ڈال دی ہے جو قیامت تک نہیں بھری جا سکتی۔"

حضرت ابوعبیدہؓ بن الجراح نے حضرت عمرؓ کے بارہ میں فرمایا:

"عمرؓ کی وفات سے اسلام کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔" لوگوں نے پوچھا: "کس طرح؟" انہوں نے

---

[1] یہ روایت محمد بن سعد نے اپنی طبقات میں مختلف اسناد سے الفاظ کے بہت تھوڑے اختلاف کے ساتھ تیرہ مرتبہ بیان کی ہے۔

کہا: "اگر تم زندہ رہے تو میری بات کی صداقت کا تمہیں یقین ہو جائے گا۔ عمرؓ کے بعد اگر کسی شخص کو والی بنایا گیا اور اس نے اسی شدت سے کام لیا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ کا خاصہ تھا تو لوگ اس کی اطاعت نہیں کریں گے لیکن اگر اس نے کمزوری اختیار کی تو اسے قتل کر ڈالیں گے۔"

حضرت حذیفہ کہتے ہیں:

"اسلام حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک آنے والے آدمی کی طرح تھا جو برابر قریب ہوتا جائے۔ لیکن آپ کو شہید کر دینے کے بعد اس کی مثال اس پیچھے ہٹنے والے آدمی کی سی ہو جائے گی جو برابر دور ہوتا جائے۔"

ایک شاعر آپ کا مرثیہ کہتے ہوئے لکھتا ہے:

"خدا تعالیٰ جزائے خیر دے اس شخص کو جو امیر المومنین ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ برکت ڈالے اس جسم میں جو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص شتر مرغ کے پروں پر سوار ہو کر بھی یہ کوشش کرے کہ ان اعمال کو پہنچ سکے جو تو نے کئے تھے تو وہ اپنے مقصد میں سراسر ناکام ہو گا۔"

یہ کہنے میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں کہ کوئی امام آج تک ایسا نہیں گزرا جس پر خدا تعالیٰ نے اتنی برکت نازل کی ہو جتنی حضرت عمرؓ پر نازل کی۔ تمام خلفاء اور عادل بادشاہ مل کر بھی وہ کام نہ کر سکے جو حضرت عمرؓ نے اکیلے کیا آپ کا نام آج تک عدل و انصاف، جرأت اور حق پرستی میں ضرب المثل بنا ہوا ہے۔ آپ کے زمانے میں آپ کی ہیبت سے عرب اور عجم کانپتا تھا اور چار دانگ عالم میں آپ کی شہرت پھیلی ہوئی تھی۔ آنے والے زمانے میں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آپ کا نام تاریخ کے صفحات پر ثبت ہو گیا ہے جو قیامت تک زندہ رہے گا۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

---

(۲۳)

اسلامی جمہوریت

حضرت عمرؓ اپنے کمرے میں چارپائی پر لیٹے تھے۔ مہاجرین اور انصار جوق در جوق آپ کے پاس آ رہے تھے۔ ہر شخص غمگین اور مضطرب تھا۔ کوئی آنکھ نہ تھی جو آنسو نہ بہا رہی ہو۔ امیرالمومنین نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا:

"مجھ پر کتنا قرضہ واجب ہے؟"

انہوں نے جواب دیا۔ "چھیاسی ہزار درہم۔"

حضرت عمرؓ نے کہا۔ "عبداللہ! اگر میری جائداد سے یہ قرضہ ادا ہو سکے تو بہت بہتر ورنہ بنی عدی بن کعب سے درخواست کرنا کہ وہ اس قرضہ کو اتار دیں، اگر وہ بھی اس قرض کو ادا نہ کر سکیں تو قریش سے درخواست کرنا لیکن ان کے علاوہ اور کسی سے درخواست نہ کرنا۔[1]"

---

[1] یہ قرضہ حضرت عمرؓ کا ایک مکان بیچ کر ادا کیا گیا، جسے حضرت معاویہؓ نے خریدا تھا (خلاصۃ الوفا فی اخبار دارالمصطفیٰ مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۹، ۱۷۹) (مترجم)

صحابہؓ کی ایک جماعت نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے بعد کسی خلیفہ کو نامزد فرمادیں۔ آپ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے نام لئے اور فرمایا کہ میں ان لوگوں سے زیادہ اور کسی کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک خوش رہے۔ پس جسے ان میں سے خلیفہ چن لیا جائے وہی میرے بعد خلیفہ ہوگا۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کے لئے مندرجہ ذیل وصیت کی:

"میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے، مہاجرین اولین کے حقوق کی حفاظت کرے، مفتوحہ شہروں میں جاکر بس جانے والے عربوں سے اچھا سلوک کرے، دشمنوں سے سختی کے ساتھ مقابلہ کرے، انصار کے حقوق کا خاص لحاظ رکھے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور مہاجرین کو اپنے گھروں میں ٹھہرایا۔ انصار تمہارے محسن ہیں ان کے ساتھ احسان کرنا چاہئے اور ان کی خطاؤں سے حتی الامکان درگذر اور چشم پوشی کرنی چاہئے۔ خلیفہ کو اعراب کا بھی بہت پاس کرنا چاہئے کیونکہ یہی لوگ عربوں کی اصل اور مادۂ اسلام ہیں۔ ان کے امیروں سے زکوٰۃ کا مال لے کر ان کے غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اسی طرح ذمیوں کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہئے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری کو ملحوظ رکھا جائے۔ ان سے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کیا جائے۔ ان کی طاقت سے زیادہ ان کو تکلیف نہ دی جائے۔ ان کے دشمنوں کو ان سے دور کیا جائے۔"

ایک روایت آتی ہے کہ سعید بن زید نے حضرت عمرؓ سے کہا:

"اگر آپ خلافت کے لئے کسی آدمی کو نامزد فرمادیں تو بہت ہی اچھا ہو۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"میں نے اپنے ساتھیوں میں حرص کا مادہ دیکھا ہے، میں اس معاملہ کو ان چھ آدمیوں پر چھوڑے جاتا ہوں جو یہ فیصلہ کریں امت محمدیہ کو وہ منظور رہنا چاہئے۔"

یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کچھ دیر خاموش رہے پھر فرمایا "اگر ان دو آدمیوں میں سے کوئی آدمی بھی زندہ ہوتا

تو میں خلافت اس کے سپرد کر دیتا' ایک ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالم اور دوسرے ابو عبیدہ عامر بن الجراح۔"
کیونکہ ایک مرتبہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اہلِ یمن آئے اور انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ کسی ایسے شخص کو ان کے ساتھ کر دیں جو انہیں سنتِ نبوی اور اسلام سکھلائے" تو آپ نے ابو عبیدہ بن الجراح کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا "یہ امت کا امین ہے میں اسے تمہارے ساتھ بھیجتا ہوں۔"

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا کہ ہر شخص اپنی خواہش بیان کرے۔ ہر شخص نے کوئی نہ کوئی خواہش بیان کی لیکن حضرت عمرؓ نے کہا۔"میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک گھر ہو جو ابو عبیدہؓ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو۔"

بعض صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کو جب کہ آپ زخم خوردگی کی حالت میں گھر میں پڑے ہوئے تھے یہ کہتے سنا کہ اگر ابو عبیدہؓ بن الجراح زندہ ہوتے تو میں کسی سے مشورہ نہ کرتا بلکہ انہیں خلیفہ بنا دیتا۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھتا تو میں کہہ دیتا:

"میں نے اللہ تعالیٰ کے امین اور رسول اللہ کے امین کو خلیفہ بنایا ہے۔"

حضرت ابو عبیدہؓ کی وفات حضرت عمرؓ کے عہد ہی میں ۱۸ھ کی طاعون عمواس میں ہوئی تھی۔ آپ اس وقت شام اور فلسطین میں اسلامی لشکروں کے سپہ سالار تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابو عبیدہؓ کو خبر ملی کہ فلاں شخص نے ان کے خاندان کے ساتھ کچھ احسان کیا ہے تو آپ نے فرمایا:

"کاش! میں ایک بھیڑ ہوتا۔ میرے اہل و عیال مجھے ذبح کرتے میرا گوشت کھاتے اور میرا شوربا پیتے۔"

جب آپ شام میں سپہ سالار تھے تو ایک دن کھڑے ہوئے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے لوگو! میں قریش کا ایک فرد ہوں لیکن اگر تم میں سے کوئی شخص خواہ وہ سرخ ہو یا سیاہ، تقویٰ میں مجھ سے بڑھ جائے تو میری یہ خواہش ہے کہ میں اس کی جلو میں سما جاؤں۔"

سالمؓ جو ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے معروف النسب نہیں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابو عبیدہؓ بن الجراح کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم کرا دیا تھا۔

یہ تمام بحث درج کرنے سے ہمارا مقصد یہ دکھانا ہے کہ زمین میں کوئی قوم کبھی ایسی پیدا نہیں ہوئی جس میں جمہوریت اس حد تک پہنچ گئی ہو جس حد تک اسلام میں پہنچی ہے اور اس کی روشن مثال یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کے متعلق خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" لو کان نبی بعدی لکان عمرؓ"

مسلمانوں کی خلافت کو ایک ایسے عجمی غلام کے سپرد کرنے کو تیار تھے جس کا اصلی نسب غیر معروف ہو، یعنی سالم رض۔ ادھر امین الامۃ حضرت ابو عبیدہ رض بن الجراح فرماتے ہیں کہ وہ قریشی ہیں۔ لیکن وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ اگر کوئی حبشی تقویٰ اور طہارت میں ان سے بڑھا ہوا ہو تو وہ اس کی جلو میں سما جائیں۔

اسلام میں اصل چیز تقویٰ اور عملِ صالح ہے جیسا کہ قرآنِ کریم بھی فرماتا ہے: ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم تقویٰ و طہارت اور اعمالِ صالحہ کے سامنے حسب و نسب، دولت مندی اور عزت و وجاہت کوئی چیز نہیں۔ اس بارہ میں حضرت عمر رض کا یہ مقولہ قیامت تک مومنوں کی ہدایت کے لئے کام دیتا رہے گا۔

آپ فرماتے ہیں:

"اگر قیامت کے دن عجمی اعمالِ صالحہ سے مالا مال ہو کر آئے اور عرب بغیر اعمال کے آئے تو خدا کی قسم وہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی شفاعت کے ہم سے زیادہ مستحق ہوں گے۔ اس لئے کوئی آدمی اپنے حسب نسب کی طرف نہ دیکھے بلکہ اعمالِ صالحہ پر زور دے۔ جس کے اعمال میں کمی ہو گئی اس کا حسب و نسب اس کے کسی کام نہ آئے گا۔"

حضرت عمر رض نے ان چھ آدمیوں کو بلایا جن کے متعلق آپ نے وصیت کر دی تھی کہ انہی میں سے خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن بات صرف حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض سے کی۔ حضرت علی رض سے فرمایا:

"اے علی رض! شاید قوم تمہیں تمہاری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے قرابت، دامادی کے رشتہ اور تمہارے علم و فضل کی وجہ سے جانتی ہے۔ اگر تمہیں خلافت مل جائے تو اللّٰہ تعالیٰ سے ڈر کر ہر کام کرنا اور بنی ہاشم کو لوگوں کے سروں پر مسلّط نہ کر دینا"

حضرت عثمان رض سے یہ فرمایا:

"اگر تمہیں خلافت مل جائے تو بنی ابی معیط کو لوگوں کے سروں پر مسلّط نہ کر دینا۔"

اس کے بعد فرمایا:

"اب اٹھ کھڑے ہو اور آپس میں مشورہ کر کے ایک شخص کو خلیفہ منتخب کر لو۔"

پھر حضرت ابو طلحہ رض انصاری کو بلایا اور فرمایا:

"اے ابو طلحہ رض! اپنے ساتھ انصار کے ۵۰ آدمی لے کر ان آدمیوں کے ساتھ رہو۔ جس گھر میں یہ

خلافت کے بارے میں مشورہ کریں اس گھر کے دروازہ پر اپنے آدمیوں کو لے کر کھڑے رہو اور جب تک یہ مشورے سے فارغ نہ ہو جائیں کسی کو ان کے پاس نہ جانے دو۔ تین روز تک جب تک کہ یہ خلیفہ منتخب نہ کر لیں، ان کے پاس سے نہ ہٹنا۔" آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صہیب لوگوں کو تین روز تک نماز پڑھائیں۔ اگر کسی شخص پر اکثریت متفق ہو جائے اور کوئی اور اس کی مخالفت کرے تو اس کی گردن ماردی جائے[1]۔

---

[1] شوریٰ کا مفصل واقعہ ہم نے اپنی کتاب "عثمانؓ بن عفان" میں بیان کیا ہے۔

عربی ماخذ

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
فتوح الشام	واقدی	الاستیعاب	ابن عبدالبر
السیرۃ النبویہ	ابنِ ہشام	تاریخ دمشق	ابنِ عساکر
الطبقات الکبریٰ	ابنِ سعد	معجم البلدان	یاقوت حموی
الامامۃ والسیاسۃ	ابنِ قتیبہ	الکامل	ابن الاثیر
المعارف	″ ″	اسد الغابہ	″
فتوح البلدان	بلاذری	الکامل	مبرد
انساب الاشراف	″	المختصر فی اخبار البشر	ابو الفداء
تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	الاصابہ فی تمییز الصحابہ	ابن حجر عسقلانی
تاریخ الامم والملوک	طبری	صحیح البخاری	حضرت امام بخاری رح
العقد الفرید للملک السعید	قرطبی	تاریخ الخمیس	دیار بکری
الاغانی	اصفہانی	شرح نہج البلاغہ	ابن ابی الحدید
تاریخ ابن خلدون	ابنِ خلدون	عمرو بن العاص	حسن ابراہیم حسن
انساب القرشیین	مقدسی	فتوح مصر واعمالہا	ابنِ اسحاق

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
وفیات الاعیان	ابن خلکان	الاموال	ابن سلام
الفخری	ابن طباطبا	کتاب الخراج	حضرت امام ابو یوسف
فتوح مصر	ابن عبد الحکم	کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم
العقد الفرید	ابن عبد ربہ	فتح العرب للشام	حداد
مختصر تاریخ الدول	ابن العبری	الاخبار الطوال	دینوری
المواعظ والاعتبار	مقریزی	تاریخ التشریع الاسلامی	خضری
مروج الذہب	مسعودی	فجر الاسلام	احمد امین
الخلفاء الراشدون	عبد الوہاب نجار	حاضر العالم الاسلامی	حواشی امیر شکیب
تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد خضری	خطط الشام	محمد کرد علی
التمدن الاسلامی	″	الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب	″

انگریزی ماخذ

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
مختصر تاریخ عرب	سید امیر علی	عروج و زوال سلطنت روما	گبن
فتح مصر	الفرڈ بٹلر	تاریخ عام	ولز
تاریخ ایران	بنجمین	مختلف مقالات	گب
تاریخ شہنشاہیت بیزنطینیہ	اومان	″ ″	مارگولیس
تاریخ عرب	جیلمان	انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا	
خلافت	سر ولیم میور	تاریخ التواریخ	مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی
تذکرۃ دی غوبی	دی غوبی		

فرانسیسی ماخذ

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
الثلاثة	لامنس	رسائل اور مختلف مقالات	بارٹمن
تاریخِ شام	"	" " "	فان کریمر
تاریخِ عرب	ہوار	" " "	سبرنفر
الاسلام	ماسیہ	" " "	سترک ہرونیہ
الاسلام	مونتہ	" " "	غروسیہ
تمدنِ عرب	گستاف لیبان	" " "	ڈوزی
حیاتِ محمدؐ	درمنغهام	" " "	دینہ
اسلامی عقیدہ اور اس کی شریعت	گولڈسیر	انسائیکلوپیڈیا آف اسلام	
اولیائے اسلام	پرنس کیتانی	دائرۃ المعارف الافرنسیہ	
رسائل اور مختلف مقالات	زولدیکی		

سیرت

عثمانؓ بن عفان

لبنان کے نامور فاضل

عمر ابو النصر

کی

عربی تالیف کا اردو ترجمہ

جسے مؤلف نے ایک سو سے زائد عربی۔ انگریزی اور
فرانسیسی کتابوں سے اقتباس کے بعد مرتب کیا

مترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

ادارہ فروغ اردو۔ لاہور

فہرست

خریطۃ الفتوحات الاسلامیۃ

فی عہد الخلفاء الراشدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش لفظ

حضرت عثمانؓ کا عہد تاریخِ اسلام میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے زمانہ میں بعض فتنہ پردازوں کی وجہ سے فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا وہ ساڑھے تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی بند نہیں ہو سکا۔ اور مسلمانوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی جو خلیج حائل ہوئی وہ نہ صرف یہ کہ اب تک پاٹی نہیں جا سکی بلکہ اس کی وسعت اور اس کی گہرائی میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

اس فتنہ کے اسباب کیا تھے؟ اس کے بھڑکانے میں کس کا ہاتھ تھا؟ اس کے پیدا ہونے میں حضرت عثمانؓ کس حد تک ذمہ دار تھے؟ اکابر صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کا اس موقعہ پر کیا رویہ تھا؟ یہ سوالات ایسے ہیں جو ساڑھے تیرہ سو سال سے لوگوں کے دلوں میں مسلسل پیدا ہوتے چلے آئے ہیں۔ اکثر مؤرخین نے اپنے قلم سے اس عقدہ کو کھولنے کی کوشش کی ہے۔ مگر بہت کم اس میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب بھی ہے جس کا ترجمہ قارئین کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے مؤلف کتاب ھٰذا "عمر ابوالنصرؒ" نے اس کتاب میں ان تمام آراء کو تو جمع کر دیا ہے جو اس فتنہ کے متعلق مؤرخین نے وقتاً فوقتاً قائم کی ہیں اور اس میں ان کو انتہائی کاوش اٹھانی پڑی ہے۔ لیکن اپنی طرف سے

ان پر کوئی محاکمہ نہیں کیا اور اگر کیا بھی ہے تو وہ ایسا پیچیدہ ہے کہ قارئینِ کرام اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ نہیں نکال سکتے۔ اور اس طرح ان کو ایک ذہنی اُلجھن میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ مؤرخین قدیم و جدید کے بیان کردہ واقعات اور ان کی آراء کو درج کرنے کے بعد اس عہد کے مذہبی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی حالات کو سامنے رکھ کر اس دور پر اپنی طرف سے ایک تبصرہ کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ مؤرخین نے واقعات بیان کرنے اور رائیں قائم کرنے میں کہاں تک صحیح راستہ اختیار کیا ہے اور کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔

اسی امر کو مدِ نظر رکھ کر میں چاہتا ہوں کہ بعض ضروری اور اہم امور کو پہلے ہی بیان کر دوں تاکہ جب ناظرین ان مقامات پر پہنچیں تو ان کو کسی قسم کی اُلجھن نہ ہو۔ وہ امور یہ ہیں:۔

(۱) حضرت عثمانؓ کے خلاف جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ قطعاً بے بنیاد ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

(۲) کبار صحابہؓ پر جو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے اور انہوں نے فتنہ کے فرو کرنے میں حضرت عثمانؓ کی کوئی مدد نہیں کی، یہ واقعات کے صریح خلاف ہے اور صحابہؓ کے مقدس اور پاکباز گروہ پر ایک بہتانِ عظیم ہے۔

دراصل یہی دو امور ہیں جن پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مؤرخین نے فتنہ کے اسباب و علل تلاش کرنے میں قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں اور وہ معاملہ کی تہ تک نہیں پہنچ سکے ورنہ یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہ تھا جس کو محض اپنے خیالات کی غلطی کی وجہ سے پیچیدہ سمجھ لیا گیا۔

ان امور کو زیرِ بحث لانے سے پہلے اس اصل کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ خلافتِ راشدہ کوئی دنیاوی حکومت نہ تھی۔ بلکہ ایک دینی نظام تھا جو قرآن کریم کے احکام کے مطابق قائم کیا گیا تھا اور اس کے خلفاء کسی دنیاوی حکومت کے بادشاہ نہیں تھے بلکہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے معلم اور خادم تھے وہ جو کچھ کرتے تھے اپنی خواہش سے نہیں کرتے تھے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم اور اس کے رسول کی ہدایات کے مطابق کرتے تھے اور ان پر بدگمانی کرنا ایک خطرناک غلطی ہے۔

اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں خلفاء کے متعلق اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور تمام دوسرے انسانوں کی طرح وہ ان کو بھی گناہ گار اور غلط کار سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے۔

حضرت عثمانؓ کے خلاف ان کے مخالفین ایک بہت بڑی فہرست الزامات کی بیان کرتے ہیں، اور تعجب یہ ہے کہ بڑے بڑے علماء و فضلاء، محققین و مؤرخین ان کو صحیح سمجھ بیٹھے ہیں مگر باریک تفکر یہ بات عیاں

پہنچاتی ہے کہ حضرت عثمانؓ ان الزامات سے قطعاً بری ہیں۔

آپ پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں ان میں سے مشہور مشہور الزامات یہ ہیں:۔

(۱) سب سے پہلا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے کبار صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس الزام کو درست مان لیا جائے تو پھر کون ہے جو اس سے بچا ہوا ہے؟ کیا حضرت عمرؓ پر، جن کی فراست، دوراندیشی اور عدل وانصاف دنیا بھر میں ضرب المثل ہے، یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ آپ نے حضرت خالدؓ بن ولید (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سیف اللہ" کا خطاب دیا تھا) حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا۔ پھر کیا یہ الزام حضرت علیؓ پر عائد نہیں ہوتا جنہوں نے خلافت سنبھالتے ہی حضرت عثمانؓ کے تمام عمال کو معزول کر دیا؟ ان معزول شدہ عمال میں طرابلس، آرمینیہ اور قبرص کے فاتحین بھی شامل تھے۔

حضرت عثمانؓ نے جن لوگوں کو معزول کیا وہ مندرجہ ذیل تھے:۔

(۱) حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر (۲) حضرت سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ (۳) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ۔ (۴) حضرت مغیرہ بن شعبہ (۵) حضرت عبداللہ بن ارقم مہتمم بیت المال۔

(۱) حضرت عمرو بن العاص کو اس بنا پر معزول کیا گیا کہ آپ نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کیا تھا۔ ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں اضافہ نہ کر سکے۔ لیکن عبداللہ بن ابی سرح کے تقرر کے بعد مالیہ بہت زیادہ آنا شروع ہو گیا تھا۔

(۲) سعدؓ بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم قرض لی لیکن اس کو وقت پر ادا نہ کر سکے۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن مسعود مہتمم بیت المال سے جھگڑا بھی ہوا۔

(۳) ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی کی وجہ یہ تھی کہ آپ رعایا کو خوش نہ رکھ سکے اور وہاں کے لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ابو موسیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیا۔

(۴) مغیرہؓ بن شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام لگایا گیا۔ اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعدؓ بن ابی وقاص کے تقرر کی وصیت کی تھی اس لئے ان کو معزول کر دیا گیا۔

(۵) عبداللہ بن ارقم مہتمم بیت المال کی معزولی کی وجہ ان کا بڑھاپا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کی معزولی کے وقت جلسہ عام میں ایک بیان دیا تھا جو یہ ہے:۔ الا ان عبد اللہ بن ارقم لم یزل علی جرائکم زمن

ابی بکر و عمر الی الیوم وانہ کبر و ضعف وقد ولینا عملہ زید بن ثابت - یعنی عبداللہ بن ارقم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کے تقسیم وظائف کی خدمت انجام دیتے رہے - لیکن اب وہ بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لئے اس خدمت کو زیدؓ بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ عمال اور دوسرے عہدیداروں کی معزولی کے جو وجوہ اوپر لکھے گئے ہیں ان پر کسی شخص کو اعتراض نہیں ہو سکتا - ان امور کی موجودگی میں یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے محض ذاتی عناد کی وجہ سے ان بزرگوں کو معزول کر دیا۔

(۲) دوسرا الزام آپ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے نااہل اور ناتجربہ کار لوگوں کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا ہی ہوتا اور آپ کے مقرر کردہ عمال بے راہ رو ہوتے تو جب تفتیش احوال کے لئے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے لوگوں کو اپنی قلمرو کے ہر حصہ میں بھیجا تھا تو وہ لوگ ہرگز یہ رپورٹیں نہ لاتے کہ تمام عمال بہت اچھی طرح کام کر رہے ہیں - ان سے رعایا کے کسی فرد کو شکایت نہیں ہے اور انہوں نے عدل و انصاف کو ملک میں پورے طور پر قائم کر رکھا ہے - اگر وہ نااہل اور ناتجربہ کار ہوتے تو رعایا کا ایک بہت بڑا حصہ ان کے خلاف ہو جاتا اور شورش برپا کر دیتا - لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ سوائے چند فتنہ پردازوں کے جنہوں نے محض اپنی ذاتی اغراض حاصل کرنے کے لئے عمال کے خلاف شور و غوغا بلند کیا تھا، باقی رعایا اس فتنہ سے بالکل علیحدہ رہی۔

بے شک ولید بن عقبہ، سعید بن العاص، عبداللہ بن ابی سرح اور عبداللہ بن عامر اس بلند پایہ حیثیت کے مالک نہیں تھے جو صحابہ کرام کو حاصل تھی - لیکن ان کے انتظامی کارنامے اور بڑی بڑی فتوحات جو عہد عثمانی میں انہوں نے کیں کسی طرح بھی نظرانداز نہیں کی جا سکتیں - انہی لوگوں کی ہمت، دلیری اور جرأت سے طبرستان، آرمینیہ، طرابلس، قبرص، ہرات، سجستان اور نیشاپور اسلامی قلمرو میں شامل ہوئے اور اسلامی سلطنت وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی - کیا یہ ساری فتوحات نااہل اور ناتجربہ کار اہلکاروں کے ہاتھوں سے انجام پاتی رہیں؟

(۳) تیسرا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں اور خاندان کے لوگوں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

اس الزام کا جواب خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں دیا تھا جس میں بعض صحابہ کرام بھی موجود تھے - آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ میں اپنے خاندان کے لوگوں کو کلیدی عہدے دینے میں دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتا ہوں - مگر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو باقی اہل عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے؟ اور کیا قریش

ہیں ۔ بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے ؟ کیا حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی بعض جلدباز نوجوان انصاریوں نے ایک جنگ کے موقع پر یہی اعتراض نہیں کیا تھا کہ "خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے لیکن اموالِ غنیمت مہاجرین (یعنی قریش) سمیٹ کر لے گئے ہیں "

درحقیقت ایسے اعتراضات سے خود معترضین کے دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے ۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو حضرت عثمانؓ نے اہم عہدوں پر مقرر کیا وہ درحقیقت ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے اہل بھی تھے یا نہیں ؟ اگر وہ لوگ اہل تھے اور اپنی ذمہ داریوں کو اچھی طرح نبھاتے تھے تب یہ اعتراض سراسر باطل ہو جاتا ہے کہ آپ نے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدے دیئے ۔ واقعہ یہی ہے کہ آپ نے جو لوگوں کو کلیدی آسامیوں پر مقرر کیا وہ بالعموم امورِ مملکت کو سرانجام دینے کے پورے اہل تھے ۔ جب ہی یہ بات تھی کہ گیارہ برس کی طویل مدت میں سلطنت کے کاموں میں کسی طرح کا کوئی ضعف نہیں آیا اور ہر کام خوش اسلوبی کے ساتھ انجام پاتا رہا ۔ فتوحات بھی ہوتی رہیں اور ملکی انتظام میں بھی کسی قسم کی خرابی واقع نہیں ہوئی ۔ اور یہ صورت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک عمال ، حاکم اور کارکن ، لائق ، قابل اور فرض شناس نہ ہوں ۔

(۴) چوتھا الزام حضرت عثمان پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور اس میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کثرت سے دولت عطا کی ۔

اس اعتراض کے ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا جاتا ہے وہ یا تو ازسرتاپا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے ۔

حضرت عثمانؓ ذاتی طور پر نہایت مالدار شخص تھے ۔ تجارت سے آپ کو لاکھوں روپے کی آمدنی ہوتی تھی آپ نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے مسجد نبوی کی توسیع کی ۔ لاکھوں روپے سے جیش عسرت کو آراستہ کیا ۔ ہزار ہا روپیہ دے کر بئرِ رومہ کو ایک یہودی سے خریدا اور اس کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا ۔ ایسا شخص جو خدا کی راہ میں لاکھوں روپے صرف کرنے سے بھی دریغ نہ کرے ، اپنے مال میں سے اپنے عزیز و اقارب کو کچھ نہیں دے سکتا تھا ؟

حضرت عثمانؓ کے سامنے بھی معترضین نے یہی اعتراض پیش کیا تھا جس کا جواب حضرت عثمانؓ نے ایک تقریر میں دیا تھا ۔ آپ کی یہ تقریر طبری میں درج ہے ۔ ہم اس کا ترجمہ ذیل میں درج کرتے ہیں جس کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا کہ اس اعتراض کی کیا حقیقت ہے ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا : " لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت

رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں۔ لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح میری فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے۔ مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لئے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دیا کرتا تھا اور اب جبکہ میں اپنی طبعی عمر کو پہنچ چکا ہوں اور میں نے اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو مفسد ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی ایسا بار نہیں ڈالا کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو جو کچھ وصول ہوا وہ انہی لوگوں کی بہتری اور ترقی پر صرف ہوا۔ میرے پاس صرف خمس آتا ہے اور اس میں سے بھی میرے لئے کچھ لینا جائز نہیں۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا بھی تصرف نہیں کیا جاتا۔ میں اس میں سے کچھ نہیں لیتا۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے"۔

اس کے بعد اب ہم ان واقعات کو لیتے ہیں جن کی بنا پر "طبری" نے حضرت عثمانؓ پر بیت المال کے بے جا اسراف اور اس کے روپے میں سے اپنے عزیزوں کو گراں قدر عطیے دینے کا الزام لگایا ہے۔

(۱) حکم بن العاص کو جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلا وطن کر دیا تھا، مدینہ آنے کی اجازت دے دی اور بیت المال میں سے اس کو ایک لاکھ درہم عطا کئے۔ اور اس کے لڑکے حارث کو حکم دے دیا کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لئے عشر وصول کرے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حکم بن العاص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف جلا وطن کر دیا تھا۔ لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے واپس آنے کی اجازت دے دی تھی۔ چنانچہ صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس اجازت کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو اس اجازت کا علم نہیں تھا اس لئے ان دونوں نے اس کو واپس آنے کی اجازت نہ دی۔ لیکن حضرت عثمانؓ کو اس کا علم تھا اس لئے آپ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں حکم کو واپس بلا لیا اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا۔ اور صلۂ رحم کے طور پر اپنے پاس سے ایک لاکھ درہم عطا فرمائے۔ نیز لڑکی کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت فرمایا۔

حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔

(۲) مروان کو طرابلس الغرب کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا۔

حضرت عثمانؓ پر یہ بھی ایک بہتان ہے۔ تاریخ ابن خلدون میں لکھا ہے۔ "ابن زبیر نے فتح کی خوشخبری اور مال غنیمت

کا پانچواں حصہ دارالخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا"

(ابن خلدون جلد ۲ صد ۱۲۹)

ظاہر ہے کہ کسی شخص کو عطیہ دینے اور اس کے ہاتھ فروخت کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

(۳) بیت المال سے زید بن ثابت کو ایک لاکھ درہم دیئے۔

یہ روایت بھی بے بنیاد ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں لوگوں کو وظیفے دینے کے بعد ایک کافی رقم بچ گئی۔ حضرت عثمان نے زید بن ثابت کو جو مہتمم بیت المال تھے حکم دیا کہ اس کو رفاہ عامہ کے کام پر صرف کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔

(۴) ایک اور الزام حضرت عثمان پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس میں اپنے جانور چرانے سے روک دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ فوجی اور قومی ضروریات کے لئے چراگاہیں بنوانا ہر حاکم کا فرض ہے۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمرؓ نے ایسی چراگاہیں بنوائیں تو اگر حضرت عثمانؓ نے بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دے دیا تو اس میں اعتراض کی کون سی بات ہے۔ باقی رہا عوام الناس کو اس سے مستفید نہ ہونے دینا تو چونکہ یہ چراگاہیں سرکاری خرچ پر تیار ہوتی تھیں اور فوجی گھوڑے اور زکوٰۃ کے اونٹ اس میں چرتے تھے اس لئے اگر عوام بھی اسے استعمال کرتے تو نقصان کا بھی اندیشہ تھا اور گڑبڑ پیدا ہو جانے کا بھی قوی احتمال تھا اس لئے رفع شر کی خاطر حضرت عثمانؓ نے عوام کو اپنے جانور اس میں چرانے سے روک دیا۔

(۵) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں بعض نہایت وسیع قطعات دیئے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عراق میں بہت سی زمین غیر آباد اور بنجر پڑی ہوئی تھی۔ جن لوگوں نے اسے قابل زراعت بنایا، آپ نے وہی زمین ان کو مرحمت فرما دی۔ فقہ کا بھی یہی مسئلہ ہے کہ جو شخص ناقابل کاشت زمین کو قابل کاشت بنائے وہ زمین اسی کی ملکیت تصور ہوگی۔ اسی طرح مملکت میں زیادہ رقبہ کو قابل کاشت بنایا جا سکتا ہے اور لوگ شوق سے زراعت کرتے ہیں۔

(۶) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو جلاوطن کر دیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابوذر کو خود جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے خود اپنی مرضی سے

ربذہ جاکر رہنا پسند کیا تھا۔ حضرت ابوذر غفاری صوفی منش آدمی تھے اور لوگوں کو مال و دولت جمع کرنے سے روکتے تھے۔ ان کی باتوں سے متاثر ہو کر بعض غریبوں نے امیروں کو تنگ کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب حضرت عثمان رض کو اس کی خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت معاویہ رض کو کہلا بھیجا کہ ابوذر رض کو عزت و احترام کے ساتھ میرے پاس بھجوا دو (حضرت ابوذر رض ان دنوں شام میں مقیم تھے) چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمان رض نے ان کی بہت عزت و تکریم کی لیکن ان کے پیش کردہ نظریہ سے متفق نہ ہوئے۔ اس پر حضرت ابوذر رض نے عرض کیا کہ پھر آپ مجھے اجازت دیں کہ میں کہیں اور چلا جاؤں۔ کیونکہ مدینہ میرے مناسب حال نہیں۔ حضرت عثمان رض نے کہا کہ کیا آپ اس گھر کو چھوڑ کر اس گھر سے بدتر گھر اختیار کریں گے؟ انہوں نے کہا مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب مدینہ کی آبادی سلع تک پھیل جائے تو تم مدینہ میں نہ رہنا۔ اس پر حضرت عثمان رض نے بادل ناخواستہ ان کو ربذہ جانے کی اجازت مرحمت فرمادی اور کچھ اونٹ اور دو غلام ساتھ کر دیے۔

(۷) ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ والی کوفہ ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں آپ نے غیر معمولی تاخیر کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جو الزام ولید پر لگایا گیا تھا اس کا جواب دینے کے لیے حضرت عثمان رض نے فوراً اس کو مدینہ میں طلب فرمایا اور جب گواہوں کے بیانات سے اس کا شراب پینا ثابت ہو گیا تو آپ نے اس پر حد جاری کی۔ اس سے سزا دینے میں "غیر معمولی تاخیر" کا نتیجہ کس طرح نکالا جا سکتا ہے۔

پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ شریعت کے لحاظ سے گواہی کی رعایت رکھتے ہوئے حضرت عثمان رض نے ولید کو سزا دی ورنہ اس پر شراب پینے کا الزام شاید پورے طور پر ثابت نہ تھا۔ واقعہ کی تفصیل تاریخوں میں یہ بیان کی گئی ہے کہ فتنہ کے سرغنوں نے ولید بن عقبہ والی کوفہ کو معزول کرانے کی سازش کی اور چند جاسوس مقرر کئے تاکہ کوئی عیب ولید کا پکڑ کر ان کو اطلاع دیں۔ جاسوسوں نے ایک دفعہ ان کو اطلاع دی کہ ولید اپنے ایک دوست ابوزبید کے ساتھ مل کر، جو عیسائی سے مسلمان ہوا تھا، شراب پیتا ہے۔ اس پر ان مفسدوں نے شہر کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "تمہارا گورنر شراب پیتا ہے" عوام الناس جوش سے بے قابو ہو کر ولید کے گھر میں گھس گئے۔ لیکن وہاں کچھ بھی نہ پایا اس پر وہ لوگ ان مفسدوں کو لعنت و ملامت کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ولید نے یہ غلطی کی کہ اس واقعہ کی حضرت عثمان رض کو کوئی اطلاع نہ دی۔ لیکن ان مفسدوں نے پہلے سے بھی زیادہ جوش سے ولید کو گرانے کی تدبیریں کرنی شروع کیں۔ حضرت عثمان رض کے پاس ایک وفد بھیجا کہ ولید کو معزول

کر دیا جائے۔ لیکن آپ نے فرمایا جب تک اس پر کسی جرم یا نااہلی کا الزام ثابت نہ ہو اس وقت تک میں تمہارے مطالبات ماننے سے قاصر ہوں۔ اس پر ان لوگوں نے سازش کی کہ کسی طرح اس پر شراب پینے کا جرم ثابت کیا جائے۔ ابو زینب اور ابو مورع دو شخصوں نے اس بات کا ذمہ لیا اور اس دن سے ولید کی مجلس میں جانا شروع کر دیا ایک دن موقع پا کر جبکہ کوئی نہ تھا اور ولید سو رہا تھا ان دونوں نے اس کی انگوٹھی آہستہ سے اتار لی اور اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ روانہ ہو گئے۔ وہاں جا کر حضرت عثمانؓ سے کہا کہ ہم نے ولید کو شراب میں مخمور دیکھا ہے اور اس کا ثبوت یہ انگوٹھی ہے جو ان کے ہاتھ سے نشہ کی حالت میں ہم نے اتاری ہے اور ان کو خبر تک نہ ہوئی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے دریافت کیا کہ کیا تم لوگوں کے سامنے ولید نے شراب پی تھی؟ انہوں نے کہا نہیں، ہم نے ان کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انگوٹھی اس کا ثبوت موجود تھی اور دو گواہ حاضر تھے۔ کچھ مفسد بھی ان کے ساتھ اس شہادت کو پکا کرنے کے لئے گئے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا جنہوں نے اس پر حد جاری کرنے کی صلاح دی۔ چنانچہ ولید کو کوفہ سے بلایا گیا اور شراب پینے کی سزا میں اس کو کوڑے لگائے گئے۔ ولید نے گو تمام واقعہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ شریعت کی رو سے گواہوں کے بیان کے مطابق سزا تو ملے گی۔ ہاں جھوٹی گواہی دینے والا خدا تعالیٰ کی طرف سے سزا پائے گا۔

(۸) ایک بڑا الزام حضرت عثمانؓ پر یہ لگایا جاتا ہے کہ آپ نے مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے یہ طے کیا کہ اپنے اپنے شہروں سے حاجیوں کی صورت میں مدینہ چلنا چاہیے اور حضرت عثمانؓ سے بزور اپنے مطالبات منوانے چاہئیں۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور چند آدمی باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن وقاصؓ اور حضرت علیؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ حضرت عثمانؓ بدانتظامی کے باعث اب خلافت کے قابل نہیں۔ ہم ان کو معزول کرنے آئے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ ان کے بعد اس عہدہ کو قبول کر لیں گے۔ ان سب نے ان کو دھتکار دیا اور یہ ناکام ہو کر اپنے ڈیروں میں واپس چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ و فساد کا دبانا اور لوگوں کی صحیح شکایات کا رفع کرنا بہرحال منظور تھا۔ جب آپ نے ان مفسدین کے آنے کی خبر سنی تو حضرت علیؓ سے فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے پوچھئے۔ میں ان کے جائز مطالبات تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جس پر ان فسادیوں نے چند گورنروں کو بدل دینے کی درخواست کی۔ حضرت عثمانؓ نے ان کی خواہش کے بموجب مصر کے والی عبداللہ بن ابی سرح کو بدل دیا اور ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو والی مصر مقرر کر دیا۔

اس پر یہ لوگ بظاہر خوش ہو کر واپس چلے گئے۔ لیکن چند روز بعد ہی اچانک پھر مدینہ پر چڑھ آئے اور تمام شہر پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ نے ان سے واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ "ہم واپس جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک شخص کو دیکھا کہ صدقہ کے ایک اونٹ پر سوار ہے۔ کبھی ہمارے سامنے آجاتا ہے اور کبھی پیچھے رہ جاتا ہے۔ ہمارے بعض آدمیوں کو اس پر شک گزرا اور انہوں نے اس کو پکڑ لیا۔ جب اس سے دریافت کیا گیا کہ تو کس کام کو جاتا ہے تو وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکا۔ اس پر اس کی جامہ تلاشی لی گئی تو اس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا لکھا ہوا ایک خط برآمد ہوا جس میں والیٔ مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ "جس وقت مصر کا وفد واپس مصر پہنچے تو ان میں سے فلاں فلاں کو قتل کر دینا، فلاں فلاں کو کوڑے مارنا، ان کے سر اور داڑھیاں منڈوا دینا اور جو خط ان کی معرفت تمہارے معزول کئے جانے کے متعلق لکھا ہے اس کو باطل سمجھنا۔" اس بد عہدی کو دیکھ کر اب ہم لوٹ آئے ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ اور محمد بن مسلمہؓ نے فوراً کہا کہ یہ بالکل جھوٹ اور بنائی ہوئی بات ہے۔ جب تم لوگ الگ الگ راستوں پر جا رہے تھے تو تم سب کو یکدم اس خط کی اطلاع کیسے مل گئی؟ جب حضرت عثمانؓ نے یہ واقعہ سنا تو ان مفسدین اور اکابر صحابہؓ کو اپنے پاس بلا کر قسم کھائی اور فرمایا کہ نہ میں نے یہ خط لکھا ہے اور نہ میں نے لکھوایا ہے نہ مجھے علم ہے کہ یہ خط کس نے لکھا۔ پھر فرمایا تم لوگ جانتے ہو کہ کبھی جھوٹے خط بھی بنا لئے جاتے ہیں۔ خط سے خط بھی مل جاتا ہے اور مہر کی نقل بھی بنوائی جا سکتی ہے۔ جب صحابہؓ نے یہ جواب سنا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ کو اس الزام سے بالکل بری قرار دیا۔ لیکن ان مفسدین پر اس تقریر کا کوئی اثر نہ ہوا اور وہ برابر یہی الزام دہراتے رہے۔

بعض لوگ حضرت عثمانؓ کو تو اس الزام سے بری سمجھتے ہیں مگر یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ خط آپ کے پرائیویٹ سیکرٹری مروان نے بطور خود لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ مگر یہ خیال بھی بالکل غلط ہے۔ واقعات پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس خط کے بنانے والے انہی مفسدین میں سے بعض تھے نہ کہ مروان یا کوئی اور شخص، جس کے ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے جھوٹ سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ بارہا ان لوگوں نے اپنے والیوں کے متعلق جھوٹی شکایتیں کیں اور جب ان کی باقاعدہ تحقیقات کی گئی تو سب کی سب جھوٹی ثابت ہوئیں۔

(۲) ان لوگوں کا اتنی جلدی واپس آجانا اور ایک ہی وقت میں ایک ساتھ مدینہ میں داخل ہونا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ یہ کام ایک باقاعدہ سوچی سمجھی سازش کے مطابق کیا گیا تھا۔ کیونکہ اہل مصر کے بیان کے مطابق انہوں نے قاصد کو جو والیٔ مصر کے نام خط لے جا رہا تھا بویب کے مقام پر پکڑا تھا۔ بویب مدینہ سے چھ منزل کے فاصلہ پر ہے اور اس جگہ واقع ہے جہاں سے مصر کا راستہ شروع ہوتا ہے۔ مدینہ سے اہلِ مصر، اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ ایک ساتھ

واپس روانہ ہوئے تھے گویا اس وقت تک اہلِ بصرہ اور اہلِ کوفہ بھی چھ چھ منزلیں طے کر چکے ہوں گے۔ اہلِ مصر کے واقعہ کی اطلاع باقی دونوں قافلوں کو کم سے کم بارہ تیرہ دن میں مل سکتی تھی۔ اگر ان کے واپس آنے کے دنوں کو شامل کیا جائے تو کم از کم چوبیس دنوں میں یہ لوگ مدینہ واپس پہنچ سکتے تھے۔ لیکن یہ لوگ چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ پہلے سے ایک منصوبہ بنا کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے کہ اس تاریخ کو واپس لوٹ کر مدینہ پر قبضہ کر لینا ہے۔ اعتراض سے بچنے کے لئے انہوں نے جعلی خط بنایا۔ صدقہ کا اونٹ چرا لیا اور کسی غلام کو رشوت دے کر اپنے ساتھ ملا لیا۔

(۴) یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے کہ ایک اکیلے آدمی کی رفتار قافلہ کی رفتار سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔ قاصد اہلِ مصر کو بویب کے مقام پر جو مدینہ سے چھ منزل کے فاصلے پہ ملا۔ حالانکہ اس وقت تک اس کو مصر پہنچ جانا چاہیئے تھا۔

غرض یہ واقعات بتاتے ہیں کہ خط اور خط لے جانے والے کا واقعہ شروع سے آخر تک من گھڑت تھا۔ انہی مفسدوں میں سے کسی نے (زیادہ تر گمان یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا رئیس المفسدین) نے ایک خط بنا کر ایک شخص کو دیا اور اس کو ہدایت کی کہ وہ قافلہ کے ساتھ اس طرح چلے کہ لوگوں کے دل میں شک پیدا ہو اور وہ شک کی بنا پر اس کی تلاشی لیں تو خط دیکھ کر ان کو یقین ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ نے ان سے (نعوذ باللہ) فریب کیا ہے

(۴) اس خط کے مضمون سے بھی اس کے جعلی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس خط میں تھا کہ فلاں فلاں کی داڑھی منڈوائی جائے حالانکہ داڑھی منڈوانا اسلام کی رو سے منع ہے اور اسلامی حکومتوں میں صرف اسلامی احکام کے مطابق ہی سزا دی جا سکتی ہے۔ حضرت عثمانؓ یا آپ کے عمال نے اس سے پہلے کبھی کسی کو ایسی سزا نہیں دی۔ پس ایسی سزا کا اس خط میں تحریر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص نے بنایا تھا جو اسلام کے احکام سے بالکل نابلد تھا۔

(۵) اگر حضرت عثمانؓ ایسے ہی سخت ہوتے تو دونوں دفعہ جب یہ مفسد آپ کے پاس آئے تھے آپ ان کو گرفتار اور قتل کرا سکتے تھے۔ سب صحابہؓ آپ کے ساتھ تھے اور انہوں نے آپ کو صلاح دی تھی کہ ان کے ساتھ جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ درگزر سے کام لیا اور ان کو سزائیں نہ دیں جن کے یہ پورے پورے مستحق تھے۔ لیکن اس وقت ان سے نرمی کر کے مصر کے گورنر کو لکھنا کہ ان کو سزا دے ایک بعید از عقل خیال ہے۔

(۶) مروان پر بھی خط لکھنے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ اس کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت عثمانؓ حدود کے قیام میں بہت سخت ہیں۔ وہ ایسا خط لکھ کر آپ کی سزا سے محفوظ رہنے کا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتا تھا۔ پھر اگر وہ ایسا خط لکھتا بھی تو کیوں صرف مصر کے والی کے نام لکھتا؟ کیوں نہ بصرہ اور کوفہ والوں کے نام بھی وہ ایسے خطوط لکھ دیتا جس سے سب مفسدین کا ایک ہی دفعہ خاتمہ ہو جاتا؟ صرف مصر کے والی کے نام ہی خط کا لکھا جانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوفہ اور بصرہ کے قافلوں میں عبداللہ بن سبا جیسا چالاک کوئی نہ تھا۔

(۷) باوجود اس کے کہ حضرت عثمانؓ نے مطالبہ کیا تھا کہ میرے سامنے گواہوں کو پیش کیا جائے لیکن پھر بھی اس شخص کو سامنے نہیں لایا گیا جس کی نسبت کہا گیا تھا کہ وہ یہ خط لے کر جا رہا تھا۔ اس سے بھی اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ یہ سب مفسدین کی اپنی کارروائی تھی۔

(۸) ایک اور امر جس سے اس خط کا صاف جعلی ہونا ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ یہ لوگ جعلی خطوط بنانے میں ماہر تھے اور اس واقعہ سے پہلے بھی یہ لوگ فساد کی آگ بھڑکانے کے لئے جعلی خطوط بناتے رہتے تھے۔ ایک علاقے سے دوسرے علاقوں کے لوگوں کو خطوط لکھتے تھے کہ ہم یہاں سخت مصیبت میں مبتلا ہیں۔ ہمارے عمال ہم پر بہت ظلم کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت علیؓ کی طرف سے مفسدین کے سرغنے خطوط بنا کر لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے۔ جن میں یہ لکھا ہوتا تھا کہ تم لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف جوش دلاؤ۔ اور ان خطوط کے ذریعہ عوام الناس میں جوش پھیلایا جاتا تھا۔

جب ان لوگوں نے واپس آنے پر حضرت علیؓ سے مدد کی درخواست کی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر ان لوگوں نے آپ سے کہا کہ پھر آپ ہم سے خط و کتابت کیوں کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے اس امر سے صاف انکار کیا اور خطوط لکھنے سے لاعلمی ظاہر کی اس پر ان لوگوں کو بھی سخت حیرت ہوئی۔ کیونکہ درحقیقت خود ان لوگوں کو بھی دھوکہ دیا گیا تھا۔

مندرجہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ خط جو حضرت عثمانؓ کی طرف منسوب کیا گیا تھا، اس کے لکھنے والے حضرت عثمانؓ نہ تھے نہ ہی مروان یا کوئی اور شخص تھا، بلکہ مصری قافلہ کا ہی ایک فرد تھا جو بڑی حد تک عبداللہ ابن سبا ہو سکتا ہے۔

حضرت عثمانؓ پر مندرجہ بالا اعتراضات کے علاوہ اور بھی بعض لایعنی اعتراض کئے جاتے ہیں لیکن ہم نے ان میں سے مشہور مشہور اعتراضات ہی کو لیا ہے اور ان کے جوابات دیئے ہیں۔ ان اعتراضات کی روشنی میں دوسرے

اعتراضات کی قلعی بھی کھل جاتی ہے اور یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قسم کے اعتراضات ہوں گے۔

اس سلسلہ میں ایک اہم امر جس کا تذکرہ کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ کیا صحابہؓ کرام حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے اور انہوں نے فتنہ کے موقعہ پر آپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا؟ اکثر مؤرخین نے صحابہؓ کرام پر یہ الزام لگایا ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ اس موقعہ پر اپنے اختلافات کو بھول جاتے اور متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے انہوں نے اُلٹی حضرت عثمانؓ پر ہی طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرنی شروع کر دی اور جب باغیوں نے مدینہ پر قبضہ کر لیا تو کوئی صحابی حضرت عثمانؓ کی مدد کو نہ آیا۔ مؤلف کتاب ہذا نے بھی صحابہؓ کرام پر لگائے ہوئے اس الزام کو درست تسلیم کیا ہے اور اپنی اس کتاب میں کئی واقعات ایسے بیان کئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ حضرت عثمانؓ سے سخت ناراض تھے۔ وہ ہر موقعہ پر کھڑے ہو کر آپ پر اعتراضات کرنے لگتے تھے۔ جب آپ سے ملتے تھے تو آپ کے مرتبہ کا لحاظ کئے بغیر آپ سے سخت کلامی کرنے لگتے تھے اور گستاخی کے مرتکب ہوتے تھے اور ان کی ناراضی کا ثبوت یہ بتاتے ہیں کہ اس فتنہ کے موقعہ پر صحابہؓ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور کوئی ایک صحابی بھی آپ کی مدد کو نہ آیا۔

یاد رہے کہ صحابہؓ کے متعلق ایسے قصے گھڑنے والے وہی وقائع نویس اور مؤرخین ہیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ پر بھی نہایت لغو اعتراضات کئے ہیں اور ایسی بے سروپا باتیں آپ کے متعلق بیان کی ہیں کہ کوئی ہوشمند اور ذی عقل انسان کسی صورت میں بھی ان کو صحیح ماننے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ جب یہ مؤرخین حضرت عثمانؓ کے متعلق، جو خلیفۃ المسلمین اور نہایت ہی پاکباز اور مطہر انسان تھے ایسی ایسی خرافات بیان کر سکتے ہیں تو کیا صحابہؓ کرام کے متعلق نہیں بیان کر سکتے؟

ہمیں نہایت ہی افسوس سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ بعض قدیم مؤرخین نے محدثین کی طرح روایات لینے میں جرح و تعدیل کا کوئی معیار برقرار نہیں رکھا۔ انہوں نے یہ کوشش کی ہے کہ جس قدر روایات ان کو مل سکیں وہ جمع کر لیں۔ خواہ ظاہری اعتبار سے وہ کتنی ہی ساقط الاعتبار کیوں نہ ہوں اور ان پر بے شمار اعتراضات ہی کیوں نہ ہو سکتے ہوں۔ روایات لینے میں وہ تحقیق و تدقیق کو کام میں نہیں لائے بلکہ جس قسم کی بھی کوئی روایت ملی بلا تأمل اور بغیر تحقیق اس کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔

جیسا کہ کتاب پڑھنے سے پتہ چل جائے گا مفسدین کی پوری کوشش اس بات کی ہوتی تھی کہ وہ جھوٹی روایات کے ذریعہ سے عام لوگوں کو حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال سے برگشتہ کرتے رہتے تھے حضرت علیؓ کے نام سے جھوٹے خط بنا کر مختلف لوگوں کو بھیجتے رہتے تھے جن میں لکھا ہوتا تھا کہ حضرت عثمانؓ اور آپ کے

عمال نے ظلم و تعدی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ لوگوں کو چاہیئے کہ وہ حضرت عثمانؓ اور عمال سے چھٹکارا پانے کے لئے عملی جدوجہد کریں اور ہم ان کی اس جدوجہد میں ان کے ساتھ ہوں۔" اسی طرح دوسرے اکابر صحابہؓ کے متعلق بھی وہ لوگوں میں اس قسم کی باتیں پھیلاتے رہتے تھے کہ حضرت عثمانؓ ان پر بہت ظلم توڑ رہے ہیں۔ اس وجہ سے وہ سب آپ کے سخت خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی طرح وہ آپ کی خلافت اور آپ کے قائم کردہ عمال سے چھٹکارا پائیں۔

ان حالات کی موجودگی میں ہم کیوں نہ اس بات کا یقین کر لیں کہ مؤرخین نے انہی مفسدین کی پھیلائی ہوئی باتوں اور روایات کو بغیر تحقیق و تدقیق کے قبول کر لیا اور ان کی تحقیق اور تصدیق کئے بغیر ان روایات کو اپنی کتابوں میں درج کر دیا۔

قطع نظر ان روایات کے جو صحابہؓ کرام کے متعلق کتب تواریخ و سیر میں موجود ہیں، ہمیں صحابہؓ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر اس امر کو معلوم کرنا چاہیئے کہ کیا وہ ایسی باتوں کے مرتکب ہو سکتے تھے یا نہیں؟

اس امر پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ آفرینشِ عالم سے لے کر اب تک کوئی گروہ بھی ایسا نہیں گزرا جو تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی کے اس مقام پر پہنچا ہو جس مقام پر صحابہؓ کرام پہنچے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک زبردست معجزہ ہے کہ آپ نے ایک ایسی قوم کو جو وحشیوں سے بھی بدتر تھی اور جس کے عادات و خصائل درندوں سے مشابہ تھے، ایک ایسی قوم بنا دیا جو اپنے اخلاص، صدق و صفا اور تقویٰ و طہارت کی وجہ سے تمام دنیا کے رہبر بن گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دلوں سے دنیا کی محبت کو بالکل سرد کر دیا تھا اور ان کا ہر عمل خدا تعالیٰ کے دین کو سربلند کرنے اور اس کی رضا و خوشنودی کو حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا۔

خدا تعالیٰ نے بھی ان کے اس صدق و صفا کی قدر کی اور رضی اللہ عنہم کا ابدی خطاب ان کو دیا۔ جس خوش قسمت گروہ کو خود خدا تعالیٰ رضی اللہ عنہم کا خطاب دے، کیا اس سے کسی طرح بھی کوئی ایسی حرکت سرزد ہو سکتی ہے کہ وہ خلیفۂ وقت کی نافرمانی اور اس پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے پر تل جائے اور اس سے ایسی گستاخی سے پیش آئے کہ ایک معمولی انسان سے بھی اس کی توقع نہ ہو سکے۔ وہ قدسی گروہ جو محض خدا کے دین کو سربلند کرنے کے لئے ہر قسم کی دنیاوی خواہشات سے دستبردار ہو گیا تھا اور اس کام کا بیڑا اٹھانے کی خاطر کسی قسم کا کوئی ظلم نہ تھا جو اس نے اپنے اوپر نہ سہا ہو اور کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی جو اس نے برداشت نہ کی ہو۔ اس سے یہ کس طرح توقع کی جا سکتی ہے کہ اس کے افراد محض عمال میں رد و بدل اور بعض صحابہؓ کو ان کے عہدوں سے سبکدوش کرنے کی وجہ سے خلیفہ کے

بالمقابل آ گئے ہوں۔ ان کے دلوں میں اس کی طرف سے کینہ اور بغض بھرا ہو اور فتنہ کے اٹھنے کے وقت وہ اس کی مدد سے کنارہ کش ہو گئے ہوں۔

اگر ان باتوں کو جو صحابہؓ کرام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ ماننا پڑے گا کہ نعوذ باللہ من ذالک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت نے ان کے دلوں میں کسی قسم کا بھی تغیر پیدا نہیں کیا بلکہ وہ بھی دوسرے گروہوں اور دوسری قوموں کی طرح محض اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے کوشاں رہے اور خلیفہ کے بالمقابل اس وجہ سے کھڑے ہو گئے کہ اس نے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں کو امور سلطنت میں کیوں شریک کر رکھا ہے اور کیوں ان کو بڑے بڑے عہدے دے رکھے ہیں۔ لیکن اس گروہ پر جس کے متعلق خدا تعالیٰ نے کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ اگر لاکھوں مورخین بھی متفقہ طور پر یہ الزام عائد کریں کہ وہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ سے ہٹ گئے تو ان لاکھوں کی باتوں کو خدا تعالیٰ کی ایک بات کے مقابلہ میں پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جا سکتی۔

حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عمروؓ بن العاص، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت ابوذرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ جیسے جلیل القدر صحابہؓ پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے مخالف تھے حالانکہ وہ نہایت پاکباز بزرگ تھے۔ انہوں نے ہر موقعہ پر اسلام کی عظیم الشان خدمات سر انجام دی ہیں۔ ان کے متعلق یہ کس طرح خیال کیا جا سکتا ہے کہ وہ خلیفہ کی مخالفت اور اس سے بغض و عناد رکھنے کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے ہوں گے اور محض اس ناراضی میں کہ ان میں سے بعض کو معزول کیوں کر دیا گیا اور بعض کو عہدے کیوں نہیں دیئے گئے۔ انہوں نے عین اس موقع پر خلیفہ کا ساتھ چھوڑ دیا جبکہ خلیفہ کا شہید ہونا صرف ایک فرد کا مارا جانا نہ تھا بلکہ تمام عالمِ اسلام کے لئے ہمیشہ کے واسطے فتنہ کا باعث تھا۔

کتب تواریخ و سیر میں حضرت عثمانؓ کے متعلق ان بزرگوں کی طرف جو اعتراضات منسوب کئے جاتے ہیں ان کا باطل ہونا ذرا سے غور و فکر اور تدبر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ تیرہ سو برس بعد پیدا ہونے والے انسان تو عقل سے کام لے کر ان اعتراضات کے باطل ہونے پر یقین کر لیتے ہیں۔ لیکن صحابہؓ کرام جن کے سامنے تمام واقعات رونما ہو رہے تھے بے دھڑک ان الزامات پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور نہ صرف ایمان لے آتے ہیں بلکہ حضرت عثمانؓ کے سامنے ان کو پیش بھی کرتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی کتنی عجیب و غریب بات ہے کہ وہ خود حضرت عثمانؓ پر الزامات لگاتے ہیں اور ان پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کرتے ہیں۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ مسجد میں کھڑے ہو کر

اپنے اوپر عائد کردہ الزامات کی تردید کرتے ہیں، اور صحابہؓ سے اپنی بات کی تصدیق چاہتے ہیں تو سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کی تصدیق کرنے والے، اور ان کو الزامات سے بری قرار دینے والے وہی لوگ تھے جو پہلے ان کو الزامات سے ملوث قرار دے چکے تھے۔

پھر یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب بلوائیوں نے تمام مدینہ پر قبضہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے اپنے لڑکوں کو بھیجنے میں سب سے پیش پیش حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تھے جن کے متعلق الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے اشد ترین دشمنوں میں سے تھے۔ کیا کوئی شخص اپنے دشمن کی جان بچانے کے لئے اپنے بیٹوں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے؟ پھر کیا یہی طلحہؓ زبیرؓ عائشہ صدیقہؓ اور عمرو بن العاصؓ نہیں تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کا قصاص لینے کی آواز بلند کی؟ کیا کسی دشمن کا بھی قصاص طلب کیا جاتا ہے؟ پھر کیا یہ حضرت علیؓ ہی نہیں تھے جنہوں نے بلوائیوں کو سمجھانے اور حضرت عثمانؓ کے گھر پانی پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کی اور جب وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو اپنا عمامہ اپنے سر سے اتار کر حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک گئے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے کہ انہوں نے حتی المقدور کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ پھر کیا صحابہؓ نے ہر موقع پر حضرت عثمانؓ کی تصدیق نہیں کی؟ کیا بار بار حضرت عثمانؓ کو نہیں کہا گیا کہ آپ ان مفسدین سے نرمی کا برتاؤ نہ کریں۔ بلکہ ان کو عبرتناک سزائیں دیں؟ کیا اپنے دشمن کو بھی کوئی شخص ایسا مشورہ دے سکتا ہے؟

رہا یہ امر کہ صحابہؓ نے بلوائیوں کے حملے کے وقت حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہ کی اور کیوں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باغیوں نے جس طریق سے مدینہ پر قبضہ کیا تھا اس نے صحابہؓ کے لئے کوئی موقع ہی نہ چھوڑا تھا کہ وہ باغیوں کے مقابلہ میں آتے۔ مفسدین نے یک دم بغیر کسی اطلاع کے مدینہ پر قبضہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ کوئی شخص بھی ہتھیار لے کر باہر نہ نکلے۔ جو باہر نکلے گا اسے قتل کر دیا جائے گا۔ ایسے موقع پر منظم مقابلہ آخر کس طرح ہو سکتا تھا؟ لیکن باوجود اس کے صحابہ کرامؓ نے حضرت عثمانؓ سے باغیوں کے خلاف لڑنے کی اجازت چاہی لیکن حضرت عثمانؓ کسی طرح بھی لڑائی پر راضی نہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کہ میری جان بچانے کی خاطر اسلام میں تلوار کشی اور خونریزی نہ کرو۔ لیکن اس کے باوجود صحابہؓ حضرت عثمانؓ کی مدد سے غافل نہ رہے۔ اکابر صحابہؓ نے اپنے اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا اور خود مفسدین کو سمجھانے بجھانے میں لگے رہے۔ کیونکہ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا مگر خدائی تقدیر کو کون روک سکتا ہے۔ باوجود صحابہؓ کی کوششوں

اور ان کے بیٹوں کے مقابلہ کے حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔

کیا ان امور کی موجودگی میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کرنے اور ان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے کا جو الزام لگایا جاتا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے؟ صحابہ کرامؓ پورے طور پر حضرت عثمانؓ کے وفادار تھے اور آپ کو چھوڑ دینے کا خیال ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے دلوں میں نہیں آسکتا تھا۔ صحابہؓ کو حضرت عثمانؓ کی خلافت پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ آخر دم تک وفاداری سے کام لیتے رہے اور جبکہ کسی قسم کی مدد کرنی بھی ان کے لئے ناممکن تھی تب بھی اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر آپ کی حفاظت کرتے رہے۔ ان فسادات میں حضرت عثمانؓ کے انتخاب ولاۃ کا بھی کچھ دخل نہ تھا اور نہ گورنروں کے مظالم اس کے باعث تھے کیونکہ ان کا کوئی ظلم ثابت نہیں ہوتا۔ حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ پر خفیہ ریشہ دوانیوں کا الزام بھی بالکل غلط ہے۔ ان تینوں اصحاب نے اس وفاداری اور اس ہمدردی سے اس فتنہ کے دور کرنے میں سعی کی کہ سگے بھائی بھی اس سے زیادہ تو کیا اس کے برابر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ انصار پر جو الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے ناراض تھے وہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ انصار کے سب سردار اس فتنہ کو دور کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

فساد کا اصل باعث یہ تھا کہ دشمنانِ اسلام نے ظاہری تدابیر سے اسلام کو تباہ نہ ہوتے دیکھ کر خفیہ ریشہ دوانیوں کی طرف توجہ کی اور بعض اکابر صحابہؓ کی آڑ لے کر چھپے چھپے مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہا۔ سزا یافتہ مجرموں کو اپنے ساتھ ملایا۔ لٹیروں کو تحریص دلائی۔ جھوٹی مساوات کے خیالات پیدا کر کے انتظامِ حکومت کو کھوکھلا کیا۔ مذہب کے پردہ میں لوگوں کے ایمان کو کمزور کیا اور ہزاروں حیلوں اور تدبیروں سے ایک جماعت تیار کی۔ پھر جھوٹ، جعل اور فریب سے کام لے کر ایسے حالات پیدا کر دیئے جن کا مقابلہ کرنا حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہؓ کے لئے مشکل ہو گیا۔

 اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ اس زمانہ کے بعد کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جو ایک یا دوسرے فریق سے ہمدردی رکھنے والوں سے خالی ہو اور یہ بات تاریخ کے لئے نہایت مضر ہوتی ہے کیونکہ جب سخت عداوت یا ناواجب محبت کا دخل ہو تو روایت کبھی بعینہٖ نہیں پہنچ سکتی۔ اگر راوی جھوٹ سے کام نہ بھی لیں تب بھی ان کے خیالات کا رنگ روایت پر ضرور چڑھ جاتا ہے اور پھر تاریخ کے راویوں کے حالات ایسے تحقیق شدہ بھی نہیں ہیں جیسے کہ احادیث کے ہیں۔ پس اس معاملہ میں بہت احتیاط اور جرح و تعدیل کی ضرورت ہے۔

اس سلسلہ واقعات کو مدنظر رکھنے کے بغیر کسی زمانہ کی تاریخ بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکتی۔ تاریخ کی تصحیح کا ذریعہ یہ

اصول ہے کہ واقعات عالم ایک زنجیر کی طرح ہیں کسی منفرد واقعہ کی صحت معلوم کرنے کے لئے اسے زنجیر میں پرو کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ کڑی ٹھیک اپنی جگہ پر پروئی بھی جاتی ہے یا نہیں۔ غلط اور صحیح واقعات میں تمیز کرنے کے لئے یہ ایک نہایت ہی کارآمد بات ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں مؤلف نے کافی محنت اٹھائی ہے اور بیسیوں کتابوں کی چھان بین کر کے اس کتاب کو مرتب کیا ہے۔ کتاب کے آخر پر ان سب کتابوں کے نام درج کر دیئے گئے ہیں جن سے مؤلف نے مدد لی ہے حضرت عثمانؓ کے متعلق جو جو باتیں مؤلف کو مل سکیں وہ اس نے اس میں درج کر دیں تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ آپ کے متعلق لوگوں کے خیالات کیا کیا ہیں اور مؤرخین نے کس کس نہج پر واقعات کو بیان کیا ہے اور ان سے کیا کیا نتیجے نکالے ہیں۔ لیکن سب سے بڑی کمی جو اس کتاب میں رہ گئی ہے وہ یہی ہے کہ مؤلف نے اس میں اپنی رائے کو بہت کم دخل دیا ہے اور اس بات کی بہت کم کوشش کی ہے کہ مختلف آراء کو ملا کر ان سے جو نتیجہ برآمد ہوتا ہو وہ کھول کر لکھ دیں۔ حضرت عثمانؓ اور صحابہؓ پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے بڑے بڑے اعتراضات کے جوابات میں نے اس تمہید میں دے دیئے ہیں اور کتاب کے دوران میں بھی جہاں کہیں ایسے مواقع آئے ہیں حاشیوں میں ان کی وضاحت کرنے یا جواب دینے کی کوشش کی ہے تاکہ ناظرین کے سامنے تصویر کا صرف ایک ہی رخ نہ آئے بلکہ وہ دوسرے پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھ کر غور و فکر کر سکیں۔

میں نے حتی الامکان یہ کوشش کی ہے کہ جو الجھنیں پڑھنے والوں کو اس کتاب میں پیش آئیں ان کو دور کر دوں

خدا کرے میں اپنی کوشش میں کامیاب ہوا ہوں۔

محمد احمد پانی پتی

مقدمۂ مؤلف

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جو فتنہ اٹھا وہ ایسا تھا کہ اس کے افسوسناک نتائج آج تک امت محمدیہ کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ وحدت اسلامی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ امت محمدیہ سینکڑوں فرقوں میں بٹ چکی ہے اور اسی اختلاف کی وجہ سے ممالکِ اسلامیہ کی اپنی ذاتی آزادی بھی بہت حد تک سلب ہو چکی ہے۔ اس فتنہ کے اسباب و نتائج کے متعلق متقدمین میں باہم شدید اختلاف ہے۔ لیکن ان سب سے ہٹ کر ہم نے اس کے بارے میں بالکل جدید طرز سے بحث کی ہے اور ایک نئے طریقہ سے اس کا نقشہ کھینچا ہے۔

اس عہد کی تاریخ لکھنا اور اس پر بحث کرنا کوئی آسان کام نہیں وہ شخص جس کو تاریخ لکھنے کا اہم کام سپرد کیا جائے اس کا فرض ہے کہ وہ یہ نہ دیکھے کہ لوگ کیا کہتے ہیں اور ان کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے یا اس کا مختلف افراد اور جماعتوں پر کیا اثر پڑے گا۔ بلکہ اس کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے قارئین کے سامنے وہی واقعات پیش کرے جن کے متعلق اس کو یقین واثق ہو کہ وہ ٹھیک اور درست ہیں خواہ ان واقعات کے بیان کرنے سے لوگ خوش ہوں یا ناراض خواہ اس کی رائے قارئین کی رائے کے مطابق ہو یا اس کے خلاف۔ ایسا کرنے میں اس کو بہت ہی پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ اسے اپنے لئے ایک ایسی راہ متعین کرنی پڑتی ہے جو حدِ اعتدال کے اندر اور حقیقی واقعات کے

کل مطابق ہو۔

اسی اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے اپنی کتاب میں اپنے لئے دوسرے تمام مؤرخین سے الگ ایک
تہ مقرر کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ اس فتنہ کی حقیقی تصویر قارئین کرام کے سامنے کھینچ دیں تاکہ ان کو اس عہد
ے سیاسی اور اجتماعی واقعات سے پوری پوری آگاہی ہو جائے اور وہ تاریخ اسلام کے اس پُر آشوب دور کی مختلف
عتوں اور گروہوں کے متعلق اس طرح مفصل معلومات حاصل کر سکیں کہ ان واقعات پر یکجائی نظر ڈالتے ہی فتنہ کے
ل اسباب کی تہ تک پہنچ جائیں۔

ہمیں اس امر سے انکار نہیں کہ ہم نے جہاں تک ہمارے امکان میں تھا حضرت عثمانؓ کو ان الزامات سے
ی کرنے کی کوشش کی ہے جو مختلف گروہوں اور لوگوں کی طرف سے ان پر لگائے جاتے ہیں۔ بشری کمزوریاں
انسان میں ہوتی ہیں اور ان سے کوئی فردِ بشر خالی نہیں۔ حضرت عثمانؓ میں بھی کمزوریاں ہوں گی لیکن اس امر میں شک
یں کیا جا سکتا کہ حضرت عثمانؓ نے اسلام کی شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ آپ نے اسلام کی خدمت کرنی اس وقت
ی ترک نہ کی جب آپ پر برے دن آ چکے تھے اور ہر طرف سے مصیبتوں کے پہاڑ آپ پر ٹوٹ رہے تھے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام سے آپ کی یہ قدیم الفت و محبت ہی تھی جس کی وجہ سے آپ کی دردناک
وت کے وقت اس زمانہ کے لوگوں میں انتہائی درجہ کا حزن و ملال اور رنج و الم پیدا ہوا اور آج بھی جب ہم ان واقعات
کو پڑھتے ہیں تو انتہائی درجہ کا رنج و الم ہماری روحوں پر مسلط ہو جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ کو بہت بری طرح شہید کیا گیا۔ مفسدین نے اپنے انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے ہر طرح کی
کمینگی کا مظاہرہ کیا۔ تین روز تک کوئی شخص بھی آپ کو دفن کرنے کی جرأت نہ کر سکا اور کسی کو بھی آپ کے تقدس کا اور
آپ کے اعمالِ صالحہ کا پاس نہ ہوا۔ سچ اور شرم کی بات تو یہ ہے کہ مؤرخین اور غیر مؤرخین آپ کی اس دردناک
شہادت پر بالکل خاموش ہیں اور اسی سال تک انتہائی پاکیزہ زندگی بسر کرنے اور تمام عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور
اسلام کی بے لوث خدمات کو دیکھتے ہوئے ان سے یہ نہ ہو سکا کہ اگر بالفرض محال حضرت عثمانؓ سے بعض کمزوریاں
صادر ہو بھی گئی تھیں تو ان کی توجیہات کر لیتے اور ان پر عفو اور درگزر کا پردہ ڈال دیتے۔

ہم لوگ جو چاہتے ہیں کہ اپنی قومی میراث کی چاہے قدیم ہو یا جدید عزت و توقیر کریں تو ہمارے لئے یہ ضروری
ہے کہ اپنے بزرگوں کی تاریخ بیان کرتے ہوئے اگر واقعات ہمیں اس بات کی اجازت دیں تو ان کو ان کی غلطیوں پر

متہم کرنے کی بجائے ان کی توجیہات کریں تاکہ یہ مذموم واقعات کہیں ملتِ اسلامیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا سبب نہ بن جائیں اس اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر ہم اس مسئلہ کا بنظر انصاف جائزہ لیں تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ خلفاء میں سے ایک خلیفہ پر اس کی رعیت کے بعض لوگ ناراض ہو گئے۔ بعض اپنے دل میں اس کے متعلق برے ارادے لیے ہوئے تھے اور بعض کے دلوں میں برے ارادے تو نہیں تھے لیکن وہ ان لوگوں کے پیچھے لگ گئے تھے جو مفسدہ پرداز تھے۔ اس کے بعد وہ خلیفہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے شہید کر دیا۔ اس پر ہم یہی حکم لگا سکتے ہیں کہ انہوں نے انتہائی قابلِ شرم حرکت کی۔ اب وہ سب خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہیں وہ جو چاہے ان سے معاملہ کرے۔ ان حالات میں جب کہ واقعات میں زبردست اختلاف پایا جاتا ہے۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم محض یقینی باتوں کو بیان کر دیں، اور مشتبہ واقعات و اشخاص کے متعلق بحث نہ کریں۔ جن کو گزرے ہوئے عرصہ گزر چکا ہے اور جن کے متعلق کوئی یقینی بات ہمیں معلوم نہیں

قارئین کرام دیکھیں گے کہ ہم نے اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں اور سرکردہ باغیوں کی تائید نہیں کی اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم مؤرخین نے حضرت عثمانؓ کے والیوں کی غلطیوں کے بارے میں بہت ہی زیادہ اختلاف کا اظہار کیا ہے۔ اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے جو ان کے متعلق مؤرخین میں پیدا ہوا ہے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم کو ان کے متعلق کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہے تو جہاں تک ہو سکے ہم ان والیوں کی غلطیوں کی توجیہ کریں کیونکہ اگر شک کی بناء پر ایک مجرم اور قاتل کو بھی بری کیا جا سکتا ہے تو ان عمال اور گورنروں کو کیوں نہیں کیا جا سکتا جن کے بارے میں قدیم مؤرخین کی بڑی بڑی ضخیم کتب میں اختلاف کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن ان کو بالکل بری الذمہ اور ہر قسم کے الزامات سے پاک و صاف بھی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ ایسے ہی عقلمند ہوتے اور ان کی سیاست نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی ہوتی تو ان کے علاقوں میں بالکل سکون رہتا اور یہ مفسد اور فتنہ پرداز کبھی لوگوں کو بغاوت پر اکسانے اور مدینہ چل کر خلیفۃ المسلمین سے ان کی شکایتیں کرنے پر آمادہ نہ کر سکتے۔

عبداللہ بن سبا مصر کوفہ اور بصرہ میں تو اپنا زہر پھیلا دیتا ہے لیکن دمشق اور شام میں اس کو ایسا کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ اگر حضرت عثمانؓ کے تمام والی حضرت معاویہؓ کی طرح عقلمند اور بہترین سیاست دان ہوتے تو کبھی اس مخلوق کو یہ موقع نہ دیتے کہ وہ امت محمدیہ میں اس طرح فساد کا بیج بو دیتی۔ اگر وہ ایسے ہی عقلمند ہوتے تو بیماری کو جڑ پکڑنے سے پہلے ہی ملیامیٹ کر دیتے اور فساد پیدا ہوتے ہی اس کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتے۔ لیکن انہوں نے سستی

ملی اور اس طرف پوری توجہ نہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ پورے زور شور سے اٹھا، مدینہ کا محاصرہ ہوا اور آخر میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کا حادثہ فاجعہ پیش آیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ چنانچہ جب مفسدین نے آپ پر زور ڈالا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیں تو آپ نے یہ دیکھ کر کہ وہ کوئی قابل مواخذہ بات نہیں کرتے اور نہ انہوں نے امن عامہ میں کوئی خلل ڈالا ہے، سوائے ولید کے معاملہ کے کہ جو کچھ اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ سچ تھا، یہ مناسب نہ جانا کہ انہیں ان کے عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔ اگرچہ ہمیں اس امر سے انکار نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ کو جیسا کہ مشہور ہے، اپنے اعزہ و اقارب سے بہت محبت تھی۔ آپ ان سے احسان کا سلوک کرتے اور ان کو ملک کی خدمت کے مواقع بہم پہنچاتے رہتے تھے۔ لیکن ہماری نظر میں یہ کوئی ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے بلاد اسلامیہ میں بغاوت پھیلانا، مدینہ پر حملہ کرنا اور خلیفہ کو شہید کرنا جائز سمجھا جائے۔ اسی امر نے ہمیں مجبور کیا ہے کہ ہم اپنی اس کتاب میں فتنہ کے سرغنوں کے متعلق سخت رویہ اختیار کریں۔ ہمیں کوئی ایسی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ ہم ان کے فتنہ و فساد کو، خلیفہ کے خلاف بغاوت کو اور اس طرح ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر کرنے کو کسی صورت میں بھی جائز قرار دے سکیں۔ یہ فتنہ اتنا دور رس ثابت ہوا کہ تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی آج تک اس میں ویسی ہی تازگی پائی جاتی ہے جیسی اس کے رونما ہونے کے وقت تھی۔ مؤرخین نے اندازہ کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد سے لے کر آج تک لڑائیوں اور فتنہ و فساد میں لاکھوں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو چکی ہیں اور فتنہ و فساد کا یہ دروازہ ابھی تک بند نہیں ہوا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مسلمانوں کی خوش قسمتی سے اس فتنہ کے رونما ہونے کے وقت رومی خود کمزوری کی حالت میں نہ ہوتے تو ضرور وہ شام کے اسلامی علاقے پر حملہ کر دیتے اور آن کی آن میں اسے فتح کر لیتے۔

ہم نے یہ دکھانے کی خاطر کہ حضرت عثمانؓ کی سیاست اور اس فتنہ کے اسباب کے متعلق مختلف مؤرخین کے کیا کیا خیالات ہیں، اختصار کے ساتھ ان کی آرا اور ان کے اقوال بھی درج کر دیئے ہیں لیکن جہاں جہاں ہم نے اس فتنہ کے اسباب پر بحث کی ہے وہاں درمیانی راستہ اختیار کیا ہے اور بحث میں حد اعتدال کے اندر رہنے کی کوشش کی ہے کیونکہ نفرت زدہ دلوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا یہی ایک ذریعہ ہے اور اگر

ہم حقیقی آزادی کی لذتوں سے بہرہ ور ہونا اور اپنے لئے ایک شاندار مستقبل وضع کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ایسے طریقوں سے کلیتہً اجتناب کرنا پڑے گا جن سے آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت وحقارت بڑھے اور امت کا شیرازہ بکھر جائے۔

ان سطور کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم پرانی تقلیدوں اور گمراہ کن راستوں کو بالکل ترک کر دیں۔ اس بھڑکتی ہوئی دوزخ اور اس اختلافِ عظیم سے کنارہ کشی اختیار کرلیں اور اپنی زندگیوں کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل تجویز کریں جو گذشتہ صدیوں کی زندگیوں سے بالکل مختلف ہو۔ ہم اپنے قابلِ رشک آباؤ اجداد کی زندگیوں کو اپنے آئندہ اور شاندار مستقبل کی بنیاد رکھنے کے لئے مشعلِ راہ بنائیں۔ ہمیں اپنے نوجوانوں سے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں ہے کہ یہ بات ان کے لئے انتہائی شرم کا موجب ہوگی اگر وہ دنیا سے اس حال میں رخصت ہوں کہ کسی قسم کی خیر، بھلائی اور نیک ذکر اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ جائیں۔ بلکہ ہمیں یہ اصول ہر وقت اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ

اس طرح جی کہ بعد مرنے کے

گاہ کوئی نہ کوئی یاد کرے

ہمیں یہ بات اچھی طرح یاد رکھنی چاہئے کہ ہم اس وقت تک کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے جب تک ہمارا بچہ بچہ بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار نہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم میں سے ہر شخص کو اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی چاہئے۔ ایک ٹھوس اور سیسے کی پگھلائی ہوئی دیوار کی طرح بن کر دنیا کے سامنے آنا چاہئے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ وہ وطن کا سپاہی ہے اور ایک سپاہی کے لئے یہ بات انتہائی ننگ کا باعث ہے کہ وہ شکست کھا جائے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔ آج ہمارے لئے جو معرکہ درپیش ہے وہ اقوامِ عالم کے درمیان اپنی صحیح حیثیت اور پوزیشن قائم کرنا ہے۔ اس کے لئے ہم سب کو اتحاد اور تنظیم کے ساتھ مسلسل کام کرنا پڑے گا تاکہ ہم ایک بار پھر روئے زمین پر اپنی فتوحات کے جھنڈے گاڑ سکیں۔

۴ شعبان ۱۳۵۴ھ

عمر ابو النصر

۳۰ رجنوری ۱۹۳۵ء

(۱)

مجلسِ مشاورت

۲۳ھ (۶۴۴ء) کی ایک صبح عالمِ اسلام کے دارالخلافہ مدینہ میں زبردست ہیجان بپا تھا۔ سارے شہر پہ رنج و غم کے گہرے بادل چھائے ہوئے تھے اور ہر شخص اضطراب کے عالم میں مسجدِ نبوی کی طرف بھاگا چلا جا رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ اس وقت کے سب سے بڑے انسان اور حضور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو ـــــ جس کی ہیبت و جلال سے قیصر و کسریٰ کے تخت لرزہ براندام تھے ـــــ ایک مجوسی غلام نے نمازِ فجر پڑھاتے ہوئے، خنجر مار کر زخمی کر دیا تھا۔

مدینہ کی زندگی ان دنوں بہار در آغوش تھی۔ وہاں دم بدم شام، مصر اور ایران کی فتح کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ مدینہ والے جب اپنے سپوتوں، اپنے نوجوانوں اور بوڑھوں کے محیر العقول کارنامے سنتے کہ کس طرح انہوں نے روئے زمین کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے روند ڈالا اور کس طرح بڑی ہیبت اور بڑی شکوہ والی بادشاہتوں کو پلک جھپکتے میں زیر و زبر کر دیا، تو انہیں ایسا محسوس ہوتا کہ وہ اس وقت عالمِ حقیقت میں نہیں بلکہ خوابوں کی دنیا میں ہیں جہاں اسلام تائیدِ ایزدی سے ہر لمحہ بہرہ یاب ہو رہا تھا اور فتح و ظفر لونڈی غلاموں کی طرح ان کے آگے آگے چل رہی تھی۔

ان دنوں مدینہ والوں کا معمول ہو گیا تھا کہ ان کی اکثریت قاصدوں کی زبانی، شامیوں کے حالات اور فتح کی خوش خبری سننے کے لئے شہر کے باہر مضافات میں چلی جاتی اور جب کوئی قاصد نظر آجاتا تو شوق اور بے تابی کے ساتھ اس کی طرف لپکتی۔ ہر شخص کی کوشش یہ ہوتی کہ سب سے پہلے وہی خبر سنے۔ انہیں کامل یقین ہوتا کہ قاصد فتح و ظفر کی نوید کے سوا اور کوئی خبر لا ہی نہیں سکتے۔ اس پر بھی ان کے شوق کا یہ عالم تھا کہ وہ بار بار فتح کی خبریں سنتے۔ لیکن سیر نہ ہوتے تھے۔

غرض مدینہ کے باشندوں کا اس زمانہ میں عجیب عالم تھا۔ وہاں کی زندگی بڑی صحیح پُر سکون اور راحت افزا تھی ہر چھوٹے بڑے کو اطمینان قلب حاصل تھا۔ عدل و انصاف کے بارے میں وہ زمانہ ہمیشہ کے لئے ضرب المثل بن چکا ہے۔ حق و صداقت کے جو مظاہرے اس وقت دنیا نے دیکھے ان کی نظیر لانے سے زمانہ اب تک قاصر رہا اور شاید ہمیشہ قاصر رہے۔

جس زمانہ کا یہ ذکر ہے وہ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا عہد تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے کلیتہً وقف تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں آپ کو اپنی جان کا بھی ہوش نہ رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا تو آنے والی رات اہل مدینہ کے لئے ایک مہیب ترین خونیں رات تھی۔ آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا جو ان کی آنکھوں سے امڈا چلا آتا تھا۔ ایک ناقابلِ بیان اضطراب تھا جو ان کے دلوں پر محیط ہو چکا تھا۔ ان کو کسی بات کی سُدھ بُدھ نہ تھی اور ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ہو گیا؟

خلافت کا جو رعب اور دبدبہ حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا تھا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس زمانہ میں رعایا کے حکومت سے اور حکومت کے رعایا سے جو حیرت انگیز خوشگوار تعلقات تھے وہ تاریخ کے صفحات سے کبھی محو نہیں ہو سکتے۔ آپ اپنے فرائض خلافت کی انجام دہی میں جتنے سرگرم عمل تھے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ ان ذمہ داریوں کے شدید احساس سے، جن کا بار خلافت کے منصب عظیم نے آپ کے کندھوں پر ڈال دیا تھا۔ آپ ہمیشہ ڈرتے رہتے تھے کہ مبادا آپ کے قدم غلط راستے پر پڑ جائیں اور اس طرح خدانخواستہ ملک و قوم کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ عدل و انصاف کے قیام، مظالم کی روک تھام اور حدود شریعت کی نگہداشت کے لئے آپ ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔

جب آپ پر قاتلانہ حملہ کیا گیا اور صحابہؓ نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ایک ایسے آدمی کو مقرر فرما دیں جو آپ کے بعد خلافت کا بار اپنے دوش پر اٹھائے تو آپ نے اس معاملہ پر غور کیا۔ لیکن آپ کی نظر میں کوئی ایسا آدمی نہ بچا جو اس بارِ عظیم سے عہدہ برآ ہونے کی پوری پوری قابلیت رکھتا ہو جو ہر قسم کے پیش آمدہ خطرات کا استقلال کے ساتھ مقابلہ اور ملک پر پوری طاقت سے کنٹرول کر سکتا ہو۔ رہ رہ کر ان کی نظر حضرت علیؓ پر پڑتی تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی شخص کو یہ عہدہ تفویض کیا جا سکتا ہے تو وہ علیؓ ہیں۔ مگر حضرت علیؓ کے دل میں اہلِ بیت کی جو غیر معمولی وقعت تھی اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے حضرت عمرؓ کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں میرے بعد علیؓ بنی ہاشم کو جماعۃ المسلمین کے سروں پر مسلط نہ کر دیں اور حکومت جو جمہور کا حق ہے وہ بنی ہاشم ہی میں محدود ہو کر نہ رہ جائے اور اس طرح ایک ایسی فضا قائم ہو جائے جس کا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وجود تک نہ تھا۔

انتہائی غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ خلافت کسی ایک شخص کو تفویض نہیں کرنی چاہئے۔ یہ حق ان صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بابرکت زمانہ پایا اور جن میں سے اکثر نہایت زیرک اور معاملہ فہم تھے۔ وہ فیصلہ کریں کہ اس عہدہ کا مستحق صحیح معنی میں کون ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کی دلیل یہ تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا کوئی جانشین مقرر کئے بغیر وفات پا گئے صحابہ کرامؓ نے متفقہ طور پر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنا خلیفہ چن لیا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ وفات پانے لگے تو انہوں نے صحابہؓ کے مشورہ سے عمرؓ کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تو عمرؓ کو یہ حق کیوں حاصل نہیں کہ وہ خلافت کو کسی ایک شخص تک محدود نہ رکھے بلکہ اس کو مشورہ کے لئے ایک مجلس کے سپرد کر دے اور وہ مجلس یہ فیصلہ کرے کہ کون شخص خلافت کا حقدار ہے۔ اس طرح اس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے کا موقع بھی مل جائے گا کہ آپ نے اپنے بعد کسی خاص شخص کو خلافت کے لئے مقرر نہیں فرمایا بلکہ اس معاملہ کو جمہور پر چھوڑ دیا۔

بے شک حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ کو اس کام کا پوری طرح اہل سمجھا اور ان کو نامزد کر دیا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی ایسا شخص نہ تھا جو ان کی نظروں میں اس اہم ترین عہدہ کے لئے موزوں ہو۔ بے شک حضرت علیؓ کو باقی صحابہؓ پر فوقیت حاصل تھی۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے اہلِ بیت کے متعلق اپنے قبیلہ بنو ہاشم کے متعلق اور والیٔ سلطنت کے حقوق و اختیارات کے متعلق ان کے خیالات ایسے تھے

جن سے حضرت عمرؓ متفق نہ ہو سکتے تھے۔ لہٰذا اس وقت بہترین طریقہ آپ کو یہی نظر آیا کہ مسلمانوں کو اس امر میں آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس کو چاہیں خلافت کے لیے چن لیں۔

جب حضرت عمر فاروقؓ اپنی رائے کے تمام پہلوؤں کی طرف سے مطمئن ہو گئے تو آپ نے صحابہؓ اور قریش کے معزز اشخاص کو بلا کر کہا:

"ان اصحاب کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جنتی ہیں (۱) علیؓ بن ابی طالب (۲) عثمانؓ بن عفان (۳) عبدالرحمٰنؓ بن عوف (۴) سعدؓ بن ابی وقاص (۵) زبیرؓ بن العوام (۶) طلحہؓ بن عبیداللہ۔ تم آپس میں مشورہ کر کے ان میں سے جس شخص کو چاہو خلافت کے لیے چن لو۔ اور جو شخص خلیفہ منتخب ہو جائے خلوص و نیک نیتی کے ساتھ اس کا ہاتھ بٹاؤ اور اس کی مدد کرو۔ خلیفہ بننے والے شخص کو میری نصیحت یہ ہے کہ جس کے سپرد یہ امانت کی جائے وہ اس امانت کا حق بطریق احسن ادا کرے۔"

اسی وقت حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے کہا: میری رائے یہ ہے کہ تم مجوزہ چھ آدمیوں کی کمیٹی میں شامل نہ ہو۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا: میری یہ مجال نہیں ہے کہ میں خلیفۂ وقت کے احکام کو ٹھکراؤں اور وہ مجھ سے جو توقع رکھتے ہیں اس کے خلاف کروں۔

اس پر حضرت عباسؓ نے ان سے کہا "تمہاری مرضی۔ لیکن اس کا نتیجہ تمہارے حق میں اچھا نہ نکلے گا اور آخر الامر تمہیں نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

حضرت عباسؓ کی حضرت علیؓ کو یہ نصیحت ذرا تفصیل اور تشریح کی محتاج ہے۔ حضرت عباسؓ نہایت زیرک، دانا اور معاملہ فہم انسان تھے۔ جو بات کہتے تھے پورے سوچ بچار کے ساتھ اور حالات پر نگاہ رکھتے ہوئے کہتے تھے۔ اگر انہیں یہ محسوس نہ ہوتا کہ قوم حضرت علیؓ کو نظر انداز کر کے کسی دوسرے شخص کو اپنا امیر اور حاکم بنائے گی تو وہ کبھی حضرت علیؓ سے یہ بات نہ کہتے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر مجلسِ شوریٰ نے باہم فیصلہ کر کے کسی دوسرے شخص کو خلیفہ منتخب کر لیا اور حضرت علیؓ بھی اس مجلسِ شوریٰ کے ممبر ہوتے تو یہ براہ راست ان پر ایک حملہ ہوگا اور اس بات کا ثبوت کہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان حضرت علیؓ کو اس لائق نہیں سمجھتے کہ وہ بارِ خلافت کو اپنے کندھوں پر اٹھائیں۔ اس وقت یہ بات حضرت علیؓ کے لیے انتہائی رنج و الم کا باعث ہوگی لیکن اگر وہ اس مجلس سے علیحدگی اختیار کر لیں اور صحابہؓ حضرت علیؓ کے علاوہ کسی اور شخص کو منتخب کر لیں تب معاملہ کی صورت اور ہو جائے گی۔ اس صورت میں نہ حضرت علیؓ کی طرف سے کھلم کھلا ایثار کا اظہار ہوگا نہ صحابہؓ پر صاف طور سے جانبداری کا الزام لگایا جا سکے گا اور نہ اس وقت حضرت علیؓ

ہی کو شدید رنج والم سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اسی لئے حضرت عباسؓ نے حضرت علیؓ کے لئے احتیاطاً اسی میں بھی کہ وہ مندرجہ بالا طریق اختیار کریں اور مجلس شوریٰ میں شامل نہ ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا۔[1]

جب صبح ہوئی تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت سعدؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر بن العوام کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں نے بہت کچھ غور و فکر کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تم لوگ عوام الناس میں امتیازی حیثیت کے مالک ہو۔ اس معاملہ کا فیصلہ اب صرف تمہیں کو کرنا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت تم سب سے خوش تھے۔ اگر تم درست فیصلہ کرو اور لوگ اس کی مخالفت کریں تو مجھے اس کا خوف نہیں۔ لیکن اگر اندیشہ ہے تو اس بات کا کہ کہیں تم ہی آپس میں ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگو اور تمہاری دیکھا دیکھی عوام الناس بھی مختلف دھڑوں میں بٹ جائیں اور علیحدہ علیحدہ گروہوں میں تقسیم ہو جائیں۔ تم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں چلے جاؤ۔ وہاں آپس میں مشورہ کرو اور اپنے میں سے کسی آدمی کو خلیفہ منتخب کر لو۔

کچھ دیر کے بعد حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ شوریٰ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں نہیں بلکہ کسی قریبی جگہ کیا جائے تاکہ انہیں جلد جلد حالات کا علم ہوتا رہے اور ضرورت پڑے تو مشاورتی مجلس ان سے بھی مشورہ کر سکے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت عمرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ان کا اس دوران میں انتقال ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ تین روز تک مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ اس عرصہ میں صہیبؓ (رومی غلام) امامت کے فرائض سرانجام دیں گے۔[2] لیکن بغیر خلیفہ کے چوتھا روز نہ

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سے اس لئے اتفاق نہیں کیا کہ نہ ان کو اپنے لئے خلافت کی آرزو پیدا ہوئی تھی اور نہ ان کی نیک اور صالح طبیعت ایک لمحہ کے لئے یہ گوارا کر سکتی تھی کہ خلیفۂ وقت کے حکم کی خلاف ورزی کی جائے۔ خواہ اس کے نتیجہ میں ان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچے۔ علیؓ وہ مقدس انسان تھا جس نے آنحضرتؐ کی گود میں پرورش پائی تھی پس کس طرح ممکن ہے کہ ایسا شخص خلافت کا متمنی ہو۔ یا اس کے دل کے کسی گوشے میں خلیفہ کے حکم سے انحراف کا خیال پیدا ہو۔ (مترجم)

[2] اسلام نے غلاموں کو جو اسلام سے پہلے بدترین مخلوق سمجھے جاتے تھے جس بلند اور اعلیٰ درجہ پر پہنچایا یہ واقعہ اس کی ایک روشن مثال ہے کہ ایک رومی غلام کو خلیفۂ اسلام نے تمام معززین قریش کے مقابلہ میں امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا مگر کسی ایک نے بھی چوں نہیں کی اور برابر تین روز تک اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ یہ تھا مساوات کا شاندار نمونہ۔ (مترجم)

ہونے پائے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو شریک مشورہ کیا جائے۔ لیکن وہ خلیفہ نہیں بنائے جا سکتے[1]۔ طلحہؓ بن عبیداللہ اس وقت مدینہ میں موجود نہیں تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کے متعلق یہ حکم دیا کہ اگر وہ تین روز کے اندر اندر آ جائیں تو ان کو بھی شریک مشورہ کر لیا جائے۔ لیکن اگر اس عرصہ میں وہ نہ آئیں تو ان کے بغیر ہی فیصلہ کر لیا جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے متعلق آپ نے فرمایا: میرا خیال یہ ہے کہ ان دو میں سے کسی ایک کے متعلق فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر عثمانؓ منتخب ہو گئے تو وہ نرم آدمی ہیں اور اگر علیؓ چن لئے گئے تو وہ خوش خلق آدمی ہیں اور لوگوں کو صحیح راہ پر چلانے کے ہر طرح قابل۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ، ابو طلحہؓ انصاری کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا: "اے ابو طلحہؓ! کسی وقت اللہ تعالیٰ اسلام کو تمہارے ذریعہ سے عزت دے گا۔ اگر یہ لوگ کوئی فیصلہ نہ کر سکیں تو انصار میں سے پچاس اشخاص لینا اور ان کو مجبور کرنا کہ اپنے میں سے کسی شخص کو منتخب کر لیں۔"

حضرت مقدادؓ بن اسود سے یوں مخاطب ہوئے کہ "جب تم مجھے دفنا چکو تو ان لوگوں کو ایک گھر میں جمع کرنا تاکہ وہ کسی کو خلافت کے لئے چن لیں۔ عبداللہؓ بن عمرؓ بھی مجلس مشاورت میں شامل ہوں۔ ان کے پاس کھڑے رہنا۔ اگر پانچ آدمی کسی شخص پر اتفاق کر لیں۔ لیکن ایک شخص اس فیصلہ کو ماننے سے انکار کر دے تو اس کا سر اڑا دینا۔ اگر چار ممبران کسی ایک کو منتخب کر لیں اور دو اس فیصلہ کو نہ مانیں تو تلوار سے ان دونوں کی گردنیں کاٹ دینا۔ اگر تین آدمی ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف تو عبداللہؓ بن عمرؓ کو حکم بنانا اور جس فریق کے حق میں وہ فیصلہ دیں وہ فریق اپنے میں سے کسی ایک فرد کو منتخب کر لے۔ لیکن اگر وہ عبداللہ بن عمرؓ کا فیصلہ تسلیم نہ کریں تو جس فریق میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں اس کے ساتھ ہو جانا اور دوسرے لوگ اگر فیصلہ قبول نہ کریں تو انہیں قتل کر دینا۔"

---

[1] یہ واقعہ سوچنے والے کے لئے اپنے اندر بڑا سامان بصیرت رکھتا ہے۔ فاروق اعظمؓ کو اگر ذرا سی بھی خلافت کی خواہش ہوتی۔ یا وہ اسے کچھ بھی اپنے لئے عزت اور آمدنی کا ذریعہ سمجھتے۔ یا دنیوی شہرت کی ان کو چاہ ہوتی۔ یا عام بادشاہوں کی طرح وہ ایک بادشاہ ہوتے تو ضرور اپنے بیٹے کے حق میں وصیت کر جاتے جبکہ بیٹا ہر طرح نہایت لائق و فائق بھی تھا۔ مگر انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے بیٹے کے حق میں وصیت نہ کی بلکہ مجلس شوریٰ کے ممبران کو حکم دے دیا کہ "ابن عمرؓ کو خلیفہ منتخب نہ کیا جائے۔"

(مترجم)

(۲)

انتخاب

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کی مجلس ہوئی۔ حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ مدینہ سے باہر تھے۔ وہ آخر وقت تک شرکت نہ کر سکے۔ البتہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ کو حضرت فاروق کے اس حکم کے بموجب کہ ان کو مشورہ میں شریک کیا جائے لیکن خلیفہ نہ بنایا جائے مشورہ میں شریک کر لیا گیا۔

پہلا دن خصوصیت سے بڑا سخت تھا۔ ارکانِ مجلس کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ ہر شخص کی رائے دوسرے سے مختلف تھی۔ ہر ایک یہ جانتا تھا کہ خلافت کے حق دار صرف دو اشخاص ہیں (۱) حضرت علیؓ اور (۲) حضرت عثمانؓ۔ ان دونوں کی موجودگی میں کوئی اور خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے حضرت علیؓ کے طرفدار حضرت علیؓ کی تائید میں لگ گئے اور حضرت عثمانؓ کے طرفدار آپ کے پروپیگنڈے میں مصروف ہو گئے۔ پروپیگنڈے اور اختلاف کا طوفان اتنے زور شور سے جاری تھا کہ یہ ناممکن معلوم ہوتا تھا، اس افتراق و اختلاف کے ہوتے کسی بات کا فیصلہ ہو سکے گا۔[1]

---

[1] بے شک اس موقع پر دونوں بزرگوں کے طرفدار اپنے اپنے ممدوح کے لئے کوشش کر رہے تھے۔ مگر ایک منٹ کے لئے بھی یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی کہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک نے ان لوگوں سے اپنے پروپیگنڈے کے لئے کہا ہو کیونکہ ان کی مقدس روحیں ان آلائشوں سے بالکل پاک تھیں۔ بطور خود جس کا جس سے جی چاہا پروپیگنڈہ کیا۔ (مترجم)

اس وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ بات سوجھی کہ اپنے تئیں درمیان سے نکال لیں اور خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہو جائیں۔ اس فیصلہ میں ان کے اس یقین کو بھی دخل تھا کہ خلافت ان کے حصہ میں ہرگز نہیں آسکتی۔ اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لینے کے بعد وہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو شروع کی۔

"تم میں سے کون خلافت سے دست بردار ہونے اور اپنے حق کو اپنے سے بہتر و افضل انسان کے لئے چھوڑ دینے پر تیار ہے؟"

اس پر سب خاموش رہے اور کسی نے جواب نہ دیا۔

تب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا "میں دست بردار ہوتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور کہا "اس بات پر سب سے پہلے میں راضی ہوں۔"

باقی لوگوں نے بھی یہی کہا "ہم راضی ہیں" صرف حضرت علیؓ خاموش رہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا:

"ابوالحسن! تم کیا کہتے ہو؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا:

"میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ ہمیں حق کی پیروی کرنی چاہئے۔ خواہشاتِ نفسانی کو بالکل ترک کر دینا چاہئے۔ رشتہ داری کا مطلقاً لحاظ نہیں کرنا چاہئے۔"

حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا:

"اگر تم لوگ مجھ سے اس بات کا پکا عہد کرو کہ تم میرے فیصلہ کو بخوشی مان لوگے اور جو میں کہوں گا اس پر بلاچون و چرا عمل کرو گے، تو میں اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میں کسی رشتہ داری کا لحاظ اور کسی دوستی کا پاس نہیں کروں گا۔ محض قوم کی بھلائی کو پیشِ نظر رکھ کر اس معاملہ میں صحیح فیصلہ دوں گا۔"

اس پر تمام رضامند ہو گئے کہ عبدالرحمٰنؓ جو چاہے فیصلہ کر دیں انہیں یہ فیصلہ بلاچون وچرا منظور ہوگا اور جس کو وہ نامزد کر دیں گے اسے اپنا خلیفہ مان لیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے بھی ان کے سامنے اس بات کا عہد کیا کہ وہ خلیفہ نامزد کرتے وقت رشتہ داری اور دوستی کا ذرہ بھر لحاظ کئے بغیر جس کا حق ہوگا، اسی کو تفویض کریں گے۔

جو کام پہلے پوری مجلسِ شوریٰ کے سپرد تھا اب اس کا سارا بوجھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف پر آپڑا۔ ان کے ذمہ

خلافت کے لئے ایک ایسے شخص کو نامزد کرنا تھا، جو ارباب شوریٰ میں سب سے بہتر اور افضل ہو۔

سب سے پہلے وہ تنہائی میں حضرت علیؓ سے ملے اور ان سے اس طرح گفتگو چھیڑی:

"آپ دینی مرتبہ اور ہر نیک کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی وجہ سے آپ خلافت کے حقدار ہیں۔ لیکن بالفرض اگر کسی وجہ سے آپ کا انتخاب نہ ہو سکے تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں ترجیح کے لائق کون ہے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا: "اس صورت میں میرے نزدیک عثمانؓ کا حق سب سے زیادہ ہے۔"

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف حضرت عثمانؓ سے ملے اور کہنے لگے:

"آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں۔ حضورؐ نے اپنی دو لڑکیوں کی شادی یکے بعد دیگرے آپ سے کی۔ اور یہ وہ فضیلت ہے جو اور کسی کو حاصل نہیں۔ اس لئے خلافت کے معاملہ میں آپ کو ترجیح حاصل ہے۔ لیکن اگر ایسا ہو کہ آپ خلافت کے لئے منتخب نہ ہو سکیں تو پھر آپ کے نزدیک ان لوگوں میں خلافت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "علیؓ!"

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ، زبیرؓ بن العوام اور سعدؓ بن ابی وقاص سے ملے اور ان سے بھی اسی قسم کی باتیں کیں اور دونوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں رائے دی۔

حضرت علیؓ نے بھی محسوس کر لیا کہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ وہ سعدؓ سے ملے اور ان سے اپنے حق میں رائے دینے کی اپیل کی۔[1]

---

[1] مصنف کا یہ بیان صحیح نہیں اور نہ کسی مستند ذریعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ نہ مصنف نے اپنے بیان کی توثیق میں کوئی حوالہ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے ہرگز سعدؓ سے یا کسی اور سے اپنے حق میں رائے دینے یا کوشش کرنے کے لئے نہیں کہا۔ بھلا جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش پائی ہو۔ جس کی تربیت شروع سے آنحضرتؐ نے خود کی ہو۔ اور جس نے اپنے آقا کا یہ فرمان بارہا سنا ہو کہ "جو شخص کسی عہدہ کا طلبگار ہو وہ عہدہ اسے نہ دیا جائے۔" وہ بھلا کس طرح اس قسم کی ناواجب خفیہ کارروائیاں کر سکتا تھا؟

(مترجم)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اب راتوں کو مہاجرینؓ، انصارؓ، صحابہ کرامؓ، فوج کے اعلیٰ افسروں اور معززین شہر سے مشورہ کرنا شروع کیا ـــــ جس سے ملتے رہی حضرت عثمانؓ کی حمایت کرتا۔ جب وہ رات آئی جس کی صبح کو آخری فیصلہ ہونا تھا تو عبدالرحمٰن، مسورؓ بن مخرمہ کے گھر پہنچے۔ ان کو سوتے سے جگایا اور کہا: "زبیرؓ اور سعدؓ کو بلاؤ" وہ ان دونوں کو بلا لائے۔ اس وقت جب عبدالرحمٰنؓ نے زبیرؓ سے اس معاملہ کے متعلق گفتگو کی تو انہوں نے کہا: "اب میری رائے یہ ہے کہ خلافت حضرت علیؓ کو تفویض کرنی چاہیے" سعدؓ نے بھی یہی کہا۔

اگر مؤرخین کے بیان کردہ واقعات صحیح مان لیے جائیں تو اس وقت زبیرؓ اور سعدؓ دونوں نے اپنی رائے بدل لی تھی۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ غور و فکر اور بحث و مباحثہ کے بعد انہیں حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ زیادہ صلاحیتوں کے مالک نظر آئے ہوں۔ کیونکہ حضرت علیؓ اپنی سیرت میں حضرت عمرؓ سے بہت مشابہ تھے۔ ان میں بھی حق و صداقت کے بارے میں وہی سختی اور وہی شدت تھی جو حضرت عمرؓ میں تھی۔ یہ بھی دنیا سے اسی طرح دور بھاگتے تھے جس طرح حضرت عمرؓ۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے مزاج میں نیکی اور نرمی کا پہلو غالب تھا جس کی وجہ ان کا بڑھاپا تھا[1]۔ بڑھاپے کی وجہ سے حضرت عثمانؓ تنہا کام بھی نہ کر سکتے تھے۔ انہیں دوسرے کی مدد اور مشورہ کی ضرورت پڑتی تھی[2]۔

شاید ان دونوں کو یہ بھی خیال تھا کہ مددگار صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔ اور مشیر ضروری نہیں کہ صحیح مشورہ ہی دیں۔ اس لیے ان کے مشورہ پر کلیۃً اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ کچھ بعید نہیں کہ جن اسباب نے ان دونوں کو اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور کیا تھا، ان میں یہ خوف بھی شامل ہو کہ کہیں حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور نرم خوئی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بنی امیہ کو یہ موقع نہ مل جائے کہ وہ ملک پر اپنا تسلط جما لیں اور امورِ حکومت میں انہی کا غلبہ ہو جائے۔

شروع میں انہوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں جو رائے دی تھی اس وقت ان کا خیال یہ ہوگا کہ حضرت عمر فاروقؓ کے

---

[1] نیکی اور نرم مزاجی حضرت عثمانؓ کے مزاج میں بڑھاپے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ وہ شروع ہی سے نہایت درجہ نیک فطرت اور نرم دل واقع ہوئے تھے۔ (مترجم)

[2] ضرورت پڑنے پر دوسرے شخص سے مدد لینا یا اس سے مشورہ کرنا اگر کمزوری کی علامت ہے تو اس سے کوئی بھی خلیفہ بچا ہوا نہیں۔ صدیقِ اکبرؓ، فاروقِ اعظمؓ سے مشورہ لیتے تھے اور فاروقِ اعظمؓ ہر بات حضرت علیؓ سے پوچھ کر کرتے تھے چنانچہ خود فرماتے ہیں: لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ (اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا)
(مترجم)

عہد خلافت کی سختی کے بعد اب کسی نرم اور رقیق القلب خلیفہ کی ضرورت ہے لیکن غور و فکر کے بعد ان پر یہ حقیقت منکشف ہوئی ہو کہ امورِ سلطنت کو انجام دینے، اسلام کو صحیح طور پر قائم رکھنے اور اس کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کے لئے حضرت عمر جیسی سخت گیری ہی کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت علی رض نے حضرت سعد رض سے جو اپیل کی تھی اس کا اثر ہوا ہو اور انہوں نے اس اثر کے ماتحت اپنی رائے تبدیل کر لی ہو۔

رات کے آخری حصے میں حضرت عبدالرحمٰن رض نے حضرت علی رض اور حضرت عثمان رض کو بلا بھیجا اور ان سے بڑی لمبی گفتگو کی۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہو گئی۔ صبح کی نماز کے بعد اراکینِ مجلسِ مشاورت جمع ہوئے۔ ادھر حضرت عبدالرحمٰن رض نے مہاجرین اور انصار کے اہلِ علم اور صاحبِ فضل حضرات کے ساتھ ساتھ افسرانِ فوج کو بھی بلا بھیجا۔ چنانچہ سب جمع ہوئے اور مسجد کچھا کھچ بھر گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن رض کھڑے ہوئے اور انہوں نے اس مسئلہ خلافت پر لوگوں کی آرا طلب کیں۔ حضرت عمار رض بن یاسر نے کہا "اگر یہ بات مدِ نظر رکھی جائے کہ مسلمانوں میں تفرقہ اور اختلاف پیدا نہ ہونے پائے تو سب سے بہتر بات یہ ہے کہ حضرت علی رض کی بیعت کر لی جائے۔" مقداد رض بن الاسود نے اس کی تائید کی۔

اس کے بعد عبداللہ رض بن ابی سرح کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اگر یہ بات مدِ نظر ہو کہ قریش میں اختلاف و افتراق پیدا نہ ہو تو حضرت عثمان رض کی بیعت کر لی جائے۔" عبداللہ بن ابی ربیعہ نے اس کی تائید کی۔ اس پر عمار نے ابنِ سرح سے کہا "تم مسلمانوں کو نصیحت کرنے والے کہاں سے آئے ہو؟"

اس مرحلہ پر بنی ہاشم اور بنی امیہ کے کچھ لوگ آپس میں تکرار کرنے لگے۔ بنی ہاشم کی خواہش تھی کہ حضرت علی رض کی بیعت کی جائے اور بنی امیہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رض کو خلافت سپرد کی جائے۔ اس پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اب سعد رض بن ابی وقاص بولے:

"عبدالرحمٰن! اس سے پہلے کہ لوگ فتنہ میں پڑیں، تم اس کام سے فراغت حاصل کر لو۔ بہتر ہے کہ تم اپنا فیصلہ سنا دو۔"

چنانچہ عبدالرحمٰن رض بن عوف اٹھے اور کہنے لگے: "میں نے بہت غور و فکر سے کام لیا ہے۔ اب میں جو فیصلہ دوں گا لوگوں کو چاہیے کہ وہ بغیر کسی انقباض کے کھلے دل سے قبول کریں اور اس بارے میں میری طرف سے کسی قسم کی بدگمانی کو اپنے دل میں راہ نہ پانے دیں۔"

اس کے بعد انہوں نے حضرت علی رض کو بلایا اور ان سے کہا کہ اگر آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے تو کیا آپ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرت ابوبکر رض و حضرت عمر رض کی سیرت کے مطابق عمل کریں گے؟

حضرت علیؓ نے جواب دیا "انشاء اللہ میں حتی المقدور اس پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

پھر انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بلایا اور جو بات حضرت علیؓ سے کہی تھی وہی ان سے کہی۔ حضرت عثمانؓ نے بھی وہی جواب دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کی بیعت کر لی اور اپنا ہاتھ جو عثمانؓ کے ہاتھ میں دیا ہوا تھا چھت کی طرف اٹھا اور کہنے لگے "اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ اس وقت تک جو کچھ میرے اختیارات تھے میں نے وہ عثمانؓ کی طرف منتقل کر دئے ہیں۔"

اس پر حضرت علیؓ کہنے لگے کہ یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہمیں گرانے کی کوشش کی ہے۔ اچھا ہم صبر کرتے ہیں اور سارا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔[1]

حضرت عبدالرحمٰن نے کہا "علیؓ! اپنے دل میں اس کے متعلق کوئی خیال نہ لاؤ۔ میں نے اس معاملہ میں بہت سوچ لوگوں سے تفصیلی مشورہ کیا اور خوب غور و فکر اور صلاح و مشورہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ خلافت کا بار عثمانؓ ہی کو سونپ جائے۔ عامۃ المسلمین بھی زیادہ تر عثمانؓ ہی کے حق میں تھے۔"

حضرت علیؓ مسجد سے یہ کہتے ہوئے نکل گئے "سیبلغ الکتاب اجلہ"[2]

مقداد نے کہا "عبدالرحمٰن! تم نے علیؓ کو چھوڑ دیا حالانکہ علیؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو ہمیشہ حق کے مطابق فیصلہ کرتے اور عدل و انصاف کو پیش نظر رکھتے ہیں۔"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا "مقداد! میں نے جس شخص کو مسلمانوں کے لئے بہتر پایا اسی کو نامزد کیا۔ تم اس وقت چپ رہو۔ خدا سے ڈرو کیونکہ ایسی باتوں سے فتنہ و فساد پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہے۔"

بعض روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ تھوڑی دیر بعد ہی مسجد میں تشریف لے آئے تھے اور حضرت عثمانؓ

---

[1] ہرگز یقین نہیں آتا کہ علیؓ جیسے متقی، پرہیزگار، کامل الایمان اور دنیا سے دل برداشتہ انسان کے منہ سے ایسے کلمات نکلے ہوں۔ (مترجم)

[2] یہ محض من گھڑت قصہ ہے اور حضرت علیؓ کے کسی دشمن کی اختراع ہے۔ جب شروع ہی میں مجلس شوریٰ کے تمام ممبروں نے کہہ دیا تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف جو فیصلہ کر دیں ہمیں منظور ہے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کا یہ طرز عمل سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ (مترجم)

کی بیعت کر لی تھی۔

طبری میں روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت میں توقف کیا تھا جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان کے سامنے یہ آیت پڑھی تھی: ومن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفیٰ بما عاهد علیه الله فسیؤتیه اجراً عظیما (فتح)

یعنی جو شخص اپنے اقرار کو توڑے گا، اس کا وبال اس پر پڑے گا۔ اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے عنقریب بڑا اجر دے گا۔

اس پر حضرت علیؓ بھیڑ کو چیرتے ہوئے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور ان کی بیعت کر لی۔[1]

---

[1] اس موقعہ پر سوال صرف یہ ہے کہ کیا یہ آیت علیؓ جیسے ہوشمند، واقف علم القرآن اور وارث علوم نبوی کے ذہن میں پہلے سے نہ تھی۔ وعدہ کا ایفا تو معمولی شخص بھی ضروری سمجھتا ہے۔ علیؓ کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔

(مترجم)

(۳)

انتخاب کا پس منظر

گذشتہ صفحات میں قارئین کرام کسی قدر تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عثمانؓ بن عفان کو خلیفۃ المسلمین منتخب کرنے کے سلسلہ میں مجلسِ مشاورت کے ارکان نے کیا کچھ کیا۔ ان واقعات کے بعد اب ہم وہ اسباب بیان کرتے ہیں جن کے زیر اثر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔

اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی بیعت اس وجہ سے کر لی ہو کہ حضرت عبدالرحمٰن رشتہ میں ان کے بہنوئی تھے[1]۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کثرت رائے حضرت عثمانؓ کے حق میں ہو (اور جیسا کہ واقعات بتاتے ہیں وجہ یہی تھی)۔ اس کا بھی امکان ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو حضرت عثمانؓ کے عہد و پیمان سے اس بات کا اطمینان ہو گیا ہو کہ وہ بنی امیہ کو عامۃ المسلمین کے سروں پر مسلط نہیں کریں گے۔ بعض لوگ اس کی وجہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سمجھتے تھے کہ حضرت عثمانؓ اپنے بعد انہیں خلیفہ نامزد کر دیں گے[2]۔ خلافت ملنے کے وقت حضرت عثمانؓ بہت بوڑھے

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے شادی کی تھی۔ ام کلثوم حضرت عثمانؓ کی بہن تھیں ماں کی طرف سے۔

[2] مصنف کا یہ قول غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ بیان کردہ اس وجہ کا کوئی تاریخی یا کتابی ثبوت موجود نہیں۔ (مترجم)

ہو چکے تھے چنانچہ حضرت علیؓ نے بیعت عثمانؓ کے بعد مجلس میں اپنے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا۔

اگرچہ یقینی طور پر اس روایت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے قریش کے معاملے میں اتنی سختی سے کام لیا تھا کہ ان میں سے کوئی شخص بھی دنیوی جاہ و حشمت اور مال و منال میں خاطر خواہ حصہ یاب نہ ہو سکا۔ حضرت علیؓ بھی عزم و استقلال عدل و انصاف، دنیوی اغراض سے بے تعلقی اور دینی احکام پر بشدت عمل پیرا ہونے میں حضرت عمرؓ کی مثال تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ میں رواداری پائی جاتی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ان صفات کی وجہ سے حضرت عثمانؓ لوگوں میں ہر دلعزیز ہو گئے ہوں اور یہی امر ان کی خلافت کا باعث بنا ہو۔ لوگوں کو یہ خیال ہو گا کہ اب ان کو حضرت عمر فاروقؓ کی سی سخت گیر پالیسی سے سابقہ نہیں پڑے گا۔ وہ آسانی سے دنیا کما سکیں گے۔ اس کی لذائذ سے بہرہ ور ہو سکیں گے اور انہیں اسلامی فتوحات سے خاطر خواہ متمتع ہو جانے کا موقع مل سکے گا۔ کوئی تعجب نہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی لوگوں کی اس رائے میں ان کے شریک ہوں اور یہ بھی مستبعد نہیں کہ وہ شروع ہی سے یہ سوچ کر حضرت عثمانؓ کی طرف داری کر رہے ہوں کہ یہ تو اب بوڑھے ہو چکے ہیں۔ ان کے مزاج میں اگر رسوخ حاصل کر لیا جائے تو آئندہ خلافت کے سلسلے میں اپنے لئے راہ ہموار کی جا سکتی ہے[1]۔

یہ بات صاف ہے کہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو یقین ہو گیا کہ خواہ کوئی صورت ہو جب تک حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ موجود ہیں وہ خلافت حاصل نہیں کر سکتے تو انہوں نے اپنے آپ کو خود ہی امیدواری خلافت سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ پیشکش بھی کر دی کہ وہ حق و انصاف کی رو سے مسلمانوں کے لئے خلیفہ منتخب کرنے کو تیار ہیں جسے قبول کر لیا گیا۔ اگرچہ حضرت عثمانؓ ان کے رشتہ دار تھے لیکن پھر بھی ان کے انتخاب کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی کیونکہ وہ نہایت جلیل القدر صحابی تھے اور مسلمانوں میں نہایت اعلیٰ پوزیشن کے مالک۔ مزید براں وہ نہایت نرم دل انسان تھے اور حضرت فاروقؓ کی طرح سختی کا جذبہ ان میں نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے بعد مسلمان چاہتے تھے کہ انہیں اس سخت گیری سے چھٹکارا ملے جو خلیفہ ثانی کے عہد خلافت میں ان کو برداشت کرنی پڑتی تھی اور ان دنیوی نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملے جن سے وہ آج تک محروم تھے۔ وہ اپنے آپ میں بھی اس تہذیب کو جلوہ گر دیکھنے کے خواہش مند تھے جس کی چمک عظیم الشان تہذیب و تمدن رکھنے والی حکومتوں کو فتح کرنے کے بعد وہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن اس سے حقیقی فائدہ حاصل کرنے والوں کو

---

[1] ایک جلیل القدر صحابی کے متعلق، جس نے از خود اپنے آپ کو خلافت سے الگ کر دیا ہو، ایسا خیال کسی صورت میں بھی درست نہیں۔ (مترجم)

موقع نہ مل سکا تھا۔

مورخین کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف پہلی دو راتوں کو لوگوں کے پاس جا جا کر اس مسئلہ میں ان سے تبادلۂ خیال کرتے رہے وہ بھیس بدل کر مدینہ کی گلیوں میں گشت لگاتے اور لوگوں سے اس کے متعلق دریافت کرتے۔ کوئی مہاجر کوئی انصاری یہاں تک کہ کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہا جس سے انہوں نے اس بارہ میں پوچھا نہ ہو یا مشورہ نہ لیا ہو۔ اہل الرائے حضرات کے پاس مشورہ طلب کرنے والے کی حیثیت سے جاتے تھے اور دوسروں سے وہ ایک عام آدمی کی طرح یہ پوچھتے تھے کہ تمہارے خیال میں حضرت عمرؓ کے بعد کون خلیفہ ہونا چاہیئے؟ جس شخص سے بھی انہوں نے مشورہ طلب کیا یا اس بارہ میں کچھ پوچھا اس نے حضرت عثمانؓ ہی کے حق میں جواب دیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمانؓ کے متعلق عامۃ الناس کا اتفاق دیکھا تو لوگوں کی رائے کا احترام کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ ہی کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ کر لیا[1]

حضرت عثمانؓ کے بارہ میں جمہور کے اتفاق کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ لوگوں کا یہ خیال ہو کہ اگر قریش کے دوسرے خاندانوں میں خلافت رہے گی تو وہ کسی ایک خاندان سے مخصوص ہو کر نہیں رہے گی لیکن اگر وہ بنی ہاشم میں چلی گئی تو پھر ناممکن ہے کہ بنی ہاشم اسے اپنے ہاتھ سے نکلنے دیں۔

غرضیکہ ہماری نظر میں یہی عوامل ہیں جو حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ممد و معین ہوئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں قریش اور عامۃ المسلمین میں نہایت ہر دلعزیز تھے۔ لوگ طبعی طور پر دنیوی نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کو تنگی ترشی اٹھانے پر ترجیح دیتے تھے۔ حضرت حسن بصری حضرت عثمانؓ کے اوائلِ خلافت کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"میں نے حضرت عثمانؓ کو خطبہ دیتے ہوئے سنا۔ میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا۔ میں نے آپ سے زیادہ پاک و صاف اور آپ کے چہرہ سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ آپ فرماتے: "اے لوگو! تم غریبوں کے لئے عطیات اور صدقے لاؤ" اور لوگ آپ کے سامنے عطیوں اور صدقوں کا ڈھیر لگا دیتے۔ آپ فرماتے کہ "لوگو! غرباء کے لئے کپڑے لاؤ" لوگ کثرت سے آپ کے پاس کپڑے لاتے اور آپ ان کو غرباء میں بانٹ دیتے۔ آپ فرماتے کہ "اے لوگو! غرباء کے لئے خوشبوئیں لاؤ" تو لوگ ہر قسم کی خوشبوئیں عطر، مشک اور عنبر وغیرہ آپ کی خدمت میں لاتے اور آپ ان کو غرباء میں تقسیم فرما دیتے۔"

جنگوں کی تکلیف اور لڑائیوں کی شدت کے بعد اسی قسم کی چیزیں لوگ چاہتے تھے اور اسی قسم کی چیزیں حضرت عثمانؓ ان کو دیتے بھی تھے۔[2]

---

[1] اس صورت کے موجود ہوتے ہوئے پھر کیوں حضرت عبدالرحمن بن عوف کی نیت پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے آئندہ فائدہ اٹھانے کے لئے حضرت عثمانؓ کو نامزد کیا۔ (مترجم)

[2] آہ! کیسے خبیث، کس قدر بد طینت اور کتنے فتنہ پرداز وہ شیطان صفت انسان تھے جنہوں نے ایسے نیک دل اتنے غریب نواز اور اس قدر فرشتہ صفت بزرگ کے خلاف فساد برپا کر کے اپنے لئے دنیا و آخرت کا عذاب مول لیا اور خدا کے غضب کا نشانہ بنے۔ (مترجم)

(۴)

عہدِ فاروقی

حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہدِ خلافت میں عام مسلمانوں کی جو حالت تھی وہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے عہدِ خلافت سے بالکل مختلف تھی۔ حضرت عمرؓ کے دور میں اسلام ضعف و ناتوانی کی حالت سے نکل کر طاقت، قوت اور شوکت کے دور میں داخل ہو چکا تھا۔ تمام جزیرۂ عرب میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا کلمہ پڑھا جاتا تھا مسلمانوں کو عرب میں کلی اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور ان کی حکومت اچھی طرح مضبوط ہو چکی تھی۔ جاہلیت میں افتراق و انشقاق، قتل و غارت اور لڑائی جھگڑوں کی جو کیفیت عربوں پر طاری تھی وہ ایک قصۂ پارینہ بن چکی تھی۔ جہالت کے جو تاریک پردے ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے تھے ملکی نظم و نسق میں حصہ لینے کی وجہ سے وہ دور ہو چکے تھے۔ رسوم جاہلیت مٹ چکی تھیں وہ قوم جو اپنی جہالت اور درندگی کی وجہ سے بالکل وحشیوں کی مانند تھی اب اعلیٰ درجہ کی مدبّر اور مہذب قوم بن چکی تھی بلند پایہ سیاست دانوں، اہلِ بصیرت، ماہرینِ قانون، اور مذہبی لحاظ سے ممتاز لوگوں کی ان میں کمی نہ تھی۔ یہ سچ کی امنگ قوم جس کا گزارہ محض اونٹنیوں کے دودھ اور چھوار کی کھجوروں پر تھا چند ہی دنوں میں ترقی کے اس مرتبہ پر پہنچ گئی تھی کہ نہ گذشتہ قومیں اس کی مثال پیش کر سکیں، اور نہ معاصر طاقتیں ترقی کی دوڑ میں اس کی گرد کو پا سکیں۔

عربوں کے تنِ مردہ میں از سرِ نو جان پڑ چکی تھی۔ ان کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا تھا۔ قوم کا ہر فرد لشکرِ قومی اتحاد کے

نشہ سے سرشار تھا۔ ان کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ چکی تھی کہ آج دنیا کی کوئی قوم سربلندی اور رفعت و شان میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آئندہ چل کر ہماری قوم ہی سب قوموں کی رہبر بنے گی۔ ہمیں کو اصل طاقت، شوکت اور قوت حاصل ہوگی، اور ہم ہی دنیا کے سردار تسلیم کئے جائیں گے۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے ان کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے میں سب سے زیادہ مدد دی۔ عرب کے قریبی ملکوں یعنی فارس و روم کی طرف ان کی افواج قاہرہ کا ایک سیلاب عظیم امڈ پڑا تھا۔ ان کے گھوڑوں نے ایسے ایسے شہروں کو اپنی ٹاپوں تلے روند ڈالا تھا جن کے نام بھی ان کے ذہنوں میں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روئے زمین کا بہت بڑا حصہ ان کے زیر نگین آ گیا۔ بڑی باجبروت بادشاہتوں سے جن کی طرف پہلے کسی کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی بھی مجال نہ تھی، عرب ٹکرائے اور ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیا۔ تاریخ عالم کا یہ ایک عجیب و غریب ورق اور کتاب زندگی کی یہ ایک حیرت ناک داستان ہے جس نے آج تک مؤرخین کو حیران و ششدر کر رکھا ہے۔ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کی تہ کو اب تک کوئی نہیں پہنچ سکا۔

ایران پر عرب کے لوگ آندھی کی طرح چھا گئے۔ آلِ ساسان کو انہوں نے اس بری طرح تباہ کیا کہ پھر ان میں اٹھنے کی سکت بالکل نہ رہی۔ سلطنت روما کی طرف رخ کیا تو اس کو پامال کرتے ہوئے گزر گئے۔ الجزیرہ، شام، آرمینیا مصر اور برقہ میں رومی اقتدار کو ملیا میٹ کر کے وہاں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ ان کے قدم ہر لحظہ آگے ہی کی طرف اٹھتے تھے اور فتح و نصرت قدم قدم پر انہیں کے پاؤں چومتی تھی۔ بڑے بڑے لشکر، جو اس وقت کے جدید ترین آلات حرب سے لیس تھے، اپنی طاقت اور تعداد کے نشہ میں چور، مسلمانوں کی بے سروسامان فوج کے مقابلے میں آئے۔ لیکن ان کی طاقت و تعداد اور ان کا غرور و تکبر ان کے کسی کام نہ آیا۔ .... ہر بار ان کو منہ کی کھانی پڑی اور کبھی انہیں فتح مندی اور کامرانی کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

عرب کے ہمسایہ ممالک میں مطلق العنان بادشاہوں کے ہاتھوں جور و استبداد کی بنیادیں بہت گہری ہو گئی تھیں۔ غلامی وہاں کے باشندوں کی قسمت بن گئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایرانیوں اور رومیوں میں خود اپنے اوپر سے اعتماد اٹھ چکا تھا اور شخصی آزادی کی محبت کے وہ شعلے، ان کے دلوں میں سرد پڑ چکے تھے، جو زندگی کی راہوں میں انہیں گرم سفر رکھ سکتے تھے۔ اس کے برخلاف عرب طبعاً شخصی آزادی کے بے حد دلدادہ تھے۔ آزادیٔ رائے اور حریت افکار کا عشق ان کی رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انہیں یہ تک گوارا نہ تھا کہ ان کا حاکم اور امیر بھی ان سے کسی چیز میں فوقیت اور برتری رکھے۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے امراء پر بہت سخت احتساب قائم کر رکھا تھا۔ آپ اکثر فرماتے تھے کہ "اگر کسی شخص پر اس کے حاکم نے ظلم کیا تو وہ حاکم ہرگز حکومت کرنے کا اہل نہیں ہے۔"

عرب نہ صرف خود آزادی کے نشہ میں سرشار تھے بلکہ انہوں نے مفتوحہ ممالک کے لوگوں میں بھی ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان کو بھی شخصی آزادی کی حلاوت و شیرینی سے ذوق آشنا کر دیا تھا۔ انہوں نے مفتوحین کے دلوں میں یہ بات اچھی طرح بٹھا دی تھی کہ شہری حقوق میں ان کا مرتبہ کسی طرح بھی امراء کے مرتبہ سے کم نہیں ہے۔ ایک مرتبہ ایک مصری کو حضرت عمرو بن العاص گورنر مصر سے کچھ تکلیف پہنچی۔ وہ شخص مدینہ آیا اور حضرت عمرو بن العاص کے لڑکے سے ملا۔ انہوں نے اپنے والد اور ان کے مرتبہ و بزرگی کا لحاظ کئے بغیر اس شخص کو حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا دیا، جہاں انہوں نے اس کی معروضات سنیں، اور داد رسی فرمائی۔

رعایا کا ہر فرد حقیقی مساوات کی لذت سے بہرہ اندوز تھا۔ اس وسیع اسلامی سلطنت میں رہنے سہنے والے انسان کو اس بات کا کامل احساس تھا کہ سوائے اس شخص کے جو اعمالِ صالحہ اور تقویٰ و طہارت میں اس سے ممتاز ہے، اور کوئی شخص کسی حیثیت سے اس پر فضیلت نہیں رکھتا۔

جب عرب ان اقوام سے ملے جو ان کے لئے بالکل اجنبی تھیں تو انہوں نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان مملکت ان کے سامنے ہے۔ ان کی آنکھیں ایک جدید تہذیب کی روشنی سے آشنا ہوئیں جس نے عربوں کو، ان کے فاتح ہونے کے باوجود مرعوب کر دیا اور ان کے دلوں میں اس تہذیب کو اپنا لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ انہوں نے اخلاق و عادات میں اپنے ہمسایہ ممالک کی تقلید شروع کر دی اور اس طرح زندگی کے میدان کارزار میں ان کا دوسری اقوام سے مقابلہ شروع ہوا۔ عربوں کو سب سے پہلے جن چیزوں کی تقلید کرنے کا خیال پیدا ہوا وہ لڑائیوں کے نت نئے ڈھنگ اور وہ جدید آلاتِ حرب تھے جن سے رومی اور ایرانی جنگوں میں کام لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد وہ امورِ سیاست اور ملکی انتظام کی طرف متوجہ ہوئے اور جو طریقے انہوں نے اپنی مفتوحہ قوموں سے سیکھے تھے وہی اپنی مملکت میں رائج کرنے شروع کر دیئے۔ روم اور ایران کی حکومتوں میں جو دفتری نظام رائج تھا اسے سامنے رکھ کر حضرت عمرؓ نے بھی ہر محکمہ کا علیحدہ علیحدہ دفتر قائم کیا۔ اس کے بعد آپ نے ولایات کی ترتیب، تقسیم کار، عمال کے انتخاب اور وظیفوں کے تعین کی طرف توجہ مبذول کی۔ مفتوحہ ممالک سے جو خراج آتا تھا اس کو خرچ کرنے کے بہتر سے بہتر طریقے اختیار کئے۔ امن اور عدل و انصاف کے قیام کی طرف توجہ دی۔ ٹیکس کے اصول اس طرح وضع کئے کہ نہ رعایا پر کوئی بار پڑے اور نہ حکومت کے خزانہ کو کوئی نقصان پہنچے۔ مملکت کے طول و عرض میں فارغ البالی اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا۔ فاتحینِ اسلام پر مال و دولت کے دروازے کھل گئے اور ہر قسم کا آرام ان کو میسر آگیا۔

یہ سب کچھ تھا لیکن اس پر بھی حضرت عمرؓ کے خوف اور ان کے شدید احتساب کی وجہ سے لوگوں کو کھانے پہننے کے

معاملہ میں اپنے اوپر بعض سختیاں عائد کرنی پڑتی تھیں اور زندگی گزارنے کے لئے حدِ اعتدال میں رہنا پڑتا تھا حضرت عمرؓ اسراف اور فضول خرچی کو کسی صورت سے بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے اور اس بارے میں وہ بہت سختی سے کام لیتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں عربوں کو اس بات کا موقعہ ہی نہ دیا کہ وہ عیش و عشرت، آرام و راحت، شان و شوکت اور سکون و طمانیت کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔ جتنی تیزی سے وہ مدنی زندگی اور شہری معیشت اختیار کرتے جا رہے تھے اتنی ہی تیزی سے لڑائیوں کے محاذ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس وقت سب سے بڑی ضرورت بھی اس امر کی تھی کہ لڑائیوں کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کر کے دشمن پر فتح پائی جائے۔ اگر اس طرف سے وہ ذرا بھی غفلت برتتے تو دشمنوں کی فوجیں موقع سے فائدہ اٹھا کر سارے عرب کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتیں۔ لہٰذا مسلمان اپنے عیش و آرام سے بے نیاز ہو کر ہمہ تن اسی طرف متوجہ ہو گئے اور عیش و آرام کو کسی اور مناسب وقت کے لئے اٹھا رکھا۔ حضرت عمرؓ کی زبردست شخصیت اور غیر معمولی سیاست کا یہ اثر تھا کہ آپ کے جیتے جی ملت میں افتراق و انشقاق، بغض و عداوت اور نفرت و حقارت کو کوئی راہ نہ مل سکی۔ ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد موتیوں کی طرح ایک لڑی میں منسلک تھے جو کوئی اس لڑی کو کھولنے اور اس کے دانوں کو بکھیرنے کی کوشش کرتا تھا اس کی مزاحمت ہوتی تھی۔

لڑائیوں کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے اور مسلمانوں کے ملکوں ملکوں پھیل جانے سے ایک بڑا نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ یہ امر لازمی تھا کہ پہلے مسلمانوں کے دلوں میں دین خوب اچھی طرح راسخ ہو جاتا اور عوام کو اسلام اور اس کے اصولوں سے اچھی طرح روشناس کرا دیا جاتا۔ تاکہ بعد کو ان کے ایمان میں کمزوری راہ نہ پا سکتی، ان میں کسی قسم کی بے راہ روی نہ پھیل سکتی لیکن یہ اسی صورت میں ممکن تھا جبکہ مسلمان ہر قسم کے تفکرات اور مہمات سے آزاد ہو کر اپنی اپنی جگہ ٹکے رہتے اور دینی تعلیمات سے فیضیاب ہوتے رہتے۔ پر ایسا نہ ہوا بلکہ اس سے پہلے کہ دین ان کے دلوں میں اچھی طرح جاگزیں ہوتا وہ فتوحات کی غرض سے دور دراز ممالک میں پھیل گئے اور صحیح طور پر دینی تربیت حاصل نہ کر سکے۔

اسلام کا بڑا مقصد دنیا سے بت پرستی کو مٹانا اور خدا کی وحدانیت کو صحیح طور پر دنیا میں قائم کرنا تھا لیکن اس کے باوجود کہ مفتوحہ ممالک کے باشندے بکثرت دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ ان میں ——— اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی ——— بہت سی مشرکانہ رسوم موجود تھیں اور شرک کا کلی طور پر استیصال نہ ہوا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں ——— خصوصاً عجمی مسلمانوں ——— میں عقائد کے لحاظ سے اختلافات پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ بدعتیں پھیلنے لگیں اور اس سے فائدہ اٹھا کر کئی منافق اور بد طینت لوگوں نے بظاہر اسلام قبول کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا شروع کر دیا۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا پہلے یہ خیال ہو کہ اول اول ان فتوحات سے فراغت حاصل کر لی جائے جو ناگہانی طور پر

تاکہ اس فتنہ و فساد کا بالکل خاتمہ ہو جائے جس کا فرو کرنا ان متحارب اقوام پر قابو پائے بغیر ناممکن تھا۔ دوسرے میدانِ جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنے کی جو تڑپ اور امنگ عربوں کے دلوں میں مدتوں سے تھی وہ پوری ہو جائے۔ تیسرے ان تمام معاند جماعتوں کا سدِ باب کر دیا جائے جو جزیرۂ عرب کے اطراف میں آباد تھیں اور جن کے متعلق اندیشہ تھا کہ اگر ان پر فتح حاصل نہ کی گئی تو ان کے جھگڑے سرکشی اور بغاوت کا رنگ اختیار کر لیں گے۔ چنانچہ قبل اس کے کہ دشمن قوت حاصل کر سکے اور اپنی کھوئی ہوئی طاقت کو مجتمع کر کے عربوں پر غلبہ پا سکے سب سے پہلا کام یہی کیا گیا کہ اس کا سر کچل دیا گیا۔ جب یہ مدعا پورا ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے چاہا کہ اب فتوحات میں میانہ روی اختیار کی جائے اور ان عربوں کو جو سالہا سال سے جنگوں میں مصروف تھے کچھ آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ لیکن ابھی ان کا یہ ارادہ شرمندۂ تکمیل نہ ہونے پایا تھا کہ انہیں بروقت اس امر کا احساس ہوا کہ متحارب اقوام جن سے عربوں نے معاہدات کئے تھے اپنے معاہدات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے صریح عہد شکنیوں پر اتر آئی ہیں اور انہیں اپنے وعدہ اور قول و قرار کا پاس نہیں رہا۔ اب مسلمانوں کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ ایران پر مکمل طور سے قبضہ کر لیں اور رومیوں کو شام کی حدود سے پرے دھکیل دیں۔

ان سب باتوں کے باوجود حضرت عمرؓ کی یہ دلی خواہش تھی کہ عرب ان ہی فتوحات پر اکتفا کریں جو شروع میں انہوں نے ایران و روم میں حاصل کی تھیں، مزید فتوحات کا خیال چھوڑ دیں۔ اطمینان سے اپنی اپنی جگہ ٹک کر زراعت و تجارت وغیرہ کا شغل اختیار کریں اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو جائیں۔ تاکہ ان کے اندر اسلام کی صحیح روح پیدا ہو جائے۔ وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو پورے طور پر جذب کر سکیں اور اس طرح بدعت و ضلالت اور فتنہ و فساد کے خیالات کی ان کے ذہنوں تک رسائی نہ ہو سکے۔

یہ تھے وہ عوامل جو حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے وقت ملک میں کارفرما تھے۔ ہم نے ان کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے کیونکہ یہ آئندہ ابواب کے مقدمہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو سامنے رکھے بغیر حضرت عثمانؓ کے عہدِ خلافت پر صحیح طور سے تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔

---

(۵)

حضرت عثمانؓ بن عفان

حضرت عثمانؓ اروی تھے اور وہ عبدالشمس بن عبد مناف سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروی تھا۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے۔ عثمانؓ بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی القرشی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب آپ سے عبد مناف پر جا کر ملتا ہے۔ آپ کی کنیتیں تین تھیں (۱) ابو عبداللہ (۲) ابو عمرو (۳) ابو لیلی۔ آپ اصحاب الفیل کے واقعہ کے چھ سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدالشمس بن عبد مناف۔ اروی کی والدہ البیضاء امّ حکیم بن عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور آنحضرتؐ کے چچا حضرت ابو طالب کی سگی بہن تھیں۔

حضرت عثمانؓ تاجر تھے۔ آپ تجارت کے سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کی تجارت میں بڑی برکت دی تھی اور آپ کا شمار قریش کے نہایت مالدار اشخاص میں ہوتا تھا لوگ آپ کو ملک التجار کہتے تھے۔

باوجود مالدار ہونے کے آپ میں کبر و نخوت اور غرور و تکبر نام کو نہ تھا بلکہ آپ بڑے خوش اخلاق، پاکیزہ سیرت، انتہائی منکسر المزاج اور پرہیزگار انسان تھے۔

آپ کو ان چند خوش قسمت صحابہؓ میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہے جو اوائل اسلام میں ہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر ایمان لاکر آپ کی غلامی کا طوق اپنے گلوں میں ڈال چکے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تبلیغ سے مسلمان ہوئے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ گہرے تجارتی تعلقات تھے جس کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان مضبوط رشتہ مودت و اخوت بھی قائم ہوگیا۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو ان پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہونے کی بناء پر انہوں نے اس دعوت کو فوراً قبول کر لیا اور حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہوگئے۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا نمبر چوتھا تھا۔

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اخلاق و عادات اس قدر پسند آئے کہ آپؐ نے ان کے اسلام لانے کے بعد اپنی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح ان سے کر دیا۔ جب قریش نے مسلمانوں کو تکالیف پہنچانی شروع کیں تو آپ حضرت رقیہؓ کو لے کر حبشہ ہجرت کر گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد پھر واپس مکہ تشریف لے آئے۔ جب مدینہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو یہ بھی حضرت رقیہؓ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے گئے۔ حضرت رقیہؓ نے عین اسی دن وفات پائی جس دن اللہ تعالیٰ نے معرکۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر فتح عظیم دی تھی (۲ھ) حضرت عثمانؓ اس جنگ میں حاضر نہیں تھے لیکن حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مالِ غنیمت میں سے اتنا ہی حصہ دیا جتنا جنگ بدر میں شریک ہونے والوں کو ملا تھا۔

حضرت رقیہؓ کی وفات کے بعد حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی انہی سے کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سفر و حضر، جنگ و صلح غرضیکہ کسی حالت میں بھی علیحدہ نہ ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنا سفیر بنا کر قریش کے پاس بھیجا تھا۔ کیونکہ حضورؐ کو معلوم تھا کہ قریش ان کے حسنِ اخلاق کی بناء پر ان کا بہت ادب و احترام کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے حالاتِ زندگی پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ سب اس بات پر متفق ہیں کہ آپ انتہائی پاکیزہ اخلاق کے مالک اور بڑے سخی تھے۔ خدا کی راہ میں اور اعلاء کلمۃ الحق کیلئے آپ ہر موقع پر اپنا مال و اسباب بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔ جیش العسرۃ کے موقع پر لشکر کی تیاری کے لئے آپ نے اتنا خرچ کیا کہ اور کوئی اس کی مثال پیش نہ کر سکا۔ آپ نے اس موقع پر ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے۔ روایت ہے کہ جب حضرت عثمانؓ مع ایک ہزار دینار کے یہ سارا سامان لئے ہوئے رسول کریم صلی اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرطِ مسرت سے دیناروں کو الٹنا پلٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ آج کے بعد عثمانؓ جو کریں گے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ کی رضا جوئی کے لئے اس کی راہ میں کس طرح کھلے دل سے روپیہ خرچ کرتے تھے۔

مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا جو بئرِ رومہ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ کنواں ایک یہودی کی ملکیت تھا اور وہ اس کا پانی اہلِ مدینہ کے ہاتھوں بڑی گراں قیمت پر فروخت کرتا تھا جس کے باعث مسلمان بڑی تکلیف میں تھے۔ ایک روز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بئرِ رومہ خرید لے اور اس کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دے تو میں اس کے لئے جنت کا وعدہ کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ فوراً اس یہودی کے پاس گئے اور اس سے بئرِ رومہ کے متعلق بات چیت کی۔ اس نے سارا کنواں بیچنے سے تو انکار کر دیا۔ لیکن نصف بیچنے پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار دینار میں آدھا کنواں خرید کر اس کو مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ معاملہ اس شرط پر ہوا تھا کہ ایک روز یہودی کو پانی بھرنے کا حق ہوگا اور دوسرے روز عثمانؓ کو۔ جب حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تو مسلمان دو روز کا پانی اکٹھا بھر لیا کرتے اور دوسرے روز یہودی کے پاس کوئی پانی خریدنے نہ آتا۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر یہودی بہت گھبرایا اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ بقیہ نصف کنواں بھی آپ ہی خرید لیں۔ چنانچہ آٹھ ہزار درہم میں اس کا بھی معاملہ ہو گیا اور حضرت عثمانؓ نے وہ کنواں مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عثمانؓ کاتبِ وحی تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں آپ ان کے امین اور کاتب یعنی پرائیویٹ سیکرٹری تھے۔ جب حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا تو مجلسِ شوریٰ نے آپ کو خلیفہ منتخب کر لیا۔ یہ یکم محرم ۲۴ھ مطابق ۷ نومبر ۶۴۴ء اتوار کے دن کا واقعہ ہے۔

حضرت عثمانؓ کے سریر آرائے خلافت ہوتے ہی ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے سارے مدینہ میں ہیجان بپا ہو گیا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ نے ہرمزان سابق حاکم ایران اور ایک عیسائی غلام جفینہ کو اپنے والد کو شہید کرنے کے شبہ میں قتل کر دیا۔ حضرت عبید اللہ بن عمرؓ کو پتہ چلا تھا کہ ہرمزان سابق حاکم فارس (جس نے اسلام لانے کے بعد مدینہ میں سکونت اختیار کر لی تھی) اور جفینہ نصرانی حضرت عمرؓ کے شہید کئے جانے سے پہلے ایک دن آپ کے قاتل ابولؤلؤ کے ساتھ خاص سرگوشی میں مصروف تھے اس پر انہوں نے یہ خیال کر کے کہ یہ دونوں ان کے والد کی شہادت میں شریک تھے ان دونوں کو طیش کی حالت میں قتل کر دیا۔

عبد الرحمٰن بن ابی بکر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ان تینوں کو ایک جگہ آپس میں سرگوشی کرتے دیکھا یہ ان کے پاس گئے۔ ان کو دیکھ کر وہ تینوں کھڑے ہو گئے اور گھبراہٹ میں ایک دو دھاری خنجر ان کے کپڑوں میں سے نکل کر

زمین پر گر پڑا۔ جب اس خنجر کو دیکھا گیا جس سے حضرت عمرؓ پر حملہ کیا گیا تھا تو وہی خنجر تھا جو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے دیکھا تھا جب حضرت عبیداللہ بن عمرؓ نے یہ واقعہ سُنا تو ان کو یقین ہو گیا کہ ان کے والد کی شہادت ان تینوں کی سازش اور اشتراک عمل سے ہوئی ہے۔ جب تک حضرت عمرؓ زندہ رہے ابن عمر ضبط کئے رہے۔ لیکن جب آپ کی وفات ہو گئی تو شمشیر بدست پہلے ہرمزان کے پاس گئے اور اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد جفینہ کے پاس گئے اور اسے بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص نے مداخلت کر کے زبردستی ان کو روکا اور ان کے ہاتھ سے تلوار چھین کر انہیں ان کے گھر میں بند کر دیا۔ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو چکی تو آپ نے عبیداللہ بن عمر کو بلایا اور ایک مجلس میں جہاں مہاجرین و انصار بیٹھے تھے پوچھا "بتلاؤ! اب ابن عمر کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟" حضرت علیؓ نے جواب دیا "میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو قتل کر دیں۔" اس پر بعض مہاجرین کہنے لگے کہ حضرت عمرؓ کل شہید کر دیئے گئے اور ان کے بیٹے کو آج قتل کر دیا جائے؟ یہ کس طرح ہو سکتا ہے؟

حضرت عمرو بن العاص نے کہا "امیرالمومنین اگر یہ واقعہ آپ کے عہدِ حکومت میں ہوتا تب تو آپ کو بیشک انہیں قصاص میں قتل کر دینا چاہیئے تھا لیکن اب ایسی صورت نہیں ہے۔ یہ واقعہ آپ کے عہدِ حکومت میں نہیں ہوا بلکہ اس سے پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے اب آپ بری الذمہ ہیں۔"

یہ بات حضرت عثمانؓ کے دل کو بھی لگ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان مقتولوں کا ولی ہوں اس لئے ان کی دیت اپنے ذمہ لیتا ہوں اور اپنے مال میں سے ادا کر دوں گا۔

بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ حضرت عبیداللہ بن عمر شرعی نقطۂ نگاہ سے قتل کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے یہ فعل قصاص کے طور پر کیا تھا۔ کیونکہ یہ بات تب کہی جا سکتی تھی جب وہ اصل قاتل کو قتل کرتے لیکن انہوں نے ان لوگوں کو قتل کیا جو حضرت عمرؓ کے قاتل نہیں تھے۔ کوئی ایسا شرعی ثبوت بھی موجود نہیں ہے جس سے ان کا اس قتل میں اشتراک ثابت ہو۔ قصاص تب واجب ہوتا ہے جب قتل کے تمام و کمال ثبوت موجود ہوں۔ قاتل اپنی زبان سے اقرار کرے اور حاکم وقت قصاص کا حکم دے۔ لیکن ان قرائن سے جو اس وقت پائے گئے ہرگز قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ شریعت ان قرائن کی موجودگی میں حد جاری کرتی اور سزا دیتی ہے۔ اس سے ان حالات و واقعات کی موجودگی میں عبیداللہ بن عمرؓ سے قصاص لینا واجب تھا۔ حضرت عمرو بن العاص کا اس امر کی طرف اشارہ کرنا کہ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کی حکومت سے پہلے ظہور پذیر ہوا تھا۔ عبیداللہ بن عمرؓ کی بریت کے لئے کافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر حضرت عمرؓ زندہ ہوتے اور ان کے سامنے ان کے بیٹے یہی حرکت کرتے تو وہ ان پر لازماً شرعی حد جاری کرتے اور اس میں کسی قسم کی رعایت

کو دخل نہ دیتے۔ لیکن حضرت عثمانؓ بعض مہاجرین کی طرح یہ نہ چاہتے تھے کہ حضرت عمرؓ کے شہید کیے جانے کے معاً بعد ان کا لڑکا بھی قتل کر دیا جائے اور ان کی خلافت کا آغاز گذشتہ خلیفہ کے لڑکے کے قتل سے ہو۔ اس واسطے انہوں نے اس الجھن سے نکلنے کے لیے حضرت عمرو بن العاص کی رائے پر عمل کیا۔ حضرت عمرو بن العاص ایسے معاملات میں بڑے مدبر اور اس قسم کی الجھنوں کے حل کرنے میں بڑے ماہر تھے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہرمزان کو مشتبہ حالت میں دیکھا گیا اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اس کی سرشت میں بدعہدی سرایت کر چکی تھی اور اس قسم کے کئی واقعات اس سے پہلے اس سے سرزد ہو چکے تھے۔ پھر اس کے متعلق جو کچھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے بیان کیا تھا، ان سب کی روشنی میں اس بات کے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہرمزان، ابولؤلؤہ اور جفینہ اس قتل میں برابر کے شریک تھے اور اگرچہ خاص واقعہ قتل میں تینوں کا حصہ نہ بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس ناپاک ارادہ سے بے خبر نہیں تھے اور ان کو تمام سازش کا پوری طرح علم تھا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کی بیعت ہو چکی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر چڑھے اور خطبہ دیا۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ انہوں نے خطبہ دینا چاہا مگر ان کی زبان نے یاوری نہ کی اور وہ خطبہ نہ دے سکے۔

خلیفہ بننے کے بعد حضرت عثمانؓ نے مملکت اسلامیہ کے سب امراء اور عمال کے نام ایک خط لکھا جس کی عبارت یہ تھی:

اما بعد فان اللہ امر الائمة ان یکونوا رعاة ولم یتقدم الیہم ان یکونوا جباة۔ وان صدر ھذہ الامة خلقوا رعاة ولم یخلقوا جباة۔ ولیوشکن ائمتکم ان یصیروا جباة ولا یکونوا رعاة۔ فاذا عادوا کذالک انقطع الحیاء والامانة والوفاء۔ الا وان اعدل السیرة ان تنظروا فی امور المسلمین وفیما علیہم فتعطوھم ما لہم وتاخذوھم بما علیہم ثم تعتنوا بالذمة فتعطوھم الذی لہم وتاخذوھم بالذی علیہم ثم العدو الذی تنتابون فاستفتحوا علیہم بالوفاء

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے حاکموں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ امت کے نگہبان بنیں محض خراج جمع کرنے والے نہ بنیں (اوائل اسلام کے لوگ نگہبان تھے، محض خراج جمع کرنے والے نہیں تھے۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم لوگ نگہبانی امت کے فرائض کو چھوڑ کر کہیں صرف خراج جمع کرنے میں نہ لگ جاؤ۔ اگر ایسا ہوا تو حیاء، امانت اور وفا سب تم سے رخصت ہو جائے گی۔

بہترین عدل یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے امور میں غور کرو۔ جو ان کا حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور جو تمہارا حق ان پر ہے وہ ان سے لو

پھر ذمیوں کا جو حق تم پر ہے وہ انہیں دو اور تمہارا جو حق ان پر ہے وہ ان سے لو۔ اس کے بعد دشمن کی طرف متوجہ ہو اور اس پر فتح پاؤ لیکن جو اس سے وعدہ کرو وہ ضرور پورا کرو۔"

سرحدوں پر جو فوجیں پڑی تھیں ان کے افسروں کو یہ خط لکھا:

اما بعد فانکم حماۃ الاسلام وذادتھم وقد وضع لکم عمر ما لم یغب عنا بل کان عن ملأ منا۔ ولا یبلغنی عن احد منکم تغییر ولا تبدیل فیغیر اللہ بکم ویستبدل بکم غیرکم۔ فانظروا کیف تکونون فانی انظر فیما الزمنی اللہ النظر فیہ والقیام علیہ۔

(ترجمہ) "تم اسلام کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے والے اور اس کے محافظ ہو۔ حضرت عمرؓ نے تمہارے لیے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خبردار مجھے تم میں سے کسی کے متعلق یہ خبر نہ پہنچے کہ اس کی روش میں تبدیلی واقع ہو گئی ہے۔ اگر ایسا ہوا تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے دوسرے بہترین آدمیوں کو لے آئے گا۔ تم اپنی حالتوں پر نظر کرتے رہا کرو، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمہ کیا ہے میں اس کی نگہداشت کروں گا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہوں گا۔"

عمال خراج کو اس مضمون کا خط لکھا:

"اما بعد فان اللہ خلق الخلق بالحق فلا یقبل الا الحق خذوا الحق واعطوا الحق بہ والامانۃ بالامانۃ۔ قوموا علیھا ولا تکونوا اول من یسلبھا فتکونوا شرکاء من بعدکم الی ما اکتسبتم۔ والوفاء بالوفاء۔ لا تظلموا الیتیم ولا المعاھد فان اللہ خصم لمن یظلمھم۔

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ حق ہی کو قبول کرتا ہے۔ حق لو اور اس کے بدلے میں حق ہی دو۔ امانت امانت کے ساتھ ہوتی ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہو اور ان لوگوں میں سے نہ بنو جو امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ اس طرح تم اپنے بعد آنے والے خائنوں کے ساتھ شریک ہو گے۔ وفا وفا کے ساتھ ہوتی ہے تم یتیم پر اور جس کے ساتھ معاہدہ کیا ہو اس پر ظلم نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دشمن ہے جو ان لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

عامۃ المسلمین کو یہ پیغام دیا:

اما بعد فانما بلغتم ما بلغتم بالاقتداء والاتباع فلا تلفتنکم الدنیا

عن امرکم فان امر ہذہ الامۃ صائر الی الابتداع بعد اجتماع ثلاث فیکم تکامل النعم وبلوغ اولادکم من السبایا وقراءۃ الاعراب والاعاجم القرآن وقد قال رسول اللہ "الکفر فی العجمۃ فاذا استعجم علیہم امر تکلفوا و ابتدعوا"

(ترجمہ) تمہیں اقتداء اور اتباع کا حکم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ تمہیں دنیا کی محبت تمہارے فرائض سے نہ ہٹا دے۔ کیونکہ تین چیزوں کے جمع ہو جانے کے بعد یہ امت بدعتوں کی طرف راغب ہونا شروع کر دے گی۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں (۱) نعمت کا کامل ہونا (۲) تمہاری اولادوں کا کنیزوں کے بطن سے ہونا (۳) اعرابیوں اور عجمیوں کی علیحدہ قرأت۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں عجمیت میں کفر کے جراثیم ہوتے ہیں۔ جب عجمیت مسلمانوں پر غالب آ جائے گی تو وہ تکلف اور بدعتیں کرنے لگیں گے۔"

حضرت عمرؓ کے اواخر عہد اور حضرت عثمانؓ کے اوائلِ عہد میں سلطنت اسلامیہ کے مختلف شہروں کے مندرجہ ذیل امیر تھے:

مکہ: نافع بن عبدالحارث الخزاعی
طائف: سفیان بن عبداللہ الثقفی
صنعاء: یعلیٰ بن منبہ
جند: عبداللہ بن ابی ربیعہ
بحرین اور اس کا متعلقہ علاقہ: عثمان بن ابی العاص الثقفی
(جزیرۂ عرب)

کوفہ: مغیرہ بن شعبہ
بصرہ: ابو موسیٰ اشعری
(عراق)

دمشق: معاویہ بن ابی سفیان
حمص: عمیر بن سعد
(شام)

مصر: عمرو بن العاص

---

(۶)

آرمینیا میں فتوحاتِ اسلامیہ

حضرت عمرؓ کے عہدِ حکومت میں اسلامی فوجیں ایران میں داخل ہو رہی تھیں۔ سلطنتِ روما پر حملہ کر رہی تھیں۔ مصر پر دھاوا بول رہی تھیں لیکن ان فتوحات میں سے کوئی بھی تکمیل کو نہ پہنچی تھی۔ ایک نہ ایک لشکر اسلامی فوج کو دیارِ فارس میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتا تھا شام اور اطرافِ اناطولیہ کا بھی یہی حال تھا اور افریقہ کی فتوحات تو ابھی تھیں ہی ابتدائی حالت میں۔

عہدِ فاروقی میں مسلمانوں نے تمام شام کو فتح کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اناطولیہ (ترکی) اور آرمینیا[1] کی حدود تک پہنچ گئے تھے

---

[1] آرمینیا کا محلِ وقوع حسبِ ذیل ہے۔ شمال میں بحیرہ متوسط اور گرجستان، مشرق میں گرجستان اور ایران کا کچھ حصہ۔ جنوب میں کردستان اور مغرب میں ایشیائے کوچک۔ یہ محلِ وقوع آج کل کے جغرافیہ کے لحاظ سے ہے لیکن ابتدائی ایام میں بعض اور علاقے بھی آرمینیا میں شامل تھے۔ چنانچہ عربوں نے بلاد قوقاز اور کردستان کے ایک حصہ کو بھی آرمینیا میں شامل کر رکھا تھا۔ اسی وجہ سے مؤرخین عرب نے قائم کی فتح کی طرح قوقاز کی فتح کا ذکر نہیں کیا بلکہ اس کو آرمینیا ہی میں شامل سمجھا۔

مؤرخین عرب کہتے ہیں کہ عربی لشکر نے آرمینیا پر دو بار فوج کشی کی۔ پہلی بار حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اور دوسری بار حضرت عثمانؓ کے عہد میں۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں آرمینیا کی فتح ۲۰ھ میں ہوئی تھی اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں ۲۴ھ میں۔

ایک ضروری امر قابل ذکر ہے کہ بکیر بن عبداللہ اور عتبہ بن فرقد نے خلافت عمرؓ کے زمانہ میں آذربائیجان کو فتح کر لیا تھا جو آرمینیا کے مشرق میں واقع ہے۔ بکیر نے حضرت عمرؓ کو فتح کی خوش خبری بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے سراقہ بن عمرو کو باب اور دربند پر چڑھائی کرنے اور حبیب بن مسلمۃ الفہری کو سراقہ کی (جو اس وقت جزیرہ میں تھے) مدد کے لئے حکم دیا۔ جب سراقہ باب کی فتح سے فارغ ہوئے تو آپ نے امراء اور سالاران لشکر کو آرمینیا کے ارد گرد کے علاقے کو فتح کرنے کے لئے بھیجا۔ بکیر بن عبداللہ کو موقان کی طرف۔ حبیب بن مسلمہ کو تفلیس کی طرف۔ حذیفہ بن الیمان کو علاوہ قوقاز کوہستان قوقاز کی طرف۔ ان علاقوں کے لوگوں نے اسلامی افواج کا مقابلہ کیا لیکن بے سود۔ اس کے بعد سالاران عساکر مغربی آرمینیا اور آئبیریا کی طرف (جو موجودہ گرجستان کا ایک حصہ ہے) متوجہ ہوئے۔ حبیب بن مسلمہ نے تفلیس اور اس کے تمام بڑے بڑے شہر فتح کر لئے اسی اثناء میں سراقہ کی وفات ہو گئی اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو مقرر کیا گیا۔ ان کو حضرت عمرؓ نے باب کی سرحد پر ٹھہر جانے اور ترکوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ شہر باب سے گذرتے ہوئے شمال کی طرف بڑھتے چلے گئے اور بحیرہ خزر کے ساحل پر اکثر کوہستانی شہروں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں انہوں نے شہادت پائی۔ ان کی فتوحات کا دائرہ مشرقی آرمینیا میں قوقاز کے شمالی علاقہ تک وسیع ہو گیا تھا۔

یہ سب فتوحات حضرت عمرؓ کے عہد میں ۲۰ھ سے لے کر ۲۲ھ تک مکمل ہو گئیں۔ مگر یہ فتوحات پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر نہ تھیں۔ بلکہ ان علاقوں کے رہنے والوں نے جزیہ دینے کی شرط قبول کر لی تھی اور سلطنت اسلام کے مطیع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے پاس اتنی فوج نہ تھی کہ وہ ان پر مکمل قبضہ کر کے وہاں امن بحال کر سکتے اور صرف اپنی ہی عملداری قائم کر سکتے۔

باقی رہا ان علاقوں کو مطیع کرنے کا سوال تو اس کی غرض صرف یہ تھی کہ ان اقوام کو مرعوب کیا جائے جو عرب کے ارد گرد آباد تھیں۔ تاکہ وہ اسلامی شہروں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ ایسا پہلے ہو بھی چکا تھا کہ دریائے ترک پر خزری جماعتوں نے سر اٹھایا اور چونکہ عربوں کی تعداد یہاں بہت کم تھی اس لئے انہوں نے ان کو آرمینیا سے نکال دیا۔ لیکن مسلمان ۲۴ھ مطابق ۶۴۴ء میں ایک زبردست جمعیت کے ساتھ پھر حملہ آور ہوئے اور اس علاقہ پر دوبارہ قابض ہو گئے۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے ان شہروں کو، جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل چکے تھے، اسلامی مقبوضات میں شامل کرنے اور آرمینیا اور قوقاز کو دوبارہ فتح کرنے کے لئے حبیب اور سلمان کو بھیجا تھا۔ چنانچہ ان دونوں نے تمام

چھنا ہوا علاقہ دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔ گو درمیان میں تھوڑے عرصہ کے لئے وہاں بغاوت کی آگ بھڑکی لیکن پھر مسلمانوں کی سلطنت اس علاقہ میں خوب مستحکم ہو گئی۔

جب حضرت عثمان رض کے عہد میں آرمینیا میں بغاوت ہوئی تو ۲۶ھ (۶۴۶ء) میں آپ نے حضرت معاویہ بن سفیان کو جنہیں آپ شام اور جزیرہ کا گورنر بنا چکے تھے حکم دیا کہ وہ دوبارہ آرمینیا پر چڑھائی کریں۔ حضرت معاویہ نے حبیب بن مسلمۃ الفہری کو جو حضرت عمر رض کے زمانہ میں بھی آرمینیا پر چڑھائی کر چکے تھے چھ ہزار فوج دے کر وہاں بھیجا۔ حبیب بن مسلمہ نے قالیقلا کا محاصرہ کر لیا۔ جب شہر والوں کو ہر طرف سے مدد پہنچنی بند ہو گئی تو وہ مجبوراً اس شرط پر صلح کے طالب ہوئے کہ اگر ان کو امان دے دی گئی تو وہ جزیہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ یہ شرط قبول کر لی گئی۔ قالیقلا کو سر کر لینے کے بعد وہاں کے کئی باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا۔ کیونکہ وہ سخت فتنہ پرداز اور فسادی تھے

حبیب نے قالیقلا کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے نظم و نسق کی درستی اور اپنی پوزیشن کے استحکام کی طرف توجہ دی۔ اسی اثناء میں انہیں یہ خبر پہنچی کہ آرمینیا کے بطریق "موریان" نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے زبردست فوج اکٹھی کی ہے۔ حبیب نے حضرت عثمان رض کو کمک بھیجنے کے لئے لکھا حضرت عثمان رض نے حضرت معاویہ رض کو حکم دیا کہ شام اور جزیرہ کے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دے کر حبیب کی مدد کے لئے بھیجو۔ چنانچہ انہوں نے دو ہزار آدمی بھیجے جن کو حبیب نے قالیقلا میں ٹھہرایا اور ان کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت عثمان رض نے سعید بن عاص امیر کوفہ کو بھی لکھا کہ وہ سلمان بن ربیعہ کی سرکردگی میں ایک لشکر حبیب کی مدد کے لئے بھیجیں۔ سلمان بڑے بہادر، صاحب عزم و ہمت اور جنگی چالوں کے بہت ماہر تھے وہ کوفہ سے چھ ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر چلے اور دریائے فرات پر پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

ادھر جب حبیب کے پاس کمک پہنچنے میں دیر ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ دشمنوں پر شبخون مارنا چاہئیے تاکہ ان کے حملہ سے قبل انہیں مرعوب کیا جا سکے چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ شبخون مار کر دشمن کو تہس نہس کر دیا اور رومیوں کے سردار کو قتل کر ڈالا۔

اس معرکہ میں عورتوں نے بھی بہادری اور جوش و ہمت کے زبردست کارنامے سرانجام دئے۔ چنانچہ جب لشکر اسلام نے رومی لشکر پر شبخون مارا تو حبیب کی بیوی اُم عبداللہ کلبیہ نے اپنے خاوند سے پوچھا:

"اب کہاں کا قصد ہے؟"

حبیب نے جواب دیا:

"موریان بطریق روم کے خیمہ کا یا جنت کا۔"

حبیب کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب وہ بطریق کے خیمہ پر پہنچا تو اپنی بیوی کو وہاں موجود پایا۔

عورتوں کی شجاعت کی یہ ایک مثال نہیں ہے بلکہ عربوں کی ابتدائی فتوحات کے زمانہ میں عورتیں ہر جنگ میں مردوں سے پیش پیش رہی ہیں اور مردوں کو بہادری، جرأت، اخلاص اور قربانی کے سبق سکھاتی تھیں۔

اس معرکہ کے بعد کوفہ کی فوجیں بھی حبیب کی مدد کے لئے پہنچ گئیں۔ اب حبیب نے سوچا کہ وہ اپنے لشکر کو مغربی آرمینیا کی فتح کے لئے آگے بڑھائیں۔ ادھر سلمان نے مشرقی آرمینیا کو فتح کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ ان دونوں کی ہمت اور کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ حبیب شمالی آرمینیا میں توفانہ کے علاقہ تک پہنچ گئے اور مسلمانوں نے مشرقی آرمینیا میں بحر خزر جس کو بحر طبرستان بھی کہا جاتا ہے، تک پہنچ کر دم لیا۔

---

(۷)

ایران میں فتوحات

ایران کی حدود خلفاء راشدین کے عہد میں موجودہ ایران کی حدود سے بہت وسیع تھیں۔ اس زمانہ میں بلوچستان افغانستان، آذربائیجان، کردستان اور مشرقی آرمینیا کا وہ حصہ جو بحر قزوین سے ملتا ہے سب مملکت ایران میں شامل تھے مسلمانوں نے اس کے اکثر حصہ کو فتح کر لیا تھا اور ان علاقوں میں جو عرب کی سرحد سے ملتے تھے مسلمانوں کی باقاعدہ سلطنت قائم ہو گئی تھی لیکن وہ علاقے جو عرب کی سرحد سے دور تھے، ان میں مسلمانوں کا قبضہ اور تسلط مستحکم نہ تھا۔ بعض حصے ایسے بھی تھے جہاں عہد فاروقی میں مسلمان پہنچے بھی نہ تھے۔

حضرت عثمانؓ کی خلافت کے تیسرے سال کردوں نے بغاوت کی تو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے اس بغاوت کو فرو کرنے اور باغیوں کو مغلوب کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی لیکن ساتھ ہی یہ کام بھی کیا کہ اپنا سارا مال و متاع چالیس خچروں پر بار کر لیا۔

اہل بصرہ یہ دیکھ کر کہ ہمارے حاکم کے پاس اس قدر ساز و سامان ہے، بہت بیچ و تاب کھائے اور ان کے ایک وفد نے حضرت عثمانؓ سے جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ابوموسیٰؓ کو ان کے عہدہ سے معزول کر دیا اور ان کی جگہ اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر قرشی کو مقرر کیا جو اس وقت پچیس سال کے تھے۔ نیز ابوموسیٰ اور عثمان بن ابی العاص والی عمان و بحرین کا سارا لشکر عبداللہ بن عامر کی زیر سرکردگی کر دیا۔ عبداللہ نے عبیداللہ بن معمر کو خراسان سے ہٹا کر فارس بھیج دیا

اور خراسان کا والی عمیر بن عثمان بن سعد کو بنا دیا۔ یہ تبدیلیاں کرنے کے بعد انہوں نے اپنے لشکر کو ساتھ لے کر پیش قدمی شروع کی اور بڑھتے بڑھتے فرغانہ تک پہنچ گئے۔ دوسرے امراء کو بھی انہوں نے آگے بڑھنے کا حکم دیا اور اس طرح مسلمانوں کا لشکر چین کی حدود تک جا پہنچا۔

کچھ عرصہ بعد اہل فارس نے عبید اللہ بن معمر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اصطخر کے مقام پر دونوں فریقوں کا مقابلہ ہوا جس میں عبید اللہ مارے گئے۔ جب یہ خبر ابن عامر کو پہنچی تو وہ ایک لشکر لے کر فارس کی طرف روانہ ہو گئے۔ اصطخر کے مقام پر ایرانیوں کی فوجوں سے ان کا مقابلہ ہوا جس میں ایرانیوں کو شکست فاش اٹھانی پڑی اور شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ اصطخر کو فتح کرنے کے بعد ابن عامر نے اپنے لشکر کو آگے بڑھایا اور جور کے شہروں کو فتح کیا۔ اس اثناء میں اصطخر والوں نے پھر بغاوت کر دی۔ ابن عامر لوٹے اور اصطخر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ طویل عرصہ تک جاری رہا۔ آخر منجنیقوں کے ذریعہ شہر پر سنگ باری کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اس جنگ میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔

ان فتوحات سے فارغ ہو کر ابن عامر بصرہ واپس ہوئے۔ ابھی وہ بصرہ پہنچے بھی نہ تھے کہ انہیں خراسان میں بغاوت کی خبریں ملیں۔ وہ زیاد کو بصرہ میں اپنا قائم مقام بنا کر خراسان کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ سجستان کو فتح کرنے کے لئے ربیع بن زیاد حارثی کو اور کرمان کو مغلوب کرنے کے لئے مجاشع بن مسعود سلمی کو مقرر کیا۔ اس کے بعد نیشاپور روانہ ہوئے ہراول دستہ پر احنف بن قیس کو متعین کیا۔ سب سے پہلا مقابلہ "طبسین" پر ہوا۔ یہ دو قلعے تھے اور خراسان کے لئے دروازوں کا کام دیتے تھے۔ ان کو فتح کرنے کے بعد فوج کے سرداروں کو نیشاپور کے علاقوں کی طرف روانہ کیا اور انہوں نے اس کے ارد گرد کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

احنف بن قیس طخارستان کی طرف چلے۔ پہلے سراو بجرد پہنچے۔ وہاں کے باشندوں نے تین ہزار درہم پر صلح کر لی پھر مرو الروذ کی طرف رُخ کیا۔ پہلے تو وہاں کے باشندے مقابلہ میں آئے لیکن پھر صلح کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے رخ نامی قصبہ پر قبضہ کر لیا۔

جب اہلِ طخارستان نے دیکھا کہ احنف بڑھتے ہی چلے آتے ہیں تو انہوں نے ایرانیوں اور ترکوں پر مشتمل ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ احنف نے ان کا مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ اس کے بعد وہ بلخ کی طرف روانہ ہوئے جو طخارستان کا دار الحکومت تھا اور اس کو بھی فتح کر لیا۔

باقی سرداران فوج میں سے مجاشع بن مسعود سلمی کرمان گئے۔ پہلے انہوں نے دار الحکومت سیرجان کو فتح کیا اس کے بعد ارد گرد کے شہروں اور علاقوں پر حملے کرنے شروع کئے۔ ربیع بن زیاد حارثی سجستان پہنچے اور تمام علاقہ فتح کر لیا۔

عبداللہ بن حازم نے قارن کا رُخ کیا اور اسے فتح کر لیا۔

اہل جرجان اور اہل طبرستان خلفاء راشدین کے تمام عہدِ حکومت میں یہاں تک کہ دولت امویہ کے اوائل عہد تک بغاوتوں اور سرکشیوں میں مصروف رہے۔ ان کو سلیمان عبدالملک بن مروان کے عہدِ حکومت میں یزید بن مُہلّب نے پوری طرح مطیع کیا۔

ابن عامر اتنی بڑی فتح حاصل کرنے کے بعد خدا تعالیٰ کے اس احسان کے شکریے کے طور پر حج کے لئے روانہ ہوئے اور سارا راستہ پیدل طے کیا۔

عہدِ عثمانؓ کا ایک قابلِ ذکر واقعہ ایران کے یزدجرد کسریٰ کا قتل ہے۔ وہ مسلمانوں کے لشکروں کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑا ہوا تھا اور دوبارہ اپنی فوجوں کو اسلامی لشکر پر حملہ کرنے اور اپنے آباؤ اجداد کا ملک واپس لینے کے لئے تیار کر رہا تھا۔ لیکن وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں قتل کر دیا گیا۔ اس کے قتل کی وجوہ میں مؤرخین کا زبردست اختلاف ہے۔ سدیو کہتا ہے کہ شہنشاہِ چین نے پہلے تو یزدجرد کی مدد کی لیکن پھر اس کو مرغاب کے کنارے قتل کرا دیا۔

یزدجرد کے قتل سے اس ساسانی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا جس نے ایران پر تین سو انتیس سال تک بڑی شان و شوکت اور رعب و دبدبہ کے ساتھ حکومت کی تھی۔

---

(۸)

رومی سلطنت میں فتوحات

مشرقی روم میں اسلامی فتوحات کچھ عرصہ تک رُکی رہیں۔ رومی معرکہ اس درمیانی وقفہ میں اور حضرت عمرؓ کی شہادت سے پہلے زبردست تیاریاں۔ سرحدوں کو مضبوط اور اپنے اندرونی خلفشار کو دور کرنے میں لگے رہے اس خوف سے کہ کہیں فتوحات اسلامیہ اناطولیہ کا رُخ نہ کر لیں۔ مسلمانوں نے بھی اپنے دشمن کے خوف و خطر اور تیاریوں کو جانتے ہوئے لیکن خاموش رہے۔ انہیں تیاری کا پورا موقع دیا اور اس دوران میں ایران و آرمینیا کی طرف اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔

۲۵ھ میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے جو اس وقت شام کے گورنر تھے [illegible] ایشیائے کوچک کے مشرقی حصہ میں آرمینیا کے متصل واقع ہیں، اور فریجیا پر جو ایشیائے کوچک کے [illegible] حصہ میں واقع ہے، چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے عموریہ کو جو ایک بڑا شہر تھا اور اناطولیہ کے راستے میں واقع تھا فتح کر لیا۔ لیکن اس خیال سے کہ رومیوں نے اپنے شہروں کے دفاع کے لئے اس علاقہ میں بڑی زبردست قوت جمع کر رکھی ہے۔ نیز یہ علاقے ان کے دارالحکومت سے بہت قریب واقع ہیں۔ اور [illegible] چڑھائی کر سکتے ہیں، اپنے حملہ میں زیادہ شدت اختیار نہ کی اور اس کو زیادہ طول نہ دیا۔

حضرت معاویہؓ قسطنطنیہ پر قبضہ کرنے کے بہت زیادہ خواہش مند تھے۔ لیکن راستوں کی ناہمواری، پہاڑوں کی کثرت اور ذرائع آمد و رفت کے مسدود ہونے کی وجہ سے انہوں نے یہ خیال کیا کہ اس علاقہ پر سمندر کی طرف سے حملہ کرنا زیادہ سود مند ثابت ہو گا۔

ان کا یہ خیال حضرت عمرؓ کے زمانہ سے تھا۔ انہوں نے حضرت عمرؓ سے قبرص فتح کرنے کی اجازت بھی مانگی تھی اور آپ کو لکھا تھا: چونکہ یہ ساحل پر واقع ہے اس لئے بڑی آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال کی سخت مخالفت کی تھی اور انہیں جواب میں لکھا تھا کہ آج کے بعد اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لانا۔

حضرت معاویہؓ اس وقت تو چپ ہو گئے مگر اس علاقہ کی فتح کا خیال ان کے دل میں بار بار چٹکیاں لیتا رہا۔ چنانچہ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے آپ سے اجازت طلب کی اور حضرت عثمانؓ نے ان کو سمندر کے راستے قبرص پر چڑھائی کرنے کی اجازت دے دی۔

حضرت معاویہؓ نے ساحلِ شام پر ایک جنگی بیڑا تیار کرایا اور اس وقت کے عاملِ مصر حضرت عبداللہ بن ابی سرح کو ایک اور بیڑا تیار کرنے کے لئے لکھا۔ جب یہ دونوں بیڑے تیار ہو گئے تو ان کی مدد سے قبرص پر حملہ کر دیا۔ اہلِ قبرص نے مسلمانوں کا زبردست مقابلہ کیا۔ لیکن جب دیکھا کہ اس نئے عربی بیڑے کا مقابلہ کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے تو انہوں نے سات ہزار دینار سالانہ پر مسلمانوں سے صلح کر لی۔ صلح کے ساتھ ہی مسلمانوں نے یہ شرط بھی پیش کی کہ دشمنوں پر حملہ کرنے کے لئے انہیں قبرص سے گزرنے اور اس کو استعمال کرنے کی بھی اجازت ہو گی۔

اب قبرص نے بحرِ ابیض میں مسلمانوں کی ایک جنگی چھاؤنی اور اہلِ شام اور ان کے جنگی بیڑوں کے درمیان جنہوں نے اب اس سمندر میں گشت شروع کر دیا تھا خطِ اتصال کی حیثیت اختیار کر لی۔ ان کے جنگی بیڑے اب بوقتِ ضرورت قبرص میں پہنچ کر بڑی آسانی سے لنگر انداز ہو سکتے تھے۔

بری لحاظ سے تو مسلمان اس وقت دنیا میں سب سے زبردست قوم تھے ہی مگر ۲۸ھ میں قبرص فتح کر لینے کے بعد بحری لحاظ سے بھی ان کی دھاک تمام یورپ اور افریقہ میں بیٹھ گئی۔ ایسی مملکت کے لئے جو اس قدر وسیع ہو اپنے ساحلی علاقوں کی حفاظت اور ان کو رومیوں کے حملوں سے بچانے کے لئے ایک ایسی قوم کی حمایت کی ضرورت تھی جو بیچ سمندر میں آباد ہو اور بوقتِ ضرورت وہاں مسلمانوں کا جنگی بیڑہ آ کر ٹھہر سکے۔ قبرص کی فتح سے مسلمانوں کا یہ بڑا مقصد پورے طور پر حاصل ہو گیا۔

عبداللہ بن قیس حارثی وہ پہلے امیر البحر تھے جنہوں نے حضرت معاویہؓ کے تیار کئے ہوئے جنگی بیڑے کی قیادت کی۔

یہ بہادری اور جرأت میں عدیم المثال تھے۔ انہوں نے تقریباً پچاس بحری جنگیں لڑیں لیکن اس دوران میں نہ ان کے لشکر کا کوئی سپاہی غرق ہوا اور نہ کسی جہاز کو نقصان پہنچا۔ ان کی شہرت ان کی زندگی میں سواحلِ روم اور بحرِ اسپین کے تمام کناروں تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس باب میں ان کثیر علاقوں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کے زیرِ تسلط علاقے میں بڑھا دیئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں معاویہؓ صرف دمشق اور اردن کے حاکم تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے حمص، قنسرین اور اس کے بعد فلسطین اور جزیرہ کا کچھ حصہ بھی ان کی نگرانی میں دے دیا اور ان علاقوں کے زیرِ تسلط آجانے کی وجہ سے ان کی حکومت تمام شام اور فلسطین کو محیط ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں امیر معاویہؓ اپنی مہمات، سیاست اور ہر قسم کے امور کی انجام دہی میں تقریباً مختارِ کل تھے ان کا شمار ان والیوں میں نہ ہوتا تھا جن کو ہر کام کی انجام دہی میں بارگاہِ خلافت سے اجازت لینی پڑتی تھی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت معاویہؓ کو اپنی سلطنت کا نصف حصہ سپرد کر دیا تھا۔ لیکن انہوں نے اس خوش اسلوبی سے حکومت چلائی اور اپنے حسنِ انتظام، عقلمندی اور ذکاوت کی وجہ سے اہلِ شام کے دل میں اتنا گھر کر لیا کہ وہ ان کی بجائے کسی اور والی کا وجود اور کسی دوسرے حاکم کے احکام کی تعمیل برداشت نہ کر سکتے تھے۔

---

(۹)

حضرت عمروؓ بن العاص، جیسا کہ مورخین عرب بیان کرتے ہیں، نہایت نڈر اور بے خوف شخص تھے۔ جب وہ مصر پر قابض ہو گئے اور رومیوں کو وہاں سے ہٹتے ہی بن پڑی تو انہوں نے اپنی توجہ صحرا اور بلادِ مغرب کی طرف مبذول کی۔ اور تھوڑی سی فوج لے کر ریگستان قطع کرتے ہوئے برقہ تک پہنچ گئے جو مغربی جانب مصر کی آخری حد ہے اور اس پر حملہ کر کے تین ہزار دینار سالانہ جزیہ پر وہاں کے باشندوں سے صلح کر لی۔

برقہ کی فتح کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص نے عقبہ بن نافع کو برقہ کے ارد گرد کے علاقوں میں بھیجا اور وہ زویلہ تک جا پہنچے اس کے بعد عمروؓ بن العاص خود ۲۲ھ میں طرابلس[1] پہنچے۔ اس کی فصیلیں برقہ کی فصیلوں سے کہیں زیادہ مضبوط تھیں اور یہاں فوج بھی بھاری تعداد میں موجود تھی جس نے برابر ایک مہینہ[2] تک عربوں کو روکے رکھا تاہم اہل طرابلس زیادہ محاصرہ کی تاب

---

[1] بلاذری اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: طرابلس کے معنی ہیں تین شہر۔ "طرا" کے معنی ہیں تین اور "بلس" کے معنی شہر۔ یہ سمندر کے کنارے واقع ہے اور اس کی فصیل پتھر کی ہے

[2] یاقوت حموی "معجم البلدان" میں تین ماہ کا ذکر کرتا ہے لیکن ابن خلدون ایک ماہ بیان کرتا ہے

نہ لا سکے اور بھوک سے نڈھال ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربوں نے سمندر کی جانب سے شہر پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد حضرت عمروؓ بن العاص اور دیگر دستے قبائل کو مطیع کر کے برقہ واپس آ گئے

بعد ازاں انہوں نے تیونس پر چڑھائی کرنے کی ٹھانی۔ لیکن حضرت عمرؓ کے ڈر سے پہلے اجازت کے لئے لکھا جو منظور نہ ہوئی اور حکم ملا کہ جہاں ہو وہیں ٹھہرے رہو۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ اسلامی فوج مصائب و مشقت سے محفوظ رہے۔ ان کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنی حالت کو بہتر بنائیں۔ نئی فتوحات سے پہلے اپنے مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق درست کریں۔ ان کے خیال میں حضرت عمرو بن العاص کا اس وسیع علاقہ پر تھوڑی سی فوج کے ساتھ حملہ آور ہونا محض اپنی قوت کو ختم اور اپنی فوج کو کمزور کرنا تھا۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اولاً مصر کو رومیوں کے حملوں سے محفوظ کیا جاتا۔ کیونکہ رومی یہ سننے کے بعد کہ حضرت عمرو بن العاص مصر چھوڑ کر صحراؤں میں داخل ہو گئے ہیں مصر کو دوبارہ ہتھیانے کے لئے اپنی قوتیں جمع کر رہے تھے۔

حضرت عمرؓ نے جب عمروؓ بن العاص کو صحراؤں میں داخل ہونے، تیونس پر حملہ کرنے اور اس طرح مصر کو خالی چھوڑ دینے سے منع کیا تھا تو ان کے پیشِ نظر یہی باتیں تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ رومی مصر کو آسانی سے چھوڑنے والے نہیں۔ اِدھر مصر میں بھی ایک ایسا گروہ تھا جس نے اپنی امید کا دامن رومیوں کے دامن سے باندھ رکھا تھا اور وہ کسی مناسب موقع کے انتظار میں تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ان رومیوں نے، جو اسکندریہ میں مقیم تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور شہنشاہِ قسطنطنیہ کو لکھا: یہ موقع اچھا ہے۔ اسکندریہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم ہے ایک ہزار لڑنے والوں سے زیادہ یہاں موجود نہیں ہیں۔ اور وہ آسانی سے ختم کئے جا سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں کے مسلمان باشندے رومیوں کے جہاز دیکھیں گے تو ان کے ہوش اڑ جائیں گے اور وہ کچھ نہ کر سکیں گے۔

شہنشاہِ روم اس امر کی دلی خواہش رکھتا تھا کہ وہ اس وسیع، سرسبز و شاداب علاقے کو دوبارہ اپنی حکومت میں شامل کر لے۔ اس نے فوج کو فوراً تیار ہونے کا حکم دیا۔ طی الکمان میں اسکندریہ سے جنگ کرنے کے لئے ایک بحری بیڑا بھی موجود تھا۔ رومی اپنے بیڑوں کی وجہ سے بحیرہ متوسط کے بحری سردار شمار ہوتے تھے۔ عربوں کو سمندر کی طرف سے کسی حملے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اس علاقہ میں نہ اپنا کوئی بیڑا تیار رکھا تھا اور نہ کوئی فوجی انتظام کیا تھا۔

رومی بیڑا تین سو کشتیوں پر مشتمل تھا۔ ان کی قیادت ایک بطریق مانویل کے سپرد تھی۔ یہ بیڑہ ۶۴۵ء میں طی الکمان سے چلا اور اسکندریہ کی بندرگاہ میں رات کو داخل ہو کر لنگر انداز ہو گیا۔ رومی اسکندریہ کے عیسائی باشندوں کی مدد سے شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے عربی فوج اور ان کے مددگاروں پر حملہ کیا اور عربوں کے بہت کم آدمی زندہ بچ نکلنے میں کامیاب

ہو سکے۔

مانویل سکندریہ پر تسلط قائم کرنے اور اس کو اپنا فوجی اڈہ بنانے کے بعد اس کے قریبی علاقوں کی طرف متوجہ ہوا۔ لوٹ مار اور اپنے مددگاروں کی اعانت سے ان پر بھی قبضہ کر لیا لیکن قبطی باشندے مسلمانوں کے عدل و انصاف کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ رہے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص کے متعلق بعض مورخین کہتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد مصر چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس حملہ کے وقت وہ مصر میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے ہی اس فتنہ کا سر کچلا تھا اور اس کے شعلوں کو بجھایا تھا۔

حکومت روما کی تاریخ بیان کرنے والے بعض مورخین رومی لشکر کے قائد بطریق مانویل پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے ایک قیمتی موقعہ محض اپنی سستی اور ناتجربہ کاری کی بدولت اپنے ہاتھ سے کھو دیا۔ وہ لکھتے ہیں اس کو چاہئے تھا کہ وہ بابلیون کے قلعہ پر حملہ کر کے اس عظیم جنگی مرکز پر قبضہ کر لیتا جس کی وجہ سے وہ تمام زیریں مصر پر اپنا تسلط بہت آسانی کے ساتھ رکھ سکتا تھا۔ لیکن بجائے اس کے وہ سکندریہ کے قریبی علاقوں کو فتح کرنے میں لگا رہا جن کی کوئی جنگی اہمیت نہ تھی اور عربوں کو اس بات کا کافی موقعہ دے دیا کہ وہ اپنی طاقت کو مجتمع کر لیں اور دوبارہ منظم ہو جائیں۔

قلعہ بابلیون کی فوجوں کے سردار خارجہ بن حذافہ نے حضرت عمرو بن العاص کو مشورہ دیا کہ دشمن کو بابلیون تک پہنچنے کا موقعہ نہ دیا جائے بلکہ خود آگے بڑھ کر اور سکندریہ پہنچ کر ان کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن حضرت عمرو بن العاص نے ان کی رائے نہ مانی۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ رومی آگے بڑھیں اور قبطیوں سے ان کا تصادم ہو کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رومی قبطیوں کو عربوں کی حمایت کے جرم میں ضرور نشانۂ ستم بنائیں گے۔ چنانچہ ان کا خیال ٹھیک نکلا۔ رومیوں نے قبطیوں کے اموال اور قیمتی چیزیں لوٹ لیں جس سے وہ اور بھی ان کے خلاف بھڑک اٹھے اور رومیوں سے ان کی نفرت میں دوگنا چوگنا اضافہ ہو گیا جس کی وجہ سے وہ کھلم کھلا عربوں کی مدد کرنے اور رومیوں کے راستے میں روڑے اٹکانے لگے۔

جب فسطاط میں یہ خبر پہنچی کہ رومی قلعہ بابلیون کی طرف بڑھتے چلے آتے ہیں اور نقیوس کے قلعہ کے بالکل قریب ہیں تب حضرت عمرو بن العاص ان سے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے اور پندرہ ہزار فوج لے کر ان سے لڑنے کے لئے نکلے نقیوس کے قلعہ کے قریب بڑا سخت معرکہ پیش آیا۔ حضرت عمرو بن العاص اپنے گھوڑے کی گردن کاٹ کر بڑی بے جگری سے دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ رومیوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ بطریق مارا گیا۔ رومی فوج اسکندریہ کو بھاگ گئی اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئی۔

حضرت عمرو بن العاص نے ان کا پیچھا کرنا شروع کیا۔ قریبی دیہات کے قبطی بھی اپنی استطاعت کے مطابق ان کی ہر ممکن مدد کرتے تھے۔ آخر کار وہ اسکندریہ پہنچے اور اس کا دوبارہ محاصرہ کر لیا۔ انہوں نے اس کی فصیلوں کو منہدم کرنا چاہا۔ لیکن اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔

محاصرہ نے کچھ زیادہ طول نہ کھینچا۔ مسلمان سخت مقابلہ کرنے کے بعد شہر پر قبضہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے اور رومیوں کو انتہائی ذلت و رسوائی کے ساتھ بھاگ جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص اسکندریہ پر قبضہ کر چکے اور وہاں کی فصیلوں کو منہدم کرا چکے تو یکایک حضرت عثمانؓ کا پروانہ آیا جس میں ان کو بطور افسر خراج معزول کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن ابی سرح کو مقرر کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس حکم کی مخالفت کی کیونکہ وہ یہ نہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص مصر کے معاملات اور اس کے نظم و نسق میں ان کا شریک ہو۔ اس وقت انہوں نے یہ مشہور فقرہ کہا:

انا اذاً کماسك البقرة بقرنیها و آخر یحلبها

"میں ایسی صورت میں تو ہیں گائے کے دونوں سینگ پکڑ کر اس کا بچا کھچا دودھ دوہنے والا بنوں گا۔"

اس امر میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص ولایت مصر سے کس طرح معزول ہوئے۔ انہوں نے بطورِ خود علیحدگی اختیار کر لی تھی یا حضرت عثمانؓ نے انہیں اس لیے معزول کر دیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح کے حاکمِ خراج مقرر کیے جانے سے وہ اتفاق نہ کرتے تھے اور اس لیے انہوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا تھا؛ لیکن عام خیال یہی ہے کہ انہوں نے بطورِ خود دست کشی اختیار کر لی تھی اور مصر سے واپس آکر مکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

جب عبداللہ بن ابی سرح کا مصر پر پورا اقتدار قائم ہو گیا تو انہوں نے حضرت عثمانؓ سے افریقہ پر چڑھائی کرنے کی اجازت مانگی جو انہیں مل گئی۔ اس پر انہوں نے بڑے زور شور سے تیاری شروع کر دی۔ تیاری مکمل ہونے پر وہ مصر سے نکلے اور تیونس کی حدود پر جا کر دم لیا۔ مصر اور تیونس کا درمیانی فاصلہ ساحل کے راستے سوا تین سو میل کا ہے لیکن صحرائی راستہ کی مسافت بہت کم ہے۔ اس واسطے عبداللہؓ نے اسی راستے کو اختیار کیا اور صحرا سے گزر کر اپنی منزل کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

عبداللہ بن ابی سرح نے بغیر سوچے سمجھے ہی چڑھائی نہیں کر دی بلکہ پورے غور و فکر اور سوچ بچار کے بعد اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ انہوں نے پہلے چھوٹے چھوٹے لشکر بھیجے تاکہ رومیوں کی طاقت کا اندازہ ہو سکے۔ جب لڑائی ٹھن گئی تو رومیوں کے سردار غریغوار نے اپنی فوج میں یہ اعلان کیا کہ جو شخص ابن ابی سرح کو قتل کرے گا میں اپنی بیٹی کی شادی

اس سے کر دوں گا اور اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔

جب ابن ابی سرح کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے لشکر میں یہ منادی کرا دی کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا میں اس کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا اور اس کی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں گا۔

صبح کے وقت سبیطلہ کے قریب رومیوں اور عربوں کے درمیان زبردست معرکہ شروع ہوا۔ سبیطلہ جنوبی تیونس کے مشرقی علاقہ کا مشہور شہر ہے جو آج تک اپنی قدیم جگہ پر واقع ہے۔ رومیوں کی تعداد عربوں سے کہیں زیادہ تھی لیکن مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور بڑے حوصلہ اور جواں مردی سے میدان میں ڈٹے رہے۔ جب مسلمانوں نے دیکھا کہ لڑائی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی ہے اور ہماری فتح کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تو ابن زبیر نے ابن ابی سرح کو یہ صلاح دی کہ فوج کا ایک حصہ میدانِ جنگ سے ہٹا لیا جائے اور باقی فوج دشمن سے لڑتی رہے۔ جب دشمن کی فوج تھک جائے تب بقیہ تازہ دم فوج کو میدان میں لایا جائے اور اس طرح دشمن کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ادھر ابن زبیر نے رومی سپہ سالار پر تاک لگائی اور چند سواروں کو اپنے ساتھ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ وہ اس اچانک حملے سے سنبھل نہ سکا اور ابن زبیر کے نیزے نے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس کے قتل سے رومیوں کی ہمت چھوٹ گئی اور مسلمانوں کے حوصلے پہلے سے بھی بلند ہو گئے۔ انہوں نے رومیوں پر فوراً ایک زبردست حملہ کر دیا اور ان کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ رومی اس حملے کی تاب نہ لا سکے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کا میلوں تعاقب کیا۔ سینکڑوں رومیوں کو قتل اور ہزاروں کو قیدی بنا لیا۔ اس طرح عربی لشکر سبیطلہ اور اس کے قلعہ پر قابض ہو گیا۔

فتح حاصل ہونے کے بعد بھی عبداللہ بن ابی سرح سبیطلہ ہی میں ٹھہرے رہے اور اسے اپنی فوجی سرگرمیوں کا مرکز بنا کر شمالی جنوبی اور مشرقی علاقوں میں فوجیں بھیجنی شروع کر دیں۔ ان کے لشکر قفصہ، سبت اور غمنت کے قلعوں تک پہنچ گئے۔ ابن زبیر نے ساحل کا رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر سوسہ پر حملہ کیا اور اس کو فتح کیا۔

رومی کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ انہوں نے اپنے انجام پر نظر کر کے یہ فیصلہ کیا کہ ابن ابی سرح کو یہ پیشکش کی جائے کہ وہ ان سے تین سو قنطار سونا لے کر ان کے علاقہ سے دستبردار ہو جائیں۔ چنانچہ ابتدائی بات چیت کے بعد دونوں فریقوں کی صلح کانفرنس ہوئی جس میں مندرجہ ذیل شرائط طے پائیں:

(۱) رومی تاوانِ جنگ ادا کریں گے۔ جس کی مقدار تین سو قنطار سونا ہوگی۔[1]

---

[1] واقدی کے بیان کے مطابق پچیس لاکھ بیس ہزار دینار۔

(۲) مسلمان ان کے شہروں سے اپنا قبضہ ہٹالیں گے اور اس علاقہ سے نکل جائیں گے۔

(۳) مسلمانوں نے صلح سے قبل جو مالِ غنیمت حاصل کیا ہوگا وہ انہی کے پاس رہے گا۔ لیکن صلح کے بعد اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا ہوگا تو وہ لوٹانا ہوگا۔

مندرجہ بالا شرائط پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان صلح کے بعد شمالی افریقہ سے نکل گئے تھے لیکن ابن جریر اور طبری اس کی تائید نہیں کرتے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ابن سرح نے انہی لوگوں میں سے ایک شخص کو ان کا والی مقرر کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابن سرح نے ان کو دولتِ عربیہ کی زیرِ نگرانی اندرونی خود مختاری عطا کی تھی۔

اس معرکہ میں عربی لشکر نے بہت زبردست مالِ غنیمت حاصل کیا تھا جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فوج کے ہر سوار کو مالِ غنیمت میں سے تین ہزار اور پیدل کو ایک ہزار دینار حصہ ملا تھا۔ ابن ابی سرح نے اپنے لئے خمس (۱/۵ حصہ) رکھ لیا تھا اور بقیہ ۴/۵ حضرت عثمانؓ کو فتح و ظفر کی خوشخبری کے ساتھ بھیج دیا تھا۔

مسلسل چودہ مہینے جنگ آزمائیوں میں مصروف رہنے کے بعد عبداللہ بن ابی سرح شمالی افریقہ سے مصر کے دارالحکومت اور اپنی جنگی کارروائیوں کے مرکز فسطاط واپس ہوئے۔ اس کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں اسلامی لشکر اور سلطنتِ روما کے مابین لڑائیاں ختم ہو گئیں۔ ان لڑائیوں میں سلطنتِ روما کے مشرقی علاقہ میں سے جبال طورس سے طنجہ تک کے سب علاقے رومیوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ اس وسیع علاقہ میں مندرجہ ذیل صوبے شامل تھے۔ کیلیکیہ، شام، لبنان، شرق اردن، فلسطین، مصر، برقہ، مغربی طرابلس، تیونس، الجزائر اور مغرب اقصیٰ۔ مسلمانوں نے چند ہی سال کے اندر اندر ان تمام علاقوں کے تہذیب و تمدن کو عربی تہذیب و تمدن کے سانچے میں ڈھال دیا۔ عربی زبان کو رائج کیا اور اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دیا۔

۱۰

مسلمانوں اور عرب کی ہمسایہ حکومتوں کے درمیان سب سے پہلا مقابلہ ۸ھ میں ہوا جب کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس مسلمانوں کی ایک جمعیت لے کر دومۃ الجندل تشریف لے گئے جو رومی سلطان کے ماتحت تھا۔ اس کے تقریباً بیس برس بعد تک اسلامی لشکر فتوحات پر فتوحات حاصل کرتا رہا اور کبھی اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس عرصہ میں کبھی کسی مسلمان [illegible] یہ خوف دامن گیر نہ ہوا کہ اس کا کوئی مومن بھائی تلوار لے کر خود اس کے مقابلہ پر آئے گا۔ لیکن جب یہ حالت ختم ہوئی اور مسلمان تلواریں لے لے کر خود اپنے ہی بھائیوں کے مقابلہ میں آنے لگے تو اس وقت [illegible] فتنہ و فساد اور باہمی تفرقہ انگیزی کا دروازہ کھل گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں رومی شہنشاہیت پر عربوں کا سب سے پہلا حملہ ایک ہزار آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ۸ھ میں ہوا تھا جس کی قیادت خود حضور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ اس کے بعد جنگ موتہ ہوئی جس میں تین ہزار عرب [illegible] جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم رومیوں کے مقابلہ [illegible] تیس ہزار مسلمانوں [illegible] واپس آ گئے [illegible] جنگ موتہ کے شہداء کا بدلہ لینے [illegible] رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات [illegible]

رومیوں سے مقابلہ کے واسطے اسامہ بن زیدؓ کی سرکردگی میں تیار کیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں حضورؐ پر نور کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلا کام یہ کیا کہ اس لشکر کو روانہ کیا۔ چنانچہ وہ شام کی سرحد پر پہنچا۔ لیکن وہاں کوئی زبردست مقابلہ پیش نہ آیا اور لشکر واپس مدینہ آ گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک مسلمان مرتدین کے مقابلہ میں مصروف رہے جب اس فتنہ سے نجات ملی تو پھر لشکروں کی روانگی کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ مسلمانوں نے عراق اور شام پر بیک وقت حملہ کیا اور اس کے بعد ایران اور رومی شہنشاہیت پر ان کے حملے شروع ہو گئے۔ لیکن ان میں کوئی بھی حملہ ایسا نہیں تھا جس میں مسلمانوں کی تعداد اپنے حریفوں کے برابر یا ان سے زیادہ ہو۔ ان کی تعداد ہمیشہ اپنے دشمنوں سے بہت کم ہوا کرتی تھی خصوصاً رومی سلطنت کے لیے جو ایک وسیع علاقے پر قائم تھی اور اس کے باشندوں کی تعداد پانچ کروڑ تک پہنچی تھی، عربوں سے کئی سو گنا فوج لانا بھی کوئی بڑی بات نہ تھی۔ لیکن مسلمان اس تعداد کو کبھی خاطر میں نہ لائے۔ انھوں نے بے دھڑک اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا اور ہمیشہ فتح یاب ہوئے۔

انسان جب ان محیر العقول کارناموں کو پڑھتا اور سُنتا ہے تو ششدر رہ جاتا ہے اور کسی طرح اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمان اس قدر بے سروسامانی اور اس درجہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود کس طرح باجبروت بادشاہتوں اور کثیر التعداد لشکروں کے مقابلہ میں ایک ہیبت ناک سیلاب کی طرح آئے اور آن کی آن میں ان بادشاہتوں کی عظمت و جبروت کو ایک تنکے کی طرح بہا کر رکھ دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان جنگوں میں رومیوں اور عربوں کے درمیان کسی لحاظ سے بھی کوئی نسبت نہیں تھی۔ رومی پوری طرح ان جدید آلاتِ حرب سے آراستہ تھے جو اس زمانہ میں رائج تھے۔ لیکن عربوں کے پاس صرف وہی دقیانوسی ہتھیار تھے جو ان کو اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملے تھے مثلاً تلوار، نیزے، تیر کمانیں وغیرہ۔ رومیوں کو عربوں پر نہ صرف لشکروں، ہتھیاروں، تعداد اور تیاری کے لحاظ سے برتری حاصل تھی بلکہ ان شہر پناہوں، قلعوں اور حصاروں کے لحاظ سے بھی رومی ہر طرح عربوں سے بڑھ چڑھ کر تھے جن کی شام، فلسطین، مصر، افریقہ میں کثرت تھی۔ ان فصیلوں اور قلعوں نے عربوں کے راستے میں ہر طرح کی مشکلات حائل کیں، ہر قسم کے روڑے اٹکائے، حملوں میں رکاوٹیں پیدا کیں، ان کی قوتوں کو کمزور کیا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود عربوں نے ہمیشہ ان پر فتح حاصل کی۔ کوئی دیوار اور شہر پناہ ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکی اور کوئی قلعہ ان کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکا۔

رومیوں کے ساتھ جتنی جنگیں ہوئیں وہ ہمیشہ رومیوں کی سرزمین میں ہی لڑی گئیں۔ جس کے

چپہ چپہ سے وہ واقف ہوتے تھے اور وہاں کی ہر بات کا ان کو پتہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے مددگاروں اور حلیفوں کے ساتھ ہو کر لڑتے تھے لیکن ان کے برعکس عرب ایسی سرزمین میں جا کر لڑتے تھے جس کے متعلق وہ بالکل لاعلم ہوتے تھے۔ ان کا سامنا ایسے لشکروں سے ہوتا تھا جن کی مدد کے لئے اسی سرزمین کے اشخاص موجود ہوتے تھے اور جن کو ہر جگہ سے ہر قسم کی مدد بآسانی مہیا ہو سکتی تھی اور ہو جاتی تھی۔

رومیوں کے پاس مال و دولت کی بھی کمی نہ تھی لیکن عرب اپنی اولین فتوحات کے زمانہ میں مال و دولت جمع کرنے سے بالکل مستغنی تھے۔ عربی لشکر کو اپنی ضروریات کا خود ہی کفیل ہونا پڑتا تھا۔ عرب سے ان کو کسی قسم کی امداد نہ پہنچ سکتی تھی کیونکہ جو علاقہ خود اپنا کفیل اور خود اپنا مکتفی نہ ہو وہ دوسروں کی مدد کس طرح کر سکتا تھا۔

ان امور پر غور کرنے سے صاف طور پر پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کون سی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے رومیوں کو عربوں پر امتیاز حاصل تھا؟ اگر ان واقعات کی صحت پر واضح دلائل اور قرائن موجود نہ ہوتے تو مؤرخین کے لئے انہیں تسلیم کرنا ناممکن ہوتا کیونکہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے کہ عربی لشکر جیسا حقیر لشکر جس کی تعداد کسی صورت میں بھی کبھی پچاس ہزار سے آگے نہ بڑھی ہو وہ رومی لشکر جیسے عظیم الشان لشکر پر غالب آ جائے اور اس کو بری طرح برباد کر کے اس سے ہمیشہ کے لئے اس کی وسیع سلطنت چھین لے۔ چنانچہ اس زمانہ کے بعد سلطنت روما کا کوئی جھنڈا شام، مصر اور افریقہ میں بلند نہ ہو سکا اور رومیوں کے لئے یہ ناممکن ہو گیا کہ وہ اپنا چھینا ہوا علاقہ عربوں سے واپس لے سکیں۔ حالانکہ عربوں کے علاوہ اگر اور کوئی طاقت ان سے لڑتی تھی اور ان کے ہاتھوں سے کوئی علاقہ چھین لیتی تھی تو زیادہ عرصہ نہ گزرنے پاتا تھا کہ رومی اس سے وہ علاقہ واپس لے لیتے تھے بلکہ اس کے بھی کثیر علاقہ پر قبضہ جما لیتے تھے۔

وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے موت کو عربوں کی نظر میں نہایت حقیر شے بنا دیا تھا جن سے متاثر ہو کر وہ اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے اور اقوام عالم سے لڑتے لڑتے انہوں نے ایک جہان بچھاڑ مارا تھا؟ صرف اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں لڑنے کا جذبہ ہی تھا جس نے ان کو ہر میدان میں کامیابی بخشی اور ہر قوم پر فتح و نصرت عطا کی۔ اس کے ساتھ ہی عربی سپہ سالاروں کی حیرت انگیز لیاقت و جرأت، افراد سلطنت کی سیاسی سوجھ بوجھ، اسلامی جمہوریت کے حیرت انگیز واقعات، فاتحین کا عدل و انصاف، حملہ آوروں کا مفتوح باشندوں کے ساتھ محبت اور شفقت کا سلوک یہ سب باتیں ایسی تھیں جنہوں نے اسلامی فتوحات کو دوسری فتوحات سے بالکل نمایاں کر دیا اور عام فتوحات کے رنگ کو بالکل بدل ڈالا۔ ظلم و جور کی جگہ ایک پائیدار نظام اور حقیقی امن

دے دی۔ اس عدل وانصاف اور محبت وشفقت کی پھواریں مفتوحہ علاقوں کے باشندوں پر پڑیں اور انہوں نے محسوس کیا کہ پرانے جور واستبداد اور بے اطمینانی کے زمانہ کی جگہ ایک عدل وانصاف اور طمانیت قلب سے بھرپور دور نے لی ہے جس کی نظیر گذشتہ زمانوں میں سے کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی۔

سب سے زیادہ عجیب بات جو عربی فتوحات میں ہمیں نظر آتی ہے وہ مقبوضہ ومفتوحہ علاقوں اور شہروں کی زبردست حفاظت تھی۔ ان عربی شہروں پر جن کو عربوں نے رومیوں سے چھینا کئی فاتحین نے غلبہ حاصل کیا لیکن وہ اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ ان حملہ آوروں میں آخری حملہ آور ایرانی تھے لیکن ان کے غالب آنے کے کچھ ہی عرصہ بعد رومی ان پر آپڑے۔ انہیں مار مار کر ان کے مفتوحہ علاقوں سے باہر نکال دیا اور مدائن پہنچا کر ہی دم لیا جہاں انہوں نے نہایت ہی کڑی شرائط کے ساتھ ان سے معاہدہ صلح لکھوایا۔

رومیوں نے اس نسخہ کو عربوں پر بھی آزمانا چاہا۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف شام پر حملہ کیا اور دوسری طرف اسکندریہ پر قابض ہو کر اردگرد کے علاقہ میں بڑھتے بڑھتے نقیوس تک پہنچ گئے۔ لیکن جب حضرت عمروؓ بن العاص ان کے مقابلہ کے لئے اٹھے تو ان کو بری طرح بھاگتے ہی بن پڑی اور وہ مصر واسکندریہ سے باہر نکال دیئے گئے اسی طرح حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو شام اور اطراف اناطولیہ سے نکال باہر کیا۔ اور وہ علاقے جن کو عربوں نے فتح کیا تھا اب تک عربی علاقے ہی شمار ہوتے ہیں۔

عربی فتوحات کا ایک اثر یہ ہوا کہ عرب سے بے شمار قبائل نکل کر مفتوحہ علاقوں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ نے شام میں رہائش اختیار کر لی، کچھ مصر میں آباد ہو گئے اور کچھ شمالی افریقہ میں جا بسے اور جیسا کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے قبائل عرب سواحلِ فرات سے لے کر اطلس کے کناروں تک پھیل گئے۔ ان کا وہاں کے اصلی باشندوں سے میل ملاپ ہو گیا اور انہوں نے ان علاقوں اور ملکوں میں اسلام پھیلا کر، عربی زبان کی ترویج اور آپس میں شادی بیاہ کا سلسلہ قائم کر کے نیز اقتصادی اور زراعتی امور میں اشتراکِ عمل کے ذریعہ ان کی طبائع کو بھی عربی طبائع میں رنگ دیا۔

یہ چیز رومیوں اور دیگر فاتحین میں نہیں تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان علاقوں میں سیاسی، عسکری، اقتصادی غرضیکہ ہر لحاظ سے عربیت غالب آگئی اور اس طرح عربوں کی حکومت کو ان علاقوں میں استحکام حاصل ہو گیا۔

خلاصہ کلام یہ کہ شام، مصر اور افریقہ میں عربی فتوحات اپنی نظیر آپ ہیں۔ تاریخ ابتدائے آفرینش سے اب تک بھی کسی قوم کی مثال پیش نہیں کر سکتی جو حد درجہ قلیل التعداد، مفلس وقلاش اور پرانے دقیانوسی ہتھیاروں

ے مسلح ہونے کے باوجود ایک بڑے علاقہ اور ان وسیع و عریض شہروں پر حملہ کرے جو شہر پناہوں کے ذریعہ خوب مضبوط بنائے گئے ہوں۔ جنگی اسلحہ کی وہاں کمی نہ ہو اور ان میں اتنے زبردست لشکر موجود ہوں کہ فاتح قوم کا لشکر ان کے عشرِ عشیر بھی نہ ہو۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ قوم اپنی حریف قوموں پر غلبہ حاصل کر کے ان کو شکست فاش دے اور ایک قلعہ کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے قلعہ پر قبضہ کرتی چلی جائے جو علاقوں کے علاقے فتح کر کے پہلے ان میں اپنا اثر و رسوخ قائم کرے اور پھر مفتوح قوم کو اپنی قومیت میں مدغم کر لے۔ اپنے دین اور اپنی زبان کو اس میں پوری طرح رواج دے کر مغائرت کے کسی رشتہ کو بھی اپنے اور اس کے درمیان باقی نہ رہنے دے۔

اگر لوگوں کا ان روحانی اور غیبی قوتوں پر اعتقاد نہ ہوتا جو عربوں کو ان کی فتوحات میں مدد دیتی اور جنگوں میں ان کو تقویت پہنچاتی رہیں تو یقیناً ایسے امور دنیائے خواب و خیال کی باتیں سمجھے جاتے۔

---

(۱۱)

جمعِ قرآنِ کریم

اکثر مستشرقین حضرت عثمان رضؓ کے عہد میں ہی قرآنِ کریم کی جمع و تدوین کا ذکر کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن مجید کے نسخے مصحفِ عثمانی کے مطابق نہیں ہیں وہ مصحف ضائع ہو چکا ہے اور موجودہ مصحف اس پرانے مصحف کی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں بہت کچھ تحریف ہو چکی ہے۔ خلفائے راشدین نے اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اس میں زیادتی اور کمی کر لی (نعوذ باللہ) لیکن یہ سب محض ظنی اور خیالی باتیں ہیں، حقیقت کا ان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید بیشتر صحابہؓ کے سینوں میں محفوظ تھا اور اس میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کا امکان نہ تھا۔ جب یمامہ میں مرتدین سے جنگ ہوئی اور اس میں کئی صحابہؓ نے جامِ شہادت نوش فرمایا تو حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ اس جنگ میں کئی قاری شہید ہو گئے ہیں، اگر اسی طرح جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور صحابہؓ ان میں شہید ہوتے رہے تو قرآن کریم کا بہت سا حصہ ضائع ہو جائے گا۔ آپ کو چاہیئے کہ قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرا دیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس بات کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا میں اسے کس طرح کر سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ اس میں کوئی ہرج نہیں بلکہ یہ ایک انتہائی ضروری چیز ہے۔ حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ

عمرؓ برابر مجھ سے اس بارہ میں اصرار کرتے رہے تا آنکہ خدا تعالیٰ نے میرے سینے کو کھول دیا اور میں نے بھی عمرؓ کی رائے سے اتفاق کر لیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو بلایا۔ حضرت عمرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کی طرف اشارہ کر کے زیدؓ سے کہا: "انہوں نے مجھ سے ایک کام کرنے کو کہا ہے لیکن میں نے انکار کر دیا۔ تم کاتب وحی ہو اگر تم بھی ان کی رائے سے اتفاق کرو تو میں اس کام کو شروع کر دوں گا۔" لیکن اگر تم نے اتفاق نہ کیا تو پھر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کی رائے انہیں بتائی۔ شروع میں تو زیدؓ اس سے متفق نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ وہ کام کس طرح کر سکتے ہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میرے خیال میں یہ کام امت کے لئے بھلائی کا موجب ہے تو وہ مان گئے اور قرآن کریم کے جمع کرنے کا کام شروع ہوا۔ پتوں، ٹھیکروں، کھالوں، ہڈیوں اور لکڑی کے ٹکڑوں پر سے قرآنی آیات نقل کی گئیں اور لوگوں کو جو اکثر سورتیں یاد تھیں ان سب کو جمع کیا گیا۔ جو کچھ جمع ہوا اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا۔ صرف سورۂ توبہ کی دو آیات ایسی تھیں جو اکیلے حضرت خزیمہؓ بن ثابت کو یاد تھیں اور کسی صحابی کو یاد نہ تھیں۔

جب قرآن کریم جمع ہو گیا تو وہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کو منتقل ہو گیا۔ آپؓ کی شہادت کے بعد آپ کی بیٹی حضرت حفصہؓ کی تحویل میں چلا گیا۔

جب آیاتِ قرآنی نازل ہوتی تھیں بعض صحابہؓ بطورِ خود یا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لکھ لیا کرتے تھے چونکہ اس زمانے میں کاغذ دستیاب ہونا بڑا مشکل تھا اس لئے صحابہؓ قرآن کریم کو کھجور کے پتوں، پتھر کے ٹکڑوں، کپڑے کی دھجیوں، کھالوں، ہڈیوں اور ہر اس چیز پر جو ان کو اس مقصد کے لئے میسر آ جاتی تھی لکھ لیا کرتے تھے۔ اس طرح تمام قرآن کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی جمع کر لیا گیا تھا۔ بلکہ ایک جماعت اسی کام کے لئے مقرر تھی جس میں حضرت علیؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت زیدؓ بن ثابت شامل تھے۔ وہ نسخے جن کو سب سے زیادہ قابلِ اعتماد سمجھا جاتا تھا، تین تھے۔ مصحفِ ابن مسعودؓ، مصحفِ ابیؓ اور مصحفِ زیدؓ۔ یہ تینوں قاری تھے اور اپنی اپنی قرأت کے نمونے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر چکے تھے۔ زیدؓ نے اپنی قرأت کا نمونہ سب سے آخر میں اس سال پیش کیا تھا جس سال حضورِ انورؐ کی وفات ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار کر لیا اور آپ سے سن کر باقی مسلمانوں نے بھی۔

ابو الفداء کہتا ہے ۳۰ھ میں حضرت عثمانؓ کے سامنے قرآن کریم کے بارے میں اہلِ عراق کا ایک جھگڑا پیش ہوا

وہ کہتے تھے ہماری قرأت اہلِ شام کی قرأت سے زیادہ صحیح ہے کیونکہ وہ ہم نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے سیکھی ہے اہلِ شام کہتے تھے ہماری قرأت زیادہ صحیح ہے کیونکہ ہمیں حضرت مقداد بن الاسود نے پڑھایا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے اس بارے میں صحابہؓ سے مشورہ کیا اور طے پایا کہ صرف اسی مصحف کو رائج کیا جائے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں لکھا گیا تھا اور جو حضرت حفصہؓ کے پاس امانتاً رکھا ہوا ہے۔ اس کے سوا دوسرے تمام نسخے جلا دیئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس مصحف سے اور مصحف نقل کئے گئے اور ہر شہر میں ایک ایک نسخہ بھیج دیا گیا جن لوگوں نے یہ مصحف اور اس کی نقلیں حضرت عثمانؓ کے حکم سے تیار کیں ان میں زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیرؓ سعیدؓ بن العاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی شامل ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا تھا:

ان اختلفتم فی کلمة فاکتبوھا بلسان قریش فانما نزل القرآن بلسانھم

یعنی اگر تمہیں کسی کلمہ میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو کیونکہ قرآن انہی کی زبان میں اترا تھا۔

مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مصحف عثمانی کے لکھنے والے زیدؓ بن ثابت اور لکھوانے والے سعیدؓ بن عاص ہیں اس لئے کہ سعیدؓ بن عاص اپنے زمانے کے سب سے بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ یہ باور کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ حضرت زیدؓ بن ثابت کو سارا قرآن مجید حفظ یاد تھا کیونکہ روایات میں آتا ہے کہ لکھ چکنے کے بعد وہ سعیدؓ بن عاص کو قرآن مجید سنایا کرتے تھے۔ انہوں نے مصحف میں ایک آیت کم پائی جس پر انہوں نے مہاجرین و انصار سے اس کے متعلق دریافت کرنا شروع کیا۔ حضرت خزیمہؓ بن ثابت کے پاس وہ آیت مل گئی۔ دوسری بار سنانے پر یہ آیت نہ پائی۔ لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم۔ انہوں نے پھر اس کی تلاش کی اور ایک آدمی کے پاس ان کو وہ آیت مل گئی۔ جب تیسری بار سنایا تو اس بار کوئی آیت کم نہ پائی۔ جب اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ والے نسخہ سے ملایا گیا تو اس کو بالکل مکمل پایا۔ تب ان کا دل مطمئن ہو گیا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اس نسخہ سے دوسرے نسخے نقل کر لیں۔

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان نسخوں کو باہر بھیج دیا۔ جن کی تعداد سات بیان کی جاتی ہے۔ یہ نسخے مکہ، شام، یمن، بحرین، بصرہ اور کوفہ بھیجے گئے تھے اور ایک مدینہ ہی رکھ لیا گیا تھا۔ اس مصحف کو "امام" کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ وہ مصاحف جو حضرت عثمانؓ کے مصحف سے قبل لکھے گئے تھے ان کی سورتوں کی ترتیب وہ نہیں تھی جو آج کل پائی جاتی ہے۔ کیونکہ یہ ترتیب حضرت عثمانؓ کی دی ہوئی ترتیب ہے[1]۔ حجاج کے زمانہ میں قرآن کریم

---

[1] مصنف کا یہ بیان ہرگز صحیح نہیں۔ حضرت عثمانؓ کے لکھوائے ہوئے قرآن کریم میں سورتوں اور آیتوں کی ترتیب بالکل وہی تھی [illegible]

کو تیس جزو میں تقسیم کیا گیا تھا۔ باقی رہا اس سے پہلے کا معاملہ تو روایت ہے کہ جب کوئی سورۃ اترتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاتب وحی کو بلا کر کہتے کہ اس سورۃ کو فلاں فلاں جگہ رکھ دو۔ اس طرح قرآن مجید کی آیات تو پہلے ہی سے مرتب شدہ تھیں لیکن وہ کتابی صورت میں جمع نہیں تھا۔ مصحف عثمانؓ کی ترتیب حضرت زیدؓ بن ثابت نے دی تھی اور یقین ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن میں بھی وہی ترتیب تھی جو انہوں نے دی اور اس کی حضورؐ نے ان کو اجازت دے دی تھی۔

خلاصہ کلام یہ کہ متعدد صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا اور لوگوں کے سامنے لاکھوں بار پڑھا گیا تو یہ بات قطعی محال ہے کہ انہوں نے اس میں تحریف و تبدل یا زیادتی و کمی کر دی ہو چنانچہ اس بات میں قطعاً شک کی گنجائش نہیں کہ موجودہ قرآن بعینہٖ وہی قرآن ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ باقی رہا قرأت میں اختلاف تو یہ ایک دوسرا معاملہ ہے جو نفس کلام الٰہی کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کی قرأت سے تعلق رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ امر کسی سے مخفی نہیں ہے کہ عربوں کے لہجے آپس میں بہت مختلف تھے اور ان لہجوں کے اختلاف سے قرأتوں میں اختلاف پیدا ہو جانا ایک لازمی امر تھا۔

(بقیہ صفحہ) جو حامل وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود مقرر فرمائی تھی۔ چنانچہ احادیث میں آتا ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کاتب کو بلا کر فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ لو۔ پھر حضور ختم المرسلین حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآن کریم کا دور کیا کرتے تھے اور جس سال حضور علیہ السلام کا وصال ہوا ہے اس وقت دو مرتبہ دور کیا۔ اگر سورتوں کی ترتیب نہیں تھی تو دور کس طرح ہوتا تھا اور اگر ترتیب تھی تو بعد کے لوگوں کو اس ترتیب کے بدلنے کا کیا اختیار تھا اور کس کی مجال تھی کہ وہ رسول اللہ کی ترتیب کو بدل کر اپنی ترتیب قائم کرتا خصوصاً اس وقت جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورۃ میں لکھ لو۔ اس واضح حکم کے بعد کوئی گنجائش کسی انسان کے لئے باقی نہیں رہتی کہ وہ حضورؐ کے حکم سے سرتابی کر کے بطور خود کوئی ترتیب قائم کرے۔ نہ حضرت عثمانؓ خود ایسا کر سکتے تھے اور نہ کوئی صحابیؓ انہیں ایسا کرنے دیتا۔ (مترجم)

(۱۲)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں باغیوں کا جو فتنہ اٹھا وہ اتنا زبردست تھا کہ اس نے اسلامی اتحاد کو ہمیشہ کے لیے پارہ پارہ کر کے رکھ دیا اور اگر اللہ کا خاص فضل شاملِ حال نہ ہوتا تو اسلام اس صدمۂ عظیمہ سے ہرگز جانبر نہ ہو سکتا۔ یہ بھی خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر تھا کہ رومی شاہنشاہی اور ایرانی بادشاہت حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور جو کچھ ان دونوں میں دم درود باقی تھا وہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ختم ہو گیا تھا۔ اگر خدانخواستہ ان دونوں طاقتوں کے خاتمے سے پہلے اسلام میں یہ فتنہ نمودار ہو جاتا تو یقین تھا کہ ان دونوں عظیم سلطنتوں کی فوجیں جزیرہ عرب پر دھاوا بول دیتیں اور اسلامی سلطنت کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتیں۔

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں مہاجرین قریش کے ممتاز لوگوں پر بغیر اجازت مفتوحہ علاقوں کے دیار و امصار میں جانے پر پابندی لگا دی تھی جس پر انہوں نے ناراضی کا اظہار کیا اور آپ سے اس پابندی کی شکایت کی لیکن حضرت عمرؓ پر اس ناراضی اور اس شکایت کا کوئی اثر نہ ہوا اور آپ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں نئے نئے شہروں میں جا کر ان پر عصبیت غالب نہ آ جائے اور یہ پھر اپنی قدیم جاہلی عصبیت پر نہ اتر آئیں۔

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے وہ احتیاط نہ برتی جو حضرت عمرؓ نے برتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مدینہ جوق در جوق دوسرے ملکوں اور شہروں میں جانے لگے۔ انہوں نے اپنے سامنے ایک جدید دنیا اور سرتاپا نئی چیزیں دیکھیں ان کو ایسی زندگی اور ایسی معاشرت سے واسطہ پڑا جس سے وہ بالکل ناآشنا تھے۔ ان نئی چیزوں، نئی معاشرت اور نئے تہذیب و تمدن نے انہیں ایسا لبھایا کہ وہ وہیں کے ہو رہے۔ مفتوحہ ملک کے باشندے جنہیں اسلام میں کوئی سبقت کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ ان کے پاس آنے لگے۔ ان سے راہ و رسم بڑھانے اور ان کے فاتح ہونے کی وجہ سے ان کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اس چیز نے ان کے دماغوں میں بڑائی اور بزرگی کا احساس پیدا کر دیا۔ یہ پہلی کمزوری تھی جو اسلام میں ظاہر ہوئی اور عصبیت کا پہلا مظاہرہ تھا جس نے اس اسلامی مساوات کے اصول کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا جس کی رو سے تمام مسلمان ایک ہی لڑی میں منسلک تھے اور کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی۔

شبلی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قریش بہت اکتا گئے تھے کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو مدینہ سے باہر جانے سے منع کر رکھا تھا اور وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے اس بات سے بہت ڈر لگتا ہے کہ کہیں تم لوگ شہروں میں جاکر منتشر نہ ہو جاؤ۔

اگر ان مہاجرین میں سے جن کو آپ نے مدینہ میں روکا ہوا تھا کوئی شخص آپ سے جنگ میں جانے کی اجازت چاہتا تو آپ اس سے کہتے کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں جو حصہ لیا تھا وہی تمہارے لئے کافی ہے اور اب تمہارے لئے جنگ سے زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ نہ تم دنیا کو دیکھو اور نہ دنیا تمہیں دیکھے۔

جب حضرت عثمانؓ نے ان کو ڈھیل دی اور وہ دوسرے ملکوں میں پھیل گئے تو وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ حضرت عثمانؓ کو خلیفہ ہوئے ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ قریش کے ان لوگوں نے ان شہروں میں اپنی جائدادیں بنا لیں۔ چونکہ لوگ ان کے پاس کثرت سے آتے تھے اور فاتح ہونے کی وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے اس لئے ان میں جاہلیت کی پرانی باتیں پھر عود کر آئیں اور پرانی عصبیت پھر ابھر آئی۔ حالانکہ اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت منع فرمایا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عمرؓ کی قریش کو روکنے کی پالیسی نہایت دور اندیشی پر مبنی تھی۔ کیونکہ سنتِ بشری کے مطابق ایک فاتح قوم کے افراد کی طرح ان کی بھی یہ خواہش تھی کہ وہ بھی کسی دن خلافت کی کرسی پر متمکن ہو جائیں۔ لیکن اس وقت کا رائج الوقت جمہوری نظام الٰہی کی اس خواہش میں سب سے بڑی روک تھا۔ مدینہ کا ماحول

ایسا تھا کہ ان کے لئے خلافت کے خلاف کوئی سازش یا ہنگامہ برپا کرنا ممکن نہ تھا۔ مدینہ میں کسی ایسے شخص کے داخل ہونے ہی کی گنجائش نہ تھی جو وہاں کے باشندوں میں تفرقہ اور فساد ڈلوا سکے لیکن دوسرے شہروں میں یہ بات بڑی آسانی سے میسر آسکتی تھی اور وہاں فساد کے بیج بونے، لوگوں کو بغاوت پہ اکسانے اور مختلف علاقوں کے عمال پر نکتہ چینی کرنے کا موقع ہر وقت پیدا کیا جا سکتا تھا۔

قریش اس زمانہ میں اپنے آپ کو سارے جہان سے افضل سمجھتے تھے۔ اپنے علاوہ کسی اور کی امارت ان کو سخت ناگوار تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ حکومت میں ان کا حق اپنے ایرے غیرے کسی صورت میں بھی کم نہیں بلکہ وہ اس سے زیادہ امارت کے مستحق ہیں۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت اور آپ کی زندگی میں ناممکن تھا۔ اس زمانہ میں کسی قریشی یا غیر قریشی کو سر اٹھانے یا بغاوت برپا کرنے کا خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ حضرت عمرؓ کے مقابلہ میں بہت زیادہ نرم دل تھے اور اسی نرم دلی اور کمزوری سے بدطینت لوگوں نے فائدہ اٹھا کر ملت اسلامیہ میں تفرقہ انگیزی اور افتراق و انشقاق کے بیج بوئے۔

حضرت عثمانؓ نے قریش کو نہ صرف مختلف ممالک میں جانے کی اجازت دے دی جس پر حضرت عمرؓ نے پابندی لگا رکھی تھی بلکہ اس کام میں ان کی مدد بھی کی۔ حضرت عثمانؓ کا نظریہ یہ تھا کہ ایسا کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ اگر کہیں کوئی فتنہ نمودار ہوا اور تفرقہ کی آگ بھڑکی تو ان کے ذریعہ سے اس فتنہ کا سر کچلنے، اس آگ کو بجھانے اور حکومت کو مضبوط کرنے کا کام لیا جا سکے گا۔ لیکن ان کا یہ پہلا خیال ہی غلط نکلا۔

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ۳۳ھ میں آپ کو سعید بن العاص نے یہ رپورٹ بھیجی کہ کوفہ میں بے چینی پھیل رہی ہے اور وہاں کے باشندے فتنہ و فساد کی تیاریوں میں مشغول ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے ان لوگوں کو تیار کرنا شروع کیا جنہوں نے عراق کی فتوحات میں حصہ لیا تھا اور عراق کے اموال میں ان کا حصہ ہونے کے علاوہ وہاں ان کی جاگیریں بھی تھیں۔ لوگ بہت خوش ہوئے۔ خود انہوں نے ان کے باہر جانے کے لئے ایسا سامان کر دیا تھا جو ان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا۔

اس موقعہ سے بعض قریش نے بھی فائدہ اٹھایا اور اس کو غنیمت جانتے ہوئے ان لوگوں سے جن کی عراق میں جائدادیں تھیں اپنی حجاز والی جائدادوں کا تبادلہ کرنا شروع کر دیا چنانچہ طلحہ بن عبیداللہؓ نے اپنی خیبر اور حجاز کی جائداد کا تبادلہ ایک ایسے شخص سے کیا جس کی قادسیہ اور مدائن میں جائداد تھی لیکن اس نے عراق میں رہنے کی بجائے مدینہ میں سکونت اختیار کرنے کو ترجیح دی تھی۔ مروان کو جو جاگیر حضرت عثمانؓ سے ملی تھی اس کو [illegible]

یہ سلسلہ چل نکلا اور سینکڑوں لوگوں نے اپنی جائداد کے تبادلے دوسرے ممالک کے لوگوں کی جائدادوں سے کرلئے۔ اس طرح قریشیوں کو اپنے گھروں سے نکلنے اور دوسرے شہروں میں جاکر آباد ہونے کا موقع مل گیا۔

جب اس طرح بڑے بڑے قریشی دوسرے شہروں میں جاکر آباد ہوئے تو جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے وہاں کے باشندے ان کے پاس آنے جانے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس علاقے کے باشندے اپنے والیوں اور عمال سے متنفر ہونے لگے اور اپنا تعلق ان نوواردوں سے بڑھانے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد انہوں نے یہ کوشش شروع کی کہ اپنے علاقوں کے عمال کی شکایات کرکے ان کی جگہ دوسرے عمال مقرر کرالیں۔ چنانچہ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کو، اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو اور اہل مصر حضرت علیؓ کو اپنا والی بنانے کا مطالبہ کرنے لگے۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے مصر میں نہ کوئی گھر بنایا تھا اور نہ کبھی وہاں گئے تھے لیکن ان کا ایک نہایت ہی قریبی رشتہ دار محمد بن ابوبکرؓ وہاں پہنچ گیا۔ محمد بن ابوبکرؓ حضرت علیؓ کا ربیب تھا کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد محمد کی والدہ سے حضرت علیؓ نے شادی کر لی تھی۔ محمد اس وقت دودھ پیتا بچہ تھا۔ حضرت علیؓ نے اس کی پرورش کی۔ اس لئے محمد بن ابوبکر کو حضرت علیؓ سے خاص تعلق تھا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ فتنے جو مختلف شہروں میں پھوٹے اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کے خلاف جو شورشیں برپا ہوئیں یہ سب اس بات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عثمانؓ نے قریش کے بڑے بڑے لوگوں اور ان کے اعوان و انصار کو مختلف ملکوں میں چلے جانے کی اجازت دے دی تھی اور وہاں کے لوگوں نے جو حضرت عثمانؓ کے مقرر کردہ والیوں کو پسند نہ کرتے تھے ان لوگوں کے پاس آمد و رفت شروع کی اور اپنے والیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یہ چاہا کہ خلافت انہی کی طرف منتقل ہو جائے اور ان کی ولایت بھی انہی میں سے کسی کو مل جائے۔ لیکن چونکہ ہر علاقے کے باشندے علیحدہ علیحدہ اشخاص کے حق میں تھے اور ایک آدمی پر ان کا متفق ہونا ناممکن تھا اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب حضرت علیؓ برسر اقتدار آئے اور عنانِ خلافت اپنے ہاتھ میں سنبھالی تو اگرچہ مصریوں نے ان کی زبردست حمایت کی تھی لیکن دوسرے علاقوں کے لوگ حضرت علیؓ کی خلافت کو برداشت نہ کر سکے اور آپ کی زبردست مخالفت کی۔ آپ کے خلاف بغاوتیں شروع کردیں اور اسی وجہ سے کئی جنگیں بھی ظہور پذیر ہوئیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مسلمان الشقاق و افتراق کے معنوں سے بھی واقف نہ تھے اور تفرقہ کے اسباب موجود نہ ہونے کی وجہ سے وہ آپس میں بھی کسی بات کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ عربوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں کا

سب سے بڑا سبب ان کے رؤساء و امراء کی باہمی چپقلش اور اختلاف تھا۔ اور اس وقت کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو ان معاملات کو بزور اپنی حد کے اندر رکھتا اور آگے نہ بڑھنے دیتا۔ صرف حضرت عمرؓ کی ذات ایسی تھی جن کو نہ مصائب و آلام متاثر کر سکتے تھے نہ پریشانیاں لُوما سکتی تھیں۔ آپ کبھی کسی عظیم شخصیت کے سامنے اس کی عظمت کی بنا پر نہ جھکے اور نہ کسی غریب اور کم حیثیت شخص کو اس کی کم مائیگی کی وجہ سے حقیر جانا۔ کوئی فتنہ ہوتا آپ اس کے نشوونما پانے سے پہلے ہی اس کے اصل بانی پر ہاتھ ڈال کر اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکتے تھے۔ اگرچہ عام لوگوں کے لئے آپ بڑے رحیم و کریم اور شفیق و مہربان تھے لیکن رؤساء و امراء اور وہ لوگ جو عہدوں اور اقتدار کے خواہشمند تھے آپ سے حددرجہ خائف رہتے تھے اور آپ کے ڈر سے جھگڑے یا فساد کا خیال بھی اپنے دل میں نہ لا سکتے تھے۔

حضرت عثمانؓ میں شرم و حیا اور نرمی بہت زیادہ تھی۔ آپ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں اپنی حیا کی وجہ سے بے حد مشہور رہے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ جو شخص بہت زیادہ شرمیلا ہو وہ اگر اپنی خلاف مرضی بھی کوئی بات دیکھے تو شرم کی بنا پر اس سے اغماض اور پہلوتہی برتتا ہے اور اگر اس کو خود بھی کسی سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی خلقی کمزوری کے سبب وہ اس کا کچھ خیال نہیں کرتا اور کوشاں رہتا ہے کہ اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہ ہو جو کسی دوسرے کی تکلیف کا باعث بنے اور اس سے کسی کو رنج پہنچے۔ یہ بات اگرچہ عام اخلاقی لحاظ سے کسی قدر اچھی کیوں نہ ہو لیکن ملکی سیاست میں کسی عنوان فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتی[1]۔ خلافت کی ہیبت اور اس کا ڈر لوگوں کے دلوں پر اس طرح مسلط ہونا چاہئے کہ وہ انہیں ایک خاص حد سے باہر نہ نکلنے دے۔

حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمانوں میں جو باہمی اُلفت و محبت اور اتحاد تھا اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ لوگ جہاد میں مشغول رہتے تھے اور ایک علاقہ کے بعد دوسرے علاقہ کو فتح کرنے کے لئے نکل جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ جو قوم ہر وقت جنگوں میں ہی مشغول رہے گی اس کی ساری توجہ ان نتائج و عواقب پر ہی مرکوز رہے گی جو جنگ کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اور اس صورت میں آپس میں افتراق و انشقاق کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہو گا

---

[1] اگرچہ یہ بات ٹھیک ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے معاملہ میں بہت نرم دل انسان تھے اور جہاں تک آپ کا بس چلتا تھا نرمی اور عفو و درگذر سے کام لیتے تھے لیکن شرعی حدود کے قائم کرنے میں بہت سخت تھے اور اس میں کسی کی رو رعایت نہ کرتے تھے۔ (مترجم)

اگر حضرت عثمانؓ کے وقت میں بھی فوجیں جنگ میں مشغول رہتیں اور قوم کی ساری توجہ انہی جنگوں کی طرف مبذول رہتی تو فتنہ و فساد پیدا نہ ہو سکتا تھا۔

ابن خلدون کی رائے اس معاملہ کے متعلق یہ ہے کہ جب فتوحات ختم ہو گئیں اور ملتِ اسلامیہ کو اکثر ممالک میں اقتدار حاصل ہو گیا تو عرب اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں جا کر آباد ہو گئے۔ ان لوگوں میں صحابہ کرام بھی تھے اور مہاجرین و انصار بھی۔ قریش بھی تھے اور اہلِ حجاز بھی۔ اور یہ سب وہ لوگ تھے جن کے ہاتھوں یہ ممالک مفتوح ہوئے تھے۔ صحابہ کرام کے علاوہ عرب کے باقی قبائل بنی بکر بن وائل عبد القیس، ربیعہ، ازد، کندہ، تمیم، قضاعہ وغیرہ اس صحبت سے بہرہ ور نہیں تھے جس صحبت سے صحابہ کرام بہرہ ور تھے۔ لیکن ان لوگوں کا فتوحات میں بہت بڑا حصہ تھا۔ ان لوگوں نے چاہا کہ ہمیں ہماری خدمات کا پورا پورا معاوضہ ملے اور ان ممالک پر ہمارا ہی دبدبہ اور ہماری ہی حکمرانی ہو۔ اصل میں ان لوگوں میں حقیقی طور پر اسلام بھی نہ پھیلا تھا اور یہ لوگ نبوت، نزولِ وحی اور نزولِ ملائکہ کے مسئلہ میں بڑے تردد اور کشمکش و پیچ میں تھے۔

جب دشمن ہر طرح مطیع و منقاد ہو گیا اور متعدد ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے تو جاہلیت کی رگ پھر ان میں پھڑکنے لگی اور جا بجا عصبیت کے مظاہرے ہونے لگے۔ خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ مہاجرین، انصار اور قریش ہی ان پر حکمران ہیں تو ان حکمرانوں سے ان کی بیزاری کا یہ جذبہ یہاں تک بڑھا کہ وہ کھلم کھلا عمال اور والیوں کے خلاف جھوٹی باتیں منسوب کر کے انہیں بدنام کرنے، ان کے احکام ماننے سے انکار کرنے اور حضرت عثمانؓ سے بار بار ان کو بدلنے اور معزول کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ انہوں نے عمال اور ولاۃ کے فرضی مظالم کے افسانے کثرت سے گھڑ گھڑ کر پھیلانے شروع کئے۔ جب مدینہ میں یہ خبریں پہنچیں، تو حقیقتِ حال سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحابہؓ نے حضرت عثمانؓ پر زور دینا شروع کیا کہ وہاں امراء کو جن کی برطرفی پر زور دیا جا رہا ہے معزول کر دیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ شکایت کرنے والے اپنی شکایتوں اور الزامات میں سچے ہیں لیکن صورتِ حال اس کے بالکل برعکس تھی کیونکہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرنے والوں کو ان علاقوں میں تفتیش کے لئے بھیجا تو انہوں نے وہاں کے باشندوں پر مبینہ مظالم اور زیادتیوں کا نام و نشان تک نہ پایا بلکہ خود وہاں کے لوگ انہیں فساد پر کمربستہ اور بغاوت پر آمادہ نظر آئے۔ وہ کھلم کھلا افتراق و انشقاق پھیلا رہے تھے، بغاوت کی تیاریوں میں مشغول تھے اور اپنا اقتدار قائم کرنے اور اس وقت کے حاکموں کا اقتدار خاک میں ملانے کی کوشش کر رہے تھے۔"

---

(۱۳)

مستشرقین اور فتنہ

مستشرقین کا اسلام میں پیدا شدہ فتنوں کے بارہ میں یہ خیال ہے کہ ان کے محرک دراصل پرانے جھگڑے اور اختلافات تھے جو زمانۂ جاہلیت میں عرب کے مختلف قبائل میں موجود تھے۔ اسلام کے بعد جو عربی حکومتیں قائم ہوئیں ان کے زوال کا واحد سبب بھی یہی باہمی جھگڑے اور اختلافات تھے۔

ڈوزی کہتا ہے "قبائل عرب کے یہ باہمی جھگڑے ہی' جو زمانۂ جاہلیت سے چلے آرہے تھے حکومت اندلس (جس کو بجا طور پر ہم عربی حکومتوں میں طاقت و قوت اور شان و شوکت کے اعتبار سے سب سے بڑی حکومت کہہ سکتے ہیں) کے زوال کا باعث ہوئے۔ یہی موروثی اختلافات تھے جو قبیلوں اور خاندانوں میں وراثتاً جاری تھے اور انہی کی بدولت بڑی بڑی بادشاہیاں اور حکومتیں تباہ و برباد ہو گئیں۔ بنو ہاشم کی حکومت کو بنو امیہ نے ختم کر دیا اور بنو امیہ کی حکومت کو خاندان عباسیہ نے مٹا دیا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتی کہ جب یورپین اقوام نے یہ دیکھا کہ مسلمانوں میں باہمی خانہ جنگی پھیلی ہوئی ہے تو انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونک کر ان کو ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما رکھا۔ رفتہ رفتہ اسی خانہ جنگی اور طوائف الملوکی میں خلافت عربوں کے ہاتھ سے نکل گئی اور اندلس یورپی اقوام کے زیر تسلط آگیا۔"

ڈوزی اپنے بیان کی تائید میں مثالیں دیتا ہوا پہلے یمنیوں اور معدیوں کے اختلافات کا ذکر کرتا ہے پھر خوارج اور شیعیوں کے درمیان جنگ وجدل کے واقعات بیان کرتا ہے۔ پھر کلبیوں اور قیسیوں کے باہمی جھگڑوں کو مثال میں پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ بتلاتا ہے کہ اسی خانہ جنگی کی بدولت عبدالرحمٰن اول کو اندلس پر قابض ہونے کا موقع ملتا ہے اور اس طرح اندلس میں دولتِ امویہ قائم ہو جاتی ہے۔

ڈوزی دولتِ امویہ کے قیام کے بعد بھی اندلس میں عربی قبائل کے باہمی اختلافات کا جائزہ لیتا ہوا یورپی اقوام کے ہاتھوں اس عظیم عربی شہنشاہی کی بربادی تک پہنچتا ہے۔ کاش اگر ان میں یہ موروثی اختلافات نہ ہوتے تو ان کو یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔

جب یہ اختلافات صحراؤں اور سمندروں کو قطع کر کے تہذیب وتمدن کی آماجگاہ سرزمین اندلس تک پہنچ سکتے ہیں تو حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان کیوں نہیں ہو سکتے[۱]۔ حالانکہ عربی عصبیت کا زور اس وقت بہت شدید تھا اور جاہلیت کی آگ بجھی نہ تھی۔

ڈوزی ایک اور کتاب میں اسلام کی نشاۃِ اولیٰ، مدینہ میں خلافت کے قیام اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے واقعات پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اگرچہ اسلام کو اپنی متواتر فتوحات اور کامیابیوں کے دوران میں کوئی سخت مقابلہ پیش نہیں آیا۔ پھر بھی مکہ کے سرداروں اور عرب میں شخصی حکومت کے حامیوں نے اس نئے دین کے مددگاروں کی ان کامیابیوں کو کبھی معاف نہیں کیا جو مسلمانوں نے ان پر حاصل کی تھیں اور انہوں نے کبھی صدقِ دل سے اس غلبہ کو قبول نہیں کیا جو توحید پرست رسول نے ان پر قائم کیا تھا۔

مختلف قبائل اور خاندانوں میں کسی بات پر جھگڑے کھڑے ہو جاتے تھے۔ ظاہر تو یہ کیا جاتا تھا کہ یہ جھگڑے محض شخصی جھگڑے ہیں اور ان سے قوم کے اتفاق اور اتحاد میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا؛ جھگڑے کسی خاص غرض کو سامنے رکھ کر کئے جاتے تھے اور اسی غرض اور مدعا کے گرد تمام تنازعات چکر لگاتے تھے۔

---

[۱] اس امر میں کوئی صداقت نہیں کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ میں کوئی اختلاف تھا۔ حضرت علیؓ نے ہر موقع پر حضرت عثمانؓ کی مدد کی ہے اور باغیوں کے مقابل ہر دفعہ حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا ہے۔ پھر یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ اس فتنہ کے بھڑکانے میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھا اور وہ در پردہ حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیوں کی امداد کیا کرتے تھے؟ (مترجم)

اس امر کا علانیہ ظہور اس وقت ہوا جب حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ۲۴ھ؁ میں زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کی عمر ستّر سال کی تھی۔ وہ بہت حلیم، نرم مزاج اور ضعیف الارادہ تھے۔ مکّہ کی ممتاز شخصیتوں، ان کے خاندانوں اور بنو امیہ پر ان کا بہت زبردست اثر تھا۔ یہ لوگ وہ تھے جنہوں نے بیس سال تک محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی تھی اور آخر کار مجبور ہو کر اسلام لائے تھے۔ ان کے ایمان کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔ لیکن ان لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بڑے بڑے عہدے حاصل کئے اور جس دن آپ شہید کئے گئے وہ دن ان کے لئے سخت ماتم کا دن تھا۔"

انگریزی مؤرخ سر ولیم میور لکھتا ہے[1]:

"حضرت عثمانؓ نے بارہ سال تک حکومت کی۔ عربی مصنفین بالاتفاق یہ بات لکھتے ہیں کہ آپ کی خلافت کے ابتدائی چھ سال نہایت اطمینان اور آرام کے تھے لیکن آخری چھ سال بڑے اضطراب اور پریشانیوں میں کٹے کسی حد تک یہ بات ٹھیک بھی ہے لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کراہت اور بغاوت کے اسباب حضرت عثمانؓ کی ابتدائے خلافت ہی سے کارفرما تھے اور اس کے محرکات حسبِ ذیل تھے:

(۱) وہ دشمنی جو تمام عربی قبائل اور قریش کے درمیان قائم تھی۔

(۲) بغض و عداوت کی وہ آگ جو ہمیشہ بنی ہاشم اور بنی امیہ میں بھڑکتی رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عثمانؓ اموی اور بنو امیہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔

عربی فوجیں جو اپنی عظمت کے نشہ میں چور تھیں اور فتح و نصرت کے ثمرات سے بہرہ ور ہو چکی تھیں اب تمام سلطنت میں پھیلی پڑی تھیں۔ شام میں ان کی باگ ڈور کلی طور پر حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں تھی اور ان کی مرضی کے خلاف فوج کچھ نہ کر سکتی تھی۔ حضرت معاویہؓ کے اثر و اقتدار اور قوت کا اصل باعث ان کے وہ زبردست اہلِ وطن تھے جو مکہ اور مدینہ کو چھوڑ کر دمشق اور اس کے مضافات میں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن بقیہ علاقوں اور شہروں کی حالت اس کے برعکس تھی، وہاں کوئی ایسا زبردست ہاتھ نہ تھا جو عربی قبائل کو تھامے رکھتا۔ وہ طاقت اور حکومت کے گھمنڈ اور نشہ میں تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی شخص بھی ان پر حکمرانی اور برتری کا دعویٰ نہ کرے۔ کوفہ اور بصرہ میں تو خصوصاً عصبیت اور فتنہ انگیزی کی روح ترقی پذیر تھی۔ یہی دو شہر تھے جہاں

---

[1] "خلافت" از سر ولیم میور صفحہ ۱۹۹، ۲۰۰

حضرت عمر رض کے زمانہ میں سب سے پہلے عصبیت اور افتراق و انشقاق کی یہ روح پیدا ہوئی اور حضرت عمر رض بھی اس سرکشی اور کج روی کی روک تھام نہ کر سکے۔ وہ لوگ اس منظم حکومت سے تنگ آچکے تھے ایک تو اس وجہ سے کہ اسلام کی کامیابی ان کی تلواروں سے ہوئی تھی اور وہ اپنی فتوحات کا ثمر حاصل کرنا چاہتے تھے دوسرے اس لئے کہ اسلام نے اخوت اور مساوات کی آواز اٹھا کر ہر مومن خصوصاً ان لوگوں کو جن کی رگوں میں عربی خون دوڑ رہا تھا ایک ہی صف میں لاکر کھڑا کر دیا تھا اور ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں دی تھی۔ اسلام نے ان لوگوں کو جو حقوق عطا کئے تھے ان کی رو سے کسی مسلمان کو کسی پر برتری جتانے کی اجازت نہیں تھی۔

خلفاء نبی علیہ السلام کے جانشین ہونے کی وجہ سے اپنے کام میں آزاد تھے۔ وہ کسی دستوری حکومت کے ماتحت نہیں ہوتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ رائے عامہ کی قدر کرتے تھے اور اس کے آگے جھک جاتے تھے۔ وہ نہ صرف اپنے اردگرد کے سرکردہ اشخاص سے ہر موقعہ پر مشورہ لیتے تھے بلکہ اپنے عمال کو بھی اس بات پر مجبور کرتے تھے کہ وہ سرکردہ اشخاص سے مشورے طلب کرتے رہا کریں اور ان کی رائے پر چلا کریں لیکن عرب قبائل ان امتیازات کو برداشت نہ کر سکے اور یہی چیز کوفہ اور بصرہ میں فساد و فتنہ بھڑکانے کا باعث بنی۔ اس طرح ایک ایسی فضا پیدا ہو گئی جو حکومت اور قریشی اقتدار سے عناد و عداوت سے بھرپور تھی۔

دوسری وجہ اگرچہ اسلام کو زیادہ نقصان پہنچانے والی نہیں تھی لیکن خلافت اور خصوصاً حضرت عثمان رض کی شخصیت کے لئے بہت زیادہ خطرہ کا باعث تھی۔ اگر قریش تخت خلافت کے گرد وفاداری سے مجتمع رہتے تو ضرور وہ عربی عصبیت کی روح کو پیدا ہوتے ہی فنا کر ڈالتے۔ لیکن حضرت عثمان رض کی کمزوری اور اپنے رشتہ داروں کی طرفداری نے بنی ہاشم میں حسد کی روح پھونک دی اور انہوں نے حضرت علی رض اور خاندان رسول ص کے حقوق کے تحفظ کی آواز بلند کرنی شروع کر دی۔ ساتھ ہی وہ بنو امیہ کی اس شاخ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگے جس سے حضرت عثمان رض تعلق رکھتے تھے۔ یہ شاخ بدقسمتی سے بنو امیہ کی وہ شاخ تھی جس نے سب سے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعتراف کیا تھا۔ حضرت عثمان رض انہی لوگوں کو داد و دہش سے نوازا کرتے اور ان پر انعامات کی بارش کیا کرتے تھے جو اوائل اسلام میں اسلام کے بدترین دشمن تھے۔ اور اس کے مقابلے میں آچکے تھے۔ ان لوگوں کی دشمنی کے زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متعلق جو باتیں فرمائی تھیں وہی باتیں لوگ پھر ان کے متعلق کرنے لگے۔ اس طرح جہاں ان لوگوں کی خفت اور رسوائی ہونے لگی وہاں حکومت

بھی ندامت و بدنامی سے نہ بچ سکی جس نے ان لوگوں کو طاقت اور عزت بخشی تھی۔ اس طرح قریش ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ رقابت نے ان کے اثر و نفوذ کو کمزور کر دیا اور حضرت عثمانؓ ان لوگوں کی مدد سے محروم ہو گئے جو شدید مخالفت اور بغاوت کی اس روح کو کچل سکتے تھے جس نے دور کے شہروں میں اپنا اثر قائم کر لیا تھا۔"

"ہسٹورینز ہسٹری آف دی ورلڈ" میں (جو دنیا بھر کی تاریخی معلومات کا ایک نہایت ضخیم مجموعہ ہے) لکھا ہے:

"شروع سے لے کر اب تک بلادِ اسلامیہ شخصی اور جابر حکومتوں کے نیچے دبے پڑے ہیں لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ خلفاء راشدین کی حکومت بالکل جمہوری طریقوں سے کام کرتی تھی اور تمام مسلمان رعایا حقوق و واجبات میں برابر تھی۔ کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہ تھی۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر شخص کو حکومت میں عمل دخل تھا وہ اس طرح کہ خلفاء بغیر اہل الرائے سے مشورہ لئے کوئی کام نہیں کرتے تھے۔

خواہ کچھ بھی ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ نظامِ حکومت کے ٹھوس بنیادوں پر قائم رہنے کے امکانات نہیں تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بہترین سیاست اور حضرت عمرؓ کی سخت گیری نے اس نظام کو مضبوطی سے قائم رکھا لیکن حضرت عثمانؓ ان صفات سے کامل طور پر متصف نہیں تھے جن صفات سے ان کے دونوں پیشرو بہرہ ور تھے۔ ان صفات کی غیر موجودگی میں ناممکن تھا کہ اس زمانہ میں عرب میں کامل طور پر امن بحال رہ سکتا اور مضبوط حکومت قائم ہو سکتی۔

حضرت عثمانؓ کی اس کمزوری کی وجہ سے جو خلافت کے زمانہ میں آپ سے ظاہر ہوئی، ملک میں گروہ بندیاں قائم ہو گئیں۔ ہر گروہ نے ایک نئے والی اور نئے خلیفہ کا مطالبہ شروع کر دیا۔ ان گروہوں میں کئی صحابہ اور کئی با اثر و بار سوخ آدمی بھی شامل تھے۔"[1]

اس کے بعد یہ مؤلف اس بغاوت کا ذکر کرتا ہے جو بلادِ اسلامیہ میں رونما ہوئی۔ اور بتلاتا ہے کہ کس طرح مختلف علاقوں کے باشندے مدینہ پر چڑھ آئے اور خلیفہ کو اپنے مطالبات منظور کر لینے پر مجبور کرنے لگے۔ پھر ان لوگوں نے دار الخلافہ پر چڑھ آنے کے بعد حکومت کی کمزوری کو محسوس کیا اور اپنی قوت اور

---

[1] یہ غلط ہے۔ نہ کسی صحابی نے نئے خلیفہ کا مطالبہ کیا، نہ باغیوں سے ہمدردی کا اظہار کیا اور نہ فتنہ و فساد کو ہوا دی
(مترجم)

حکومت کی کمزوری کے احساس کے سبب انہوں نے کس طرح سرکشی اور فساد پر کمر باندھ لی ۔ مؤلف لکھتا ہے کہ اگر مدینہ کی حکومت بزور ان کو مدینہ سے نکال دیتی، ان کے سرغنوں کو جلاوطن کر دیتی اور ان فسادیوں اور باغیوں کو منتشر کرنے میں تلوار کا استعمال کرتی تو یہ مفسدہ پرداز صحابہؓ اور باشندگان مدینہ کی نظروں کے سامنے کبھی حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کرنے کی جرأت نہ کرتے اور معاملہ خلیفہ کی شہادت اور حکومت اسلامیہ کی تباہی تک نہ پہنچتا۔

---

(۱۴)

قریش میں اختلافات

ہم نے پچھلے ابواب میں اختلافات کے مختلف اسباب پر جو بحث کی ہے اس سے ناظرین کافی حدتک اس بدنظمی سے روشناس ہو گئے ہوں گے جو اس زمانہ میں رونما ہوئی تھی اور ان حالات کا علم انہیں اچھی طرح ہو چکا ہو گا جو قریش کے باہمی اختلافات سے پیدا ہوئے تھے۔

یہ قریش کا باہمی اختلاف ہی تھا جو اس اضطراب کے پیدا ہونے اور بغاوت کے پھیلنے کا بنیادی سبب بنا۔ اگر قریش متحد ہوتے، ان کی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہوتا۔ ان کے کینے دبے رہتے تو یہ ناممکن تھا کہ باغی مدینہ میں حضرت عثمان کے گھر کا محاصرہ کر لیتے اور اپنے اغراض و مطالبات کو قوت اور طاقت کے بل پر خلیفہ، اہلِ شوریٰ اور کبار صحابہ کے سامنے پیش کرتے۔

سب سے پہلے اختلاف کا اظہار جس نے قریش کو ٹکڑے ٹکڑے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا اس وقت ہوا جب ان کی ممتاز شخصیتوں کے درمیان اقتدار حاصل کرنے کے لئے کشمکش اور عداوت پیدا ہوئی۔ حضرت عثمان رضؓ نے اپنے زمانہ میں بعض عمال کو بدل دیا تھا اور بعض کو معزول کر دیا تھا۔ مثلاً حضرت سعد بن وقاص کو کوفہ سے حضرت عمرو بن العاص کو مصر سے، حضرت ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے واپس بلا لیا تھا اس سے ان کے دلوں میں

جذبۂ انتقام پیدا ہو گیا[1] اور انہوں نے حضرت عثمانؓ اور ان کے مقرر کئے ہوئے عمال کے خلاف پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو بھی ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور وہ ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے۔

اگر امت کے ممتاز اشخاص باہمی عداوت سے باز رہتے اور مصالح عامہ کے پیش نظر آپس میں تعاون سے کام لیتے تو ان کا اتحاد کبھی یہ فسادات اور بغاوتیں برپا نہ ہونے دیتا لیکن جب دلوں میں کینے گھر کر جائیں، محبت کی جگہ عداوت اور نفرت لے لے، ایک دوسرے کی مدد کرنے کی بجائے حسد پیدا ہو جائے تو فتنوں، فسادات، اضطراب اور بے چینی کے لئے آپ سے آپ راہیں کھل جاتی ہیں۔ یہی حال مدینہ کا بھی ہوا۔ اگر ان حالات کی چھان بین کی جائے اور حضرت عثمانؓ کے حق میں جو باتیں وہاں کے سربرآوردہ لوگ آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے کرتے سنتے ان پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ سے نفرت میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور بعض نے تو آپ کا لقب ہی "نعثل" رکھ دیا تھا (نعثل ایک مصری تھا جس کی داڑھی بہت لمبی تھی۔ اس سے حضرت عثمانؓ کو مشابہت محض آپ سے نفرت اور ناگواری کی وجہ سے دی جاتی تھی) اور تو اور بڑے بڑے صحابہؓ بھی ایسی باتیں علانیہ عام لوگوں کے سامنے کہتے تھے[2]۔ ظاہر ہے کہ یہ باتیں اضطراب، بے چینی اور بغاوت کو بڑھانے والی ہی ہوتی تھیں۔ انہوں نے حکومت اسلامیہ کو جسے اس وقت حضرت عثمانؓ اور آپ کے والی اور عمال چلا رہے تھے سخت نقصان پہنچایا۔

حضرت عمروؓ بن العاص اپنی معزولی کی وجہ سے حضرت عثمانؓ سے بہت ناراض تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف اپنے دل میں کینہ و بغض لئے مصر سے آئے اور جب مدینہ پہنچے تو آپ سے ملنے گئے۔ اس وقت وہ ایک یمنی جبہ

---

[1] ایسے جلیل القدر صحابہؓ کے متعلق یہ الزام محض ایک اتہام ہے اور تاریخ سے کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ فتنہ بھڑکانے میں ان حضرات کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ فتنہ بھڑکانے میں کوئی مدد نہیں کی بلکہ ہر موقعہ پر فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کی اور باغیوں کو سخت ترین سزائیں دینے کے متعلق حضرت عثمانؓ پر زور دیا۔ (مترجم)

[2] صحابہؓ پر حضرت عثمانؓ کی مخالفت کا اتہام کسی صورت میں بھی نہیں لگایا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر موقعہ پر انہوں نے نہایت جاں نثاری سے حضرت عثمانؓ کا ساتھ دیا۔ ان کی تصدیق کی اور انہیں باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دیا۔ حتیٰ کہ مدینہ پر باغیوں کے قبضہ کے بعد بھی اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر ان کا مقابلہ کیا۔ کیا ایسے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کا مخالف قرار دیا جا سکتا ہے؟ سبحانک ھذا بھتان عظیم۔ (مترجم)

پہنے ہوئے تھے جس کے اندر روئی بھری تھی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہارے جُبّہ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا "عمرو بن العاص" حضرت عثمانؓ نے کہا "میں نے یہ تو نہیں پوچھا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے ہیں یا کچھ اور؟"

اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ تم عبداللہ بن ابی سرح کو جسے میں نے مصر میں تمہارا نائب بنا کر بھیجا تھا کس حالت میں چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا "جس طرح آپ نے چاہا"۔ حضرت عثمانؓ نے کہا "کیا مطلب؟" حضرت عمرو بن العاص نے جواب دیا "اپنے بارے میں خوب مضبوط، اللہ کے بارے میں کمزور اور ضعیف!"

حضرت عثمانؓ نے کہا "میں نے تو اسے حکم دیا تھا کہ وہ تمہاری اطاعت کرے"۔ انہوں نے جواب دیا "آپ نے اسے ناحق اتنی ناقابلِ برداشت تکلیف دی"۔

اس گفتگو سے حضرت عمرو بن العاص کی حضرت عثمانؓ اور مصر کے جدید والی سے شدید ناراضگی ظاہر ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بہتر اور زیادہ تجربہ کار خیال کرتے تھے۔

حضرت عمرو بن العاص ایک ذکی اور انتہائی ہوشیار انسان تھے۔ انہوں نے اپنی ذکاوت سے اس اضطراب اور بے چینی کو معلوم کر لیا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف پیدا ہو رہی تھی۔ وہ مدینہ سے چلے گئے، فلسطین میں جا کر رہائش اختیار کر لی اور وہاں انتظار کرنے لگے کہ دیکھئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ وہ مدینہ کے بار بار چکر لگاتے رہتے تھے تاکہ حالات کا بنظرِ غائر مطالعہ کر سکیں۔ حضرت عثمانؓ ان کی ذکاوت اور پیش بینی کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ چنانچہ جب کبھی وہ مدینہ آتے آپ ان سے معاملاتِ حکومت میں مشورہ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے ملکی حالات کے متعلق ان کی رائے دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا:

"میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان باغیوں سے بہت نرمی کا سلوک کر رہے ہیں اور انہیں ڈھیل دے رکھی ہے حالانکہ آپ کو چاہیئے کہ اپنے پیشرو کا طریقہ اختیار کریں اور سختی کے موقع پر سختی اور نرمی کے موقع پر نرمی برتیں۔ ان لوگوں کے ساتھ سختی ضرور کرنی چاہیئے جو لوگوں کے ساتھ برائی کرنے سے باز نہ آئیں۔[1]

---

[1] قابلِ غور امر اس جگہ یہ ہے کہ جو شخص باغیوں کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو اس کی نسبت یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا مخالف تھا۔ اگر حضرت عمروؓ بن العاص حضرت عثمانؓ کے مخالف ہوتے (بقیہ صفحہ ۹۹ پر)

اور ان لوگوں سے نرمی برتنی چاہئے جو سارے کام صلح صفائی سے طے کرنا چاہیں۔ لیکن آپ ہر ایک سے نرمی برت کے سب کے ساتھ یکساں سلوک کر رہے ہیں۔"

ایک دن حضرت عثمانؓ نے پھر حضرت عمروؓ بن العاص سے اس فتنہ کے متعلق ان کی رائے معلوم کی جو بلادِ اسلامیہ میں تیزی سے پھیل رہا تھا۔

انہوں نے جواب دیا: "آپ نے بنی امیہ کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دیا ہے۔ میں بھی کہتا ہوں اور لوگ بھی کہ آپ بھی اصل راستے سے ہٹ گئے ہیں اور آپ کے عمال و شرکاء بھی۔ آپ میانہ روی اختیار کیجئے اور ان کو معزول کر دیجئے۔ لیکن اگر آپ یہ نہیں مانتے تو اپنے ارادہ پر قائم رہیئے اور جس طرح کام چلتا ہے اسے چلتا رہنے دیجئے۔"

طبری کی روایت ہے کہ حضرت عمرو بن العاص اپنی معزولی کے بعد سے حضرت عثمانؓ پر اعتراض کرنے لگے تھے جب حضرت عثمانؓ نے سُنا تو انہیں بلا بھیجا اور اس طرح گفتگو شروع کی:

"میں نے سُنا ہے تم مجھ پر اعتراض کرتے رہتے ہو۔ میرے سامنے تمہارا طرزِ عمل اور ہوتا ہے اور میرے پیچھے اور!"

(بقیہ صفحہ ۹۸) اور ان کو اپنے معزول کئے جانے کے متعلق حضرت عثمانؓ سے کینہ ہوتا تو کیا وہ باغیوں کا سر کچلنے کا مشورہ دے سکتے تھے۔ ایسا شخص تو خدا سے چاہتا ہے کہ فتنہ و فساد کا کوئی موقعہ پیدا ہو۔ اس شخص کے خلاف بغاوت کھڑی ہو اور میں اس سے فائدہ اٹھاؤں۔ اگر حضرت عمرو بن العاص کو حضرت عثمانؓ سے کینہ اور مخالفت ہوتی تو وہ اس موقع پر باغیوں کا ساتھ دیتے اور ان کو اپنے ساتھ ملا کر فتنہ کی آگ کو اور زیادہ بھڑکاتے۔ نہ یہ کہ وہ حضرت عثمانؓ کو ان کا سر کچلنے کا مشورہ دیتے۔ اس روایت کی موجودگی میں دوسری روایتوں کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل روایات میں اتنا تناقض ہو گیا ہے کہ ایک انسان کو اصل حقیقت معلوم کرنی سخت دشوار ہو گئی ہے۔ اس موقعہ پر ہمیں صحابہؓ کے متعلق نیک ظنی ہی سے کام لینا چاہئے اور ان بے سروپا روایتوں پر قطعاً یقین نہیں کرنا چاہئے جن لوگوں کے متعلق خود خدا تعالیٰ نے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ فرمایا ہے کیا وہ ایسی باتیں کر سکتے ہیں جن سے نہ صرف ان پر بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی حرف آتا ہے کہ نعوذ باللہ آپ صحابہؓ کی تربیت ٹھیک طور پر نہ کر سکے اور وہ محض اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے بن گئے۔ (مترجم)

حضرت عمروؓ بن العاص نے جواب دیا۔" لوگ تو اسی طرح باتیں بنایا اور اپنے والیوں کی ذات سے ایسی ہی جھوٹی باتیں منسوب کیا کرتے ہیں۔ امیر المومنین آپ کو اللہ سے ڈرنا چاہیئے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا۔" میں نے باوجود تمہاری تنگ نظری کے تمہیں عامل بنائے رکھا حالانکہ تمہارے خلاف اکثر شکایتیں مجھے موصول ہوتی رہتی تھیں۔"

عمروؓ بن العاص نے جواب دیا۔" میں تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد سے عامل تھا اور جس وقت ان کی وفات ہوئی ہے تو وہ مجھ سے خوش تھے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا۔" اگر میں بھی اسی قسم کا سلوک کرتا جو حضرت عمرؓ نے تم سے کیا تھا تو تم ٹھیک رہتے۔ لیکن میں نے تم سے نرمی کی تو اب تم اُلٹا مجھے الزام دیتے ہو۔ کیا جاہلیت میں اور کیا خلیفہ ہونے سے پہلے میں تو جتھے کے اعتبار سے تم پر فوقیت رکھتا تھا۔"

عمروؓ بن العاص نے جواب دیا۔" ان باتوں کو چھوڑیئے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمیں ایمان لانے اور آپ کے ذریعہ ہدایت پانے کی توفیق دی۔ البتہ آپ نے عاص بن وائل اور اپنے والد عفان کو ضرور دیکھا ہے اور عاص آپ کے والد سے زیادہ معزز تھے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا۔" ہمیں جاہلیت کی باتوں کو یاد ہی نہیں کرنا چاہیئے۔"

غرضیکہ اسی قسم کی باتیں ان دونوں کے درمیان ہوئیں اور حضرت عمرو بن العاص حضرت عثمانؓ کے پاس سے ناراض ہو کر آپ پر اور آپ کی سیاست پر اعتراض کرتے ہوئے چلے آئے[1]۔

اسی طرح کا اختلاف حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف میں بھی پیدا ہو گیا اور ان دونوں کے درمیان سخت

---

[1] جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے صحابہؓ سے یہ بات بعید ہے۔ جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے بھیجا ہو وہ ایسی معمولی باتوں پر کسی صورت میں جھگڑ نہیں سکتے۔ اس قسم کی ساری روایتیں بالعموم ان لوگوں کی ہیں جنہوں نے حالات کا غلط مطالعہ کیا، یا پھر ان سے غلط نتائج اخذ کئے، یا جنہوں نے اپنے دل میں خواہ مخواہ اس بات پر یقین کر لیا کہ حضرت عثمانؓ کمزور خلیفہ تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر وہ واقعی ہی ایسے کمزور تھے تو سارے جھگڑے اور ساری بغاوتیں ان کی خلافت کے اوائل ہی میں کیوں نہ رونما ہو گئیں اور کیوں نو دس برس تک انہوں نے نہایت اطمینان سے خلافت کی؟ (مترجم)

و کتابت ہوئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف حضرت عثمانؓ کے عہد ہی میں وفات پا گئے۔

حضرت عثمانؓ اپنی خلافت کے شروع میں ان صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے جو حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے مشیر تھے
ولایات کے سلسلہ میں ان والیوں کی رائے پر اعتماد کرتے تھے جو حضرت عمرؓ کے عمال تھے۔ لیکن پھر انہوں نے
اپنے اہل و عیال اور خاندان والوں کے مشوروں پر ہی انحصار کرنا شروع کر دیا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جب انہوں
نے بعض علاقوں میں اٹھتے ہوئے فتنہ کی خبریں سنیں تو یہ خیال کیا کہ ان کے اہل و عیال اور اہل خاندان ہی ان سے
وفادار اور دوسروں سے زیادہ مخلص ثابت ہوں گے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی اس سیاست نے ان قریشیوں کو جو بنو امیہ
سے تعلق نہیں رکھتے تھے سخت ناراض کر دیا۔ حضرت عثمانؓ تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو حضرت علیؓ اور آپ کے
ساتھی آپ سے انتہائی ناراض تھے[1] اور جیسا کہ کتاب "فجر الاسلام" میں لکھا ہے ان کی ناراضی اور بھی بڑھی جب حضرت
عثمانؓ نے امویوں کی پشت پناہی کرنی شروع کر دی اور اکثر عمال انہی میں سے بنائے۔ آپ کا کاتب [illegible]
مروان بن الحکم بھی اموی تھا۔ اسلام نے جاہلی عصبیت کے خلاف جو میدان تیار کیا تھا اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے
اس کی غور و پرداخت میں اپنا سارا وقت صرف کیا تھا اس کو اسی مروان اور اس کے ساتھیوں نے [illegible]
اور انہوں نے اس طرح حکومت کرنی شروع کی گویا حکومت امویوں کی ہے عربوں کی نہیں۔ [illegible]
کو دوبارہ زندہ کر دیا جو جاہلیت کے زمانہ میں بنی ہاشم اور بنی امیہ میں تھی۔ حضرت عثمانؓ کے آخری [illegible]

---

[1] حضرت علیؓ جیسے مقدس انسان پر یہ الزام کہ وہ اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے اور [illegible]
بھی وہ ناراض تھے محض ایک اتہام ہے۔ ابن سعد میں لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے [illegible]
حضرت علیؓ نے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علیؓ کا حضرت عثمانؓ کی بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے [illegible]

(مترجم)

نوٹ نمبر ۔ ابن سعد جزو ۳ ص[illegible]

[2] یہ امر کہ حضرت عثمانؓ نے سارا کام مروان کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا ایک ایسا الزام ہے جس کی کسی طرح بھی تصدیق نہیں
ہوتی۔ بے شک مروان حضرت عثمانؓ کا پرائیویٹ سیکرٹری تھا لیکن امور سلطنت کا سارا کام حضرت عثمانؓ خود انجام
دیتے تھے اور آپ سختی کے ساتھ ہر بات کی نگرانی کرتے تھے۔ اگر مروان وغیرہ میں سے کوئی بے راہ روی کا مرتکب ہوتا تو آپ اس
کو بھی ضرور سزا دیتے۔ اگر مروان کے ہاتھ ہی میں سب کچھ تھا تو جو عمال حضرت عثمانؓ نے برطرف کیے وہ کس طرح برطرف
ہو سکتے تھے؟

(مترجم)

چھوٹی چھوٹی جماعتیں پیدا ہو گئی تھیں جو بار بار لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے معزول کرنے اور آپ کی جگہ کسی اور کو خلیفہ مقرر کرنے پر اکساتی رہتی تھیں۔ بعض ایسی جماعتیں بھی تھیں جو حضرت علیؓ کی خلافت کا پروپیگنڈہ کرتی رہتی تھیں۔ ان کا سب سے مشہور سردار عبداللہ بن سبا تھا۔ یہ یمنی یہودی تھا جو بعد میں محض دنیا کے دکھاوے کو اسلام لے آیا تھا۔ یہ شخص بصرہ، کوفہ، شام اور مصر میں پھرتا رہتا تھا اور کہتا تھا "ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ اب اس شخص سے زیادہ ظالم اور کون ہو سکتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا نہ کرے اور آپ کے وصی کا حق غصب کرے" یہ شخص ان لوگوں کا سب سے بڑا سرغنہ تھا جنہوں نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف ابھارا حتیٰ کہ آپ کو شہید کر دیا۔

یعقوبی کہتا ہے کہ "حضرت عثمانؓ نے اپنے قرابت داروں کو ترجیح دی، اپنے خاندان والوں کی ہر معاملہ میں پشت پناہی کی اور اللہ اور مسلمانوں کے اموال سے گھر اور جائداد بنائی اور دولت و ثروت جمع کی۔ حضرت ابوذر غفاری صحابی اور عبدالرحمٰن بن حنبل کو جلاوطن کر دیا۔ حکم بن ابی العاص اور عبداللہ بن ابی سرح کو جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھتکارے ہوئے تھے پناہ دی، ہرمزان کے قتل کو جائز قرار دے کر عبیداللہ بن عمر کو اس کے قصاص کے طور پر قتل نہ کرایا۔ ولید بن عقبہ کو کوفہ کا والی بنا دیا جس نے نماز میں بدعتیں شروع کر دیں لیکن ان بدعتوں سے بھی اس کو منع نہ کیا۔"ؔ

یعقوبی ایک اور جگہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جو وظیفہ حضرت عمرؓ کے عہد میں ملتا تھا حضرت عثمانؓ نے اس میں کمی کر دی تھی۔ حضرت عائشہؓ موقعہ کی تلاش میں رہیں چنانچہ ایک روز جبکہ حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک چادر لوگوں کو دکھائی اور فرمایا "اے لوگو! یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر ہے جو اب تک میلی نہیں ہوئی۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے آپ کی سنت کو بدل ڈالا۔"

"جب فتنہ کھڑا ہوا اور معاملہ انتہائی نازک مرحلہ پر پہنچ گیا تب بھی حضرت عائشہؓ نے آپ کے اور باغیوں کے درمیان صلح کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس موقعہ پر مروان آپ کے پاس گیا اور آپ سے دونوں فریقوں میں صلح

ؔ یہ ایک انتہائی متعصب آدمی کی رائے ہے۔ اس نے جو الزامات اور اتہامات حضرت عثمانؓ پر لگائے ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے اور بغیر کسی قسم کی تحقیقات کے لگائے ہیں اور ان کا رد ہم اپنے پیش لفظ میں کر چکے ہیں۔ (مترجم)

کرانے کی درخواست کی لیکن حضرت عائشہؓ نے معذوری ظاہر کی اور کہا میں تو حج کو جا رہی ہوں۔ مروان نے کہا اگر آپ نے صلح کرادی تو حضرت عثمانؓ آپ کو ایک درہم کے بدلہ میں جو آپ اس سلسلہ میں خرچ کریں گی، دو درہم دیں گے۔ اس پر حضرت عائشہؓ نے جواب دیا "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں عثمانؓ کے معاملہ میں کسی شک میں ہوں۔ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتی ہوں کہ اگر مجھ میں ان کے اٹھانے کی طاقت ہو تو انہیں اٹھا کر سمندر میں پھینک دوں[1]۔"

---

[1] تعجب ہے کہ مؤرخین کس بے تکلفی کے ساتھ اور بغیر تحقیق کے اس قدر سخت الزام جلیل القدر صحابہؓ پر کس طرح لگا دیتے ہیں جن کے ثابت کرنے کے لئے نہ ان کے پاس کوئی عقلی دلیل ہوتی ہے اور نہ نقلی۔ وہ حضرت عائشہؓ جو یہ روایت کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو وصیت فرمائی تھی کہ اگر خدا تعالیٰ تم کو خلافت کا جامہ پہنائے تو تم اس کو اپنی خوشی سے نہ اتارنا (مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۶۳)، وہ کس طرح یہ کہہ سکتی ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا۔ یاد رہے کہ حضرت عائشہؓ کی حضرت عثمانؓ سے کشیدگی کی روایت یعقوبی کی بیان کردہ ہے جو حضرت عثمانؓ کا سخت دشمن تھا۔ اس امر کی موجودگی میں اس کی روایت کا کس طرح اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو حضرت عثمانؓ سے کسی قسم کی کدورت نہ تھی اور کوئی اختلاف آپ کو ان سے نہ تھا۔ حضرت عائشہ کا حج کے سفر میں باغیوں کے ایک سرغنہ محمد بن ابی بکر کو اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرنا صاف ثابت کر رہا ہے کہ حضرت عائشہؓ دل سے چاہتی تھیں کہ کسی طرح اس فتنہ کی شدت کم ہو۔ انہوں نے محمد بن ابی بکر کو سمجھایا بھی کہ تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ مگر وہ نہ مانا۔ خود حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ حضرت عثمانؓ کے تذکرہ میں فرمایا "خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ عثمانؓ کی کسی قسم کی بے عزتی ہو۔ اگر کیا ہو تو ویسی ہی حالت میری بھی ہو۔ خدا کی قسم میں نے کبھی پسند نہ کیا کہ وہ قتل ہوں اگر کیا ہو تو میں بھی قتل کی جاؤں۔ اے عبید اللہ بن عدی (ان کے باپ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے) تم کو اس علم کے بعد کوئی دھوکا نہ دے اصحاب رسول کے کاموں کی تحقیر اس وقت تک نہ کی گئی جب تک وہ فرقہ پیدا نہ ہوا جس نے حضرت عثمانؓ پر طعن کیا۔ اس نے وہ کہا جو نہیں کہنا چاہئے تھا۔ وہ پڑھا جو نہیں پڑھنا چاہئے تھا۔ اس طرح نماز ادا کی جس طرح ادا نہیں کرنی چاہئے تھی ہم نے ان کے کارناموں کو غور سے دیکھا تو پایا کہ وہ صحابہؓ کے اعمال کے قریب تک نہ تھے" (یہ پوری تقریر حضرت امام بخاریؒ نے جزء خلق افعال العباد میں نقل کی ہے صفحہ ۷۶ مطبع انصاری دہلی) یہ روایت حضرت امام بخاریؒ نے نقل کی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کی نقل کردہ روایت اور دوسرے لوگوں کی نقل کردہ روایتوں میں سے لازماً حضرت امام بخاریؒ کی روایت کو ہی ترجیح حاصل ہوگی۔ (مترجم)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان بھی چپقلش اور منافرت تھی۔ نقاد اس جھگڑے کو بھی آپ کی مالی سیاست پر اعتراض کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یہ جھگڑا آپ کے اور بیت المال کے خزانچی کے درمیان اس مال کے بارہ میں تھا جو بیت المال کی حفاظت کے لئے اس کو ملا کرتا تھا۔ یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ حضرت عثمانؓ نے اس سے کہا۔ "تو ہمارا خزانچی ہے۔ جب ہم تجھے دیں تو تو لے لیا کر۔ لیکن جب ہم نہ دیں تو خاموش رہا کر۔"

خزانچی نے جواب دیا۔ "ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کا خزانچی نہیں ہوں اور نہ آپ کے خاندان کا۔ میں تو مسلمانوں کا خزانچی ہوں۔"

جمعہ کے روز جب حضرت عثمانؓ خطبہ دے رہے تھے تو وہ بیت المال کی کنجیاں لے کر آیا اور کہنے لگا کہ عثمانؓ یہ سمجھتے ہیں کہ میں ان کا اور ان کے خاندان کا خزانچی ہوں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں یہ لو اپنے بیت المال کی کنجیاں۔

یہ کہہ کر اس نے وہ کنجیاں سامنے پھینک دیں۔ حضرت عثمانؓ نے اٹھا کر زید بن ثابت کے حوالے کر دیںؐ۔

ان سب باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلوں میں کس قسم کے کینے اور بغض بھرے ہوئے تھے خلیفہ کی لوگوں کے دلوں میں کیا عزت تھی اور خلافت کی ہیبت اور اس کے مرتبہ کا وہ کس قدر لحاظ کرتے تھے۔ یہی باتیں اس بغاوت کا باعث ہوئیں جس کا تفصیلی ذکر ہم آئندہ فصول میں کریں گے۔

؎ اس الزام پر بحث ہم پیش لفظ میں کر آئے ہیں۔ (مترجم)

(۱۵)

کوفہ میں فتنہ

کوفہ فساد کا گڑھ تھا۔ فساد کی چنگاریاں سب سے پہلے یہیں سے اٹھی تھیں۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرؓ کی وصیت کے مطابق سعد بن ابی وقاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے امیر بیت المال عبداللہ بن مسعود کے ذریعہ بیت المال سے کچھ رقم قرض لی۔ جب ادائے قرض کا وقت آیا تو ابن مسعود ان کے پاس آئے اور اس رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن سعد کی حالت اس وقت ایسی نہ تھی کہ وہ رقم ادا کر سکتے۔ انہوں نے معذوری ظاہر کی۔ ان کے درمیان بات بڑھ گئی۔ ابن مسعود اور سعد بن ابی وقاص دونوں نے لوگوں کو اپنے اپنے ساتھ ملا لیا۔ بعض لوگوں نے سعد کو قرض کی ادائیگی میں دیر کرنے پر ملامت کرنی شروع کی اور بعض نے ابن مسعود کو قرض وصول کرنے میں سختی اور شدت کرنے پر برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضرت عثمانؓ کو یہ خبر پہنچی تو آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے ان دونوں کو سزا دینی چاہی۔ لیکن اس کے بعد صحیح حالات کی تحقیق کرنے پر سعد بن ابی وقاص کو ولایت کوفہ سے معزول کر دیا اور ابن مسعود کو خراج وصول کرنے پر بدستور مقرر کئے رکھا۔ سعد کی جگہ آپ نے ولید بن عقبہ کو والی مقرر کیا جو حضرت عمرؓ کے عہد میں الجزیرہ کا عامل تھا۔ ولید نے آتے ہی لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا۔ پانچ سال اس نے گذارے لیکن اس کے گھر کی ڈیوڑھی تک

نہ تھی۔

ولید کی ولایت کے اثنا میں یہ واقعہ ہوا کہ کوفہ کے کچھ نوجوانوں نے ایک گھر میں نقب لگائی اور گھر کے مالک کو قتل کر دیا۔ اس کا پڑوسی یہ سب واقعہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے پولیس کے محافظوں کو مدد کے لئے پکارا۔ پولیس آئی اور ان ڈاکوؤں کو جن میں زہیر بن جندب ازدی، مورع بن ابی مورع اسدی اور شبیل بن ابی ازدی شامل تھے گرفتار کر لیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور قتل کا جرم ثابت ہونے پر وہ قتل کر دئے گئے۔ ان کے والدین کے دلوں میں ولید کے خلاف کینہ پیدا ہو گیا اور وہ اس سے انتقام لینے کے لئے کسی موقعہ کی تاک میں لگے رہے۔ ولید کے پاس بعض داستان گو تھے جو رات کو اسے قصے اور داستانیں سنایا کرتے تھے۔ ان میں ایک شخص ابو زبید الطائی بھی تھا یہ شخص پہلے عیسائی تھا پھر مسلمان ہو گیا۔ شراب پینے میں مشہور تھا۔ جب ولید کوفہ کا والی مقرر ہوا تو ابو زبید اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے پاس آیا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ ولید نے اس کو اپنے داستان گویوں میں شامل کر لیا۔ چنانچہ یہ اس کے پاس آنے جانے لگا۔ ایک روز اسی ٹولی کا ایک شخص جس کے بیٹوں کو ولید نے قتل کرا دیا تھا اپنی ٹولی میں آیا اور کہنے لگا:

"تمہیں کچھ اور بھی خبر ہے؟ ولید ابو زبید کے ساتھ بیٹھا ہوا شراب پی رہا ہے"۔ ان لوگوں کو اور کیا چاہئے تھا۔ انہوں نے یہ بات تمام شہر میں پھیلا دی اور ہر طرف اسی کا چرچا ہونے لگا۔ بعض بیوقوف اس ٹولی کے ساتھ ہو لئے اور یہ سب مل کر اسی وقت ولید کی رہائش گاہ پر پہنچے۔ ولید اس وقت ابو زبید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن شراب کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اب ان بیوقوفوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ ان فسادیوں کو لعنت ملامت کرتے ہوئے باہر نکل آئے۔

ولید نے اس بات کو چھپائے رکھا اور خلیفہ تک کو اس کی خبر نہ کی لیکن اس کے دشمن اپنی کارروائیوں سے باز نہ آئے۔ وہ ابن مسعود کے پاس پہنچے اور انہیں اس واقعہ سے آگاہ کیا۔ ابن مسعود نے کہا:

"اگر کوئی شخص اپنی باتیں ہم سے چھپانا چاہتا ہے تو ہمارا یہ کام نہیں کہ ان کی ٹوہ میں رہیں۔ وہ جانے اور اس کا کام"۔

جب ولید کو اس کی اطلاع پہنچی تو اسے بہت رنج ہوا اور اس نے ابن مسعود سے شکوہ کیا کہ آپ نے ان فسادیوں کو ایسا جواب دیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو بھی مجھ پر شک ہے۔ بتلایئے میں نے کیا چیز چھپائی ہے۔

اس پر بات بڑھ گئی اور دونوں میں شکر رنجی پیدا ہو گئی۔ ان مفسدوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ جا کر ولید کی شکایت کرنے اور اس پر شراب نوشی کا الزام لگانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ان میں سے دو شخص ولید کے خلاف شہادت دینے کے لئے مدینہ روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ بعض ایسے لوگ بھی تھے جن کے متعلق حضرت عثمانؓ کو معلوم تھا کہ ان کو ولید نے انتظامِ ملکی سے بالکل علیحدہ کر رکھا ہے۔ یہ سب مل کر مدینہ پہنچے اور حضرت عثمانؓ سے جا کر شکایت کی کہ ولید شراب پیتا ہے۔ اور ان دو آدمیوں نے شہادتیں دیں۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے ولید کو بلا بھیجا اور اسے معزول کر کے اس پر حد جاری کی۔

ولید کے بعد حضرت عثمانؓ نے سعید بن عاص کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ وہ جب کوفہ روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ بھی لوگ تھے جنہوں نے ولید پر ناحق تہمت لگائی تھی۔ ان کے نام یہ تھے: مالک المعروف بہ اشتر نخعی، ابوحشہ غفاری، جندب بن عبداللہ، ابو مصعب بن جثامہ۔ سعید بن عاص منبر پر چڑھے اور حمد و ثنا کے بعد کہا: "مجھے اپنے اس تقرر سے کوئی خوشی نہیں ہے۔ لیکن تمہیں بہر حال میرا حکم ماننا پڑے گا۔ فتنہ سر اٹھا رہا ہے، میں اس کو سختی سے کچلوں گا اور اس میں تمہیں میری مدد کرنی پڑے گی۔"

سعید نے کوفہ میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ وہاں کے معتبر اشخاص سے وہاں کے حالات اور باشندوں کے متعلق مکمل واقفیت حاصل کی اور بایں الفاظ حضرت عثمانؓ کو رپورٹ بھیجی: "کوفہ میں حالات بہت زیادہ بگڑتے جا رہے ہیں۔ یہاں اوباش اور دین سے ناواقف لوگ غالب ہیں اور شرفاء مغلوب۔ اوباشوں کے ہاتھوں شرفاء کی عزت، مال اور جان تک محفوظ نہیں ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے ان کو جواب میں لکھا: "جو لوگ بڑی بڑی قربانیاں کر کے پہلے پہل دشمنوں کے مقابلہ کے لئے آئے تھے اور جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقہ کو مسلمانوں کے قبضہ میں دیا تھا ان کو ہر کام میں مقدم رکھو اور ان کی عزت و احترام میں فرق نہ آنے دو۔ دوسرے لوگ ان کے تابع ہوں لیکن اگر وہ دین سے بے توجہی برتیں اور اس کو صحیح طور پر قائم رکھنے میں سُستی سے کام لیں تو بے شک ان لوگوں کو آگے جگہ دینی چاہیے جو ان سے زیادہ دینی کاموں میں چستی دکھاتے ہوں۔ ہر ایک کے مرتبہ کا خیال رکھو اور بربنائے انصاف ہر ایک کو اس کا حصہ دو۔ کیونکہ لوگوں کے صحیح مرتبہ کا خیال رکھنے سے ہی عدل قائم کیا جا سکتا ہے۔"

سعید نے شہر کے معززین و شرفاء اور جنگ قادسیہ میں شریک ہونے والے مجاہدین کو بلا بھیجا اور ان سے کہا "تم شہر کے معزز لوگ ہو۔ چہرہ کا کام یہ ہوتا ہے کہ تمام جسم کا حال بتلائے۔ اس لئے تم ہر حاجت مند کی حاجت

اور ضرورت مند کی ضرورت میرے پاس پہنچایا کرو۔" ان لوگوں کے ساتھ ایسے لوگ بھی اس مجلس میں تھے جن کا شمار معززین اور شرفاء میں نہیں ہو سکتا تھا لیکن حضرت سعید بن العاص کا روئے سخن صرف معززین و شرفاء کی جانب تھا اس پر ان اوباشوں اور مفسدوں کی آتش غضب اور بھڑک اٹھی۔ ان کے ساتھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جو سعید بن العاص کی توجہ اور لطف و عنایت کو اپنی طرف کھینچنے میں ناکام رہے تھے۔ ان فسادیوں کو جنہوں نے ولید کو معزول کرایا تھا یہ امید تھی کہ سعید ان کو انتظامِ ملکی میں وافر حصہ دیں گے، ان کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کریں گے اور اپنے ہر مشورہ میں ان کی شرکت ضروری سمجھیں گے۔ لیکن جب ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں تو انہوں نے اپنا قدیم مشغلہ اختیار کر لیا اور سعید کے خلاف شور و غوغا اور ان کی سیاست اور ان کے کاموں پر نکتہ چینی شروع کر دی۔

سعید کی مجلس میں صرف چند مخصوص لوگوں ہی کو آنے کی اجازت تھی اور یہ وہی لوگ تھے جن کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں کہ وہ شہر کے شرفاء، معززین اور قادسیہ کے مجاہدین تھے۔ لیکن کبھی کبھی وہ ایسی مجلسیں بھی منعقد کیا کرتے تھے جن میں عام آدمیوں کو بھی بیٹھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ایک دن سعید اسی قسم کی ایک مجلس میں بیٹھے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ دورانِ گفتگو میں جیش اسدی نے طلحہ بن عبیداللہ کی سخاوت کا ذکر کر دیا۔ سعید نے کہا "جس شخص کے پاس اتنی دولت و ثروت ہو، اسے اتنا ہی سخی ہونا چاہئے۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اتنا مال ہوتا تو تم سب کو نہال کر دیتا۔"

اس پر ایک نوجوان بول اٹھا "آپ اپنے لئے ملطاط کیوں نہیں لے لیتے؟" (ملطاط آل کسریٰ کی ایک بڑی وسیع جاگیر تھی جو دریائے فرات پر کوفہ سے بالکل ملی ہوئی تھی)

اس پر مفسدین نے جن میں اشتر نخعی، عمر بن ضابی اور اسی قماش کے دوسرے لوگ شامل تھے، اس نوجوان سے کہا "خدا تیرے منہ کو توڑے ہماری زمین کو تو اس کے حوالے کرنا چاہتا ہے۔" اور ساتھ ہی جوش میں آ کر اس نوجوان کو مارنا شروع کر دیا اور جب اس کے باپ نے اسے بچانا چاہا، تو اس غریب کو بھی گھیرے میں لے لیا۔ یہ سب کچھ سعید کی مجلس میں ان کی آنکھوں کے سامنے ہوا۔ قریب تھا کہ بلوہ ہو جائے مگر سعید نے ان فسادیوں کو دھکے دے کر اپنی مجلس سے نکلوا دیا اور آئندہ کے لئے ان لوگوں کا اپنی مجلس میں آنا بالکل بند کر دیا۔

ان لوگوں کی اصل غرض یہ تھی کہ امیر اور اس کے ساتھ کام کرنے والوں کے خلاف فتنہ پھیلائیں۔ اب انہوں نے علی الاعلان اہلِ حکومت پر نکتہ چینیاں شروع کر دیں۔ سعید اور شرفائے کوفہ نے حضرت عثمانؓ کو تمام حالات سے

اطلاع دی اور ان فتنہ پردازوں کے متعلق ان کی رائے طلب کی۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا یہ اگر رؤسائے کوفہ متفق ہوں تو ان فسادیوں کو شام میں معاویہ کے پاس بھیج دو۔" چنانچہ سعید نے ایسا ہی کیا اور ان کو کوفہ سے نکال کر حضرت معاویہ کے پاس بھیج دیا۔ ابتداً حضرت معاویہ ان سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ ان کی عزت و تکریم کی اور انہیں اپنی گفتگو کے دوران میں فتنہ و فساد سے دامن بچانے کی تلقین کرتے رہے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھ لیا کہ سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلے گا اور یہ لوگ اب تک اپنے آپ کو کوفہ ہی میں سمجھ رہے ہیں تو انہوں نے انہیں سخت ڈانٹ پلائی اور کہا۔ "یاد رکھو یہ کوفہ نہیں شام ہے۔ اگر تم نے اپنی اصلاح نہ کی تو شام والے تم سے اس بری طرح پیش آئیں گے کہ میں ان کا والی اور امام ہوتے ہوئے بھی تمہاری کوئی مدد نہ کر سکوں گا اور وہ تمہاری تکا بوٹی کر کے رکھ دیں گے۔

اس کے بعد امیر معاویہ نے حضرت عثمانؓ کو لکھا کہ وہ ان لوگوں کی اصلاح کرنے سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور شام میں ان کا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ وہ ان لوگوں کو حمص عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی طرف چلتا کر دیں۔

بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ جب یہ لوگ دمشق سے نکلے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوفہ کا رخ تو کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ وہ لوگ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ ہم سے ہنسی ٹھٹھا کریں گے اور ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے اس لئے عراق اور شام کو چھوڑ کر جزیرہ چلو۔ چنانچہ وہ جزیرہ چلے گئے۔ جب وہاں پہنچے تو عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو جو حمص میں تھے ان کے آنے کا حال معلوم ہو گیا۔ عبدالرحمٰن نے ان لوگوں کو بلایا اور کہا "یاد رکھو اگر تم نے یہاں فتنہ و فساد کی ذرا بھی کوشش کی تو میں تمہیں اتنی سخت سزا دوں گا کہ سب قدر و عافیت معلوم ہو جائے گی۔ مجھے پتہ نہیں تم عرب ہو یا عجمی۔ خدا مجھے ذلیل کرے اگر میں تمہیں ٹھیک نہ کر دوں۔ خبردار! مجھے معاویہ نہ سمجھنا، میں خالد بن ولید کا بیٹا ہوں اس شخص کا بیٹا جس نے فتنہ ارتداد کو دور کیا تھا۔ اس شخص کا بیٹا جو بڑے بڑے امتحانوں میں کامیاب نکلا تھا۔ اے صعصعہ بن ذل (ان مفسدین میں سب سے بڑا فتنہ پرداز شخص) اچھی طرح کان کھول کر سن لے کہ اگر تیرے ساتھیوں میں سے کسی نے کسی شخص کے سامنے فتنہ و فساد پھیلانے کی کوشش کی تو تجھے اتنی شدید سزا دوں گا کہ تیرے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی۔

اس کے بعد سے عبدالرحمٰن نے یہ دستور بنا لیا کہ جب کبھی دورہ پر جاتے ان کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ جب کبھی ان کے پاس سے گذرتے ان سے کہتے: "اب تو تمہیں معلوم ہو گیا ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے۔" اس پر وہ توبہ تلا کرتے اور اپنے کرتوتوں کی معافی چاہتے۔ کچھ عرصہ کے بعد اشتر حضرت عثمانؓ کے پاس گیا اور نادم و تائب

ہونے کے بعد، آپ سے اپنے ساتھیوں کے لئے معافی کا خواستگار ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو کوفہ واپس بھیج دینا چاہا۔ لیکن وہ رضامند نہ ہوئے اور جزیرہ ہی میں رہنے کی خواہش ظاہر کی۔

اسی اثنا میں سعید نے اپنے عمال اور امراء کو فارس کے قریبی علاقے میں پھیلا دیا۔ اس طرح کوفہ رؤسا و اشراف اور مخلص لوگوں سے خالی ہو گیا۔ ادھر سعید کو حضرت عثمانؓ نے مدینہ بلا بھیجا۔ اب لوگ انہی مفسدین کے زیرِ اثر رہنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کو جو موقع ملا تو پھر اسی سرکشی، بغاوت اور فساد پر اتر آئے۔ جب سعید نے کوفہ واپس آنے کا ارادہ کیا تو جرعہ کے مقام پر مفسدین ان سے ملے اور انہیں اپنا امیر ماننے سے انکار کر کے واپس کر دیا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس چلے گئے۔ حضرت عثمانؓ نے بجائے اس کے کہ سختی اور شدت سے کام لیتے، اہلِ کوفہ کے مطالبہ کو مانتے ہوئے ابوموسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔

مندرجہ بالا واقعات سے کوفہ کا مکمل حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ کس طرح وہاں مفسد غالب آ گئے حکومت کے کام میں ضعف پیدا ہو گیا، اطاعت کا نام و نشان تک نہ رہا اور قوم حاکموں کے اثر سے بالکل آزاد ہو گئی۔

---

(۱۶)

بصرہ میں فساد

بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ ایک وقت میں تو یہاں کے لوگ سرکشی اور حکام کی خلاف ورزی میں کوفہ کے لوگوں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے پہلے عامل ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اس کا بیان گزر چکا ہے۔ بصرہ والوں نے جب حضرت عثمانؓ سے ابوموسیٰ اشعریؓ کی جگہ کسی نئے عامل کے تقرر کا مطالبہ کیا تو حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو بصرہ کا والی مقرر کر دیا۔ ابن عامر کی فتوحات اور ایران میں ان فتوحات کے اثرات بیان ہو چکے ہیں۔ ابن عامر کی امارت بصرہ اور بحرین کے اعمال پر مشتمل تھی۔ اپنی امارت کے تیسرے سال ان کو پتہ چلا کہ قبیلہ عبدالقیس میں حکیم بن جبلہ کے ہاں ایک شخص آکر ٹھہرا ہے۔ حکیم بن جبلہ دراصل ایک ڈاکو تھا جس کا کام لوٹ مار کرنا، ذمیوں کو ستانا اور فساد پھیلانا تھا۔ تنگ آکر ذمیوں اور اس علاقے کے باشندوں نے حضرت عثمانؓ سے شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو حکم دیا کہ وہ حکیم اور اس کے ساتھیوں کو بصرہ میں نظر بند کر دیں اور اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ان کو اس بات کا پختہ یقین نہ ہو جائے کہ اب اس نے اپنی عادتوں سے توبہ کر لی ہے۔ چنانچہ ابن عامر نے ایسا ہی کیا اور حکیم کو نظر بند کر دیا۔

اسی اثناء میں بصرہ میں ایک شخص آیا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا اور کنیت ابن السوداء۔ عبداللہ بن سبا
اسی حکیم کے ہاں آکر اترا۔ یہ دراصل یہودی تھا لیکن لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا تھا
وہ ان سے کہتا پھرتا تھا کہ عجیب بات ہے لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد کے تو قائل ہیں لیکن یہ نہیں
مانتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوبارہ آئیں گے۔ لوگ اس کی باتوں کو بہت توجہ سے سنتے تھے۔
کیونکہ ناواقف لوگ دین کی باتوں کو سمجھنے اور ان پر غور و فکر کرنے کے عادی نہ تھے۔ پھر وہ ان سے کہتا تھا۔ "مسلمانو!
تعجب ہے کہ تم میں اہلِ بیت موجود ہیں پھر بھی مناصبِ حکومت میں ان کو کوئی حصہ نہیں دیا جاتا اور ان کو بالکل
پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔"

وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا جن کو سن کر سادہ لوح اشخاص اس کے معتقد ہو جاتے تھے۔ اس کی باتوں
سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ بیت سے انتہائی محبت و عقیدت ہے لیکن در پردہ
وہ لوگوں کو خلافت سے نفرت دلانے کی کوشش کرتا رہتا تھا جو اس کا خاص مقصد تھا۔

جب ابن عامر کو یہ خبریں پہنچیں تو انہوں نے اس کو بلایا اور پوچھا "تم کون ہو؟" اس نے کہا "میں پہلے یہودی
تھا۔ اب اسلام لے آیا ہوں اور آپ کے سایۂ عاطفت میں رہتا ہوں۔"

ابن عامر نے اس کو بصرہ سے نکال دیا۔ وہاں سے وہ کوفہ آیا اور وہاں سے بھی نکالا گیا۔ پھر وہ شام اور شام
سے مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے اپنے لئے میدان سازگار پایا اور فساد کے بیج بونے لگا جو آگے چل کر خوب
برگ و بار لائے۔

---

(۱۷)

مصر میں تبلیغ

مصر میں عراق سے بھی بدتر حال تھا۔ کیونکہ عبداللہ بن سبا نے یہاں آتے ہی فتنہ کی آگ بھڑکانے اور اپنی گمراہ کن تعلیمات لوگوں میں رائج کرنے کے لئے کوشش شروع کر دی تھیں۔ بصرہ اور کوفہ کے اکثر باشندوں کو وہ پہلے ہی گمراہ کر چکا تھا۔ وہ کہتا تھا: "مجھے ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے لیکن ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس نہیں آئیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِی فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَادُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (وہ ذات جس نے تجھ پر قرآن جیسا نازل کیا ہے وہ ضرور تجھے تیرے لوٹنے کی جگہ پر واپس لائے گی) اس لئے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے زیادہ دنیا میں واپس آنے کے مستحق ہیں" اور اس طرح وہ تناسخ کا گمراہ کن عقیدہ ان میں رائج کرنے لگا۔ وہ ان سے یہ بھی کہتا کہ "ہزاروں نبی ہوئے ہیں، ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا نہ کرے اور رسول کریم کے وصی کا حق چھین لے۔"

حضرت عثمان رضؓ کے متعلق وہ کہتا تھا: "عثمان رضؓ نے خلافت بغیر کسی حق کے ہتھیا لی ہے اور وصی رسول اللہ کا حق چھین لیا ہے۔ تم لوگ اس معاملہ کو آگے لاؤ۔ سب سے پہلے امراء پر اعتراضات شروع کرو۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعلیم دو۔ اس طرح لوگوں کو اپنی طرف مائل کرو اور اس معاملہ کی طرف ان کو بلاؤ۔"

جب اس نے دیکھا کہ مصری اس کی دعوت قبول کرنے پر تیار ہیں اور اس کی باتوں کی تائید کرنے پر آمادہ نظر آتے ہیں تو اس نے اپنے والیوں کو تمام ملک میں پھیلا دیا اور ان لوگوں سے جو شہروں میں فساد برپا کرنا چاہتے تھے خط و کتابت شروع کر دی۔ اس کے حواری مختلف شہروں کے باشندوں کو ان شہروں کے والیوں کی برائیاں خوب بڑھا چڑھا کر لکھتے اور اس طرح فتنہ کی آگ بھڑکاتے۔ جب یہ خبریں مدینہ پہنچیں تو صحابہؓ میں بہت اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔

مدینہ مہاجرین، انصار اور خلافت کا مرکز تھا۔ ہر چہار طرف سے مختلف علاقوں کے لوگ اپنی شکایات لے کر مدینہ میں ہی آتے تھے اور یہاں کے لوگوں سے ہی ظلم و ستم کے ازالہ کے لئے مدد مانگتے تھے۔ اہلِ مدینہ بھی اس بات کو محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس فتنہ کی خبریں اور سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت عمال کی شکایات کثرت سے اہلِ مدینہ کو پہنچنے لگیں تو ان کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی۔ وہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس آئے اور انہوں نے آپ سے پوچھا کہ "امیر المومنین! کیا آپ کو بھی وہ اضطراب انگیز خبریں پہنچ رہی ہیں جو ہمیں پہنچتی ہیں؟"

انہوں نے حیران ہو کر کہا۔ "نہیں مجھے تو خیر و عافیت کی خبریں ہی مل رہی ہیں۔" اس پر اہلِ مدینہ نے سارے معاملہ کی آپ کو اطلاع کی اور مشورہ دیا کہ آپ ہر علاقہ میں لوگوں کو بھیجیں جو وہاں جا کر حالات کی اچھی طرح تفتیش کریں اور پتہ چلائیں کہ ان شکایتوں میں کہاں تک صداقت ہے جو عمال کے متعلق کثرت سے پہنچ رہی ہیں۔ چنانچہ حضرت عثمان رضؓ نے ایسا ہی کیا اور مختلف اشخاص کو سلطنت کے تمام صوبوں میں حالات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ محمدؓ بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہؓ بن زیدؓ کو بصرہ، عبداللہؓ بن عمرؓ کو شام اور عمارؓ بن یاسر کو مصر بھیجا۔ اسی طرح اور دوسرے علاقوں میں بھی لوگ بھیجے۔ کچھ عرصہ کے بعد عمارؓ کے سوا باقی سب واپس آ گئے اور انہوں نے آ کر بیان کیا کہ ہم نے ان خبروں میں کوئی صداقت نہیں پائی جو مدینہ میں پہنچ رہی تھیں۔ ان علاقوں کا نظم و نسق بالکل ٹھیک ہے اور ان کہانیوں میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ امراء لوگوں پر ظلم کرتے اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔

صرف حضرت عمارؓ بن یاسر ہی ایسے تھے جن کو اہلِ مصر نے بہلا پھسلا کر اپنے حق میں کر لیا تھا۔ انہوں نے ان کی خوب خاطر مدارات کی۔ ان لوگوں میں پیش پیش عبداللہ بن سوداء، خالد بن ملجم، سودان بن حمران وغیرہ تھے۔ مصر میں

حضرت عثمانؓ کے سب سے زیادہ دشمن دو شخص تھے، ایک تو محمد بن ابی حذیفہ، جس کی ناراضی کا سبب یہ تھا کہ اس نے حضرت عثمانؓ سے کسی علاقہ کی ولایت طلب کی تھی لیکن آپ نے انکار کر دیا تھا۔ دوسرا محمد بن ابی بکر، یہ اپنے آپ کو حضرت ابوبکرؓ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے بہت بڑی شخصیت سمجھتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ایک موقعہ پر اس کے ساتھ سختی کی تھی جس پر یہ آپ کا سخت دشمن ہو گیا اور اس کے دل میں آپ کی طرف سے کینہ بیٹھ گیا۔ اس وقت سے یہ آپ کو معزول کرنے کی فکر کرنے لگا۔ عمارؓ بن یاسرؓ کا زیادہ وقت انہی دو آدمیوں کے ساتھ گزرنے لگا۔ ان کو بھی حضرت عثمانؓ سے کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ان پر عباس بن عتبہ بن ابی لہب پر حملہ کرنے کی وجہ سے حد جاری کی تھی۔

---

(۱۸)

شام میں اشتراکیت

دوسرے شہروں کے برخلاف شام کی حالت بالکل پُرسکون اور اطمینان بخش تھی کیونکہ حضرت معاویہ کا زبردست اقتدار وہاں بغاوت کے جراثیم کو پھلنے پھولنے کی مہلت قطعاً نہیں دے سکتا تھا۔ حضرت معاویہ میں عقلمندی، دوراندیشی، احتیاط، ضبط اور سختی انتہا درجہ کی تھی اور ان کی ان صفات سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا۔

مفسدین نے سلطنت کے ہر علاقہ میں فساد کے بیج بوئے اور عام رعایا کو اپنے والیوں اور خلیفہ کے خلاف اُبھارنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن شام اس فتنہ سے بالکل محفوظ تھا۔ حضرت معاویہ کی بے نظیر سیاست کی وجہ سے اس وسیع علاقے کے باشندوں کی اطاعت اور وفاداری میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ معاویہ ان کو جس رستے پر چلانا چاہتے تھے وہ اسی رستے پر چل پڑتے تھے۔ وہ اپنی سیاست میں مختارِ مطلق تھے۔ ان پر کوئی شخص حرف گیری نہیں کر سکتا تھا اور الا ماشاء اللہ ہر شخص ان کی مرضی کے موافق کام کرتا تھا۔

ابن سبا شام میں بھی آیا۔ وہ خباثت اور عقلمندی کا پتلا تھا۔ ہر علاقے میں وہاں کے حالات کے مطابق اس کا طرزِ عمل بالکل جداگانہ ہوتا تھا۔ اس کی دوربین نظر ایسے آدمیوں کو فوراً تاڑ لیتی تھی جو اس کی مرضی کے موافق کام کر سکتے تھے یا کسی نہ کسی رنگ میں اس کے مددگار ثابت ہو سکتے تھے۔ شام میں بھی اس نے ایک ایسے ہی آدمی کو تاڑا۔ وہ تھے

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی حضرت ابوذر غفاریؓ۔ آپ نہایت پرہیزگار اور متقی انسان تھے۔ آپ نے نہایت فقیرانہ اور غریبانہ طرز زندگی اختیار کر رکھی تھی اور مال جمع کرنے کو نہایت ناپسند کرتے تھے۔ ابن سبا ان کے پاس آیا اور کہنے لگا "حضرت! دیکھئے کیا غضب ہے، معاویہ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کہتے ہیں۔ کیا ہر چیز اللہ کی ہی نہیں ہوتی؟ دراصل اس سے معاویہ کا مقصد یہ ہے کہ بیت المال کے اموال کو مسلمانوں پر خرچ نہ کیا جائے اور اس پر سے مسلمانوں کا نام اُڑا کر خود ہی خرچ کر لیا جائے۔"

حضرت ابوذرؓ بے چارے سیدھے سادھے آدمی تھے۔ ان کو کیا خبر کہ اس سے ابن السوداء کا کیا مطلب ہے وہ اس کے کہنے میں آ کر حضرت معاویہ کے پاس آئے اور کہنے لگے "آپ مسلمانوں کے مال کو اللہ کا مال کیوں کہتے ہیں؟"

معاویہ کہنے لگے "ابوذر! خدا آپ پر رحم کرے، کیا ہم اللہ کے بندے نہیں ہیں اور تمام مال اسی کا مال نہیں ہے؟ کیا تمام مخلوقات اسی کی مخلوق نہیں ہے اور کیا تمام جہان میں اسی کا حکم نہیں چلتا؟"

ابوذرؓ کہنے لگے "خیر پھر بھی احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ آپ آئندہ اس کو اللہ کا مال نہ کہیں۔"

معاویہ نے جواب دیا "میں یہ تو ہرگز نہیں مانوں گا کہ بیت المال کے اموال اللہ کے اموال نہیں ہیں۔ لیکن محض آپ کی خاطر آئندہ ان کو اموال المسلمین کہا کروں گا۔"

حضرت ابوذرؓ سے اپنا کام نکلوانے کے بعد ابن السوداء ابوالدرداءؓ کے پاس پہنچا اور ان سے بھی اسی طرح کی باتیں کیں۔ مگر وہ اس کے ساتھ بڑی سختی سے پیش آئے اور اس کی دال وہاں بالکل نہ گل سکی۔ لیکن اس کی باتوں نے حضرت ابوذرؓ میں ایک خاص جوش پیدا کر دیا جس کی بناء پر آپ نے شام میں اس قسم کی تقریریں کرنی شروع کر دیں۔

"اے امیروں کے گروہو! اور غریبوں پر ظلم کرنے والو! ان لوگوں کو "بشارت" ہو جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ قیامت کے روز اسی چاندی اور اسی سونے کو گرم کر کے ان کے چہروں، پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے۔"

اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ غریبوں اور مسکینوں میں ان باتوں سے جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے امیروں پر دست درازیاں شروع کر دیں۔ امراء نے حضرت معاویہ سے اس نئے مذہب کی شکایت کی جو ابوذرؓ لوگوں کے درمیان خصوصاً طبقہ فقراء اور مساکین میں پھیلا رہے تھے۔

اس پر حضرت معاویہؓ کو خطرہ کا احساس ہوا۔ چونکہ حضرت ابوذرؓ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر

صحابی اور سابقون الاولون میں سے تھے اس لئے وہ براہ راست ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکتے تھے انہوں نے اس معاملہ کی رپورٹ حضرت عثمانؓ کو بھیجی۔ آپ نے جواب دیا: معلوم ہوتا ہے فتنہ اب پھوٹ پڑنے کو ہے۔ تم ابوذرؓ کو نہایت احترام کے ساتھ میرے پاس مدینہ روانہ کر دو۔

چنانچہ حضرت معاویہ نے حضرت ابوذر کو مدینہ روانہ کر دیا۔ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے آپ سے پوچھا:

"ابوذر! یہ کیا بات ہے اہل شام آپ کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟"

ابوذرؓ نے سارا واقعہ بتلایا۔ اور کہا کہ بیت المال کے اموال کو اموال اللہ نہیں کہنا چاہئے اور امیروں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ مال جمع کریں۔

حضرت عثمانؓ نے کہا "ابوذر! رعایا کے جو فرائض مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کو ادا کرنا اور رعایا پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں ان کو طلب کرنا میرا کام ہے۔ لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں لوگوں کو ترک دنیا پر مجبور کروں۔ میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ انہیں میانہ روی اور خدمت دین کی تعلیم دوں۔"

اس پر حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمانؓ سے کہا "آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں مدینہ چھوڑ دوں اور مدینہ سے کچھ فاصلہ پر ربذہ کی بستی میں جا کر بود و باش اختیار کر لوں۔" چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان کو ربذہ جانے کی اجازت دے دی اور ان کے لئے گذارہ بھی مقرر کر دیا۔ حضرت ابوذرؓ کی وفات ۳۲ھ میں ربذہ ہی میں ہوئی۔

اس تمام احترام کو برقرار رکھتے ہوئے جو حضرت ابوذرؓ کا ہمارے دل میں ہے پھر بھی ہمیں اس بات کے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انہوں نے اشتراکیت کا جو راستہ اختیار کیا تھا اس کا اسلام نے قطعاً کوئی حکم نہیں دیا اور نہ ان کے لئے یہ مناسب ہی تھا کہ وہ اس کی تائید میں وہ طریقے استعمال کرتے جو انہوں نے کئے۔ اسلام نے تفریط او ایسے امور اختیار کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جو انسانی طاقت سے باہر ہوں بلکہ اس نے میانہ روی کو ہی ہر جگہ مقدم رکھا ہے۔ اگر مسلمان اسلام پر پوری طرح عامل ہوں اور اس کی صحیح تعلیمات کے مطابق احکام اسلامی کا نفاذ کریں تو وہ کسی صورت میں بھی اس راستہ کو اختیار نہیں کر سکتے جس کو حضرت ابوذرؓ نے اختیار کر لیا تھا۔ اس اشتراکیت کے خدوخال بظاہر تو بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ بالکل ناممکن العمل ہے۔ اسلام اشتراکیت کے راستہ کو چھوڑ کر ایک درمیانی راستہ اختیار کرتا ہے جسے صحیح طور پر اپنا لینے سے نہ غریب آدمی غربت میں بڑھتا چلا جا سکتا ہے اور نہ امیر آدمی امارت میں۔

واقعہ یہ ہے کہ شریعتِ اسلامیہ اس اشتراکیت سے بالکل مختلف ہے اور اس کے اصول ان اشتراکی اصولوں سے بالکل علیحدہ ہیں جن کے داعی آج کل روس اور اس کے ماتحتی ممالک ہیں۔ اسلام کے اصول اشتراکیت کے اصولوں سے بہت زیادہ مضبوط، سود مند اور پائیدار ہیں اور مسلمانوں کے لئے صرف وہی اصول کارآمد ہو سکتے ہیں جو اسلام نے پیش کئے ہیں کیونکہ یورپ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں تو انسان آپس میں بیٹھ کر قانون بناتے ہیں لیکن اسلام کے احکام تو الٰہی احکام ہیں اور مسلمان رہنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہی احکام کا نفاذ ہو اور انہی پر عمل بھی کیا جائے۔ زکوٰۃ ارکانِ اسلام میں سے ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں اکثر جگہ اس کا ذکر نماز کے ساتھ آیا ہے۔ اگر مسلمان شرعی مقدار کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں تو روئے زمین پر ایک مسلمان بھی ایسا باقی نہ رہے جس کو فقیر کہا جا سکے۔ بجائے اس کے کہ اشتراکیت کے داعی مسلمانوں میں اس کی تبلیغ کریں اس کے جراثیم حکومت سے بغض و عداوت پیدا کرنے اور طبقاتی جنگ کو بھڑکانے کے لئے لوگوں میں پھیلائیں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے اس ضروری رکن زکوٰۃ کو قائم کرنے کے لئے ضروری تدابیر اختیار کریں لیکن شرط یہ ہے کہ ایک نظام کے ماتحت اس کو جمع اور خرچ کیا جائے اور اسلامی سلطنتیں اس بارہ میں ضروری اقدامات روا رکھیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو مسلمانوں میں فقر و غربت کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ طبقاتی امتیازات ختم ہو جائیں گے۔ غریب اور امیر کے درمیان کوئی تفریق باقی نہ رہے گی۔ اونچے طبقہ کی طرف سے نچلے طبقہ پر کئے جانے والے ظلم اور زیادتیاں بالکل ختم ہو جائیں گی۔ کیونکہ جس طرح نماز مسلمانوں کو یہ سکھلاتی ہے کہ خدا کے دربار میں غریب و امیر سب برابر ہیں اور نماز میں ایک بادشاہ کے ہم پہلو ایک غریب مفلس اور قلاش کو کھڑے ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی سے بھی ایک امیر کے دل میں یہ احساس پیدا ہو گا کہ یہ کوئی خیرات نہیں جو میں اپنے غریب بھائی کو دے رہا ہوں بلکہ یہ غریبوں کا حق ہے کہ وہ حکومت کی وساطت سے میرے مال میں شریک رہیں۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کے مال میں شریک ہو اس سے حقارت کا برتاؤ نہیں کیا جاتا بلکہ برابری کا معاملہ کیا جاتا ہے۔

لیکن ہم افسوس کے ساتھ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سوائے شاذ و نادر افراد کے باقی سب نے زکوٰۃ کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور وہ دین کے اہم ترین فرائض سے بے توجہی اور لاپروائی برت رہے ہیں۔ اس لئے ہر دم اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ اشتراکیت کی گود میں نہ جا گریں۔ ان کو اس عظیم خطرہ سے بچانے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ صحیح اسلامی شریعت کو قائم کیا جائے اور زکوٰۃ کا نظام ایک پروگرام کے تحت شرعی حدود کے ساتھ قائم کیا جائے۔ اگر مسلمانوں نے اسلام کے اس ضروری اور مقدس فرض کو پوری طرح قائم کر لیا تو یقیناً وہ اشتراکیت کے تباہ کن سیلاب سے بچ جائیں گے۔

(۱۹)

والیوں کا اجتماع

سعید بن العاص والیٔ کوفہ کو حضرت عثمان رضؓ نے مدینہ بلایا تھا اس سے پہلے سعید رؤسائے کوفہ کو مختلف شہروں میں عمال بنا کر بھیج چکے تھے۔ جب سعید بن العاص بھی مدینہ چلے گئے تو فتنہ کے سرغنوں نے موقع کو غنیمت سمجھا اور ان پر بالکل بے بنیاد اور شرمناک الزامات لگا کر لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے لگے اور انہیں اسی بات پر اکسایا کہ وہ حضرت عثمان رضؓ کے پاس جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کریں۔ چنانچہ سینکڑوں آدمیوں کا ایک جتھا اسی غرض کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا یہ لوگ ابھی راستے ہی میں تھے کہ ان کو سعید بن العاص ملے جو کوفہ واپس جا رہے تھے۔ ان لوگوں نے ان سے کہا:

"مہربانی کر کے آپ بطور والی کوفہ میں داخل نہ ہوں"

سعید نے جواب دیا:

"یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے کہ ایک آدمی کو روکنے کے لئے ہزار آدمی نکلیں۔ یہ کافی تھا کہ ایک آدمی میری طرف بھیج دیتے اور ایک آدمی خلیفہ کی طرف"

اس کے بعد وہ واپس لوٹ آئے۔ ان لوگوں نے ان کے غلام کو قتل کر دیا۔ مدینہ واپس آ کر انہوں نے حضرت عثمان رضؓ کو تمام معاملہ کی خبر دی۔ آپ نے پوچھا: "وہ کس کو چاہتے ہیں؟"

سعید نے کہا: "ابوموسیٰ اشعری کو۔"

حضرت عثمان رض نے کہا: "ہم نے ابوموسیٰ کو ان کا والی مقرر کر دیا۔ خدا کی قسم ہم ان کو کسی عذر کا موقع نہ دیں گے۔ کوئی حجت، کوئی دلیل ان کے ہاتھ نہ آنے دیں گے۔ میں ان کی باتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق عمل کروں گا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آ جائے جس کا یہ ارادہ کرتے ہیں۔"

جب حضرت عثمان رض نے یہ محسوس کیا کہ اب فتنہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے تو انہوں نے تمام والیوں کو مدینہ بلا بھیجا جو والی مدینہ پہنچے وہ حسب ذیل تھے، معاویہ رض بن ابی سفیان والی دمشق، عبداللہ بن ابی سرح والی مصر، سعید بن العاص والی کوفہ (ان کو کوفہ والوں نے شہر میں داخل ہونے سے پہلے ہی نکال دیا تھا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں) عبداللہ بن عامر والی بصرہ و بحرین، عمرو بن العاص (جو مدینہ میں ہی موجود تھے) جب یہ تمام لوگ جمع ہو گئے تو حضرت عثمان رض نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"ہر آدمی کے وزیر اور مشیر ہوتے ہیں۔ تم لوگ میرے وزیر اور مشیر ہو۔ لوگ جو کچھ کر رہے ہیں، سب تمہیں معلوم ہے۔ وہ مجھ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ میں اپنے عمال کو معزول کر دوں ان تمام لوگوں کو جنہیں وہ ناپسند کرتے ہیں واپس بلا لوں اور جن لوگوں کو وہ پسند کرتے ہیں ان کو ان معزول شدہ گورنروں کی جگہ بھیج دوں۔ اب آپ سب مجھے اس بارہ میں اپنی رائے بتائیں۔"

عبداللہ بن عامر نے کہا: "امیرالمومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ ان کو جہاد کا حکم دیں۔ اس طرح ان کی توجہ بٹ جائے گی۔ جب وہ جنگوں میں مشغول رہیں گے تو خود بخود آپ کے مطیع ہو جائیں گے۔ ان کو صرف اپنی ہی فکر ہو گی۔ فتنہ و فساد کے متعلق سوچنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔"

سعید بن العاص نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا: "اگر آپ ہماری رائے لینا چاہتے ہیں تو اصل بیماری کو اپنے سے دور کیجئے اور جو کانٹے آپ کی راہ میں حائل ہیں ان کو ہٹا دیجئے اور میری رائے پر عمل کیجئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو یقیناً فتنہ و فساد کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔"

حضرت عثمان رض نے پوچھا: "وہ کیا رائے ہے؟"

انہوں نے جواب دیا: "ہر گروہ کا ایک سردار اور رہبر ہوتا ہے، اگر وہ ہلاک ہو جائے تو تمام گروہ منتشر ہو جاتا ہے اور اس میں کسی قسم کی طاقت اور جرأت باقی نہیں رہتی۔ پس آپ کو چاہئے کہ اس فتنہ کے بانیوں اور سرغنوں کا سر کچل دیں، یہ فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا "رائے تو بہت صحیح ہے لیکن میں ناحق مسلمانوں کا قتلِ عام نہیں کرنا چاہتا"۔

حضرت معاویہ نے ان الفاظ میں رائے دی "امیر المومنین! میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے عمال کو ان کے اپنے اپنے علاقوں کی طرف روانہ کر دیجئے اور ہر عامل کو اپنی ولایت میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار بنائیے۔ میں خود شام میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ دار ہوں گا"۔

عبداللہ بن ابی سرح بولے "امیر المومنین! یہ لوگ لالچی ہیں۔ ان کو بیت المال سے کچھ دے دیجئے۔ پھر کیسا فتنہ اور کہاں کا فساد۔ سب دھواں بن کر اڑ جائے گا اور ان کے دل آپ کی طرف مائل ہو جائیں گے"۔

اگر حضرت عثمانؓ میں ذرا بھی سختی ہوتی تو وہ عبداللہ بن عامر یا سعید بن عاص کی رائے پر ضرور عمل کرتے لیکن ان کی کمزوری اور نرمی نے ان کو کسی رائے پر عمل نہ کرنے دیا۔ حالانکہ ان دونوں کی رائیں بہترین رائیں تھیں اور ان میں سے کسی رائے پر عمل کرنے سے فتنہ کا قلع قمع ہو سکتا تھا۔ لیکن حضرت عثمانؓ بجائے ان مشوروں پر عمل اور اکابر مفسدین کا قلع قمع کرنے کے خود مفسدین کے آگے جھک گئے اور انہوں نے کوفہ میں اسی شخص کو مقرر کر دیا جس کا وہ مطالبہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی اس پالیسی کو سیاست کی اچھی مثال نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس سے حکومت کا رعب ہی قائم ہو سکتا تھا۔ اہلِ کوفہ کے نام حضرت عثمانؓ نے جو خط لکھا تھا اس سے بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اثر و اقتدار حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے نکل چکا تھا اور آپ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئے تھے[1]۔

اہلِ کوفہ نے جب اپنے والی کو لوٹا دیا۔ اس کے غلام کو قتل کر دیا اور اس کی بجائے ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا والی بنانے کی درخواست کی تو حضرت عثمانؓ نے ان کو لکھا:

---

[1] در اصل حضرت عثمان چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ باغی راہِ راست پر آ جائیں۔ آپ کو ڈر تھا کہ اگر ان پر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایک سیلاب کھل جائے گا۔ اسی ڈر سے آپ نے ان سے نرمی کا سلوک کیا اور ان کے ایسے مطالبوں کو جن کے پورا کرنے سے شریعت کے احکام کو ٹھیس نہیں لگتی تھی پورا کر دیا۔ اس امید میں کہ شاید یہ اس سے متاثر ہو کر اپنی کرتوتوں سے باز آ جائیں اور جو شورش انہوں نے برپا کر رکھی ہے اس کو چھوڑ کر پُر امن شہریوں کی زندگی بسر کرنے لگیں۔ یہ امر حضرت عثمانؓ کی رحم دلی اور آپ کے قلب کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ حضرت عثمانؓ مفسدین اور فتنہ پردازوں کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ کے ہاتھ میں اس وقت ہر قسم کی طاقت تھی اور اس کو کام میں لا کر آپ دم بھر میں ان کی طاقت کو نیست و نابود کر سکتے تھے (مترجم)

"جس کو تم نے چاہا میں نے تمہارا والی مقرر کر دیا ہے اور سعید کو جسے تم ناپسند کرتے تھے واپس بلا لیا ہے۔ خدا کی قسم جب تک مجھ میں طاقت ہے میں محض تمہاری بھلائی کی خاطر اپنی ذلت گوارا کر لوں گا، صبر کرتا رہوں گا اور اس بات کی پوری کوشش کروں گا کہ جس طریقے سے بھی ہو تمہاری اصلاح کروں اور اس غرض سے ہر وہ چیز تمہیں دے دوں گا جو تم مجھ سے مانگو گے۔ بشرطیکہ اس سے احکام خداوندی کی خلاف ورزی نہ ہوتی ہو میں ہر طرح تمہیں مطمئن کرنے کی سعی کروں گا تاکہ بعد کو مجھ پر کوئی الزام نہ آئے۔"

اسی طرح کے خطوط انہوں نے دوسرے شہروں میں بھی لکھے یہ کمزوری اور ضعف کی ایک جدید مثال تھی۔ جس کا لوگ حضرت عمرؓ کے وقت میں گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ایک شریف آدمی پر تو یہ باتیں اثر کر سکتی ہیں لیکن کمینہ آدمی ایسی باتوں کو کمزوری اور خوف پر محمول کرتا ہے اور فتنہ و فساد برپا کرنے میں اور بھی تندہی سے کوشش کرنے لگتا ہے۔

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر شہر میں مفسدین اور فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود تھی جو ہر ممکن طریقہ سے جھوٹی خبروں کی اشاعت کرنے، خلافت سے نفرت دلانے ظنون و شبہات میں لوگوں کو مبتلا کرنے اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے میں ہر وقت مشغول رہتی تھی۔

یہ بات مستبعد نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مدینہ میں بھی اسی قماش کا ایک گروہ موجود ہو جو اس آگ کو بھڑکانے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوششوں میں مشغول رہتا ہو۔ اگر یہ ثابت ہو جائے تو ضروری ہے کہ ایسی باتوں کی اشاعت ہے جو کثرت سے مدینہ کے لوگوں کو پہنچتی رہتی تھیں، علاوہ اور لوگوں کے خود صحابہ کرامؓ بھی حضرت عثمانؓ سے بدظن ہو گئے ہوں۔ آپ پر جرح و قدح اور اعتراضات کرنے لگے ہوں اور آپ کی مدد اور مدافعت سے دست کش ہو گئے ہوں۔ چنانچہ اسی قبیل کا ایک واقعہ تاریخوں میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے پاس گئے اور آپ پر اعتراضات کی بوچھاڑ کر دی۔ حضرت عثمانؓ نے غصہ سے حضرت علیؓ کی باتیں سنیں اور پھر فرمایا:

"کاش تم میری جگہ ہوتے۔ میں نہ کبھی تم پر غصہ کا اظہار کرتا ہوں نہ تم پر کوئی عیب لگاتا ہوں۔ ہمیشہ صلہ رحمی کرتا ہوں اور قرابت کو کبھی نہیں توڑتا۔ لوگوں کی حاجت براری کرتا ہوں۔ میں بھی والی مقرر کرنے میں ان خصوصیات کو ملحوظ رکھتا ہوں جن خصوصیات کو عمرؓ ملحوظ رکھا کرتے تھے۔ کیا عمرؓ نے مغیرہ بن شعبہ کو والی نہیں بنایا تھا حالانکہ وہ ان کے رشتہ دار تھے۔ پھر اگر میں نے اپنے رشتہ دار اور قرابتی عبداللہ بن عامر کو والی بنا دیا تو مجھ پر اعتراض کیوں کرتے ہو؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا: "عمرؓ جب کسی شخص کو والی بناتے تھے اور انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس نے ان کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے تو وہ اس سے بہت سختی کا معاملہ کرتے تھے۔ لیکن آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ اپنے اقرباء کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرتے ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "تم جانتے ہو کہ معاویہ عمرؓ کے تمام زمانہ خلافت میں والی رہے، اگر میں نے بھی ان کو والی بنائے رکھا تو کون سا جرم کیا؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا: "میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا آپ کو پتہ نہ تھا عمرؓ کا خوف معاویہ کے دل پر کس قدر مسلط رہتا تھا؟"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "ہاں مجھے خوب پتہ ہے۔"

حضرت علیؓ نے کہا: "لیکن اب معاویہ آپ سے پوچھے بغیر سلطنت کا کام سرانجام دیتے ہیں۔ آپ کو بھی اس امر کا پتہ ہے۔ لیکن لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ عثمانؓ کے حکم سے کر رہا ہوں۔ آپ کو یہ باتیں پہنچتی ہیں لیکن آپ معاویہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتے۔"[1]

اگر یہ باتیں صحیح ہیں تو حضرت عثمانؓ کی باتوں میں کوئی وزن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ کسی کو والی مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص کے ذریعہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے گا، یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس طرح سے رشتہ داروں اور اہل خاندان کا بھلا ہو۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں بنی ہاشم میں سے کبھی کسی کو والی یا عامل نہیں بنایا حالانکہ وہ آپ کے قرابتی اور رشتہ دار تھے۔ یہی طرزِ عمل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا بھی رہا۔ خصوصاً حضرت عمرؓ کے تو خاندان میں ایسے شخص موجود تھے جو والی بنائے جانے کے مستحق تھے۔ لیکن انہوں نے کبھی اپنے رشتہ داروں کو کسی اعتبار سے بھی دوسروں پر ترجیح نہیں دی۔ اسی طرح وہ کبھی کسی عامل کی غلطی، برائی اور قصور پر خاموش نہیں بیٹھے، بلکہ ہر غلطی پر اس کو سخت تنبیہہ کی۔ یہی امور تھے جن کی وجہ سے آپ نے اپنے عہد میں حکومت کو اوجِ ترقی پر پہنچا دیا تھا اور اس زمانہ میں چمنستانِ اسلام پر بہار آئی ہوئی تھی۔

لیکن یہ بھی واقعہ ہے جس سے مؤرخ کبھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضرت عثمانؓ کا دل بالکل صاف اور آپ کا

---

[1] واقدی۔ ابن اثیر۔ طبری۔

ضمیر بالکل پاک تھا۔ آپ نفاق، بدظنی اور فساد کی راہوں سے کوسوں دور تھے۔ اس لئے اگر آپ اپنے عزیز واقارب
کی نسبت حسنِ ظن رکھتے تھے، آپ کو یقین تھا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں آپ سے اخلاص کا برتاؤ کریں گے
امور سلطنت کو اچھی طرح سرانجام دیں گے اور قرابت کی وجہ سے آپ کے بہترین مددگار ثابت ہوں گے تو ہمیں
اس پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے رشتہ داروں پر دوسروں کی نسبت زیادہ اعتماد کرنا ایک فطری بات ہے
اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

طبری میں آتا ہے کہ حضرت معاویہ نے شام جاتے ہوئے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین قبل
اس کے کہ فتنہ پھوٹ پڑے آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے۔ شام ان فتنوں سے بالکل محفوظ ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑ سکتا
خواہ اس میں میری گردن ہی کیوں نہ ماری جائے۔"

حضرت معاویہؓ نے پھر کہا کہ "اگر یہ صورت آپ کو قبول نہیں تو پھر میں شام سے ایک لشکر آپ کی حفاظت
اور فتنہ کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ بھیج دوں۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا کہ "میں ایک لشکر کی وجہ سے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہنے
والے مہاجرین اور انصار کی زندگی اجیرن نہیں کر سکتا اور ان کو مصیبت میں نہیں ڈال سکتا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا "پھر تو آپ کی جان ہر وقت خطرہ میں ہے۔"

حضرت عثمانؓ کا جواب صرف یہ تھا، حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

جب حضرت معاویہؓ سفر کے لئے نکلے تو انہوں نے حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو راستہ میں
کھڑا پایا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور ان سے فرمایا:

"حکومت ایک ایسی چیز ہے جس پر قدیم زمانہ سے لوگ لڑتے مرتے چلے آئے ہیں۔ جب خداوند تعالیٰ نے
رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ دینِ اسلام کا روشن آفتاب چمکا اور اپنی شعاعوں سے ظلمت کدۂ کفرستان
کو روشن کر دیا تو لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت قدامت اور سابقیت اسلام کا لحاظ کیا گیا۔ علم واجتہاد کا پاس
رکھا گیا اور اب تک یہی طریقہ جاری ہے۔ اگر لوگ اسلامی طریقہ پر قائم رہیں اور اس پر عمل کریں تو یہ خلافت انہی بزرگوں
میں رہے گی اور باقی لوگ ان کے تابع ہوں گے لیکن اگر یہ دنیا کی طرف جھک گئے اور بزور خلافت پر قبضہ کرنا چاہا
تو یہ نعمت ان سے سلب کر لی جائے گی اور حکومت و ریاست خداوند تعالیٰ دوسروں کو دے دے گا۔ اللہ تعالیٰ

حاکمِ حقیقی ہے وہ تغیر و تبدل پر ہر طرح قادر و توانا ہے۔ کوئی امر اس کو مشکل نہیں۔ میں آپ لوگوں میں ایک بوڑھے اور بزرگ شخص کو چھوڑے جاتا ہوں۔ آپ ان کے ساتھ خیر خواہی کریں اور ہر طرح ان کے شریک حامی رہیں آپ کو اس کام کے عوض سعادت نصیب ہوگی۔ خدا تعالیٰ آپ سے خوش ہوگا۔ آپ خدا کے خلیفہ کی نصرت کریں گے خدا آپ کی نصرت کرے گا۔"

یہ نصیحت کر کے حضرت معاویہؓ شام روانہ ہو گئے۔

---

(۲۰)

شورش کا آغاز

جب تمام علاقوں کے امیر مدینہ میں مشورہ کے لئے آئے ہوئے تھے فتنہ کے سرغنوں نے تمام علاقوں میں یک دم بغاوت کر دینے کا فیصلہ کیا لیکن سوائے کوفہ کے وہ کہیں اپنے ان ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اہل کوفہ یہ بہانہ بنا کر کہ وہ مدینہ اپنے عامل سعید بن عاص کو تبدیل کرانے کی نیت سے جا رہے ہیں، مدینہ روانہ ہو گئے۔ جرعہ کے مقام پر جو مدینہ اور کوفہ کے درمیان واقع ہے ان کی مڈھ بھیڑ سعید سے ہوئی اور سعید کو مدینہ واپس ہونا پڑا۔

اہل کوفہ نے سعید کی جگہ ابو موسیٰ اشعریؓ کو عامل بنانے کا مطالبہ کیا جس کو حضرت عثمانؓ نے منظور کر لیا۔

جب تمام امراء اپنے اپنے علاقوں میں واپس پہنچ گئے تو فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت برپا کرنے کا کوئی امکان نہ رہا۔ انہوں نے مختلف شہروں میں اپنے ہم خیال لوگوں سے اس سلسلہ میں خط و کتابت شروع کی اور فیصلہ کیا گیا کہ تمام علاقوں سے کچھ لوگ ایک وفد کی شکل میں مدینہ پہنچیں اور وہاں اپنے آئندہ طریق کار کے متعلق صلاح و مشورہ کریں۔ لوگوں پر یہ ظاہر کیا جائے کہ وہ ملت اسلامیہ کی بہبودی کی خاطر مدینہ جا رہے ہیں۔ مدینہ پہنچ کر وہ حضرت عثمانؓ سے چند سوال کریں عمال اور امراء کی بے راہ روی اور ظلم و ستم کی ان سے شکایت کی جائے پھر ان باتوں کو تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلا دیا جائے تاکہ عامۃ المسلمین کو خلافت اور امراء کے خلاف بھڑکایا جا سکے اور

لوگوں کو یہ یقین ہو جائے کہ حضرت عثمانؓ اور عمال کے خلاف جو الزام لگائے جاتے ہیں وہ سب درست ہیں۔ چنانچہ تین شہروں کوفہ، بصرہ اور مصر سے تین وفد اس غرض کے لئے مدینہ کی طرف چلے۔ جب وہ مدینہ پہنچے تو ان کی آمد کا علم ہونے پر حضرت عثمانؓ نے دو آدمیوں کو بھیجا کہ ان کے آنے کی غرض و غایت کا پتہ لگایا جائے۔ فتنہ کے سرغنوں نے ان کو دیکھ کر خیال کیا کہ یہ بھی انہی میں سے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو کچھ ان کے دل میں تھا بلاکم و کاست ان پر ظاہر کر دیا کہ خلیفہ سے ان امور کے سلسلہ میں بات چیت کرنے مدینہ جا رہے ہیں جن کو وہ پہلے ہی مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیلا چکے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے علاقوں میں واپس جا کر لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ ہم نے خلیفہ سے ان امور کے متعلق بات چیت کی۔ خلیفہ نے انکار تو نہیں کیا لیکن ان سے توبہ بھی نہیں کی۔ اس کے بعد ہم اگلے سال حج کے مہینہ میں بہ تعدادِ کثیر مکہ میں جمع ہوں گے اور ظاہر یہ کریں گے کہ ہم حج کی غرض سے آئے ہیں۔ مکہ پہنچ کر ہم حضرت عثمانؓ کا محاصرہ کر لیں گے، اور پر ترکِ خلافت کے لئے زور دیں گے، اور اگر انہوں نے انکار کیا تو ان کو قتل کر دیں گے۔

ان دونوں آدمیوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر ساری باتیں دہرا دیں۔ آپ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہنے لگے "یا اللہ! ان لوگوں کو گمراہی سے بچا لے۔ اگر تو نہ بچائے گا تو یہ لوگ برباد ہو جائیں گے"۔

پھر آپ نے کوفیوں اور اہلِ بصرہ کو بلا بھیجا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بھی جمع کر لیا۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ کھڑے ہوئے اور تمام واقعات سنائے۔ اس کے بعد وہ دو اشخاص جو ان مفسدین کے پاس بغرضِ تحقیق بھیجے گئے تھے کھڑے ہوئے اور ان کی باتیں حرف بحرف بیان کر دیں۔ اس پر تمام صحابہؓ نے متفقہ طور پر حضرت عثمانؓ کو یہ صلاح دی کہ ان سب کو قتل کر دیجئے کیونکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "ایسے وقت میں کہ لوگوں میں ایک امام موجود ہو، اگر کوئی شخص اپنی اطاعت یا کسی اور کی اطاعت کے لئے لوگوں کو دعوت دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو۔ تم اس کو قتل کر دو"۔

لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا "نہیں ہم عفو و درگذر سے کام لیں گے۔ ان کے عذر قبول اور انہیں راہِ راست پہ لانے کی پوری کوشش کریں گے اور جب تک ان میں سے کوئی کسی حدِ شرعی کو نہ توڑے یا کفر کا اظہار نہ کرے اس کی مخالفت نہ کریں گے"۔

اس کے بعد آپ نے وہ تمام باتیں بیان کیں، جن کی بنا پر وہ آپ سے ناراض تھے اور جو انہوں نے عامۃ الناس میں پھیلا رکھی تھیں۔ ساتھ ہی آپ نے ان کے جواب بھی دئے۔ یہ باتیں ایسی تھیں، جنہیں کوئی اہمیت

حاصل نہ تھی مثلاً" آپ کا سفر میں نماز پوری پڑھنا " سرکاری چراگاہ سے عوام کو روک دینا" الحکم کو مدینہ واپس بلا لینا۔ حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف بھیج دیا تھا۔

یہ ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں کہ ان پر بحث کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ ان کے علاوہ کچھ اہم باتیں بھی حضرت عثمانؓ نے ان سے کہیں۔ ان کا تذکرہ کرنا ضروری ہے۔

حضرت عثمانؓ نے مجمع سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے نوجوانوں کو عامل بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے صرف ایسے لوگوں کو عامل بنایا جو اس کام کے پورے طور پر اہل تھے۔ نیک صفات اور نیک اطوار سے بہرہ ور تھے۔ مجھ سے پہلے بھی میرے پیشروؤں نے میرے مقرر کردہ والیوں سے زیادہ نوعمر لوگوں کو والی بنایا تھا اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسامہ بن زید کو فوج کا سردار بنانے کی وجہ سے مجھ سے زیادہ اعتراضات کیے گئے تھے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

صحابہؓ نے جواب دیا "بالکل یہی بات ہے۔"

پھر حضرت عثمانؓ نے کہا:

"یہ اعتراض کرتے ہیں کہ میں نے غنیمت کے مال میں سے ابن ابی سرح کو کچھ مال دیا۔ حالانکہ میں نے اس کو خمس میں سے ایک ہزار درہم دیے تھے۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی بعض لوگوں کو اسی طرح دے دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی جب میں نے محسوس کیا کہ لشکر نے اس پر برا منایا ہے تو یہ مال انہی کو واپس کر دیا۔ حالانکہ یہ ان کا حق نہیں تھا۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

صحابہؓ نے جواب دیا "بالکل یہی بات ہے!"

پھر آپ نے فرمایا:

"یہ لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے رشتہ داروں سے محبت کرتا ہوں اور ان کو عطیات دیتا ہوں۔ محبت کے متعلق تو یہ بات ہے کہ یہ ایک طبعی امر ہے۔ اس کو کون روک سکتا ہے۔ لیکن میں ظلم کے معاملہ میں کبھی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور جو حقوق ان پر واجب ہوتے ہیں وہ پورے پورے وصول کر لیتا ہوں۔ باقی رہا میرا ان کو عطیات دینا تو میں جو کچھ ان کو دیتا ہوں اپنے مال میں سے دیتا ہوں۔ مسلمانوں کے اموال کو نہ میں اپنے اوپر خرچ کرنا جائز سمجھتا ہوں نہ کسی اور پر۔ میں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے زمانہ میں بھی جب کہ مجھ میں مال و دولت کی خواہش اور حرص تھی، اپنے مال میں سے بڑے بڑے عطیے لوگوں کو دیا کرتا تھا۔ اور اب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میرا وقت قریب آگیا ہے

یہ ملحد میرے متعلق ایسی باتیں کہتے ہیں۔ مالِ غنیمت میں سے جو کچھ میرے پاس آتا ہے وہ سب سوائے خمس کے میں ان کو واپس کر دیتا ہوں اور خمس میں سے بھی میں کچھ نہیں لیتا۔ وہ بھی مسلمانوں کا ہی حق ہوتا ہے۔ میں نے اللہ کے مال میں سے ایک پیسہ تک نہیں لیا ہے۔ جو کچھ میں خرچ کرتا ہوں وہ اپنے ہی مال میں سے کرتا ہوں۔

یہ کہتے ہیں کہ میں نے مفتوحہ زمینیں لوگوں کو دے دیں۔ حالانکہ جب یہ زمینیں فتح ہوئیں تو ان میں مہاجرین اور انصار (جن کی جاں بازیوں سے یہ فتح ہوئیں) شریک تھے۔ پس جو اپنی مفتوحہ زمینوں میں ٹھہرا رہا، وہ تو ان کا مالک تھا ہی لیکن جو واپس آ گیا وہ بھی اس حصہ سے محروم نہیں ہوا جو خدا تعالیٰ نے اس کو دیا تھا۔ میں نے ان ہی لوگوں کی سہولت کے لئے اور انہی کے کہنے سے ان کی جائدادوں کا تبادلہ کرا دیا۔ ان کو مدینہ کے علاقہ میں جاگیریں دے دیں اور اس کے بدلہ میں مفتوحہ علاقوں میں ان کو جو جاگیریں ملی تھیں وہ ان سے واپس لے لیں۔ اس طرح ان کی جاگیریں درحقیقت انہی کے ہاتھوں میں رہیں۔ صرف علاقوں کا ادل بدل ہو گیا۔"

حضرت عثمانؓ نے اپنا مال اور اپنی زمینیں بنی امیہ میں تقسیم کر دی تھیں اور اپنے بچوں کو بھی اتنا ہی حصہ دیا تھا جتنا دوسرے لوگوں کو ———— آل حکم نے دس ہزار دینار حاصل کئے اور تمام بنو ابوالعاص نے ایک لاکھ۔ حضرت عثمانؓ کے بیٹوں کو بھی اتنا ہی دیا گیا۔ یہ مال و جائداد بنی العاص، بنی العیص اور بنی حرب میں تقسیم کی گئی تھی۔

حضرت عثمانؓ نے اس گروہ کے ساتھ جو دھوکے سے آپ کو نقصان پہنچانے آیا تھا، نرمی کا سلوک کیا۔ صحابہؓ کا اصرار تھا کہ ان کو قتل کر دیا جائے لیکن آپ نے عفو و درگذر ہی کو ترجیح دی اور ان کو چھوڑ دیا۔ فسادیوں کا مطلب حل ہو گیا۔ اور وہ اپنے طے شدہ پروگرام کی تکمیل کے لئے اپنے اپنے علاقوں کو روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ نے یہ خیال کیا تھا کہ ان دلیلوں سے ان کے دلوں پر کچھ اثر ہو گا اور اس عفو و درگذر سے وہ آگ ٹھنڈی پڑ جائے گی جو ان کے دلوں میں بھڑک رہی تھی۔ اس لئے آپ نے محض کہنے سننے پر ہی اکتفا کیا اور ان کے خلاف کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا۔ لیکن فسادیوں نے شوال ۳۵ھ / ۶۵۶ء میں اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدینہ پر حملہ کرنے، حضرت عثمانؓ کو گھیر لینے، آپ کو معزول کرنے اور اگر آپ نے اپنی معزولی کو تسلیم نہ کیا تو قتل کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اہلِ مصر چار ٹولیوں میں بٹ کر مدینہ چلے۔ ہر ٹولی کا ایک امیر تھا۔ ان کی تعداد چھ سو سے ایک ہزار تک بتائی جاتی ہے۔ ان کے امراء مندرجہ ذیل

تھے

(۱) عبدالرحمٰن بن عدیس البلوی

(۲) کنانہ بن بشر اللیثی

(۳) سودان بن حمران السکونی

(۴) قتیرۃ السکونی

ان سب کا امیر غافقی ابن حرب العکی تھا

ان لوگوں نے اپنے اصل مقصد (فساد و جنگ) کو عام لوگوں پر ظاہر نہیں کیا بلکہ یہ بات بتادی کہ وہ حج کو جا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ ابن السوداء عبداللہ بن سبا بھی تھا۔

اہل کوفہ بھی چار گروہوں میں بٹ کر نکلے۔ ان کے سردار حسب ذیل تھے:

(۱) زید بن صوحان العبدی

(۲) اشتر نخعی

(۳) زیاد بن نضر حارثی

(۴) عبداللہ بن اصم العامری

ان کی تعداد مصریوں کی تعداد کے برابر تھی۔ ان سب کا سردار عامر بن اصم تھا

اہل بصرہ بھی چار گروہوں میں نکلے۔ ان کے سردار مندرجہ ذیل تھے:

(۱) حکیم بن جبلہ العبدی

(۲) ذریح بن عباد العبدی

(۳) بشر بن شریح القیسی

(۴) ابن المحرش الحنفی

ان کی تعداد بھی اہل مصر کے برابر تھی۔ ان سب کا سردار حرقوص بن زہیر السعدی تھا۔

ان تینوں شہروں کے فسادیوں کی خواہشات مختلف تھیں۔ اہل مصر جیسا کہ ابن سبا نے انہیں سکھایا تھا، حضرت علیؓ اور محمد بن ابوبکر (جو حضرت علیؓ کا ربیب تھا اور جس کی والدہ سے حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد شادی کرلی تھی) کو چاہتے تھے۔ محمد بن ابی حذیفہ بھی اسی کے حق میں تھا۔ اہل بصرہ چاہتے تھے کہ خلیفہ طلحہؓ بن عبیداللہ ہو

اہل کوفہ زبیر بن العوام کو خلیفہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ غرض ہر گروہ یہی چاہتا تھا کہ معاملہ اسی کے حق میں فیصل ہو
لیکن حضرت عثمانؓ کو معزول کرنے میں سب متفق تھے

جب یہ قافلے مدینہ پہنچے تو اہلِ بصرہ نے ذی خشب، اہل کوفہ نے اعوص اور اہل مصر نے ذی المروہ پر ڈیرے ڈالے
اہل مصر اور اہل بصرہ کے دو اشخاص زیاد بن نضر اور عبداللہ بن اصم نے مشورہ دیا کہ ابھی جلدی نہ کرو۔ ہم مدینہ جاتے ہیں اور
مدینہ کے حالات کا پتہ چلاتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اہل مدینہ نے ہمارے خلاف جنگی تیاریاں کر رکھی ہیں۔
یہ حال اس وقت ہے جب کہ تفصیلات کا انہیں علم نہیں ہے۔ لیکن جب وہ تمام حالات سے آگاہ ہوں گے تو معاملہ
اور بھی زیادہ بگڑ جائے گا اور ہم کسی صورت میں بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ ہم مدینہ جا کر معلوم کرتے ہیں
اگر انہوں نے کوئی تیاری نہیں کی اور ان کی تیاریوں کے متعلق ہمارے پاس جو رپورٹ پہنچی ہے وہ غلط ثابت ہوئی تو
ہمارا مقصد بہت جلد حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ یہ دونوں آدمی مدینہ میں آئے اور ازواج مطہراتؓ، حضرت علیؓ، طلحہؓ و زبیرؓ سے ملے اور کہا کہ ہم صرف
حضرت عثمانؓ سے اپنے بعض عمال کو تبدیل کرانے آئے ہیں۔ اس کے سوا ہمارا اور کوئی مقصد نہیں۔ آپ ہمیں مدینہ میں
داخل ہونے کی اجازت دے دیں۔ لیکن ان سب نے ان کو انتہائی حقارت سے دھتکار دیا۔ دونوں آدمی مدینہ کے حالات
معلوم کر کے اور اپنے مقصد میں ناکام ہو کر واپس چلے آئے اور اپنے ساتھیوں سے سارے حالات بیان کر دیئے
اس کے بعد مصریوں کا ایک وفد حضرت علیؓ کے پاس، اہل بصرہ کا ایک وفد طلحہؓ کے پاس اور اہل کوفہ کا ایک وفد زبیرؓ
کے پاس آیا۔ دراصل ہر فریق چاہتا تھا کہ بیعت اس کے ہاتھ پر کی جائے جسے وہ پسند کرتا ہے۔ اور اگر کوئی آڑے
آئے تو اس کا سر کچل دیا جائے۔ چنانچہ اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے خلافت قبول کر لینے کی درخواست
کی۔ لیکن حضرت علیؓ نے انہیں جھڑک کر نکال دیا۔ یہی سلوک حضرت زبیرؓ نے اہل کوفہ اور حضرت طلحہؓ نے اہل بصرہ کے
ساتھ کیا اور ان سے انتہائی سختی و حقارت کا برتاؤ کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے اپنے ایک ایک
بیٹے کو اور طلحہؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیج دیا۔

حضرت علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے اس حقارت آمیز سلوک کے بعد یہ لوگ مدینہ سے باہر نکلے۔ ظاہر تو انہوں نے یہی
کیا کہ اب وہ مدینہ سے واپس جا رہے ہیں لیکن پیچھے وہ سیدھے اپنے اپنے لشکروں میں جو مدینہ سے تین تین میل کے فاصلے
پر پڑے ہوئے تھے۔ دراصل وہ چاہتے یہ تھے کہ مدینہ والے متفرق ہو کر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو جائیں اور
بے خبری میں ان پر حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بے خبری میں اچانک مدینہ اور اس کے گرد و نواح

کے علاقہ پر حملہ کر کے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ مدینہ والے اس ناگہانی حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھے انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں۔

اہل مصر حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا تم واپس کیوں آ گئے؟ انہوں نے کہا ہم نے ایک قاصد کو پکڑا ہے جس کے پاس سے حضرت عثمانؓ کا ایک خط والئ مصر کے نام برآمد ہوا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ جب یہ واپس پہنچیں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔" یہی بات اہل بصرہ نے طلحہؓ اور اہل کوفہ نے زبیرؓ سے کہی۔

اس پر حضرت علیؓ نے اہل کوفہ اور اہل بصرہ سے کہا کہ جب تم علیحدہ علیحدہ راستوں پر جا رہے تھے اور تمہاری منزلِ مقصود علیحدہ علیحدہ تھی تو تم نے یہ کیسے جان لیا کہ اہل مصر کے بارہ میں اس قسم کا خط لکھا گیا ہے۔ خدا کی قسم یہ بات تو مدینہ میں اور تمہاری باہمی سازش سے بنائی گئی ہے۔

انہوں نے جواب دیا خواہ کچھ بھی کہو ہم نہیں چاہتے کہ عثمانؓ خلیفہ رہیں۔ ہم تو ان کو معزول کر کے ان کی جگہ دوسرا خلیفہ بنانا چاہتے ہیں۔

حضرت عثمانؓ اس دوران میں اپنے گھر سے نکلتے تھے۔ مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے۔ خود یہ باغی بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے اور کسی کو مسجد میں جانے سے روکتے بھی نہیں تھے۔ لیکن انہوں نے شہر کے اہم ناکوں، بازاروں اور گلیوں میں پہرہ لگا دیا تھا اور کسی جگہ لوگوں کا اجتماع نہ ہونے دیتے تھے۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے تمام علاقوں میں اپنی مدد کے لیے خطوط بھیجے جن میں آپ نے لکھا:

"خدا تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آپؐ کو حکم دیا گیا وہ آپ نے لوگوں تک پہنچایا۔ پھر آپؐ کی وفات ہو گئی اور آپؐ کے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ عمرؓ نے ایک مجلس شوریٰ قائم کر دی جس نے بغیر میرے طلب کیے خلافت کا ذمہ دار مجھے بنا دیا۔ میں نے ایسے عامل مقرر کیے جن کو لوگ پسند کرتے تھے۔ لیکن ان مفسدین نے بغیر کسی وجہ کے محض اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اپنا خبث ظاہر کرنا اور مجھ پر اور میرے عمال پر جھوٹے اور بے بنیاد الزامات لگانے شروع کر دیے۔ تاہم میں نے صبر سے کام لیا اور ایک مدت تک ان کی ان کارروائیوں کو دیکھتا رہا۔ لیکن انہیں کوئی سزا نہیں دی۔ تب انہوں نے اللہ عزوجل کے برخلاف بھی جرأت کی اور اس بستی پر جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت گاہ ہے، آپؐ کا حرم اور آپؐ کا مدفن ہے، حملہ کر دیا۔ جو شخص ہمارے ساتھ مل کر ان سے جہاد کرنا چاہے اس کو اس کار خیر میں عجلت سے کام لینا چاہیے

جب یہ خط بلادِ اسلامیہ میں پہنچا تو ایک ہیجان برپا ہو گیا اور باوجود سخت مشکلات و تکالیف کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر ان باغیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت معاویہؓ نے حبیب بن سلمہ فہری کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ عبداللہ بن ابی سرح نے مصر سے معاویہ بن خدیج السکونی کو روانہ کیا۔ کوفہ سے قعقاع بن عمرو نکلا۔ اس کے علاوہ ہر شہر میں، بااثر لوگوں نے اہلِ شہر کو جہاد اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی مدد کے لئے ابھارنا شروع کیا۔

ادھر یہ باغی حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ سے کہنے لگے کہ ہمارے لئے عثمانؓ کو قتل کرنا جائز ہو گیا ہے آپ ہماری مدد کیجئے۔"

حضرت علیؓ نے کہا "خدا کی قسم میں کسی صورت میں بھی تمہاری مدد نہیں کروں گا۔"

وہ کہنے لگے "تو پھر آپ نے ہمیں ایسا لکھا کیوں تھا؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں نے کبھی تم کو کوئی خط نہیں لکھا

جب فتنہ کے سرغنوں نے یہ جواب سُنا تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ حیرت کے آثار ان کے چہروں سے نمایاں تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ مدینہ کے جو لوگ فتنہ پردازوں کے مددگار تھے وہ اہلِ مصر کو لکھا کرتے تھے کہ حضرت علیؓ اس کام میں ان کے پورے شریک ہیں۔ مقصد اسی بناء پر لوگوں کو حضرت علیؓ کا نام لے کر ابھارتے اور حضرت عثمانؓ کے خلاف اشتعال دلاتے تھے اور کچھ بعید نہیں کہ مدینہ سے اہلِ مصر کے نام حضرت علیؓ کی طرف سے خط لکھے بھی گئے ہوں۔ اگرچہ حضرت علیؓ کو ان کی بالکل خبر نہ تھی

حضرت عمرو بن العاص اس وقت مدینہ میں موجود تھے جب باغیوں نے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تو وہ فوراً مدینہ سے فلسطین چلے گئے اور وہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سُنی۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب پہلے پہل فتنہ کے سرغنے مدینہ آئے اور وہاں یہ بات مشہور کی کہ وہ خلیفہ کو معزول کرنا اور اگر ایسا نہ ہوا تو اسے قتل کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ وہ ان کی مدد کریں اور ان لوگوں کو مدینہ سے نکال دیں۔ کیونکہ وہ ان کا مدینہ میں آنا اس لئے پسند نہیں کرتے کہ اس طرح ان کو مرکزِ خلافت پر حملہ کرنے کی جرأت پیدا ہو جائے گی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ اب ان کی رائے پر ہی چلیں گے اور جو کچھ وہ مشورہ دیں گے اسی کو قبول کریں گے۔ چنانچہ حضرت علیؓ مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت

سے کر گئے۔ جب فسادی دوبارہ مدینہ لوٹے تو حضرت عثمانؓ مسجد میں گئے اور وہاں لوگوں کو فتنہ وفساد سے باز رہنے کے متعلق خطبہ دیا۔ گھر لوٹے تو مروان، سعید اور بنی امیہ کے کچھ اشخاص کو وہاں موجود پایا۔ مروان نے آپ سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان فسادیوں سے کچھ کہوں۔ آپ نے خطبہ میں بہت ہی نرمی سے کام لیا ہے۔ حالانکہ سختی کا برتاؤ کرنا چاہیئے تھا۔ حضرت عثمانؓ کی بیوی نائلہ نے تو منع کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے اجازت مجھے دی۔

اس پر مروان فسادیوں کے پاس گیا اور ان سے بہت سختی کے ساتھ کلام کیا۔ وہ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور سارا حال سنایا۔ حضرت علیؓ کو بہت غصہ آیا وہ حضرت عثمانؓ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے مروان کو بہت ہی ڈھیل دے رکھی ہے اس نے آپ کی اجازت سے باغیوں کے ساتھ سخت کلامی کی ہے اس لئے اب میں آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔ آپ جانیں اور باغی جانیں۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی غلطی کو محسوس کر لیا اور قرابت کا واسطہ دے کر حضرت علیؓ سے درخواست کی کہ وہ ان کا ساتھ نہ چھوڑیں اور ان کی مدد کرتے رہیں۔ لیکن حضرت علیؓ نے جواب دے دیا اور کہا کہ آپ نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا اس کا پاس نہ کرتے ہوئے مروان اور بنی امیہ کے دوسرے لوگوں کے مشوروں پر کان دھرا۔ حضرت عثمانؓ نے اس الزام کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے:۔

"تم نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میرے ساتھ قطع رحمی کی ہے"[1]

---

[1] محض مفروضہ اور بے بنیاد روایت ہے۔ (مترجم)

(۲۱)

مدینہ کا محاصرہ

مفسدین نے مدینہ میں داخل ہونے اور اس کا محاصرہ کر لینے کا پکّا ارادہ کر لیا تھا۔ چنانچہ مصری مدینہ میں داخل ہو گئے تھے اور مدینہ والوں کو بے بس کر دیا تھا۔ ان کے ساتھ دوسرے شہروں کے لوگ بھی مدینہ میں آ گھسے تھے۔ حضرت عثمانؓ اپنے گھر سے نکلتے تھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھاتے تھے لیکن وہ کچھ تعرض نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں کے مدینہ پر قبضہ کر لینے کے بعد جو پہلا جمعہ آیا تو حضرت عثمانؓ نماز پڑھانے کے لئے مسجد میں آئے اور خطبہ دیا جس میں آپ نے فسادیوں کے متعلق بعض باتیں کہیں۔ اہلِ مدینہ میں سے آپ کی باتوں کی تائید محمد بن مسلمہ اور زید بن ثابت نے کی۔ اس پر فسادی جو مسجد میں موجود تھے جوش میں آ گئے اور انہوں نے اہلِ مدینہ اور حضرت عثمانؓ پر پتھر برسانے شروع کر دئے جس سے حضرت عثمانؓ بے ہوش ہو گئے اور اسی بے ہوشی کی حالت میں آپ کو گھر پہنچایا گیا۔ مصریوں کو اہلِ مدینہ میں سے سوائے تین افراد کے اور کسی سے مدد کی کوئی امید نہ تھی، اور وہ یہ تھے، محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی حذیفہ، عمار بن یاسر۔ بعض صحابہؓ تو ان بدبختوں سے جنگ کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے جن میں ذیل کے صحابہؓ بھی شامل تھے۔ حضرت سعدؓ بن مالک، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت امام حسنؓ۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے کہلا بھیجا کہ آپ لوگ ان فسادیوں سے بالکل تعرض نہ کریں، اور یہ واپس آ گئے۔

حضرت عثمانؓ ان باغیوں کے مدینہ میں داخل ہونے کے بیس روز بعد تک لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے لیکن پھر انہوں نے آپ کا مسجد میں آنا جانا بند کر دیا اور آپ کی جگہ غافقی نماز پڑھانے لگا جس کو مصریوں، کوفیوں اور بصرہ کے لوگوں نے متفقہ طور پر اپنا سردار تسلیم کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اہلِ مدینہ پر سختیاں بھی شروع کر دیں اور ان کا اپنے گھروں سے باہر نکلنا تقریباً بالکل بند کر دیا۔ کوئی شخص بغیر ہتھیار لگائے اپنے گھر سے باہر نہیں نکل سکتا تھا۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک رہا۔ جو شخص ان سے تعرض کرتا وہ اسے قتل کر دیتے۔ لیکن اس سے پہلے تیس روز تک انہوں نے قتل و غارت سے اجتناب کیا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ اپنے آخری دنوں میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آپ کو اپنے اوپر بھی کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ مروان اور بنی امیہ آپ کو جس طرف چاہتے پھیر دیتے تھے۔ آپ ان لوگوں سے وعدے کرتے تھے لیکن جب اپنے گھر آتے تو مروان آپ کی رائے کو بدل ڈالتا تھا اور آپ کو اپنے وعدے سے منحرف کرا دیتا تھا[1]۔ کیونکہ اس کو خیال تھا کہ فوجیں مختلف شہروں سے حضرت عثمانؓ کی مدد کو چل چکی ہیں اور مدینہ پہنچا ہی چاہتی ہیں۔ اب فکر کس بات کا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی تھی کہ معاملات کو خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھایا جاتا اور فسادیوں کو بھڑکنے کا موقعہ نہ دیا جاتا تاکہ وہ فوجیں اچانک آکر اہلِ فتنہ و فساد کا سر کچل سکتیں۔ بنی امیہ کے لوگوں پر حضرت عثمانؓ انتہائی بھروسہ کرتے تھے اس سے عام لوگوں میں بہت ناراضی پھیلی تھی اور ان کو ان لوگوں کا اثر و اقتدار بہت ہی ناگوار گزرتا تھا ادھر فسادی حضرت عثمانؓ کے کسی عذر کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ حکومت چھوڑ دیں اور پھر مسلمان باہمی مشورہ سے کسی اور کو خلیفہ بنا لیں اور دوسرا یہ کہ حضرت عثمانؓ اپنے رشتہ داروں میں سے ان اشخاص کو جو ان کے خاص رازدار تھے اور امورِ سلطنت میں انہی کا عمل دخل تھا ان کے حوالے کر دیں تاکہ وہ ان سے اس خیانت کا بدلہ لے سکیں جو انہوں نے مسلمانوں سے اور خود خلیفہ سے کی ہے وہ خیانت ان کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کے نام سے عبداللہ بن ابی سرح امیر مصر کو ایک خط لکھا تھا جس میں بعض مصری رؤساء کو قتل کرنے، کوڑے لگانے اور مختلف سزائیں دینے کا حکم دیا تھا[2]۔

---

[1] ایک خلیفہ کے متعلق جس کو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی ہو اور جس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہو کہ خدا تمہیں ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کے کہنے میں آ کر لوگوں سے وعدہ خلافیاں کرتا تھا کس قدر بعید از قیاس اور دور از عقل بات ہے۔ (مترجم)

[2] یہ واقعہ سرے سے غلط ہے جیسا کہ ہم شروع میں بیان کر آئے ہیں۔ (مترجم)

بنو امیہ خطرے کو بالکل اپنے سر پر کھڑا دیکھتے تھے۔ ادھر موت حضرت عثمانؓ کا انتظار کر رہی تھی۔ مفسدین کسی صورت میں بھی اپنے ارادوں کو ترک کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اہلِ مدینہ خاموشی اور سکون سے تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے وہ حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے کو بالکل تیار نہ تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ گذشتہ زمانہ میں خلافت نے ان کو شکنجہ میں کسا ہوا تھا۔ ڈر اور خوف ہر وقت مسلمانوں کے سروں پر مسلط رہتا تھا جس کی وجہ سے خلافت کے نام سے بھی ان کو وحشت ہونے لگی تھی۔ لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں خلافت ضعف اور کمزوری کا دوسرا نام ہو گیا تھا۔ حد یہ تھی کہ مفسدین کو یہ جرأت ہو گئی تھی کہ وہ علی الاعلان سینکڑوں لوگوں کے سامنے مسجد میں خطبہ پڑھتے ہوئے خلیفہ پر پتھر برسائیں۔[1]

بنی امیہ کے لوگ سمجھتے تھے کہ حضرت علیؓ کا اس فتنہ میں بہت بڑا ہاتھ ہے اس لئے ایک دوسرے کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات ابھرنے لگے۔ جو باتیں دلوں میں چھپی ہوئی تھیں وہ زبانوں پر آنے لگیں۔ اپنے مفادات کے لئے ان لوگوں نے مسلمانوں کے مجموعی مفاد کو بالکل نظر انداز کر دیا اور آپس میں ہی ایک دوسرے کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ حضرت علیؓ فتنہ کے ایام میں مدینہ چھوڑ کر چلے گئے۔ اگرچہ ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ محض اپنی ذاتی سعی و کوشش سے اس فتنہ و فساد کا قلع قمع ہرگز نہ کر سکتے تھے لیکن ایک بات ضرور ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو یہ چاہئے تھا کہ وہ اپنے باہمی اختلافات کو بھول جاتے۔ کیونکہ جس فتنہ سے وہ دوچار تھے اس کی اہمیت اس سے بہت زیادہ تھی کہ ہر فریق دوسرے فریق کے عیوب گنواتے۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر مسلمانوں کے سربرآوردہ اشخاص اس وقت متفق ہوتے تو وہ ضرور اس سیلاب کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکتے تھے جو انتہائی ہولناکی کے ساتھ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن دلوں میں باہمی محبت و اُلفت کی جگہ نفرت و حقارت نے لے لی تھی۔ نادان اور حقیقت ناشناس لوگ آگے آ گئے تھے اور انہوں نے جو کچھ کیا وہ دنیا کے سامنے ہے۔

سب سے بڑی غلطی جو حضرت عثمانؓ نے کی وہ یہ تھی کہ جب فساد کے بانی اور فتنہ کے سرغنے آپ کے پاس لائے گئے اور آپ نے ان پر ثابت کر دیا کہ وہ محض فساد اور بغاوت کے لئے آئے ہیں تو آپ نے ان کو بغیر کوئی سزا دئے چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپ کو چاہئے تھا کہ ان کو عبرت ناک سزائیں دیتے جس سے فتنہ کا قلع قمع

---

[1] مہاجرینؓ پر حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کرنے کا الزام قطعی بے بنیاد ہے اور ہم شروع میں اس پر تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ (مترجم)

ہو جاتا اور پھر کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوتی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اس بات کا موقع بھی دیا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب تمام صوبوں کے والیوں نے متفقہ طور پر آپ کو مشورہ دیا تھا کہ سانپ کے پھن اُٹھانے سے پہلے ہی اس کو مار ڈالنا چاہیئے۔ اس وقت آپ کو کوئی مضبوط قدم اُٹھانا چاہیئے تھا اور اس معاملہ میں کمزوری نہیں دکھانی چاہیئے تھی لیکن آپ نے ان کی باتوں کی پرواہ نہ کی اور ان کے مشورہ کو نہ مانا بلکہ اس ڈر سے نرمی کا پہلو اختیار کیا کہ کہیں آپ ہی فتنہ کا دروازہ کھولنے کا باعث نہ بنیں۔ نہ صرف یہ بلکہ آئندہ بھی جب کبھی وہ آپ کے پاس آئے یا انہوں نے آپ پر اعتراضات کئے تو آپ نے محض اپنی پوزیشن صاف کرنے اور اپنی بے گناہی واضح کرنے پر ہی اکتفا کیا۔ لیکن کوئی عملی قدم ان کے خلاف نہ اُٹھایا۔ حالانکہ ان مفسدین کی جماعت پر معقول باتوں اور براہین قاطعہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا وعظ و نصیحت سے ان کے دل بالکل نہ پسیجتے تھے۔ کیونکہ ان کا مقصد صرف فتنہ و فساد پیدا کرنا اور بغاوت پھیلانا تھا ایسی جماعتیں صرف قوت سے ڈرتی ہیں۔ سختی اور قہر کے سامنے سر جھکاتی ہیں اور قوت و سختی ہی سے مغلوب ہو سکتی ہیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو ڈھیل دے کر ان میں جرأت و دلیری پیدا کر دی۔ یہ فسادی وعظ و نصیحت پر کان دھرنے والے اور دلائل کی رُو سے اپنے کاموں سے باز آنے والے نہیں تھے بلکہ محض فتنہ و فساد پیدا کرنے کے خواہشمند تھے۔ آپ کی نرمی اور کمزوری نے ان کو فتنہ و فساد پر جرأت دلائی۔

اس فتنہ کے متعلق مؤرخین کی رائیں الگ الگ ہیں۔ ہر مؤرخ نے اس کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے اپنا علیحدہ نظریہ قائم کیا ہے۔ لیکن آج کا مؤرخ، جس کے سامنے پچھلے مؤرخین کی تمام رائیں موجود ہیں، اس فتنہ کے اسباب پر بحث کرنے سے پہلے محسوس کرتا ہے کہ مؤرخینِ سلف نے اپنی بحث کو حدِ اعتدال پر نہیں رکھا بلکہ یا تو وہ کلیۃً ایک فریق کے حق میں ہو گئے ہیں یا دوسرے فریق کے، اس لئے ضروری ہے کہ اس معاملہ پر تفصیلی بحث کی جائے، اتنی مکمل بحث جس کے پیشِ نظر قارئینِ کرام اس فتنہ کے متعلق ایسی محکم رائے قائم کر سکیں جو واقعات کے بالکل مطابق ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مفسدین جو مدینہ میں خلیفہ کا محاصرہ کئے بیٹھے تھے ان کا شروع میں صرف یہ مطالبہ تھا کہ حضرت عثمانؓ خلافت سے معزول ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ مطمئن ہو کر اپنے شہروں کو واپس چلے جاتے کیونکہ ان کی بات پوری ہو جاتی۔ لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں حضرت عثمانؓ کے اموی رشتہ داروں خصوصاً مروان بن الحکم نے حضرت عثمانؓ کو ایسا کرنے سے روکا اور[1]

---

[1] لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ خلیفہ معزول نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمانؓ کو تو حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر فرمایا تھا کہ "ایک قمیص خدا تعالیٰ تمہیں پہنائے گا۔ لوگ وہ قمیص اتارنا چاہیں گے مگر تم مت اتارنا"۔ اس میں مروان بن الحکم اور آپ کے اموی رشتہ داروں کے روکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

اس امید پر اس معاملہ کو ڈھیل دی کہ کچھ عرصہ کے بعد فوجیں حضرت عثمان رضؓ کی مدد کو پہنچ جائیں گی اور سختی کے ساتھ مفسدین کو کچل کر فتنہ فرو کر دیں گی۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ اگر شامی فوجیں وقت پر مدینہ پہنچ جاتیں تو مفسدین کا پتہ بھی نہ ملتا۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ مفسدین نے جو مختلف شہروں سے اکٹھے ہو کر آئے تھے، اگرچہ اپنے اپنے شہروں کو واپس چلے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ مدینہ والوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر پھر مدینہ واپس آ گئے تھے۔ مصریوں نے آتے ہی یہ دعویٰ کیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح والیٔ مصر نے ان کے ایک ایسے آدمی کو قتل کر دیا ہے جو حضرت عثمان رضؓ کے پاس ابن ابی سرح کی شکایت لے کر آیا تھا اور وہ حضرت عثمان رضؓ اور اکابر صحابہؓ کے پاس اس کی شکایت لے کر آئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حضرت عثمان رضؓ سے پورا پورا انصاف کرنے کا مطالبہ کیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے جواب دیا:

"کسی ایسے آدمی کا نام تجویز کرو جس کو ابن ابی سرح کی جگہ تمہارا والی مقرر کیا جائے۔"

انہوں نے محمد بن ابی بکرؓ کا نام تجویز کیا۔ حضرت عثمان رضؓ نے ان کے مطالبہ پر اس کو وہاں کا والی مقرر کر دیا۔ جب حضرت علیؓ، محمد بن مسلمہ وغیرہ مہاجرین اور انصار کے سر کردہ اشخاص نے ان لوگوں سے جا کر کہا کہ خلیفہ نے ان کے کہنے پر چلنے کا وعدہ کر لیا ہے اب تم اپنے اپنے شہروں کو لوٹ جاؤ تو انہوں نے یہ بات قبول کر لی اور چلے گئے۔ لیکن فوراً ہی مدینہ واپس آ گئے اور بہانہ یہ بنایا کہ مصریوں نے ایک قاصد پکڑا ہے جو عبداللہ بن ابی سرح کے پاس یہ پیغام لے کر جا رہا تھا کہ ان لوگوں میں سے بعض کو قتل اور بعض کو جلا وطن کر دو وغیرہ وغیرہ۔ قاصد حضرت عثمان رضؓ کا ایک غلام تھا جس کو آپ نے اپنے اونٹوں کا نگہبان بنایا ہوا تھا۔ خط کی طرز تحریر بھی حضرت عثمان رضؓ سے بالکل ملتی جلتی ہے۔ جو مہر اس پر لگی ہوئی ہے وہ بھی حضرت عثمان رضؓ کی ہے۔ اس وجہ سے اب ہمیں حق حاصل ہے کہ ہم حضرت عثمان رضؓ کو قتل کر دیں۔ اہل کوفہ و بصرہ اپنے مصری بھائیوں کی مدد اور پشت پناہی کے لئے آ گئے ہیں۔

اسی جگہ ایک دوسری روایت محمد بن مسلمہ کی درج کی جاتی ہے جس کو طبری نے نقل کیا ہے:

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں " میں چند لوگوں کے ہمراہ مصریوں کے پاس پہنچا ان کے چار سردار تھے (۱) عبدالرحمن بن عدیس البلوی (۲) سودان بن حمران المرادی (۳) عمرو بن الحمق الخزاعی (۴) ابن النباع۔ وہ اپنے اپنے خیموں میں تھے میں نے ان کو سمجھایا بجھایا، فتنہ کا خوف دلایا اور ان کو بتلایا کہ اگر خدانخواستہ حضرت عثمان رضؓ قتل کر دئے گئے تو اُمت میں ایک انتشار برپا ہو جائے گا جو پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھلے گا۔ تم اپنی ان حرکتوں سے باز آ جاؤ اور فتنہ

پیدا کرنے والے نہ ہو۔ اس کے بدلے میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ اس جھگڑے میں تم جس جس شخص کو ناپسند کرتے ہو میں اس کو برطرف کروا دوں گا۔"

انہوں نے کہا۔ "اگر ایسا نہ ہو سکا تو؟"

میں نے جواب دیا۔ "پھر تم جانتا اور تمہارا کام۔" وہ اس پر راضی ہو گئے اور میں واپس لوٹ آیا۔

واپس مدینہ آکر میں حضرت عثمانؓ سے ملا اور تنہائی میں ان سے کچھ باتیں کرنی چاہیں۔ وہ مجھے تنہائی میں لے گئے۔

میں نے ان سے کہا۔ "آپ اپنے بارہ میں کچھ خوف کیجئے۔ یہ قوم آپ کے خون کی پیاسی ہے۔ موقعہ پڑنے پر آپ کے ساتھی نہ صرف یہ کہ آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے بلکہ آپ کے خلاف آپ کے دشمنوں کے ہاتھ مضبوط کریں گے"۔

حضرت عثمانؓ نے میری بات سے اتفاق کیا اور میرا شکریہ ادا کیا۔ میں اُن کے پاس سے چلا آیا۔
کچھ دیر کے بعد حضرت عثمانؓ مسجد میں گئے اور وہاں خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ "مصری ایک کام کے لئے آئے تھے لیکن یہاں آکر ان کو اس کے بالکل برعکس باتوں کا سامنا کرنا پڑا تو وہ واپس لوٹ گئے۔" میں نے چاہا کہ حضرت عثمانؓ سے احتجاج کروں مگر خاموش ہو گیا۔ اسی دوران میں یہ خبر پہنچی کہ مصری واپس آ گئے ہیں اور وہ سویدا تک پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مجھ کو بلا بھیجا اور فرمایا:

"ابو عبدالرحمٰن! یہ لوگ پھر آ گئے ہیں۔ تمہاری ان کے بارہ میں کیا رائے ہے؟"

میں نے جواب دیا:

"مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ لوگ کوئی نیک ارادہ لے کر نہیں آئے۔"

آپ نے فرمایا۔ "پھر جاؤ اور ان کو لوٹا دو۔"

میں نے جواب دیا۔ "میں تو یہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

آپ نے فرمایا۔ "کیوں؟"

میں نے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں نے ان لوگوں کو آپ کی طرف سے چند باتیں چھوڑ دینے کی ضمانت دی تھی لیکن وہ باتیں آپ نے نہیں چھوڑیں۔"

آپ نے اس پر صرف یہ فقرہ کہا۔ "واللہ المستعان" (اللہ ہی مدد کرنے والا ہے)

اس کے بعد ابن عدیس میرے پاس آیا اس کے ساتھ سودان بن حمران اور اس کے دو ساتھی تھے - وہ کہنے لگے:

"ابو عبدالرحمن! آپ ہمارے پاس آئے تھے اور ہم سے کچھ وعدے کر کے ہم کو لوٹا دیا تھا - آپ نے کہا تھا کہ حضرت عثمان رضؓ ان باتوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم ناپسند کرتے ہیں!"

میں نے کہا "بے شک!"

اس پر انہوں نے ایک چھوٹا سا خط نکالا اور کہنے لگے "ہمیں راستہ میں صدقہ کا ایک اونٹ ملا جس پر حضرت عثمان رضؓ کا غلام سوار تھا - ہم نے اس کے سامان کی تلاشی لی تو اس میں یہ خط پایا - اس خط میں لکھا ہوا تھا:

"بسم اللہ الرحمن الرحیم - جب تمہارے پاس عبدالرحمن بن عدیس آئے تو اس کو سو کوڑے مارو - اس کا سر اور داڑھی منڈوا دو اور جب تک میرا دوسرا حکم نہ پہنچے اس کو قید میں رکھو - یہی سلوک عمر بن الحمق، سودان بن حمران اور مروہ بن النباع کے ساتھ کرنا۔"

میں نے ان سے کہا "کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ حضرت عثمان رضؓ نے یہ خط لکھا ہے؟"

انہوں نے کہا "اگر یہ خط حضرت عثمان رضؓ نے اپنی مرضی سے نہ بھی لکھا ہو تو مروان نے ان پر زور ڈال کر لکھوا لیا ہے۔"

پھر وہ کہنے لگے "تم ہمارے ساتھ حضرت عثمان رضؓ کے پاس چلو ہم نے حضرت علی رضؓ سے بھی بات کی ہے - انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ نماز ظہر کے بعد وہ ان سے گفتگو کریں گے۔"

انہوں نے یہ بھی کہا کہ "ہم نے کئی اور صحابہ رضؓ سے بھی اس معاملہ کے متعلق بات کی تھی لیکن انہوں نے حضرت عثمان رضؓ سے کچھ کہنے کے متعلق معذوری ظاہر کی۔"

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں - "چنانچہ میں اور حضرت علی رضؓ حضرت عثمان رضؓ کے پاس گئے اور آپ سے عرض کیا - "مصری دروازہ پر کھڑے ہیں آپ ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دیں" اس وقت مروان بھی آپ کے پاس بیٹھا تھا وہ کہنے لگا "آپ مجھے اجازت دیجئے - میں ان سے بات کروں گا۔"

اس پر حضرت عثمان رضؓ نے اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تمہیں اس معاملہ میں بولنے کا کوئی اختیار نہیں تب مروان وہاں سے چلا گیا - حضرت علی رضؓ نے آپ کو خط والا سارا معاملہ بتلایا - حضرت عثمان رضؓ نے قسم کھائی کہ انہوں نے یہ خط نہیں لکھا نہ انہیں اس خط کے لکھے جانے کا علم ہے - محمد بن مسلمہ نے بھی اس کی تصدیق کی -

اس پر حضرت علیؓ نے کہا۔ "تو پھر ان کو اپنے پاس بلا بھیجئے تاکہ وہ آپ کا عذر سُن لیں۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میری مروان سے رشتہ داری اور قرابت داری ہے۔ تم خود ہی جا کر ان سے بات کر لو کیونکہ وہ تمہاری بات مانتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر مجبوراً حضرت عثمانؓ کو انہیں بلانا پڑا۔ وہ آئے اور سلام کیا۔ ابنِ عدیس نے بات کرنی شروع کی۔ پہلے اس نے وہ سب کچھ بتلایا جو ابنِ سعد نے مصر میں کہا تھا۔ پھر کہا کہ ہم مصر سے یہ ارادہ لے کر چلے تھے کہ یا تو آپ کو قتل کر دیا جائے یا آپ خلافت چھوڑ دیں۔ لیکن محمد بن مسلمہ نے ہمیں اس شرط پر لوٹا دیا تھا کہ جو کچھ ہم نے مطالبہ کیا تھا وہ آپ پورا کر دیں گے (محمد بن مسلمہ نے اس کی تصدیق کی)

پھر کہنے لگے۔ "ہم واپس اپنے اپنے شہروں کو جا رہے تھے، جب ہم بویب پہنچے تو وہاں آپ کا ایک غلام ملا۔ ہم نے اس کے پاس سے آپ کا ایک خط جس پر آپ کی مہر بھی لگی ہوئی تھی، اور جو عبداللہ بن سعد کے نام لکھا گیا تھا برآمد کیا۔ اس خط میں آپ نے عبداللہ کو ہمیں کوڑے لگانے، سزائیں دینے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ لیجئے! یہ ہے وہ خط۔"

حضرت عثمانؓ کہنے لگے۔ "خدا کی قسم! نہ میں نے یہ خط لکھا، نہ کسی کو لکھنے کا حکم دیا، نہ اس قسم کا خط لکھنے کا میری طرف سے کسی کو اشارہ ہوا، نہ مجھے اس کے لکھے جانے کا کوئی علم ہے۔"

محمد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ میں نے اور حضرت علیؓ نے کہا۔ "یہ بالکل سچ ہے۔" اس پر مصری کہنے لگے۔ "تو پھر یہ خط کس نے لکھا؟"

حضرت عثمانؓ نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں۔"

وہ کہنے لگے۔ "یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ مروان آپ کے نام سے ایک خط لکھے، آپ ہی کے غلام کو وہ خط دے کر بھیجے، مسلمانوں کے صدقات کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ اس کو بطور سواری دے، آپ ہی کی مہر اس پر لگ جائے، آپ کے عمّال کو اتنی بڑی بات کا حکم دے اور آپ کو اس بات کا علم تک نہ ہو؟"

آپ نے فرمایا۔ "بیشک ایسا ہو سکتا ہے!"

وہ کہنے لگے۔ "ہم نے آپ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا، آپ خلافت چھوڑ دیجئے۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا۔ "میں وہ قمیص ہرگز نہیں اتار سکتا جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔"

اس پر طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ شور و شغب بہت زیادہ ہو گیا۔ میں یہ خیال کرنے لگا کہ کہیں یہ

سچ مچ حضرت عثمان رض پر حملہ نہ کر بیٹھیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت علی رض کھڑے ہو گئے۔ آپ کے ساتھ ہی میں بھی کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مصریوں سے کہا "اب یہاں سے نکلو" چنانچہ وہ وہاں سے نکل گئے۔ میں اپنے گھر آ گیا۔ حضرت علی رض اپنے گھر چلے گئے۔ ان لوگوں نے حضرت عثمان رض کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس وقت تک نہ ہٹے جب تک آپ کو شہید نہ کر دیا۔"

اگر یہ روایت صحیح ہو تو مؤرخ یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہے کہ جب حضرت عثمان رض کا یہ غلام مدینہ میں موجود تھا اور صدقہ کا وہ اونٹ بھی جس پر غلام سوار تھا اور جس کو مصریوں نے پکڑا تھا تو پھر حضرت عثمان رض نے اس غلام سے اس شخص کے بارہ میں کیوں نہیں پوچھا جس نے اس کو وہ خط دیا تھا؟

آپ نے اس غلام سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ اس کا مصر جانے کا مقصد کیا تھا؟

آپ نے اس سے یہ سوال کیوں نہ کیا کہ صدقہ کا اونٹ اس کو کس نے دیا تھا؟

آپ نے اونٹوں کے رکھوالے سے جواب طلب کیوں نہ کیا کہ میری اجازت کے بغیر یہ اونٹ غلام کے حوالے کر دینے کا تمہیں کیا اختیار تھا؟

اس صورت میں ظاہر ہے کہ یہ کام کس کا ہوگا اور غلام کو مصر کس نے بھیجا ہوگا اور اس کے بعد مصری بھی بدلہ لینے میں حق پر تھے۔

لیکن ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ یہ واقعہ جس کو اکثر مؤرخین نے نقل کیا ہے اگر صحیح ہو اور ہمیں اس کے صحیح ماننے میں کوئی شک بھی نہیں کیونکہ متفقہ طور پر سب مؤرخین اسے نقل کرتے چلے آئے ہیں، اور مصریوں نے قاصد کو اسی حالت میں پایا ہو جس کا انھوں نے ذکر کیا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب کام حضرت عثمان رض کے پس غیبت اور آپ کے علم کے بغیر کیا گیا۔ خصوصاً جب کہ ایک دوسری روایت بھی ہے کہ جب انھوں نے حضرت عثمان رض سے کہا کہ "کیا ہم محمد بن مسلمہ کے [illegible] پر مدینہ سے نہیں چلے گئے تھے کہ آپ نے جو زیادتیاں کی ہیں ان سب سے دست بردار ہو جائیں گے اور جو چیزیں ہمیں ناپسند تھیں وہ چھوڑ دیں گے نیز آپ نے خود بھی اس امر کا اقرار کر لیا تھا" تو حضرت عثمان رض نے کہا:

"میں اب بھی اسی بات پر قائم ہوں۔"

وہ کہنے لگے "تو پھر آپ نے وہ خط کیوں اپنے عامل کو بھیجا جس کو ہم نے آپ کے قاصد کے قبضہ سے برآمد کیا؟"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: "جو کچھ تم کہہ رہے ہو اس کا نہ مجھے علم ہے اور نہ میں نے ایسا کیا۔"

انہوں نے کہا: "آپ کا قاصد آپ کے اونٹ پر تھا۔ طرزِ تحریر آپ کے کاتب کی تھی اور اس پر آپ کی مُہر لگی ہوئی تھی۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "اونٹ کو چرایا جا سکتا ہے، طرزِ تحریر نقل کی جا سکتی ہے اور مُہر بھی دوسری بنوائی جا سکتی ہے۔"

وہ کہنے لگے: "پھر ہم آپ کے خلاف کچھ نہیں کہتے لیکن آپ اپنے فاسق عمال کو برطرف کر دیجئے اور ان کی جگہ ایسے عامل مقرر کیجئے جو ہم سے انصاف کریں اور ہمارے مطالبات مانا کریں۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "اگر میں تمہاری خواہشات پر ہی عمل کرنے لگوں، جس کو تم عامل بنانا چاہو اسی کو عامل بناؤں، جس کو تم معزول کرنا چاہو اس کو معزول کر دوں تو میری حکومت کہاں رہی تمہاری حکومت ہو گئی۔"

وہ کہنے لگے: "آپ کو ایسا ضرور کرنا پڑے گا ورنہ دو صورتیں ہیں۔ یا آپ معزول ہو جائیے اور یا قتل ہونے کے لئے تیار رہیے۔ اب جو کرنا ہو وہ سوچ لیجئے۔"

آپ نے فرمایا: "میں وہ قمیص اُتارنے کے لئے ہرگز تیار نہیں جو خدا نے مجھے پہنائی ہے۔"

واقعہ یہ ہے کہ اس خط کے معاملہ میں ہم کسی شک میں نہیں اور ہمیں یقین ہے حضرت عثمانؓ اس خط کے اتہام سے بالکل بَری ہیں آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ یہ خط یقیناً مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ داروں میں سے کسی نے لکھا تھا اور حضرت عثمانؓ کی مرضی اور علم کے بغیر لکھا تھا۔ بنی امیہ کی یہی سیاست تھی۔[1]

---

[1] شروع میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ نہ یہ خط حضرت عثمانؓ نے لکھوایا اور نہ مروان یا حضرت عثمانؓ کے قریبی آدمیوں میں سے کسی نے بلکہ یہ ان مفسدین کا خود بنایا ہوا تھا۔ (مترجم)

(۲۲)

تشویشناک صورتِ حال

جس وقت مفسدین حضرت عثمانؓ کا عاملِ مصر کے نام خط لے کر دوبارہ مدینہ میں داخل ہوئے تو حضرت علیؓ مدینہ چھوڑ کر خیبر میں مقیم ہو گئے۔ وہ حضرت عثمانؓ سے اس بات پر ناراض تھے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی رائے پر اپنے مشیروں کی رائے کو ترجیح دی تھی۔

جب حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہے، بنی امیہ ان کی مدافعت سے بالکل عاجز آ گئے ہیں اور اہلِ مدینہ نے ان کو چھوڑ دیا ہے تو حضرت علیؓ کو بلانا چاہا اور انہیں ایک خط لکھا۔ اس خط کو ابن اثیر الجزری صاحب کامل نے اس طرح نقل کیا ہے:

"اب پانی سر سے گزر چکا ہے۔ لوگ میری جان کے درپے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک وہ میرا خون نہ بہائیں گے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔"

ساتھ ہی ایک شعر بھی نقل کیا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"اگر واقعی میں ایسی چیز ہوں جس کو کھا لینا ہی مناسب ہے تو آپ ہی آ کر اس کو کھائیے ورنہ پہلے آ کر میری مدد کیجیے۔ ایسا نہ ہوا تو میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاؤں گا۔"

ادھر حضرت علیؓ کی غیر موجودگی میں طلحہ بن عبید اللہ ان لوگوں کی خواہشات کا مرکز بن گئے تھے۔ شاید وہ خود اپنے لئے خلافت کے خواہشمند تھے۔ لوگ چھپ چھپ کر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ آئے اور حضرت عثمانؓ نے ان سے لوگوں کے ہٹانے کو کہا تو وہ طلحہؓ کے پاس گئے اور ان سے کہا "طلحہ! یہ کیا بات ہے تم اس معاملہ میں کیوں پھنس گئے؟" اس کے بعد وہ بیت المال میں گئے اور لوگوں کو کچھ مال دیا جس پر انہوں نے طلحہ کو چھوڑ دیا۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے علیحدگی میں یہ سارا حال کہہ دیا۔ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے پاس معافی مانگنے آئے تو آپ نے ان سے کہا "خدا کی قسم تم درحقیقت معافی مانگنے نہیں آئے ہو بلکہ صرف اس وجہ سے آئے ہو کہ تم مغلوب ہو چکے ہو۔"

ہمارے پاس اس امر کا بیّن ثبوت موجود ہے کہ طلحہؓ حضرت عثمانؓ کے شدید مخالفین میں سے تھے اور حضرت عثمانؓ کہا کرتے تھے "اے اللہ! مجھے طلحہ کے شر سے بچا۔" آپ یہ بھی کہا کرتے تھے "میں نے طلحہ کو بے شمار مال و دولت سے نوازا لیکن وہ میرے خون کا پیاسا ہے اور لوگوں کو میرے خلاف اُبھارتا ہے۔ اے اللہ! تو اس کو کچھ نہ دے اور اس کی سرکشی کا مزا اس کو چکھا۔"

وہ لوگ جو "واقعہ دار" کے موقعہ پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے دن موجود تھے، بیان کرتے ہیں کہ اس دن طلحہ نے اپنے آپ کو کپڑوں میں چھپا رکھا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں سے بچ کر آپ کے گھر میں تیر مارتے تھے انہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب محاصرین حضرت عثمانؓ کے گھر میں دروازے کی راہ سے داخل نہ ہو سکے تو یہ طلحہ ہی تھے جنہوں نے ان کو صلاح دی کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پیچھے ایک انصاری کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیں۔ انہوں نے ان لوگوں کو اس مکان پر چڑھانے میں مدد بھی دی۔

لہ حضرت طلحہؓ پر یہ الزام لگانا قطعاً درست نہیں۔ آپ نے اپنے دونوں لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت اور باغیوں سے مقابلے کے لئے اس حالت میں بھیجا جب کہ باغی ہزاروں کی تعداد میں ہر قسم کے اسلحہ سے لیس تھے اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے مقابلہ کرنے کے لئے پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ اس صورت میں حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لئے بھیجنا گویا ان کو موت کے منہ میں دھکیلنا تھا۔ کیا ایسا شخص جس کو کسی شخص سے بغض و عناد ہو وہ اس کی حفاظت کے لئے اپنے بچوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے؟ یہ کام تو صرف انتہائی جاں نثاروں کا ہوتا ہے تعجب ہے کہ مورخین نے ایسی باتیں جو عقل و قیاس سے کوسوں دور ہیں اپنی تاریخوں میں بلا سوچے سمجھے درج کر دیں۔ (مترجم)

زبیر بن العوام بھی اگرچہ حضرت عثمانؓ کے مخالفین میں سے تھے لیکن ان کے بیٹے عبداللہ نے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر ان غوغائیوں کا مقابلہ کیا اور ان کو وہاں سے ہٹا دیا۔[1]

جب ہم یہ واقعات دیکھتے ہیں تو ہمیں اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں رہتی کہ دونوں صاحبان خلافت کے متمنی تھے اور ان کو یقین تھا کہ حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد خلافت کے یہی وارث ہوں گے۔ ان کو یہ خیال بھی تھا کہ جب حضرت علیؓ خلافت سے پہلی، دوسری اور تیسری مرتبہ محروم ہو چکے ہیں تو اس موقعہ پر بھی وہ خلافت حاصل نہیں کر سکیں گے اور چوتھی مرتبہ بھی ان کو شکست کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

یہ بات یقینی ہے کہ جب فتنہ شدت اختیار کر چکا تو اس وقت یہ امر حضرت علیؓ کی طاقت سے باہر ہو چکا تھا کہ وہ ان مفسدین کو مدینہ سے باہر نکال دیتے۔ اگر ایسا کرنا آپ کے امکان میں ہوتا تو آپ ضرور ایسا کرتے خصوصاً جب حضرت عثمانؓ کا محاصرہ اور بھی سخت ہو گیا اور محاصرین نے آپ کے لئے پانی بھی بند کر دیا۔ حضرت عثمانؓ نے پیاس کی شدت سے بے قرار ہو کر حضرت علیؓ اور ازواجِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ ان کو پانی پہنچائیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات میں سے ایک بیوی حضرت امِّ حبیبہؓ نے جو حضرت معاویہ کی شقیقہ (بہن) تھیں چاہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی لے کر جائیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکیں۔ محاصرین نے ان کو لوٹا دیا۔ تلوار سے ان کے خچر کے پالان کی رسی کاٹ ڈالی جس سے اس کی زین الٹ گئی اور حضرت امِّ حبیبہؓ اس پر سے گر پڑیں۔ اگر بعض لوگ جھپٹ کر حضرت امِّ حبیبہؓ کو بچا نہ لیتے تو وہ بھی شہید ہو جاتیں۔ جب حضرت عائشہؓ نے یہ دیکھا تو حج کی تیاری شروع کر دی اور اپنے بھائی محمد بن ابی بکر سے بھی اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ اہلِ مصر کے سخت خلاف تھیں کیونکہ وہ حضرت علیؓ

---

[1] کیا عجیب مخالفت ہے کہ اپنے دشمن کی حفاظت کے لئے اپنے لڑکے کو بھیجا جا رہا ہے۔ اگر ان کو خلافت کی خواہش ہوتی تو کون سا امر مانع تھا کہ وہ باغیوں کے ساتھ مل جاتے لیکن بجائے باغیوں کے ساتھ ملنے کے جو ان کی مطلب برآری کا سہل ترین ذریعہ تھا، وہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ مل جاتے ہیں جن سے ان کو از حد دشمنی تھی اور ان کی حفاظت کے لئے اپنے لڑکوں کو بھی تلواروں کی دھاروں پر رکھ دیتے ہیں۔ کیا ان باتوں سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صحابہؓ کے خلاف یہ الزامات محض اتہام کی صورت رکھتے ہیں اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے اور وہ حضرت عثمانؓ کی اعانت و امداد سے دست کش ہو گئے تھے۔ (مترجم)

کو چاہتے تھے اور حضرت عائشہؓ حضرت علیؓ سے نفرت کرتی تھیں[1]۔ جب مروان بن الحکم آپ کے پاس آیا اور آپ سے حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا:

"کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے جو ام حبیبہؓ کے ساتھ کیا گیا۔ اگر میرے ساتھ ایسا کیا گیا تو مجھے تو کوئی ایسا آدمی بھی نظر نہیں آتا جو میری مدد کو پہنچے۔"

البتہ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے پاس پانی جانا بالکل بند ہو گیا ہے تو وہ ایک رات محاصرین کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"اے لوگو! تم تو وہ کام کر رہے ہو جو مومنوں کو بالکل زیب نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ کافر بھی یہ کام نہیں کرتے۔ تم کیوں عثمانؓ کا کھانا پینا بند کر رہے ہو۔ رومی اور فارسی بھی جب کسی کو قید کرتے ہیں تو اس کو کھانا پانی دیتے ہیں اس شخص نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کہ تم نے اس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اس کے قتل کے درپے ہو؟"

لیکن انہوں نے حضرت علیؓ کی بات بھی ماننے سے انکار کر دیا اور آپ سے صاف صاف کہہ دیا کہ "ہم کھانے یا پینے کی کوئی چیز عثمانؓ تک نہیں پہنچنے دیں گے۔"

اس پر حضرت علیؓ اپنا عمامہ حضرت عثمانؓ کے گھر میں پھینک کر چلے گئے تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ آئے تھے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس سلوک کا علم ہوا جو مفسدین نے حضرت علیؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ کیا تھا تو وہ بھی مجبوراً اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ گئے اور پانی پہنچانے کی کوئی کوشش نہ کی[2]۔

محاصرہ کے دوران میں ہی حضرت عثمانؓ نے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد ان کو

---

[1] یہ الزام بھی ویسا ہی غلط ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کا حضرت عثمانؓ کے خلاف ہونے کا الزام۔ واقعہ یہی ہے حضرت عائشہؓ کو حضرت علیؓ سے کسی قسم کی کوئی کدورت نہ تھی۔ (مترجم)

[2] یہ عجیب تماشا ہے کہ ایک طرف تو حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ خلافت کے اس درجہ متمنی ہیں کہ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی کی دشمنی تک انہوں نے اپنے دل میں پال رکھی ہے اور دوسری طرف وہ اپنے گھروں میں صرف اس لئے بیٹھ جاتے ہیں، حضرت عثمانؓ کو محض اس لئے پانی نہیں پہنچا سکتے کہ حضرت علیؓ اور حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ باغیوں کا ناروا سلوک انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (مترجم)

ایک خط ارسال کیا اور لکھا بھیجا کہ اس خط کو حج اکبر کے دن حاجیوں کے مجمع میں پڑھ کر سنا دیں۔ اس خط میں آپ نے اس سخت محاصرہ کا ذکر کیا اور بتلایا کہ لوگ آپ کے خون کے پیاسے ہیں اور آپ کی جان لئے بغیر ٹلنے والے نہیں۔ اس کے بعد لوگوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ ان کی مدد کے لئے مدینہ پہنچیں۔

آپ کا یہ دل دہلا دینے والا پیغام حجاج کے عظیم الشان مجمع میں سنا دیا گیا جس سے لوگوں میں زبردست جوش پھیل گیا اور تمام حاجی حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ پہنچنے کے لئے تیار ہونے لگے۔

محاصرہ کی اس شدت کے دوران میں دار آل حزم سے تھوڑا بہت پانی لوگوں کی آنکھ بچا کر حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا دیا جایا کرتا تھا۔ جب باغیوں کو اس کا پتہ چلا تو وہ آل حزم کے گھروں کی بھی کڑی نگرانی کرنے لگے۔

جب بہت ہی سختی ہونے لگی تو آپ چھت پر چڑھے اور باغیوں سے فرمایا: "میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے "بئر رومہ" اپنے مال سے نہیں خریدا تھا اور کیا میرا اس میں اتنا بھی حصہ نہیں ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا؟"

انہوں نے جواب دیا: "بے شک!"

آپ نے فرمایا:

"تو پھر مجھے اس سے پانی کیوں نہیں لینے دیا جاتا؟"

اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا: "میں تمہیں اللہ کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمین اپنے پاس سے خرید کر مسجد نبویؐ کی توسیع نہیں کی تھی؟"

انہوں نے کہا: "یقیناً!"

آپ نے فرمایا:

"کیا تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ کبھی میری طرف سے اس میں کسی کو نماز پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہو؟" اس کے بعد آپ نے اسی قسم کے کچھ اور امور کا ذکر کیا لیکن ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

محاصرہ شدت پکڑتا گیا۔ جب باغیوں کو معلوم ہوا کہ حج ختم ہو چکا ہے اور حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے مکہ سے فوجیں چل پڑی ہیں تو ان میں سخت گھبراہٹ پھیل گئی اور انہیں یقین ہو گیا کہ اگر جلدی نہ کی گئی تو ان کی خیر نہیں اس پر انہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ جب وہ اس مقصد کے لئے آپ کے گھر میں داخل ہونے لگے تو حضرت حسنؓ بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت طلحہؓ کے دونوں لڑکوں اور کئی اور صحابہؓ نے جو حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے' ان کا سخت مقابلہ کیا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو لڑنے سے روک دیا

اوران کوان کے گھروں پر بھیج دیا۔

یہ ایک اور مضبوط دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت عثمانؓ نے ہرگز وہ خط نہیں بھیجا تھا جو مصریوں کے ہاتھ لگا تھا۔ اگر خلیفہ ثالث ان لوگوں میں سے ہوتے جو فتنہ کے سرغنوں کا سر کچلنا چاہتے تھے تو کبھی آپ اپنے اعوان و انصار کو مدافعت کرنے سے نہ روکتے اور ان کو ان کے گھر واپس نہ بھیجتے۔ حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا وہ اس وجہ سے کیا کہ کہیں فتنہ نہ پھوٹ پڑے۔ اس فتنہ کا آپ کو اپنے تمام ایامِ خلافت میں بڑا خوف تھا۔ آپ یہ نہ چاہتے تھے کہ یہ فتنہ آپ کے زمانہ میں، آپ کے ہاتھوں اور آپ کے حکم سے پھوٹے۔

---

(۲۳)

مدینہ ایامِ محاصرہ میں

ہم نے فتنہ کے اسباب، اس کے پیدا ہونے اور بڑھنے کے متعلق کافی وضاحت سے بحث کی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ ہم نے معاملہ کے ہر پہلو کا جائزہ لے کر ایک بہت بڑے فرض کو انجام دیا ہے۔ مورخین نے فتنہ کے اسباب کے بیان میں بحث کو طول نہیں دیا اور وضاحت سے اس معاملہ پہ روشنی نہیں ڈالی۔ ہم نے تاریخ کے جدید اصولوں کو پیشِ نظر رکھ کر تمام جماعتوں اور گروہوں کے خیالات و افکار اور رائے عامہ کے عواطف و جذبات پر بحث کی ہے۔ کیونکہ ہم اس کتاب کو محض حضرت عثمانؓ کی سوانح حیات بنا دینا نہیں، بلکہ اُمتِ مسلمہ کی تاریخ اور اس کی پراگندہ حالی کی نفسیاتی تصویر کا درجہ بھی دینا چاہتے تھے۔

اہلِ مدینہ نے اس بغاوت کے وقت عجیب و غریب روش اختیار کر لی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ متحد ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرتے اور اس بغاوت کا سر کچلتے، انہوں نے اپنی اس عجیب و غریب روش کی بناء پر مفسدین اور باغیوں کے ہاتھ مضبوط کر دیئے۔ اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ اہلِ مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کے محاصرہ اور قتل میں بالواسطہ شریک تھے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو بالکل چھوڑ دیا اور محاصرہ کی تمام مدت میں بالکل خاموش رہے۔ انہوں نے اس فتنہ کے فرو کرنے میں کوئی مدد نہیں کی اور ان شورہ پشت لوگوں کے کچلنے میں

کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔[1]

مستشرقین کہتے ہیں کہ اس کی اصل وجہ ایک لمبے عرصہ تک مخفی رہنے کے بعد جاہلی عصبیت کا دوبارہ پیدا ہو جانا اور حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور لوگوں کا علی الاعلان آپ کے خلاف متحدہ محاذ بنا لینا ہے۔ اگر یہ رائے سچ ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب نے کس حد تک اسلام کا اثر قبول کیا۔ عربوں کے ایک نئے دین میں داخل ہو جانے سے جاہلیت کے تمام جھگڑے ختم ہو گئے تھے۔ یہ بات یقینی ہے کہ قدیم و جدید، موروثی مذہب اور نئے دین اسلام، کا باہمی نزاع اگرچہ کافی دیر تک چلا لیکن پھر بھی عربوں کے اسلام میں داخل ہونے کے باوجود جاہلیت کی باتوں کو پوری طرح بھلایا نہ جا سکا۔ جاہلی جھگڑے وقتاً فوقتاً ہوتے رہے اور یہ دشمنی ایک لمبے عرصہ تک جاری رہی۔

اسلام قبائلی اور جنسی تعصب کو مٹانے آیا تھا۔ اس کی تعلیم یہ تھی کہ تمام انسان برابر ہیں۔ وہ بلند آواز سے یہ اعلان کرتا تھا: ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان واضح طور پر کھلے الفاظ میں بیان فرما دیا تھا کہ انما المؤمنون اخوۃ (تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں) مسلم میں ایک روایت آتی ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو شخص عصبیت کو ابھارتا، عصبیت کی طرف بلاتا یا عصبیت کو ابھارنے میں مدد کرتا ہے اور اسی مقصد کے لئے لڑتا ہے اور مارا جاتا ہے، وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے"۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کو پیشِ نظر رکھ کر مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کرا دی تھی حالانکہ قریشیوں اور اہلِ مدینہ میں دیرینہ دشمنی اور قدیم عداوت چلی آتی تھی۔ لیکن پھر بھی جاہلی عصبیت کلی طور پر مٹ نہ سکی اور اگر کسی نے اس کو بھڑکانا چاہا تو اس نے پھوٹ پڑنے کے لئے زور لگایا۔ لیکن رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ میں اس کو بالکل مٹا دیا اور اس کے ابھرنے کی کوئی راہ نہ چھوڑی۔ یہی کام حضرت صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے کیا۔ لیکن جب خلافت حضرت عثمانؓ کے پاس آئی تو چونکہ حضرت عثمانؓ کمزور اور ضعیف تھے اس لئے عصبیت اپنے پورے زور سے ظاہر ہوئی۔ بنو امیہ اسلام میں بھی اسی طرح اپنا تسلط قائم کرنے کے ارادے کرنے لگے جیسا کہ جاہلیت کے زمانہ میں ان کا دستور تھا۔ قبائل نے بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے اپنی پرانی سرشت اختیار کر لی اور پرانے جھگڑے قصے پھر ابھرنے لگے۔

---

[1] اس الزام کا جواب ہم پیش لفظ میں دے چکے ہیں۔ (مترجم)

اس منحوس عصبیت نے سب سے پہلے عراق میں اپنا رنگ جمایا۔ عرب عراق میں قبائلی عصبیت کو سا
لے کر داخل ہوئے اور اس کا پہلا مظاہرہ اس طرح ہوا کہ بصرہ اور کوفہ مختلف قبائل میں بٹ گئے، کوفہ دو حصوں
تقسیم ہوگیا۔ ایک شرقی اور ایک غربی۔ شرقی حصہ میں یمنی تھے اور غربی میں نزاری۔ ہر فریق نے قبائل کے لحاظ سے ز
کی تقسیم کرلی۔ شعبی کہتا ہے کہ کوفہ میں یمنی نزاریوں سے زیادہ تھے۔ یعنی بارہ ہزار تھے اور نزاری آٹھ ہزار۔ اس عصبید
نے شدید نزاع کی صورت اختیار کرلی۔ کوفہ اور بصرہ کے عربوں میں جب لڑائی ٹھنی تب بھی یہ تفریق قائم رہی۔ ہر شہر
ہر قبیلہ نے دوسرے شہر کے اسی قبیلہ کے ساتھ لڑائی کی جو اس کا مدِ مقابل تھا۔ کوفہ کے یمنی بصرہ کے یمنیوں سے
تھے، کوفہ کے ربیعہ بصرہ کے ربیعہ سے جنگ کرتے تھے اور کوفہ کے نضر بصرہ کے نضر سے برسرپیکار ہوتے تھے۔

عصبیت کو بھڑکانے والی ایک چیز اور بھی تھی اور وہ یہ کہ عراق کے اکثر باشندے فارس سے آئے ہوتے تھے
عرب بہت کم تھے۔ موالی جن پر جزیہ واجب ہوتا تھا' پانچ لاکھ سے بھی زیادہ تھے۔ یہ ان لوگوں کے علاوہ تھے جو ایرا
میں سے اسلام لائے تھے یہ موالی عربوں کے حلیف تھے اور ان کی ولایت میں ان کی حمایت کی وجہ سے داخل ہوئے
تھے وہ عربوں کو اپنا سردار تصوّر کرتے تھے۔ ان موالیین میں سے ہر قوم اسی قبیلہ کی حمایت کرتی تھی جس کے وہ موالی
اور حلیف تھے۔ اسی وجہ سے عراق مختلف گروہوں اور قبائل میں بٹ گیا تھا۔ ہر گروہ اپنی اپنی ذاتی اغراض اور اپنے اپنے
مخصوص مصالح کے مطابق عمل کرتا تھا۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس وقت مدینہ کی حالت بھی بالکل وہی تھی جو عراق اور شام کی تھی۔ مدینہ کے باشندوں
میں سے بنو ہاشم حضرت علیؓ کے طرف دار تھے اور بنو امیہ حضرت عثمانؓ کے۔ ان کے درمیان انصار نے عجیب و غریب رویّہ
اختیار کر رکھا تھا۔ عموماً ان کا موقف یہ تھا کہ مہاجرین نے ان کا حق غصب کرلیا ہے اور تمام سلطنت پر خود ہی قابض ہو گئے
ہیں۔ یہ یقینی امر ہے کہ مدینہ میں بنو ہاشم و بنو امیہ' اور مہاجرین و انصار کے درمیان اختلاف جو جاہلی عصبیت کی ایک نشانی
تھا' وہی سب سے بڑا سبب اس بات کا تھا کہ مدینہ کے باشندے حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے ایام میں بالکل الگ تھلگ
رہے انہوں نے خلیفہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھا لیکن خاموش بیٹھے رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف قوم کو جرأت اسی لئے ہوئی کہ آپ میں حد درجہ نرمی تھی۔ نیز
بڑھاپے کی کمزوری اور بعض ایسی باتوں نے جن کو آپ سے پہلے خلفاء نہیں کیا کرتے تھے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا مہاجرین
اور انصار میں اس امر کی طاقت تھی کہ اگر وہ سب معاملات پر سنجیدگی سے غور کرتے' آپ کی سیاست پر راضی رہتے'
جاہلی عصبیت ان کو ٹکڑے ٹکڑے نہ کرتی اور مصریوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تو مصری جن کی تعداد ایک ہزار کے قریب

زیادہ نہیں تھی، ہرگز اہلِ مدینہ اور ان کے ساتھ مہاجرین و انصار پر غلبہ حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

اہلِ مدینہ اکثر شکایات کرنے والوں کی شکایتوں پر بہت کان دھرا کرتے تھے اور جو کچھ وہ لوگ حضرت عثمانؓ سے شکایتیں کرتے تھے اہلِ مدینہ ان کی ہمدردی میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ اکثر اوقات وہ حضرت عثمانؓ اور بنی امیہ پر اس سلسلہ میں اعتراضات بھی کیا کرتے تھے اور انہیں آخرت کے عذاب سے ڈرایا کرتے تھے۔ اس طرح وہ خلافت کے نام کی بے عزتی کرتے تھے جس کا احترام کرنا ہر مسلم کا فرض تھا۔[1]

مختلف شہروں کے مفسدین اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ حضرت عثمانؓ پر بعض اعتراضات کیا کرتے تھے جن میں سے کچھ ہم گزشتہ فصلوں میں بتا آئے ہیں وہ تمام اعتراضات ہم یک جائی طور پر نیچے حاشیہ میں درج کرتے ہیں۔[2] یہ وہ امور تھے

---

[1] صحابہؓ پر ان الزامات کے متعلق پیش لفظ میں بحث ہو چکی ہے۔ (مترجم)

[2] حضرت عثمانؓ پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے وہ مندرجہ ذیل ہیں: (۱) منیٰ اور عرفہ میں پوری نماز پڑھنا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانشین وہاں نمازِ قصر پڑھا کرتے تھے۔ (۲) جمعہ کے دن زوراء کے مقام پر تیسری اذان کی زیادتی کرنا (۳) حضرت ابوذرؓ کو شام سے نکال کر مدینہ اور مدینہ سے نکال کر ربذہ بھیج دینا (۴) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کا ان کے ہاتھ سے نکل کر اریس نامی کنوئیں میں گر پڑنا (۵) اپنے اہل و عیال اور اپنے چچا زاد بھائیوں میں ولایات تقسیم کر دینا اور ولید بن عقبہ کو شراب پینے کی سزا دینے میں تاخیر کرنا (۶) اپنے اہل و عیال اور چچیرے بھائیوں میں جائدادیں تقسیم کر دینا اور ان کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دینا (۷) حضرت اپنے رشتہ داروں کی رائے اور مشورہ پر چلنا اور مہاجرین و انصار کو مشورہ اور امورِ سلطنت میں شریک نہ کرنا (۸) مروان کو افریقہ کے غزوہ کا خمس (پانچواں حصہ جو خلیفہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے) دے دینا (۹) عبداللہ بن خالد بن اسید کو چار لاکھ درہم دے دینا۔ (۱۰) حارث بن الحکم کو مدینہ میں ایک جگہ دے دینا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عطا فرما دی تھی (۱۱) ابوسفیان بن حرب کو دو ہزار درہم دے دینا (۱۲) حارث بن الحکم سے اپنی بیٹی عائشہ کا نکاح کر دینا اور اپنے داماد کو ایک ہزار درہم بیت المال میں سے دے دینا (۱۳) مدینہ کے ارد گرد سرکاری چراگاہ بنا دینا لیکن بنی امیہ کو اس میں داخل نہ ہونے سے مستثنیٰ کرنا (۱۴) الحکم بن ابی العاص کو جسے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا مدینہ واپس بلا لینا اور اس کو ایک ہزار درہم دے دینا (۱۵) خیزران کو کوڑے مارنا (۱۶) اونچی اونچی عمارتیں بنانا۔ آپ نے مدینہ میں سات گھر بنائے۔ اپنی بیوی نائلہ کو ایک گھر اور اپنی بیٹی عائشہ کو ایک گھر دیا اور ان کے علاوہ اپنے اہل و عیال اور ہر بیٹی کو ایک ایک گھر دیا۔ (۱۷) عبداللہ بن مسعود کو اتنا پیٹا کہ ان کی ایک پسلی ٹوٹ گئی۔ (مؤلف)

جن کے بارہ میں مہاجرین، انصار اور اہلِ مدینہ بھی حضرت عثمانؓ کو قصوروار ٹھہراتے تھے۔ اور فتنہ کے سرغنوں کے ہاتھوں میں تو یہ اعتراضات ایک زبردست حربہ تھے ہی جس سے کام لے کر وہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکایا کرتے تھے۔ یہی امور اہلِ مدینہ کے حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دینے کا باعث بنے۔

حضرت عثمانؓ نے بھی ایامِ محاصرہ میں اہلِ مدینہ کے سکوت اور ان کی دست کشی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہی باتیں فتنہ انگیز گروہ کو جرأت دلا رہی ہیں کہ وہ جتنی سختی آپ پر کر سکیں کریں اور آپ کے خلاف گندگی پھیلانے اور آپ پر اعتراضات کرنے میں جس قدر بڑھنا چاہیں بڑھ جائیں۔ اگر اہلِ مدینہ کے دل آپ کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے نہ ہوتے تو ضرور تھا کہ وہ آپ کی مدد کے لئے آتے اور امیر المومنین اور خلافت کے دفاع میں تلوار اٹھاتے۔

آپ کی امامت اور سیاست پر بے شمار اعتراضات کئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ نے ایک خط کا مسودہ تیار کیا جس میں آپ کے خلاف مندرجہ ذیل الزامات لگائے گئے: حضرت عثمانؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف کام کئے ہیں۔ اونچی اونچی عمارتیں بنوائی ہیں۔ ولایات اور حکومت کا سارا کام اپنے اہل و عیال اور چچیرے بھائیوں میں تقسیم کر دیا ہے جو ابھی ناتجربہ کار اور بچے ہیں جن کو نہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل رہی ہے اور نہ امورِ سلطنت کا کوئی تجربہ ہے۔ حد یہ ہے کہ ولید بن عقبہ امیر کوفہ صبح کی نماز نشہ کی حالت میں پڑھاتا ہے اور بجائے دو کے چار رکعتیں پڑھا دیتا ہے اور نماز پڑھا کر مقتدیوں سے کہتا ہے کہ اگر تم ایک رکعت اور زیادہ پڑھنا چاہو تو میں وہ بھی پڑھا دوں گا۔ لیکن آپ نے اس پر حد جاری نہیں کی اور فرمایا کہ اس پر حد اس وقت لگائی جائے گی جب یہ شہادت دی جائے کہ یہ شخص شراب پیتا ہے اور بار بار پیتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس مہاجرین اور انصار کو بالکل عضوِ معطل کی طرح چھوڑ رکھا ہے۔ کوئی کام بھی ان کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ ان سے کوئی مشورہ نہیں لیا جاتا اور اپنی رائے کو ان کی رائے پر مقدم کیا جاتا ہے۔ مدینہ کے اردگرد چراگاہ بنائی ہوئی ہے اور لوگوں کو اس میں داخل ہونے سے روکا جاتا ہے۔ جاگیریں، وظیفے، عطیے ان لوگوں کو دیئے جاتے ہیں جن کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحبت نہیں رہی اور وہ لڑائیوں اور مہموں میں بھی کوئی حصہ نہیں لیتے۔ خیزران کو بے تحاشا کوڑے مارے اور آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے لوگوں کی پیٹھوں پر کوڑے برسائے (ان امور کا ہم پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں) اس خط کا مسودہ تیار ہونے پر یہ طے کیا گیا کہ یہ خط حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں پہنچا دیا جائے۔

جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے یہ خط تیار کیا تھا وہ عمار بن یاسر اور مقداد بن الاسود سمیت دس صحابہ تھے۔ جب یہ لوگ خط لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس چلے تو خط تو عمار کے ہاتھ میں

ے دیا اور خود آہستہ آہستہ کھسکنے لگے۔ یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمار باقی رہ گئے۔

انہوں نے پروانہ کی اور خط لے حضرت عثمانؓ کے گھر پہنچ گئے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کے پاس مروان بن الحکم اور آپ کے ل و عیال موجود تھے۔ حضرت عمار نے یہ خط حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔ انہوں نے پڑھا اور کہنے لگے کیا تم نے یہ خط لکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: "ہاں!"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "تمہارے ساتھ اور کون کون شریک تھا؟"

انہوں نے جواب دیا: "میرے ساتھ چند لوگ تھے جو آپ کے ڈر کی وجہ سے آپ کے پاس نہ آ سکے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "وہ تھے کون؟"

انہوں نے جواب دیا: "یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "پھر تم نے یہ جرأت کیوں کی؟"

مروان کہنے لگا: "امیر المومنین! یہ سیاہ غلام (عمار) لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کر دیں تو دوسرے اس کا حشر دیکھ کر عبرت پکڑیں گے۔"

حضرت عثمانؓ نے کہا: "اس کو مارو۔"

دوسرے لوگوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ نے بھی ان کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ عمار کا پیٹ پھٹ گیا اور ان پر غشی طاری ہو گئی اس کے بعد ان لوگوں نے انہیں گھسیٹ کر گھر کے دروازہ پر ڈال دیا۔ بنو مغیرہ جو عمار کے حلیف تھے یہ دیکھ کر طیش میں آ گئے۔

عمارؓ بڑے جلیل القدر صحابہ میں سے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مشورہ کی مجلس میں آپ کو شریک کرتے تھے آپ کی کئی فضیلتیں مروی ہیں۔ آپ کا مرتبہ مسلمانوں میں بے حد بلند تھا۔

حضرت عمارؓ کے ساتھ اس سختی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی بے انتہا خدمت کی اور صفین میں شہید ہوئے[1]۔

---

[1] تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے شدید ترین دشمنوں سے بھی عفو اور درگذر کا سلوک کیا اور باوجود عمال کے بار بار اصرار کرنے کے آپ نے ان کو کوئی سزا نہیں دی حالانکہ آپ بڑی آسانی سے ان کو عبرت ناک سزائیں دے سکتے تھے اور کوئی شخص بھی اس پر اعتراض نہیں کر سکتا تھا۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ ایک معمولی سی بات پر حضرت عمارؓ کے ساتھ یہ سلوک کرتے؟ اس واقعہ پر غور کرنے کے ساتھ خط کی اصلیت بھی سمجھ میں آ جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ محض ایک من گھڑت واقعہ ہے اور اصلیت سے اس کا دور کا بھی تعلق نہیں۔ (مترجم)

خلاصہ یہ کہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کئی عوامل کام کر رہے تھے۔ ایک تو باغی، کہ جو کچھ ان کے سر میں سما جا
اس کے کرنے پر تُل جاتے تھے۔ اس لئے کہ وہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان کے لئے سخت خطرہ تھا۔ دوسرے اہلِ مد
جو حضرت عثمانؓ کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس معاملہ میں بالکل خاموش تھے۔ ان میں سے بعض خاموشی کی حد سے گزر کر حض
عثمانؓ کے خلاف آمادہ پیکار بھی تھے۔ تیسرے بنو امیہ جو چاہتے تھے کہ معاملہ کو یہاں تک ڈھیل دی جائے کہ وہ جی
پہنچ جائیں۔ اگر حضرت عثمانؓ کوئی وعدہ کرتے تو وہ اسے تڑوا دیتے[1]۔ اگر آپ لوگوں کے مطالبات کو ماننے کا ارادہ ک
تو وہ آپ کو اس ارادہ سے پھیر دیتے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ انہی کے کہنے پر چلیں اور خلافت
معزول ہونے سے بالکل انکار کر دیں[2]۔

جو عوامل حضرت عثمانؓ کی شہادت کا باعث ہوئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ آپ دوسروں کی رائے پر نہ چلتے
اگر آپ دوسروں کے مشوروں پر چلتے تو آپ کی زندگی بچ جاتی۔ مغیرہ بن شعبہ نے آپ کے بچانے کی ایک تد
سوچی۔ وہ حالتِ محاصرہ میں آپ سے ملے اور کہنے لگے:

"امیر المومنین! آپ لوگوں کے امام ہیں۔ آپ پر جو مصیبت پڑی ہوئی ہے وہ ظاہر و باہر ہے۔ میں آپ
سامنے تین باتیں پیش کرتا ہوں ان میں سے کسی ایک کو اختیار کر لیں:۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نکل کر ان کا مقابلہ کریں۔ آپکے پاس فوج اور قوت کافی ہے۔ آپ حق پر ہیں اور وہ با
اس لئے فتح آپ ہی کی ہوگی۔

(۲) دوسری یہ کہ ہم آپ کے لئے ایک چور دروازہ گھر کے دروازہ کے علاوہ بنا دیتے ہیں آپ اس دروازہ سے نک
اور سواری پر بیٹھ کر مکہ چلے جائیے وہاں آپ ان کے ہاتھوں سے بالکل محفوظ ہوں گے اور وہ آپ کا کچھ بھی ن
بگاڑ سکیں گے۔

(۳) اگر یہ دونوں باتیں آپ کو منظور نہ ہوں تو پھر آپ شام چلے جائیے وہاں معاویہ جیسا زبردست شخص موجود

---

[1] حضرت عثمانؓ جیسے مقدس اور پاک باز انسان پر یہ الزام لگانا خود الزام لگانے والوں کی خبثِ باطنی کی دلیل ہے۔ حضرت عثمانؓ اس الزا
بالکل بری ہیں۔ (مترجم)

[2] جس صورت میں کہ حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو خلعتِ خلافت اتارنے سے منع فرمایا تھا تو ان
کہنے سے معزول ہو جانے یا معزول ہونے سے انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مترجم)

اور یہ لوگ وہاں آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکیں گے۔"

لیکن حضرت عثمانؓ نے مغیرہ کے مشورہ کو نہ مانا۔ واقعہ یہ ہے کہ مغیرہ کی تدبیریں دور اندیشی اور معقولیت کے لحاظ سے بہت بڑا مرتبہ رکھتی تھیں۔ اگر حضرت عثمانؓ ان پر عمل کرتے تو کبھی وہ نہ ہوتا جو ہوا[1]۔

---

[1] پہلی بات تو حضرت عثمانؓ نے اس لئے نہیں مانی کہ وہ اپنی ذات کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور ان کا کشت و خون کرانا نہیں چاہتے تھے۔ جیسا کہ بعد کے لوگوں نے کرلیا اور نتیجہ سوائے بربادی اور تباہی کے کچھ نہ نکلا۔

دوسری ترکیب انتہائی بزدلی پر دلالت کرتی تھی اس لئے رسول اللہؐ کا جانشین اسے کس طرح منظور کر سکتا تھا۔

تیسری تجویز کو آپ نے اس لئے قبول نہ کیا کہ حضرت امیر المومنین عثمان بن عفانؓ کسی صورت اور کسی حالت میں بھی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کو چھوڑ کر کہیں باہر جانا پسند نہیں فرماتے تھے خواہ اس میں ان کی جان ہی چلی جائے۔

اس سے پہلے حضرت معاویہؓ نے بھی حضرت امیر المومنین کے سامنے تقریباً یہی تجاویز پیش کی تھیں مگر آپ نے بڑی سختی کے ساتھ ان کو مسترد کر دیا تھا۔ (مترجم)

---

(۴۲)

حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ

ابو جعفر بن مکی الحاجب کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سلیمان سے جو ایک ظریف الطبع ادیب اور نہایت عقلمند شخص تھا اور ریاضیات اور فلسفہ کا ماہر تھا حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا:

یہ ایک بہت پرانی عداوت تھی جو عبدالشمس اور بنی ہاشم میں چلی آرہی تھی - حرب جو بنی امیہ کا ایک ممتاز فرد تھا عبدالمطلب بن ہاشم سے نفرت رکھتا تھا۔ ابوسفیان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ وہ کئی بار آپ سے جنگ و جدال بھی کر چکا تھا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور دوسری بیٹی کا حضرت عثمانؓ سے۔ لیکن جو تعلق حضور علیہ السلام کو حضرت علیؓ سے بیاہی ہوئی بیٹی فاطمہؓ سے تھا وہ حضرت عثمانؓ سے بیاہی ہوئی اپنی دونوں بیٹیوں سے نہیں تھا۔ حضرت فاطمہؓ سے زیادہ تعلق کی ایک وجہ حضرت علیؓ بھی تھے کیونکہ حضرت علیؓ آپ کے قریبی رشتہ دار تھے اور اخلاص میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر تھے لیکن حضرت عثمانؓ سے ایسا کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت عثمانؓ کو یہ بات بہت محسوس ہوتی اور دونوں بہنوں میں بھی کچھ کشیدگی پیدا ہو گئی۔ پھر یہ بھی اتفاق ہوا کہ حضرت علیؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کئی جنگوں میں بنی عبدالشمس کے بے شمار لوگوں کو قتل کر ڈالا۔ اس لئے دشمنی اور بھی بڑھ گئی -

حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چند نفوس پر مشتمل ایک جماعت حضرت علیؓ کے پاس آئی جن میں حضرت عثمانؓ نہ تھے۔ آپ حضرت فاطمہؓ کے گھر ان لوگوں کے ساتھ بھی نہ آئے جنہوں نے خلافت کی بیعت نہ کی تھی۔ حضرت علیؓ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کا اظہار آپ کے لئے ممکن نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد جب چھ آدمیوں پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ منعقد ہوئی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت علیؓ کو چھوڑ کر حضرت عثمانؓ کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا تو اس وقت حضرت علیؓ اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکے اور جو کچھ آپ کے دل میں پوشیدہ تھا وہ ظاہر کر دیا۔

ان دونوں کے درمیان اختلافات بڑھتے ہی چلے گئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضرت علیؓ نے جب بھی آپ کو ٹوکا بجا طور پر ٹوکا اور کبھی کسی کام سے آپ کو منع نہیں کیا جب تک وہ کام شریعت کی رُو سے منع کئے جانے کے قابل نہ ہوا۔ حضرت عثمانؓ اپنی ذات سے بہت کمزور اور ضعیف تھے، آپ نے تمام کاروبارِ سلطنت مروان کے سپرد کر دیا، وہ آپ کو جس طرف چاہتا پھیر دیتا۔ دراصل خلافت پر قابض وہی تھا صرف نام حضرت عثمانؓ کا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ نے حضرت علیؓ سے کئے ہوئے وعدہ کو پسِ پشت ڈال دیا تو حضرت علیؓ کو بہت غصہ آیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے بعد میں معذرت چاہی بھی لیکن اس وقت اس کا کوئی فائدہ نہ تھا اور معاملہ اتنا بگڑ گیا تھا کہ پھر کسی کے بنائے نہ بن سکا۔[1]"

جعفر کہتے ہیں میں نے محمد بن سلیمان سے کہا "کیا آپ کا خیال ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے عہد کی نسبت زیادہ تکلیفیں اٹھائیں؟"

محمد بن سلیمان نے کہا "یہ کس طرح ہو سکتا ہے حضرت عثمانؓ تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مقابلے میں کوئی چیز ہی نہیں تھے۔ اگر وہ دونوں نہ ہو چکے ہوتے تو حضرت عثمانؓ کو خلافت کسی صورت میں بھی نہ مل سکتی۔ حضرت عثمانؓ کو بھی پہلے خلافت کی خواہش نہ تھی، نہ ان کے ذہن میں پہلے کبھی یہ بات آئی تھی لیکن ایک امر کی وجہ سے حضرت عثمانؓ ان کے

---

[1] یہ محض ایک شخص کی ذاتی رائے ہے اور انہی واہی تباہی خیالات کا عکس جو عوام کالانعام کی زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے اور حضرت عثمانؓ کے بدترین مخالفوں اور مفسدینِ امت کے پھیلائے ہوئے تھے۔ نہ ان میں سے کوئی بات سچ ہے نہ الزامات کا کوئی سر پیر ہے۔ بازار میں بیٹھ کر جو باتیں محمد بن سلیمان نے سنیں اپنی طرف سے نمک مرچ لگا کر انہی کو جعفر سے روایت کر دیا۔ ایسی حالت میں اس کے بیان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ (مترجم)

مقابلے میں اقتدار حاصل کرنے کے خواہشمند تھے وہ یہ کہ یہ دونوں بنی عبد مناف سے تھے اور یہ فطری بات ہے کہ انسان اپنے دور کے رشتہ دار کے مقابلہ میں اپنے قریبی رشتہ دار سے اقتدار حاصل کرنے میں زیادہ مقابلہ کرتا ہے۔"

جعفر کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن سلیمان سے پوچھا "اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ خلافت چھوڑ دیتے اور قتل نہ کئے جاتے تو حضرت علیؓ آسانی کے ساتھ خلافت کا کام سرانجام دے سکتے تھے؟ اگر حضرت عثمانؓ کے معزول ہونے کے بعد حضرت علیؓ کی بیعت کی جاتی؟"

انہوں نے کہا "نہیں! یہ کس طرح ہو سکتا تھا بلکہ حضرت عثمانؓ کے زندہ رہنے کی صورت میں معاملات اور بھی زیادہ بگڑ جاتے کیونکہ حضرت عثمانؓ کو ہر دم اس بات کی امید ہوتی کہ کبھی نہ کبھی خلافت پھر ان کے پاس آجائے گی اور وہ ہمہ وقت اس امر کے لئے کوشاں رہتے۔ اگر وہ قید میں ہوتے تو معاملات انتہائی نازک صورت اختیار کر لیتے کیونکہ آپ کے حمایتی برابر آپ کا نام لے کر لوگوں کو بھڑکاتے رہتے۔ اگر قید میں نہ ہوتے، آزاد رہتے تو وہ اس بات کا خوب پروپیگنڈا کرتے کہ میں مظلوم ہوں اور مجھ سے بالجبر خلافت چھین لی گئی ہے۔ اس طرح لوگ پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حضرت علیؓ کے خلاف مجتمع ہو جاتے اور فتنہ شدت اختیار کر لیتا۔"

جعفر نے ان سے پھر پوچھا "آپ کا امامت کے بارہ میں کیا خیال ہے اور اس کے اصل اور منبع کے متعلق آپ کا کیا نظریہ ہے؟"

وہ کہنے لگے:

"میں اس کی اصل کے متعلق صرف دو باتیں جانتا ہوں۔ ایک یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں فرمائی اور نہ کسی شخص کا اس معاملہ میں نام ہی لیا بلکہ اس کو مبہم رکھا اور رمز و کنایہ میں ایسی باتیں کہیں جن سے کوئی یقینی بات معلوم نہیں ہوتی تھی اور حضرت علیؓ ان کو پیش کر کے اپنا حق کسی طرح بھی نہیں منوا سکتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت علیؓ نے سقیفہ والے دن اپنے لئے کوئی نص صریح موجود نہ ہونے کی بناء پر کسی قسم کا جھگڑا نہ کیا بلکہ خاموش ہو رہے۔ بادشاہ جب اپنی اولاد میں سے کسی کو اپنا جانشین بناتے ہیں تو فرمان جاری کر کے اور منبروں پر خطبے پڑھ کر اس امر کا بڑے واضح الفاظ میں اعلان کرتے ہیں۔ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے اس ارادے سے مملکت کا بچہ بچہ واقف ہو جائے، تاکہ بعد میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو سکے۔ خلافت کا معاملہ ایسا آسان اور چھوٹا سا معاملہ نہیں تھا جو اس طرح اشتباہ میں رہتا۔ شاید رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس معاملہ کو اس طرح مبہم رکھنے میں یہ مصلحت ہو کہ کہیں منافقین

کی طرف سے شور و غوغا اور فساد برپا ہو کہ یہ نبوت کا ہے کہ ہوئی بادشاہت ہو گئی ہے نبی نے اپنے بعد اپنی اولاد اور خاندان کو سونپ دیا ہے۔ چونکہ آپ کی اولاد میں سے بوجہ صغر سنی کے کوئی حکومت سنبھالنے کا اہل نہیں اس لئے حکومت کی ذمہ داری حضرت علیؓ کے سر ڈال دی ہے لیکن درحقیقت یہ حضرت فاطمہؓ کے لئے جو آپ کی بیٹی ہیں اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ پس حقیقتاً بات یہ ہے کہ آپ نے محض اشاروں اور کنایوں میں اپنے بعد اپنے جانشین کا ذکر کیا مثلاً حضرت علیؓ کو کہا: (انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ (تو مجھ سے وہی درجہ رکھتا ہے جو موسیٰ کے بعد ہارون کا تھا) من کنت مولاہ فعلیؓ مولاہ (جس کا میں دوست ہوں علیؓ بھی اس کا دوست ہے) لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار (حضرت علیؓ کے مانند کوئی نوجوان نہیں اور ذوالفقار سے بہتر کوئی تلوار نہیں) لیکن ان اشاروں اور کنایوں سے کوئی واضح بات معلوم نہیں ہوتی جس کی بناء پر حضرت علیؓ اپنا حق خلافت پر قائم کر سکتے اور اپنے مدمقابل کو خاموش کر سکتے۔

دوسرا امر یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے مشورہ کے لئے کچھ آدمیوں کی ایک کمیٹی قائم کی لیکن خلافت کے لئے کسی ایک آدمی کی تخصیص نہیں کی۔ اس لئے اس کمیٹی کا ہر ممبر یہی خیال کرنے لگا کہ وہی خلافت کے لئے موزوں ہے اور ملک و سلطنت کا انتظام کرنے کا وہی حقدار ہے۔ یہی خیالات ان کے دل و دماغ میں چکر لگانے لگے۔ اور اسی وجہ سے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے درمیان مخالفت پیدا ہو گئی جو حضرت عثمانؓ کی شہادت

لہ جو بدبخت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ ناپاک الزام لگائے کہ معاذ اللہ حضور نے منافقین کے ڈر سے امر خلافت کو مبہم رکھا۔ کیا وہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی رائے کی کوئی قدر کی جائے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ صاف صاف فرماتا ہے: یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (مائدہ ع) (یعنی اے رسول! جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر اتارا ہے وہ تو لوگوں تک پہنچا دے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے پیغام رسالت پہنچانے کا فرض ادا نہ کیا) لیکن اس آیت کی موجودگی میں یہ شخص نہایت بے تکلفی سے کہہ دیتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت علی کو منافقوں کے ڈر سے مبہم رکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ محمد بن سلیمان کی یہ رائے نہ صرف اس کے اپنے خبث باطنی پر دلالت کرتی ہے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اس نے حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کے باہمی تعلقات کے بارہ میں جن آراء کا اظہار کیا ہے وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان پر کوئی مسلمان ایک لمحہ کے لئے بھی غور کر سکے۔ یہ سارا بیان نہایت لغو، بیہودہ اور نامعقول ہے اور ہرگز اعتبار کے قابل نہیں۔ (مترجم)

پر منتج ہوئی۔[1]

آپ کی شہادت کا بڑا سبب حضرت طلحہ کی مخالفت تھی ان کو یہی خیال تھا کہ حضرت عمرؓ کے بعد کئی وجوہات کی بنا پر خلافت انہی کا حق ہے۔ ایک یہ کہ وہ سابقون الاوّلون میں سے تھے دوسرے یہ کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے چچازاد بھائی تھے اور حضرت ابوبکرؓ کی اس زمانہ کے لوگوں میں بہت بڑی عزت اور قدر و منزلت تھی، تیسرے یہ کہ وہ بہت سخی تھے وہ خود حضرت عمرؓ سے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جھگڑے تھے اور چاہتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ اپنے بعد کارِ خلافت انہی کو تفویض کر دیں۔ جب حضرت عثمانؓ تختِ خلافت پر متمکن ہو گئے تو ان کے دل میں ان کے خلاف کدورت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اہلِ مدینہ، بدوؤں اور ان فسادیوں کو آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور انہیں شہ دینے لگے۔

اس کام میں حضرت زبیرؓ نے بھی ان کی مدد کی۔ وہ بھی اپنے لئے خلافت چاہتے تھے۔ خلافت حاصل کرنے کا زیادہ موقعہ انہی دونوں کو تھا۔ حضرت علیؓ کو اتنا نہیں تھا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی طاقت کو حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے پاش پاش کر دیا تھا[2] اور لوگ ان کو بالکل بھلا بیٹھے تھے۔ جن لوگوں کو ان کے اصلی جوہر اور خصائص کا پتہ تھا وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی وفات پا چکے تھے اور آپؐ کے بعد حضرت علیؓ کا پالا ایسے لوگوں سے پڑا تھا جن کو آپ کی حقیقی قدر و منزلت کا پتہ نہ تھا۔ وہ صرف یہ جانتے تھے کہ آپ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپؐ کے داماد ہیں۔ مزید برآں ان کو قریش کی مخالفت کا بھی سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ قریش کی مخالفت سے سوائے آپ کے اور کسی کو بھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ قریش کو جتنا بغض آپ سے تھا اتنا ہی تعلق حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے تھا۔ یہ دونوں حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں قریش سے بہت خلا ملا رکھتے تھے اور انعام و اکرام کے وعدہ سے ان کو پھسلاتے رہتے تھے خود اپنے اور لوگوں کے خیال میں دراصل یہی دونوں خلیفہ تھے اگرچہ ظاہری طور پر ان کو خلافت حاصل نہ تھی۔

جب حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے تو حضرت طلحہؓ نے خلافت پر قابض ہو جانا چاہا! اور اگر اشتر اور اس کے ساتھ یہ مفسدین نہ ہوتے تو حضرت علیؓ خلافت حاصل نہ کر سکتے۔ جب طلحہ اور زبیر خلافت پر قابض نہ ہو سکے تو

---

[1] ہم پہلے بھی کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ جلیل المرتبت صحابہ کرامؓ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ وہ خود خلافت کے خواہشمند تھے اور اپنے آپ کو اس کے لئے موزوں سمجھتے تھے، صرف ایسے ہی شخص کے لئے موزوں ہو سکتا ہے جسے عقل و خرد سے حصہ نہ ملا ہو یا جسے واقعات تاریخی کا صحیح علم نہ ہو یا پھر اسے صحابہؓ سے قلبی بغض ہو مگر واقعات کی موجودگی میں کوئی صحیح الدماغ انسان ایسے خیالات کا اظہار نہیں کر سکتا۔

[2] یہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی دیانت و امانت اور شخصیت پر مصنف کا کھلا حملہ ہے اور وہ بھی بلا دلیل۔ (مترجم)

انہوں نے حضرت علیؓ کے ساتھ مقابلہ کی ٹھانی۔ حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ ملایا[1] اور عراق کا قصد کیا جہاں ان کے مددگار موجود تھے وہاں انہوں نے فتنہ کو ہوا دی جس کے نتیجہ میں جنگِ جمل اور دوسری لڑائیاں ہوئیں۔"

اس اختلاف کے متعلق جو حضرت عثمانؓ کے عہد میں ہوا اور جو آپ کے بعد اٹھا، یہ ایک بڑے آدمی کی رائے ہے جس کو ہم نے اس لئے بیان کیا ہے کہ ہم قارئین کو تفرقہ اور فتنہ کے کچھ اسباب اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان اختلاف و خصومت کے کچھ پہلو دکھا سکیں جس نے مسلمانوں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے افتراق و انشقاق کا بیج بو دیا اور ان کے مختلف گروہوں کے درمیان اختلاف کی ایک ایسی گہری خلیج حائل ہو گئی جو آج تک نہ پاٹی جا سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف کبھی کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا اور نہ لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ خود حضرت عثمانؓ نے بھی آپ پر اس قسم کا کبھی کوئی الزام نہیں لگایا اور ان باتوں میں سے کبھی کوئی بات آپ کی طرف منسوب نہیں کی۔ حضرت علیؓ کی حضرت عثمانؓ سے ناراضی کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمانؓ نے سلطنت کا تمام کام بنی امیہ کے سپرد کر دیا تھا اور انہی کو مناصب اور اعلیٰ مراتب سے نوازا تھا۔ ہم پچھلی فصلوں میں ان تمام باتوں کا ذکر کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ کس طرح حضرت عثمانؓ ان لوگوں پر بھروسہ اور اعتبار کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ اگر چاہتے تو دوسرے مسلمانوں میں بہت سے ایسے لوگ مل سکتے تھے جو بنی امیہ کے لوگوں سے زیادہ ولایات کے حقدار تھے اور عطیات و اموال حاصل کرنے کے بھی۔

جو لوگ کتب سیر و اخبار خصوصاً ابن حدید کی شرح نہج البلاغہ کا مطالعہ کریں ان کو پتہ چلے گا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ کا یہ اختلاف فتنہ یا بغاوت سے متعلق نہیں تھا اور حضرت علیؓ پر فتنہ پھیلانے اور فسادیوں کی مدد کرنے کا الزام کسی صورت میں عائد نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ نے جو روش اس موقعہ پر اختیار کی تھی وہ یہ تھی کہ آپ اس معاملہ سے بالکل علیحدہ اور خانہ نشین ہو گئے تھے اور کسی سے کوئی تعلق باقی نہ رکھا تھا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کو کئی مفید مشورے دئے لیکن انہوں نے آپ کے مشوروں کی قدر نہ کی اور باوجود وعدوں کے ان باتوں کی اصلاح نہ کی جن کی اصلاح کرنے کا آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا جب انہوں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ کے صلاح کار حضرت عثمانؓ کو وہ باتیں قبول کرنے سے روکتے ہیں جو یہ فسادی چاہتے ہیں اور خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے اصلاح حال کی جو ذمہ داریاں حضرت عثمانؓ پر عائد ہوتی تھیں ان کے پورا کرنے میں روک بنتے ہیں تو اس سے وہ دل برداشتہ ہو گئے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو

---

[1] قطعی غلط اور بے اصل بات ہے۔ (مترجم)

آئندہ کوئی مشورہ دینا بالکل چھوڑ دیا۔[1]

جب ہم کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ اپنے واسطے خلافت چاہتے تھے اور اس امر میں اپنے آپ کو حق پر سمجھتے تھے تو ہمارا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگرچہ حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے عہد میں آپ کو خلافت کی خواہش تھی لیکن آپ نے شیخین کے عہد میں جمہور مسلمانوں کے اجماع کے خلاف کوئی بات نہیں کی اور جو فیصلہ انہوں نے کیا اس کو بلا چون وچرا تسلیم کر لیا۔ اسی طرح انہوں نے حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی آپ کے مقابلہ میں اپنے لئے کوئی کوشش نہیں کی اور اس کیلئے آواز نہیں اٹھائی اگرچہ ان کا خیال یہی تھا کہ وہ خلافت کے لئے حضرت عثمانؓ سے زیادہ حق دار ہیں۔ جب حضرت عثمانؓ کے آخر عہد میں فتنہ وفساد اور بغاوت پھوٹی اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ بنو امیہ اور خصوصاً مروان ابن الحکم نے حضرت عثمانؓ پر پورا تسلط پا لیا ہے وہ ان کی رائے کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے اور صرف انہی کے مشوروں پر عمل کرتے ہیں تو دل برداشتہ ہو کر علیحدگی اختیار کر لی۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے اسباب پر بحث کرتے ہیں وہ اس سے انکار نہیں کرتے کہ آپ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب آپ کا اپنے ناعاقبت اندیش مصلاح کاروں کے اشاروں پر چلنا اور ان کی باتوں اور مشوروں کو قبول کرنا تھا۔ ان کا سردار مروان بن الحکم تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی شخص تھا جس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو جام شہادت پینا پڑا۔

زبیر بن بکار حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت عثمانؓ کے بارے میں اپنے والد سے کبھی کچھ نہیں سنا۔ نہ وہ آپ پر کوئی تہمت لگاتے تھے نہ آپ پر لگائے ہوئے اعتراضات کا رد کرتے سنتے۔ میں نے بھی اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ناگوار طبع بات نہ ہو جائے ان سے اس بارہ میں کچھ نہ پوچھا۔ ایک دفعہ ہم رات کو بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عثمانؓ آ گئے اور ہمارے ساتھ کچھ کھانا بھی کھایا۔ کھانے کے بعد انہوں نے میرے والد سے حضرت علیؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا ہے اور میرے متعلق غلط باتیں لوگوں میں پھیلایا کرتے ہیں۔

حضرت عباس نے کہا کہ آپ کے متعلق صرف علیؓ ہی اکیلے نہیں کہتے بلکہ دوسرے لوگ بھی کہتے ہیں۔ آپ لوگوں پر تہمت لگاتے ہیں اور لوگ آپ پر تہمت لگاتے ہیں۔ آپ ان کے بدخواہ ہیں وہ آپ کے، پس جو کچھ آپ ان سے کرتے ہیں وہی وہ آپ سے کرتے ہیں پھر گلہ کس بات کا؟

---

[1] قطعاً بے بنیاد بات ہے۔ (مترجم)

اس پر حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ آپ اس معاملہ میں پڑ کر میرے اور لوگوں کے درمیان صلح کرا دیں۔

عباس نے کہا "کیا میں یہ بات لوگوں کو آپ کی طرف سے کہہ دوں؟"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا "ہاں بے شک کہہ دیں" یہ کہہ کر وہ لوٹنے لگے لیکن کچھ ہی دیر کے بعد پھر واپس آئے اور کہنے لگے "ابھی لوگوں سے اس کا تذکرہ نہ کریں"

ہم نے دروازہ پر جو نظر کی تو مروان بن الحکم دروازہ میں بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا اور وہی تھا جس نے ان کو ان کی پہلی رائے سے پھیر دیا تھا۔

ابو العباس المبرد اپنی کتاب "کامل"[1] میں حضرت علیؓ کے غلام "قنبر" سے روایت کرتے ہیں۔

"میں حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے پاس گیا ان دونوں نے چاہا کہ تنہائی میں کچھ باتیں کریں۔ حضرت علیؓ نے میری طرف اشارہ کیا اور میں وہاں سے کچھ دور چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے اور حضرت علیؓ سر جھکائے بیٹھے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا:

"آخر آپ بولتے کیوں نہیں؟"

حضرت علیؓ کہنے لگے کہ اگر میں کچھ کہوں گا تو آپ کو برا لگے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ سے کچھ باتیں کروں تو وہ آپ کی ناراضی کا موجب نہ ہوں بلکہ ایسی باتیں ہوں جن کو آپ پسند کرتے ہوں۔"

ابو العباس کہتے ہیں: اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر میں یہ کہوں کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کی ہے جتنی آپ نے مجھ پر کی تو اس صورت میں آپ مجھ پر ناراض ہوں گے اور میں یہ نہیں چاہتا کیونکہ مجھے آپ کی ناراضی اور عتاب منظور نہیں۔

واقدی کتاب الشوریٰ میں ابن عباس سے روایت کرتا ہے:

"ایک دن حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ پر ناراض ہو رہے تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ وہ حضرت علیؓ سے کہہ رہے تھے کہ آپ نے فتنہ و تفرقہ کا دروازہ کھول دیا ہے۔ حالانکہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی اسی طرح اطاعت

---

[1] اس جگہ اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ کتاب "کامل" کوئی باقاعدہ تاریخی کتاب نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ادبی کتاب ہے جس میں بعض تاریخی واقعات بھی درج کر دیے گئے ہیں اب ظاہر ہے کہ ایک اہم معاملہ کے متعلق کسی ادبی کتاب میں درج کی ہوئی حاشیے کی کیا وقعت ہو سکتی ہے؟ (مترجم)

کیا کرتے تھے جس طرح رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تھے۔ میں ان دونوں سے الگ نہیں ہوں۔ اگر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہیں تو میں بھی آپؐ کا داماد ہوں اور اس بناء پر کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں میرے ساتھ بیاہی تھیں، میں آپ سے زیادہ بلند مرتبہ رکھتا ہوں۔ اگر آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ خلافت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ ہی کے واسطے مخصوص کر دی تھی جیسا کہ آپ نے حضورؐ کی وفات کے بعد اس بات کو پیش بھی کیا تھا تو پھر آپ نے شیخین کی بیعت کیوں کر لی تھی؟ اگر وہ دونوں اس مرتبہ کے لائق نہیں تھے تو آپ نے ان کی اطاعت کا جوا اپنے کندھوں پر کیوں رکھ لیا تھا۔ اگر وہ اس مرتبہ کے لائق تھے تو میں ان دونوں سے دین میں، حسب میں اور قرابتِ رسولؐ میں کسی طرح سے کم نہیں ہوں پھر آپ میرے ساتھ ویسا ہی سلوک کیوں نہیں کرتے جیسا ان دونوں کے ساتھ کرتے تھے؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا "پہلی بات یہ ہے کہ اگر میں تفرقہ کا دروازہ کھول رہا ہوں اور اس کے لئے راہ صاف کر رہا ہوں تو اس امر سے میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں لیکن میں آپ کو اس بات سے روکتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ روکتا ہے اور آپ کو ہدایت کی طرف راہ دکھاتا ہوں۔ باقی رہا حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا معاملہ تو اگر انھوں نے وہ کچھ لے لیا جو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے واسطے مقرر کیا تھا تو اس کا آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو بھی پتہ ہوگا۔ مجھے تو اس سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ میں نے اس معاملہ کو طول ہی نہیں دیا۔ اگر وہ میرا حق نہیں تھا بلکہ مسلمان ہی مل کر خلافت کا فیصلہ کرنے والے تھے تو معاملہ بالکل صاف ہے۔ لیکن اگر وہ میرا حق تھا اور دوسروں کا نہیں تھا تو میں نے صدقِ دلی اور خوشی سے وہ انہی کو عطا کر دیا اور ملت کی اصلاح چاہنے کے لئے میں نے خلافت پر اصرار کرنا پسند نہیں کیا۔ باقی رہا میرے، آپ کے اور ان دونوں کے درمیان برابری کا معاملہ تو آپ ان دونوں میں سے کسی ایک کی بھی برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ ان کے سپرد ملک و ملت کا انتظام کیا گیا تھا اور انہوں نے اس کو بہت خوش اسلوبی سے چلایا اور اپنی ذات کے لئے کوئی نفع بھی حاصل نہ کیا۔ لیکن آپ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ کی عمر تھوڑی رہ گئی ہے۔ کب تک آپ زندہ رہیں گے آخر ایک دن خدا کے سامنے پیش ہونا ہے۔ بنی امیہ کو لوگوں کی عزتیں اور مال و دولت لوٹنے سے روکئے۔ خدا کی قسم اگر آپ کے عمال میں سے کوئی عامل کسی پر ظلم کرتا ہے تو اس کے گناہ میں آپ بھی اس کے برابر کے شریک ہیں۔"

حضرت عثمانؓ نے فرمایا "آپ کی مرضی: اگر آپ کا یہی خیال ہے تو میرے عمال میں سے جس جس کو آپ اور دوسرے مسلمان ناپسند کرتے ہیں اس کو معزول کر دیجئے۔"

جب حضرت علیؓ چلے گئے تو مروان بن الحکم نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا یہ لوگ آپ پر زیادتی کریں گے۔ آپ ان میں سے کسی کو معزول نہ کیجئے"۔

ان تمام باتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اگرچہ حضرت عثمان سے ناراض تھے اور آپ کی سیاست کو بالکل پسند نہ کرتے تھے لیکن آپ فتنہ کے حق میں نہ تھے۔ آپ نے نہ اس کی کوشش کی اور نہ کبھی اس کے متعلق کوئی اشارہ کیا۔ مفسدین میں سے جو لوگ آپ کی تائید اور مدد حاصل کرنے آپ کے پاس آتے تھے آپ ان سے بہت سختی اور شدت سے پیش آتے تھے اور ان کو مایوس لوٹا دیتے تھے۔ آپ نے کئی مرتبہ اس بات کی کوشش کی کہ حضرت عثمانؓ کو فتنہ فرو کرنے اور مفسدین کو ان کے شہروں میں واپس لوٹانے کے لئے ان کے کچھ مطالبات مان لینے میں کچھ تامل نہیں کرنا چاہئے لیکن حضرت عثمانؓ ان سے وعدہ کرتے تھے کہ وہ انہی کے کہنے پر عمل کریں گے اور جن جن عمال کو وہ ہٹانا چاہیں گے ہٹا دیں گے اور مروان اور اس کے بھائی بند آپ کو اس وعدہ سے منحرف کر وا دیتے تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کی عزت پر حرف آتا تھا اور آپ کو اس بات کا سخت رنج ہوتا تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی رائے کو مروان کی رائے کے مقابلہ میں بے وقعت سمجھتے ہیں۔

ایک اور چیز بھی ہے اور وہ یہ کہ امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے کبھی کبھی حضرت علیؓ پر یہ الزام نہیں لگایا کہ وہ فتنہ کی تائید کر رہے ہیں اور ان کے خلاف لوگوں کو بھڑکا رہے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ پر صرف یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ ان کی تائید میں بہت ہی سستی سے کام لے رہے ہیں۔ ادھر حضرت علیؓ کا جواب یہ تھا کہ حضرت عثمانؓ ان کی نصیحت کو نہیں سنتے۔ وہ ان سے وعدہ کرتے ہیں اور زبان دیتے ہیں لیکن جب وقت آتا ہے تو اس سے انکار کر دیتے ہیں اور اپنے وعدہ سے منکر ہو جاتے ہیں[1] جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مفسدین حضرت علیؓ پر الزام لگاتے اور تہمت دھرتے ہیں کہ وہ بھی امیر المومنین کے شریک ہیں۔ اس چیز سے حضرت علیؓ ڈرتے تھے کہ کہیں ان کے متعلق یہ نہ کہا جائے کہ انہوں نے وعدہ کیا لیکن ایفا نہ کیا۔ زبان دی لیکن اس سے پھر گئے۔

---

[1] مندرجہ بالا اعتراضات کی حقیقت حضرت عثمانؓ پر بے بنیاد اتہام سے قطعاً زیادہ نہیں۔ حضرت عثمانؓ جیسے جلیل القدر صحابی اور خلیفۂ رسول اللہ کے متعلق وعدہ خلافی کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

(۲۵)

کیا حضرت عثمانؓ غلطی پر تھے؟

کتب سیر کے قدیم مؤلفین نے اس بحث میں بڑا اختلاف کیا ہے۔ بعض نے حضرت عثمانؓ پر تنقید کی ہے اور بعض نے ان کو غلطیوں سے مبرّا قرار دیا ہے، اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے سرے سے ان کی ساری سیاست سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اور ان کی کمزوری، نرمی اور رقیق القلبی کو اس فتنہ کا باعث ٹھہرایا ہے اور کہا ہے کہ یہ حضرت عثمانؓ ہی تھے جنہوں نے اسلام کے لئے وہ حالات پیدا کر دیئے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو مسلمان ہلاکت کے گڑھے میں گر کر ہمیشہ کے لئے تباہ و برباد ہو جاتے۔ لیکن بعد کے مصنفین میں سے اکثر نے حضرت عثمانؓ کا دفاع کیا اور جو کمزوریاں ان سے صادر ہوئی تھیں ان کے لئے عذر تلاش کئے ہیں۔ ہم نے بھی جہاں تک ممکن ہوا یہی راستہ اپنے لئے منتخب کیا۔[1]

---

[1] صحیح اور درست اور ٹھیک راستہ یہی ہے کہ جو غلط، بیہودہ اور نامعقول اعتراضات مخالف، مفسد اور فتنہ انگیز لوگوں نے حضرت خلیفۂ ثالث پر لگائے ان کا دلائل اور براہین سے رد اور دفعیہ کیا جائے اور ان کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔

(مترجم)

مرتضیٰ جو متقدمین علمائے اسلام میں سے ہے حضرت عثمانؓ کی سیاسی غلطیوں پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"وہ شخص جو حضرت عثمانؓ کو بری الذمہ قرار دیتا ہے اس کی اس بات میں کوئی وزن نہیں کہ حضرت عثمانؓ کو اپنے ان فاسق عمال کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا جن کو آپ نے مختلف ولایات میں مقرر کیا تھا۔ اس لئے آپ پر اس بارہ میں کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ آپ نے بے خبری میں ایسا کیا! یہ بات ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ جن جن ایسے فاسق لوگوں کو آپ نے والی مقرر کیا وہ پہلے ہی بے حیائی، بدکاری اور دین سے استہزاء کرنے میں مشہور تھے۔ اس امر میں کسی کو بھی اختلاف نہیں ہے کہ ولید بن عقبہ کے متعلق شراب پینے اور دین کے ساتھ استہزاء کرنے کا الزام کوفہ کا والی ہونے کے بعد نہیں لگایا گیا بلکہ پہلے ہی اس کی تمام عادات و خصائل عام لوگوں میں مشہور تھیں تو حضرت عثمانؓ سے جو اس کے بہت ہی قریبی رشتہ دار تھے وہ کس طرح مخفی رہ سکتی تھیں؟

کوفہ میں اس کا شراب پینا اور نشہ میں مدہوش ہو جانا، لوگوں کا وہاں آجانا اور اس کے ہاتھ سے بے خبری میں انگوٹھی اتار لینا کوئی راز نہیں ہے۔ لیکن جب لوگ یہ شکایت لے کر حضرت عثمانؓ کے پاس جاتے ہیں تو حضرت عثمانؓ اس کو اس وقت تک کوڑے لگانے اور معزول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں جب تک پورا معاملہ ان کے سامنے پیش نہ ہو۔ مدعی اور مدعی علیہ دونوں بیان دیں، جرح ہو اور پھر فیصلہ کیا جائے[1]۔ اگر حضرت علیؓ آپ پر سختی نہ کرتے تو آپ کبھی اس کو معزول نہ کرتے؟

"پھر لوگ صرف اس وجہ سے حضرت عثمانؓ سے ناراض نہ تھے کہ آپ نے اپنے اقارب کو محض اقارب ہونے کی بنا پر مختلف علاقوں کی تولیت سپرد کر دی بلکہ اس وجہ سے ناراض تھے کہ وہ عامل عامۃ المسلمین پر مختلف شکوک و شبہات کا اظہار کرتے تھے اور قسم قسم کی تہمتیں ان پر لگاتے تھے اور طرح طرح کے ظلم ڈھاتے تھے۔ اسی وجہ سے حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے عزیز و اقارب کو کوئی عہدہ دینے سے ڈرتے تھے۔"

"سعید بن العاص نے کوفہ میں کہا: سواد قریش کا باغ ہے اور ان کو یہ حق ہے کہ وہ اس میں سے جتنا چاہیں پھل لے لیں اور جتنا چاہیں چھوڑ دیں۔" اس پر لوگوں نے کہا: "وہ چیز جو خدا نے ہمیں دی ہے اس پر آپ اپنا اور اپنی قوم کا قبضہ کس طرح جما سکتے ہیں؟"

---

[1] یہ امر حیرت انگیز ہے کہ اس معاملہ میں اعتراض کی کیا بات ہے؟ کیا بغیر تحقیقات کسی شخص پر حد قائم کرنا اور اسے ولایت سے معزول کر دینا انصاف کہلایا جا سکتا ہے؟ (مترجم)

جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ کوفہ والوں نے سعید کو مدینہ سے آتے ہوئے کوفہ میں داخل ہونے سے روک دیا۔ لوگوں کی حضرت عثمانؓ سے بھی اس بارہ میں بڑی گرم گرم گفتگو ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں وہ حضرت عثمانؓ کو بھی تخت خلافت سے اُتارنے کے لئے تیار ہو گئے اس پر حضرت عثمانؓ نے مجبور ہو کر ابو موسیٰ کو وہاں کا والی بنایا۔

حضرت عثمان نے سعید کو اپنی مرضی سے ولایت سے علیحدہ نہیں کیا۔ وہ تو کبھی ایسا نہ کرتے بلکہ اہل کوفہ نے اپنے زور سے اس کو علیحدہ کرایا۔"

"باقی رہا یہ امر کہ لوگوں نے ان پر عامل مصر کو خط لکھنے کا الزام لگایا لیکن انہوں نے اس سے انکار کیا تو آپ کے واسطے ضروری تھا کہ اس تمام معاملہ کی تحقیقات کرتے، اس قاصد کو طلب کرتے اور اس سے تمام واقعہ کی تفصیل پوچھتے اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتے۔ پھر جب ان کو معلوم ہوا تھا کہ مروان نے یہ کام کیا ہے اور اس نے بعض مسلمانوں کو قتل کرنے کا حکم صادر کیا تھا تو آپ کا فرض تھا کہ اس کو قرار واقعی سزا دیتے اور آئندہ کے لئے اس کو اپنا قرب کسی طرح بھی نہ بخشتے۔"[1]

مزید یہ بھی غلط ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کا قتل ضروری ہی تھا تو یہ کسی صورت میں جائز نہیں تھا کہ عوام اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیتے۔ کیونکہ جن لوگوں نے آپ کو قتل کیا وہ آپ کے قتل کے ارادہ سے ہرگز نہیں آئے تھے بلکہ اس امر کے ثابت ہونے کے بعد کہ آپ نے اپنے فرائض میں کوتاہی کی ہے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ آپ خلافت چھوڑ دیں لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر لوگوں نے آپ کا محاصرہ کر لیا اور آپ کو مجبور کرنے لگے کہ آپ خلافت چھوڑ دیں۔ آپ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے اور بنی امیہ کے اوباش آپ کے پاس جمع ہو کر آپ کی مدافعت کرنے لگے[2]۔ جو شخص آپ کے گھر کے قریب آنا چاہتا اس کو پتھر مارتے، اس پر بتدریج لڑائی، دنگا، فساد اور بالآخر آپ کے قتل تک نوبت پہنچی۔ لیکن دراصل مقصد لڑائی اور قتل نہ تھا بلکہ معاملات نے آہستہ آہستہ یہ صورت اختیار کر لی۔

---

[1] خط کا واقعہ سراسر فرضی اور من گھڑت ہے۔ اس پر ہم پہلے تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ نیز یہ خط مروان نے لکھا نہ حضرت عثمانؓ کا غلام اس خط کو لے کر گیا۔ اگر ایسا تھا تو باغی اس غلام کو لا کر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں پیش کرتے اور عرض کرتے کہ اس سے پوچھئے۔ (مترجم)

[2] نہ معلوم اس مؤرخ کے ذہن سے یہ بات کس طرح فراموش ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کی مدافعت کرنے میں حضرت علیؓ اور بڑے بڑے صحابہؓ کے لڑکے بھی شامل تھے۔ (مترجم)

یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی ظالم کسی انسان کے مال و متاع پر قابض ہو جائے تو مغلوب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مال کو بچانے کے لئے کچھ جدوجہد کرے۔ البتہ اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مال بچانے کے ساتھ ساتھ اس کو قتل بھی کر ڈالے۔ لیکن اگر بغیر قصد اور ارادہ کے معاملہ اس حد تک پہنچ جائے کہ مال کے ساتھ اس کی جان کو بھی خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لئے اگر اس غاصب کو قتل بھی کرنا پڑے تو مجبوراً اس کو یہی کرنا چاہئے۔

جب حضرت عثمانؓ کی طرف سے محاصرین کے مطالبات کو ماننے میں دیر ہوئی تو انہیں یہ خوف لاحق ہوا کہ اگر جلدی فیصلہ نہ کیا گیا تو حضرت عثمانؓ نے اپنی مدد کے لئے سلطنت کے مختلف حصوں میں جو خطوط لکھے تھے اور اس کے نتیجہ میں جو فوجیں آپ کی مدد کے لئے آ رہی تھیں وہ مدینہ پہنچ جائیں گی اور قتل عام شروع ہو جائے گا۔ اس صورت میں زبردست فتنہ کا احتمال ہے۔ اس لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قتل کر ڈالا۔[1]"

"حکم بن ابی العاص کو مدینہ واپس بلانے میں حضرت عثمانؓ نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح خلاف ورزی کی تھی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو طائف کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی لیکن آپؐ نے سفارش رد کر دی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کے واپس بلانے کی سفارش کی لیکن آپ نے بھی اس کو رد کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے پھر اس کی سفارش کی، اس پر حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا "رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کو نکالا ہے اور آپ مجھے اس کے بلانے کو کہتے ہیں۔ آج کے بعد آپ اس کام کے لئے میرے پاس تشریف نہ لائیے گا"۔ جب حضرت عثمانؓ خود خلیفہ ہوئے تو آپ نے اس کو اور اس کے اہل و عیال کو واپس بلا لیا۔ کبار صحابہ کو یہ بہت ناگوار گزرا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر اس کی شکایت کی تو آپ نے کہا "وہ میرا رشتہ دار ہے اور میں اب اس کو واپس نہیں کر سکتا"۔ اس پر وہ بہت ناراض ہوئے کہ آپ نے ایک ایسے آدمی کو مدینہ واپس بلا لیا ہے جس کو خود رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کیا تھا اور اس پر لعنت بھیجی تھی حتیٰ کہ اسکا نام بھی طرید رسول اللہؐ

---

[1] ظاہر ہے کہ اس بیان کا مصنف حضرت عثمانؓ کا بہت ہی بڑا دشمن اور مخالف ہے اور مفسدوں کا نہایت معاون اور ہمدرد جس نے مفسدین پر سے فساد کی ساری ذمہ داری ہٹا کر حضرت عثمانؓ پر ڈالنی چاہی ہے اور وہ بھی بڑے مضحکہ خیز طریقہ سے یہ کہتا ہوں یا انہوں کو کب یہ حق تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کو اپنے اغراض سے کر کے فتنہ برپا کرتے؟ پھر اس دوران میں جو نامعقول اور بیہودہ حرکات انہوں نے کی ہیں کیا کوئی شریف اور امن پسند انسان ایسی حرکات کر سکتا ہے؟ انکی شرارت کا پول کھل جاتا ہے۔ (مترجم)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دھتکارا ہوا) پڑ گیا تھا اور آپ نے اس کی عزت و تکریم کے ساتھ اس کو مال و دولت سے بھی نوازا ہے۔"

مرتضیٰ نے اپنی تنقید میں حضرت عثمانؓ کے عمال میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا جس میں کیڑے نہ نکلے ہوں۔ اس نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے اہل بیت کو بے شمار مال و دولت عطا کی تھی جو در اصل مسلمانوں کا مال تھا۔ اس نے بیان کیا ہے کہ حارث بن کلدہ کے غلام زیاد بن عبید اللہ کو حضرت ابو موسیٰ اشعری والی بصرہ نے کافی مال و اسباب دے کر بھیجا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کو اپنے بیٹوں اور اہل و عیال میں تقسیم کر دیا۔ جب زیاد نے یہ ماجرا دیکھا تو وہ رو پڑا۔ حضرت عثمانؓ نے اس سے پوچھا:

"تم کیوں روتے ہو؟"

زیاد نے کہا: "میں نے حضرت عمرؓ بن الخطاب کو بھی خلیفہ ہونے کی حالت میں دیکھا ہے۔ ان کے ایک بیٹے نے بیت المال کی کسی چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو جھڑک دیا اور لڑکا روتا ہوا باہر نکل گیا۔ اور آپ نے اپنے بیٹوں کو یہ سارا مال تقسیم کر دیا ہے۔"

حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: "حضرت عمرؓ بن الخطاب اپنے اہل و عیال اور قرابت داروں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کچھ نہیں دیا کرتے تھے اور میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے لئے اپنے اہل و عیال، بیٹوں اور قرابت داروں کو مال و دولت سے نوازتا ہوں۔"

مرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعودؓ کو سزا دینے، ابوذر غفاریؓ کو مدینہ سے ربذہ بھیج دینے اور وہاں ان کے غریب الوطنی کے عالم میں وفات پا جانے کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے معاویہ کو حکم دیا تھا کہ ابوذر کو بڑی تکلیفیں دے کر شام سے مدینہ بھیج دیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حالانکہ مسلمانوں میں ان کا مرتبہ بہت ہی بلند تھا وہ ایک جلیل القدر صحابی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت قریب تھے۔[1]

حضرت عثمانؓ کے خلاف مرتضیٰ کی تنقید پر ہم کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کیونکہ ہم پہلے ہی ان امور کے بارہ میں بحث کر چکے ہیں البتہ صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک غالی شیعہ کی رائے حضرت عثمانؓ کی خلافت اور سیاست کے بارہ میں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا شخص حضرت عثمانؓ کے متعلق جو کہے وہ محتاط ہے۔ ایسے

---

[1] ان اعتراضات کے جواب ہم پہلے دے چکے ہیں (مترجم)

لوگ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کے دلوں میں اس سے زیادہ بغض بھرا ہوا ہے۔

بعض قدیم مؤرخین حضرت عثمانؓ کو بالکل بری الذمہ قرار دیتے ہیں اور آپ کی سیاست اور آپ کے عمال کو نکتہ چینی سے بالکل مبرا سمجھتے ہیں۔ جو جو اعتراض آپ پر کئے جاتے ہیں انہوں نے ان کا جواب دینے کی کوشش کی ہے باایں ہمہ ہر تنقید کو فضول قرار نہیں دیا جا سکتا اور ہر اعتراض کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ کوئی بھی حضرت عثمانؓ کی کمزوری اور بنوامیہ کو رعایا پر مسلط کر دینے سے انکار نہیں کر سکتا۔ بعض صحابہ پر سختی کرنے کی کوئی معقول وجہ تلاش بھی کر لی جائے لیکن اس امر سے وہ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ آپ بہت نرم دل تھے اور آپ نے بنوامیہ کو لوگوں کے سروں پر مسلط کر دیا تھا جس سے حضرت عمر فاروقؓ بہت ڈرا کرتے تھے۔[1]

معاصر مؤرخین حضرت عثمانؓ کی سیاست کے متعلق ایک جدید نظریہ قائم کرتے ہیں جو قدما کے نظریوں سے کافی مطابقت رکھتا ہے۔ اس موضوع پر بعض معاصر مؤرخین کی آراء درج ذیل کی جاتی ہیں۔

خضری مرحوم یہ رائے ظاہر کرتے ہیں:

"مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہا درجہ کی محبت تھی۔ عرب عدل اور مساوات کے بھی بہت دلدادہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو آزادی، عدل اور مساوات کی شیرینی چکھا دی تھی۔ عبداللہ بن سبا نے ان کی خلقی کمزوریوں کو بھانپ لیا۔ اس نے یہ دیکھ کر کہ ان میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اہل بیت کی بہت تعظیم ہے؛ لوگوں میں حضرت علیؓ کے متعلق پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ جس طرح ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اسی طرح حضرت علیؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں اور چونکہ وہ حق پر ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان کا حق ان کو دیا جائے اور جو شخص ان کا حق چھینتا ہے وہ ظالم اور غاصب ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے حضرت علیؓ کی تعریف کے پل باندھنے شروع کر دیے اور آپ کے درجہ کو اتنا چڑھایا کہ الوہیت کا مرتبہ دے دیا۔ ظاہر ہے کہ خود حضرت علیؓ اس کے نظریات سے کسی طرح موافقت نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اس کو اس سے کیا غرض تھی۔ اسے تو اپنا مطلب نکالنا تھا۔ اس طرح لوگوں کی نظروں میں اس کی وقعت بہت بڑھ گئی۔

---

[1] اگر حضرت عثمانؓ پر بنی امیہ کو لوگوں کے سروں پر مسلط کرنے کا الزام لگ سکتا ہے تو شیخین پر قریش کو مسلط کرنے اور حضرت علیؓ پر بنو ہاشم کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کے الزام کا کیا جواب دیا جائے گا؟ (مترجم)

اور اس کے لئے اپنے نظریات لوگوں میں پھیلانا بہت آسان ہو گیا۔ اس شخص کو ان لوگوں سے خدا واسطے کا بیر تھا جن کے ہاتھوں میں عنانِ سلطنت کے امور تھے۔ چنانچہ اس نے پہلے اپنا اعتبار قائم کر کے ان عمال کے خلاف لوگوں کو بھڑکانا شروع کیا۔ اس کے لئے اس نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہو چکا ہے۔ عرب عدل و مساوات کے بہت دلدادہ تھے اور جمہور کو یہ کہہ کر بڑی آسانی سے بھڑکایا جا سکتا تھا کہ فلاں شخص کے ہاتھوں تمہاری آزادی خطرہ میں ہے تم اس سے عدل و انصاف کی امید بالکل نہ رکھو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور حضرت عثمانؓ اور آپ کے عمال کے خلاف اس طرح پروپیگنڈہ شروع کیا کہ کبھی تو کہا کہ عمال نوجوان ہیں، انہیں معاملاتِ سلطنت کی کچھ خبر نہیں اور وہ بالکل ناتجربہ کار ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ کبھی یہ کہا کہ وہ ظالم ہیں اور لوگ ان کے ہاتھوں نالاں ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایسی ایسی باتیں کہہ کے اس نے ہر شہر میں اپنا ایک گروہ بنا لیا۔ اب لوگوں نے یہ وطیرہ اختیار کر لیا کہ ہر شہر کا گروہ دوسرے شہر کے لوگوں کو ان فرضی مظالم کی تفصیل بھیجنے لگا جو اس شہر کے عامل نے وہاں کے مسلمانوں پر کئے۔ یہ خطوط عامۃ المسلمین میں علانیہ پڑھے جاتے تھے۔ سادہ لوح مسلمانوں کو جب ان فرضی مظالم کا پتہ چلتا جو ان کے خیال میں ان کے بھائیوں پر وہاں کے ظالم عمال نے روا رکھے ہوئے تھے تو ان کے دلوں میں ان عمال کے خلاف نفرت کے اور اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے رحم کے جذبات پیدا ہوتے تھے اور وہ کہتے تھے "ہم تو ان مظالم سے امن میں ہیں جن میں ہمارے دوسرے مسلمان بھائی مبتلا ہیں"۔ ان کو کیا پتہ تھا کہ دوسرے شہروں میں ان کے بھائی ان کے لئے درد اور رحم کے جذبات اپنے اندر رکھتے ہیں اور خود شکر کرتے ہیں کہ وہ ہر مصیبت اور ظلم سے محفوظ ہیں۔ غرضیکہ ان خطوط نے عامۃ المسلمین میں عمال کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا کر دئیے لیکن جو کچھ ان خطوط میں لکھا جاتا تھا اس میں کسی قسم کی سچائی نہ ہوتی تھی اور وہ سو فیصدی جھوٹ کا پلندا ہوتے تھے۔

وہ لوگ حضرت معاویہؓ میں کیڑے ڈالتے تھے حالانکہ انہیں حضرت عثمانؓ نے والی مقرر نہیں کیا تھا بلکہ ان کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ولایت ملتی چلی آ رہی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو ولایت سے نوازا۔ بہت ہی کم عمال ایسے ہیں جو حضرت عمرؓ کی ساری زندگی میں اپنے عہدہ پر قائم رہے ہوں۔ لیکن حضرت معاویہؓ ان لوگوں میں سے ہیں جو حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ سے لے کر آخر زمانہ تک والی بنے رہے۔ تمام ولایات میں سب سے زیادہ پُرسکون اور سب سے زیادہ عدل سے بہرہ ور ولایت شام کی تھی۔ حضرت معاویہؓ پر جو اعتراضات لئے جاتے ہیں وہ سوائے ابوذر والے اعتراض کے

سب ایسے ہیں جو انتہائی لایعنی اور فضول ہیں اور ان پر بحث کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ لیکن ابوذر والے معاملہ میں بھی اگر ایک منصف مزاج شخص غور کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ حضرت ابوذر کا عمل اور آپ کی دعوت بالکل ناقابلِ عمل تھی بلکہ اس پر عمل کرنے سے ملت میں انشقاق و افتراق برپا ہو جاتا۔ لوگوں کو مجبور کیا جاتا کہ وہ تمام عیش و آرام پر لات مار کر فقیرانہ زندگی بسر کریں اور مال و دولت کو ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جاتا جو اس کے مستحق نہ تھے۔ لوگ عبداللہ بن ابی سرح پر اعتراض کرتے ہیں، اس لئے نہیں کہ وہ ظالم تھا بلکہ اس وجہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم دے دیا تھا کیونکہ وہ مرتد ہو کر کافروں سے جا ملا تھا جو آپ سے برسرِ جنگ تھے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کی سفارش کی اور وہ خود بھی تائب ہو کر بحیثیت مسلمان آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ چنانچہ آپؐ نے اس کو معاف فرما دیا۔ اب سوچیئے کہ جس شخص کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا تو پھر کس شخص کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہٹانے کی کوشش کرے؟

عبداللہ بن سعد ہرگز ان لوگوں کے ساتھ نہیں تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے تھے۔ حیرانی کی بات ہے کہ وہ لوگ ان پر الزام لگاتے ہیں جو اس وقت بچے تھے اور عبداللہ بن سعد سے عمر میں بہت چھوٹے تھے۔ لوگ حضرت عثمانؓ پر ولید بن عقبہ کو والی بنانے کی وجہ سے الزام لگاتے ہیں حضرت عثمانؓ نے اس کو والی نہیں بنایا تھا بلکہ وہ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے ہی جزیرہ کا والی تھا۔ حضرت عثمانؓ نے صرف یہ کیا تھا کہ اس کو جزیرہ سے کوفہ منتقل کر دیا تھا جب وہ کوفہ میں آیا تو لوگوں کو اس سے کوئی شکایت نہ تھی اور اس نے بہت اچھی طرح حکومت کی لیکن پھر اس پر شراب پینے کا الزام لگا کر شور و شغب برپا کر دیا گیا اور اس کے خلاف شہادت دی گئی۔ یہ خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ لوگ اپنی شہادت میں سچے تھے یا جھوٹے۔ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کے شہادت دینے کے بعد اس پر حد قائم کی اور اسے معزول کر دیا۔ ان واقعات کی روشنی میں معلوم نہیں لوگ خواہ مخواہ حضرت عثمانؓ کے خلاف کیوں شور برپا کرتے ہیں۔

سعید بن سعید بن العاص پر عیب لگاتے ہیں حالانکہ اہلِ کوفہ کو خود اس بات کا اعتراف تھا کہ سعید بن العاص ایک عادل اور منصف مزاج شخص تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان الزامات میں جو یہ لوگ عمال پر لگاتے تھے اور ظلم و جور کی ان داستانوں میں جو یہ مفسدین ہر چہار طرف پھیلاتے تھے کسی قسم کی سچائی نہیں تھی۔ ان کے پھیلانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں بدا اثر پیدا کیا جاسکے اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو گئے کیونکہ لوگ ان

اقوال اور الزامات کو بغیر کسی شک و شبہ کے قبول کر لیتے تھے اور ان کی تصدیق میں کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہ سمجھتے تھے کیونکہ یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ ادلّہ و براہین، عقلی حجتیں اور منطقی نتائج جماعتوں اور مجمعوں کو متاثر نہیں کرتے۔

اس فتنہ کے بڑھنے میں اصحاب الرائے اور بڑے بڑے لوگوں نے بہت مدد دی کیونکہ انہوں نے فتنہ کو بڑھنے سے پہلے نہیں روکا اور اس کے انسداد کی کوئی فکر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کے نکتہ چین ایسا کرنے کا اختیار نہیں رکھتے تھے کیونکہ خلیفہ نے ان کے ہاتھوں کو اس ڈر سے پکڑا ہوا تھا کہ اگر سختی کی گئی تو فتنہ کا ایسا دروازہ کھل جائے گا جس کے متعلق آپ نے انتہائی کوشش کی تھی کہ وہ بند رہنے دیا جائے۔

پروفیسر کجارکا یہ خیال ہے کہ "حضرت عثمانؓ کا بھی اس فتنہ میں کسی دوسرے سے کم حصہ نہیں ہے۔ جب ان کو معلوم تھا کہ وہ بہت کمزور اور نرم طبیعت ہیں تو ان کے لئے مناسب یہ تھا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جاتے اور اپنے قتل سے امت کو ایک مصیبت عظمیٰ میں مبتلا نہ کرتے۔[1]

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص ان حوادث کی تفصیل پڑھے جو حضرت عثمانؓ کے قتل سے پہلے رونما ہوئے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ قریش کے سربرآوردہ لوگوں کو ہر قسم کے الزامات سے بری قرار دے سکے۔ اگرچہ یہ بھی مشکل ہے کہ ان پر فسادیوں کے ساتھ کسی حقیقی عملی قدم اٹھانے کا الزام لگایا جا سکے مگر وہ غفلت کے مجرم ضرور تھے۔ چنانچہ سب سے بڑا اعتراض جو ان پر آتا ہے وہ یہی ہے کہ انہوں نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں انتہائی لاپرواہی سے کام لیا اور آپ کی شان میں ایسے گستاخانہ الفاظ استعمال کئے جو حضرت عثمانؓ جیسے انسان کے مرتبہ سے بعید تھے۔ ایسے الفاظ انتہائی نازک زمانہ میں اور فتنہ کے سرغنوں کے سامنے کہے گئے جن کو وہ لوگ اپنی بغاوت کی تائید اور اپنے اٹھائے ہوئے فساد کے جواز میں استعمال کرتے تھے:

مصنف 'اشہر مشاہیر الاسلام' لکھتا ہے:

"بنی امیہ کو تمام معاملاتِ حکومت سپرد کر دینا، انہی کو اپنا مشیر اور رازدار بنا لینا ایک ایسا امر تھا جس نے

---

[1] یہ لایعنی الزام لگاتے ہوئے نہ معلوم مصنفین کو وہ مشہور حدیث کیوں بھول جاتی ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ سے یہ فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ تمہیں ایک قمیص (خلافت) پہنائے گا تم اس کو مت اتارنا تو حضرت عثمانؓ کس طرح اس قمیص کو اتار کر حضور علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتے تھے۔ (مترجم)

مہاجرین کو بہت برانگیختہ کر دیا تھا اور دور اندیش لوگوں کو اس بات کا ڈر پیدا ہونے لگا تھا کہ کہیں حکومت اسلامیہ اموی رنگ میں نہ رنگ جائے۔ وہ کہتے تھے کہ حکومت ان لوگوں کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تمام مسلمانوں کا اور خصوصاً سابقون الاولون اور مہاجرین کا حق ہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ نہ چاہتے تھے کہ اپنے رشتہ داروں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیں۔ اسی وجہ سے انہوں نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا (یہ کہنا ظلم ہے کہ آپ نے امت کے مطالبہ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ اہلِ فتنہ کے مطالبوں کا کوئی جواب نہ دیا) اس اصرار کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں (۱) ان کی قوم (بنو امیہ اور ان کے رشتہ داروں) نے ان کو کمزور پا کر ان پر غلبہ حاصل کر لیا (۲) حضرت عثمانؓ کو یہ ڈر ہوا کہ اگر وہ اپنی قوم سے الگ رہے اور اپنے اہل و عیال اور خاندان سے علیحدگی اختیار کر لی اور عمال نے آپ کے خلاف بغاوت کر دی تو ان کے خاندان کے علاوہ اور کوئی ایسا شخص نہ ہوگا جو باغیوں کے مقابلہ میں آپ کی طرف سے کھڑا ہو سکے۔ اس وجہ سے آپ نے اپنے رشتہ داروں کو ہی ہر معاملہ میں ترجیح دی اور مختلف علاقوں پر انہی کو والی اور حاکم بنایا۔ جب اس طرزِ عمل کے خلاف شور و غل برپا ہوا، حضرت عثمانؓ کے خلاف اعتراضات کی بوچھاڑ ہونے لگی اور لوگوں نے ان کو معزول کرنے کے لئے آوازیں اٹھانی شروع کیں تو حضرت عثمانؓ کو بہت فکر پیدا ہوا اور یقین ہو گیا کہ میرا خدشہ صحیح ثابت ہوا۔ انہوں نے ان شکایتوں پر کان نہ دھرا، ولایات پر اپنے رشتہ داروں کو ہی باقی رکھنے پر اصرار کیا اور انہی کے مشوروں پر اعتماد کیا۔ اس پر عامۃ المسلمین اور صحابہ میں بڑا ہیجان برپا ہو گیا اور باغیوں نے اسی بات کو لے کر آپ سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہی چیز تھی جو فتنہ کی آگ بھڑکانے کا موجب ہوئی اور آگے چل کر اس آگ نے ایسی شکل اختیار کر لی جس کا بجھانا کبار صحابہ اور امت کے بڑے بڑے آدمیوں کی طاقت سے بھی باہر ہو گیا۔ اب لوگ پچھتائے کہ کاش وہ پہلے ہی سے ایسا انتظام کر لیتے جس سے یہ فتنہ بڑھنے نہ پاتا لیکن اس وقت ان کا پچھتاوا بالکل بے سود تھا۔“

---

(۲۶)

حادثۂ فاجعہ

مفسدین نے دیکھا کہ اگر خلیفہ کا محاصرہ زیادہ طویل ہو گیا تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے اور دہیں اگر ہمارا کام تمام کر دیں گی۔ شروع میں ان کا یہ خیال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسا دیکھیں گے تو وہ خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن جب دن گزرتے چلے گئے محاصرہ جاری رہا حضرت عثمانؓ اپنے گھر میں مقیم ہو گئے اور آپ کے اعیان وانصار نے آپ کو ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑانے کے لئے تدابیر اختیار کرنی شروع کیں تو ان کو معلوم ہوا کہ اگر اب وہ کوئی یقینی فیصلہ کئے بغیر یہاں سے اپنے اپنے علاقوں کو واپس چلے گئے تو حضرت عثمانؓ کے عمال انہیں جیتا نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کو شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دروازہ سے حملہ آور ہوئے اور اس کو جلا دیا۔ اس پر گھر میں جو اشخاص جمع تھے انہوں نے حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے باوجود ان کا زبردست مقابلہ کیا۔ ان لوگوں میں سے قابل ذکر یہ ہیں: مغیرہؓ بن الاخنس بن شریق، حسنؓ بن علیؓ، محمدؓ بن طلحہؓ، عبداللہؓ بن زبیرؓ، مروان، ابوہریرہؓ۔ دونوں فریقوں میں زبردست جنگ ہوئی اور یہ مفسدین دروازے کی راہ سے حضرت عثمانؓ تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جب ان محاصرین نے دیکھا کہ دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل ہونا ان کو بہت مہنگا پڑے گا تو انہوں نے

کسی اور راہ سے گھر میں داخل ہونے کی ٹھانی۔ چنانچہ وہ حضرت عثمانؓ کے پڑوسی عمرو بن حزم کے گھر میں داخل ہو کر اور اس کی دیوار پھاند کے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دروازہ پر جو لوگ موجود تھے ان کو اس کا علم ہی نہ ہو سکا۔ جو شخص سب سے پہلے آپ کے گھر میں داخل ہوا اس نے آپ سے خلافت سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کیا اور وعدہ کیا کہ اگر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں تو محاصرین آپ سے بالکل تعرض نہ کریں گے لیکن حضرت عثمانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں اس قمیص کو اتارنے کے لئے تیار نہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے پہنائی ہے۔ اس پر وہ شخص آپ کے پاس سے چلا گیا۔

اس کے بعد محمد بن ابی بکر آپ کے پاس پہنچا اور آپ کی ریش مبارک کو پکڑ کر کہنے لگا "اے نعثل! خدا تجھے ذلیل کرے"۔

حضرت عثمانؓ نے کہا "میں نعثل نہیں ہوں بلکہ میں عثمانؓ اور امیر المومنین ہوں"۔

اس نے کہا "معاویہ اور فلاں فلاں آپ کے کیا کام آسکتے ہیں؟" اس دوران میں وہ آپ کی داڑھی کو برابر پکڑے رہا۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا:

"اے میرے بھتیجے! اگر تیرا باپ اس وقت یہاں ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا"۔

اس نے جواب دیا "اگر میرا باپ آپ کو ایسے کام کرتے دیکھتا تو ضرور آپ کے خلاف کھڑا ہو جاتا اور میں تو داڑھی پکڑنے سے بھی زیادہ سخت کام کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں"۔

حضرت عثمانؓ نے کہا "میں تیرے خلاف خدا ہی سے مدد چاہتا ہوں"۔

اس پر اس نے داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل گیا۔

اس کے بعد آپ پر قتیرہ، سودان بن حمران اور غافقی نے حملہ کیا۔ غافقی نے لوہے کی ایک سلاخ آپ کے سر پر ماری اور حضرت عثمانؓ کے سامنے جو قرآن شریف پڑا ہوا تھا اس کو لات مار کر لڑھکا دیا۔[1] وہ قرآن مجید لڑھک کر

---

[1] مرتضیٰ جیسے مصنف جو مفسدین کی طرفداری اور ان کو حق بجانب سمجھنے میں پیش پیش ہیں کیا قرآن کریم کی اس صریح توہین کے بعد بھی کہہ سکتے ہیں کہ مفسدین کی نیت نیک تھی اور وہ بڑے شریف الطبع، مہذب اور شائستہ لوگ تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ ایسا کام تو شریف غیر مسلم بھی نہیں کرتے جو ان نام نہاد مسلمانوں نے کیا۔

(مترجم)

آپ کے پاس آگیا اور آپ کے سر سے خون کے قطرے اس پر گر پڑے۔ اس کے بعد سودان آپ پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا لیکن آپ کی بیوی نائلہ بیچ میں آگئیں۔ اس پر اس نے تلوار سے وار کیا اور ان کی تین انگلیاں کاٹ دیں[1]۔ جس شخص کے وار سے حضرت عثمانؓ شہید ہوئے اس کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ سودان بن حمران تھا اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کنانہ بن البشر التجیبی تھا۔ اس وقت حضرت عثمانؓ کا ایک غلام آپ کی مدد کے لئے کچھ لوگوں کو لے کر اندر آیا اور سودان پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس پر قتیرہ نے اس غلام کو مار ڈالا اور گھر میں جو کچھ تھا اس کو لوٹ کر باہر نکل گئے۔

جب یہ لوگ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے آپ کے کمرہ سے باہر نکلے تو حضرت عثمانؓ کے ایک غلام نے قتیرہ پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے گھر میں جو کچھ تھا وہ لوٹ لیا۔ حتیٰ کہ عورتوں کے بدن پر جو زیور تھا وہ بھی اتار لیا۔ کلثوم تجیبی نے حضرت نائلہ کی چادر اتار لی تھی[2]۔ حضرت عثمانؓ کے ایک اور غلام سے یہ برداشت نہ ہو سکا اور اس نے اس کو قتل کر دیا۔ اسی دوران میں عمرو بن الحمق حضرت عثمانؓ کے کمرہ میں داخل ہوا۔ حضرت عثمانؓ میں ابھی کچھ جان باقی تھی وہ آپ کے سینہ پر چڑھ بیٹھا اور آپ پر سات وار کئے۔ ان لوگوں نے آپ کا سر بھی کاٹ لینا چاہا جس پر عورتوں نے چلانا شروع کر دیا اور ابن عدیس نے کہا "چھوڑ دو" عمیر بن ضابی نے آ کر آپ کی ایک پسلی توڑ ڈالی اور کہا "اس نے میرے باپ کو قید میں ڈال دیا تھا اور وہ قید ہی میں مر گیا تھا۔"

اب ان لوگوں نے اپنے ساتھیوں میں منادی کرا دی کہ بیت المال کی طرف چلو اور جو کچھ اس میں ہے لوٹ لو۔ بیت المال کے محافظ خزانہ کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بیت المال میں سونے کی صرف دو تھیلیاں تھیں جو ان لوگوں نے لوٹ لیں[3]۔

---

[1] یہ کمینے عورتوں پر حملہ کرنے والے بزدل اور کمینے بھی مرتضیٰ کے نزدیک بڑے بااصول اور امن پسند انسان تھے! (مترجم)

[2] ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ لٹیرے اور قزاق مرتضیٰ کے نزدیک دین کے حامی اور ملت کے غمخوار ہیں۔ (مترجم)

[3] دشمنی میں آدمی کتنا اندھا ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کے خلیفہ کو قتل کرتے اور مسلمانوں کے بیت المال کو لوٹنے والے ظالموں اور لٹیروں کو مرتضیٰ جیسے مصنف اپنے مطالبہ اور اپنے افعال میں بالکل حق بجانب سمجھتے ہیں اور یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کو عثمانؓ سے خدا واسطے کا بیر ہے۔ (مترجم)

حضرت عثمانؓ ۱۳ ذی الحجہ ۳۵ھ کو بروز جمعہ شہید کئے گئے۔[1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ محاصرین نے حضرت عثمانؓ سے مروان کو ان کے سپرد کرنے کا مطالبہ کیا تھا لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ محاصرین میں سے بعض لوگ بنی زہرہ میں سے تھے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے طرفدار بن کر آئے تھے۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے انہیں سزا دی تھی۔ اور عبداللہ بن مسعود ان کے حلیفوں میں سے تھے۔ بعض لوگ بنی مخزوم اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو عمار بن یاسر کی وجہ سے آئے تھے۔ بعض لوگ غفار اور ان کے حلیفوں میں سے تھے جو ابوذر کی وجہ سے آئے تھے۔ تیم بن مرہ کی شمولیت محمد بن ابی بکر کی وجہ سے تھی۔

جب حضرت علیؓ کو یہ خبر پہنچی کہ یہ لوگ حضرت عثمانؓ کے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ اور اپنے غلاموں کو ہتھیار دے کر حضرت عثمانؓ کے گھر ان کی مدد کے لئے بھیج دیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ اور حضرت طلحہؓ نے اپنے دونوں بیٹوں کو بھی اسی مقصد کے لئے بھیجا۔ اسی طرح سے اکثر صحابہؓ نے اپنے اپنے بیٹوں کو حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے بھیج دیا۔[2] چنانچہ انہوں نے دروازہ پر حملہ آوروں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان کو دروازہ کی راہ سے گھر میں داخل نہ ہونے دیا۔ اسی مقابلہ میں حضرت حسنؓ، حضرت علیؓ کا غلام قنبر اور محمدؒ بن طلحہؓ زخمی ہو گئے۔ حملہ آوروں نے کچھ لوگوں کو دروازہ پر مقابلہ کے لئے چھوڑا اور کچھ لوگ ایک انصاری پڑوسی کے مکان میں داخل ہو کر اور دیوار پھاند کے حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں میں محمد بن ابی بکر اور دو اور آدمی تھے۔ حضرت عثمانؓ کے پاس آپ کی بیوی، اہل و عیال اور آپ کے آزاد کردہ غلام تھے جو

---

[1] عیسوی تاریخ ۱۲ جون ۶۵۶ء تھی۔

[2] ان واقعات کی روشنی میں صحابہؓ پر یہ الزام کس قدر غلط ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کی مدد سے دست کش ہو گئے تھے۔ انسان اپنے آپ خطرہ میں پڑنا گوارا کر لیتا ہے مگر یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد کو کسی طرح کی تکلیف پہنچے۔ ان بزرگوں کے اپنے جگر گوشوں کو موت کے منہ میں دھکیل دینے سے یہ امر صاف طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ سارے بزرگ جن پر ناسمجھ اور کم سواد مصنف حضرت عثمانؓ سے رنجش کے الزامات لگاتے ہیں درحقیقت خلافت اور خلیفہ کے نہایت درجہ جاں نثار تھے۔ (مترجم)

لڑائی میں مشغول تھے۔ محمد بن ابی بکر نے آگے بڑھ کر آپ کی داڑھی پکڑ لی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے کہا:

"اے محمد! اگر تیرا باپ اس وقت موجود ہوتا تو کبھی تیرے اس فعل کو اچھی نظر سے نہ دیکھتا۔"

اس نے شرمندہ ہو کر داڑھی چھوڑ دی اور وہاں سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا۔ محمد بن ابی بکر کے بعد وہ دونوں آدمی آپ کے پاس پہنچے اور آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کے سامنے اس وقت قرآن شریف رکھا ہوا تھا اور آپ اس کی تلاوت فرما رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ کی بیوی چیخنے چلانے لگیں کہ امیر المومنین شہید کر دیے گئے۔

جب یہ آواز دروازہ پر ان لوگوں کو پہنچی جو فتنہ پردازوں کا مقابلہ کر رہے تھے تو وہ اندر بھاگے اور آ کر دیکھا کہ آپ کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ جب صحابہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ بے تحاشہ آپ کے گھر کی طرف بھاگے۔ حضرت علیؓ نے گھر میں آ کر اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ "جب تم دروازہ پر تھے تو لوگوں کو امیر المومنین کے شہید کرنے کی جرأت کیسے ہوئی؟" اور آگے بڑھ کر حسنؓ کو ایک طمانچہ مارا اور حسینؓ کو بھی[1]۔ محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیر کو بھی بُرا بھلا کہا۔ حضرت علیؓ نے آپ کی بیوی حضرت نائلہ سے پوچھا:

"آپ تو ان کے پاس ہی تھیں ان لوگوں میں سے کس نے انہیں شہید کیا؟"

انہوں نے کہا: "دو آدمی آپ کے پاس آئے تھے انہوں نے ہی یہ کام کیا۔" اور ساتھ ہی محمد بن ابی بکر کا واقعہ بھی بیان کیا اس پر حضرت علیؓ نے متعجب ہوئے بغیر کہا:

"میں اس کو قتل کرنے گیا تھا لیکن اس کی باتیں سن کر میں نے اسے چھوڑ دیا۔ باقی دو آدمیوں کا مجھے پتہ نہیں۔ خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی شہادت میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے اور وہ میری بے خبری میں شہید کر دیے گئے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ آپ کے گھر میں بنی امیہ کے اٹھارہ اور آدمی بھی قتل کیے گئے تھے۔

آپ کی شہادت سے متاثر ہو کر حضرت حسان بن ثابت نے کئی پُر درد مرثیے لکھے جن میں حضرت عثمانؓ کی شہادت پر اظہارِ رنج و الم کرنے کے علاوہ ان لوگوں کے رویّہ پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا جنھوں نے اس نازک وقت میں حضرت عثمانؓ کی مدد سے ہاتھ کھینچ لیا اور بے فکر ہو کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے۔ ان

---

[1] اللہ اللہ! اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ عثمانؓ کا مخالف تھا اور ان سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ (مترجم)

مراثی میں سے چند کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"حضرت عثمانؓ کو انصار نے آپ کی موت کے قریب ذلیل و خوار کیا۔

حالانکہ انصار آپ کی دوستی اور محبت کا دم بھرتے تھے۔

آپ کو بلوائیوں میں تنہا مصیبت و بلا کے حوالے کر دیا گیا جو تمام اہلِ شہر کے لئے نہایت درجہ باعثِ ننگ ہے

اس وقت اہلِ حیا کہاں چلے گئے تھے جب آپ پر پانی بند کیا گیا؟

زبیرؓ اور طلحہؓ کی طرف سے کون عذر کر سکتا ہے؟

پھر محمد بن ابی بکر اور ان کے پیچھے عمار اعلانیہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچ گئے۔

اور حضرت علیؓ اپنے گھر میں بیٹھ کر صرف لوگوں سے حال دریافت کرتے رہے۔"[1]

ایک اور مرثیہ میں کہتے ہیں:

"جو موت کا طالب ہو اور موت اس کو محبوب ہو وہ حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر آ کر دیکھ لے

اگر تم بروزِ شہادت خلیفۃ اللہ کی عزت اور مرتبہ پر نظر کرتے تو کیوں ایسے بُرے کام میں مشغول ہوتے؟

عثمانؓ بڑے استقلال اور پورے صبر سے کام لیتے ہوئے مقتول ہوئے۔

میری ماں اور اس کی تمام اولاد آپ پر سے قربان ہو۔

---

[1] ان مرثیوں میں جنہیں حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے انصار، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ پر حضرت عثمانؓ کی مدد نہ کرنے کا الزام لگایا گیا ہے حالانکہ انصار نے باغیوں کے حملے کے وقت حضرت عثمانؓ کے پاس جا کر عرض کیا تھا کہ وہ انہیں مقابلہ کرنے اور باغیوں سے لڑنے کی اجازت دے دیں لیکن حضرت عثمانؓ نے اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمانوں میں خون ریزی ہو۔ مجبور ہو کر صحابہ واپس چلے گئے اگر ان کو اجازت مل جاتی تو وہ ضرور آپ کے ساتھ ہو کر باغیوں سے لڑتے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت علیؓ نے باوجود حضرت عثمانؓ کے منع کرنے کے اپنے بیٹوں کو دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر بھیج دیا۔ اس صورت میں انصار اور حضرت طلحہؓ، زبیرؓ و علیؓ پر کس طرح کوئی الزام آ سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں کسی نے یہ اشعار کہہ کر حضرت حسانؓ کی طرف منسوب کر دیئے ہیں جس طرح "نہج البلاغہ" میں حضرت علیؓ کی طرف کئی اقوال منسوب کر دیئے گئے ہیں لیکن درحقیقت وہ ان کے نہیں۔ حضرت حسان سب باتیں دیکھتے ہوئے ایسے اشعار کبھی نہیں کہہ سکتے تھے۔ (مترجم)

کیا ہم اہلِ شام اور ان کے امیر سے ان کی غفلت پر کبھی راضی ہو سکتے ہیں؟

باوجودیکہ وہ خیر خواہ تھے مگر آپ کی مدد کو نہ آئے۔

میں تو ضرور ان لوگوں کو الزام دوں گا جب تک زندہ ہوں اور میرا نام حسان ہے۔

اگرچہ وہ لوگ غائب ہوں یا حاضر، بہت جلد اپنے ملکوں میں سُنو لیں گے۔ اللہ اکبر!

اے قاتلینِ عثمانؓ! جس شخص کے سر پر سفید بال (یعنی اسلام میں عمر گزاری) اور بوڑھے ہوتے، اور پیشانی پر سجدے کے نشان تھے اور راتیں تسبیح و تہلیل اور تلاوتِ قرآن میں گزارتا تھا افسوس تم نے ایسے بزرگ شخص کو قربانی بنا کر ذبح کر ڈالا۔"

پھر مفسدین کے سرکردہ آدمیوں اور لشکروں کے ان لوگوں کی جنہوں نے مدینہ میں داخل ہو کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا اس طرح ہجو بیان کرتے ہیں:

"تم نے کفار اور دشمنانِ خدا کی لڑائی اور جہاد ترک کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار کے پاس ہم لڑے۔

تم نے بُری راہ اختیار کی اور مسلمانوں کے طریقہ کو چھوڑ دیا اور یہ بُرا کام تو بدکار اور عمداً امرِ بد کے مرتکب ہونے والے کا ہے۔

اصحابِ رسولِ خدا بروزِ شہادت قربانیوں کی طرح مسجد کے دروازہ پہ مذبوح پڑے تھے۔

میں ابو عمرو (حضرت عثمانؓ) کی مصیبت پر روتا ہوں جو بقیع غرقد[1] میں ابدی نیند سوئے پڑے ہیں۔"

ظاہر یہ ہوتا ہے کہ جب حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے تو حضرت علیؓ مسجد میں تھے۔ چنانچہ ابن عبد البر ابو جعفر انصاری سے روایت کرتا ہے:

"میں مصریوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کے مکان میں گیا تھا۔ جب انہوں نے آپ پر حملہ کیا تو میں دوڑتا ہوا مسجد میں داخل ہوا۔ وہاں ایک گوشہ میں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے سر پہ سیاہ عمامہ تھا۔ وہ مجھے اس طرح ہانپتا کانپتا ہوا دیکھ کر بولا کہ کیوں ایسے بدحواس ہو رہے ہو؟" میں نے جواب دیا کہ حضرت عثمانؓ کو قتل کر دیا گیا۔ اس شخص نے کہا "تم پر قیامت تک لعنت پڑتی رہے گی؟" میں نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت علیؓ تھے۔"

حضرت عثمانؓ کی مدتِ خلافت بارہ دن کم بارہ سال تھی۔ آپ کی عمر کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں

---

[1] بقیع غرقد وہ مقام ہے جہاں حضرت عثمانؓ کا مزار ہے۔

پچھتر سال تھی اور بعض کا خیال ہے نوّے سال تھی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کو تین دن تک دفن نہیں کیا جا سکا آخر تیسرے روز حکیم بن حزام قریشی اور جبیر بن مطعم نے اس بارہ میں حضرت علیؓ سے بات چیت کی۔ جب فسادیوں نے یہ سُنا تو وہ راستہ میں پتھرلے کر بیٹھ گئے آخر چند لوگوں کی مدد سے جن میں زبیرؓ، حسنؓ، ابوالجہم بن حذیفہ اور مروان تھے حضرت عثمانؓ کے جنازہ کو رات کے وقت جنت البقیع سے باہر حش کوکب میں لایا گیا اور نمازِ جنازہ کے بعد آپ کے جسم کو سپردِ خاک کر دیا گیا۔ جب معاویہ کا زمانہ آیا تو یہ جگہ جنت البقیع میں شامل کر دی گئی اور انہوں نے حکم دیا کہ لوگوں کو حضرت عثمانؓ کی قبر کے ارد گرد دفن کیا جائے۔

حضرت نائلہ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ کو خط لکھا جس میں بیان کیا کہ کس طرح باغی حضرت عثمانؓ کے گھر میں داخل ہوئے اور کس طرح ان کو شہید کیا۔ محمد بن ابی بکر نے آپ کے ساتھ جو کچھ کیا تھا اس کا بھی سارا حال لکھا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کی پھٹی ہوئی خون آلود قمیص بھی بھیجی۔ اپنے بال بھی قمیص کے بٹنوں میں لگائے اور اپنی کٹی ہوئی انگلیاں بھی اسی کے ساتھ لٹکا دیں۔ یہ سب چیزیں انہوں نے نعمان بن بشیر انصاری کو دیں کہ وہ انہیں معاویہ کے حوالے کر دیں۔ نعمان شام جاتے ہوئے یزید بن اسید سے ملے جس کو حضرت معاویہ نے حضرت عثمانؓ کی مدد کے لئے چار ہزار آدمی دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے ان کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر سُنائی جس کو سُن کر یہ لوگ شام لوٹ گئے۔ ان کے ساتھ ہی نعمان بن بشیر بھی حضرت معاویہ کو یہ چیزیں حوالے کرنے شام چلے گئے۔

حضرت عثمانؓ خوبصورت گندم گوں، چوڑے چکلے شانوں والے تھے۔ آپ کے سر پر گھنے بال تھے اور داڑھی بھرواں اور طویل تھی۔

باقی رہا ہمارا اس فتنہ کے بارہ میں موقف تو اس کے متعلق حضرت انسؓ بن مالکؓ سے زیادہ بے نظیر فقرہ اور کسی نے استعمال نہیں کیا۔ جب آپ سے کسی نے کہا کہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی تو آپ نے جواب دیا "تم جھوٹ بولتے ہو۔ خدا کی قسم ہمارے دل میں ان دونوں کی محبت مجتمع ہے۔"

اس جملہ پر ہم اس داستانِ غم کو ختم کرتے ہیں۔

---

(۴۷)

جائے عبرت

جب ہم متذکرہ بالا حالات پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں شرم و ندامت سے نیچی ہو جاتی ہیں کہ مسلمانوں نے اس زمانہ میں فتوحات کو وسعت دینے، فتح و ظفر کا سلسلہ جاری رکھنے، اسلام کو پھیلانے اور اپنی تہذیب کے نقوش ابھارنے کی بجائے اپنی قوتیں ایک دوسرے سے لڑنے بھڑنے اور فتنے برپا کرنے میں ضائع کر دیں۔ یہ دیکھ کر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں تفرقہ کے اسباب اب بھی اسی طرح کار فرما ہیں۔

ہماری اور ہمارے اسلاف کی حالتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہو چکا ہے۔ آج کے مسلمانوں میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرونِ سابقہ کے مسلمانوں جیسا ہو۔ وہ اخلاق و اعمال میں بلند درجہ رکھتے تھے مگر ہم نہ اخلاق میں بہتر ہیں نہ اعمال میں۔ وہ دنیا بھر کے حاکم اور سردار تھے، ہم جگہ جگہ دھکے کھاتے پھر رہے ہیں اور ساری دنیا کی نظروں میں ذلیل ہیں۔ ہمارے اسلاف نے ایک عظیم الشان حکومت قائم کر کے دنیا میں اسلام کا ڈنکا بجا دیا تھا۔ ایک جہان ہماری عملداری میں تھا۔ لیکن یہ عملداری اسی وقت تک تھی جب تک کہ عربوں اور مختلف قبائل اور خاندانوں میں کلی طور پر اتحاد و اتفاق تھا۔ اور جب یہ اتحاد و اتفاق، افتراق و انشقاق میں تبدیل ہو گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ خود ہی تباہ ہوئے بلکہ اپنے ساتھ اس عظیم الشان اسلامی سلطنت اور اس جلیل القدر تہذیب و تمدن کو بھی مٹا کے رکھ دیا جس نے یورپ تک اپنی روشنی پھیلا رکھی تھی۔

عربوں کے افتراق کا یہ نتیجہ ہوا کہ زمین و آسمان بدل گئے۔ ایک عظیم الشان اسلامی سلطنت سینکڑوں ٹکڑوں میں بٹ کر بالآخر خاتمہ کے قریب پہنچ گئی اور فاتحینِ عالم کی اولاد اپنے ہی ملکوں، اپنے ہی شہروں میں ذلیل و خوار ہو کر رہ گئی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار ؏

۱۔ عربی مآخذ

(جن سے اس کتاب کی تالیف میں مدد لی گئی ہے)

نام کتاب	مؤلف	نام کتاب	مؤلف
۱۔ فتوح الشام	واقدی	۲۶۔ فتوح مصر واعمالہا	ابن اسحاق
۲۔ سیرۃ النبویہ	ابن ہشام	۲۷۔ وفیات الاعیان	ابن خلکان
۳۔ الطبقات الکبریٰ	ابن سعد	۲۸۔ الفخری	ابن طباطبا
۴۔ الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ	۲۹۔ فتوح مصر	ابن عبدالحکم
۵۔ المعارف	"	۳۰۔ العقد الفرید	ابن عبدربہ
۶۔ فتوح البلدان	بلاذری	۳۱۔ مختصر تاریخ الدول	ابن العبری
۷۔ انساب الاشراف	"	۳۲۔ المواعظ والاعتبار	مقریزی
۸۔ تاریخ الیعقوبی	احمد بن یعقوب	۳۳۔ مروج الذہب	مسعودی
۹۔ تاریخ الامم والملوک	طبری	۳۴۔ الخلفاء الراشدون	عبدالوہاب النجار
۱۰۔ العقد الفرید للملک السعید	قرطبی	۳۵۔ تاریخ الامم الاسلامیہ	محمد الخضری
۱۱۔ الاغانی	اصفہانی	۳۶۔ التمدن الاسلامی	جرجی زیدان
۱۲۔ تاریخ ابن خلدون	ابن خلدون	۳۷۔ الاموال	ابن سلام
۱۳۔ انساب القرشیین	مقدسی	۳۸۔ کتاب الخراج	ابی یوسف
۱۴۔ الاستیعاب	ابن عبدالبر	۳۹۔ کتاب الخراج	یحییٰ بن آدم
۱۵۔ تاریخ دمشق	ابن عساکر	۴۰۔ فتح العرب للشام	حداد
۱۶۔ معجم البلدان	یاقوت حموی	۴۱۔ الاخبار الطوال	دینوری
۱۷۔ الکامل	ابن اثیر	۴۲۔ تاریخ التشریع الاسلامی	خضری
۱۸۔ اسد الغابہ	"	۴۳۔ فجر الاسلام	احمد امین
۱۹۔ الکامل	مبرد	۴۴۔ حاضر العالم الاسلامی (مع [illegible])	امیر شکیب
۲۰۔ المختصر فی اخبار البشر	ابو الفداء اسمٰعیل	۴۵۔ خطط الشام	محمد کرد علی
۲۱۔ الاصابہ فی تمیز الصحابہ	ابن حجر عسقلانی	۴۶۔ الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب	" "
۲۲۔ صحیح البخاری	بخاری	۴۷۔ البیان والتبیین	جاحظ
۲۳۔ تاریخ الخمیس	دیار بکری	۴۸۔ دیوان حسان بن ثابت	حسان بن ثابت
۲۴۔ شرح نہج البلاغۃ	ابن ابی الحدید	۴۹۔ عہد المامون	رفاعی
۲۵۔ عمرو بن العاص	حسن ابراہیم حسن	۵۰۔ مسند حنبل	احمد بن حنبل

نام کتاب	مؤلف
۵۱ - الموطا	انس بن مالک
۵۲ - الملل والنحل	شہرستانی
۵۳ - الفصل فی الملل والنحل	ابن حزم
۵۴ - الفرق بین الفرق	بغدادی
۵۵ - رسائل اخوان الصفاء	
۵۶ - انتصار	خیاط المعتزلی
۵۷ - عیون الاخبار	ابن قتیبہ
۵۸ - الحیوان	جاحظ
۵۹ - منہاج السنۃ	ابن تیمیہ

ب - انگریزی مآخذ

نام کتاب	مؤلف
۱ - مختصر تاریخ عرب	امیر علی
۲ - فتح العرب المصر	الفرڈ بٹلر
۳ - تاریخ فارس	بجبی
۴ - تاریخ شہنشاہیت قسطنطنیہ	اومان
۵ - تاریخ العرب	جیلمان
۶ - الخلافۃ تقدمہا وسقوطہا	سر ولیم میور
۷ - تذکرہ دی غوجی	دی غوجی
۸ - تاریخ التواریخ	مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی
۹ - وجہۃ الاسلام	مختلف مصنفین
۱۰ - عروج وزوال سلطنتِ روما	گبن
۱۱ - التاریخ العام	ولز
۱۲ - المحمدیہ	مارگولیتھ
۱۳ - مقالاتِ مختلفہ	گب
۱۴ - انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا	

ج - فرانسیسی مآخذ

نام کتاب	مؤلف
۱ - المثلاثہ	لامنس
۲ - تاریخ شام	"
۳ - معاویہ	"
۴ - یزید	"
۵ - تاریخ العرب	ہوار
۶ - الاسلام	ماسیہ
۷ - "	مونتہ
۸ - تمدن العرب	لیبان
۹ - حیات محمد	درمنغہام
۱۰ - عقیدۃ الاسلام وشریعۃ	گولڈ سیہر
۱۱ - اولیات الاسلام	پرنس کیتانی
۱۲ - رسائل ومقالاتِ مختلفہ	نولڈیکے
۱۳ - " "	ہارٹمین
۱۴ - " "	فان کریمر
۱۵ - " "	سپرنگر
۱۶ - " "	سنوک ہرونیہ
۱۷ - " "	غروسہ
۱۸ - " "	ڈوزی
۱۹ - " "	ویٹ
۲۰ - دائرۃ المعارف الاسلامیہ	
۲۱ - دائرۃ المعارف الافرنسیہ	

علیؑ

ابنِ ابی طالب

علیؓ ابن ابی طالب

مؤلفہ

عمر ابو النصر

مترجمہ

شیخ محمد احمد پانی پتی

ادارۂ فروغِ اردو، لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

بیعتِ خلافت

مدینہ کی فضا پر ظلمت کے بادل چھا رہے تھے۔ اہلِ مدینہ اسلام کی شان و شوکت کی پرانی داستانیں اور عظیم الشان فتوحات بھول چکے تھے۔ ہر طرف یاس و ناامیدی کا غلبہ تھا۔ مسلمانوں کی جمعیت جو کسی زمانے میں موتیوں کی طرح ایک لڑی میں پروئی ہوئی تھی اب منتشر ہو چکی تھی۔ مفسدہ پرداز عنصر نے بغاوت پھیلا کر فتنہ کو عروج پر پہنچا دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ دارالخلافہ میں شہید کئے جا چکے تھے۔ اب مسلمانوں کو اپنا مستقبل نہایت تاریک اور بھیانک نظر آ رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ خلیفہ کی مدد سے کوتاہی کر کے اور باغیوں کو مدینہ پر غلبہ پانے کا موقع دے کر انہوں نے بڑی زبردست غلطی کی ہے، جب یہ خیال ان کے دل میں آتا تھا کہ خلیفہ کی لاش بعیتِ خلافت میں بے گور و کفن پڑی ہے اور کسی میں یہ ہمت نہیں کہ وہ جائے اور غسل دے کر میت کو دفن کر سکے، تو ان پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

آخر وہ مسجدِ نبوی میں جمع ہوئے اور آئندہ ہونے والے خلیفہ کے بارے میں مشورہ کرنے لگے۔ کچھ لوگوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے کی رائے دی۔ چنانچہ وہ اکٹھے ہو کر حضرت علیؓ کے پاس آئے اور

ان سے بیعت لینے کی درخواست کی۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"خلیفہ مقرر کرنا تمہارا حق نہیں، اہلِ شوریٰ اور اہلِ بدر کا حق ہے۔ جس کو وہ پسند کریں وہی خلیفہ ہو سکتا ہے۔ ہم سب مل کر غور کریں گے اور پھر کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ خلیفہ کے انتخاب میں کچھ دیر لگے۔ کیونکہ اس وقت زبردست فتنہ پھیلا ہوا تھا۔ دوسرے شہروں سے آئے ہوئے باغی مدینہ میں موجود تھے اور من مانی کر رہے تھے۔ اس لئے آپ کی خواہش تھی کہ جوش و خروش ٹھنڈا ہو لے، فتنہ دب جائے اور غبار چھٹ جائے تو خلافت کے مسئلہ کو چھیڑا جائے۔ آپ کا خیال تھا کہ اگر اس وقت اس مسئلہ کو چھیڑ دیا گیا تو نئے خلیفہ کو سوائے پریشانیوں کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن باغی چاہتے تھے کہ خلافت کا فیصلہ فوراً ہو جائے، تاخیر ان کے لئے سخت خطرہ کا باعث تھی۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ ایک شخص نے کہا:

"حضرت عثمانؓ کے قتل کی خبر جلد ہی تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیل جائے گی۔ جب مسلمان سنیں گے کہ خلیفہ کو اس طرح قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ ابھی تک کوئی اور خلیفہ منتخب نہیں ہوا تو ہر شخص انتقام کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ اس صورت میں ہماری خیر نہیں ہوگی۔ بہتر یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے پاس چلو اور ہر قیمت پر اُن سے بیعت کر لو۔ اس طرح لوگ اطمینان اور سکون سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ جائیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے۔ اشتر جو باغیوں کا سردار تھا آپ کے پاس آیا اور کہا:

"اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔"

حضرت علیؓ نے کچھ تردد کیا لیکن اشتر نے کہا کہ "مصلحت اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ جلد از جلد بیعت لے لیں کیونکہ جب یہ خبر اسلامی شہروں میں پہنچے گی کہ حضرت عثمانؓ قتل کر دئے گئے اور ابھی تک کسی شخص کی بیعت نہیں کی گئی تو ہر عامل اپنی ولایت میں خودمختاری کا اعلان کر دے گا۔ اسلامی مملکت میں انتشار پھیل جائے گا اور اسلامی وحدت پارہ پارہ ہو جائے گی۔"

یہ سن کر حضرت علیؓ نے بیعت لینے پر آمادگی ظاہر کر دی اور اشتر کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ اس نے

بیعت کر لی۔ اس کے بعد یہ لوگ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے پاس گئے اور ان کو اپنے ساتھ لائے ان دونوں نے آکر بیعت کر لی۔ حضرت علیؓ کے خیال میں بھی ان دونوں کی بیعت ضروری تھی۔ کیونکہ یہ اہلِ شوریٰ میں سے تھے۔ ان کو خود بھی خلافت کی خواہش تھی اور باغیوں میں سے کچھ لوگ بھی ان کی تائید میں تھے۔

طبری نے حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی بیعت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ جب حضرت علیؓ نے ان دونوں کو اپنی بیعت کے لئے بلایا تو شروع میں انہوں نے تردد کیا لیکن اشتر نے اپنی تلوار کھینچ لی اور حضرت طلحہؓ سے کہا:

"یا تو بیعت کر لو ورنہ ابھی تمہاری گردن مار دوں گا۔"

اس پر انہوں نے اور حضرت زبیرؓ نے بیعت کر لی۔

چند انصار نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی جن میں حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک، زیدؓ بن ثابت اور نعمانؓ بن بشیر شامل تھے۔

بنو امیہ کے اکثر افراد شام کی طرف بھاگ گئے اور انہوں نے بھی بیعت نہیں کی۔

---

(۲)

علیؓ بن ابی طالب

مختصر حالات :-

حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کے والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد تھا۔ آپ ہجرت سے اکیس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی غربت کا خیال رکھتے ہوئے حضرت علیؓ کو اپنے گھر میں پرورش کیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت علیؓ آپ پر ایمان لانے والے اوّلین اشخاص میں سے تھے۔ جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی حضرت علیؓ خطرات کو جانتے بوجھتے حضورؐ کے بستر پر سو گئے اور اس طرح قربانی کی ایک بے نظیر مثال پیش کی۔ جب قریش نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچ کر نکل گئے ہیں تو انہیں بڑا طیش آیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کو قتل کر دینا چاہا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی امانتیں ان کے اصل مالکوں کو پہنچا کر خود بھی مدینہ تشریف لے آئے۔ مدینہ میں آپ کی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ

سے کردی۔ حضرت علیؓ سوائے غزوۂ تبوک کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر جنگ میں شریک رہے۔ تمام غزوات میں آپ نے بے نظیر شجاعت، بہادری اور دلیری کا ثبوت دیا۔ دشمنوں کی صفوں میں بے دھڑک گھس جاتے تھے اور اس بے جگری سے حملہ کرتے تھے کہ مقابل کو پیچھے ہٹتے ہی بن پڑتی تھی۔

مسلمانوں میں خلافت کی ضرورت کا احساس :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی خلیفہ نامزد کئے بغیر ہی اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ حضورؐ کی وفات کے بعد لوگوں کو خلافت کی ضرورت کا احساس ہوا لیکن اس بارے میں ہر گروہ کی رائے الگ تھی۔ انصار چاہتے تھے کہ خلیفہ ہم میں سے ہو اور مہاجرین کہتے تھے خلافت ہمارا حق ہے۔

انصار کی دلیل یہ تھی کہ انہوں نے ہر موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی مدد کی ہے۔ وہ ہر جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش بدوش لڑتے رہے ہیں یہاں تک کہ سارا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو گیا۔ آپ اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت انصار سے بے حد خوش تھے۔ انصار کے مقابلہ پر مہاجرین کی دلیل یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ان پر بھی مظالم توڑے گئے لیکن انہوں نے ہر تکلیف پر صبر اختیار کیا۔ وہ اپنی قلتِ تعداد کے باوجود کبھی کفار سے مرعوب نہیں ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم خاندان ہیں۔ وہ قریش میں سے ہیں اور عرب ان کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکائیں گے اس لئے خلافت انہی کا حق ہے۔

ان دلائل کو سن کر جب انصار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے" تو مہاجرین نے اس تجویز کو سختی سے ٹھکرا دیا۔ قریب تھا کہ تلواریں میانوں سے نکل آئیں کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ سقیفہ بنی ساعدہ میں پہنچ گئے اور دونوں فریق حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر راضی ہو گئے۔

جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیعت ہو چکی تو حضرت علیؓ نے جو اپنے آپ کو خلافت کا حق دار سمجھتے تھے، بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "خلافت صرف اہل بیت کا حق ہے۔ بنی ہاشم کا خاندان ابوبکرؓ کے خاندان سے زیادہ معزز ہے اور عرب بھی بنو ہاشم ہی کے مطیع ہو سکتے ہیں۔ اگر انصار کے سامنے مہاجرین

اپنی خلافت کے لئے یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم قوم اور ہم قبیلہ ہیں تو اس صورت میں آل نبیؐ دوسروں سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں اور ان سے خلافت چھیننا بہت بڑا ظلم ہے۔"

خلافت کے بارے میں شیعوں کا نظریہ:۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد میں مسلمان فتوحات میں مشغول تھے اس لئے کسی کو خلافت کے بارے میں غور کرنے کا خیال ہی پیدا نہیں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مسلمان اندرونی مناقشات میں مبتلا ہو گئے۔ آپؓ کی شہادت کے بعد جب زمامِ خلافت حضرت علیؓ کے ہاتھ میں آئی تو آپ کے حامیوں کا ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے یہ کہنا شروع کیا کہ امامت مصالح عامہ میں سے نہیں ہے جس کو امت کی صوابدید کے لئے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ مسلمانوں کی جماعتوں کو خلیفہ کے انتخاب کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ امامت دین کا ایک رکن اور اسلام کا ایک ستون ہے۔ نبی اس سے غفلت نہیں برت سکتا اور امت کے سپرد یہ معاملہ نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خود امام کی تعیین کرے۔ امام چھوٹے بڑے ہر قسم کے گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔ حضرت علیؓ وہ امام ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا ہے۔"

اس نظریہ کے حاملین اپنی دلیل میں کئی احادیث بھی پیش کرتے ہیں۔ اسی نظریہ سے وصیت کا نظریہ بھی پیدا ہوا اور حضرت علیؓ کا لقب وصی قرار دیا گیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اپنے بعد حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے وصیت کی تھی اس لئے حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصی ہیں۔

اسی نظریہ کے تحت حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد۔ آپ کے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کی بیعت کی گئی۔ جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہونے کا ارادہ کیا تو اسی نظریہ کے پیش نظر حضرت امام حسینؓ اپنے بڑے بھائی پر ناراض ہوئے آخر یہی نظریہ حضرت امام حسینؓ کے یزید کی بیعت سے انکار کرنے اور مسلمانانِ عراق کو اپنی بیعت اور

تائید و نصرت کے لئے بلانے کا موجب ثابت ہوا

خلفاءؓ ثلاثہ کی نظروں میں حضرت علیؓ کا مقام:-

ہمارا خیال ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ بھی، آخری وقت میں حضرت علیؓ ہی کی خلافت کے لئے سوچتے تھے اور جانتے تھے کہ علیؓ آپ کے بعد لوگوں کی راہ نمائی اسی طریق پر کریں گے جس طریق پر حضرت ابوبکرؓ اور وہ خود کر چکے تھے۔ آپ نے حالتِ نزع میں اس امر کی طرف اشارہ کیا بھی تھا لیکن حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کرنا آپ نے پسند نہیں فرمایا بلکہ خلافت کے معاملہ کو چھ آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ آپ کا غالب گمان یہی تھا کہ قوم حضرت علیؓ ہی کو خلافت کے لئے منتخب کرے گی لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے حق میں قوم کا اتفاق ہو گیا۔

تینوں خلفاءؓ کے عہد میں حضرت علیؓ ان سے بے حد قریب تھے اور تینوں کو ان پر بے حد اعتماد تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں وہ آپ کے خاص مشیروں میں سے تھے۔ حضرت عمرؓ ہر اہم معاملہ میں ان سے مشورہ لیتے اور احکامِ شرعیہ میں ان سے استفتاء فرماتے تھے۔ سلطنت کے کاموں میں حضرت علیؓ پوری طرح دخیل تھے۔ آپ کے مشوروں کی قدر کی جاتی تھی۔ آپ کی رائے بڑے غور سے سنی جاتی اور اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی سالوں میں بھی حضرت علیؓ امورِ سلطنت میں اسی طرح دخیل رہے جس طرح حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھے۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے بنی امیہ کو مناصبِ جلیلہ سے نوازنا شروع کیا تو حضرت علیؓ نے اس بات کو ناپسند فرمایا اور اس کے بعد اس دلچسپی سے ملکی معاملات میں حصہ نہیں لیا جس طرح پہلے لیتے تھے۔

قریش کی مخالفت:-

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قریش حضرت علیؓ کی حکومت و خلافت کو ناپسند کرتے تھے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی حضرت علیؓ سے قریش کی مخالفت کا علم تھا اور یہی وجہ تھی کہ آپ نے خلافت کا مسئلہ مجلس شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ اگر قریش کی مخالفت کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؓ کو خلیفہ نامزد کر جاتے۔ کیونکہ حضرت علیؓ دوسروں کے مقابلہ میں خلافت کے زیادہ حقدار تھے۔

---

(۳)

قاتل کون ہے؟

قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام کا مطالبہ اور حضرت علیؓ کا جواب :-

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت علیؓ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں فرمایا :

" اللہ عزوجل نے ہماری ہدایت کے لئے ایک کتاب اتاری جس میں خیر اور شر سب کچھ مذکور ہے۔ خیر کو چھوڑ دو تم پر اللہ تعالیٰ نے جو فرائض عائد کئے ہیں وہ ادا کرو تمہیں جنت ملے گی۔ خداوند تعالیٰ نے زمینِ حرم کو محترم قرار دیا ہے اور مسلمان کی جان کو ہر چیز سے زیادہ قیمتی ٹھہرایا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاص و اتحاد کی بڑی تاکید کی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ بجز اس صورت کے کہ کسی پر کوئی شرعی حق واجب ہو۔ مسلمان کو دکھ دینا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ قانوناً اسے سزا دی جائے۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ قیامت کے روز زمینوں اور مویشیوں کے متعلق بھی تم سے بازپرس کی جائے گی۔ اللہ عزوجل کی اطاعت کرو اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو۔ جہاں کہیں کوئی بھلائی کی بات دیکھو اسے قبول کرو اور جہاں بدی

نظر آئے اس سے پرہیز کرو۔ اس زمانہ کو یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے اور کمزور تھے۔"

اس خطبہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ چاہتے تھے رعایا کا ہر شخص دوسروں سے قطع نظر کر کے صرف اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جائے۔ لوگ فتنہ سے بچنے اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کی باتیں چھوڑ دیں۔ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے انتشار اور اختلاف پھیلے۔ دنیا کی حرص و آرزو ترک کر کے خالصتہً خدا تعالیٰ کے ہو جائیں۔ جو کچھ خلیفہ حکم دے اس کو بجا لائیں اور جس چیز سے وہ منع کرے اس سے باز آ جائیں۔

لیکن آپ لوگوں سے ایک امرِ محال کی توقع فرما رہے تھے۔ اُن سے اس چیز کا مطالبہ کر رہے تھے جس کا دینا ان کی طاقت سے باہر تھا۔ مسلمانوں کو زبردست فتوحات کے نتیجہ میں دنیا ہاتھ آ گئی تھی اور اُسے وہ اُس وقت تک چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے جب تک کہ وہ خود ان کو نہ چھوڑ دے۔ وہ سیاست کے جھمیلوں سے بھی باز آنے والے نہ تھے۔ اس طرح حضرت علیؓ کا دورِ خلافت ایک عجیب دور ہے۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلیں لیکن وہ سراسر دنیا کی طرف جھکے جا رہے تھے اور دھڑے بندیاں قائم ہو رہی تھیں۔

جاہلی عصبیت پھر سر اُٹھا رہی تھی۔ مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ ہر گروہ طاقت اور حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ ایک طرف حضرت علیؓ کے طرفدار تھے اور دوسری طرف بنو امیہ جن کے دل میں اس اقتدار کی خواہش رہ رہ کے چٹکیاں لے رہی تھی جو اسلام کے بعد اُن سے چھن گیا تھا۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو وسیلہ اور سبب بنایا اور حضرت علیؓ سے آپ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگے۔

لیکن حضرت علیؓ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ کسی شخص کو بھی یقینی طور پر حضرت عثمانؓ کے اصلی قاتل کا پتہ نہ تھا۔ آپ پر کئی اشخاص نے حملہ کیا۔ جب آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہؓ سے آپ کے قاتل کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا:

"مجھے معلوم نہیں۔ کئی آدمی گھر میں داخل ہوئے جن کو میں نہیں جانتی۔ البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابوبکرؓ تھا۔"

محمد بن ابوبکرؓ نے حضرت عثمانؓ کے پاس آنے کے واقعہ سے انکار نہیں کیا لیکن اس نے قتل میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے بتلایا کہ جب وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچا اور آپ کی داڑھی پکڑ کر کھینچی تو حضرت عثمانؓ نے یہ کہا کہ اگر تیرا باپ اس وقت زندہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا۔ اس پر وہ شرمندہ ہو کر واپس لوٹ آیا۔

قاتل کے متعلق یہ بات یقینی ہے کہ وہ کوئی فردِ واحد نہیں تھا۔ یہ بھی بہت حد تک ممکن ہے کہ خود باغیوں ہی کو اس وقت قاتلوں کے نام کا پتہ نہ ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد کسی شخص نے یہ اعتراف کر لیا ہو کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قتل میں شریک تھا، جس کی وجہ سے مؤرخین نے اس کا نام قاتلینِ عثمانؓ کے زمرہ میں درج کر لیا۔ مزید برآں مفسدین تمام شہر پر قابض تھے، وہ کس طرح گوارا کر سکتے تھے کہ اُن کی نظروں کے سامنے اُن سے انتقام لینے کے منصوبے باندھے جائیں۔ چنانچہ جب حضرت علیؓ کی بیعت ہو چکی اور حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور کچھ اور صحابہؓ آپ کے پاس آئے اور قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"جو کچھ آپ لوگ چاہتے ہیں میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ لیکن میں ایسے لوگوں کے خلاف اِس وقت کس طرح کارروائی کر سکتا ہوں جنہوں نے سارے مدینہ پر قبضہ کر رکھا ہے۔ وہ جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں اور جو ظلم آپ پر چاہتے ہیں توڑتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی بتائیں کہ کیا اس صورت میں ان سے کسی طرح قصاص لیا جا سکتا ہے؟"

آپ نے فرمایا:

"میں بھی قصاص لینے کے معاملہ میں آپ سے متفق ہوں۔ لیکن اس کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت شورش پھیلی ہوئی ہے، حالات سازگار ہو جائیں اور امرِ خلافت مستحکم ہو جائے تب میں ضرور قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لوں گا۔"

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ جواب نہایت معقول اور مدلل تھا۔ اوّل تو ٹھیک طور پر

یہی معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قاتل کون ہے؟ لیکن اگر پتہ لگ بھی جاتا تب بھی اس سے قصاص لینا یا ان مفسدین کے خلاف کوئی کارروائی کرنا قطعاً ناممکن تھا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ اس وقت مفسدین اپنی من مانی کر رہے تھے اور ان کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہ تھا۔ اس صورت میں حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے قاتل سے قصاص لینا چاہتے بھی تو یہ مفسدین شمشیر بدست آپ کے مقابلہ میں آجاتے۔ اس کے نتیجہ میں اتنا فتنہ عظیم برپا ہوتا اور اس قدر قتل و غارت ہوتا کہ اس کے سامنے لوگ حضرت عثمانؓ کی شہادت بھی بھول جاتے۔

---

(۴)

مملکت میں اختلاف

عہدِ عثمانی کے عمّال کی برطرفی:-

حضرت علیؓ نے خلافت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ عہدِ عثمانی کے تمام عمّال کو معزول کر دیا۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؓ کا فوراً ہی ان عمّال کو معزول کر دینا ایک زبردست غلطی تھی۔ سیاست ملکی کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اس وقت تک اپنے عہدوں پر برقرار رکھا جاتا جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کر لیتے۔ جب تمام عمال آپ کے مطیع ہو جاتے تب آپ جس کو چاہتے معزول کرتے اور جس کو چاہتے معزول شدہ عامل کی جگہ نیا عامل بناتے۔ لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حضرت علیؓ جس وقت خلیفہ بنے ہیں، باغی مدینہ پر مسلّط تھے اور مدینہ والے اُن کے سامنے زبان تک نہ ہلا سکتے تھے۔ ان باغیوں کا حضرت عثمانؓ سے بڑا مطالبہ یہی تھا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیجیے، اور جب ان کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو بڑھتے بڑھتے فتنہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔ اب ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی جانب اپنی توجہ مبذول کی

اور اُن سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے تمام عمال کو برطرف اور ان کے تمام مددگاروں کو امورِ سلطنت سے بے دخل کر دیجئے۔ اگر حضرت علیؓ ان کے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیتے اور عہدِ عثمانی کے عمال کو اپنے اپنے علاقوں میں برقرار رہنے دیتے تو یہ مفسدین حضرت علیؓ سے بھی وہی سلوک کرتے جو اس سے پہلے انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کیا تھا۔ پھر ذاتی طور پر حضرت علیؓ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان عمال کو برقرار رکھا جائے۔

جب حضرت علیؓ نے عہدِ عثمانی کے عمال کو معزول کرنے کا ارادہ کیا تو مغیرہؓ بن شعبہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ "عمال کو معزول کرنے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ فی الحال معاویہؓ، ابنِ عامرؓ اور دیگر عمال کو ان کی جگہوں پر برقرار رہنے دیجئے۔ جب وہ آپ کی اطاعت قبول کر لیں اور فوجوں کی بیعت کی خبر بھی آجائے تب آپ کو اختیار ہے خواہ ان کو معزول کر دیں یا بحال رکھیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اچھا میں سوچوں گا۔"

دوسرے روز وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"میں نے کل آپ کو جو مشورہ دیا تھا آج اس کے خلاف دیتا ہوں۔ آپ عمال میں جو ردوبدل کرنا چاہتے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو کر دیجئے تاکہ آپ کو ہر طرف سے اطمینان ہو جائے۔"

ابھی مغیرہؓ بن شعبہ حضرت علیؓ سے باتیں کر ہی رہے تھے کہ عبداللہؓ بن عباس مکہ سے مدینہ پہنچے حضرت علیؓ کے مکان پر جا کر پتہ چلا کہ مغیرہؓ ان سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ ان کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب مغیرہؓ باتیں کر کے باہر نکلے تو عبداللہؓ حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ مغیرہؓ کیوں آئے تھے؟ حضرت علیؓ نے سارا واقعہ سنایا۔ انہوں نے کہا: "مغیرہؓ نے کل آپ کو نصیحت کی تھی لیکن آج آپ کو دھوکا دیا۔"

حضرت علیؓ نے پوچھا:

"اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کل انہوں نے مجھے نصیحت کی اور آج دھوکا دیا؟"

عبداللہؓ بن عباس نے جواب دیا:

"آپ جانتے ہیں کہ معاویہؓ اور اُن کے ساتھی دنیا دار ہیں۔ اگر آپ اُن کو ان کے عہدوں پر برقرار

رکھیں گے تو انہیں اس امر کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ کون شخص خلافت کی گدی پر متمکن ہوا۔ لیکن اگر آپ انہیں معزول کر دیں گے تو وہ جھٹ کہہ دیں گے کہ خلافت کا معاملہ بغیر شوریٰ کے آپس ہی میں طے کر لیا گیا۔ اس لئے علیؓ کی خلافت جائز نہیں۔ وہ آپ پر یہ الزام لگائیں گے کہ آپ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کرنے میں حصہ لیا۔ اس طرح ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور اہلِ شام و عراق آپ کے خلاف ہو جائیں گے مجھے طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں یہ آپ کے خلاف نہ اُٹھ کھڑے ہوں۔"

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:

"ایک دنیا دار تو یہ کر سکتا ہے کہ بر بنائے مصلحت ان عمال کو برقرار رہنے دے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہیں رکھوں گا۔ اگر وہ میرے احکام کی اطاعت کریں گے تو یہ ان کے لئے بہتر ہوگا ورنہ پھر تلوار سے ان کا علاج کیا جائے گا۔"

حضرت ابنِ عباسؓ نے دوبارہ حضرت علیؓ کو سمجھایا اور کہا کہ "اگر ایسا کیا گیا تو سارا عرب آپ کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوگا اور آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ عمال آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیں گے اور انتقامِ عثمانؓ کے مطالبے کے بہانے آپ کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں گے۔"

لیکن حضرت علیؓ نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا بلکہ فرمایا:

"تم شام جاؤ میں نے تمہیں وہاں کا والی مقرر کر دیا ہے۔"

حضرت ابنِ عباسؓ نے کہا:

"آپ جو کچھ کر رہے ہیں، ٹھیک نہیں ہے۔ معاویہؓ بنی امیہ کے ایک فرد، حضرت عثمانؓ کے چچازاد بھائی اور شام کے عامل ہیں۔ ان کو زبردست طاقت حاصل ہے۔ اگر میں وہاں گیا تو وہ حضرت عثمانؓ کے بدلہ میں میری گردن اُڑا دیں گے۔ نرم سے نرم سلوک اگر اُنہوں نے میرے ساتھ کیا تو وہ یہ ہوگا کہ مجھے قید کر دیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ پہلے اُن کو بیعت کے لئے خط لکھیں۔"

نئے عمّال کا تقرر:۔

لیکن حضرت علیؓ نے یہ منظور نہ کیا اور نئے عمال کو ان کے مقرر کردہ علاقوں میں بھیجنا شروع کر دیا۔ عثمان بن حنیف کو بصرہ، عمارہ بن شہاب کو کوفہ، عبیداللہ بن عباس کو یمن، قیس بن سعد بن عبادہ کو مصر

اور سہل بن حنیف کو شام کی طرف روانہ کیا۔

شام کے نئے عامل سہل بن حنیف جب تبوک کے مقام پر پہنچے تو انہیں حضرت معاویہ رض کے سواروں کا ایک دستہ ملا۔ انہوں نے اِن سے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

سہل نے جواب دیا:

"میں شام کا نیا امیر ہوں۔"

ان سواروں نے کہا:

"اگر تمہیں حضرت عثمان رض نے بھیجا ہے تب تو خیر ورنہ جس نے تمہیں بھیجا ہے اسی کے پاس واپس چلے جاؤ۔"

سہل بن حنیف نے اُن سے کہا:

"تمہیں پتہ بھی ہے کہ مدینہ میں کیا کچھ ہو چکا ہے؟"

انہوں نے کہا:

"ہمیں سب کچھ پتہ ہے۔ تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم حضرت علی رض کے پاس واپس چلے جاؤ۔"

چنانچہ مجبور ہو کر وہ واپس ہو گئے۔

مصر کے نئے عامل قیس بن سعد مصر روانہ ہوئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ "ایلہ" کے مقام پر انہیں بھی سواروں کا ایک دستہ ملا جس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں؟

انہوں نے اس وقت ٹھیک ٹھیک حالات بتانے مناسب نہ سمجھے اور یہ کہا کہ میں قاتلینِ عثمان رض میں سے ہوں اور پناہ کا طالب ہوں۔

وہ سوار اُن کو لے کر مصر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اصل واقعہ بتایا۔ اس پر وہاں تین گروہ ہو گئے ایک گروہ نے غیر مشروط طور پر ان کی امارت قبول کر لی۔ دوسرے گروہ نے کہا کہ اگر حضرت علی رض نے قاتلینِ عثمان رض سے قصاص لیا تو ہم ان کے ساتھ ہیں ورنہ ہمارا اور ان کا کوئی تعلق نہیں۔ تیسرے گروہ نے کہا کہ ہم حضرت علی رض کے ساتھ اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ قاتلینِ عثمان رض سے انتقام نہ لیں۔ کیونکہ

قاتلینِ عثمانؓ ہمارے عزیز ہیں۔

قیس نے یہ تمام حالات حضرت علیؓ کو لکھ بھیجے۔

عثمانؓ بن حنیف کو جو بصرہ کے والی مقرر کئے گئے تھے کسی نے نہیں روکا اور وہ شہر میں داخل ہو گئے مصر کی طرح یہاں بھی تین جماعتیں بن گئیں۔ ایک جماعت نے غیر مشروط طور پر ان کی امارت قبول کر لی۔ ایک جماعت قاتلینِ عثمانؓ کی ہمدردی کا دم بھرنے لگی اور تیسری جماعت نے کہا "ہماری نظر میں اہلِ مدینہ پر ہیں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ وہ کریں گے وہی ہم بھی کریں گے"

کوفہ کے نئے والی عمارہ بن شہاب جب کوفہ کے قریب پہنچے تو انہیں طلیحہ بن خویلد اسدی ملا جو اس مطالبہ کا سرگرم حامی تھا کہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔ اس نے عمارہ سے کہا کہ "اہلِ کوفہ ابوموسیٰ اشعریؓ کے سوا کسی کی امارت تسلیم نہ کریں گے اس لئے بہتر ہے کہ مدینہ واپس چلے جاؤ ورنہ میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔"

چنانچہ وہ کوفہ میں داخل نہ ہو سکے اور واپس مدینہ آ گئے۔

عبیداللہ بن عباس یمن میں آئے۔ یہاں آ کر انہیں پتہ چلا کہ سابق امیر یعلیٰ بن امیہ بیت المال کی ساری رقم لے کر ان کے آنے سے پہلے مکہ روانہ ہو چکے ہیں۔ عبیداللہ نے بغیر کسی مخالفت کے یمن کی امارت سنبھال لی۔

سہل بن حنیف شام سے مایوس ہو کر واپس مدینہ آ چکے تھے۔ حضرت علیؓ نے حجاج بن غزیہ کے ہاتھ ایک خط حضرت معاویہؓ کو بھیجا جس میں انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت معاویہؓ نے اس خط کا کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تین ماہ بعد انہوں نے بنی عبس کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔ اس نے آ کر کہا:

"میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حالت میں چھوڑا ہے کہ ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی قمیص جس پر خون کے چھینٹے پڑے ہوئے ہیں، نیزوں پر اٹھا رکھی ہے اور قسم کھائی ہے کہ جب تک وہ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔"

اس سے حضرت علیؓ کو پتہ چل گیا کہ معاویہؓ ان کی خلافت کو کسی طرح بھی تسلیم نہ کریں گے اور بغیر ان سے لڑے ان پر قابو نہیں پایا جا سکے گا۔

---

(۵)

اضطراب

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بیعت فسخ کرنے کے اسباب :-

بعض مؤرخین حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ کے بیعت توڑنے کا سبب یہ بیان کرتے ہیں کہ بیعت کے بعد حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا کہ لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ میرا اُن کی شہادت میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ اب باہمی مشورہ کے بعد مجھے خلافت سپرد کی گئی ہے اس لئے جب میرا یہ خط آپ کو ملے تو اہلِ شام سے میرے لئے بیعت لیجئے اور میرے پاس شام کے معزز لوگوں کا وفد بھیجئے۔

جب حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کا مذکورہ بالا خط ملا تو انہوں نے بنی عبس کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔ انہوں نے اسی قاصد کو حضرت زبیرؓ بن العوام کے نام بھی ایک خط دیا جس میں لکھا تھا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم!

معاویہؓ بن ابی سفیان کی طرف سے امیر المومنین عبداللہؓ الزبیر کے نام۔ بعد سلام کے

واضح ہو کہ میں نے آپ کے لئے اہلِ شام سے بیعت لے لی ہے۔ انہوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیرالمومنین مان لیا ہے۔ اب آپ کو چاہیئے کہ کوفہ اور بصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملائیں کیونکہ اگر ان دو شہروں کے لوگوں نے آپ کی اطاعت قبول کر لی تو آپ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے۔ آپ کے بعد میں نے طلحہؓ بن عبیداللہ کے لئے بیعت لی ہے۔ اب آپ کو چاہیئے کہ علیؓ سے حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کریں اور لوگوں کو اپنی طرف بلائیں۔ آپ دونوں کی طرف سے اس معاملہ میں پوری کوشش اور جلدی ہونی چاہیئے۔

خدا تعالیٰ آپ دونوں کو کامیاب اور آپ کے دشمنوں کو خائب و خاسر کرے۔"

جب یہ خط حضرت زبیرؓ کے پاس پہنچا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور طلحہؓ کو بھی یہ خط دکھایا۔ حضرت معاویہؓ نے جو کچھ انہیں لکھا تھا انہوں نے اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا اور معاویہؓ کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؓ کے خلاف ہو گئے اور اپنی بیعتیں توڑ دیں۔¹

ہمیں پورے طور پر اس خط کی صحت کا یقین نہیں۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ معاویہؓ ان کو ایسا خط تحریر کریں جو بعد میں اُن کے خلاف بطور حجت استعمال کیا جا سکے۔ لیکن حضرت معاویہؓ سے یہ بعید نہیں تھا کہ وہ ان دونوں کو حضرت علیؓ سے لڑنے کے لئے اکساتے اور اپنی مدد کا یقین دلاتے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ان دونوں حضرات نے حضرت علیؓ کی بیعت خوشی سے نہیں بلکہ بالجبر کی تھی اور ان دونوں کی تائید میں وہ گروہ بھی تھے جو ان کی خلافت چاہتے تھے۔

بظاہر ان دونوں کے بیعت فسخ کرنے کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ کسی جگہ کے والی بن جائیں۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت علیؓ انہیں بڑے بڑے صوبوں میں سے کسی صوبہ کا والی بنا دیں گے۔ لیکن جب انہیں اس میں ناکامی ہوئی تو انہوں نے بیعت فسخ کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ دونوں حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"اے علیؓ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے آپ کی بیعت کس چیز پر کی تھی؟"

حضرت علیؓ نے جواب دیا۔ آپ نے بیعت اس چیز پر کی تھی کہ آپ میری اطاعت کریں گے جس طرح

---

¹ شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۷

آپ نے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی اطاعت کی تھی۔"

ان دونوں نے کہا:

"نہیں۔ ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ آپ امور خلافت میں ہمیں بھی شریک کریں گے۔"

حضرت علیؓ نے ان کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا جس پر یہ ناراض ہو کر آپ کے پاس سے چلے آئے۔[1]

جب حضرت عبداللہؓ بن عباس کو اس کا پتہ چلا تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"میرا خیال ہے کہ یہ دونوں ولایت کے طالب ہیں۔ آپ زبیرؓ کو بصرہ کا والی مقرر کر دیجئے اور طلحہؓ کو کوفہ کا۔"

حضرت علیؓ ہنسے اور کہنے لگے:

"کیا میں عراقین میں ان جیسے آدمیوں کو والی مقرر کر سکتا ہوں جن سے وہاں کے لوگوں کو کسی بھلائی کی امید نہیں ہو سکتی۔ اگر میں کسی سے ڈر کر ہی اسے عامل مقرر کرتا تو معاویہؓ ہی کو شام کا عامل نہ بنا دیتا۔ میں نے ان دونوں کی بھلائی کے لئے ایک تدبیر سوچی تھی لیکن ان دونوں نے ولایت کے لالچ میں اس کو بھی کھو دیا۔"[2]

اس کے بعد طلحہؓ اور زبیرؓ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"امیر المومنین! ہم عمرہ کے لئے جا رہے ہیں۔ اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے۔"

حضرت علیؓ نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور فرمایا:

"تمہارا اصل مقصد عمرہ کرنا نہیں ہے بلکہ مجھ سے غداری کرنا اور اپنی بیعت توڑنا ہے۔ جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔"

---

[1] ابن قتیبہ

[2] ابن ابی الحدید کہتا ہے کہ وہ شخص جس نے حضرت علیؓ کو ان دونوں کو بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کرنے کا مشورہ دیا تھا وہ مغیرہؓ بن شعبہ تھے۔

چنانچہ وہ مدینہ سے چلے گئے۔[1]

شام پر چڑھائی کرنے کی تیاریاں :-

جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان اختلافات کی خبریں مدینہ میں پھیلیں تو ہر شخص کی

---

[1] اس باب میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ محض اتہام ہے اور کسی مستند تاریخ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔ باقی رہی ان دونوں کی حضرت علیؓ سے مخالفت تو جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے حضرت علیؓ کے خلیفہ ہونے کے بعد بھی مدینہ میں امن وامان قائم نہ ہو سکا۔ باغی مدینہ میں موجود تھے اور فتنہ و فساد کی کارروائیاں کرتے رہتے تھے۔ جاہل بدوی جو لوٹ مار کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتے تھے وہ بھی ان مفسدین کے ساتھ تھے۔ حضرت علیؓ نے کوشش کی کہ ان لوگوں کو مدینہ سے نکال دیا جائے لیکن انہیں اس مقصد میں کامیابی نہ ہوئی (تاریخ طبری صفحہ ۳۰۶۳) حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ جو دونوں جلیل القدر صحابہؓ میں سے تھے پہلے تو انتظار کرتے رہے کہ حالات ٹھیک ہو جائیں اور فتنہ وفساد رفع ہو جائے لیکن انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور مدینہ اسی طرح ان مفسدین کی آماجگاہ بنا رہا۔ ان دونوں نے حضرت علیؓ سے شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے لیکن حضرت علیؓ بھی مجبور تھے انہوں نے معذوری کا اظہار کیا۔ آخر جب ہر طرف سے مایوسی ہو گئی تو وہ خود عملاً اس شورش کو رفع کرنے کے لئے مکہ روانہ ہو گئے تاکہ فوج کی امداد حاصل کر کے ان باغیوں کا قلع قمع کریں۔ حضرت عائشہؓ بھی مدینہ میں شورشوں کا حال سن کر مکہ میں مقیم تھیں۔ یہ دونوں اس شورش کو فرو کرنے کے سلسلہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ میں مدینہ کی بدامنی کا نقشہ کھینچا :- انا تحملنا بکلیتنا ھراباً من المدینۃ من غوغاء اعراب وفارقنا قوماً حیاریٰ لایعرفون حقاً ولا ینکرون باطلاً ولا یمنعون انفسھم (تاریخ طبری صفحہ ۳۰۷۹)

یعنی ہم اعراب کے شور وشر کے خوف سے مدینہ سے بھاگ آئے ہیں۔ ہم نے وہاں ایسی حیران قوم کو چھوڑا ہے جو نہ حق کو پہچانتی ہے اور نہ باطل سے احتراز کرتی ہے اور نہ اپنی جانوں کی حفاظت کرتی ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مشوروں کے بعد ایک لشکر تیار کیا گیا لیکن ایسا کرنے سے ان تینوں کا مقصد حضرت علیؓ سے بغاوت کرنا نہ تھا بلکہ محض اس شورش کو جو مفسدین کی فتنہ پردازی سے تمام عالم اسلام میں پھیل گئی تھی رفع کرنا تھا۔ (مترجم)

زبان پر یہی تھا کہ اب کیا ہوگا۔ حضرت معاویہؓ بڑی طاقت اور قوت کے مالک تھے۔ سارا شام ان کے زیرِ نگیں تھا۔ ایسے شخص کا دربارِ خلافت سے باغی ہو جانا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ لوگ حضرت علیؓ کے آئندہ اقدام کے منتظر تھے خصوصاً جب سے انہوں نے یہ سنا تھا کہ حضرت حسنؓ نے اپنے والد کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ ان والیوں سے جنہوں نے ان کی بیعت نہیں کی، کوئی تعرض نہ کریں اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں کیونکہ عرب ہزار چکر کھائیں گے ہر پھر کر آپ ہی کے پاس آئیں گے۔ اس وقت سے لوگوں کا اشتیاق اور بھی بڑھ گیا تھا کہ دیکھئے آئندہ کیا ظہور میں آتا ہے۔ آخر انہوں نے زیاد بن حنظلہ کو حضرت علیؓ کے پاس بھیجا۔

جب زیاد حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آپ نے اس سے کہا:

"زیاد! تیاری کرو۔"

اس نے پوچھا:

"امیر المومنین! کس چیز کی تیاری؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا

"شام پر چڑھائی کرنے کی۔"

زیاد نے لوگوں کو آکر بتایا کہ جنگ کی تیاری ہو رہی ہے۔

حضرت علیؓ نے اسی وقت سے جنگی تیاری شروع کر دی۔ لشکر کو منظم کیا۔ اپنے بیٹے محمد الحنفیہؒ کو جھنڈا سپرد کیا۔ عبداللہؓ بن عباس کو میمنہ پر، عمر بن سفیان کو میسرہ پر اور ابولیلیٰ اعسر بن الجراح کو مقدمہ پر مقرر کیا اور مدینہ میں اپنا قائم مقام قثم بن عباس کو بنایا۔

جب لشکر کی تنظیم ہو چکی تو آپ اہلِ مدینہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور انہیں خلافت کے باغیوں سے جنگ کرنے کے لئے چلنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا:

"اللہ عزّ وجلّ نے اپنے رسولؐ کو ایک ناطق کتاب کے ساتھ ہدایت دے کر اور ایک واضح اور قائم امر کے ساتھ بھیجا۔ جس سے کوئی شخص سوائے اس کے کہ اس کی قسمت میں ہلاکت ہو ہلاک نہیں ہوتا۔ مبتدعات اور شبہات انسان کو ہلاک کرنے والے ہیں سوائے اس شخص کے جس کو اللہ اپنی حفاظت میں رکھے تم اس کے

خلیفہ کے احکام کی اطاعت بلا چون و چرا کرو۔ خدا کی قسم اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اسلام کے غلبہ کو تم سے دور کر دے گا اور پھر کبھی تمہیں وہ غلبہ نصیب نہ ہوگا۔ ایسی قوم سے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ جو تمہارے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتی ہے۔

شاید تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس فساد کو جو آفاقیوں نے ڈال دیا ہے، دور کر دے۔"

حضرت عائشہؓ کی بصرہ کو روانگی:۔

ابھی حضرت علیؓ مدینہ سے شام کی طرف خروج کی تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت عائشہؓ نے قصاصِ عثمانؓ کے نام پر مکہ میں ایک فوج جمع کر لی ہے۔ آپ نے اس تمام صورتِ حال سے اہلِ مدینہ کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ جب تک وہ لوگ مدینہ پر حملہ نہیں کریں گے ہم خاموش رہیں گے اور ان لوگوں سے تعرض نہیں کریں گے۔ اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی نہ چھیڑی تو ہم بھی ان سے لڑائی نہیں چھیڑیں گے۔

کچھ دنوں کے بعد حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کا لشکر بصرہ کی جانب روانہ ہو گیا ہے۔ اس پر آپ بھی اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر ان کی طرف چلے۔ آپ کو حضرت عائشہؓ کی لشکر کشی کا بے حد رنج تھا۔ آپ فرماتے تھے:

"اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی چھیڑ دی تو مسلمانوں کا تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔"

جب اہلِ مدینہ کو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے نکلی ہیں تو ان میں سے اکثر نے حضرت علیؓ کے ساتھ جانے سے معذوری ظاہر کی۔ ان کا کہنا تھا:

"ہم نہیں جانتے کہ ہم کیا کریں۔ کیونکہ معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ ایک جانب امیر المومنین ہیں اور ایک جانب اُم المومنین۔ ہم اس وقت تک مدینہ ہی میں مقیم رہیں گے جب تک حالات کھل کر ہمارے سامنے نہیں آ جائیں گے۔"

اس طرح امیر المومنین حضرت علیؓ اہلِ مدینہ میں سے بہت کم لوگوں کو اپنے ساتھ چلنے پر آمادہ کر سکے اہلِ بدر میں سے صرف چھ آدمی آپ کے ساتھ تھے۔

ان حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنی خلافت کے اوائل ہی میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ہر طرف سے یہ خبریں آرہی تھیں کہ فلاں قبیلہ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ فلاں عامل نے بیعت سے انکار کر دیا۔ کوفہ اور بصرہ میں مختلف جماعتیں بن گئی تھیں۔ بعض جماعتیں حضرت علیؓ کی اطاعت پر راضی تھیں۔ بعض سرے سے آپ کی خلافت کو قبول کرنے ہی سے منکر تھیں دوسری جگہوں کا بھی یہی حال تھا۔ اس لئے کوئی بعید نہیں کہ حضرت علیؓ کی اطاعت اور آپ کو خلیفہ ماننے کے سوال پر سلطنت کے ہر حصہ میں جو اختلافات پیدا ہو رہے تھے ان کی موجودگی میں اہلِ مدینہ نے حضرت علیؓ کی اس وقت تک مدد کرنے سے انکار کر دیا ہو جب تک حالات کلی طور پر حضرت علیؓ کے حق میں سازگار نہیں ہو جاتے۔

---

(۶)

بصرہ کی جانب کوچ

حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کا مکہ پہنچنا:۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ مدینہ سے نکل کر مکہ پہنچے اور وہاں جا کر اعلان کر دیا کہ ہم سے حضرت علیؓ کی بیعت جبراً کرائی گئی تھی اس لئے ہم نے ان کی بیعت توڑ دی ہے۔

گو ہم حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے موقف پر تنقید کرنا تو نہیں چاہتے لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ان دونوں نے جو کچھ کیا اس سے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا اور وحدتِ امت پارہ پارہ ہو گئی۔ اگر یہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہ کر دین کی خدمت کرتے تو اسلام ایک زبردست فتنہ سے بچ جاتا۔ دوسرے شہروں کو خلیفہ کے مقابلہ میں بغاوت کی جرأت نہ ہوتی اور اس طرح مسلمانوں کے درمیان آپس میں تلوار نہ چلتی۔ وہ ایسا نہ کرتے تو حضرت عثمانؓ کی شہادت سے اسلام کو جو زبردست نقصان پہنچا تھا اس کی کافی حد تک تلافی ہو جاتی اور مسلمان پھر وہی شان و شوکت حاصل کر لیتے جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان کو حاصل تھی۔

حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے حضرت عائشہؓ کا اہلِ مکہ کو ابھارنا:۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے حج کے لئے مکہ تشریف لائی تھیں جب حج کرکے واپس جانے لگیں تو حضرت عثمانؓ کی شہادت اور حضرت علیؓ کی خلافت کی خبر ملی۔ یہ خبر سُن کر آپ مکہ واپس ہوگئیں۔ راستہ میں تو کچھ نہ بولیں لیکن جب کعبہ کے دروازہ پر پہنچیں اور لوگ ارد گرد جمع ہوگئے تو کھڑی ہوئیں اور اس طرح خطاب کیا:

"لوگو! مختلف مقامات کے مفسدین نے اہلِ مدینہ کے غلاموں کی مدد سے حضرت عثمانؓ کو مظلوم شہید کر دیا۔ ان لوگوں نے پہلے حضرت عثمانؓ پر کچھ الزامات لگائے اور جب انہیں ثابت نہ کر سکے تو بغاوت کر دی۔ جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اسے بہایا، بلدِ حرام (مدینہ) اور شہرِ حرام (ذوالحجہ) کی تقدیس کو توڑا۔ انہوں نے حرام مال لوٹا۔ خدا کی قسم عثمانؓ کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ساری دنیا سے زیادہ محترم ہے۔ یہ فتنہ ابھی دبتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اس لئے تم لوگ خلیفۂ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔"

جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی تقریر سُنی تو ان میں حضرت عثمانؓ کے قصاص کا زبردست جوش پیدا ہوا۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عامر الحضرمی جو مکہ میں حضرت عثمانؓ کا عامل تھا، کھڑا ہوا اور اعلان کیا:

"سب سے پہلے میں حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ کرتا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ سے بنی امیہ کے اکثر لوگ بھاگ کر مکہ آگئے تھے۔ انہوں نے اس موقع کو اپنے لئے بہت غنیمت سمجھا اور جوق در جوق حضرت عائشہؓ کی فوج میں شامل ہونے لگے۔ مروان، ولید بن عتبہ، عبداللہ بن عامر امیرِ بصرہ، یعلیٰ بن امیہ امیرِ یمن بھی حضرت عائشہؓ سے آکر مل گئے۔ یعلیٰ بن امیہ یمن سے بہت سا مال و اسباب لے کر آئے تھے۔ اسی دوران میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے آکر حضرت عائشہؓ کی فوج میں شامل ہوگئے۔ طویل بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بصرہ کی طرف کوچ کیا جائے۔ حضرت عائشہؓ لوگوں کے دل یہ کہہ کر ابھارتی جاتی تھیں:

"لوگو! اسلام اس وقت زبردست فتنہ سے دوچار ہے۔ ہمارا مقصد اصلاحِ امت ہے۔

تم اپنے بھائیوں کے پاس چلو اور ان کو اس کارِ خیر میں شامل ہونے کی ترغیب دو۔ شاید اس طرح خدا تعالیٰ حضرت عثمانؓ کا انتقام مفسدین سے لے لے۔"

حضرت عائشہؓ کا بصرہ کی جانب کوچ کرنا :۔

طبری اور ابن اثیر نے اس فوج کے بصرہ کی جانب کوچ کرنے کی تفصیل اس طرح لکھی ہے :

"حضرت عائشہؓ کی دعوت پر سب سے پہلے عبداللہ بن عامر اور بنی امیہ نے لبیک کہا جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ سے مکہ بھاگ آئے تھے۔ پھر ابن عامر امیر بصرہ اور یعلیٰ بن امیہ امیر یمن بھی اپنی معزولی کی خبر سن کر آپ سے آ کر مل گئے۔ یعلیٰ بن امیہ اپنے ساتھ چھ سو اونٹ اور کثیر مال و دولت لائے تھے۔ لشکر مقام ابطح میں ٹھہرایا گیا۔ اسی دوران میں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی مدینہ سے مکہ پہنچے اور حضرت عائشہؓ سے ملے۔ حضرت عائشہؓ نے ان سے مدینہ کا حال احوال دریافت فرمایا۔ ان دونوں نے کہا:

"ہم مدینہ سے بدوؤں اور شور و شر کرنے والے لوگوں کے خوف سے بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ ہم نے وہاں لوگوں کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ حیران و سرگرداں ہیں، نہ حق کو پہچان سکتے ہیں، نہ باطل سے انکار کر سکتے ہیں اور نہ اپنی حفاظت پر قادر ہیں۔"

یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"باہم مشورہ کر لو اور پھر اس شورش کو دبانے کے لئے جس طرف مناسب ہو کوچ کرو۔"

بعض لوگوں نے شام چلنے کا مشورہ دیا تاکہ وہاں سے اس مقصد کے لئے مدد حاصل کی جائے۔ لیکن عبداللہ بن عامر نے کہا:

"شام میں اس غرض کے لئے معاویہؓ کافی ہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہمیں بصرہ چلنا چاہئیے اور وہاں سے مالی اور فوجی مدد حاصل کرنی چاہیئے۔"

حضرت عائشہؓ کی رائے مدینہ چلنے کی تھی لیکن جب بعض اور لوگوں نے بھی بصرہ چلنے کا مشورہ دیا تو حضرت عائشہؓ مجبور ہو گئیں۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات کو بھی اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے منظور نہ کیا اور مدینہ واپس جانے کو ترجیح دی۔

فوج کے لئے ساز و سامان کی بھی ضرورت تھی۔ یعلیٰ بن امیہ اور ابن عامر اپنے اپنے علاقوں سے بہت کچھ

مال و اسباب لائے تھے جو انہوں نے فوج کے ساز و سامان پر خرچ کیا۔ ایک آدمی مکہ میں منادی کرتا پھرتا تھا:

"لوگو! ام المومنینؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ بصرہ کی جانب کوچ کر رہے ہیں جو شخص اسلام کی سربلندی کے لیے مفسدین سے لڑنا اور حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا چاہتا ہے لیکن اس کے پاس سواری اور ہتھیار نہیں ہیں وہ ہمارے پاس آ جائے۔ ہم اسے سب چیزیں مہیا کر دیں گے۔"

جب مکہ سے روانگی ہوئی تو تقریباً دو ہزار کا لشکر جو مکہ اور مدینہ کے لوگوں پر مشتمل تھا حضرت عائشہؓ کے ساتھ تھا۔ راستے میں بدو بھی فوج کے ساتھ ملتے جاتے تھے۔ جب یہ لشکر بصرہ پہنچا تو اس کے افراد کی تعداد تین ہزار ہو چکی تھی۔[1]

جب یہ لشکر مکہ سے چلا تو ام الفضل بنت حارث نے قبیلہ جہینہ کے ایک شخص کو حضرت علیؓ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں مکہ کے تمام واقعات اور اس لشکر کے تمام حالات، اس کی تعداد اور اس میں شامل ہونے والے لوگوں کی تفصیلات درج تھیں۔

بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اپنی آمد کی غرض سے اطلاع دی اور ان سے درخواست کی کہ وہ اس کار خیر میں ان کی مدد کریں۔

لشکر جب بصرہ کے قریب پہنچا تو سعیدؓ بن العاص اور مغیرہؓ بن شعبہ ان لوگوں سے ملے سعیدؓ بن العاص نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا:

"ام المومنین! کہاں کا قصد ہے؟"

انہوں نے کہا:

"بصرہ کا۔"

سعیدؓ نے پوچھا:

"بصرہ جا کر آپ کیا کریں گی؟"

انہوں نے جواب دیا:

"میں عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کروں گی۔"

---

[1] ابن اثیر

سعیدؓ بن العاص نے کہا:

"عثمانؓ کے قاتل تو آپ کے ساتھ ہیں۔"

یہ کہہ کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے بعد سعیدؓ مروان کے پاس آئے اور اس سے پوچھا:

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

اس نے کہا:

"بصرہ!"

سعیدؓ نے پوچھا:

"بصرہ جا کر کیا کرو گے؟"

مروان نے کہا:

"ہم وہاں یہ مطالبہ کریں گے کہ عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے سپرد کیا جائے۔"

سعیدؓ نے کہا:

"عثمانؓ کو ان دونوں آدمیوں (طلحہؓ اور زبیرؓ) نے قتل کیا یہ دونوں خلافت اپنے لئے چاہتے تھے۔ جب یہ اپنی سازش میں کامیاب ہو چکے تو اب ایک خون کو دوسرے خون کے ذریعہ اور ایک گناہ کو توبہ کے ذریعہ دھونا چاہتے ہیں[1]۔"

ابن اثیر لکھتا ہے کہ جب یہ لشکر بمقام ذات عرق میں پہنچا تو سعیدؓ بن العاص آئے اور انہوں نے مروان بن حکم اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

"تم کہاں جا رہے ہو حالانکہ جن لوگوں سے تمہیں انتقام لینا ہے وہ تو تمہارے ساتھ اونٹوں پر سوار ہیں ان کو قتل کرو اور اپنے گھروں کو واپس جاؤ۔"

مروان نے جواب دیا:

"ہم اس لئے جا رہے ہیں کہ عثمانؓ کے تمام قاتلوں کو قتل کریں۔"

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ

مروان سے باتیں کرنے کے بعد سعیدؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا:

"اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو کسے خلیفہ بناؤ گے؟"

ان دونوں نے کہا:

"ہم اپنے میں سے جس کو چاہیں گے خلیفہ بنا لیں گے۔"

سعیدؓ نے کہا:

"حضرت عثمانؓ کے کسی بیٹے کو خلیفہ کیوں نہیں بناؤ گے حالانکہ تم حضرت عثمانؓ کے انتقام کے لئے نکلے ہو؟"

ان دونوں نے کہا:

"یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ہم مہاجرین کے معززین کو چھوڑ کر یتیموں کو خلیفہ بنا لیں؟"

سعیدؓ نے کہا

"معلوم ہو گیا کہ اس لشکر کشی کا مقصد صرف یہ ہے کہ تم دونوں میں سے ایک کی خلافت کا راستہ صاف ہو جائے۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی قوم کے چند آدمیوں اور حضرت عثمانؓ کے دو بیٹوں ابان اور ولید کو لے کر واپس چلے گئے۔

امیر بصرہ کے قاصدوں کے سامنے حضرت عائشہ کی تقریر:۔

جب عثمان بن حنیف امیر بصرہ کو اس لشکر کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے دو آدمیوں عمران بن حصین اور ابوالاسود دؤلی کو تحقیق احوال کے لئے بھیجا۔ وہ دونوں حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور ان کے آنے کی غرض پوچھی۔ حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تقریر کی:

"خدا کی قسم میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے۔ اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے اصل حقیقت چھپا سکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر جو حرم محترم تھا حملہ کیا اور وہاں فتنے برپا کئے۔ انہوں نے فتنہ پردازوں کو پناہ بھی دے رکھی ہے۔ اس بنا پر وہ خدا اور رسولؐ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے

بے گناہ خلیفۃ المسلمین کو قتل کیا، معصوم خون کو حلال جان کر بہایا، جس مال کا لینا انہیں جائز نہ تھا اس کو لوٹا، حرم محترم نبوی کی بے عزتی کی، ماہ مقدس کی توہین کی، لوگوں کی آبرو ریزی کی، مسلمانوں کو بے گناہ مارا پیٹا، اور ان لوگوں کے گھروں میں زبردستی آ پڑے جو ان کو ٹھہرانے کے روادار نہ تھے۔ نقصان دہ ہے نفع رساں نہیں۔ نیک دل مسلمانوں میں نہ ان سے بچنے کی قدرت ہے اور نہ وہ ان کے ہاتھوں مامون ہیں۔ میں مسلمانوں کو لے کر لوگوں کو یہ بتانے نکلی ہوں کہ عام مسلمانوں کو جنہیں میں پیچھے چھوڑ آئی ہوں، ان سے کیا نقصان پہنچ رہا ہے اور یہ کن کن جرائم کے مرتکب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

لا خیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروف او اصلاح بین الناس

(یعنی ان کی سرگوشی میں کوئی زیادہ فائدہ نہیں لیکن یہ کہ خیرات یا عام نیکی یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرائیں) ہم اصلاح کی دعوت لے کر کھڑے ہوئے ہیں جس کا خدا اور رسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے ہیں۔"

امیر بصرہ کے قاصدوں کا حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس آنا۔

حضرت عائشہؓ سے رخصت ہو کر یہ لوگ حضرت طلحہؓ کے پاس گئے اور پوچھا کہ آپ کے آنے کی غرض و غایت کیا ہے؟"

انہوں نے جواب دیا:

"عثمانؓ کے قصاص کا مطالبہ!"

والی بصرہ کے قاصدوں نے پوچھا:

"کیا آپ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی؟"

انہوں نے جواب دیا:

"ہاں لیکن تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی۔"

حضرت طلحہؓ کے پاس سے اٹھ کر یہ دونوں حضرت زبیرؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے بھی ان کو وہی جواب دیا جو حضرت طلحہؓ نے دیا تھا۔

تمام حالات سے اطلاع پاکر یہ دونوں قاصد عثمان بن حنیف کے پاس واپس آگئے اور جو کچھ سنا تھا اُسے بتا دیا۔

---

(۷)

اہلِ بصرہ میں اختلاف

عاملِ بصرہ کی طرف سے مقابلہ کا عزم :-

جب حضرت عائشہ رضؓ کا لشکر بصرہ کے قریب پہنچا تو وہاں کے عامل عثمان بن حنیف نے اس نازک صورتِ حال کے متعلق لوگوں سے مشورہ لیا۔ بعض لوگوں نے رائے دی کہ ان کا مقابلہ کیا جائے۔ بعض نے کہا بہتر یہ ہے کہ ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اس طرح فتنہ بڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔ لیکن عثمان نے کہا کہ "میں ان کو بصرہ میں داخل ہونے سے اس وقت تک روکے رکھوں گا جب تک کہ امیر المومنین یہاں نہیں پہنچ جاتے"۔

عاملِ بصرہ کی تقریر :-

اس نے مسجد میں ایک تقریر بھی کی جس میں کہا

"اے لوگو! تم نے اللہ کی بیعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا وہ اپنا نقصان آپ کرے گا لیکن جو شخص اللہ سے اپنے کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم دے گا۔ خدا کی قسم اگر علیؓ کے علاوہ اور کوئی شخص خلافت کا حقدار ہوتا تو علیؓ کبھی خلافت قبول نہ کرتے۔ اگر لوگ علیؓ کے علاوہ کسی اور شخص کی بیعت کر لیتے تو علیؓ کو بھی اس کی بیعت میں کوئی عذر نہ ہوتا، وہ نئے خلیفہ کی پورے طور پر اطاعت کرتے۔ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے کوئی پرخاش نہیں۔ ان دونوں (حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ) نے علیؓ کی بیعت کی تھی لیکن اس سے ان کی غرض خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنا نہ تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کی بجائے بندوں سے ثواب حاصل کرنا چاہا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بیعت مجبوری کی حالت میں کی تھی۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کدھر ہیں — جدھر عامۃ المسلمین ہیں اُدھر ہی ہدایت ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عامۃ المسلمین نے علیؓ کی بیعت کر لی ہے۔ کیا اب بھی حق کے بارے میں کوئی شک شبہ باقی رہا ہے؟"

حکیم بن جبلہ کی تقریر :۔

عثمان بن حنیف کے بعد حکیم بن جبلۃ العبدی کھڑا ہوا اور کہنے لگا :

"اگر یہ لوگ بصرہ میں داخل ہوئے تو ہم ان سے لڑیں گے۔ اگر سارے لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں تو میں ان سے اکیلا لڑوں گا۔ مجھے حق و انصاف کے راستہ میں کسی روک کی پروا نہ ہو گی۔ جو شخص ان لوگوں سے لڑائی کرتے ہوئے مارا جائے گا وہ یقیناً شہادت کا درجہ حاصل کرے گا۔"

اہلِ بصرہ میں اختلاف :۔

تاہم تمام اہلِ بصرہ متفقہ طور پر عثمان بن حنیف کے ساتھ نہیں تھے۔ بعض کہتے تھے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی جس مقصد کے لئے کھڑے ہوئے ہیں وہ بالکل درست ہے۔ بعض کہتے تھے نہیں خواہ کچھ بھی ہو حضرت علیؓ کی بیعت پر قائم رہنا چاہیئے۔ اس طرح اہلِ بصرہ میں آپس میں

اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض اشخاص حضرت عائشہؓ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ وہ شہر میں ضرور داخل ہوں ــــ ان کے مقابلہ میں ایک جماعت امیر المومنین حضرت علیؓ کے مقرر کردہ عامل کے ساتھ بایں عزم کھڑی ہو گئی کہ حضرت عائشہؓ کے لشکر کو شہر میں داخل ہونے سے بہر حال روکا جائے گا خواہ اس غرض کے لئے تلوار چلانا اور جنگ کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔

عامل بصرہ کا مقابلہ کے لئے نکلنا:۔

بہر کیف عثمان بن حنیف اپنے ساتھیوں کو لے کر بصرہ سے باہر نکلا اور مقام مربد کے بائیں جانب قیام کیا۔ حضرت عائشہؓ بھی اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھیں اور مربد کے دائیں جانب قیام فرمایا۔ جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے تو حضرت طلحہؓ آگے بڑھے اور دونوں فوجوں کے درمیان میں کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ ان کے فضائل بیان کئے، ان کی مظلومیت کے واقعات دہرائے اس کے بعد لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔ حضرت طلحہؓ کے بعد حضرت زبیرؓ کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر کی جس قسم کی حضرت طلحہؓ نے کی تھی۔ جب یہ دونوں اپنی تقریریں ختم کر چکے تو دائیں طرف سے ان کے ساتھیوں نے پکار کر کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا بالکل درست اور سچ کہا لیکن بائیں طرف سے ان کے مخالفین کی آوازیں آئیں کہ جو کچھ کہا بالکل غلط کہا۔ آپ لوگوں نے پہلے حضرت علیؓ کی بیعت کی اور پھر اس کو توڑ کر ان کے خلاف محاذ قائم کر لیا۔

اس طرح ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے شور و غل مچنے لگا۔ آخر ام المومنین حضرت عائشہؓ کھڑی ہوئیں۔ آپ کی آواز کافی بلند تھی۔ آپ نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کو کہا۔ جب ہر طرف خاموشی چھا گئی تو آپ نے حمد و ثنا کے بعد یہ تقریر کی۔

حضرت عائشہؓ کی تقریر:۔

"لوگ عثمانؓ پر اعتراض اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں کیا کرتے تھے۔ وہ مدینہ آ کر ہم سے صلاح و مشورہ کرتے تھے۔ حضرت عثمانؓ کی نسبت جب ہم ان لوگوں کی

شکایتوں پر غور کرتے تھے تو انہیں بے گناہ، پرہیزگار، راست گفتار اور ان ہنگامہ کاروں کو گنہگار، غدار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ اور تھا اور زبان پر کچھ اور۔ جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمانؓ کے گھر میں گھس گئے اور جس خون کا بہانا جائز نہ تھا اس کو بہایا۔ جس مال کا لینا درست نہ تھا اس کو لوٹا۔ جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی۔

وہ کام جو ہمیں اب کرنا ہے، جس کے خلاف ہمارا ہر قدم ناجائز ہوگا وہ عثمانؓ کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلام الٰہی کے احکام کی مضبوطی سے اجراء ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولیٰ فریق منھم وھم معرضون

(یعنی کیا تم ان کو نہیں دیکھتے جن کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا کہ کتابِ الٰہی کی طرف ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ فیصلہ کرے۔ پھر یہ حال ہے کہ ان کا ایک فرقہ اعراضانہ اس سے منحرف ہوتا ہے)

عامل بصرہ کے بعض ساتھیوں کا حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو سمجھانا:۔

جب لوگوں نے حضرت عائشہؓ کی یہ تقریر سنی تو عثمان بن حنیف کے ساتھی دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصے نے کھلم کھلا حضرت عائشہؓ کی طرفداری شروع کر دی، دوسرا حصہ بدستور مخالف رہا۔ آخر ان دونوں فریقوں میں باہم تکرار شروع ہو گئی جس کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ پیچھے ہٹ آئیں اور اپنی فوج کو بھی پیچھے ہٹا لیا۔ عثمان بن حنیف کی فوج کا وہ حصہ جو حضرت عائشہؓ کی تقریر سن کر ان کا حامی بن گیا تھا تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ کے لشکر سے آملا۔ عثمان کے بعض حامی بھی حضرت عائشہؓ کو سمجھانے بجھانے کے لئے آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک شخص جاریہ بن قدامۃ العبدی تھا اس نے آکر حضرت عائشہؓ سے کہا:

"ام المومنینؓ! خدا کی قسم عثمانؓ کی شہادت اس سے بہت کمتر ہے کہ آپ جیسی شخصیت مسلمانوں سے لڑنے اپنے گھر سے نکلے۔ آپ نے اس پردہ کو جو خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے بنایا تھا ہٹا دیا۔

اور اس حرمت کو جو خدا تعالیٰ نے آپ کے لئے مقرر کی تھی توڑ دیا۔ آپ یہ تو سوچئے کہ جو شخص آپ سے لڑنے کا ارادہ کرے گا وہ ضرور آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے گا۔ آپ ان تمام باتوں پر غور کیجئے اگر آپ اپنی مرضی سے اس لشکر کے ساتھ آئی ہیں تو اب آپ کے لئے یہ بہتر ہے کہ واپس مدینہ تشریف لے جائیں اور اگر ان لوگوں نے آپ پر جبر کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے تو اس کے خلاف آپ لوگوں سے مدد طلب کیجئے میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔"

بنی سعد کا ایک نوجوان حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے پاس آیا اور اُن سے پوچھا:

"اے زبیرؓ! تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری تھے اور اے طلحہؓ! تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیروں کی بوچھاڑ کو اپنے ہاتھ پر روکا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ام المومنینؓ تمہارے ساتھ ہیں کیا تم اپنی عورتوں کو بھی اپنے ساتھ لائے ہو؟"

ان دونوں نے جواب دیا:

"نہیں!"

اس پر اس شخص نے کہا:

"بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنی عورتوں کی تو حفاظت کی لیکن اپنی ماں (حضرت عائشہؓ) کو میدانِ جنگ میں تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور ان کی عزت و حرمت کا کوئی خیال نہ کیا۔ کیا یہی انصاف ہے؟"

---

(۸)

بصرہ کی فتح

والیٔ بصرہ کی طرف سے لڑائی کا آغاز:۔

جب اس طور پر دونوں فریقوں میں جوش پیدا ہو گیا اور دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور غصہ کے جذبات بھر گئے تو بعض شر پسندوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور عامۃ المسلمین کو بھڑکا کر جنگ کی بھٹی دہکا دی۔ لڑائی عثمان بن حنیف والیٔ بصرہ کے ساتھیوں کی طرف سے شروع ہوئی۔ ان میں سب سے پیش پیش حکیم ابن جبلہ تھا۔ اسی نے حملہ کی ابتدا کی اور حضرت عائشہؓ کی فوج پر تیروں کی بارش شروع کر دی حضرت عائشہؓ کے ساتھیوں نے صرف مدافعانہ پہلو اختیار کیا اور حکیم کے دستے کے حملوں کو روکتے رہے۔ انھوں نے اپنی طرف سے کوئی پہل نہ کی۔ جب رات آ گئی تو دونوں فوجیں علیحدہ علیحدہ ہو گئیں اور دوسرے دن کی لڑائی کے لئے تیاریاں کرنے لگیں۔

دوسرے دن عثمان بن حنیف اور حکیم بن جبلہ اپنی فوج کو لے کر باہر نکلے۔ حکیم حضرت عائشہؓ کی نسبت

ناشائستہ کلمات کہہ رہا تھا۔ قبیلہ عبدالقیس کے ایک مرد اور ایک عورت نے اس کو ڈکا۔ حکیم نے طیش میں آکر دونوں کو قتل کر ڈالا اور حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ کر دیا۔ حضرت عائشہؓ کی طرف سے برابر اس امر کا اعلان ہوتا رہا کہ جنگ بند کر دی جائے اور صلح کی شرائط طے کر لی جائیں لیکن عثمان اور حکیم لڑائی سے باز نہ آئے۔ دن بھر جنگ ہوتی رہی جس میں حضرت عائشہؓ کا پلہ بھاری رہا اور عثمان کی فوج کے کثیر آدمی مقتول ہوئے۔ جب سورج چھپ گیا تو لڑائی بند ہوئی۔

لڑائی کا اختتام اور فریقین کے درمیان شرائطِ صلح:۔

حضرت عائشہؓ کی جانب سے اس وقت بھی صلح کی پیش کش کی گئی جس کو عثمان نے قبول کر لیا۔ یہ طے پایا کہ عثمان ایک قاصد مدینہ بھیجے گا جو وہاں کے لوگوں سے تمام حالات دریافت کرے گا۔ اگر یہ ثابت ہو گیا کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو حضرت علیؓ کی بیعت کرنے پر زبردستی مجبور کیا گیا تھا تو عثمان ان سے کوئی تعرض نہیں کرے گا اور بصرہ ان کے حوالے کر کے خود وہاں سے نکل جائے گا۔ لیکن اگر یہ پتہ چلا کہ ان دونوں نے اپنی مرضی سے حضرت علیؓ کی بیعت کی تھی تب انہیں بصرہ چھوڑ کر جانا ہوگا۔

شرائطِ صلح کے مطابق قاضی بصرہ کا مدینہ پہنچنا:۔

اس معاہدہ کے بموجب قاضئ بصرہ کعب بن سور مدینہ روانہ ہوئے۔ آپ جمعہ کے روز وہاں پہنچے اور سیدھے مسجد نبوی میں گئے۔ انہوں نے مسجد میں داخل ہو کر باآوازِ بلند لوگوں سے خطاب کیا:

"اے اہلِ مدینہ! میں بصرہ کے لوگوں کی جانب سے تمہاری طرف سفیر ہو کر آیا ہوں اور تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا طلحہؓ اور زبیرؓ کو زبردستی حضرت علیؓ کی بیعت پر مجبور کیا گیا تھا یا ان دونوں نے اپنی خوشی سے بیعت کی تھی؟"

یہ سن کر تمام حاضرین چپ رہے صرف حضرت اسامہؓ بن زید اٹھے اور انہوں نے کہا:

"ان دونوں کو زبردستی بیعت کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔"

ان کا یہ کہنا تھا کہ سہل بن حنیف اسامہؓ پر ٹوٹ پڑے۔ دیگر صحابہؓ کو یہ خدشہ پیدا ہوا کہ کہیں سہل اسامہؓ کو قتل نہ کر دیں۔ وہ اسامہؓ کی مدد کے لئے اٹھے۔ حضرت صہیبؓ بن سنان، حضرت ابوایوبؓ بن زید اور

حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے اُٹھ کر اسامہؓ کے قول کی تصدیق کی اور انہیں سہل کے ہاتھوں سے بچایا۔ کعب بن سور نے واپس بصرہ آکر تمام حالات سے عثمان کو اطلاع دے دی۔

اس تمام قصہ میں یہ بات سب سے عجیب ہے کہ والی بصرہ کا سفیر دارالخلافہ میں آتا ہے جو حضرت علیؓ کے حامیوں اور مددگاروں سے بھرا ہوا ہے لیکن کسی شخص کو اس وقت تک اس کے آنے کا پتہ نہیں چلتا، جب تک کہ وہ مسجدِ نبوی میں داخل نہیں ہو جاتا۔ نہ کوئی شخص لسے اس بات ہی پر ٹوکتا ہے کہ ایسے اہم معاملہ میں خلیفہ سے مشورہ لئے بغیر اسے مجمع سے خطاب کرنے کا کیا حق حاصل ہے۔ نہ حضرت علیؓ ہی اسے اپنے پاس بُلاتے ہیں۔ پھر ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بصرہ کے عامل کو اس بات کا قطعاً احساس نہیں ہوتا کہ وہ خلیفۃ المسلمینؓ کو ان تمام حالات کی اطلاع دے جو اس کے شہر میں پیدا ہو چکے تھے حالانکہ یہ اتنے اہم واقعات تھے کہ ان کے متعلق خلیفہ کو اطلاع دینا والی کا سب سے پہلا کام تھا۔ ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ وہ حکیم بن جبلہ کو حضرت عائشہؓ کی فوج سے لڑنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ حالانکہ اس کا فرض تھا کہ جب تک اس امر کے متعلق خلیفہ کا کوئی واضح حکم نہ آجاتا وہ لڑائی سے باز رہتا جبکہ خود حضرت عائشہؓ بھی لڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

شرائطِ صلح پر حضرت علیؓ کی ناراضگی:۔

جب حضرت علیؓ کو عثمان بن حنیف کے اس معاہدہ کا پتہ چلا جو اس نے حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے کیا تھا تو آپ کو بے حد غصہ آیا اور آپ نے اسے لکھا:

"اگر طلحہؓ اور زبیرؓ پر جبر بھی کیا گیا تھا تو یہ جبر مسلمانوں کو متحد کرنے کے لئے تھا نہ کہ متفرق کرنے کے لئے۔ اگر ان کا ارادہ بیعت توڑنے کا ہے تو ان کا کوئی عذر نہ سُنا جائے اور اگر اس کے علاوہ ان کا کچھ اور مقصد ہے تو اس پر غور و فکر کیا جا سکتا ہے اور ان سے گفتگو کی جا سکتی ہے۔"

والیٔ بصرہ کا شہر خالی کرنے سے انکار کرنا:

والیٔ بصرہ کے نام حضرت علیؓ کا خط اور کعب بن سور قاضیٔ بصرہ، دونوں بصرہ ساتھ ساتھ پہنچے طلحہؓ اور زبیرؓ نے عثمان بن حنیف پر زور دیا کہ وہ حسبِ معاہدہ شہر خالی کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا، اور

حضرت علیؓ کا خط پیش کر کے کہا کہ اس پہلو کی طرف ہماری نظر نہیں گئی تھی۔ میں شہر خالی نہیں کر سکتا۔

والیٔ بصرہ کی گرفتاری:۔

اس پر رات کو حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے آدمیوں نے عثمان بن حنیف کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور گھر میں داخل ہو کر اسے قید کر لیا۔ لیکن حضرت عائشہؓ نے حکم دیا کہ اسے چھوڑ دیا جائے اور اجازت دی جائے کہ وہ جہاں چاہے چلا جائے۔ چنانچہ آپ کے حکم کے تعمیل میں اسے رہا کر دیا گیا اور وہ مدینہ چلا گیا۔

بصرہ کی فتح:۔

عثمان کے ساتھیوں کو جب اس واقعہ کا پتہ چلا تو انہوں نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان کا سردار حکیم بن جبلہ تھا۔ یہ شخص اور اس کے ساتھی اس فتنہ میں شریک تھے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف برپا کیا گیا تھا۔ ان کو پتہ تھا کہ اگر انہوں نے حضرت عائشہؓ کے لشکر کو نہ روکا تو وہ ضرور حضرت عثمانؓ کے قصاص میں قتل کر دیئے جائیں گے۔ چنانچہ وہ جی توڑ کر لڑے لیکن شکست کھائی۔ حضرت عائشہؓ کے لشکر نے ان لوگوں کو خصوصیت سے اپنی تلواروں کا نشانہ بنایا جو حضرت عثمانؓ کے خلاف سازش میں شریک تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سوائے ایک شخص حرقوص بن زہیر کے جسے اس کے قبیلہ نے پناہ دے دی تھی اور کوئی شخص بھی بچ کر نہ جا سکا۔

جب لڑائی ختم ہو گئی تو چن چن کر ایسے لوگوں کو لایا گیا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل یا آپ کے خلاف سازش میں حصہ لیا تھا۔ اور اُن کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ آخری معرکہ ۲۴ ربیع الثانی ۳۶ھ کو پیش آیا۔

جب بصرہ فتح ہو گیا تو حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے اہلِ شام کو ایک خط لکھا جس میں بصرہ کے تمام حالات درج کئے اس خط میں لکھا تھا:

اہلِ شام کے نام حضرت عائشہؓ کا مکتوب:۔

"اما بعد ہم تمہیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کی یاد دلاتے ہیں۔ کتابِ الٰہی کو اس کے احکام کے

اجزاء سے قائم رکھو۔ خدا سے ڈرو اور اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ اس کی کتاب کا ساتھ نہ چھوڑو۔ ہم نے بصرہ آ کر بصرہ کے لوگوں کو کتابِ الٰہی کی اقامت کی دعوت دی صلحائے امت نے ہماری دعوت قبول کر لی لیکن شریروں اور مفسدوں نے ہماری مخالفت کی۔ انہوں نے تلوار سے ہمارا مقابلہ کیا اور کہا کہ ہم تمہیں بھی عثمانؓ کے ساتھ روانہ کر دیتے ہیں دشمنی اور عداوت سے انہوں نے ہمیں کافر بنایا۔ ہماری نسبت نازیبا باتیں کہیں۔ ہم نے ان کو قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ کر سنائی:

الم تر الی الذین اوتوا نصیباً من الکتاب یدعون الی کتاب اللہ لیحکم بینھم ثم یتولی فریق منھم وھم معرضون۔

(یعنی کیا تم نہیں دیکھتے ان لوگوں کو جنہیں کتاب الٰہی کا ایک حصہ دیا گیا۔ ان کو کتاب اللہ کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے لیکن پھر ان میں سے ایک فریق اس سے منہ موڑ لیتا ہے اور وہ اعراض کرتے ہیں)

بہرحال کچھ لوگوں نے ہماری اطاعت قبول کر لی اور بعض نے اختلاف کیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر تلواریں چلائیں۔ بصرہ کے والی عثمان بن حنیف نے انہیں قسم دی کہ وہ ہم سے لڑیں لیکن خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے ذریعہ ہماری مدد کی ہم نے چھبیس ۲۶ روز تک ان کو کتاب الٰہی کے احکام کی دعوت دی یعنی یہ کہ مجرموں کے علاوہ دوسرے بے گناہوں کی خون ریزی سے احتراز کیا جائے۔ انہوں نے ہمارے خلاف دلائل قائم کئے۔ پھر بھی ہم نے صلح کر لی لیکن انہوں نے ازراہِ بدعہدی و خیانت فوج جمع کی خدا نے عثمانؓ کے قصاص کا سامان کر دیا اور ایک شخص حرقوص بن زہیر کے سوا ان مفسدین اور شورش پسندوں میں سے اور کوئی نہیں بچا۔ خدا تعالیٰ نے قیس، باب اور ازد کے قبیلوں کے ذریعہ ہماری اعانت فرمائی۔ دیکھو! عثمانؓ کے قاتلوں کے سوا جب تک خدا ان سے اپنا حق نہ لے اوروں سے اچھی طرح پیش آؤ لیکن ان خیانت کاروں کی طرف داری نہ کرنا۔ نہ ان کی حفاظت کرنا، نہ ان لوگوں سے جو سزائے الٰہی کے مستوجب ہیں، رضامندی ظاہر کرنا کہ ایسا نہ ہو تمہارا شمار بھی انہی ظالموں میں ہو جائے۔"

اسی طرح کے خطوط اہلِ کوفہ، اہلِ یمامہ اور اہلِ مدینہ کے نام بھی لکھے گئے۔

جب ہم ان واقعات کو پڑھتے ہیں تو ہمارے لیے سوائے افسوس کے اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔ وہ لوگ جو حضرت عثمان رض کے قصاص کا دعویٰ لے کر اٹھے تھے خواہ وہ بنی امیہ تھے یا دوسرے قبائل کے لوگ اور جن میں طلحہ رض اور زبیر رض بھی شامل تھے، یہ چاہتے تھے کہ ہر وہ شخص جو حضرت عثمان رض کے خلاف بغاوت کرنے والے مفسدین کے ساتھ مدینہ میں آیا تھا واجب القتل ہے۔ چنانچہ اس کا عملی تجربہ انہوں نے بصرہ میں کیا۔ گویا وہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رض کے خون کے بدلے تین ہزار اہل قبلہ کا خون بہائیں۔ اگر ان لوگوں میں اُن مدینہ والوں، ان کے غلاموں اور دیگر بدوی لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جنہوں نے قاتلینِ عثمان رض اور مفسدین کے ساتھ مل کر حضرت عثمان رض کے خلاف بغاوت کی تھی، تو ایسے لوگوں کی تعداد دس ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رض، حضرت طلحہ رض و زبیر رض یہ چاہتے تھے کہ ان سب لوگوں کو قتل کیا جائے لیکن ان کا یہ خیال خداوند تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت کے قطعاً مخالف تھا۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیه سلطانا فلا یسرف فی القتل

(یعنی جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے ہم اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دیتے ہیں لیکن وہ قصاص لیتے وقت قتل میں شدت اختیار نہ کرے)

لیکن یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ یقیناً اسراف فی القتل تھا جس کی اللہ تعالیٰ کبھی اجازت نہیں دیتا۔ ان باتوں کے علاوہ سب سے بڑا نقصان جو امتِ محمدیہ کو پہنچ رہا تھا، یہ تھا کہ اس طرح مسلمانوں کے درمیان خانہ جنگی پھیل گئی تھی اور وہ لوگ جو کبھی اپنی تلواروں کو دشمنانِ اسلام کے خلاف استعمال کرتے تھے اب اپنے ہی بھائیوں کو قتل کرنے کے لئے استعمال کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے لئے جو حضرت عثمان رض کے انتقام کا نام لے کر حضرت علی رض کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے تھے، ہرگز یہ مناسب نہیں تھا کہ وہ خلیفۂ وقت کا مقابلہ کرتے، امتِ محمدیہ کو پارہ پارہ کرتے اور ایسا فتنہ پھیلاتے جس کے متعلق ہر شخص جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ بدامنی اور افتراقِ امت کی صورت میں نکلے گا۔

---

(۹)

صلح کی کوششیں

حضرت علیؓ کو شام آنے سے روکنے کے لئے حضرت معاویہؓ کی تدبیر:-

حضرت علیؓ نے سب سے پہلے شام جانے کا ارادہ کیا تھا تاکہ حضرت معاویہؓ کو بیعت پر مجبور کیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کو حضرت علیؓ کے اس ارادہ کا پتہ اپنے ان جاسوسوں کے ذریعہ چل گیا جو مدینہ میں اس لئے مامور تھے کہ وہ یہاں کے واقعات سے حضرت معاویہؓ کو خفیہ طور پر اطلاع دیتے رہیں۔ انہوں نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کیں جن سے حضرت علیؓ کی توجہ ان سے ہٹ جائے اور وہ شام میں داخل نہ ہو سکیں۔ چنانچہ خطوط بھیج کر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو حضرت علیؓ کے خلاف ابھارنا شروع کیا۔ انہیں خلافت اور ملک کا لالچ دیا اور ان سے وعدہ کر لیا کہ شام ان کی بیعت کر لے گا۔ چنانچہ وہ دونوں ام المومنینؓ کو لے کر بصرہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

ان تمام واقعات کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔

حضرت علیؓ کا مدینہ سے چل کر ربذہ میں قیام :-

جب حضرت علیؓ کو پتہ چلا کہ حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے بصرہ کا قصد کیا ہے تو انہوں نے شام کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور پہلے اس جدید انتشار کو دور کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ حضرت عائشہؓ کی فوج کے بصرہ پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس کے مقابلہ پر پہنچ جائیں لیکن جب آپ 'ربذہ' پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ بصرہ پر حضرت عائشہؓ کا قبضہ ہو چکا ہے اور اب ان کی فوج نے کوفہ کا قصد کیا ہے۔ یہ خبر سُن کر آپ بہت خوش ہوئے کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ اہلِ کوفہ کو اُن سے بہت محبت اور تعلق ہے۔ آپ نے اہالیانِ کوفہ کے نام ایک خط لکھا۔

اہالیانِ کوفہ کے نام حضرت علیؓ کا خط :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! میں نے تمہیں منتخب کیا ہے اور میں تم ہی میں آ کر اتروں گا۔ کیونکہ تم خدا تعالیٰ، اس کے رسولؐ اور مجھ سے محبت رکھتے ہو۔ جو شخص میری مدد کرے گا وہ حق و صداقت کی پیروی کرے گا اور اس ذمہ داری کو پورا کرے گا جو اس کے سر ہے۔"

حضرت علیؓ کا اپنے سفیروں کو کوفہ کی جانب روانہ کرنا :-

ساتھ ہی امیر المومنینؓ نے یہ بھی ارادہ کیا کہ وہ چند قابلِ اعتماد آدمیوں کو کوفہ بھیجیں تاکہ ان کے ذریعہ پتہ لگ سکے کہ کوفہ والوں کا موقف کیا ہے۔ چنانچہ آپ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن عوف کو اس غرض کے لئے بھیجا اور خود 'ربذہ' میں مقیم رہ کر لڑائی کی تیاری کرتے رہے۔ مدینہ بھی کہلا کر بھیجا کہ جو شخص ہم سے آ کر ملنا چاہے وہ آ جائے۔ اس طرح کئی ہزار کی جمعیت آپ کے گرد اکٹھی ہو گئی۔ ایک دن آپ کھڑے ہوئے اور مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:

فوج کے سامنے حضرت علیؓ کی تقریر :-

"بے شک ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے، ہمارا مرتبہ بلند کیا ہے، ہمیں

ذلت، قلت، نفرت و حقارت اور دوری کے بعد بھائی بھائی بنا یا ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا لوگ اسی راستہ پر چلتے رہے۔ اسلام ان کا دین تھا۔ حق ان کے درمیان تھا اور کتاب اللہ ان کی رہبر تھی۔ یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ ان مفسدہ پرداز لوگوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے جن کو شیطان نے اس لیے منتخب کیا تھا کہ ان کے ذریعہ امت میں تفرقہ انگیزی پیدا ہو جائے۔ ضروری ہے کہ اس امت میں اسی طرح تفرقہ پھیلے جس طرح پہلی امتوں میں پھیلا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے آئندہ ہونے والے شر کے لئے پناہ مانگتے ہیں لیکن جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ جو کچھ ہوا وہ تم نے دیکھ لیا اس لئے تم اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہدایت کو اختیار کرو۔ آپ کی سنت کی پیروی کرو، جہاں کہیں تمہیں کوئی مشکل پیش آئے اس کا حل قرآن کریم میں تلاش کرو۔ جو چیز قرآن کریم سے معلوم ہو اسے اختیار کرو اور جس چیز سے قرآن کریم انکار کرتا ہو اس کو رد کر دو۔ اللہ تعالیٰ کے پروردگار، اسلام کے سچے دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی اور قرآن کریم کے حکم و امام ہونے پر راضی رہو۔"

یہ خطبہ دینے کے بعد آپ اپنی فوج کو لے کر آگے بڑھے اور مقام "ذی قار" میں پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں آپ کو عامل بصرہ عثمان بن حنیف ملا اور ان تمام واقعات سے آگاہ کیا جو بصرہ میں پیش آئے تھے۔

اہلِ کوفہ کی حمایت حاصل کرنے میں حضرت علیؓ کے قاصدوں کی ناکامی:۔

حضرت علیؓ کے دونوں قاصد کوفہ پہنچے اور عاملِ کوفہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی خدمت میں پہنچ کر حضرت علیؓ کا خط انہیں دیا۔ وہ دوسرے لوگوں سے بھی مل کر انہیں حضرت علیؓ کی حمایت پر کمربستہ کرتے رہے۔ آخر شہر کے چند معززین حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ باہر نکلنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوموسیٰ اشعریؓ نے جواب دیا کہ یہ ایک فتنہ ہے جس سے بالکل الگ رہنا چاہئے۔ اس میں سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی اس رائے سے ان معززین نے پورا اتفاق کیا اور کوئی شخص باہر نکل کر حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس پر حضرت علیؓ کے قاصدوں کو بہت طیش آیا اور

انہوں نے حضرت ابو موسیٰؓ کو بہت کچھ سخت سست کہا جس پر انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم حضرت عثمانؓ کی بیعت کا طوق میری گردن میں ہے۔ حضرت علیؓ بھی ان کی بیعت کر چکے تھے اگر لڑنا ضروری ہی ہے تو ہم اس وقت تک کسی سے نہیں لڑیں گے جب تک تمام قاتلین عثمانؓ سے خواہ وہ کہیں ہوں انتقام نہ لے لیں۔"

حضرت علیؓ کا دوبارہ اپنے قاصدوں کو کوفہ روانہ کرنا:۔

محمد بن ابی بکر اور محمد بن عون کوفہ والوں سے ناامید ہو کر مقام 'ذی قار' میں حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور تمام حالات سے ان کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے حضرت ابن عباسؓ اور اشتر کو کوفہ بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ان کی مدد پر آمادہ کر سکیں لیکن وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر آپ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت عمارؓ بن یاسر کو بھیجا۔ یہ دونوں کوفہ آ کر حضرت ابو موسیٰؓ سے ملے لیکن ابو موسیٰؓ برابر اپنی اس رائے پر قائم رہے کہ جب تک فتنہ دور نہ ہو جائے لڑائی سے اجتناب کرنا اور تلواروں کو میانوں میں ڈالے رکھنا چاہئے۔ اس پر کوفہ کے ایک شخص قعقاع بن عمر نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

کوفہ میں قعقاع کی مؤثر تقریر:۔

"اے اہل کوفہ! ہمارے امیر (ابو موسیٰ اشعریؓ) نے جو کچھ کہا ہے وہ تو ٹھیک ہے لیکن نظامِ حکومت کا باقی رہنا بھی بے حد ضروری ہے۔ اگر نظامِ خلافت کا وجود نہ ہو تو نہ ظالم سے انتقام لیا جا سکتا ہے نہ مظلوم کی مدد کی جا سکتی ہے اور نہ ملکی انتظام برقرار رہ سکتا ہے۔ حضرت علیؓ کو خلیفہ مقرر کیا جا چکا ہے وہ تمہیں صلح کی طرف دعوت دیتے ہیں تمہیں اس دعوت کو قبول کرنا چاہئے۔ ان کی مدد کے لئے چلنا چاہئے اور دل و جان سے ان کی پیروی کرنی چاہئے۔"

قعقاع کے بعد حضرت حسنؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو امیر المومنینؓ کی مدد کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ ہم کل روانہ ہوں گے جو لوگ ہمارے ساتھ چلنا چاہیں وہ چلیں۔ جو لوگ خشکی کے راستے جانا چاہیں وہ خشکی کے راستہ جائیں اور جو دریا کے راستہ جانا چاہیں وہ دریا کے راستے حضرت علیؓ کی فوجوں تک پہنچیں۔

نو ہزار اہلِ کوفہ کا حضرت علیؓ کی مدد کو پہنچنا:۔

چنانچہ آپ کے ساتھ نو ہزار آدمی ہو گئے۔ کچھ لوگ خشکی کے راستہ اور کچھ دریا کے راستے مقام "ذی قار" میں حضرت علیؓ سے جا کر مل گئے۔ حضرت علیؓ نے ان سے فرمایا:

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم اہلِ بصرہ کے مقابلہ میں میرا ساتھ دو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہلِ بصرہ باز آ گئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا لیکن اگر انھوں نے کج لغتیا کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم ان کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اس وقت تک گریز کریں گے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتدا نہ کریں۔ ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے۔"

بصرہ کی جانب سفیر کا روانہ کرنا:۔

امیر المومنینؓ کی یہ رائے ہوئی کہ بصرہ والوں کی جانب ایک سفیر روانہ کیا جائے جو انہیں فتنہ کے نتائج و عواقب سے خبردار کرے اور ان کو دربارِ خلافت کی اطاعت اور اتحاد بین المسلمین کی دعوت دے۔ چنانچہ آپ نے قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ کے معززین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے تھے بلایا اور ان سے کہا:

"طلحہؓ اور زبیرؓ کے پاس جاؤ اور ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ افتراق کی کوششوں کو ترک کر دیں تاکہ مسلمان اکٹھے ہو کر پیار محبت کے ساتھ رہ سکیں۔"

قعقاع نے رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا:

"اگر ان دونوں سے گفتگو کرنے کے دوران میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آ جائے جس کے متعلق میں نے تمہیں کوئی ہدایت نہ دی ہو تو اس موقع پر تم کیا کرو گے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"ہم ان سے انہی معاملات کے متعلق گفتگو کریں گے جن کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ہے لیکن اگر کوئی ایسی بات پیش آ گئی جس کے متعلق آپ کی رائے ہمیں معلوم نہ ہوئی تو ہم اجتہاد سے کام لیں گے اور

وہی بات ان سے کہیں گے جو مناسب اور ضروری ہو گی۔"

حضرت علیؓ کے سفیر کا حضرت عائشہؓ، طلحہؓ و زبیرؓ سے ملنا اور انہیں مصالحت کے لئے آمادہ کرنا۔

حضرت علیؓ نے اس جواب پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور قعقاع بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ بصرہ پہنچ کر وہ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ سے ملے اور ان سے پوچھا:

"آپ کا اس شہر میں آنے کا مقصد کیا ہے؟"

انہوں نے فرمایا:

"میرا یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہے۔"

قعقاع نے درخواست کی کہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی اپنے پاس بلوا لیجئے تاکہ آپ میری اور ان کی باتیں سن سکیں چنانچہ حضرت عائشہؓ نے ان دونوں کو بلا بھیجا جب وہ آئے تو قعقاع نے ان سے کہا:

"میں نے ام المومنینؓ سے پوچھا کہ آپ کا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرا یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔ کیا آپ دونوں کو اس مقصد کے بارے میں ام المومنینؓ سے اتفاق ہے؟"

دونوں نے کہا:

"ہم ام المومنینؓ سے پوری طرح متفق ہیں۔"

قعقاع نے پوچھا:

"مجھے بتائیے کہ اس اصلاح کی کیا صورت ہے تاکہ اگر وہ مناسب ہو تو ہم بھی اس پر عمل کریں۔"

دونوں حضرات نے جواب دیا:

"اصلاح کی صرف یہ صورت ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو قتل کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈال دیا۔ قرآن کا احیاء اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لے لیا جائے۔"

قعقاع نے کہا:

"تم نے بصرہ کے ان لوگوں کو جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا قتل کرنا شروع کیا۔

لیکن اگر تم اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو تمہارا دعویٰ زیادہ مضبوط ہوتا۔ تم نے یہاں کے پانچ سو ننانوے آدمیوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل کے جرم میں قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی تمہارے مخالف ہو گئے اور انہوں نے تمہارا ساتھ چھوڑ دیا۔ تم نے ایک آدمی حرقوص بن زہیر، کو جس پر تمہارا قابو نہ چل سکا تھا گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن چھ ہزار آدمی اس کی حمایت میں تمہاری مزاحمت کے لئے کھڑے ہو گئے جس پر مجبور ہو کر تمہیں اس کی گرفتاری اور قتل کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ کیا تمہارا اسے چھوڑنا تمہارے قول کے مطابق قرآن کو ترک کرنا نہیں ہے؟ کیا تم نے اسے چھوڑ کر خود بخود اپنے اس دعویٰ کو ترک نہیں کر دیا جو تم لے کر کھڑے ہوئے ہو؟ اگر تم اس ایک آدمی کے لئے ان سے لڑتے ہو تو وہ یقیناً تم پر غالب آ جائیں گے اور اس چیز سے تم بچنا چاہتے ہو۔"

قعقاع کی یہ تقریر سن کر حضرت عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ نے پوچھا:

"تب اس فتنہ کا سدِ باب کس طرح کیا جائے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"اس فتنہ کے سدِ باب کی صرف یہ صورت ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ جب سکون پیدا ہو جائے گا تو ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر تم حضرت علیؓ کی بیعت کر لو تو یہ امت کی بہتری، اس کی عافیت اور سلامتی کے لئے ایک نیک فال ہو گی اور اس طرح حضرت عثمانؓ کا قصاص بھی لیا جا سکے گا۔ لیکن اگر تم نے بیعت سے انکار کیا اور اپنے مطالبہ پر اڑے رہے تو یہ نہ صرف امت کی بدبختی کا موجب ہو گا بلکہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لینا بھی ناممکن ہو جائے گا اس لئے آپ وہ راستہ اختیار کیجئے جس میں امت کی بھلائی اور عافیت ہو اور ایسی روش اختیار کیجئے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں اور نہ آپ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو امت تباہ ہو جائے گی۔"

قعقاع کی یہ بات ان تینوں کے دل کو لگی اور انہوں نے اس سے پورا اتفاق کیا —— انہوں نے کہا:

"آپ کی باتیں مناسب اور درست ہیں اگر حضرت علیؓ کی بھی یہی رائے ہے جو آپ کی ہے تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے اور مصالحت بڑی آسانی سے ہو جائے گی۔"

حضرت علیؓ کا اپنی فوج کو بصرہ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دینا:۔

قعقاع واپس حضرت علیؓ کے پاس آئے اور سارا ماجرا انہیں سنایا۔ حضرت علیؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے کہ اب مصالحت کی راہ آسان ہو گئی۔ آپ نے تمام فوج کو جمع کیا اور ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"میں کل بصرہ کی جانب کوچ کر رہا ہوں۔ تم سب میرے ساتھ چلو۔ لیکن جن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی قسم کا بھی حصہ لیا ہے انہیں چلنے کی ضرورت نہیں۔"

اس طرح جنگ کے وہ بادل جو کئی مہینے سے افقِ عرب پر چھائے ہوئے تھے چھٹنے شروع ہو گئے۔ قبائلِ بصرہ کے کئی وفود کوفہ کے قبائل کے پاس آئے اور ان کو یقین دلایا کہ وہ ان کے خلاف جنگ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔

مصالحت کی خبروں سے قاتلینِ عثمانؓ میں گھبراہٹ:۔

اس موقع پر صرف ایک گروہ ایسا تھا جس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا تھا یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور ان کو شہید کر دیا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ اعلان کیا کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ نہ چلیں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے قتل میں کسی قسم کا بھی حصہ لیا ہے تو وہ بڑے گھبرائے ان کو معلوم تھا کہ اگر حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان صلح ہو گئی تو ان کی خیر نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ جن میں عبداللہ بن سبا، ابنِ سوداء، اشتر وغیرہ شامل تھے ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کیا جائے۔ ابنِ سبا نے کہا کہ اگر مسلمانوں میں باہم صلح ہو گئی تو یہ صلح ہمارے لئے موت کا پروانہ ہوگی۔ بعض لوگوں نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ کو شہید کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن دوسروں نے کہا کہ اس سے زیادہ بے وقوفی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تمام عالمِ اسلامی کے مسلمان ہمارے خلاف متحد ہو جائیں گے اور ہم میں سے ایک شخص بھی قتل ہونے سے بچ نہیں سکے گا۔

مصالحت کو ناکام بنانے کے لئے قاتلینِ عثمانؓ کی سازش :-

آخر ابن السوداء نے ایک تجویز پیش کی - اس نے کہا :

" ہمارے لئے بہترین طریقِ کار یہ ہے کہ ہم حضرت علیؓ کے لشکر کے ساتھ ساتھ لگے رہیں۔ اگر حضرت علیؓ کی طرف سے اعتراض کیا جائے تو یہ جواب دے دیں کہ ہم آپ کے ساتھ اس لئے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے مصالحت کی گفتگو ناکام ہو جائے تو ہم آپ کے کام آ سکیں۔ جب دونوں فریق ملیں تو ہماری طرف سے اس امر کی پوری کوشش ہونی چاہئے کہ دونوں میں صلح کی بات چیت کامیاب نہ ہونے پائے تاکہ اس طرح جنگ کی صورت پیش آ جائے اور علیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ آپس میں مصروفِ پیکار ہو جائیں۔ اس طرح ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

ابن السوداء کی اس رائے کو سب فتنہ پردازوں نے پسند کیا اور اٹھ کر اپنے اپنے خیموں میں آ گئے۔ دوسرے لوگوں کو پتہ بھی نہ تھا کہ یہ مفسدین کیسا ناپاک کھیل کھیلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

---

(۱۰)

معرکۂ جمل

حضرت علیؓ کی بصرہ کو روانگی :-

امیر المومنین حضرت علیؓ کا لشکر "الطف" کی جانب سے بصرہ کی طرف بڑھا۔ سب سے آگے ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ تھا۔ یہ دستہ انصار کا تھا۔ اس کی قیادت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت ابو ایوبؓ انصاری کر رہے تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار تھے۔ ٹوپی اور سفید کپڑے پہنے ہوئے جھنڈا ہاتھ میں اور تلوار کمر میں حمائل۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ اور تھا جس کی قیادت خزیمہ بن ثابت انصاری کر رہے تھے۔ آپ زرد عمامہ اور سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس دستہ کے بعد ایک ہزار سواروں کا ایک اور دستہ تھا۔ اس کی قیادت عمارؓ بن یاسر کر رہے تھے۔ آپ سیاہ عمامہ اور سفید کپڑوں میں تھے۔ اس دستہ میں کئی مہاجر و انصار صحابہؓ اور ان کے بیٹے شامل تھے۔ اس کے بعد قیس بن سعد بن عبادہ کا دستہ تھا۔ قیس کے بعد عبداللہ بن عباس کا دستہ تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی دستے تھے۔ سب سے آخر میں حضرت علیؓ تھے۔ آپ کے ارد گرد

آپ کے تین بیٹے حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ اور محمدؒ بن الحنفیہ۔ عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب اور بنی ہاشم کے نوجوان تھے۔ ان کے پیچھے وہ صحابہؓ تھے جو بدر کی جنگ میں شامل ہو چکے تھے۔

صلح کی بات چیت کا شروع ہونا:۔

حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی اپنے لشکر کو لے کر بصرہ سے نکلے۔ حضرت علیؓ نے انہیں کہلا کر بھیجا کہ قعقاع کی زبانی جو گفتگو ہوئی ہے اگر آپ لوگ اس پر قائم ہیں تو آئیے اور سب معاملات طے کر لیجئے۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرف سے جواب گیا کہ ہم اس گفتگو پر قائم ہیں۔ چنانچہ دونوں طرف سے سفیر ایک دوسرے کے لشکر میں آنے لگے اور صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ تمام لوگوں کو خیال تھا کہ اب صلح ہونے میں دیر نہیں لگے گی اور تمام معاملات باحسن الوجوہ طے ہو جائیں گے۔

حضرت علیؓ بصرہ کے قریب "زاویہ" کے مقام پر ٹھہرے تھے۔ آپ نے وہاں نمازیں پڑھیں اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مسلمانوں کو ایک دوسرے کا خون بہانے سے محفوظ رکھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو بھی اس بات کی تاکید کر دی کہ وہ اپنی طرف سے ہرگز ہرگز جنگ شروع نہ کریں اور ایک تیر تک نہ چلائیں۔

قاتلینِ عثمانؓ کا حضرت عائشہؓ کی فوج پر حملہ:۔

اس موقعہ پر ان لوگوں میں جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ انہوں نے پہلے ہی سازش کر رکھی تھی۔ جب رات آئی تو ان لوگوں نے حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے لشکر پر بے خبری میں حملہ کر دیا اور لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے آدمیوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور اس طرح دونوں فریقوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ ہر فریق یہی سمجھتا تھا کہ دوسرے فریق نے اس پر زیادتی کی ہے اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر بے خبری میں اس پر حملہ کر دیا ہے۔ اس طرح گو لڑائی کی آگ تو بھڑک اٹھی لیکن اس میں کسی کو شبہ نہیں کہ نہ حضرت علیؓ نے جنگ میں پہل کی اور نہ حضرت عائشہؓ نے، یہ جو کچھ ہوا اُن مفسدہ پرداز لوگوں کی سازش سے ہوا جنہوں نے یہ سمجھ کر کہ اب ان کی خیر نہیں، جنگ کی آگ

کو بھڑکا دیا۔

جنگِ جمل:۔

جب لڑائی شروع ہوئی تو حضرت علیؓ نے اپنا جھنڈا اپنے بیٹے محمدؒ کے حوالے کیا اور ان سے کہا "حملہ کرو!" لیکن انہوں نے کچھ توقف کیا۔ حضرت علیؓ نے پھر کہا "حملہ کرو!" انہوں نے کہا "ابا جان! آپ دیکھتے نہیں دوسری طرف سے بارش کی طرح تیر برس رہے ہیں۔ اس صورت میں حملہ کیسے کیا جا سکتا ہے؟" آپ نے ان کے سینے میں مکا مارا، جھنڈا ان کے ہاتھ سے چھین کے خود آگے بڑھ کر حملہ کیا اور بصرہ کے لشکر کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس کے بعد آپ نے اور محمد کے ہاتھ میں دوبارہ جھنڈا دے کر کہا کہ اب حملہ کرو! انصار تمہارے [illegible] وہ آگے بڑھے اور پے در پے حملے کر کے بصرہ والوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

لڑائی کے دوران میں حضرت علیؓ اپنے لشکر سے آگے بڑھے اور حضرت زبیرؓ کو آواز دے کر بلایا۔ حضرت زبیرؓ اپنے لشکر سے نکلے اور ایک دوسرے سے اتنے قریب [illegible] دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ سے کہا:

"زبیرؓ! بتاؤ تو سہی آخر کس بنا پر میرے مقابلے کے لئے آئے ہو؟"

انہوں نے جواب دیا:

"حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے!"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں قاتلینِ عثمانؓ پر لعنت بھیجتا ہوں لیکن یہ تو بتاؤ کیا تمہیں [illegible] ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے گزرے [illegible] مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ تم علیؓ سے لڑو گے لیکن تمہاری یہ لڑائی حق [illegible]

حضرت زبیرؓ نے جواب دیا:

"واقعی مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول یاد آگیا۔ اگر مجھے یہ واقعہ پہلے یاد آ جاتا تو میں کبھی آپ کے مقابلے کے لئے نہ نکلتا۔"

چنانچہ وہ اپنے لشکر میں لوٹ آئے اور واپسی کا ارادہ کرنے لگے۔ جب اُن کے بیٹے عبداللہؓ بن زبیر کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے آپ کو روکنے کی کوشش کی اور آپ پر بزدلی کا الزام لگایا۔ یہ سُن کر حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے لشکر پر چند بار حملے کئے اور اپنے بیٹے سے کہا "کیا بزدل اسی طرح حملے کیا کرتے ہیں؟" یہ کہا اور لشکر چھوڑ کے باہر نکل آئے اور مکہ کی راہ لی لیکن راستے میں بنی تمیم کے ایک شخص عمرو بن جرموز نے آپ کو شہید کر دیا۔[1]

لڑائی شدت اختیار کرتی چلی گئی۔ اس دوران میں حضرت عائشہؓ اپنے ہودج پر سوار تھیں جسے چاروں طرف سے زرہوں سے ڈھانک دیا گیا تھا۔ صرف اتنی جگہ چھوڑ دی گئی تھی کہ آپ لڑائی کا منظر دیکھ سکتی تھیں۔ اہلِ بصرہ اور بڑے بڑے بہادر لوگ حضرت عائشہؓ کے اونٹ کے چاروں طرف کھڑے آپ کی حفاظت کر رہے تھے کہ کہیں خدانخواستہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچ جائے۔ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کرتے ہوئے کئی آدمی جاں بحق ہو گئے لیکن کسی نے ہٹنے کا نام نہ لیا۔

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ حضرت عائشہؓ کا اونٹ میدانِ جنگ میں کھڑا ہے اور لوگ پروانہ وار اس کے ارد گرد نثار ہو رہے ہیں تو آپ نے سوچا کہ جب تک اونٹ کو درمیان سے نہ ہٹایا جائے گا لڑائی بند نہ ہو سکے گی۔ حضرت عائشہؓ کی حفاظت کے لئے لوگ برابر کٹتے چلے جائیں گے لیکن پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں گے۔ چنانچہ آپ نے اپنے بعض ساتھیوں کو بلایا اور انہیں حکم دیا کہ اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالیں ـــ ان لوگوں نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے حضرت عائشہؓ کے اونٹ کی پشت پر جا کے اس کی کونچیں کاٹ دیں جس سے وہ سینہ کے بل گر پڑا۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کی فوج کے ساتھ تھے اور عمارؓ بن یاسر نے حضرت عائشہؓ کے ہودج کو اونٹ سے الگ کیا اور آپ کو اتار کے میدانِ جنگ سے باہر لے گئے۔

---

[1] بعض مورخین نے حضرت زبیرؓ کی لشکر سے واپسی کے متعلق ایک اور روایت بیان کی ہے لیکن کسی نے بھی آپ کی واپسی کے متعلق اختلاف نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ کی فوج کی پسپائی :-

اب اہلِ بصرہ میدانِ جنگ میں بغیر کسی سردار کے رہ گئے۔ زبیرؓ پہلے ہی جا چکے تھے، حضرت عائشہؓ کو بھی میدانِ جنگ سے ہٹا دیا گیا۔ طلحہؓ شہید ہو چکے تھے۔ اہلِ بصرہ میں بھی اتفاق نہ تھا۔ ان کا ایک فریق حضرت علیؓ کا حامی تھا دوسرا فریق حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے ساتھ تھا۔ احنف بن قیس کی سرکردگی میں ایک فریق نے جنگ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ان حالات کو دیکھ کر وہ لوگ دل چھوڑ بیٹھے اور پسپا ہو گئے۔ میدانِ جنگ تھوڑی دیر میں فوجوں سے خالی ہو گیا۔ البتہ دونوں فریق دس ہزار لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ یہ لڑائی ۲۰ جمادی الثانی ۳۶ھ جمعرات کے دن پیش آئی۔

لڑائی کے خاتمہ پر جب سورج غروب ہو رہا تھا۔ حضرت علیؓ نے میدانِ جنگ کا ایک چکر لگایا۔ اکابر صحابہؓ اور اسلام کے جانباز سپاہی جنہوں نے کبھی دشمنانِ اسلام کے مقابلہ پر اپنی جرأت اور بہادری کا ثبوت دیا تھا اب آپس میں ایک دوسرے کے ہاتھوں خاک و خون میں لتھڑے پڑے تھے۔ حضرت علیؓ یہ نظارہ دیکھ کر سخت متاثر ہوئے۔ چلتے چلتے آپ حضرت طلحہؓ کی لاش کے پاس پہنچے آپ نے فرمایا ان کو بٹھاؤ۔ لوگوں نے انہیں بٹھایا۔ حضرت علیؓ نے اس وقت یہ فرمایا:

"اے ابو محمد! مجھے یہ بات سخت ناپسند تھی کہ میں تمہیں آسمان کے ستاروں کے نیچے اس وادی میں خون میں لتھڑا ہوا دیکھوں۔ خصوصاً اس حالت میں جب کہ تم جہاد فی سبیل اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں قابلِ قدر اور نمایاں حصّہ لے چکے تھے۔"

اس کے بعد آپ نے سب مقتولین کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی اور پھر ان سب کو دفن کرنے کا حکم دیا۔

حضرت علیؓ کا بصرہ میں داخل ہونا :-

جنگ کے بعد حضرت علیؓ بصرہ میں داخل ہوئے۔ بصرہ کے بیت المال میں جس قدر

خزانہ تھا وہ سب آپ نے لوگوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ کل فوج بارہ ہزار تھی ہر شخص کو پانچ پانچ سو درہم ملے۔ ایک شخص جو لڑائی میں حاضر نہ تھا آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"اے امیر المومنینؓ! میں دل سے آپ کا شریک تھا گو میرا جسم لڑائی میں حاضر نہ تھا۔ آپ مالِ غنیمت میں سے مجھے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔"

چنانچہ آپ نے اسے بھی کچھ مال دیا۔

حضرت علیؓ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے مطالبہ کیا کہ اہلِ بصرہ نے چونکہ ہتھیار اٹھائے ہیں اور وہ امامِ وقت سے برسرِ جنگ ہوئے ہیں اس لئے انہیں غلاموں کے طور پر فوج میں تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ انہوں نے کہا:

"آپ نے ان کا خون تو ہم پر حلال کر دیا تھا، اب انہیں قید کرنے اور غلام بنانے سے کیوں منع فرما رہے ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں دارالاسلام میں تمہیں غریب مسلمانوں کو غلام بنانے کی اجازت کیونکر دے سکتا ہوں، اہلِ بصرہ میدانِ جنگ میں جو مال و اسباب اور ہتھیار تمہارے خلاف لڑنے کے لئے لے گئے تھے وہ تو مالِ غنیمت میں شامل ہو سکتا ہے لیکن وہ مال و اسباب جو انہوں نے اپنے گھروں میں چھپا لیا ہے وہ انہی کا حق ہے اس میں سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔

حضرت عائشہؓ کی مدینہ کو روانگی:۔

بصرہ میں جس مکان میں حضرت عائشہؓ مقیم تھیں حضرت علیؓ وہاں گئے اور آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ حضرت عائشہؓ کے مدینہ روانہ ہونے کا سامان کیا جائے۔ چنانچہ حکم کے بموجب تمام تیاری کی گئی۔ جب حضرت عائشہؓ روانہ ہونے لگیں تو حضرت علیؓ خود ان کی مشایعت میں بصرہ سے کچھ دور تک تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے روانہ ہوتے ہوئے فرمایا:

"خدا کی قسم! میرے اور علیؓ کے درمیان خاندانی شکر رنجیوں کے سوا کوئی دشمنی نہ تھی۔ میں انہیں بہترین انسان سمجھتی ہوں۔"

حضرت علیؓ نے بھی اس کے جواب میں فرمایا:

"لوگو! ام المومنینؓ نے سچ فرمایا۔ میرے اور ان کے درمیان معمولی خاندانی شکر رنجیوں سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔"

حضرت عائشہؓ یکم رجب ۳۶ھ کو ہفتہ کے دن رات کے وقت بصرہ سے روانہ ہوئیں۔ حضرت علیؓ نے ایک منزل تک اپنے بیٹوں کو ان کے ساتھ بھیجا۔

حضرت علیؓ کا اہلِ بصرہ کو امان دینا:۔

اس طرح اس جنگ کا خاتمہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے اہلِ بصرہ سے کچھ تعرض نہ کیا۔ ان سے بیعت لی۔ عبداللہؓ بن عباس کو وہاں کا والی مقرر کیا اور خراج اور بیت المال کا افسر زیاد بن ابی سفیان کو بنایا۔

مروان بن الحکم، عبداللہ بن زبیرؓ اور بنی امیہ کے دوسرے اشخاص بصرہ کے ایک گھر میں چھپ گئے تھے۔ حضرت علیؓ کو اس کا پتہ چل گیا لیکن آپ بالکل خاموش رہے اور ان کو امان دے دی جنگ کے روز بھی آپ کا ایک آدمی منادی کرتا پھر رہا تھا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اسے امان دے دی جائے گی اور جو شخص اپنے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے بھی امان دے دی جائے گی۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ مروان بن الحکم نے ہی حضرت طلحہؓ کو تیر مار کر شہید کر دیا تھا کیونکہ اسے پتہ چلا تھا کہ حضرت طلحہؓ میدانِ جنگ چھوڑ کر واپس جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

---

(۱۱)

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کا تقابل

تاریخِ اسلام کے جس دور کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ انتہائی افسوسناک دور تھا۔ وہ مسلمان جن کی تلواریں کبھی دین کو سربلند کرنے کے لئے استعمال ہوتی تھیں اب اپنے ہی بھائیوں کا خون بہانے کے لئے استعمال ہو رہی تھیں۔ مسلمان جو کبھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح تھے جسے کوئی طاقت کمزور کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لا سکتی تھی، اپنے باہمی اختلافات کی بنا پر مختلف گروہوں میں بٹ کر اپنی طاقت کھو چکے تھے گو ہر فریق اپنے اپنے حق میں دلائل دے رہا تھا لیکن کامل طور پر کسی کو اپنے برحق ہونے کا یقین نہ تھا حضرت زبیرؓ بن عوام نے ایک دفعہ لوگوں میں خطبہ دیا اور اس میں اس فتنہ کا بھی ذکر کیا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:

"تعجب ہے آپ موجودہ حالات کو فتنہ سے تعبیر کر رہے ہیں اور خود اس میں نمایاں حصہ لے رہے ہیں۔"

انہوں نے جواب کہا:

"خدا کی قسم! میں نے آج تک کسی کام میں اس وقت تک ہاتھ نہیں ڈالا جب تک مجھے یقین

نہیں ہو گیا کہ حق کس طرف ہے لیکن موجودہ واقعات کے متعلق مجھے اب تک یقین نہیں کہ حق کس طرف ہے۔"

حضرت طلحہؓ سے بھی ایک ایسی ہی روایت مروی ہے انہوں نے ایک دفعہ فرمایا:

"میں وثوق کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ آیا میں حق پر ہوں یا ناحق پر۔"

یہی سبب تھا جس نے کئی جلیل القدر صحابہؓ کو اس نزاع سے بکلی علیحدہ رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے نہ حضرت علیؓ کی بیعت کی اور نہ آپ کے خلاف کسی قسم کی کوئی سرگرمی دکھائی بلکہ عزلت اور گوشہ نشینی کو ترجیح دی۔ ان لوگوں میں سے مشہور یہ صحابہؓ ہیں:

حضرت عبداللہؓ بن عمر بن الخطاب، حضرت محمدؓ بن مسلمہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت اسامہؓ بن زیدؓ، حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت عبداللہؓ بن سلام۔

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرمایا کرتے تھے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ جب لوگوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو میں اپنی تلوار کو لے کر مدینہ سے باہر نکلوں اسے احد پہاڑ پر مار مار کر ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ اس کے بعد گھر واپس آکر گوشہ نشینی اختیار کر لوں اور مطلق باہر نہ نکلوں۔ یہاں تک کہ میرا جنازہ ہی گھر سے باہر نکلے۔"

پچھلے صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ کس طرح حضرت علیؓ کے خلاف حضرت عثمانؓ کے انتقام کے نام سے تحریک اٹھی۔ جنگ جمل میں کس طرح حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے لشکر کو شکست ہوئی اور کس طرح حضرت عائشہؓ کی مدینہ کو واپسی عمل میں آئی اور وہ اس کے بعد کبھی جنگ کے لئے باہر نہیں نکلیں۔

اس موقعہ پر حضرت عائشہؓ کی بہادری اور جرأت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ میدانِ جنگ میں آپ پر اور آپ کے اونٹ پر تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ لیکن آپ نے کسی قسم کی گھبراہٹ اور بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ نہایت دلیری سے اپنے ساتھیوں کو مقابلہ کے لئے ابھارتی اور جرأت دلاتی رہیں۔ جنگ کے دوران میں آپ کے مخالفوں کا سارا زور آپ کی طرف تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی حفاظت کی خاطر آپ کے گرد و پیش ستر بہادر مارے گئے لیکن آپ نہایت بے خوفی سے میدانِ جنگ میں ڈٹی رہیں۔

لیکن باوجود بہادری کے ایسے شاندار مظاہرہ کے آپ کو حق بجانب نہیں کہا جا سکتا۔ مشہور مؤرخ نجار اپنی کتاب "الخلفاء الراشدون" میں لکھتا ہے:

"حضرت عائشہؓ کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیتیں اور حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے خود کھڑی ہو جاتیں۔ انہیں پتہ تھا کہ حضرت عثمانؓ کے کئی رشتہ دار موجود تھے جو آپ کے خون کا انتقام لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ شام میں حضرت معاویہؓ نے اسی بات کا بیڑا اٹھا رکھا تھا۔ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ انہیں حق تھا کہ آپ کے قصاص کا مطالبہ کرتے اور وہ ایسا کرنے پر قادر بھی تھے۔ لیکن حضرت عائشہؓ ان لوگوں میں سے نہیں تھیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ایسا مطالبہ کرنے کا اختیار دیا ہو۔ وہ حضرت عثمانؓ کی رشتہ دار نہیں تھیں اگر آپ اس قضیے میں دخل نہ دیتیں تو یہ سارا جھگڑا خود بخود تھوڑے دنوں کے بعد بصرہ ہی میں ختم ہو جاتا اور مسلمانوں کو ایک خونریز جنگ، تفرقہ اور اختلاف سے دوچار ہونا نہ پڑتا۔

یہی حال حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کا تھا وہ بھی حضرت عثمانؓ کے رشتہ داروں میں سے نہ تھے اور انہیں حضرت عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے اور اس غرض کے لئے آواز اٹھانے کا کوئی اختیار نہ تھا۔"

اب ہم حضرت علیؓ کی عظیم الشان شخصیت کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ آپ کی شخصیت کو مختلف دبیز پردوں میں اس طرح چھپا دیا گیا ہے کہ تاریخ دان کے لئے اس کے صحیح خد و خال متعین کرنا بہت ہی مشکل ہے آپ کے متعلق کئی مبالغہ آمیز اور جھوٹی باتیں مشہور کر دی گئی ہیں آپ کی توصیف اور تنقیص دونوں میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔

بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ فتنہ کو فرو کرنے میں آپ نے پوری حکمت عملی سے کام نہیں لیا۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کو راضی کر کے انہیں بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کر دیتے ایسا کرنے میں خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی بھی نہ ہوتی اور رعایا بھی پوری طرح مطیع رہتی۔ اس طرح فتنہ اُٹھنے کا کوئی امکان ہی نہ رہتا۔ اگر حضرت علیؓ کو اس بات کا ڈر تھا کہ ان دونوں کو اگر بصرہ اور کوفہ کی ولایت سپرد کر دی گئی تو کہیں یہ وہاں کے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکا نہ دیں تو اس کا آسان علاج

یہ تھا کہ شروع میں حکمتِ عملی سے کام لے کر ان دونوں کو ان کے حسبِ منشاء ولایت سونپ دی جاتی۔ لیکن جب حضرت علیؓ کی خلافت خوب مستحکم ہو جاتی تو ہٹا دیا جاتا۔ اس طرح یہ دونوں حضرت علیؓ کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکتے۔

لیکن ان مؤرخین کا یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ہے امیر المومنینؓ نے ان دونوں کو کوفہ اور بصرہ کی ولایت سپرد نہ کر کے کسی غلطی کا ارتکاب نہیں کیا بلکہ جو کچھ کیا ٹھیک کیا۔ اگر آپ عراقین (کوفہ اور بصرہ) کی ولایت انہیں سپرد کر دیتے تو یہ علاقے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے نکل جاتے اور یہ دونوں وہاں اپنی من مانی کرتے۔ انہیں روکنے والا کوئی نہ ہوتا۔ ان کی حمایت میں پہلے ہی ایک گروہ وہاں موجود تھا۔ ادھر شام سے معاویہؓ بھی انہیں انگیخت دلا رہے تھے۔ اس صورتِ حال کی موجودگی میں امیر المومنینؓ پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔

البتہ یہ کہنے سے باز نہیں رہا جا سکتا کہ حضرت علیؓ کا دباؤ اپنی فوجوں پر اس سختی کے ساتھ نہیں تھا جس سختی کے ساتھ ہونا چاہئے تھا۔ اسی طرح حضرت علیؓ کا ذریعۂ اطلاعات بھی بہت کمزور تھا۔ اکثر باتوں کا آپ کو علم ہی نہ ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ بن الخطاب مدینہ میں بیٹھے ہوئے عراق، ایران، آرمینیا، شام، مصر اور روم میں پڑی ہوئی فوجوں کے تمام حالات سے مکمل طور پر آگاہ رہتے تھے۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی آپ سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ لیکن ادھر حضرت علیؓ کی زیرِ کمان فوج میں ایک بہت بڑا عنصر فتنہ پردازوں کا موجود تھا۔ ان لوگوں کے باقاعدہ اجتماع ہوتے تھے، سازشیں ہوتی تھیں، مسلمانوں کو زک پہنچانے کے لئے مختلف تدبیروں کے بارے میں مشورے ہوتے تھے لیکن حیرت کی بات ہے کہ حضرت علیؓ ان سب باتوں سے بالکل بے خبر تھے اور آپ کو مطلق پتہ نہ تھا کہ خود آپ کے لشکر میں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اگر آپ کا ذریعۂ اطلاعات مضبوط ہوتا، فوج پر آپ کا دباؤ کمزور نہ ہوتا تو یہ مفسدین کبھی اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکتے اور مسلمانوں کے درمیان وہ خونریزی نہ ہوتی جس کا ذکر پہلے آ چکا ہے۔

خضری مرحوم اپنی کتاب "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ" میں لکھتے ہیں:

"ہمارے لئے یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں فریقوں کو غلطیوں سے بالکل مبرا ٹھہرا سکیں۔

حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ یہ مطالبہ لے کر اٹھے کہ حضرت عثمانؓ کے خونِ ناحق کا بدلہ لیا جائے۔ لیکن تعجب ہے کہ ان کی نظروں سے یہ حقیقت کس طرح پوشیدہ ہو گئی کہ ایسے معاملات انفرادی طور پر طے نہیں کیے جاتے بلکہ امام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں صرف امام ہی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ معاملات کی اچھی طرح چھان بین کرے اور جس پر چاہے حد قائم کرے اور جس کو چاہے چھوڑ دے۔

اگر عامۃ المسلمین یہ دیکھتے کہ حضرت علیؓ خلافت اور امامت کا کام ٹھیک طور پر بجا نہیں لا رہے تو اس صورت میں کبار صحابہؓ کا یہ فرض تھا کہ وہ دوسرے معاملات کو چھوڑ کر سب سے پہلے امر خلافت کی طرف متوجہ ہوتے اور اس شخص کو خلافت تفویض کرتے جس پر سب لوگوں کا اتفاق ہو جاتا اس کے بعد وہ حضرت عثمانؓ کے انتقام کا سوال اٹھاتے لیکن اس کے برعکس امت کے معزز ترین افراد بطور خود انتقام لینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ لیکن امام کی طرف رجوع نہ کیا۔ تعجب ہے کہ اپنی سابقیتِ اسلام اور بے نظیر علم و فضل کے ہوتے ہوئے یہ ضروری امر اُن سے کس طرح پوشیدہ ہو گیا۔

ان لوگوں سے قطع نظر جب ہم حضرت علیؓ کی طرف اپنی نگاہ دوڑاتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ان میں وہ حکمت عملی نہیں تھی جس سے کام لے کر وہ اس زبردست انتشار کو جو امت میں پیدا ہو گیا تھا دور کرتے۔

اس فتنہ کو بھڑکانے میں سب سے زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا۔ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ امت کو کسی قسم کی بھلائی سے حصہ مل سکے۔ انہوں نے مختلف تدابیر اختیار کر کے جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا اور عین اس وقت جب کہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی انہوں نے اپنی فتنہ پردازی کو کام میں لا کر اور دونوں کو ایک دوسرے سے برگشتہ کر کے ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا دیا۔ ہر گروہ یہی سمجھتا تھا کہ دوسرے نے غداری اور دھوکہ بازی کی ہے لیکن حقیقت کچھ اور ہی تھی۔ سب سے

بڑی غلطی یہ تھی کہ حضرت علی رض نے ان کو اپنی فوج میں رکھا اور ان سے مدد لی۔ حالانکہ ہر طرف سے حضرت عثمان رض کے قاتلوں سے انتقام لینے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔ یہ لوگ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے درمیان اتفاق ہو گیا تو پھر ان کی خیر نہیں۔ اسی لئے ان لوگوں کی پوری کوشش اس بات کے لئے تھی کہ صلح کی کوئی بات چیت پروان نہ چڑھ سکے اور کسی طرح دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھڑ جائیں۔ محض ان لوگوں کا حضرت علی رض کی فوج میں رہنا ہی لوگوں کے اس یقین کے لئے کافی تھا کہ حضرت علی رض بھی حضرت عثمان رض کا خون بہانے میں دوسرے لوگوں کے ساتھ شریک تھے۔ اگرچہ حضرت علی رض اس الزام سے قطعی طور پر انکار کرتے تھے اور واقعی ان کا انکار بالکل صحیح تھا لیکن اس موقعہ پر جب دلوں میں جوش بھرا ہوا تھا حضرت علی رض کی باتوں کا کون یقین کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس جنگ کی ذمہ داری دونوں فریقوں پر عائد ہوتی ہے۔ کسی فعل سے کسی شخص کی برائت کے لئے محض یہ کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ اس نے یہ فعل نہیں کیا بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ہر ایسی چیز سے مجتنب رہے جو شک و شبہ پیدا کرنے والی ہو۔ اسی طرح کسی رئیس اور سردار کے مرکز کی مضبوطی کے لئے یہ امر کافی نہیں ہوتا کہ اس کے پاس اتنی قوت ہو جس سے وہ اپنے مخالفین پر غالب آ جائے، بلکہ قوت کے ساتھ ساتھ اسے مختلف تدابیر اور حکمتِ عملی سے بھی کام لینا چاہیئے تاکہ جو فتنہ ایک بار اس کے خلاف اُٹھے وہ دوبارہ اُٹھ ہی نہ سکے۔"

جنگِ جمل کے موقع پر حضرت علی رض کی سیرت کا ایک روشن پہلو یہ ہے کہ آپ جنگ کے بعد اپنے مخالفین سے نہایت نرمی اور حلم سے پیش آئے۔ نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال چھینا اور نہ کسی کو قید کیا۔

اگر دیکھا جائے تو جنگِ جمل دراصل اہلِ بصرہ پر اہلِ کوفہ کی فتح تھی اپنی کتاب "عثمان رض بن عفان"

میں ہم نے دونوں شہروں کے باشندوں کے درمیان جاہلی عصبیت کے اثر کی طرف اشارہ کیا تھا حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ قریش کے سرداروں میں سے تھے ان دونوں کی شہادت نے قریش کے باقی قبائل کی سرداری پر بہت برا اثر ڈالا ان کی حیثیت دوسرے قبائل کے مقابلے میں بہت گر گئی اور ان کی قوت کو بہت نقصان پہنچا۔ جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کی کامیابی قریش کی حضرت علیؓ سے نفرت اور اہلِ کوفہ کی جانب سے حضرت علیؓ کی امداد ہی کا نتیجہ تھا کہ حضرت علیؓ اپنا مرکز مدینہ سے کوفہ منتقل کرنے پر مجبور ہو گئے تاکہ آپ قریش کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں اور کوفہ میں رہ کر وہاں کے باشندوں کی مدد ہر وقت حاصل کر سکیں۔

---

(۱۲)

عراق اور شام

جنگِ جمل کے بعد ۳۶ھ میں حضرت علیؓ نے اپنا دار الخلافہ مدینہ کی بجائے کوفہ کو بنا لیا۔ دار الحکومت کی یہ تبدیلی حضرت عثمانؓ کی شہادت کے سات ماہ بعد وقوع میں آئی۔ خلافت کے ابتدائی چار ماہ آپ نے مدینہ میں گزارے اور بقیہ تین مہینے اس سفر میں جس میں جنگِ جمل وقوع میں آئی تھی۔ اس سے پہلے کسی خلیفہ نے کوفہ کا دورہ تک نہ کیا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے اسے اپنا دار الخلافہ بنانے کا فیصلہ کیا تو وہاں کے باشندوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو ماسینیون کوفہ کے متعلق اپنے ایک مضمون میں بیان کرتا ہے کہ زمانۂ اسلام میں پہلا شہر جو آباد کیا گیا وہ مدینہ منورہ تھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کے لحاظ سے کوفہ نے جو ترقی کی اس کا مقابلہ مدینہ نہیں کر سکتا۔ کوفہ کو اس وقت دار الخلافہ بنایا گیا جب مسلمان ایران پر قابض ہو کر ایرانیوں کے تہذیب و تمدن کو اپنا چکے تھے۔

موسیو ماسینیون لکھتا ہے کہ کوفہ کو آباد کرنے میں سب سے زیادہ حصہ اہلِ یمن کا تھا۔ یمنیوں نے اس سے پہلے بھی کئی شہر آباد کئے ہوئے تھے یمن نہایت سرسبز علاقہ ہے زراعت کے لئے موزوں ہے

اور عرب کے دیگر حصوں کے مقابلہ میں زیادہ آباد ہے۔ اسلام سے کافی عرصہ پیشتر اہلِ یمن، تہذیب و تمدن کے میدان میں بہت ترقی کر چکے تھے۔ جن لوگوں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہے ان کو معلوم ہے کہ اہلِ یمن کا عربی تہذیب و تمدن کو نشوونما دینے میں بہت زیادہ حصّہ ہے۔ مصر میں انہوں نے اس تہذیب و تمدن کو جلا دی، فسطاط کی آبادکاری میں حصّہ لیا اور اندلس میں اس تہذیب کو پروان چڑھایا۔

کوفہ نے علم و ادب کے میدان میں بہت ترقی کی۔ اس میں ہر قبیلہ کا علیحدہ علیحدہ محلہ تھا۔ یہاں علم الانساب کو بے حد عروج حاصل ہوا۔ سینکڑوں نساب کوفہ میں موجود تھے جو مختلف قبیلوں سے وابستہ تھے اور اپنے اپنے قبیلہ کو اس کے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ کرتے رہتے تھے۔

یہاں عالمِ اسلامی کے ممتاز عالم اور رہنما موجود تھے۔ کئی صحابہؓ بھی یہاں آکر آباد ہو گئے تھے جس کی وجہ سے یہاں علوم دینیہ کا بے حد چرچا تھا۔

سیاسیات میں بھی اہلِ کوفہ جوش و خروش سے حصّہ لیتے تھے۔ یہاں کے لوگ حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی تھے۔

کتابت اور خوش نویسی میں یہاں کے بعض لوگوں کو کمال حاصل تھا چنانچہ "خطِ کوفی" اب تک مشہور ہے اور قرآن مجید زیادہ تر اسی خط میں لکھا جاتا ہے۔

نحو یہاں پروان چڑھی۔ چونکہ اس شہر کے منبر پر کھڑے ہو کر حضرت علیؓ اپنے فصیح و بلیغ خطبے دیا کرتے تھے اس لئے فصیح و بلیغ نثر کو بھی یہیں عروج حاصل ہوا۔

اپنے مضمون کے خاتمہ پر مسٹر ماسینیون کوفہ کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اب کوفہ کی وہ شان و شوکت جو اُسے ابتدائی زمانۂ اسلام میں حاصل تھی ختم ہو چکی ہے۔ اب یہ عراق کا ایک معمولی قصبہ ہے اور دوسرے شاندار اور بڑے بڑے شہروں کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت نہیں لیکن علم و ادب کے میدان میں اس نے جو ترقی کی اس کی یاد آج تک لوگوں کے دلوں سے محو نہیں ہوئی، اور یہاں کے علماء کے تذکرے اب تک زبان زد خلائق ہیں۔

شہر کوفہ جہاں تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ترقی پذیر تھا وہاں اس شہر میں ایسے لوگ کثرت سے موجود تھے جو حضرت علیؓ کے پُرجوش حامی بھی تھے۔ یہی دیکھ کر حضرت علیؓ نے اسے اپنا دارالخلافہ

بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ کو اہلِ حجاز پر پورا بھروسہ نہیں تھا کہ وہ جان و دل سے آپ کی حمایت کریں گے۔ اس کے برخلاف اہلِ عراق سے آپ مطمئن تھے کہ وہ آپ کے دشمنوں کے خلاف آپ کی مدد کریں گے۔ اسی لئے آپ حجاز کو چھوڑ کر عراق تشریف لے آئے۔

لیکن اعرابِ عراق کے متعلق حضرت علیؓ کی توقعات غلط ثابت ہوئیں۔ یہ لوگ نہایت سرکش تھے اور ہمیشہ حکومتِ وقت کی مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے، بدوی اخلاق و عادات ان پر غالب تھے ان لوگوں نے عراق کی فتوحات، ایران اور آرمینیا کی تسخیر میں قابلِ قدر حصہ لیا تھا۔ ان کی کئی شاخیں تھیں ان میں سے اکثر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد اختیار کر لیا تھا لیکن جب حضرت ابوبکرؓ نے ان کے خلاف سخت گیر پالیسی اختیار کی تو یہ لوگ دوبارہ اسلام لے آئے۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے ان سے کبھی فوجی خدمت نہ لی۔ آپ کے زمانۂ خلافت میں عراق اور ایران کی تسخیر کے لئے اسلامی فوجیں جا رہی تھیں اور لڑنے والے لوگوں کی سخت ضرورت تھی لیکن حضرت ابوبکرؓ کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ آپ ایسے لوگوں سے مدد لیں جو ایک مرتبہ پہلے مسلمانوں کو دھوکا دے چکے تھے اور انہوں نے ایک انتہائی نازک وقت میں ارتداد اختیار کر لیا تھا۔ مثنیٰ بن حارثہ نے آپ سے سفارش کی کہ اس وقت لوگوں کی شدید ضرورت ہے ایرانیوں نے ہمارے مقابلے کے لئے زبردست لشکر تیار کئے ہیں اس لئے ان لوگوں کو فوج میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے اور ان لوگوں کو اسلامی لشکر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے لوگوں کو عراق کا رخ کرنے اور دشمنانِ اسلام سے لڑنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ لوگ جوق در جوق اسلامی لشکر میں شامل ہونے شروع ہوئے۔ اس وقت حضرت عمرؓ نے ایسے لوگوں کو جنہوں نے ارتداد اختیار کر لیا تھا، لیکن بعد میں اپنے فعل پر پشیمان ہوئے تھے اور اب تک ان سے خلافِ اسلام کوئی فعل صادر نہیں ہوا تھا، اسلامی لشکر میں شامل کر لیا۔ لیکن انہیں فوج کا کوئی عہدہ سپرد نہیں کیا گیا۔ فوج کے سالاروں کو یہ ہدایت تھی کہ وہ ان لوگوں کو فوج کا امیر اور سردار نہ بنائیں۔

جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان لوگوں کو زیادہ آزادی ملی اور یہ کثرت سے فوج میں جانے

لگے۔ چونکہ لڑائیاں زیادہ تر عراق کے اطراف و جانب میں ہو رہی تھیں اس لئے ان لوگوں کو عراق میں جانے کا موقع ملا اور اس علاقہ میں ان کے پاؤں اچھی طرح جم گئے۔ بصرہ اور کوفہ پر بھی ان کا تسلط ہو گیا۔ یہ لوگ آزاد منش تھے۔ پہلے بھی خلیفہ کے مقابلہ میں سرکشی دکھا کر اسلام سے ارتداد اختیار کر چکے تھے۔ ان کی یہ خو عرصہ گذر جانے پر بھی نہ گئی۔ قریش کی ولایت اور حکومت انہیں دل سے ناپسند تھی اس لئے یہ جا و بے جا طور پر عمال اور والیوں پر نکتہ چینیاں کرنے لگے۔ کوئی امیر ایسا نہ تھا جس کی شکایتیں انہوں نے دربارِ خلافت میں نہ کی ہوں کوئی والی ایسا نہ تھا جس پر انہوں نے طرح طرح کے جھوٹے سچے الزامات نہ لگائے ہوں۔ ان کا ہر شخص اپنی غرض کا بندہ تھا اور دوسرے کے تسلط کو ناپسند کرتا تھا۔ اس طرح اس علاقہ میں ایک انتشار برپا ہو گیا۔ گروہ بندیاں قائم ہو گئیں اور عراق شر پسندوں کا مسکن بن گیا جن کے درمیان کسی قسم کا اتحاد نہ تھا۔

اہلِ عراق کے مقابلہ میں اہلِ شام میں مکمل اتحاد تھا۔ شام ان دنوں چار صوبوں میں منقسم تھا۔ فلسطین، اردن، دمشق اور حمص۔ جزیرہ اور آرمینیا کے علاقے بھی شامیوں کے تسلط میں تھے۔ شام میں بھی عراق کی طرح مہاجرین، انصار اور قبائل عرب موجود تھے جنہوں نے اس علاقہ کو فتح کیا تھا اور اب وہ اس کی سرحدوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ عراق کی طرح یہاں بار بار امیر اور والی بدلے نہیں جاتے تھے بلکہ ان کے امیر حضرت عمرؓ کے بعد سے حضرت معاویہؓ بن ابو سفیان ہی تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں چار صوبوں کی ولایت سپرد کی تھی۔ جزیرہ اور آرمینیا کی ولایت پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مقرر فرمایا۔ حضرت معاویہؓ کی اطاعت اہلِ شام نے نہایت فرمانبرداری سے کی اور کسی شخص کے دل میں ان پر اعتراض اور تنقید کرنے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا۔ وہ نہایت اعلیٰ درجہ کے سیاستدان تھے۔ نہایت ہوشیاری اور عقلمندی سے تمام صوبہ کو اپنی مٹھی میں لے رکھا تھا، اور کسی شخص کو ان سے کسی قسم کی شکایت پیدا نہیں ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جہاں دوسرے والی تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد تبدیل کر دئے جاتے تھے حضرت معاویہؓ کی تبدیلی نہیں ہوئی اور وہ بہت طویل عرصہ تک اسی علاقہ کے والی بنے رہے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب کو یہ بات میسر نہ تھی آپ مدینہ چھوڑ کر عراق تشریف لے آئے تھے

یہاں کے لوگ زبان سے تو آپ کی اطاعت کا اقرار کرتے اور آپ کی ہمدردی کا دم بھرتے تھے لیکن درپردہ آپ کی مخالفت کرتے تھے۔ یہ لوگ انتہائی درجہ کے خود غرض تھے جب کبھی طوعاً و کرہاً انہیں حضرت علیؓ کا کوئی حکم بجا لانا پڑتا اور آپ کی اطاعت کرنی پڑتی تو یہ ظاہر کرتے کہ ایسا کر کے انہوں نے حضرت علیؓ پر زبردست احسان کیا ہے اور انہیں بیش بہا انعامات سے نوازا ہے۔ یہ لوگ چاہتے تھے کہ حضرت علیؓ انہیں اپنے ہر کام میں شریک کریں اور حکومت میں ان کا بھی حصہ ہو۔ حضرت علیؓ کی کسی اپیل کا اس وقت تک جواب نہیں دیتے تھے جب تک آپ انہیں اپنے خفیہ اور ضروری امور سے مطلع نہ کرتے تھے اور مشورہ کرتے وقت انہیں بھی شریک نہ کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کا لشکر کبھی بھی فائدہ مند ثابت نہیں ہوتا اور دشمن پر کبھی فتح یاب نہیں ہو سکتا کیونکہ فتح کی پہلی شرط یہ ہے کہ فوج اپنے افسروں کے احکام کی بلا چون و چرا اور آنکھیں بند کر کے اطاعت کرے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جاتی ہے کہ حضرت معاویہؓ باوجود اس کے کہ ان کا پایہ مسلمانوں میں اتنا بلند نہیں، کس طرح حضرت علیؓ پر فتح یاب ہو گئے اور حضرت علیؓ اسلام میں سابقیت اور فضیلت حاصل ہونے کے باوجود کس طرح ان کے مقابلے میں بے بس ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ اہلِ عراق کی سرشت اور رگ رگ سے واقف تھے۔ انہوں نے اپنے اس علم سے پوری طرح فائدہ اٹھایا اور حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کامیاب ہوئے۔ ان کی کامیابی یقینی بھی تھی کیونکہ اتحاد، یک جہتی اور امیر کی آنکھیں بند کر کے اطاعت کرنا کامیابی اور فتح و ظفر کے زبردست عوامل ہیں۔

حضرت علیؓ عراقیوں اور شامیوں کی سرشت سے بالکل ناواقف تھے انہیں اس بات کا اندازہ بھی نہیں تھا کہ شامیوں کے دلوں میں حضرت معاویہؓ کی کتنی قدر و منزلت ہے۔ حضرت معاویہؓ کے لئے ایک اور بات بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی وہ یہ کہ آپ مدت مدید سے شام کے تمام ضلعوں پر حاکم تھے۔ اگر آپ صرف دمشق کے علاقہ پر حاکم ہوتے تو کبھی آپ کو وہ طاقت حاصل نہ ہوتی، جو شام کے تمام ضلعوں کے اپنے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے آپ کو حاصل ہوئی۔ اگر آپ صرف ایک علاقہ کے حاکم ہوتے تو حضرت علیؓ کے مقابلہ میں آپ کو کبھی کامیابی نصیب نہ ہوتی۔

حضرت معاویہؓ کی کامیابی کا ایک اور سبب بھی ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے اہلِ شام کے دلوں میں یہ بات راسخ کر دی تھی کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے مظلومانہ قتل میں شریک تھے اور چونکہ حضرت عثمانؓ کا خون حضرت علیؓ کی گردن پر ہے اس لئے اُن سے لڑنا واجب ہے۔ لوگوں کو جوش دلانے کے لئے حضرت معاویہؓ کے پاس چند چیزیں ایسی بھی پہنچ گئی تھیں جن کا آپ کو وہم و گمان بھی نہ تھا یعنی حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی انگلیوں کی نمائش ایک سال تک دمشق کے ممبر پر کی۔ آپ موقعہ بموقعہ یہ چیزیں لوگوں کو دکھاتے تھے، ان کے دلوں میں جوش پیدا کرتے تھے اور انہیں اس بات کا یقین دلاتے تھے کہ علیؓ خلافت کے غاصب اور مظلوم خلیفہ کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کی وجہ سے واجب القتل ہیں۔ ان چیزوں سے بہتر اور کون سی چیز لوگوں کو جوش دلانے کی ہو سکتی تھی۔ ذرا اپنے ذہن میں خلیفہ کی خون آلود قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیوں کا منظر لایئے جو ہر وقت لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتی تھیں اور پھر اس جوش کا اندازہ کیجئے جو ان چیزوں کے دیکھنے سے اہلِ شام کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کے پاس کوئی ایسا وسیلہ نہ تھا جس سے کام لے کر اپنے ساتھیوں کے دلوں میں جوش پیدا کرتے اور اس طرح ان کی بہادری کو کام میں لاتے۔

یہ امور حضرت معاویہؓ کی تقویت کا زبردست موجب ثابت ہوئے۔ انہوں نے آپ کی قوت اور رسوخ کو بڑھایا اور آپ کو کسی قسم کی مخالفت پیش نہ آئی۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کو اپنے لشکر میں وہ "نفوذ" حاصل نہ ہو سکا جو حضرت معاویہؓ کو اپنے لشکر میں تھا۔

حضرت علیؓ اہلِ عراق کی شرارتوں اور ان کی خواہشات سے بالکل ناواقف تھے۔ اہلِ عراق میں کسی قسم کا اتحاد اور اتفاق نہ تھا۔ ان کے حالات میں ابتری پیدا ہو رہی تھی۔ اسی لئے آپ کو ان کی اطاعت حاصل کرنے میں سخت دشواری پیش آئی اور حضرت معاویہؓ کے لئے یہ بات بہت آسان ہو گئی کہ وہ مختلف حیلوں سے کام لے کر اہلِ عراق کو حضرت علیؓ کی امداد سے روک دیں۔

---

(۱۳)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ

پچھلی فصل میں ہم نے ان واقعات کا تجزیہ کیا تھا جو شام اور عراق میں رونما ہو رہے تھے۔ اور بتایا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے مابین "تنازعات میں شام اور عراق والے کیا پارٹ ادا کر رہے تھے۔ اس فصل میں ہم حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے اخلاق و عادات پر بحث کریں گے۔

ایک مؤرخ کے لئے ان اسباب کا معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان خصومت و عداوت کا موجب بنے اسی طرح وہ اسباب ظاہر و باہر ہیں جن کی بناء پر عرب کے بعض قبائل اور جماعتوں نے امام وقت اور خلیفۃ المسلمین حضرت علیؓ کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیا جنہیں علم و فضل اور تقویٰ و پرہیزگاری میں حضرت علیؓ سے کوئی نسبت نہ تھی۔

وہ جماعتیں جو اسلامی فتوحات کی کثرت اور مغلوب قوموں کے خزانوں کے عرب میں منتقل ہو جانے کے بعد عیش و عشرت کی زندگی گذارنا اور غلبہ و اقتدار حاصل کرنا چاہتی تھیں وہ حضرت علیؓ میں اپنے لئے کوئی کشش نہیں پاتی تھیں۔ حضرت علیؓ ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کو پورا نہیں کر سکتے تھے

کیونکہ آپ کا مطمح نظر حق و انصاف قائم کرنا تھا۔ آپ کسی کمزور و بے کس کو غریب جان کر اس کے حقوق کی طرف سے پہلوتہی نہ کرتے تھے اور نہ بڑے آدمیوں اور امیر کبیر انسانوں کے متعلق یہ برداشت کر سکتے تھے کہ وہ دولت و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر کسی قسم کی بدعنوانی کریں۔ عام انسانوں کے ساتھ ہی آپ کا یہ حال نہ تھا بلکہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں، دوستوں اور مددگاروں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک اسی قسم کا تھا۔ مشہور واقعہ ہے کہ آپ کے بھائی حضرت عقیلؓ نے ایک دفعہ بیت المال سے کچھ رقم لینی چاہی جس کے وہ حق دار نہ تھے۔ حضرت علیؓ نے رقم دینے سے انکار کر دیا اس پر وہ آپ کو چھوڑ کر معاویہؓ سے جا ملے۔ حضرت معاویہؓ نے حکم دیا کہ انہیں تین لاکھ دینار دے دیئے جائیں۔ حضرت عقیلؓ نے اس وقت یہ فقرہ کہا:

ان اخی خیرلی فی دینی و معاویۃ خیرلی فی دنیای

"دین کے لحاظ سے میرے بھائی (علیؓ) میرے لئے بہترین آدمی ہیں اور دنیا کے لحاظ سے معاویہؓ میرے لئے بہترین شخص ہیں"

ظاہر ہے کہ جو شخص اس سیرت کا مالک ہو اس کی طرف لالچی اور صاحب اغراض لوگ جنہیں صرف دنیا کمانے سے غرض ہوتی ہے، توجہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس قسم کے تمام لوگ حضرت معاویہؓ سے جا ملے اور ان کی مدد کرنے، ان سے مل کر حضرت علیؓ کے خلاف جنگوں میں شریک ہونے لگے۔ اس کے بدلہ میں حضرت معاویہؓ نے ان پر داد و دہش کی بارش شروع کر دی اور انہیں آپ کے پاس سے وہ کچھ حاصل ہوا جو امیر المومنین حضرت علیؓ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت علیؓ میدانِ سیاست کے شہسوار نہیں تھے۔ لیکن آپ زہد و ورع، تقویٰ اور خدا ترسی کے لحاظ سے ایک بے مثل انسان تھے۔ فقہی مسائل کے استخراج میں آپ کو بڑی دسترس حاصل تھی۔ شریعت کے احکام کی بجا آوری میں آپ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ نفسانی خواہشات کے پاس تک نہ پھٹکتے تھے۔ جرأت، دلیری اور بہادری میں طاق تھے، دنیا بنانے سے پہلے آخرت سدھارنے کی فکر کرتے تھے اور بندوں کو خوش کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی تدبیر اختیار کرتے تھے ـــــ غرضیکہ آپ اسلامی اخلاق کے کامل مظہر اور حقیقی طور پر دینی مصلح تھے۔

عدی بن حاتم آپ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"آپ جو بات کہتے تھے، میزانِ عدل پر پوری اُترتی تھی۔ جو فیصلہ کرتے تھے، محکم دلائل پر مبنی ہوتا تھا۔ حکمت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور علم کے چشمے آپ کے دل سے ہمیشہ پھوٹتے رہتے تھے آپ دنیا اور اس کی شان و شوکت سے دور بھاگتے تھے اور رات اور اس کی دہشت ناکی سے اُنس کرتے تھے۔ آپ بے حد آنسو بہانے والے اور خوب غور و فکر کرنے والے تھے۔ تنہائی میں اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اپنی پچھلی زندگی پر افسوس (اگرچہ وہ انتہائی پاکیزہ تھی)، آپ کا لباس نہایت معمولی اور کھانا نہایت سادہ ہوتا تھا۔ گزارہ کے لئے اتنا ہی لیتے تھے جو آپ کو بمشکل کافی ہوتا تھا۔ وہ ہم لوگوں سے کسی طرح کا امتیاز نہ رکھتے تھے۔ اہلِ علم اور اہلِ دین کی بہت تعظیم کرتے تھے، مسکینوں اور محتاجوں سے بہت محبت سے پیش آتے تھے۔ کسی طاقتور آدمی کی شرارتوں اور ظلم سے ڈرتے نہ تھے اور آپ کے دربار سے کوئی کمزور آدمی مایوس ہو کر نہ لوٹتا تھا۔ میں نے ایک دن آپ کو کافی رات گئے مسجد کی محراب میں اس حالت میں کھڑا دیکھا کہ آپ کے آنسو ٹپ ٹپ آپ کی داڑھی پر گر رہے تھے اور اسے تر کر رہے تھے۔ آپ زار و قطار رو رہے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے:

"اے دنیا! میں نے تجھے تین طلاقیں دیں۔ میں تیری طرف کسی صورت میں بھی مائل نہیں ہو سکتا۔"

جہاں آپ اپنے نفس کا شدت سے محاسبہ کرتے تھے، وہاں اپنے عمال کی بھی سختی سے باز پرس کرنے میں تامل نہ کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اکثر عمال آپ سے ناراض ہو کر آپ کی حمایت اور مدد سے دست کش ہو گئے۔ ایسے لوگوں میں مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور آپ کے چچازاد بھائی عبداللہؓ بن عباسؓ بھی تھے، حالانکہ عبداللہؓ بن عباسؓ شروع میں آپ کے زبردست حامیوں اور مددگاروں میں تھے۔ آپ کے بے لاگ ہونے نے حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ کو آپ سے ناراض کر دیا۔ حالانکہ اگر آپ کوشش کرتے تو وہ آپ کے حامیوں میں شامل ہو سکتے تھے۔ اسی طرح آپ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی طرف بھی کوئی توجہ نہ کی اور انہیں اپنا مخالف بنا لیا۔ ابنِ عباسؓ اور مغیرہؓ بن شعبہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ معاویہؓ، ابنِ عامر اور حضرت عثمانؓ کے مقرر کئے ہوئے دوسرے عمال کو اس وقت تک معزول نہ کریں جب تک وہ آپ کی بیعت میں شامل نہ ہو جائیں اور لوگوں کا موجودہ جوش و خروش

ٹھنڈا نہ پڑ جائے۔ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا اور فرمایا:

"میں دین میں مداہنت سے کام لینا نہیں چاہتا۔"

اس پر انہوں نے آپ سے کہا کہ اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے تو کم از کم معاویہؓ کو ان کی جگہ پر رہنے دیں باقیوں کو بے شک معزول کر دیں۔ کیونکہ معاویہؓ بڑی جرأت والے شخص ہیں، شام پر ان کا پورا تسلط ہے اور شامی ان کی بات بہت مانتے ہیں۔ مزید برآں انہیں حضرت عمرؓ نے شام کی ولایت سپرد کی تھی۔ لیکن آپ ان سب باتوں کو نظرانداز کر کے اپنے ارادہ پر مضبوطی سے قائم رہے اور فرمایا:

"خدا کی قسم! میں معاویہؓ کو دو دن کے لئے بھی عامل نہیں رہنے دوں گا۔"

اگر آپ چاہتے تو ڈپلومیسی سے کام لے کر انہیں شروع میں ان کے عہدہ پر برقرار رہنے دیتے اور جب آپ کی حکومت اچھی طرح مستحکم ہو جاتی تو معزول کر دیتے لیکن چلے اور دھوکے آپ کے مذہب میں داخل نہ تھے۔ آپ جس بات کو حق سمجھتے تھے برملا کہہ دیتے تھے اور یہ نہ دیکھتے تھے کہ اس کا اثر کیا ہوگا۔

ایک دفعہ دشمنوں سے ایک خونریز لڑائی کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"کسی بھاگتے ہوئے آدمی کا پیچھا نہ کرو، کسی زخمی پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور کسی شخص کا مال نہ چھینو۔"

اس فرمان کا اثر یہ ہوا کہ میدانِ جنگ میں آپ کی فوج نے کثیر مقدار میں سونا چاندی اور مال و متاع پایا لیکن کسی شخص نے سوائے دشمنوں کے ہتھیاروں اور سواریوں کے اور کسی چیز کو چھوا تک نہیں۔ جب آپ کے بعض ساتھیوں نے آپ سے کہا:

"امیر المومنین! یہ کیا بات ہے، آپ نے ہمارے لئے ان سے لڑنا تو جائز قرار دیا لیکن انہیں قید کرنا اور ان کے اموال لوٹنا ناجائز ٹھہرا دیا۔"

تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ان لوگوں کا قید کرنا اور ان کے اموال لوٹنا ہرگز جائز نہیں جو ایک خدا کا اقرار کرتے ہیں۔ تمہارے لئے صرف ان کی سواریاں اور ہتھیار جائز ہیں۔ جس چیز کا تمہیں پتہ نہیں اس کے تجسس میں نہ رہو بلکہ جو حکم تمہیں دیا جائے اس کی پیروی کرو۔"

آپ کی نرمی اور رحم دلی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اہلِ شام نے آپ کو دریا پر اترنے اور
اس کا پانی استعمال کرنے سے روک دیا تھا لیکن اس کے باوجود جب آپ کو اسی قسم کا موقعہ ملا تو
آپ نے انہیں دریا سے پانی لینے سے مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ اسی طرح آپ نے اپنے ساتھیوں کو تاکید
کر دی تھی کہ کوئی شخص معاویہؓ اور ان کے مددگاروں کو گالیاں نہ دے۔ آپ کو پتہ چلا کہ حجر بن عدی اور
عمرو بن الحمق حضرت معاویہؓ کو گالیاں دیتے اور اہلِ شام پر لعن طعن کرتے ہیں۔ آپ نے فوراً ان دونوں
کو بلا بھیجا اور فرمایا:

"جب میں نے تمہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا تھا تو تم نے یہ حرکت کیوں کی؟"

انہوں نے جواب میں کہا:

"امیر المومنینؓ کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم گالیاں دینے والے اور لعن طعن کرنے والے بنو۔ ایسا کرنے
کی بجائے ان کے لئے یہ دعا کرو۔ اے اللہ! تو انہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا خون بہانے سے روک
دے، ہمارے اور ان کے درمیان صلح کرا دے، انہیں ہدایت دے کہ وہ حق کو پہچان لیں اور بھٹکے
ہوئے راستہ سے سیدھے راستہ پر آجائیں۔"

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے آپ اپنے نفس اور اپنے عمال کا شدید محاسبہ کرتے تھے۔ نفس
کا محاسبہ تو اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ اس کی وضاحت کی احتیاج نہیں۔ باقی رہا عمال کا محاسبہ تو اس کا
ثبوت مصقلہ بن ہبیرۃ الشیبانی اور یزید بن حجیۃ التیمی کے آپ سے کنارہ کشی کر کے حضرت معاویہؓ کے پاس
پہنچ جانے سے مل جاتا ہے۔ یزید بن حجیہ کو آپ نے 'رے' کا حاکم بنایا تھا۔ اس نے وہاں کا خراج
وصول ہونے سے تیس ہزار دینار کم بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اسے خط لکھ کر اپنے حضور بلوایا اور فرمایا کہ غبن شدہ رقم
حاضر کرو۔ اس نے کہا میں نے ایک درہم بھی نہیں لیا۔ لیکن حضرت علیؓ نے اس کی بات کا یقین نہ کیا،
اسے درے لگوائے اور اپنے غلام سعد کو حکم دیا کہ اسے قید کر دو۔ یزید قید خانہ سے کسی طرح چھوٹ کر
شام میں حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا۔ حضرت معاویہؓ نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ وہ اس وقت
تک شام ہی میں مقیم رہا جب تک سارا عرب حضرت معاویہؓ کے زیرِ نگین نہ ہو گیا۔ جب حضرت معاویہؓ

عراق آئے تو اسے بھی اپنے ساتھ لیتے آئے اور عراق کا والی بنا دیا۔

حضرت معاویہؓ کے اخلاق و عادات:۔

حضرت علیؓ کے عادات و خصائل کو اختصار سے بیان کرنے کے بعد اب ہم حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یزید بن ابی سفیان کی وفات کے بعد شام کی ولایت ان کے بھائی حضرت معاویہؓ کے ہاتھ میں آ گئی۔ حضرت معاویہؓ نے وہاں اپنا غلبہ و اقتدار بڑھانا اور اپنی حکومت کو مضبوط کرنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ شام کا تعلق دار الخلافہ سے برائے نام رہ گیا اور اگرچہ وہ اسلامی مملکت کا ایک صوبہ شمار ہوتا تھا لیکن دوسرے صوبوں سے اس کا ارتباط بہت ہی معمولی تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ بلا شرکت غیرے شام کے مالک اور با اختیار حاکم بن بیٹھے۔

حضرت معاویہؓ انتہائی زیرک اور بلند نظر انسان سمجھے جاتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ ایک دن ایسا آئے گا جب انہیں شام کی ولایت سے معزول کر دیا جائے گا اور ان کے تمام پچھلے کاموں کا محاسبہ کیا جائے گا۔ وہ بڑی احتیاط سے تمام حالات کا جائزہ لیتے رہتے تھے اور اپنی عقل و فکر کو کام میں لا کر ایسے ذرائع تلاش کرنے میں لگے رہتے تھے جن سے وہ اپنے دشمنوں سے زیر اور انہیں اپنے ارادوں میں ناکام کر سکیں۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں تو ان کی حاکمیت کو کوئی خطرہ پیدا نہ ہوا اور وہ بڑی شان سے شام پر حکومت کرتے رہے لیکن ان کی شہادت کے بعد جب حضرت علیؓ خلیفہ بنے تو انہیں پہلی بار خطرہ کا احساس ہوا۔ وہ حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی جان گئے کہ حضرت علیؓ انہیں کبھی شام پر قابض رہنے کی اجازت نہیں دیں گے بلکہ انہیں معزول کر کے کسی ایسے آدمی کو یہاں کا والی مقرر کریں گے جس پر انہیں پورا بھروسہ اور اعتماد ہوگا۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے انہوں نے ایک طرف بعض سربرآوردہ اشخاص کو حضرت علیؓ کے خلاف بھڑکانا شروع کیا اور دوسری طرف حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ شروع کر دیا۔ انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنے ساتھ ملا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ حضرت علیؓ نے انتہائی نازک موقعہ پر حضرت عثمانؓ کا ساتھ چھوڑ دیا جس کا نتیجہ باغیوں کے ہاتھوں ان کی شہادت کی

صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ علیؓ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لیتے ہوئے ہچکچاتے ہیں۔ معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور آپ کی اہلیہ حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق کی جامع مسجد کے منبر پر لٹکا دیں جس کا بڑا زبردست اثر ہوا۔ ہزاروں آدمی منبر کے ارد گرد جمع ہو کر ان چیزوں کو دیکھتے، دھاڑیں مار مار کر روتے اور خدا کی قسم کھاتے کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لے کر رہیں گے۔ اس طرح حضرت معاویہؓ نے اہلِ شام اور عامۃ العرب کی تائید حاصل کر کے اپنے لئے راستہ ہموار کر لیا۔

حضرت معاویہؓ نے نہ صرف قصاصِ عثمانؓ کا نعرہ بلند کر کے لوگوں کی تائید حاصل کی بلکہ مال و زر خرچ کر کے بھی عرب کے بہت سے قبائل کو اپنا مطیع و منقاد کر لیا۔ اس غرض کے لئے انہوں نے بے دریغ دولت لٹائی۔

یہ بات کہ آیا حضرت معاویہؓ کی حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی حقیقی وجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تھی اور آپ خلوصِ دل کے ساتھ قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینا چاہتے تھے یا اس بغاوت کا سبب اپنے لئے ملک حاصل کرنا تھا تو اس کا فیصلہ کرنے کے لئے وہ گفتگو کافی ہے جو آپ کے اور حضرت عثمانؓ کی لڑکی عائشہ کے درمیان ہوئی۔

جب تمام عرب حضرت معاویہؓ کا مطیع ہو گیا اور آپ مدینہ تشریف لائے تو حضرت عثمانؓ کے گھر بھی پہنچے۔ وہاں حضرت عثمانؓ کی بیٹی عائشہ موجود تھیں وہ انہیں دیکھ کر بلند آواز سے "ہائے ابا جان!" کہہ کر رونے لگیں۔ مطلب یہ تھا کہ ان کے والد کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے۔ اس وقت حضرت معاویہؓ نے یہ الفاظ فرمائے:

اے میری بھتیجی! لوگوں نے ہمیں اور ہم نے لوگوں کو امان دی۔ ہم نے ان سے نرمی کا سلوک کیا حالانکہ ہمارے دلوں میں ان کے خلاف آگ بھڑک رہی ہے۔ انہوں نے ہماری اطاعت کا اقرار کیا لیکن ان کے دلوں میں بدستور ہمارے لئے کینہ موجود ہے۔ ہر شخص کے پاس اپنی تلوار موجود ہے اور وہ اپنے مددگاروں کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم ان سے وہ عہد جو انہیں امان دینے کے متعلق ہم نے کیا تھا توڑ دیں تو وہ بھی اپنے قول و قرار پسِ پشت ڈال دیں گے۔ پھر نہ معلوم کیا نتیجہ ہوگا۔ ہم غالب ہوں گے یا وہ۔"

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ جب حضرت معاویہؓ نے سارے عرب کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور تمام وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت میں حصہ لیا تھا آپ کے قابو میں آگئے تو آپ نے اپنے دعووں کے علی الرغم ان سے قصاص نہ لیا اور انہیں بالکل چھوڑ دیا۔

حضرت معاویہؓ کی سیاست اور حکمتِ عملی کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ان کا یہ مقولہ کافی ہے:

"میں اس وقت تک کبھی تلوار نہ اٹھاؤں گا جب تک میرا کوڑا کام دیتا رہے گا۔ میں اس وقت تک اپنا کوڑا نہ اٹھاؤں گا جب تک میری زبان کام دیتی رہے گی۔ اگر میرے ہاتھ میں ایک دھاگہ ہو جس کا دوسرا سرا دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو یہ دھاگہ کبھی نہیں ٹوٹ سکے گا کیونکہ جب دوسرے لوگ اسے کھینچیں گے تو میں ڈھیلا چھوڑ دوں گا اور جب دوسرے لوگ ڈھیلا چھوڑ دیں گے تو میں کھینچ لوں گا۔"

آپ کے اس قول سے یہ نتیجہ نکالنا دشوار نہیں کہ آپ بڑے حلیم، زیرک سیاستدان اور مشکلات کے وقت اپنے اعصاب پر قابو پانے والے شخص تھے۔

حضرت معاویہؓ نے اپنی سیاسی زندگی جس طریقے سے گزاری اس کو دیکھتے ہوئے آپ پر شعبی کا یہ قول بالکل صادق آتا ہے:

"آپ ایک ایسے اونٹ کی مانند ہیں کہ اگر اسے کچھ نہ کہا جائے تو چلتا رہتا ہے لیکن جب اس پر سختی کی جائے تو ٹھہر جاتا ہے۔"

آپ بڑے مردم شناس تھے۔ ہر شخص کی فطری صلاحیتوں کو پہچان لینے کا آپ میں بڑا ملکہ تھا۔ اپنی اس صلاحیت سے آپ نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ آپ اپنے مخالفین کو زیر کرنے کے لئے انہیں اس قسم کی مشکلات میں مبتلا کر دیتے تھے جن سے نکلنا ان کے لئے آسان نہ ہوتا تھا۔ اس طرح وہ ان پر فتح پا لیتے۔ آپ کے حلم اور بردباری کی مثالیں زبان زد خلائق ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بردباری میں بہت کم لوگ آپ کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

سیاسی قابلیت آپ میں انتہائی درجہ کی تھی اسی قابلیت سے کام لے کر آپ بسا اوقات بغیر لڑے بھڑے اپنے مقاصد کی تکمیل کر لیتے تھے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے بعد جب آپ کے لڑکے حضرت حسنؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے انہیں ایک خط بھیجا جس میں لکھا تھا:

"خلافت کے حق دار آپ ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کی وجہ سے بھی خلافت آپ ہی کا حق ہے۔ اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ آپ خلافت کا کام بخوبی چلا سکیں گے اور امت محمدیہ کو ہر قسم کے خطرات سے نجات دلا سکیں گے تو میں ضرور آپ کی بیعت کر لیتا۔ اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ امت کے مفاد کی خاطر خلافت سے دست بردار ہو جائیں۔ اس کے بدلے آپ جو چاہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔"

اس خط کے ساتھ حضرت معاویہؓ نے ایک سفید کاغذ جس پر مہر کے علاوہ اور کچھ بھی لکھا ہوا نہیں تھا۔ حضرت حسنؓ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا کہ اس کاغذ پر آپ اپنے مطالبات لکھ دیجئے۔ چنانچہ حضرت حسنؓ ان کی خواہش کے مطابق خلافت سے دست بردار ہو گئے اور جس قدر مال و اسباب اور جائداد کی ضرورت تھی اس کاغذ پر لکھ دی۔ حضرت معاویہؓ نے اپنے وعدہ کے بموجب وہ تمام چیزیں حضرت حسنؓ کی خدمت میں روانہ کر دیں۔

حضرت معاویہؓ مختلف علاقوں کے حاکم چننے میں بھی بہت عقلمندی اور ذکاوت سے کام لیتے تھے۔ جو حاکم آپ نے مقرر کئے تھے وہ خود بھی اپنی عقلمندی اور ذکاوت میں مشہور تھے جیسے حضرت عمروؓ بن العاص، زیاد بن ابیہ اور مغیرہؓ بن شعبہ وغیرہم۔ ان والیوں نے حضرت معاویہؓ کی حکومت کے استحکام میں بہت مدد دی۔ حضرت معاویہؓ کے خصائل اختیار کر کے انہوں نے بھی اپنے مخالفوں کو بآسانی زیر کر لیا۔

زیاد کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ اسے ایک مرتبہ پتہ چلا کہ ابوالخیر نامی ایک شخص بہت بہادر اور جری ہے اور اس سے بوقت ضرورت مفید کام لیا جا سکتا ہے لیکن عقائد کے لحاظ سے وہ خارجی ہے اور معاویہؓ کا شدید مخالف۔ زیاد نے اسے بلا کر نیشاپور کی ولایت سپرد کر دی اور چار ہزار درہم تنخواہ مقرر کی۔ اس طرح اسے اپنا ممنونِ احسان بنا لیا اور وہ حضرت معاویہؓ کے لئے ایک بہت کارآمد وجود ثابت ہوا۔

اسی طرح مغیرہؓ بن شعبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص حجر بن عدی نے ان پر کنکر پھینکے۔ مغیرہؓ جلدی سے منبر پر سے اتر کر اپنے محل میں چلے گئے اور وہاں سے حجر کو پانچ ہزار درہم

بھجوائیے۔ حجر بن عدی شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ بعد میں کسی شخص نے مغیرہؓ سے پوچھا کہ آپ نے اس سے ایسا سلوک کیوں کیا، حالانکہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ حجر آپ کا مخالف ہے۔

مغیرہؓ نے جواب دیا:

"میں نے اسے درہم بھجوا کر قتل کرا دیا ہے اب وہ میری مخالفت کرنے کی کبھی جرأت نہ کرے گا۔"

حضرت معاویہؓ کے جو خصائل اوپر بیان کئے گئے ہیں انہوں نے آپ کی حکومت کی تاسیس میں بے حد مدد دی۔ آہستہ آہستہ آپ کی حکومت تمام مملکتِ اسلامیہ پر محیط ہو گئی۔

آپ نے خود بھی حضرت علیؓ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کرنے کی بعض وجوہ بتائی ہیں چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے کہا:

"میں چار خصلتوں کے سبب علیؓ بن ابی طالب پر غالب ہوا۔ علیؓ اپنا بھید کسی سے نہیں چھپاتے لیکن میں اپنے بھیدوں کی پوری طرح حفاظت کرتا ہوں۔ وہ مصائب سے بچنے کے لئے دوڑتے ہیں اور مصائب ان کو اچانک آ لیتے ہیں لیکن میں خندہ پیشانی سے مصائب کا سامنا کرتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مجھ پر اثر نہیں کرتے۔ ان کے لشکر میں برے سے برے لوگ اکٹھے ہو گئے ہیں اور وہ اتفاق و اتحاد کی نعمت سے بھی محروم ہے۔ لیکن مجھے ان کی نسبت قریش کی زیادہ تائید حاصل ہے اور میرے لشکر میں کسی قسم کا اختلاف بھی نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ میں جو چاہتا ہوں حاصل کر لیتا ہوں لیکن علیؓ اپنے حسبِ منشا اپنی خواہشات پوری نہیں کر سکتے۔"

حضرت علیؓ بھی حضرت معاویہؓ کی بے مثل عقلمندی، ذکاوت اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے خداداد ملکہ کے قائل تھے اور کئی بار آپ نے اس کا اظہار بھی اپنی زبان اور خطوط کے ذریعہ کیا چنانچہ آپ نے زیاد بن ابیہ کو اس زمانہ میں جب کہ وہ آپ کا مطیع و فرمانبردار تھا اور آپ نے اسے ایک علاقہ کا والی مقرر کیا ہوا تھا ایک دفعہ لکھا تھا:

"معاویہؓ کی شخصیت اتنی زبردست ہے کہ ان کے آگے، ان کے پیچھے، ان کے دائیں اور ان کے بائیں ہر چہار طرف سے لوگ ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔"

---

(۱۴)

حضرت عمروؓ بن العاص

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت حضرت عمروؓ بن العاص فلسطین میں تھے اور وہاں بنظر غائر تمام حالات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ وہیں انہیں حضرت عثمانؓ کی شہادت، حضرت علیؓ کی خلافت، جنگِ جمل اور حضرت معاویہؓ کی خود مختاری کی خبریں ملیں انہوں نے سوچا کہ حضرت علیؓ کے پاس جانے اور ان کی حمایت کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی سابقیت کے دعوے کی بنا پر امورِ سلطنت میں کسی اور کی شرکت گوارا نہیں کریں گے۔ اگر فائدہ ہو سکتا ہے تو حضرت معاویہؓ کے پاس جانے اور ان کی حمایت کرنے سے۔ وہ اس بات سے مطمئن تھے کہ حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ کی بیعت کبھی نہ کریں گے۔ ان کے ذہن میں ان تمام جھگڑوں کی یاد باقی تھی جو اسلام میں اور اسلام سے قبل بنو ہاشم اور بنو امیہ میں ہوتے رہتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں بنو ہاشم اور بنو امیہ میں قریش کی سرداری حاصل کرنے کے لئے زبردست مقابلہ رہتا تھا۔ اب جبکہ بنو امیہ کو شام میں تسلط حاصل ہو چکا تھا اور وہ شام کے اطراف وجوانب پر قابض بھی ہو چکے تھے، یہ امر ناممکن تھا کہ وہ آسانی سے اس خطہ کو بنو ہاشم کے لئے خالی کر دیتے اور انہیں اس پر قابض ہونے کی اجازت دے دیتے۔

حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کو اپنے پاس بلایا یا عمروؓ بن العاص خود معاویہؓ کے پاس گئے، اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ شیعہ مؤرخ یعقوبی اس بارے میں یہ بیان کرتا ہے:

"حضرت علیؓ بن ابی طالب نے جنگِ جمل کے بعد کوفہ کا رخ کیا۔ کوفہ پہنچ کر انہوں نے جریر بن عبداللہ البجلی کو حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا کہ وہ ان کی بیعت لے کر آئیں۔ آپ نے ان کو معاویہؓ کے نام ایک خط بھی دیا جس میں لکھا کہ اکثر مہاجرین اور انصار ان کی بیعت پر متفق ہو گئے ہیں۔ اس لئے انہیں بھی ان کی بیعت کر کے ان کی اطاعت میں داخل ہو جانا چاہیے۔ حضرت معاویہؓ نے جریر بن عبداللہ کو کچھ دن کے لئے اپنے پاس ٹھہرا لیا اور عمروؓ بن العاص کو یہ خط لکھا:

"حضرت علیؓ اور طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان جو کچھ ہوا وہ آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا۔ اب علیؓ نے جریر بن عبداللہ کے ہاتھ مجھے کہلا کر بھیجا ہے کہ میں ان کی بیعت کر لوں۔ میں اس امر کے متعلق آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں اسی لئے میں نے جریر کو ٹھہرا لیا ہے۔ آپ جتنی جلدی ہو سکے میرے پاس پہنچیے۔"

حضرت معاویہؓ کا خط پہنچنے پر حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے بیٹوں محمد اور عبداللہ سے مشورہ کیا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔ بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد فیصلہ یہی ٹھہرا کہ انہیں معاویہؓ کے پاس پہنچ جانا چاہیے چنانچہ عمروؓ بن العاص دمشق پہنچے اور حضرت معاویہؓ سے تنہائی میں ملے۔ معاویہؓ نے انہیں تمام حالات سنائے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کو یہ مشورہ دیا کہ وہ حضرت علیؓ سے برابر حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کرتے رہیں اور اگر وہ یہ مطالبہ قبول نہ کریں تو شامی لشکر کو اپنے ساتھ لے کر ان کا مقابلہ کریں[2]۔"

یعقوبی یہ بھی کہتا ہے کہ عمروؓ بن العاص نے معاویہؓ کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کی بیعت بھی کر لی تھی ایک دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے ان کو لوگوں سے بیعتِ خلافت لینے کا مشورہ دیا وہ ان کے مقرر کردہ عامل حمص شرجیل بن السمط تھے۔ اس سے پہلے حضرت معاویہؓ کا

---

[1] الیعقوبی جلد اول صفحہ ۲۱۵

[2] طبری

یہ ارادہ نہ تھا کہ وہ لوگوں سے بیعتِ خلافت لیں۔ بلکہ انہوں نے ان سے صرف اس بات پر بیعت لی تھی کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے میں پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ بعد میں جب حضرت علیؓ کا قاصد جریر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا اور شرجیل کو پتہ چلا کہ حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے جریر کو معاویہؓ کے پاس بھیجا ہے تو وہ جریر سے عداوت کی بنا پر معاویہؓ کے پاس پہنچے اور ان سے کہنے لگے:

"امیر المومنین حضرت عثمانؓ ہمارے خلیفہ تھے۔ اگر آپ ان کے خون کا بدلہ لینے پر قادر ہیں تب تو ہم آپ کو اپنا امیر ماننے کے لئے تیار ہیں ورنہ نہیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ان کی بیعت کر لی۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بیعت کی جس کا بعض مؤرخین نے ذکر کیا ہے تصدیق ہونی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جبکہ حضرت معاویہؓ کو پتہ تھا کہ حضرت علیؓ کی بیعت اصحاب شوریٰ اور مہاجرین وانصار نے کر لی ہے اور یہی لوگ ہیں جن پر کسی شخص کی بیعت کی بنیاد ہو سکتی ہے، تو معاویہؓ اپنے لئے شرجیل اور عمروؓ جیسے اشخاص کی بیعت پر کس طرح رضامند ہو سکتے تھے جنہیں نہ اسلام میں سابقیت کا شرف حاصل تھا اور نہ ان کا ان کے قبائل میں کوئی اثر تھا جس کے سبب ان پر بھروسہ کیا جا سکتا۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ یہ معاملہ اس حد سے آگے نہیں بڑھا کہ حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کے لئے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

حضرت علیؓ کا قاصد واپس کوفہ آ گیا اور حضرت علیؓ کو بتلا دیا کہ کس طرح لشکرِ شام ان سے مقابلہ اور حضرت عثمانؓ کے انتقام کا مطالبہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کی خون آلودہ قمیص اور حضرت نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں منبر پر لٹکا دی ہیں۔ اہل شام جوق در جوق مسجد میں آتے ہیں اور انہیں دیکھ کر دھاڑیں مار مار کے روتے ہیں۔ انہوں نے قسم کھائی ہے کہ یا تو وہ حضرت عثمانؓ کا انتقام لیں گے یا خود کو فنا کر دیں گے۔

جب حضرت علیؓ کو یقین ہو گیا کہ معاویہؓ تلوار کے سوا اور کسی طرح مطیع ہونے والے نہیں تو انہوں نے فوج کو شام جانے کے لئے تیاری کرنے کا حکم دے دیا۔

---

(۱۵)

پانی پر جنگ

حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ کے مقابلہ کے لئے نکلنا:-

امیر المومنین حضرت علیؓ اپنی فوج کو لے کر کوفہ سے نکلے اور مقام نخیلہ میں قیام کیا۔ نخیلہ میں آپ نے لشکر کو مرتب کیا اور جزیرہ کے راستہ شام میں داخل ہوئے۔ جب حضرت معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص سے مشورہ کیا۔ انہوں نے رائے دی کہ دمشق سے باہر نکل کر حضرت علیؓ کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ وہ بھی فوج لے کر باہر نکلے۔

حضرت علیؓ نے رقہ پہنچ کر دریائے فرات کو عبور کیا اور آگے بڑھ کر صفین کے میدان میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت معاویہؓ کا لشکر وہاں پہلے ہی سے موجود تھا۔

صفین میں مسلمانوں کی اس قدر زبردست افواج جمع ہوئی تھیں جن کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی۔ تاریخ اسلام پر نظر دوڑانے سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غزوۂ حنین کے موقع پر جب کہ مسلمان اپنی کثرتِ تعداد پر نازاں تھے، اسلامی فوج کی تعداد دس ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کے بعد

جب مسلمان ایران کو فتح کرنے اور رومیوں سے مقابلہ کرنے لگے تو ان کی تعداد رفتہ رفتہ بڑھتی رہی۔ جنگِ یرموک کے موقع پر مسلمان چھیالیس ہزار کی تعداد میں تھے اور قادسیہ اور نہاوند میں ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ لیکن جنگِ صفین میں حضرت علیؓ کا لشکر ستر ہزار اور حضرت معاویہؓ کا لشکر نوے ہزار سے کم نہ تھا۔

حضرت معاویہؓ اپنا لشکر لے کر صفین میں پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنے لئے دریائے فرات کے متصل ایک وسیع و عریض میدان منتخب کر لیا تھا جہاں سے پانی لینا بہت آسان تھا۔ اس جگہ کے علاوہ جہاں حضرت معاویہؓ کی فوج نے قیام کیا تھا اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے پانی لینا ممکن ہوتا۔ کیونکہ وہ علاقہ پہاڑی تھا اور دریا کے دونوں طرف اونچی اونچی پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ دریا بھی اس جگہ بہت گہرا اور تیز تھا۔

حضرت معاویہؓ کی غرض اس جگہ کے منتخب کرنے سے یہ تھی کہ دونوں فوجوں میں باقاعدہ مقابلہ ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؓ کی فوج کو پیاسا مار کر اپنے حق میں فیصلہ کرا لیا جائے۔ حضرت معاویہؓ کا خیال تھا کہ اس طرح اوّل تو مقابلہ کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اگر آئی بھی تو پیاس سے نڈھال ہونے والی فوج زیادہ دیر تک ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔

لیکن حضرت معاویہؓ نے اپنی مخالف فوج کی قوت کا اندازہ غلط لگایا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بآسانی حضرت علیؓ کی فوج کو پانی لینے سے روک سکیں گے۔ لیکن انہوں نے یہ بات نظر انداز کر دی کہ ستر ہزار فوج پانی کو اپنے بالکل سامنے دیکھ کر کسی طرح صبر نہیں کر سکے گی اور اگر اسے پانی لینے کی اجازت نہ ملی تو وہ تلوار سے کام لے کر اپنے دشمن کو اپنے راستہ سے ہٹانے اور خود پانی پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے گی۔

جب حضرت علیؓ اپنے لشکر کو لے کر صفین کے میدان میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر نے نہایت مناسب جگہ پر پڑاؤ ڈال رکھا ہے اور پانی پر اسی کا قبضہ ہے۔ جب آپ کے آدمیوں نے پانی لینے کے لئے دریا کی طرف بڑھنا چاہا تو دشمن کے سپاہی راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اور انہیں دریا کی طرف بڑھنے سے روک دیا۔

حضرت علیؓ کی عادت تھی کہ آپ جس حد تک ممکن ہوتا تھا اپنے لشکر کو جنگ کرنے سے

دیکتے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی آپ نے صلح صفائی سے کام لینا چاہا۔ اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس وقت تک کسی شخص سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں جب تک وہ پانی کے بارے میں معاویہؓ کو خط نہ لکھیں اور وہاں سے جواب موصول نہ ہو جائے۔ آپ کی فوج کو پیاس نے بے حد تنگ کر رکھا تھا۔ اس نے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی جہاں سے پانی لینے میں آسانی ہو۔ لیکن وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس میں اپنی فوج کیلئے دریا سے پانی لینے کی اجازت طلب کی لیکن حضرت معاویہؓ نے صاف انکار کر دیا۔ اب حضرت علیؓ کی فوج کے لئے لڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا۔

جو خط حضرت علیؓ نے صعصعہ بن صوحان کے ہاتھ حضرت معاویہؓ کے پاس بھیجا تھا اس کا مضمون یہ تھا:

"تم نے اپنے گھوڑے آگے بڑھائے اور قبل اس کے کہ ہم تم سے لڑتے، تم ہم سے لڑے۔ تم نے ہمارے ساتھ جنگ میں ابتدا کی۔ اب تم نے ہمیں پانی سے روک دیا ہے۔ یہ بات تمہارے لئے اچھی نہیں ہے۔ تم ہمیں پانی لینے دو ورنہ پھر ہم مجبور ہوں گے کہ تم سے لڑیں اور خود پانی پر قبضہ کر لیں۔"

صعصعہ یہ خط لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ خط دکھا کر مشورہ طلب کیا۔ بعض لوگوں نے کہا "ان لوگوں کو پانی ہرگز نہیں لینے دینا چاہیے کیونکہ یہ لوگ پہلے خود حضرت عثمانؓ پر پانی بند کر چکے ہیں۔" البتہ عمروؓ بن العاص نے یہ رائے دی کہ انہیں پانی سے روکنا نہیں چاہیے۔ لیکن حضرت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص کی رائے کی پروا نہ کی اور حضرت علیؓ کی فوج کو بدستور پانی لینے سے روکے رکھا۔

اس پر حضرت علیؓ کی فوج میں سخت جوش پیدا ہو گیا اور انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق حضرت معاویہؓ کی فوج سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔ تاہم حضرت علیؓ نے جہاں تک ممکن ہوا ان کے جوش کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ رات کو آپ گشت کرتے کرتے مذحج قبیلہ کے خیموں کی طرف جا نکلے۔ وہاں ایک آدمی شعر پڑھ رہا تھا

کیا یہ قوم ہمیں دریائے فرات کے پانی سے روک سکے گی؟ حالانکہ ہمارے پاس تلواریں

اور نیزے ہیں اور ہمارے درمیان علیؓ ہیں جن کو مصائب و آفات آکر ڈراتی ہیں تو وہ ڈرتے نہیں۔"

حضرت علیؓ آگے بڑھے اور کندہ کے خیموں میں پہنچے۔ وہاں اشعث بن قیس آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے:

"کیا یہ لوگ ہمیں فرات کے پانی سے روک سکیں گے حالانکہ آپ ہمارے درمیان ہیں اور تلواریں ہمارے ہاتھوں میں ہیں!"

آخر حضرت علیؓ نے فوج کو حکم دے دیا کہ وہ تلواریں ہاتھ میں لے لے اور دشمن کو پانی کی جگہ سے بزور ہٹا دے۔ چنانچہ اشعث نے لوگوں میں جنگ کی منادی کرنی شروع کی۔ کندہ اور قحطان کے بارہ ہزار سپاہی تلواریں سونت سونت کر باہر نکل آئے۔ ان کی قیادت اشعث کر رہے تھے۔ یہ لوگ آگے بڑھے اور اہل شام سے جاکے بھڑ گئے۔ لڑائی شروع ہو گئی۔ جانبین کو برابر اپنی اپنی طرف سے امداد پہنچ رہی تھی۔ حضرت علیؓ کے بارہ ہزار سپاہی گھوڑوں سے اتر پڑے اور اہل شام کی صفوں میں گھس کر انہیں تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ کچھ دیر نہ گذری تھی کہ شامیوں کو شکست ہو گئی۔ حضرت معاویہؓ کی فوج کو مجبوراً دریا سے بہت دور جاکر پڑاؤ ڈالنا پڑا۔ حضرت علیؓ کا لشکر آگے بڑھا اور اس وسیع و عریض میدان پر قابض ہو گیا جو چند گھنٹے پیشتر حضرت معاویہؓ کی فوج کے قبضہ میں تھا اور جس کے برابر سے دریائے فرات بہہ رہا تھا۔

اب حضرت معاویہؓ کے لشکر کی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے حضرت علیؓ کے لشکر کی تھی۔ وہ پانی سے دور تھے اور پانی حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہ تھا۔ لشکر کے ہر شخص کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کے آدمی انہیں کبھی پانی نہیں لینے دیں گے۔ لیکن حضرت عمروؓ بن العاص نے کہا:

"میرا یہ خیال ہے کہ وہ ہمیں پانی لینے سے ہرگز نہیں روکیں گے۔"

حضرت عمروؓ بن العاص کا یہ خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ کیونکہ جب حضرت معاویہؓ کے آدمی پانی لینے کے لئے دریا کی طرف بڑھے اور حضرت علیؓ کے آدمیوں نے انہیں روکنا چاہا تو حضرت علیؓ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ہمارا دین اور ہمارا خلق اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم اپنے

دشمن سے ایسا ہی سلوک کریں جو اس نے ہم سے کیا تھا۔

جب آپ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا:

"امیرالمومنین! جس طرح انہوں نے ہمیں پانی لینے سے روکا تھا ہم بھی انہیں کیوں نہ روکیں؟"

تو حضرت علیؓ نے فرمایا:

"نہیں! انہیں پانی لینے کے لئے راستہ دے دو۔ میں جاہلوں کا سا کام نہیں کروں گا۔ ہم ان کے سامنے کتابِ الٰہی پیش کریں گے اور انہیں ہدایت کی طرف بلائیں گے۔ اگر انہوں نے ہماری دعوت کو قبول کر لیا تو خیر ورنہ پھر ہمارے اور ان کے درمیان تلوار کی دھار فیصلہ کرے گی۔"

چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں لوگوں نے یہ نظارہ دیکھا کہ اہلِ عراق اور اہلِ شام دونوں ایک گھاٹ سے پانی لے رہے ہیں اور کوئی ایک دوسرے سے تعرض نہیں کر رہا۔

اس جگہ ہر شخص کے دل میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت علیؓ کی یہ کارروائی ٹھیک تھی؟ کیا حضرت علیؓ کو نہیں چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنے دشمن سے اسی قسم کا سلوک کرتے جو وہ ان سے کر چکا تھا؟ جنگی نقطۂ نظر سے خواہ حضرت علیؓ کا اپنے دشمنوں سے یہ برتاؤ ٹھیک ہو یا غلط۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا یہ کارنامہ آپ کی شرافت، بزرگی اور اخلاق کی بلندی کی ایک زندہ مثال ہے۔

---

(۱۶)

قائدینِ صلح

حضرت علیؓ کا پیغام حضرت معاویہؓ کے نام :-

یہ واقعہ ہے کہ حضرت علیؓ شام میں لڑنے کے لئے نہیں آئے تھے۔ جب آپ کے لشکر نے اہلِ شام کو دریائے فرات سے ہٹا دیا تو آپ نے تین آدمیوں کو حضرت معاویہؓ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ وہ بھی عامۃ المسلمین کی طرح آپ کی بیعت کر لیں۔ یہ تین آدمی مندرجہ ذیل تھے :-

بشیر بن عمرو الانصاری، سعید بن قیس الہمدانی اور شبث بن ربعی التیمی۔

یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے اور بشیر بن عمرو نے حضرت معاویہؓ سے کہا :

"اے معاویہؓ! عنقریب تم اس دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا میں جانے والے ہو جہاں خدا تعالیٰ تمہارے اعمال کا محاسبہ کرے گا اور جو کام تم نے اس دنیا میں کئے ہیں ان کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ تم امت میں تفرقہ پیدا نہ کرو اور مسلمانوں کے خون سے اپنا دامن بچاؤ۔"

معاویہؓ نے کہا:

"یہاں آنے سے پیشتر آپ نے علیؓ کو یہ نصیحتیں نہ کیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"علیؓ تمہاری طرح نہیں ہیں۔ وہ اپنی فضیلت، دینی عظمت، اسلام میں سبقت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنا پر بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ خلافت کے مستحق ہیں۔"

حضرت معاویہؓ نے پوچھا:

"پھر وہ کیا کہتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا:

"وہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنی بیعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تم نے ان کی دعوت قبول کر لی تو یہ تمہارے لیے دنیاوی لحاظ سے بھی مفید ثابت ہوگی اور تم آخرت میں خدا تعالیٰ کے سامنے سرخرو بھی ہو سکو گے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"کیا ہم عثمانؓ کا خون چھوڑ دیں گے؟ خدا کی قسم ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔"

اس پر شبث بن ربعی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"اے معاویہؓ! جو کچھ تمہارا ارادہ اور مطلب ہے وہ ہم سمجھ گئے ہیں۔ تمہارے پاس کوئی ایسا حربہ نہیں تھا جس سے تم لوگوں کو گمراہ کر سکتے اور انہیں اپنے ڈھب پر لا سکتے۔ اس پر تم نے ان کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کیا کہ تمہارا امام مظلوم قتل کیا گیا ہے اور ہم اس کے خون کا بدلہ لینے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس پر بے وقوف لوگ تمہارے پیچھے چل پڑے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم نے جان بوجھ کر حضرت عثمانؓ کی مدد کرنے میں دیر کی اور دل سے یہ چاہا کہ انہیں شہید کر دیا جائے تاکہ تم وہ کچھ حاصل کر سکو جو تمہارا مدعا ہے۔ لیکن یاد رکھو بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے کام لے کر ایسے لوگوں کو نامراد کر دیتا ہے اور بعض دفعہ ان لوگوں کو ان کی خواہشات اور آرزوؤں سے بھی بڑھ کر دیتا ہے۔ لیکن تمہارے لئے ان میں سے کوئی چیز بھی مفید نہیں ہو سکتی۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تب تو ظاہر ہے کہ تم سے زیادہ بدبخت عربوں میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر کامیاب ہو گئے تب بھی جہنم کی آگ کی لپٹ سے

نہیں بچ سکتے۔ اس لئے اے معاویہؓ! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے موجودہ رویہ کو ترک کر کے خلافت کے حقدار سے جھگڑا مت کرو۔"

شبث کی یہ تیز گفتگو حضرت معاویہؓ کو بے حد ناگوار گزری۔ انہوں نے کہا:

"اے سخت مزاج گنوار! تو نے سراسر جھوٹ بولا ہے۔ جاؤ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔"

چنانچہ یہ وفد ناکام لوٹ آیا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں سب باتیں گوش گذار کر دیں۔

ہلکے پیمانہ پر لڑائی کی ابتدا:-

حضرت علیؓ نے کوئی چارۂ کار نہ دیکھ کر اپنی فوج کو تیار رہنے کا حکم دیا چنانچہ وہ سازو سامان سے لیس ہو کر میدانِ جنگ میں آ گئی۔ عراقیوں اور شامیوں کے تصادم سے ہر شخص ڈرتا تھا کیونکہ سب کو یہ خطرہ تھا کہ اس طرح بڑے پیمانہ پر اتلافِ جان ہو گا۔ اس ناگوار صورتِ حال سے بچنے کے لئے ہر لشکر کا ایک ایک دستہ باری باری آگے آ کر لڑتا تھا۔ لڑائی کی یہ صورت ذی الحجہ ۳۶ھ تک جاری رہی۔ جب محرم کا چاند دکھائی دیا تو دونوں فوجوں میں لڑائی بند ہو گئی۔

صلح کی کوششیں:-

اب دونوں فریقوں نے چاہا کہ باہم صلح و مصالحت ہو جائے۔ اس غرض کے لئے دونوں طرف قاصدوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہوا۔

اس جگہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عقلمند اور تجربہ کار انسان ایسے قاصدوں کو بھیجتا ہے جو فریقِ مخالف کے کیمپ میں جا کر اس کی ترجمانی نہایت اچھے طریق سے کریں۔ تمام معاملات سے پوری طرح واقف ہوں۔ اپنی ذکاوت سے بگڑی ہوئی بات کو بھی بنا لیں اور اپنی تقریر سے فریقِ مخالف پر اچھا اثر ڈالیں۔ لیکن اگر قاصدوں کے انتخاب میں بد احتیاطی سے کام لیا جائے اور ایسے قاصد چنے جائیں جنہیں نہ بات کرنے کا ڈھب آتا ہو نہ سفارتی آداب کا کوئی خیال ہو اور نہ صورتِ حال سے آشنا ہوں تو اس طرح بنی ہوئی بات بھی بگڑ جاتی ہے اور ان قاصدوں کے ہاتھوں جو نقصان اٹھانا پڑتا ہے وہ دشمن کے ہاتھوں

پہنچنے والے نقصان سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔

اس نقطۂ نظر سے جب ہم حضرت علیؓ کے قاصدوں پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قاصد اپنی گفتگو کو حدِ اعتدال میں رکھنے کے عادی نہیں تھے۔ ان کے چہروں سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صلح کی نہیں بلکہ جنگ کی بات چیت کرنے کے لئے آئے ہیں۔ جب بات چیت شروع کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دشمنی کی آگ بھڑکانے اور سوئے فتنے جگانے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ حضرت علیؓ کی طرف سے صلح کی صرف ایک شرط پیش کی جاتی تھی اور وہ یہ کہ معاویہؓ غیر مشروط طور پر ان کی اطاعت قبول کر کے ان کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ حالانکہ ایسا کرنا خود ان کے لئے بے حد نقصان دہ تھا۔ اس طرح حضرت معاویہؓ پر بہت ناگوار اثر پڑتا تھا اور وہ کسی طرح حضرت علیؓ کی شرطیں ماننے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے۔

حضرت علیؓ نے صلح کی بات چیت کے لئے عدی بن حاتم، یزید بن قیس الارحبی، زیاد بن حفصہ اور شبث بن ربعی کو بھیجا۔ شبث بن ربعی پہلی سفارت میں بھی شامل تھے اور ان کی تُرشی نے بھی بات چیت کی ناکامی کا ایک سبب بنی۔

جب یہ لوگ حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچے تو عدی نے بات چیت شروع کی۔ انہوں نے کہا:

"اے معاویہؓ! ہم تمہارے پاس اتفاق اور اتحاد کی دعوت لے کر آئے ہیں۔ اگر تم نے اسے قبول کر لیا تو مسلمانوں کے درمیان صلح ہو جائے گی۔ ان کے آپس کے جھگڑے مٹ جائیں گے اور ان میں خون خرابہ نہ ہوگا۔ دیکھو! حضرت علیؓ تمہارے چچا زاد بھائی، مسلمانوں کے سردار، امت میں سب سے افضل اور سابقون الاولون میں ہیں۔ تمام لوگوں نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو صحیح راستہ دکھایا ہے۔ لیکن تم نے ان کی دعوت قبول نہیں کی اور انہیں خلیفہ تسلیم نہیں کیا۔ اے معاویہؓ! اپنی ہٹ سے باز آ جاؤ۔ کہیں تمہارے ساتھ بھی وہی نہ ہو جو اہلِ جمل کے ساتھ ہو چکا ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا:

"اے عدی! افسوس تم مجھے دھمکانے آئے ہو یا صلح کی بات چیت کرنے؟ خدا کی قسم! میں "ابن حرب" (زبردست جنگجو) ہوں جنگ سے مطلقاً نہیں ڈرتا۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم بھی حضرت عثمانؓ

کے قاتلین میں شامل ہو۔ تم سے بھی ان کا قصاص لیا جائے گا اور تم بھی ان لوگوں کے زمرہ میں شامل کئے جاؤ گے جنہیں اللہ عزوجل قتل کرے گا۔"

گفتگو کا یہ رنگ دیکھ کر شبث اور زیاد نے کہا:

"ہم تمہارے پاس صلح کی بات چیت کرنے آئے تھے مگر تم نے اس بات کو چھوڑ کر دوسری باتیں کرنی شروع کر دیں۔ ان باتوں کو چھوڑو جن سے کوئی فائدہ نہیں اور وہ بات کرو جس سے مصالحت کی صورت پیدا ہو، جو فریقین کے لئے سود مند ہو سکے۔"

یزید بن قیس کہنے لگے:

"ہم آپ کو وہ پیغام پہنچانے آئے ہیں جس کے لئے ہمیں بھیجا گیا ہے۔ جو کچھ آپ سے سنیں گے وہ اپنے خلیفہ کو پہنچا دیں گے۔ البتہ ہم آپ کو نصیحت کرنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ اور وہ یہ کہ آپ حضرت علیؓ کی بیعت کر کے امت کی شیرازہ بندی میں مدد دیں۔ حضرت علیؓ کی فضیلت کو آپ اچھی طرح سمجھتے ہیں اور امید ہے کہ آپ سے یہ امر بھی پوشیدہ نہیں ہو گا کہ اہلِ دین اور اہلِ فضیلت کبھی حضرت علیؓ کی اطاعت سے انحراف نہیں کر سکتے۔ اس لئے اے معاویہؓ! آپ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور حضرت علیؓ کی مخالفت نہ کریں۔ خدا کی قسم! ہم نے کوئی شخص حضرت علیؓ سے زیادہ متقی، پرہیزگار اور صفاتِ حسنہ سے متصف نہیں دیکھا۔"

حضرت معاویہؓ نے جواب دیا:

"تم نے مجھے علیؓ کی اطاعت اور جماعت میں شریک ہونے کی دعوت دی ہے۔ جس جماعت کی طرف تم مجھے بلاتے ہو آخر وہ کون سی جماعت ہے؟ باقی رہا علیؓ کی اطاعت، تو مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ انہوں نے ہمارے خلیفہ کو قتل کیا۔ جماعت میں تفرقہ پیدا کیا۔ عثمانؓ کے قاتلین کو پناہ دی۔ علیؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے عثمانؓ کو قتل نہیں کیا۔ ہم ان کی یہ بات مان لینے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ جن لوگوں نے ان کے قتل میں حصہ لیا وہ ان کی فوج میں شامل ہیں اور ان کے یار و مددگار بنے ہوئے ہیں۔ مصالحت کی صرف یہی صورت ہے کہ علیؓ قاتلینِ عثمانؓ کو ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم انہیں قتل کریں گے اس کے بعد علیؓ کی اطاعت اور ان کی خلافت کو تسلیم کر لیں گے۔"

اس پر شبث نے کہا: "معاویہؓ! کیا تمہیں اس بات سے خوشی ہوگی کہ تم عمار جیسی شخصیت کو پکڑلو

اور انہیں قتل کر دو۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"کیوں عمارؓ بن یاسر میں کیا خاص بات ہے جو انہیں قتل نہ کیا جائے؟ خدا کی قسم! اگر میں ابن سمیہ پر قابو پا لوں تو عثمانؓ کے قصاص میں تو انہیں قتل نہ کروں لیکن حضرت عثمانؓ کے غلام نائل کے قصاص میں ضرور قتل کر دوں۔"

شبث نے کہا:

"خدا کی قسم! یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ گردنیں جسموں سے جدا نہ ہو جائیں اور زمین کی پشت اور آسمان کا سینہ تمہارے لئے تنگ نہ ہو جائے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"اگر ایسا ہونا ہی ہے تو پہلے تمہارے لئے ہو گا۔"

اس طرح یہ سفارت بھی ناکام ہو گئی۔ حالانکہ اگر فریقین خلوص نیت سے صلح کی بات چیت کرتے اور ایک دوسرے کو کچھ مراعات دے دیتے تو اس امر کا کافی امکان تھا کہ مسلمانوں کے یہ دونوں گروہ باہم اتفاق رائے سے ایسے فیصلے پر پہنچ جاتے جو تمام مسلمانوں کے لئے یکساں مفید ہوتا۔ لیکن اس سفارت میں بھی منجملہ دوسری سفارتوں کے اسی شدت اور سختی کا مظاہرہ کیا گیا جس سے دلوں میں اور بھی زیادہ بگاڑ پیدا ہو گیا اور دونوں گروہ ایک دوسرے سے پہلے سے بھی زیادہ دور ہو گئے۔

حضرت معاویہؓ کی طرف سے سفارت کا سلسلہ:۔

اب تک حضرت علیؓ کی جانب سے سفیر آ رہے تھے اب معاویہؓ نے اپنی طرف سے حبیب بن مسلمۃ الفہری، شرجیل بن السمط اور معن بن یزید بن الاخنس کو حضرت علیؓ سے بات چیت کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ تینوں حضرت علیؓ کے پاس پہنچے۔ حبیب نے گفتگو شروع کی۔ انہوں نے کہا:

"حضرت عثمانؓ بن عفان خلیفہ برحق تھے۔ کتاب اللہ عزوجل پر عمل کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ کے احکام کے پابند تھے۔ تم نے ان کی زندگی کو پسند نہ کیا اور ان کو ظلم کے ساتھ شہید کر دیا۔ اگر تم یہ کہتے ہو کہ تم حضرت عثمانؓ کے قتل سے بری ہو تو ان کے قاتلین کو ہمارے سپرد کر دو۔ ہم انہیں حضرت عثمانؓ کے

قصاص میں قتل کر دیں گے۔ پھر مسلمان جمع ہو کر باہم اتفاق رائے سے جسے چاہیں گے اپنا خلیفہ منتخب کر لیں گے۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"کیا خوب! تم اور مجھے معزول کرو۔ خاموش رہو۔ تم اس معاملہ میں بولنے کے اہل نہیں ہو"

حبیب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا:

"تم مجھے اس حالت میں دیکھو گے جو تمہیں پسند نہیں ہو گی۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"تم میرا کر ہی کیا سکتے ہو؟ چاہے تم جتنی کوشش کر لو اپنے مقصد میں ناکام رہو گے۔"

شرجیل بن السمط بھی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے:

"میں بھی وہی کچھ کہوں گا جو میرے ساتھی کہہ چکے ہیں۔ کیا اس کے سوا بھی آپ کے پاس کوئی اور جواب ہے؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"بے شک!"

اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور امت کی ہدایت کا ذکر کیا اور فرمایا کہ "پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ حضرت ابو بکرؓ آپ کے بعد خلیفہ ہوئے اور نہایت اچھی طرح خلافت کا کام سرانجام دیا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے بھی خلافت کا کام بڑی خوبی سے نبھایا۔ ان دونوں نے اپنے اپنے عہدِ خلافت کو بہت اچھی طرح گزارا اور امت میں عدل و انصاف قائم کیا۔ چونکہ ہم آلِ رسول ہیں اور خلافت کا حق سب سے زیادہ ہمارا تھا اس لئے اگرچہ ہمیں ان سے خلافت کے بارہ میں اپنی حق تلفی کی شکایت تھی لیکن ہم نے ان کو معاف کر دیا۔ ان دونوں کے بعد حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے چند ایسے کام کئے جنہیں لوگوں نے ناپسند کیا۔ انہوں نے بغاوت کی اور حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ اس کے بعد لوگ میرے پاس آئے۔ میں ان کے معاملات سے بالکل الگ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بیعت لینے کے لئے کہا لیکن میں نے انکار کر دیا۔ انہوں نے پھر بیعت لینے کے لئے کہا اور کہا کہ امتِ محمدیہ

آپ کے سوا اور کسی شخص کی خلافت پر راضی نہیں ہوگی اور اگر آپ نے خلافت قبول نہ کی تو امت میں تفرقہ پیدا ہو جائے گا۔ تب میں نے ان کی بیعت لی۔ پہلے طلحہؓ اور زبیرؓ نے بیعت کرنے کے بعد میری مخالفت کی اور اب معاویہؓ میری مخالفت میں پیش پیش ہیں۔ حالانکہ نہ انہیں اسلام میں سابقیت کا شرف حاصل ہے اور نہ انہوں نے اسلام کی کوئی مخلصانہ خدمت سرانجام دی ہے۔ وہ اور ان کے والد ہمیشہ اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں کے دشمن رہے۔ وہ دونوں اسلام میں بھی داخل ہوئے تو مجبور ہو کر۔ اس لئے تعجب ہے کہ تم ان کا ساتھ دیتے ہو اور اہلِ بیت کی مخالفت کرتے ہو۔ تمہیں میری مخالفت کرنا اور میرے مقابلہ میں کسی اور کو لانا زیب نہیں دیتا۔ میں تمہیں کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور باطل کو مٹانے اور حق کو زندہ کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔"

شرجیل نے یہ سُن کر کہا:

"آپ یہ گواہی تو دے دیجئے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم شہید کئے گئے۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"میں نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ مظلوم قتل کئے گئے اور نہ یہ کہتا ہوں کہ وہ ظالم ہونے کی حالت میں قتل کئے گئے۔"

اس پر ان تینوں قاصدوں نے کہا:

"جو شخص حضرت عثمانؓ کی مظلوم شہادت کو تسلیم نہیں کرتا ہمارا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔"

یہ کہہ کر وہ تینوں واپس چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے اس وقت یہ آیت پڑھی:

فانک لا تسمع الموتیٰ ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین۔ وما انت بھاد العمی عن ضلالتھم۔ ان تسمع الا من یومن بآیاتنا فھم مسلمون۔

ترجمہ:- تو نہ مُردوں کو کچھ سُنا سکتا ہے اور نہ بہروں کو جب وہ پیٹھ پھیر لیں، تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے نجات نہیں دلا سکتا۔ تو اپنی باتیں انہی لوگوں کو سُنا سکتا ہے جو ہماری آیات پر ایمان لائیں اور تابعداری اختیار کریں۔

صلح کی بات چیت کی ناکامی :-

ہم نے صلح کی بات چیت کو ذرا تفصیل سے یہ دکھانے کے لئے بیان کر دیا ہے کہ حضرت علیؓ صلح کے کس قدر خواہشمند تھے۔ حضرت علیؓ اپنا لشکر لے کر صفین کے میدان میں ذی الحجہ ۳۶ھ کے اواخر میں پہنچے تھے۔ جب محرم شروع ہو گیا تو دونوں فریق " اشھرالحرم " کے دوران میں صلح کرنے پر رضامند ہو گئے۔ امیر المومنینؓ کو امید تھی کہ اس عرصہ میں معاملات سلجھ جائیں گے اور بغیر جنگ کے مسلمان آپس میں متحد ہو جائیں گے۔ انہیں حضرت معاویہؓ کی طرف سے کسی بھلائی کی امید نہ تھی اور انہیں معلوم تھا کہ تلوار کے علاوہ اور کسی طریق سے وہ شام کی حکومت چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ البتہ انہیں اس امر کی توقع تھی کہ وہ پند و نصائح سے حضرت معاویہؓ کے بعض مددگاروں کو اپنی طرف مائل کر لیں گے۔ اسی لئے حضرت علیؓ کے قاصد حضرت معاویہؓ کے پاس آتے رہے لیکن انہوں نے اس ضمن میں کوئی اچھا کام سرانجام نہیں دیا۔ حضرت علیؓ کے قاصدوں نے حضرت معاویہؓ کے سامنے اور حضرت معاویہؓ کے قاصدوں نے حضرت علیؓ کے سامنے اس طرح گفتگو کی جس سے باہمی نفرت اور بھی زیادہ ہو گئی اور کامیابی کی امید جاتی رہی۔ ان قاصدین کی گفتگوؤں سے پتہ چلتا ہے کہ انہیں سیاست کی کچھ شد بد نہ تھی وہ صلح سے زیادہ جنگ کی طرف مائل تھے۔ اس طرح یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور صلح کی تمام بات چیت ناکام ہو گئی۔

---

(۱۷)

معرکۂ صفین

دونوں فریق اپنے اپنے کیمپوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ کا خیال تھا کہ اس عرصہ میں دلائل و براہین کے ساتھ مخالفین کو قائل کر لیا جائے گا اور شمشیر زنی کی نوبت نہ آئے گی۔ لیکن جب محرم گزر گیا اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اب صلح کی مزید گفت و شنید بے کار ہو گی تو اپنے ایک سالار کو حکم دیا کہ وہ فوج میں دوبارہ لڑائی شروع ہونے کی منادی کرا دے تاکہ تمام لوگ تیار ہو جائیں۔ تاہم آپ اس بات کے لئے تیار نہ ہوئے کہ اپنے ارادہ کا فریقِ مخالف پر اظہار کرنے سے پہلے ہی ان پر حملہ کر دیں۔ اس لئے آپ نے اپنے ایک آدمی کو اہلِ شام میں اس اعلان کے لئے بھیجا:

"امیر المومنینؓ تمہیں مطلع کرتے ہیں کہ انہوں نے تم کو حق کی طرف رجوع کرنے اور سرکشی سے باز آ جانے کے لئے کافی مہلت دی، تمہارے سامنے کتاب اللہ پیش کی اور تمہیں اس کی طرف بلایا۔ لیکن تم اپنی سرکشی سے باز نہ آئے اور حق و صداقت کو قبول نہ کیا اب ہم تم سے دوبدو مقابلہ کریں گے۔"

جب حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو حضرت علیؓ کے ارادہ کا پتہ چلا تو انہوں نے بھی اپنے

لشکر کو جنگ کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ لڑائی سے پہلے حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"جب تک فریقِ مخالف کی طرف سے حملہ شروع نہ ہو تم حملہ نہ کرنا۔ اگر وہ شکست کھا جائے تو کسی بھاگتے ہوئے کو قتل نہ کرنا۔ کسی زخمی کو نہ مارنا۔ کسی مُردہ کا مثلہ نہ کرنا۔ جب تم ان لوگوں کے خیموں کے پاس پہنچو تو کسی عورت کی بے پردگی نہ کرنا۔ گھروں میں داخل نہ ہونا۔ کسی کا مال نہ لوٹنا۔ عورتوں پر ہاتھ نہ اُٹھانا خواہ وہ تمہاری بے عزتی کر رہی ہوں اور تمہارے امراء اور بزرگوں کو گالیاں دے رہی ہوں۔ کیونکہ وہ کمزور جانوں میں شمار ہوتی ہیں۔"

شروع میں جزوی مقابلے ہوتے رہے۔ طرفین کی جانب سے فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے ایک دوسرے کے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں آجاتے اور آپس میں مقابلہ شروع ہو جاتا۔ رات ہونے پر یہ دستے اپنے اپنے کیمپوں میں واپس چلے جاتے۔

ان مقابلوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ رات کو جب سپاہی ہتھیار اتارتے تو اکثر اوقات ایک دوسرے کے خیموں میں بھی چلے جاتے اور آپس میں بھائیوں کی طرح پیار محبت کی باتیں کرتے۔ دوسرے دن پھر ایک دوسرے کے مقابلہ میں میدان میں نکل آتے۔ ایک ہفتہ تک لڑائی اسی ڈھنگ پر جاری رہی اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر حضرت علیؓ نے پورے لشکر کے ساتھ عام حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۸ صفر ۳۷ھ کی رات کو آپ نے اپنی فوج میں ایک پُرجوش خطبہ دیا اور اسے جنگ میں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی۔

اگلے روز دونوں فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں نے جدید اصولوں کے مطابق اپنے اپنے لشکر کو مرتب کیا تھا۔ سب سے پہلے امیر المومنین حضرت علیؓ نے اپنے لشکر کے دائیں بازو کو آگے بڑھایا جس نے حضرت معاویہؓ کے لشکر کے بائیں بازو پر حملہ کر دیا۔ اس حصّہ لشکر کے سالار عرب کے مشہور بہادر عبداللہ بن بدیل تھے۔ یہ حملہ اتنا زبردست تھا کہ حضرت معاویہؓ کے لشکر کے پاؤں ڈگمگانے لگے اور اسے قلب کے سپاہیوں سے مدد لینی پڑی۔ اب حضرت معاویہؓ کے میسرہ کا پلّہ بھاری ہو گیا اور انہوں نے حضرت علیؓ کے میمنہ پر جوابی حملہ کر کے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ حضرت

میمنہ کا سالار اپنے دو سو سپاہیوں کے ساتھ ثابت قدم رہا اور جی توڑ کر لڑتا رہا۔ جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ ان کا میمنہ غیر متوقع طور پر پیچھے ہٹ گیا ہے تو وہ قلب کو ساتھ لے کر حضرت معاویہؓ کے میسرہ کے عین مقابل آ گئے، لیکن قلب بھی اس حملہ کو نہ روک سکا۔ جب میسرہ نے یہ حالت دیکھی تو اس کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے آگے بڑھ کر حضرت معاویہؓ کے میسرہ کے حملہ کو روکنا شروع کیا۔ حضرت علیؓ بھی ان کے ساتھ تھے اور بنفسِ نفیس لڑائی میں حصہ لے رہے تھے۔

اس وقت حضرت علیؓ اشتر نخعی کے پاس سے گزرے اور ارشاد فرمایا:

"اہلِ میمنہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ تم موت سے بچ کر کہاں تک بھاگو گے؟"

اشتر نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ پیچھے ہٹنے والی فوج کے پاس پہنچا اور اپنی طلاقتِ لسانی کی وجہ سے ان کے دلوں میں نیا جوش پیدا کر دیا۔ وہ لوگ اس کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ انہیں لے کر وہ میدانِ جنگ میں پہنچا اور بڑی شدت کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی فوج پر حملہ کیا۔ معاویہؓ کے سپاہی اشتر کے سامنے ٹھہر نہ سکے۔ آہستہ آہستہ اشتر حضرت معاویہؓ کے خیمے کے قریب تک پہنچ گیا۔ معاویہؓ کے سپاہیوں نے جرأت سے کام لیا اور ایک مرتبہ پھر انہیں پیچھے ہٹا دیا۔ اسی روز حضرت عمارؓ بن یاسر شہید ہوئے۔

رات آ چکی تھی اور دونوں لشکر میدان میں ایک دوسرے کا مقابلہ کر رہے تھے۔ کوئی لشکر دوسرے لشکر پر قابو نہ پا سکا اور کسی کو کسی پر فتح حاصل نہ ہوئی۔ رات کو بھی یہ لڑائی بند نہ ہوئی۔ ہر فریق فتح و ظفر کی امید رکھتا تھا اور چاہتا تھا کہ لڑائی کو جاری رکھ کر وہ جلد از جلد فتح حاصل کرے۔ یہ رات اپنی شدت میں قادسیہ کی "لیلۃ الہریر" سے مشابہ تھی۔ اس رات طرفین کے کثیر آدمی قتل ہوئے۔

مؤرخین اس ہولناک رات اور اس کے بعد آنے والی صبح کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اس لڑائی میں دونوں فریقوں کو شدید نقصان پہنچا تھا لیکن حضرت معاویہؓ کے آدمیوں کی حالت نہایت پتلی تھی۔ انہوں نے پہلے تیروں اور پتھروں سے کام لیا۔ جب وہ ختم ہو گئے تو نیزے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لئے۔ جب وہ بھی ٹوٹ گئے تو تلواریں نکال لیں۔ اس وقت میدانِ جنگ میں سوائے تلواروں کی کھٹا کھٹ کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ اشتر کبھی میمنہ والوں کے پاس جاتا اور کبھی میسرہ والوں

کے پاس اور اپنی جوشیلی تقریروں سے ان کی ہمت بڑھاتا تھا۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ لیکن لڑائی اسی طرح جاری رہی۔ حضرت علیؓ کی فوج کے حوصلے خوب بڑھے ہوئے تھے اور انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فوج کی صفوں کی صفیں تہ تیغ کر دیں۔ حضرت علیؓ بھی برابر میدان میں ڈٹے ہوئے تھے اور اپنے سپاہیوں کو جوش دلا رہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھی میدان چھوڑ کر بھاگنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس وقت معاویہؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا:

"ابن العاصؓ! کوئی تدبیر بتاؤ۔ ہم تو ہلاک ہو گئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"تمہارے آدمی حضرت علیؓ کی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صرف ایک تدبیر سے ان کا حملہ رک سکتا ہے اور وہ یہ کہ تم ان کو کتاب اللہ کی طرف بلاؤ کہ وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے اس طرح ردّ و قبول دونوں صورتوں میں ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے گا۔"

مؤرخین اس امر پر متفق ہیں کہ جنگِ صفین کے آخری دن حضرت علیؓ نے اپنی تلوار سے پانچ سو آدمی قتل کئے۔ جب کبھی وہ دشمن پر حملہ کر کے واپس آتے تھے تو ان کی تلوار مڑی ہوتی تھی۔ وہ لے اپنے آدمیوں کو دیتے جو اسے سیدھا کرتے اور پھر آپ وہ تلوار ان سے لے کر دشمن کی صفوں میں گھس جاتے۔

جب لڑائی نے انتہائی شدت اختیار کر لی اور حضرت معاویہؓ کی فوجوں کی صفیں تتر بتر ہو گئیں تو حضرت معاویہؓ نے اپنے آدمیوں کو فوج کے آگے بھیجا جو نیزوں کے سروں پر قرآن مجید اٹھائے ہوئے تھے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوجوں کے سامنے قرآن مجید پیش کرنے کا فیصلہ رات ہی کو ہو چکا تھا۔ کیونکہ جب صبح ہوئی تو حضرت معاویہؓ کے آدمی قرآن مجید اٹھائے ہوئے تھے اور پکار رہے تھے:

"اے اہلِ عراق اگر تم ہمیں قتل کر دو گے تو ہمارے بال بچوں کا کیا بنے گا اور اگر ہم تمہیں قتل کر دیں گے تو تمہارے بال بچوں کا کیا بنے گا؟ اس لئے لڑائی سے باز آ جاؤ۔"

دمشق کے مصحفِ اعظم کو دس آدمی نیزوں پر اٹھائے ہوئے تھے اور وہ پکار رہے تھے:

"کتاب اللہ کے فیصلہ کو اپنے اور ہمارے درمیان قبول کرو۔"

ابوالاعور السلمی ایک سفید خچر پر سوار تھا اور اپنے سر پر قرآن مجید اٹھائے ہوئے پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

"اے اہلِ عراق! یہ خدائے عزّوجل کی کتاب ہے۔ اپنے اور ہمارے درمیان اس کے فیصلہ کو منظور کرو۔ اگر اہلِ شام نہ رہے تو مغربی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا اور اگر اہلِ عراق نہ رہے تو مشرقی سرحدوں کی حفاظت کس طرح ممکن ہوگی؟"

حضرت علیؓ نے جنگ بند کرنے میں توقف کیا۔ آپ کو پتہ تھا کہ یہ چال ہے جو دشمن نے اپنی شکست کو قریب آتے دیکھ کر ہمیں دھوکہ دینے کے لئے چلی ہے۔ لیکن اس سوال پر حضرت علیؓ کی فوج میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض لوگ جن میں اشتر بھی شامل تھا یہ کہتے تھے کہ ہمیں مقابلہ جاری رکھنا چاہیے اور جب تک ہم دشمن پر فتح نہ پالیں میدان چھوڑنا نہیں چاہیے۔ لیکن اشعث بن قیس تحکیم قبول کرنے کے حق میں تھا، جس نے دریائے فرات کے پانی پر قبضہ کرنے کے لئے فوج کے ایک دستہ کی قیادت کی تھی اور فتح پائی تھی۔ وہ کہنے لگا:

"امیرالمومنینؓ! آج ہم آپ سے وہ بات کہتے ہیں جو کل معاویہؓ سے کہتے تھے۔ اہلِ شام آپ کو کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف بلاتے ہیں۔ آپ ان کی اس بات کو قبول کریں۔ اب لوگ لڑائی سے اُکتا چکے ہیں اور مزید لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"اس معاملہ میں خوب غور و فکر کی ضرورت ہے۔"

لیکن ہر طرف سے تحکیم قبول کرنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں قرآن مجید کا فیصلہ سب سے پہلے قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ لیکن معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابن ابی معیط اور ابنِ ابی سرح نہ دین کا علم رکھتے ہیں نہ قرآن کا۔ میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ لڑکوں میں یہ سب سے بُرے لڑکے تھے اور جوانوں میں بدترین جوان۔ یہ لوگ جو بات کہتے ہیں وہ تو سچ ہے

لیکن اس سے ان کی مراد جھوٹ ہے۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ دھوکا اور مکر و فریب ہے۔ تم تھوڑی دیر اور میدانِ جنگ میں ٹھہرو۔ فتح بہت قریب ہے اور ظالموں کی جڑ کٹنے میں تھوڑی دیر رہ گئی ہے۔"

اس پر آپ کی فوج کے بیس ہزار آدمی زرہ بکتر پہنے اور تلواریں لٹکائے آپ کے پاس آئے ان کی پیشانیاں سجدوں کی وجہ سے سیاہ ہو گئی تھیں۔ ان لوگوں میں پیش پیش مسعر بن فدکی اور زید بن حصین تھے جو بعد میں خارجی ہو گئے تھے۔ انہوں نے آپ کو امیر المومنین کہنے کے بجائے آپ کے نام سے پکارا اور کہا:

"اے علیؓ! آپ کتاب اللہ کے فیصلہ کی طرف آئیے جبکہ آپ کو اس کی طرف بلایا جا رہا ہے اور لڑائی بند کرنے کا حکم دیجئے۔ ورنہ ہم آپ کو بھی اسی طرح قتل کر دیں گے جس طرح ہم نے عثمانؓ بن عفان کو قتل کیا تھا۔"

اس کے بعد انہوں نے مطالبہ کیا کہ اشتر کو جو حضرت معاویہؓ کی فوجوں سے لڑ رہا تھا اور اہل شام پر تقریباً غالب آ چکا تھا، واپس بلا لیا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے ایک آدمی اشتر کو بلانے بھیجا۔ اشتر نے اس سے کہا:

"اس وقت مجھے یہاں سے ہٹانا مناسب نہیں ہے۔ امید ہے کہ میں تھوڑی دیر میں فتح حاصل کر لوں گا۔ اس لئے جلدی نہ کرو۔"

اس آدمی نے واپس آکر حضرت علیؓ کو اشتر کا یہ پیغام سنا دیا۔ اس پر زبردست شور و غل برپا ہوا اور لوگ حضرت علیؓ سے کہنے لگے:

"یا تو اشتر کو واپس بلائیے ورنہ ہم آپ کو معزول کر دیں گے۔"

حضرت علیؓ نے اسی آدمی سے کہا:

"اشتر سے کہو کہ فوراً آ جائے کیونکہ خود اپنی جماعت میں فتنہ پھوٹ پڑا ہے۔"

چنانچہ اشتر بادلِ ناخواستہ واپس آ گیا۔

حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو حضرت معاویہؓ کے پاس یہ معلوم کرنے بھیجا کہ وہ کیا چاہتے ہیں جب اشعث ان کے پاس پہنچا تو معاویہؓ نے اس سے کہا: "تم اور ہم اس فیصلہ کی طرف رجوع کر لیں

جس کا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ہے۔ ایک آدمی تم اپنی طرف سے مقرر کرو اور ایک آدمی ہم اپنی طرف سے مقرر کرتے ہیں اور پھر ان سے عہد لے لیں کہ وہ کتاب اللہ سے باہر نہ جائیں گے۔ پھر قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ دونوں ہمارے نزاع کا فیصلہ جس صورت سے کریں اسے ہم قبول کر لیں۔"

اشعث نے اس تجویز پر صاد کر دیا اور حضرت علیؓ کے پاس واپس آ کر معاویہؓ کی تجویز سے آپ کو مطلع کر دیا۔ لوگوں نے کہا:

"ہمیں یہ تجویز منظور ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے اپنی طرف سے عمروؓ بن العاص کو حکم تجویز کیا۔ اشعث اور اس کے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ ہماری طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ حکم ہونے چاہئیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تم نے میری پہلی بات بھی نہیں مانی۔ اس امر میں میری رائے کے خلاف نہ چلو۔ مجھے ابو موسیٰ اشعریؓ پر اعتماد نہیں ہے۔"

لیکن لوگوں نے ابو موسیٰؓ ہی کو حکم بنانے پر اصرار کیا جس پر مجبوراً حضرت علیؓ کو ان کی بات ماننی پڑی[1]۔

---

[1] صفین کا معرکہ دس دن تک جاری رہا۔ لیکن شدت کی لڑائی آخری تین روز یعنی ۱۱، ۱۲، ۱۳ صفر ۳۷ھ کو ہوئی جب دونوں لشکر کامل تین روز تک برابر لڑتے رہے۔

(۱۸)

صفین کے اسرار

تحکیم پر راضی ہونے کے بعد دونوں فریق اپنے اپنے علاقوں کی طرف چلے گئے۔ اہل شام کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ کیونکہ وہ ایک زبردست شکست سے بال بال بچے تھے۔ اِدھر اہلِ عراق انتہائی پژمردہ تھے۔ انہیں ایک عظیم فتح حاصل ہونے والی تھی۔ لیکن یکایک پانسہ پلٹ گیا اور اہلِ شام کی چالاکی سے انہیں مات کھانی پڑی۔ ان میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہا تھا اور اسے موردِ الزام قرار دے رہا تھا۔

زمانۂ حاضر کا مؤرخ یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے حضرت علیؓ کی فوج کو اتنا زبردست صدمہ اٹھانا پڑا۔ اسے ان ظاہری اسباب سے اطمینان نہیں ہو سکتا جو قدیم مؤرخین نے اپنی تالیفات میں اس اختلاف کے سلسلہ میں بیان کئے ہیں۔

ہر شخص کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس فتنہ کا کیا سبب تھا جو بغیر کسی سان گمان کے دفعتہ پھوٹ پڑا، جس نے حضرت علیؓ کے تمام لشکر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جس کے پھیلانے والے حضرت علیؓ کو دھمکیاں دینے لگے کہ اگر انہوں نے دشمن کا کہا مان کر جنگ بند نہ کی اور اللہ تعالیٰ اور

اس کی نازل کردہ کتاب کا فیصلہ قبول نہ کیا تو وہ ان سے ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا وہ قبل ازیں حضرت عثمانؓ سے کر چکے ہیں۔

ان واقعات کی چھان بین کرنے سے جو جنگِ صفین کے درمیان پیش آئے، پتہ چلتا ہے کہ یہ فتنہ خود بخود نہیں پھوٹ پڑا بلکہ اس کے لئے پہلے سے زمین ہموار کی گئی اور اس کے تار ہلانے والے پس پردہ موجود تھے۔ ہمارا یقین ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کامیابی حاصل کرنے اور اپنی اغراض کی تکمیل کے لئے اثناء جنگ میں کئی حیلوں سے کام لیا اور جو چاہتے تھے وہ حاصل کر لیا۔ یہ امر یقینی ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج میں کئی لوگ ایسے تھے جو حضرت معاویہؓ کی طرف سے کام کر رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بلند کر کے لڑائی بند کرانے کی تدبیر کامیاب ہو گئی۔ یہ محض خیال نہیں بلکہ امر واقعہ ہے۔ کیونکہ لڑائی کے اثناء میں بار بار ایسی آوازیں آتی تھیں۔ لیکن چونکہ ابھی تک پوری طرح سازش بروئے کار نہیں لائی گئی تھی اس لئے ان ابتدائی تدبیروں کا پوری طرح اثر نہیں ہوا۔

لڑائی کے دوران میں ازد کا ایک بوڑھا شخص اپنے قبیلہ اور ان لوگوں کا جو حضرت علیؓ کی طرف سے لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، ماتم کر رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا:

"خدا کی قسم! ہم اپنے ہاتھوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کاٹ رہے ہیں اور اپنے بازوؤں کو خود اپنی تلواروں سے قطع کر رہے ہیں۔"

لیکن یہ آواز کمزور اور دھیمی تھی اس لئے زیادہ لوگوں نے اسے نہ سنا اور یہ دلوں پر زیادہ اثر نہ ڈال سکی۔

ربیعہ کا سردار بھی حضرت معاویہؓ سے ملا ہوا تھا۔ جنگ کے دوران میں ربیعہ کے لوگوں نے بزدلی دکھائی اور ان کا سردار بھی ان کے ساتھ پسپا ہو کر بھاگ نکلا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے دوسرے ساتھی جوش و خروش سے لڑ رہے ہیں اور دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے ہیں تو واپس ہوا اور بھاگنے کی توجیہ یہ بیان کی کہ میں تو پسپا شدہ فوج کو واپس لانے کے لئے گیا تھا۔

ان حالات میں ہمیں یقین کرنا پڑتا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوج کا ایک حصہ ایسا تھا جو لڑنا نہیں چاہتا تھا اور جسے فتح کی بالکل پروانہ تھی۔ حضرت معاویہؓ کو یہ حال معلوم تھا اور آپ ان کی پشت پناہی کر رہے تھے اور کوئی عجب نہیں کہ حضرت علیؓ سے ان کو برگشتہ کرنے کے لئے آپ اپنے آدمیوں کو

ان کے پاس بھیج کر مال و زر کی طمع بھی دلاتے ہوں۔

چونکہ حضرت علیؓ کی شخصیت ایسے حیلے بہانوں سے بالاتر تھی اور آپ کو اپنے حق و صداقت پر ہونے کا پورا یقین تھا اس لئے آپ نے اپنے لشکر میں پیدا شدہ اس اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی آپ کے لشکر کے بعض سرداروں نے آپس میں لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا لیکن آپ نے اس طرف بھی اپنی توجہ مبذول نہ کی اور ان کے جھگڑوں کو طے کرنے کی کوئی کوشش نہ فرمائی۔

لشکر کے دو قائدین کی آپس میں مخالفت اور مناقشت ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ صفین میں حضرت علیؓ کے لشکر کی فتح عین آخری وقت شکست سے بدل گئی جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ کے موقف کو سخت نقصان پہنچا۔ یہ دو قائد اشعث بن قیس اور اشتر نخعی تھے۔

اشعث بن قیس حضرت عثمانؓ کے عہد میں آذربائیجان کا عامل تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ نے اسے اسی جگہ پر قائم رکھا اور دیگر عمال کی طرح اسے برطرف نہیں کیا۔ اشتر جو عراق کا مشہور اور با اثر رئیس تھا، عراق میں حضرت عثمانؓ کے مقرر کئے ہوئے عمال کے سخت خلاف تھا۔ اس نے ان کے خلاف ایک زبردست بغاوت کے بیج بوئے جس سے ان عاملوں کے لئے کام کرنا مشکل ہوگیا۔ جن لوگوں نے مدینہ آکر حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کی تھی اور آپ کا محاصرہ کیا تھا، اشتر ان کے سرغنوں میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد اشتر کا اثر و رسوخ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ اسی نے حضرت علیؓ کو خلافت قبول کرنے پر تیار کیا۔ خلافت کے بعد جب جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہو کر بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ وہ فوج کے بڑے بڑے سالاروں میں سے ایک تھا اور اپنی رائے کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جب حضرت علیؓ نے اشعث بن قیس کو اپنی فوج کا ایک سالار مقرر کیا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ کا ایک عامل ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں اس کی طرف سے بغض بھرا ہوا تھا۔

جب حضرت علیؓ عراق سے آکر صفین کے میدان میں مقیم ہوئے تو یہ اشعث ہی تھا جس نے شامیوں کو دریائے فرات سے ہٹا کر ان کے ان منصوبوں کو، جن کے ذریعہ وہ حضرت علیؓ کی فوج کو پیاسا مار دینا چاہتے تھے، خاک میں ملا دیا تھا۔ "یوم الہر" کی لڑائی میں فتح کا فخر صرف اشعث کے حصہ میں آتا ہے۔ اس کے بعد ہر شخص یہ امید کرنے میں حق بجانب تھا کہ جنگ صفین کے دوران میں بھی اشعث اپنی

بہادری اور شجاعت کے جوہر دکھاتا اور سب سے پہلی صف میں شامل ہوتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دس روز تک لڑائی جاری رہی لیکن اشعث نے اس دوران میں ایک بھی قابلِ فخر کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ البتہ اشتر اپنی بہادری کے جوہر نمایاں طور پر دکھاتا رہا اور فتح و نصرت بھی ہر جگہ اس کے قدم چومتی رہی۔

آخر اشعث بن قیس ان دس ایام میں کہاں تھا؟ آخر کیوں اس نے اس دوران میں وہ بہادری، جرأت اور ہمت نہیں دکھائی جو یوم النہر کے موقع پر دکھائی تھی؟ یہ سوالات ہیں جو ہر شخص کے دل میں قدرتی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔

اس سوال کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اشعث نے اشتر سے ناراضگی، بغض، عداوت اور حسد کی وجہ سے جنگ میں حصہ لینا چھوڑ دیا۔ دوسرے یہ کہ وہ درپردہ معاویہؓ سے مل گیا اور معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی مدد ترک کرنے کے بدلہ میں اسے مال و منال اور سیم و جواہر سے نوازنے کا وعدہ کر لیا۔

شعبی صعصعہ سے روایت کرتا ہے[1] کہ جس رات حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی فوجوں کے درمیان سخت مقابلہ ہوا اور "لیلۃ الہریر" کی یاد تازہ ہو گئی اس رات اشعث کے منہ سے چند الفاظ ایسے نکلے جو حضرت معاویہؓ تک بھی پہنچ گئے۔ معاویہؓ نے ایسے وقت میں ان الفاظ کو بہت غنیمت جانا اور فوراً ان کے ذہن نے ان کو ایک تجویز سجھا دی۔ وہ الفاظ کیا تھے؟ اشعث اس رات قبیلہ کندہ کے سامنے کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد یہ تقریر کی:

"اے مسلمانو! تم نے دیکھا آج کے دن تم پر کیا گزری اور عربوں کی کس قدر کثیر تعداد میدانِ جنگ میں ماری گئی۔ میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر خدا کی قسم میں نے جس قدر ہولناک نظارہ آج کے دن دیکھا ہے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ دیکھو جو شخص میری بات سن رہا ہے وہ دوسرے شخص کو پہنچا دے کہ ہمیں یہ تہیہ کر لینا چاہیے کہ ہم کل نہیں لڑیں گے کیونکہ عرب کثرت سے مارے جا رہے ہیں اور ناحق مسلمانوں کا خون

---

[1] شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۱۸۵

ہو رہا ہے۔ خدا کی قسم میں یہ باتیں جنگ سے ڈر کر یا بزدلی سے نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ مجھے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں پر ترس آ رہا ہے۔ اگر کل ہم مارے گئے تو ان غریبوں کا کیا حال ہوگا؟"

حضرت معاویہؓ کے جاسوسوں نے اشعث کی یہ تقریر انہیں پہنچا دی۔ انہوں نے کہا: "اشعث نے ٹھیک کہا ہے۔" اس کے بعد انہوں نے مصاحف کو نیزوں سے باندھنے کا حکم دیا اور اپنے آدمیوں کو سمجھا دیا کہ کل جب لڑائی شروع ہو تو نیزوں سے لٹکے ہوئے یہ مصحف حضرت علیؓ کی فوج کو دکھانا اور ان سے کہنا کہ "اگر ہم میدانِ جنگ میں مارے گئے تو رومی شام پر چڑھ آئیں گے اور ہماری عورتوں کی عزتیں برباد کر دیں گے اور اگر تم مارے گئے تو ایرانی عراق پر چڑھ آئیں گے اور تمہاری عورتوں کی ناموس لوٹ لیں گے۔ اس لئے غور و فکر سے کام لو اور لڑائی بند کر دو۔"

ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے اور وہ یہ کہ اشعث ان لوگوں میں پیش پیش تھا جو جنگ بند کرانا اور تحکیم قبول کرنا چاہتے تھے۔ حالانکہ اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ اشتر نے اہلِ شام کی صفوں کی صفیں اُلٹ دی ہیں اور شامیوں کی شکست اب چند لمحوں کی بات ہے۔ لیکن یہ معلوم ہونے کے باوجود اس نے حضرت علیؓ پر دباؤ ڈالا کہ اشتر کو فوراً واپس بلایا جائے جس پر حضرت علیؓ کو مجبوراً اشتر کو جنگ بند کر کے واپس آنے کا حکم دینا پڑا اور اشتر کو بھی بادلِ ناخواستہ اپنی طبیعت پر سخت جبر کر کے واپس آنا پڑا۔ واپس آکر جب اسے اشعث کی کارستانی کا پتہ چلا تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر اب کر کیا سکتا تھا؟

صرف یہی نہیں بلکہ جب حَکَم بنانے کا سوال پیش ہوا تو اشعث نے اہلِ عراق کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ کا نام پیش کر دیا۔ حضرت علیؓ نے چاہا کہ عبداللہؓ بن عباسؓ کو حَکَم مقرر کیا جائے لیکن اشعث اور اس کی جماعت نے حضرت علیؓ کی ایک نہ سُنی اور کہا:

"ہم ابو موسیٰ کے سوا اور کسی شخص پر راضی نہیں ہوں گے۔"

حضرت علیؓ کی دلیل یہ تھی کہ ابو موسیٰؓ قابلِ اعتماد شخص نہیں ہیں اور وہ ہماری طرف سے جنگ میں بھی شامل نہیں ہوئے۔ لیکن اشعث برابر اپنے انکار پر قائم رہا۔ آخر حضرت علی نے کہا:

"اگر تم ابنِ عباسؓ کو حَکَم بنانا نہیں چاہتے تو اشتر کو بنا لو۔"

اس پر اشعث کو بہت جوش آیا اور کہنے لگا:

"یہ ساری آگ تو اشتر ہی کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ ہم تو اشتر کے حکم کے نیچے ہی دبے ہوئے ہیں۔"

حضرت علیؓ نے کہا:

"اشتر کا کیا حکم ہے؟"

اشعث نے کہا:

"یہی کہ ہم ایک دوسرے کی گردن ماریں اور ہو وہی جو آپ چاہیں اور وہ چاہے۔"

ظاہر ہے کہ جنگ کے پہلے دن اشعث کی یہ حالت نہ تھی۔ وہ کیا چیز تھی جس نے اسے دس دن کے اندر اندر بالکل بدل دیا اور وہ حضرت علیؓ اور اشتر کا زبردست مخالف بن گیا؟ حضرت علیؓ کی اس نے ایک نہ سُنی اور اپنی من مانی کی اور اشتر کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جیسے وہ اس کا زبردست دشمن ہو۔

بہت ممکن ہے کہ حضرت معاویہؓ نے اسے اس دوران میں ترغیب و تحریص سے اپنی طرف ملا لیا ہو اور حضرت معاویہؓ کی عقلمندی اور حضرت عمروؓ بن العاص کے تدبّر سے یہ بات کوئی بعید نہیں۔ کیونکہ متقدمین و متاخرین مؤرخ متفق ہیں کہ تمام عرب میں کوئی شخص سیاست، عقلمندی، بُعدِ نظر، حُسنِ بصیرت اور ذکاوت میں ان دونوں سے بڑھ کر نہیں تھا۔

اس طرح اشعث اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا اور یہ کامیابی اہلِ شام کی فتح اور اہلِ عراق کی شکست تھی۔

---

(۱۹)

عہد نامہ تحکیم کی تکمیل

حضرت علیؓ نے تحکیم قبول اور لڑائی بند کر کے بہت زبردست غلطی کی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ کا عذر یہ تھا کہ آپ نے انتہائی لاچاری اور مجبوری کی حالت میں ایسا کیا۔ کیونکہ آپ کے اکثر مددگاروں نے لڑائی سے ہاتھ اٹھالیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر تحکیم قبول نہ کی گئی تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ لیکن اگر آپ مضبوطی سے اپنے فیصلہ پر قائم رہتے اور لڑائی جاری رکھتے تو اشعث بن قیس اور اس کی جماعت کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ باغیانہ روش اختیار کر کے آپ کے احکام سے سرتابی کر سکتے۔

تاہم آپ کا یہ عذر کسی حد تک تو قابلِ قبول ہو سکتا ہے لیکن یہ عذر قطعاً قابلِ قبول نہیں ہو سکتا کہ جب عہد نامۂ تحکیم لکھا جانے لگا تو آپ نے اس میں سے امیر المومنینؓ کا لقب حذف کرنا منظور کر لیا۔ آپ کی بیعت شرعی لحاظ سے بالکل ٹھیک تھی۔ اس کے ٹھیک ہونے میں کسی قسم کا شک وشبہ نہ تھا۔ اس حالت میں عہد نامہ سے امیر المومنینؓ کا لفظ حذف کر دینا ایک زبردست سیاسی غلطی تھی جس کا اثر بہت دور دور تک پہنچا۔[۱]

---

[۱] مؤلف کتاب ہذا کا یہ خیال ٹھیک نہیں۔ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب (باقی صفحہ ۱۲۰ پر)

جب عہد نامہ تحکیم لکھا جانے لگا تو حضرت عمروؓ بن العاص نے اس بات پر اصرار کیا کہ عہد نامہ میں حضرت علیؓ کے نام کے ساتھ امیر المومنین کا لقب نہ لکھا جائے۔ حضرت علیؓ نے اس پر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ احنف نے یہ مشورہ دیا کہ وہ امیر المومنین کا لقب ہرگز حذف نہ کریں کیونکہ آگے چل کر اس کے نتائج بہت خطرناک ہوں گے لیکن اشعث بن قیس نے اصرار کیا کہ امیر المومنین کا لقب ضرور حذف کیا جائے۔ آخر بڑے تردد کے بعد حضرت علیؓ نے اس کی بات مان لی اور صلح نامہ لکھا گیا جس کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

عہد نامہ تحکیم :-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر علیؓ بن ابی طالب نے اہلِ کوفہ اور ان کے ساتھیوں، اور معاویہؓ بن ابی سفیان نے اہلِ شام اور ان کے حامیوں کی طرف سے اتفاق کیا ہے۔ طے یہ پایا ہے کہ ہم دونوں صرف خدا اور اس کے کلام کے فیصلہ کو منظور کریں گے۔ کتاب اللہ شروع سے آخر تک ہمارے درمیان فیصلہ کن ہو گی۔ وہ جس بات کا حکم دے گی ہم اس کی تعمیل کریں گے اور جس بات سے منع کرے گی اس سے رُک جائیں گے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن قیس اور

(بقیہ صفحہ ۱۱۹) مسلمانوں اور کفار کے مابین معاہدہ لکھا جانے لگا اور کاتب نے جو اتفاقاً حضرت علیؓ ہی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مبارک محمد کے ساتھ رسول اللہ لکھا تو کفار نے رسول اللہ کا لفظ حذف کرنے پر اصرار کیا۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مانتے تو لڑائیاں کیوں ہوتیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات مان لی اور خود اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کر سکتے تھے تو حضرت علیؓ کے لئے ایسا کرنے میں کیا روک تھی؟ آپ کا مدِ مقابل فریق بھی یہی کہتا تھا کہ اگر ہم حضرت علیؓ کو امیر المومنین مانتے تو یہ لڑائیاں ہی کیوں ہوتیں۔ حضرت علیؓ نے بھی اس کی بات ملتے جلتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید میں اپنے نام سے امیر المومنین کا لفظ حذف کرنا منظور کر لیا اور آپ ایسا کرنے میں حق بجانب تھے۔ (مترجم)

عمروؓ بن العاص حَکم مقرر کئے گئے ہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ہی فیصلہ کریں گے اگر کوئی بات کتاب اللہ میں نہ پائیں گے تو سنتِ عادلہ جامعہ کی طرف جس میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوگا رجوع کریں گے۔

علیؓ اور معاویہؓ کی طرف سے دونوں حکموں کو ان کی جان و مال کی حفاظت کا پورا اطمینان دلایا جاتا ہے اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ ان کے فیصلہ کو نافذ کرنے میں امت ان کی مدد کرے گی۔ انہیں فیصلہ کرنے کے لئے رمضان تک مہلت دی جاتی ہے وہ اپنے فیصلہ کا اعلان کسی ایسے مقام پر کریں گے جو عراق اور شام کے وسط میں ہو۔ تا فیصلہ جنگ بند رہے گی۔ فریقین آزادی کے ساتھ جہاں چاہیں گے آئیں جائیں گے۔ اگر مزید مدت کی ضرورت ہو تو حَکم باہمی فیصلہ سے تاخیر بھی کر سکتے ہیں ان کو جس کسی کی شہادت کی ضرورت ہو گی وہ ان کے طلب کرنے پر حاضر کر دیا جائے گا اور شہادتیں قلمبند کی جائیں گی۔ جو متفقہ فیصلہ ہو گا اس پر فریقین کو عمل کرنا ہو گا۔ اگر حَکم یہ چاہیں گے کہ ان کے فیصلہ کے وقت مجمع عام نہ ہو تو وہ صرف خاص اشخاص کو اس موقع کے لئے طلب کریں گے۔ اگر فیصلہ سے قبل کسی حَکم کی وفات ہو جائے تو اس کی بجائے اس کا فریق دوسرے شخص کو منتخب کر کے بھیج دے گا۔"

یہ عہد نامہ ۱۵ ر صفر ۳۷ھ کو اور طبری کے بیان کے مطابق ۱۳ ر صفر کو لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ثبت کئے گئے۔

یہ عہد نامہ مکمل نہ تھا کیونکہ نہ اس میں فیصلہ کی مقررہ حدود بیان کی گئی تھیں اور نہ کھلے الفاظ میں کوئی ایسا طریقۂ کار بتایا گیا تھا جس سے حکمین کو فیصلہ کرنے میں مدد ملتی۔ عہد نامہ میں اس امر کی صراحت بھی نہیں تھی کہ اگر دونوں حَکم یا ایک حَکم کتاب اللہ اور سنتِ نبوی کے فیصلوں کو ترک کر دے یا ان دونوں کے درمیان باہمی اختلاف رونما ہو جائے تو کیا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ مزید برآں جس امر پر کتاب اللہ کا فیصلہ معلوم کرنا مطلوب تھا اسے بھی عہد نامہ میں نہایت مبہم طور پر بیان کیا گیا تھا اور اس کی تشریح نہیں کی گئی تھی۔

فریقین میں مصالحت کی ناکامی کے اسباب:۔

اس صلح نامہ پر صفین کا واقعہ ہائلہ اختتام پذیر ہوا جس میں نوے ہزار مسلمانوں کو اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔ مقتولین کی یہ تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے لے کر اس وقت تک کی تمام لڑائیوں کے شہداء کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ تھی۔ اگر خدانخواستہ لڑائی اور طول کھینچتی تو مسلمانوں کی طاقت بالکل ہی ختم ہو جاتی اور تمام مفتوحہ ممالک ان کے ہاتھ سے نکل جاتے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ یہ جنگ کسی دینی مقصد کے پیشِ نظر نہیں لڑی گئی تھی بلکہ اس کا مدعا ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر فتح پانا اور اسے زیر کرنا تھا۔ حضرت علیؓ کے مددگار آپ کی حمایت اس لئے کرتے تھے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے اور حضرت معاویہؓ کے مددگار ان کی اس لئے مدد کرتے تھے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قریبی رشتہ دار اور آپ کا انتقام لینے کے مطالبہ کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو تنازعات پیدا ہوئے ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے خیالات میں کلی تباین تھا۔ حضرت علیؓ اپنی ذاتی فضیلت، اسلام میں سبقت قرابتِ رسولؐ کی وجہ سے اپنے آپ کو خلافت کا اس قدر حقدار سمجھتے تھے کہ ان کے خیال میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابہ نے بھی دیدہ و دانستہ ان کے حق کو نظر انداز کر کے اپنے لئے خلافت حاصل کر لی تھی۔ حضرت معاویہؓ کو وہ بہت ہی حقیر اور طلیق بن طلیق[1] سمجھتے تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور بار بار آپ کے مقابلہ کے لئے آئے۔ فتح مکہ کے بعد جب کوئی اور چارہ کار نہ دیکھا تو مجبوراً دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ اس حالت میں یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ وہ ان کے مطالبہ کی بنا پر خلافت سے دست بردار ہو جاتے۔

جب آپ حضرت معاویہؓ کے متعلق کوئی بات بیان کرتے یا ان کو کوئی مراسلہ لکھتے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپ کے دل میں معاویہؓ کی حقارت اور اپنی بزرگی کا احساس ہے۔ جب معاویہؓ کے قاصدوں سے

---

[1] طلیق آزاد کردہ غلام کو کہا جاتا ہے۔

ملاقات کرتے تو بہت سخت الفاظ میں خطاب کرتے۔ یہی حال آپ کے ان قاصدوں کا تھا جو معاویہؓ کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ آپ نے یہ بات نظر انداز کر دی تھی کہ معاویہؓ نے امتِ اسلامیہ کے نصف دلوں کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا۔ دنیا کی ساری نعمتیں انہیں میسر تھیں۔ ہر قسم کا اقتدار ان کے پاس تھا پھر جاہلیت میں بھی وہ سیاست، عزت اور شرف کے مالک تھے جو اسلام میں بھی اسی طرح باقی رہے۔

حضرت علیؓ کے بالمقابل معاویہؓ اپنے آپ کو عظماءِ قریش میں سے سمجھتے تھے کیونکہ وہ قریش کے سب سے بڑے اور معزز رئیس ابوسفیان کے بیٹے تھے۔ پھر ذاتی شرافت اور حسب و نسب کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاءِ ثلاثہ کو آپ پر بے حد اعتماد تھا اور انہوں نے شام کا پورا علاقہ جو عراق کے بعد اسلامی حکومت کا سب سے بڑا صوبہ شمار ہوتا تھا، ان کے حوالے کر دیا تھا۔ رومیوں کے حملوں کی روک تھام کرنے کی وجہ سے آپ کا عز و وقار بھی لوگوں کے دلوں میں بہت بڑھ گیا تھا۔

حضرت علیؓ کے تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی حضرت معاویہؓ کو معلوم ہو گیا کہ علیؓ ان سے وہ سلوک نہیں کریں گے جو پہلے خلفاء نے ان کے ساتھ روا رکھا تھا۔ کیونکہ سب سے پہلا کام جو حضرت علیؓ نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ان کو شام کی امارت سے معزول کر دیا تھا۔ اس لیے ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر وہ حضرت علیؓ کی خلافت قبول کر لیں اور ان کی اطاعت کا جوا اپنے گلے میں ڈال لیں تو حضرت علیؓ ان کو اس بلند مرتبے سے ہٹا دیں گے اور نہ معلوم ان کی اس اہانت کے بعد ان کا کیا حال ہو۔ اس خدشہ کے پیشِ نظر انہوں نے حضرت علیؓ کی مخالفت کرنے کا ارادہ کر لیا اس کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ایسی پیدا ہو گئیں جنہوں نے اس مخالفت کو وسیع کر دیا۔ وہ باتیں یہ تھیں:

(۱) حضرت علیؓ نے اپنی بیعت کے متعلق ان سے مشورہ نہیں کیا حالانکہ وہ معززینِ قریش میں سے تھے اور مملکت کے ایک بہت بڑے صوبہ کے والی، جس کے تحت مسلمانوں کی دو لاکھ فوج کام کر رہی تھی۔

(۲) کئی صحابہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی اور اگر کی تو پھر اسے فسخ کر دیا۔

(۳) سب سے پہلے ان لوگوں نے آپ کی بیعت کی، جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش و بغاوت اور انہیں شہید کرنے میں نمایاں حصہ لیا تھا۔

(۴) حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت کرنے والوں اور آپ کے قاتلوں کو جن سے قصاص لینا فرض تھا اپنے لشکر میں نہ صرف پناہ دے رکھی تھی بلکہ بڑے بڑے عہدے بھی دئے ہوئے تھے۔

ظاہر ہے کہ جو دو اشخاص ایک دوسرے کو اس نظر سے دیکھتے ہوں وہ مسلمانوں کے سروں سے اس وبال کو دور کرنے کے لئے، جو فتنۂ ہائلہ سے کسی طرح کم نہ تھا، کیسے آپس میں صلح کر سکتے تھے اور کسی فیصلہ پر باہم متفق کس طرح ہو سکتے تھے۔ مزید برآں دونوں طرف سے جو سفیر آتے تھے ان کی بات چیت فریقین کی باہمی صلح و صفائی کے جذبہ پر مبنی نہ تھی۔ حضرت علیؓ حضرت معاویہؓ سے بیعت کا مطالبہ کرتے تھے اور اس سے کم کسی صورت میں راضی نہ ہوتے تھے۔ جو قاصد حضرت معاویہؓ کے پاس جاتے تھے وہ آپ سے حقارت آمیز لہجہ میں گفتگو کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کے بالمقابل حضرت معاویہؓ یہ مطالبہ پیش کرتے تھے کہ سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے قاتلین کو ان کے حوالے کیا جائے۔ اس کے بعد شوریٰ کے ذریعہ خلافت کا فیصلہ کر لیا جائے گا۔

ان دونوں صورتوں کو حضرت علیؓ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ قاتلینِ عثمانؓ کو وہ اس لئے معاویہؓ کے حوالے کرنے پر تیار نہ تھے کہ اگر وہ ایسا کرتے تو ان کے حامی حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کر دیتے اور لشکر دو حصوں میں منقسم ہو جاتا۔ اسی طرح وہ خلافت کو چھوڑنے کے لئے بھی تیار نہ تھے۔ آپ اپنے تئیں جائز خلیفہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ قوم نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ آپ کسی شخص کو خواہ دنیوی لحاظ سے اس کی حیثیت کتنی ہی بڑی اور دینی اعتبار سے اس کا پایہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اس بات کا مستحق نہیں سمجھتے تھے کہ وہ آپ کی خلافت پر اعتراض کرے۔ اس صورت میں وہ معاویہؓ کو کیوں خاطر میں لاتے؟

صورتِ حال کو نازک تر بنانے میں بڑا ہاتھ ان فتنہ پردازوں کا تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا تھا اور جو حضرت علیؓ کے لشکر میں کثرت سے موجود تھے۔ ان کی مصلحت اسی میں تھی کہ فریقین میں صلح نہ ہونے پائے اس لئے وہ ہمیشہ فتنہ کی آگ بھڑکائے رکھتے تھے۔

(۳۰)

فتنۂ خوارج

امیر المومنینؓ جب کوفہ میں داخل ہوئے تو ہر گھر سے آہ و بکا اور شور و شیون کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ کوفہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کا کوئی نہ کوئی فرد اس جنگ میں کام نہ آگیا ہو۔ عورتیں اپنے گھروں سے باہر نکل کے اپنے عزیزوں کا ماتم کر رہی تھیں۔ کسی کا خاوند کام آگیا تھا کسی کا بیٹا کسی کا بھائی مارا گیا تھا کسی کا عزیز۔

اگر اس معرکہ میں حضرت علیؓ کو فتح حاصل ہو جاتی تو اس رنج و الم میں بہت حد تک کمی ہو جاتی لیکن لشکر ناکام واپس ہوا تھا اور ہر شخص یہ خیال کر رہا تھا کہ اسے دوبارہ جنگ کے لئے جانا پڑے گا۔

مؤرخین اس معرکہ کو حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص کی واضح فتح خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کا واسطہ دے کر لڑائی بند کرنے کی تدبیر جو ان دونوں نے اختیار کی تھی پوری طرح کامیاب ہو گئی تھی اور حضرت علیؓ کا لشکر اس حالت میں واپس ہوا تھا کہ اس میں اختلاف پیدا ہو چکا تھا اور مختلف گروہ قائم ہو چکے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا لشکر گو مکمل شکست کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا لیکن

اس کی صفوں میں مطلق انتشار نہ تھا۔ جب وہ واپس ہوا تو اس میں کوئی جھگڑا، کسی قسم کا اختلاف نہ تھا۔

حضرت علی رض کی فوج میں اختلاف :۔

حضرت معاویہ رض تو اطمینان سے دمشق کی طرف روانہ ہو گئے لیکن حضرت علی رض کی فوج میں تفرقہ پڑ چکا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہو گیا ٹھیک ہو گیا۔ لیکن ایک جماعت نے جس کے اکثر لوگ بنی تمیم میں سے تھے اس فیصلہ کی سخت مخالفت کرنی شروع کر دی۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی شخص کو کتاب اللہ کے بارہ میں حکم نہیں بنایا جا سکتا۔ اس لئے تحکیم کا فیصلہ سراسر غلط ہے امارت کے بارہ میں خدا تعالیٰ کا واضح حکم قرآن شریف میں موجود ہے لیکن اگر تحکیم قبول کر لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ محاربین کے ہر فریق کو اس امر میں شک ہے کہ آیا وہ حق پر ہے یا نہیں لیکن حضرت علی رض کے آدمیوں کے لئے یہ شک کرنا صحیح نہیں کیونکہ وہ یقیناً حق و صداقت پر ہیں اور ان کا دشمن یقیناً گمراہی کے راستہ پر چل رہا ہے۔ ان لوگوں نے اپنا ایک نعرہ بھی ایجاد کر لیا جو لاحکم الا للہ تھا۔

صلح کی شرائط لکھے جانے کے بعد اشعث بن قیس مختلف قبیلوں میں اسے سنانے کے لئے مقرر کئے گئے۔ جب وہ سناتے سناتے قبیلہ بنی تمیم کے پاس پہنچے تو اس کے ایک سردار عروہ بن ادیہ نے کھڑے ہو کر کہا:

" قرآن کے فیصلہ میں تم نے آدمیوں کو کیوں ثالث مانا؟ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کا حکم نہیں مانیں گے۔"

اس کے بعد اس نے اشعث پر تلوار کا وار کیا جس سے اشعث کے گھوڑے کی پیٹھ پر معمولی زخم آیا۔ یہ دیکھ کر اشعث کے قبیلہ والوں کو جو یمن سے تعلق رکھتے تھے جوش آ گیا اور وہ اشعث کی حمایت میں کھڑے ہو گئے۔ بنی تمیم نے یہ دیکھ کر کہ جھگڑا بڑھ جائے گا اشعث سے معافی مانگ لی۔ اس طرح یہ جھگڑا رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد لشکر نے کوفہ کا رخ کیا۔

حضرت علیؓ جس وقت اہلِ عراق کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوئے تھے فوج کے سارے آدمی متحد اور متفق تھے لیکن جب واپس ہوئے تو ایک دوسرے کے مخالف اور دشمن بنے ہوئے تھے۔ انہوں نے راستہ بھی آرام سے طے نہ کیا بلکہ چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اکثر لڑائی اور بدزبانی ہو جاتی تھی۔ کبھی کبھی کوڑوں سے مار پیٹ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔

خوارج جو تحکیم کے سخت خلاف تھے یہ کہتے تھے:

"اے اللہ کے دشمنو! تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم میں مداہنت کی اور انسانوں کو اپنا حکم بنا لیا۔"

اس کے جواب میں حضرت علیؓ کے حامی جنہوں نے تحکیم قبول کر لی تھی، کہتے تھے:

"تم نے ہمارے امام کو چھوڑ دیا اور ہماری جماعت میں تفریق پیدا کی۔"

جب حضرت علیؓ کوفہ کے قریب پہنچے اور "حروراء" کے مقام پر آئے تو بارہ ہزار خوارج نے آگے جانے سے انکار کر دیا اور یہیں ٹھہر گئے۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہمارا امیرِ لشکر شبث بن ربعی التمیمی ہوگا (یہ وہی شخص تھا جو حضرت علیؓ کی جانب سے حضرت معاویہؓ کے پاس بطور سفیر بھیجا گیا تھا وہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ درشت کلامی سے پیش آیا تھا اور اس نے اس امر پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت کیوں نہیں کی حالانکہ آپ مسلمانوں کے سردار اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں) اور امیر صلوٰۃ عبداللہ بن الکواء الیشکری۔ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا مانا جا سکتا ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہمارا فرض ہے۔

ابنِ عباسؓ کی خوارج سے بحث:-

حضرت علیؓ نے عبداللہ بن عباسؓ کو ان کے پاس بھیجا اور انہیں نصیحت کی کہ جب تک میں نہ پہنچ جاؤں ان کو جواب دینے اور بحث مباحثہ کرنے میں جلدی نہ کرنا۔ لیکن جب ابن عباسؓ ان کے پاس پہنچے تو ان لوگوں نے ان سے بحث شروع کر دی جس پر ابنِ عباسؓ خاموش نہ رہ سکے اور کہنے لگے: "آخر دو آدمیوں کو حَکم مقرر کرنے میں تمہیں اعتراض کیوں ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ خود

فرماتا ہے:

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا

ان یریدا اصلاحا یوفق اللہ بینھما

(ترجمہ) اگر تمہیں میاں بیوی میں تفرقہ کا اندیشہ ہو تو ایک حکم شوہر کے کنبہ میں سے اور ایک حکم بیوی کے کنبہ میں سے مقرر کرو۔ اگر دونوں حکم چاہیں گے کہ صلح صفائی کرا دیں تو اللہ تعالیٰ ضرور میاں بیوی میں موافقت پیدا کر دے گا۔

جب میاں بیوی کے جھگڑے کو دور کرنے کے لیے حکم مقرر کیے جا سکتے ہیں تو امتِ محمدؐ کے جھگڑوں کو دور کرنے کے لیے کیوں نہیں مقرر کیے جا سکتے؟"

خوارج نے کہا:

"جس جگہ خدا تعالیٰ نے انسانوں کو فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا ہے وہاں انہیں خود فیصلہ کرنا چاہیے لیکن جہاں اس نے حکمِ قطعی بیان کر دیا ہے وہاں بندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس حکمِ قطعی کے بارہ میں غور و فکر کریں۔"

ابنِ عباسؓ نے جواب دیا:

"خدا تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتا ہے: یحکم بہ ذوا عدل منکم

(ترجمہ) احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کا فیصلہ دو عادل آدمی کریں۔"

خوارج کہنے لگے:

"صید و شکار اور میاں بیوی کے جھگڑوں پر باغیوں کے معاملہ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ خدا تعالیٰ نے باغیوں کے متعلق قطعی حکم دیا ہے مسلمانوں کے ہاتھ میں کچھ نہیں رکھا۔ معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہو کر بغاوت اختیار کی۔ ان کے متعلق خدا تعالیٰ کا ایک ہی حکم ہے کہ یا وہ توبہ کریں یا انہیں قتل کیا جائے۔ ہم نے ان کو کتاب اللہ کی طرف بلایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تم نے معاہدہ کر لیا اور تم دونوں میں صلح ہو گئی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور اہلِ حرب کے درمیان اس وقت سے، کہ آیت "براءۃ" نازل ہوئی ہے معاہدہ اور صلح کو ناجائز قرار دیا ہے سوائے اس صورت کے کہ وہ جزیہ کا اقرار کریں۔"

حضرت علیؓ کا خوارج سے خطاب:۔

یہ بحث و مباحثہ جاری ہی تھا کہ حضرت علیؓ پہنچ گئے آپ نے ابن عباسؓ سے فرمایا:

"خاموش ہو جاؤ۔ کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ بحث مباحثہ نہ کرنا؟"

اس کے بعد آپ نے ان لوگوں سے پوچھا:

"تم لوگ میرے خلاف کیوں ہو گئے؟"

انہوں نے کہا:

"اس لئے کہ آپ نے یوم صفین کے موقع پر اللہ کے حکم کو چھوڑ کر انسانوں کو حکم مانا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا میں نے تحکیم قبول کرنے سے تمہیں نہیں روکا تھا لیکن تم نے میری رائے نہ مانی اور مجھے تحکیم قبول کرنے پر مجبور کیا۔ تاہم ہم نے دونوں ثالثوں سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا تو ہم اسے قبول کر لیں گے ورنہ نہیں۔"

خوارج نے کہا:

"ہمیں بتائیے کیا آپ خون کے بارے میں انسانوں کا فیصلہ قبول کر لیں گے؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"ہم نے انسانوں کے فیصلہ کو قبول نہیں کیا۔ قرآنِ کریم کے فیصلہ کو قبول کیا ہے۔ البتہ قرآن کے فیصلہ کا اعلان دو حَکَم کریں گے۔ قرآنِ کریم ایک کتاب ہے۔ وہ کتاب خود نہیں بول سکتی۔"

انہوں نے کہا:

"پھر اس فیصلے کے لئے مدت مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تاکہ عالم اور جاہل سب قرآنِ کریم کے حکم کو سمجھ لیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ اس صلح کو مسلمانوں کے حق میں بہتر بنائے اور لوگ صحیح راستہ پر آجائیں اس لئے تم میری مخالفت چھوڑ دو اور

ہمارے ساتھ کوفہ چلو۔"

خوارج نے کہا:

"ہم نے تحکیم قبول کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہم اس کے لئے خدا تعالیٰ سے توبہ کرتے ہیں۔ آپ بھی ہماری طرح توبہ کیجئے تو ہم آپ کا حکم ماننے کو تیار ہیں ورنہ ہم آپ کے مخالف ہیں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"صرف چھ ماہ کی بات ہے شہر میں چلو۔ اس دوران میں خراج کی وصولی بھی ہو جائے گی اور گھوڑے وغیرہ بھی موٹے تازے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلیں گے۔"

چنانچہ آپ انہیں سمجھا بجھا کر کوفہ لے آئے۔

تحکیم کے متعلق خوارج کا نظریہ:۔

خوارج کا نظریہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ امام برحق تھے۔ ان کی بیعت بالکل صحیح طریقہ پر کی گئی تھی اور جس نے آپ کی بیعت سے انکار کیا وہ سرکشی اور بغاوت کا مرتکب ہوا۔ ساتھ ہی ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب کافر ہے۔ اس نظریہ کی بنا پر وہ یہ کہتے تھے کہ معاویہؓ نے امامِ عادل کے خلاف بغاوت کر کے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں سے جنگ کریں، قرآنِ کریم میں خاص سزا مقرر کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں جو حدود اور سزائیں مقرر کی گئی ہیں ان میں تحکیم کے کوئی معنی ہی نہیں۔ چونکہ ان کی نظروں میں معاویہؓ اور ان کے ساتھی خدا کی مقرر کردہ سزا کے مستحق تھے اس لئے ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرنا اور احکامِ خداوندی کے بارے میں انسانوں کو حَکَم بنانا خدا تعالیٰ کے دین کی تحقیر کرنے کے مترادف تھا۔ ایسا کرنا ان کی نظروں میں جرم تھا اور ایسا کرنے والا گمراہ۔ گمراہ کو چونکہ مسلمانوں کی خلافت نہیں سونپی جا سکتی، اس لئے وہ کہتے تھے کہ حضرت علیؓ کی خلافت برقرار نہ رہی اور ان سے لڑنا واجب ہو گیا۔ اس طرح ان کی نظروں میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں برابر ہو گئے۔

خوارج کے نظریہ کا بطلان :-

لیکن منطقی لحاظ سے خوارج نے غلط مقدمات کو ترتیب دے کر اس سے غلط نتیجہ نکالا تھا۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے کہ سرکشی، بغاوت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کی سزا قرآن کریم میں موجود ہے۔ لیکن یہ امر کہ معاویہؓ اور ان کے ساتھی واقعۃً باغی تھے محتاجِ ثبوت ہے۔ یہ لوگ خود حضرت علیؓ کی خلافت کے متعلق ہی شک میں تھے کہ آیا اس کا صحیح طور پر انعقاد ہوا ہے یا نہیں۔ اس صورت میں لوگوں کو ثالث بنانا جائز تھا۔ ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ کے دین میں خلل اندازی کرنے کا الزام نہیں آتا اور نہ یہ لازم آتا ہے کہ اشخاص کو اللہ تعالیٰ کے احکام میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا کیونکہ حکم بنانے کا منشا صرف اس قدر تھا کہ حکمین یہ متعین کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان پر صادق آتا ہے یا نہیں۔

اس کی مثال اس طرح سمجھی جا سکتی ہے کہ اس جج سے جس کے پاس کسی چوری کا مقدمہ آتا ہے یہ نہیں پوچھا جاتا کہ مبینہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے یا نہیں۔ بلکہ مقدمہ یہ معلوم کرنے کے لئے اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے کہ چور نے چوری کی ہے یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے چوری کی ہے تو جج کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو قانون کے مطابق سزا دے۔

خوارج کا یہ اعتراض بھی غلط ہے کہ تحکیم قبول کر لینے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو خود اپنی امامت میں شک تھا اور ایسے مشکوک امر کو منوانے کے لئے انہوں نے ناحق مسلمانوں کی کثیر جانیں میدانِ جنگ میں ضائع کرائیں۔ کیونکہ صاحب حق اپنے آپ کو بہرحال حق پر سمجھتا ہے لیکن اگر کوئی دوسرا شخص اس کے حق پر ہونے سے انکار کرے تو اپنا حق ثابت کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ اس کے پاس نہیں رہتا کہ اپنے مقدمہ کو عدالت میں لے جائے یا اس معاملہ کو دو ثالثوں کے سپرد کر دے۔

اس طرح اس نئے گروہ نے اپنے دعوے کی بنیاد غلط مقدمات پر رکھ کر امت کے لئے ایک اور فتنہ کا سامان مہیا کر دیا۔ جہاں پہلے مسلمانوں کے دو گروہ تھے اب تین ہو گئے جن

میں سے ہر گروہ دوسرے کا خون بہانا جائز سمجھتا تھا۔ حضرت علیؓ کو اب دوہری مشکل ہو گئی۔ پہلے آپ کو صرف اہلِ شام کا مقابلہ درپیش تھا۔ اب خوارج سے نبٹنا بھی ضروری ہو گیا۔ حالانکہ یہ لوگ کل تک آپ کے ساتھی تھے اور آپ کو سید المسلمین اور بہ اعتبار علم و فقہ سب لوگوں سے برتر سمجھتے تھے۔ لیکن آج یہ آپ کو بُرا بھلا کہتے اور آپ سے جنگ کرنے کے لئے تیار تھے۔

خوارج کے عجیب و غریب نظریات :۔

خوارج حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی خلافت کو صحیح سمجھتے تھے کیونکہ ان کا انتخاب صحیح طریقہ پر ہوا تھا۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت بھی جہاں تک اس خلافت کے ابتدائی سالوں کا تعلق تھا ان کے نزدیک صحیح تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے تھے کہ جب انہوں نے اپنی پہلی سیرت بدل دی اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پہ چلنا چھوڑ دیا تو ان کا معزول کرنا واجب ہو گیا۔ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے بھی منکر نہ تھے۔ لیکن یہ کہتے تھے کہ انہوں نے تحکیم قبول کر کے سخت غلطی کی جس نے ان کو نعوذ باللہ کفر کے درجہ تک پہنچا دیا۔ وہ اصحابِ جمل یعنی حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی بُرا بھلا کہتے تھے اور ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمروؓ بن العاص پر انہوں نے کفر کا فتویٰ لگا رکھا تھا۔

مختصر یہ کہ ان کی باتیں خلفاء اور ان کے ساتھیوں کے اعمال کی تشریح تک ہی محدود ہوتی تھیں اور ان کی بحث و تمحیص کا موضوع یہ ہوتا تھا کہ خلیفہ بننے کا مستحق کون ہے؟ کسے مومن سمجھا جائے اور کسے نہ سمجھا جائے!

خلافت کے بارہ میں ان کا نظریہ یہ تھا کہ خلیفہ مسلمانوں کے انتخاب سے بننا چاہیئے۔ جس شخص کی خلافت پر عامۃ المسلمین متفق ہو جائیں اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی صورت میں بھی تحکیم قبول نہ کرے۔ ان کے نزدیک خلیفہ کا قریش میں سے ہونا ضروری نہیں۔ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں سے بھی خلیفہ ہو سکتا ہے خواہ وہ کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ جب کوئی شخص خلیفہ منتخب ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر اس وقت تک اس کی پوری پوری اطاعت

کرنی واجب ہے جب تک وہ خدا تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری میں مشغول رہے۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی خلاف ورزی کے جرم کا مرتکب ہو تو مسلمانوں پر اسے معزول کر دینا فرض ہو جاتا ہے۔

خوارج کے متعلق حضرت علیؓ کی نصیحت:۔

اکثر خوارج بدو عرب تھے اور وہ اپنے عقیدہ پر نہایت خلوص سے قائم تھے۔ اپنے عقیدہ کی حفاظت کے لئے انہوں نے لڑائی سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان کے عقیدہ کا خلوص ہی تھا جس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے ان سے نرمی اور محبت کا سلوک کیا۔ حضرت علیؓ اگرچہ اپنے عہد میں ان سے لڑے اور ان کی طاقت کو پاش پاش کر دیا تاہم آخری عمر میں آپ نے ان کے متعلق فرمایا:

"میرے بعد خوارج سے نہ لڑنا کیونکہ وہ شخص جو حق و صداقت کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے لیکن اسے نہیں پا سکتا، اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو باطل کے حصول کے لئے کوشش کرتا ہے اور اسے پا لیتا ہے۔"

آپ کا مطلب یہ تھا کہ خوارج نے حصولِ حق کے لئے کوشش کی اور اپنے عقیدہ کو محفوظ رکھنے کے لئے ہم سے لڑے، گو وہ اپنے اس طریقِ کار میں غلطی پر تھے۔ لیکن معاویہؓ نے کبھی حق کو طلب کرنے کی خواہش نہیں کی بلکہ ان کا مقصود باطل کو طلب کرنا تھا۔ وہ باطل کی حمایت میں لڑے اور انہیں وہ سب کچھ مل گیا جو وہ چاہتے تھے۔

---

(۲۱)

اذرح کی مجلس مشاورت

دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں حکمین کا اجتماع :-

مؤرخین کا حکمین کے مقام اجتماع کے بارہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اجتماع دومۃ الجندل میں ہوا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ اذرح میں ہوا تھا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اذرح میں ہوا تھا[1]۔ اذرح' تبر اور معان کے درمیان واقع ہے۔ قریش کے تجارتی قافلے شام جاتے ہوئے یہاں اُترا کرتے تھے۔ پہلے یہی فیصلہ ہوا تھا کہ حکمین دومۃ الجندل کے مقام ہی پر جمع ہوں لیکن بعد میں یہ اجتماع دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں اس لئے ہوا کہ اس جھگڑے کی وجہ سے جو حضرت علیؓ اور خوارج کے درمیان پیدا ہو گیا تھا' وقتِ مقررہ پر حکمین کا اجتماع نہ ہو سکا۔ کوفہ اور شام کے درمیان خط و کتابت ہوئی اور دونوں فریق دوسرے وقت کی تعیین پر رضامند ہو گئے۔ ساتھ ہی

---

[1] طبری۔ ابن اثیر۔ طبقات ابنِ سعد

یہ فیصلہ بھی ہوا کہ اجتماع دومۃ الجندل کی بجائے اذرح میں ہو۔

وقت مقررہ پر حضرت علیؓ نے چار سو آدمی روانہ کیے جن کا امیر شریح ابن ھانی الحارثی کو بنایا اور امام الصلوٰۃ ابنِ عباسؓ کو۔ ابو موسیٰ اشعریؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی چار سو آدمیوں کے ساتھ عمروؓ بن العاص کو بھیجا۔ دونوں حکم اذرح میں جمع ہوئے۔

اہلِ عراق کی بے تدبیری:۔

حضرت معاویہؓ کے خطوط حضرت عمروؓ بن العاص کے پاس برابر آیا کرتے تھے لیکن خط لانے والے قاصد تک کو ان خطوط کے مضمون کا پتہ نہ ہوتا تھا۔ نہ اہلِ شام ہی کو اس بات کی جستجو ہوتی تھی کہ ان خطوط میں کیا لکھا ہے لیکن جب حضرت علیؓ کا کوئی خط حضرت ابنِ عباسؓ کے پاس پہنچتا تھا تو اہلِ عراق آپ کے پاس جمع ہو جاتے اور پوچھتے کہ امیر المومنینؓ نے کیا لکھا ہے۔ اگر ابن عباسؓ چھپانا چاہتے تو مختلف قسم کے قیاس اپنے دلوں میں قائم کر لیتے اور کہتے ہمارا تو یہ خیال ہے کہ امیر المومنینؓ نے یہ یہ لکھا ہوگا۔

آخر حضرت ابنِ عباس نے ان سے کہا:

"آخر تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں کہ معاویہؓ کا قاصد آتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ وہ کس مضمون کا خط لایا ہے وہ واپس جاتا ہے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتا کہ کیا لے کر گیا ہے۔ نہ وہاں شور ہوتا ہے نہ شغب ایک تم ہو کہ مجھے چین نہیں لینے دیتے"۔

اس موقعہ پر مندرجہ ذیل مشہور صحابہؓ بھی موجود تھے۔

حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ ابن الحارث بن ہشام مخزومی، حضرت مغیرہؓ بن شعبہ اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔

حکمین کی گفتگو:۔

جب دونوں ثالث پہلی مرتبہ ملے تو ان کے درمیان مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی:

عمروؓ بن العاص:۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ حضرت عثمانؓ مظلوم قتل کیے گئے؟

ابوموسیٰ رضی :- بے شک مجھے یقین ہے کہ آپ مظلوم شہید کیے گئے۔

عمرو رضی بن العاص :- کیا آپ جانتے ہیں کہ معاویہ رضی اور آل معاویہ حضرت عثمان رضی کے خون کے ولی ہیں؟

ابوموسیٰ رضی :- بے شک!

عمرو رضی بن العاص :- اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے "ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطانا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا"۔ (ترجمہ) جو شخص مظلوم قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو صاحب اختیار کیا ہے۔ وہ بدلہ لینے میں زیادتی نہ کرے۔ اگر وہ ہمارے حکم پر چلے گا تو ضرور فتح یاب ہوگا۔" پھر حضرت معاویہ رضی کو امیر بنانے میں آپ کے لئے کیا امر مانع ہے حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی کے ولی اور قریش کے ایک معزز گھرانے کے فرد ہیں۔ اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ معاویہ رضی کو خلیفہ بنا دینے میں لوگوں کو یہ اعتراض ہوگا کہ انہیں اسلام میں سبقت کا شرف حاصل نہیں اس لئے وہ خلیفہ نہیں بنائے جا سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مظلوم و شہید خلیفہ حضرت عثمان رضی کے ولی ہیں اور حسن سیاست اور حسن تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت اُمِ حبیبہ رضی کے بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی رہے ہیں۔ یاد رکھئے اگر وہ خلیفہ ہوگئے تو آپ کی انتہائی تعظیم کریں گے اور آپ کے ساتھ اتنا بہتر سلوک کریں گے کہ آج تک کسی خلیفہ نے نہ کیا ہوگا۔

ابوموسیٰ رضی :- عمرو رضی! اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ معاویہ رضی اپنی ذاتی اور خاندانی شرافت کی وجہ سے اس بات کے حقدار نہیں بن جاتے کہ انہیں خلافت سپرد کر دی جائے۔ خلافت کے لئے دین اور تقویٰ کی فضیلت چاہیئے۔ اگر محض خاندانی شرافت ہی خلافت کے لئے کافی ہو تو اس صورت میں بھی حضرت علی رضی ہی خلافت کے حقدار ہیں، کیونکہ وہ قریش میں سب سے زیادہ معزز ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ معاویہ رضی حضرت عثمان رضی کے خون کے ولی ہیں لیکن یہ چیز ان کو خلافت کا مستحق نہیں بنا دیتی۔ میرے تو ذہن میں بھی مہاجرین اولین کو چھوڑ کر معاویہ رضی کو خلیفہ بنانے کا خیال نہیں آ سکتا۔ باقی تم نے مجھے تعظیم اور مال و منال کا جو لالچ دیا ہے تو خدا کی قسم اگر میرے ہاتھ سے وہ کچھ بھی نکل جائے جو

میرے قبضہ میں ہے تو بھی میں معاویہؓ کو خلیفہ نہ بناؤں۔ میں رشوت کبھی نہیں لوں گا۔ البتہ اگر تم چاہو تو ہم حضرت عمرؓ بن خطاب کے نام کو زندہ کریں اور ان کے لڑکے عبداللہ بن عمرؓ کو خلیفہ بنالیں)

عمروؓ بن العاص: اگر آپ ابن عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو میرے بیٹے کی بیعت کرنے سے آپ کو کیا امر مانع ہے۔ حالانکہ آپ اس کی فضیلت اور صلاحیت کو اچھی طرح جانتے ہیں۔

ابوموسیٰ اشعریؓ: تمہارے بیٹے کی صلاحیتوں سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن اس نے فتنہ میں پڑ کر اپنے آپ کو آلودہ کر لیا ہے۔"

اس مناقشہ اور گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمین اس بات پر رضامند ہو گئے تھے کہ حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں میں سے کوئی شخص بھی خلیفہ نہ ہو۔ البتہ دونوں کا اختلاف اس امر میں تھا کہ ان کی جگہ اور کون شخص خلیفہ ہو اور کسے مسلمانوں پر حکومت کے سارے اختیارات تفویض کئے جائیں۔ لیکن کوئی شخص بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ ان دونوں نے خدا تعالیٰ کی کتاب کے کس حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کس ارشاد کے ماتحت یہ رضامندی ظاہر کی تھی۔ ان کا فرض یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کے مطابق ان دونوں میں فیصلہ کرتے اور اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کرتے: وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینهما فان بغت احدهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٔ الی امر اللہ۔

ترجمہ:- اگر مومنوں کی کوئی جماعت کسی دوسری جماعت سے جھگڑ پڑے تو ان دونوں جماعتوں کے درمیان صلح کرا دو۔ لیکن اگر اس پر بھی کوئی جماعت اپنے عہد کو توڑ کر دوسرے سے لڑائی شروع کر دے تو تمام مسلمان مل کر اس لڑائی شروع کرنے والی جماعت سے لڑیں یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

عمروؓ بن العاص نے ابوموسیٰ اشعریؓ سے پوچھا:

"آخر آپ کی کیا رائے ہے؟"

ابوموسیٰؓ نے کہا:

"میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں شخصوں کو معزول کر دیں۔ اس کے بعد مسلمان آپس میں مشورہ کر کے جس کو چاہیں خلیفہ بنالیں۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"میری بھی یہی رائے ہے۔"

اس بات چیت میں عمروؓ بن العاص کا یہ طریقہ تھا کہ وہ پہلے ابوموسیٰ اشعریؓ کو بولنے کا موقع دیتے تھے اور ہر بات میں ان کو مقدم رکھتے تھے۔ آپ ان سے کہتے تھے:

"آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ مجھ سے زیادہ عمر رسیدہ ہیں۔ اس لئے پہلے آپ بولئے اس کے بعد میں کچھ عرض کروں گا۔"

حکمین کے فیصلہ کا مجمع عام میں اعلان:۔

ایسا کرنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ ابوموسیٰ اشعریؓ کو پہلے کلام کرنے کا موقع دے کر ان کی زبان سے حضرت علیؓ کو معزول کرنے کا لفظ نکلوا لیا جائے چنانچہ ان کی یہ غرض پوری ہو گئی۔ صرف لوگوں میں اس بات کا اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا جو ان دونوں میں طے پا چکی تھی چنانچہ عمروؓ بن العاص نے حسبِ معمول پہلے ابوموسیٰ اشعریؓ کو کھڑا کیا۔ وہ کھڑے ہو کر کہنے لگے:

"اے لوگو! ہم نے اس معاملہ پر خوب غور و خوض کیا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ امت کی فلاح و بہبود کے لئے اس سے زیادہ آسان راہ اور کوئی نہیں کہ ہم علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور یہ معاملہ امت پر چھوڑ دیں کہ وہ جس کو چاہے خلیفہ منتخب کر لے سو میں نے علیؓ اور معاویہؓ کو معزول کر دیا ہے۔ اب معاملہ تمام مسلمانوں کے سپرد ہے کہ وہ جس کو خلافت کا اہل سمجھیں خلیفہ مقرر کریں۔"

جب ابوموسیٰؓ اپنی تقریر ختم کر چکے تو عمروؓ بن العاص کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہنے لگے:

"ابوموسیٰؓ نے جو کچھ کہا وہ آپ سب لوگوں نے سن لیا۔ انہوں نے اپنے صاحب (علیؓ)

کو معزول کر دیا۔ میں بھی ان کو معزول کرتا ہوں۔ لیکن اپنے صاحب (معاویہؓ) کو قائم رکھتا ہوں۔ کیونکہ وہ حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کے اچھے جانشین ہیں۔"

اس پر دونوں کے مابین کچھ تلخ کلامی ہوئی۔ دونوں فریقوں نے ہتھیار اٹھائے اور آپس میں اُلجھ پڑے۔ شام کے لوگوں نے چاہا کہ ابو موسیٰؓ کو پکڑ لیں لیکن انہوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا رُخ کیا اور شامیوں کے ہاتھ نہ آئے۔

روایات میں تضاد:۔

"طبری" نے یہ روایت بیان کی ہے کہ جب ابو موسیٰؓ حکمین کے باہمی فیصلہ کا اعلان کرنے کے لئے مجمع عام میں جانے لگے تو انہوں نے ابنِ عباسؓ سے کہا کہ ہم دونوں خلافت کے امر پر متفق ہو گئے ہیں اور ہمیں امید ہے کہ اس فیصلہ سے امت کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ عمروؓ بن العاص نے مجھے اس فیصلہ کا اعلان کرنے کا اختیار دیا ہے۔

اس پر ابنِ عباسؓ کہنے لگے:

"عمروؓ بن العاص کی بات کا اعتبار نہیں۔ بیشک انہوں نے آپ کو تو متفقہ طور پر طے کئے ہوئے فیصلہ کی منظوری دے دی ہے لیکن جب آپ لوگوں میں کھڑے ہوں گے تو وہ آپ کی مخالفت کریں گے۔"

ابو موسیٰؓ اپنی سادہ لوحی کی وجہ سے کہنے لگے:

"اس قسم کی کوئی بات نہیں ہو گی۔ جب ہم دونوں ایک فیصلہ پر رضامند ہو گئے ہیں تو پھر مخالفت کے کیا معنی؟"

لیکن ان روایتوں کے برعکس مسعودی نے لکھا ہے کہ ابو موسیٰؓ نے کوئی خطبہ وغیرہ نہیں دیا تھا بلکہ باقاعدہ ایک تحریر لکھی گئی تھی جس میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے اور مسلمانوں کے باہمی فیصلہ سے کسی شخص کو خلیفہ بنانے کا فیصلہ درج کیا گیا تھا۔

مسعودی کے بیان کے مطابق حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمروؓ بن العاص سے کہا تھا:

"مسلمانوں کے افتراق نے بہت نازک شکل اختیار کر لی ہے۔ اب ہمیں کوئی ایسا فیصلہ کرنا چاہئے

جس سے مسلمانوں میں پھر باہمی الفت و محبت پیدا ہو جائے اور وہ آپس میں صلح و صفائی سے رہ سکیں۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی اس رائے سے اتفاق کیا اور کہا:

"آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے درمیان طے ہوتا جائے اسے کاتب لکھتا جائے تاکہ بعد میں کوئی بھول چوک نہ ہو سکے۔"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

چنانچہ حضرت عمروؓ بن العاص نے ایک کاتب بلوا لیا، جو ان کا ایک غلام تھا اور اسے ہدایت کی کہ جس بات پر ہم دونوں حکم متفق ہو جائیں وہی لکھے۔ چنانچہ ان دونوں نے لکھوانا شروع کیا۔

حکمین کا باہمی معاہدہ:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ وہ فیصلہ ہے جس پر عبداللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعریؓ) اور عمروؓ بن العاص متفق ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں جنہیں خدا تعالیٰ نے ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ وہ خدا تعالیٰ کے دین کو تمام دینوں پر غالب کر دیں خواہ مشرکین اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں۔"

اس کے بعد عمروؓ بن العاص نے کہا:

"ہم گواہی دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے جب تک اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھا نہیں لیا، آپ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی سنت پر عمل کرتے رہے اور اپنے اس حق کو جو آپ کے ذمہ تھا پوری طرح ادا کرتے رہے۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا: "ٹھیک ہے لکھو۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے یہی باتیں حضرت عمرؓ کے متعلق بھی کہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان سے اتفاق کیا۔ اس کے بعد عمروؓ بن العاص نے کاتب سے کہا لکھو۔

"حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ مسلمانوں کے اجتماع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے مشورہ کے بعد خلیفہ ہوئے اور وہ مومن تھے۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا:

"ہم اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے اکٹھے نہیں ہوئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"خدا کی قسم! یا تو وہ مومن ہوں گے یا کافر۔"

حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا:

"اچھا لکھو۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"کیا وہ ظالم قتل کئے گئے یا مظلوم؟"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"وہ مظلوم قتل کئے گئے۔"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"کیا خدا تعالیٰ نے مظلوم شخص کے ولی کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ اس کے قصاص کا مطالبہ کرے؟"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"بے شک!"

عمروؓ بن العاص نے کہا:

"تو کیا معاویہؓ کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا خواہ وہ کوئی ہوں اور کہیں ہوں مطالبہ کریں؟"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"بے شک۔"

عمروؓ بن العاص نے کاتب سے کہا یہ لکھ لو۔ ابو موسیٰؓ نے بھی تائید کی۔ چنانچہ اس نے یہ لکھ لیا۔

اب ابو موسیٰؓ نے عمروؓ بن العاص سے کہا:

"ان اختلافات کی وجہ سے امتِ محمدیہ بہت مشکلات میں گرفتار ہو چکی ہے۔ ہم یہاں اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر جمع ہوئے ہیں اس لئے آؤ ہم دونوں مل کر کوئی ایسی صورت نکالیں جس میں امت کی بہبودی مضمر ہو۔"

عمروؓ بن العاص نے پوچھا:

"وہ صورت کیا ہو سکتی ہے؟"

ابو موسیٰؓ نے کہا:

"تمہیں پتہ ہے کہ اہلِ عراق کبھی معاویہؓ کو خلیفہ بنانا پسند نہیں کریں گے اسی طرح اہل شام کبھی علیؓ کی خلافت پر راضی نہیں ہوں گے۔ اس لئے ہم ان دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیں اور عبداللہؓ بن عمرؓ کو خلیفہ بنا لیں۔"

عمروؓ بن العاص نے اس امر میں تو ابو موسیٰؓ سے اتفاق کیا کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا جائے، لیکن عبداللہ بن عمرؓ کے خلیفہ بنائے جانے سے اختلاف کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن عمرؓ کی جگہ کئی اور صحابہؓ کے نام خلافت کے لئے تجویز کئے لیکن ابو موسیٰؓ کا اصرار حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی پر رہا اس طرح کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

آخر عمروؓ بن العاص نے کاغذ پیٹا اور حکمین کی گفتگو ختم ہو گئی۔

محاکمہ:۔

اگرچہ اکثر مؤرخین نے پہلی روایت بیان کی ہے لیکن موخر الذکر روایت زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر عمروؓ بن العاص چالاکی سے بھی کام لیتے اور ابو موسیٰؓ کے کہنے کے بموجب حضرت علیؓ کو معزول قرار دیتے، اور معاویہؓ کو باقی رکھتے تو ان کی یہ چالاکی حضرت معاویہؓ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ لیکن جس بات پر دونوں فریقوں کا اتفاق ہوا تھا وہ یہ تھی کہ قرآنِ کریم کے مقتضٰی کے ماتحت دونوں حکم جس بات پر متفق ہوں گے، فریقین کو اسے قبول کرنا ہوگا۔ یہ شرط نہ تھی کہ

اگر کوئی ایک حکم کسی بات پر راضی ہو جائے تو اس بات کو واجب العمل قرار دیا جائے۔ یہ بات کسی تاریخ میں نہیں ملتی کہ ابو موسیٰؓ کسی وقت بھی حضرت معاویہؓ کی خلافت پر رضامند ہو گئے تھے۔

معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص کی فتح یابی:۔

حکمین کی گفتگو اور فیصلہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عمروؓ بن العاص اس معرکہ میں فتح یاب ہو گئے تھے اور اسی فتح یابی کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہؓ کے قدم شام اور شام کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی اچھی طرح جم گئے۔ ان کو یقین ہو گیا کہ اب انہیں آسانی سے خلافت حاصل ہو جائے گی حالانکہ اس سے پہلے انہیں خلافت کا خیال بھی نہیں آیا تھا۔

مزید برآں اس فیصلہ کی وجہ سے عمروؓ بن العاص نے معاویہؓ کے لئے کافی وقت فراہم کر دیا جس میں وہ اپنے لشکر کی تنظیم کر سکتے تھے۔ حضرت معاویہؓ نے اس مہلت سے فائدہ اٹھایا اور اپنے لشکر کو خوب منظم اور اچھی طرح مسلح کر لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب حضرت علیؓ نے دوبارہ شام پر حملہ کیا تو حضرت علیؓ کی فوج کی حضرت معاویہؓ کے سامنے کچھ پیش نہ جا سکی۔

معاویہؓ اس مقصد میں بھی کامیاب ہو گئے کہ حضرت علیؓ کو خلافت سے خواہ برائے نام ہی سہی ہٹا دیا جائے اور مسلمان دوبارہ مشورہ سے نئے خلیفہ کا انتخاب کریں۔ اس طرح حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ ایک سطح پر آ گئے اور حضرت علیؓ کے لئے سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت اور اسلام میں سبقت کے شرف کے اور کوئی وجہ فضیلت نہ رہی۔

جہاں تک ابو موسیٰؓ کا تعلق ہے ان کی سادہ لوحی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ انتہائی متقشف اور دین کی حفاظت کرنے والے شخص تھے۔ اپنے نفس کا محاسبہ کرنے میں بہت شدید تھے فتنوں سے طبعاً کراہت کرتے تھے اور امت کی بھلائی کی فکر میں مشغول رہتے تھے۔ لیکن چونکہ انہیں سیاسی امور سے کوئی تعلق نہ تھا اس لئے حضرت عمروؓ بن العاص نے ان کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر ان سے بعض ایسی باتیں منوالیں جنہیں کوئی ہوشیار سیاستدان ہرگز قبول نہ کرتا۔

---

(۲۲)

یومِ نہروان

حضرت ابن عباسؓ اور شریح حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور راذرح کے تمام واقعات انہیں سُنا دئے۔ حضرت علیؓ کو احساس ہوا کہ اب معاملہ حد سے گزر چکا ہے اور ان کی بجائے معاویہؓ کا پلّہ بھاری ہو گیا ہے۔ انہوں نے سوچا اس سے پہلے کہ معاویہؓ ان کے خلاف کوئی کارروائی کر سکیں، وہ خود پہل کر کے معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کے مقابلہ کے لئے نکلیں اور فتنہ کو بڑھنے سے روکیں۔ لیکن خوارج کی بغاوت ان کی راہ میں مزاحم ہو گئی اور حضرت علیؓ کو معاویہؓ سے لڑنے کی بجائے خوارج کا قلع قمع کرنا پڑا۔

تحکیم سے قبل خوارج کا حضرت علیؓ سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ تحکیم قبول کرنے کی بناء پر اپنی غلطی بلکہ اپنے کفر کا اعلان کریں اور معاویہؓ کے ساتھ جو شرائط انہوں نے طے کی ہیں ان پر عمل نہ کریں ان کا کہنا تھا کہ اگر حضرت علیؓ نے ان کی بات مان لی تو وہ دوبارہ ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور ان سے مل کر لڑیں گے۔ لیکن حضرت علیؓ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور درحقیقت آپ کا انکار کرنا بالکل درست تھا۔ آپ اس معاہدہ سے جسے دونوں فریقوں نے منظور کر لیا تھا

کس طرح پھر سکتے تھے جبکہ اسلام وفائے عہد کا حکم دیتا ہے۔ اگر آپ بفرضِ محال اپنے معاہدہ سے پھر جاتے تو آپ کے اکثر ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ پھر آپ اپنے کفر کا کس طرح اقرار کر سکتے تھے جبکہ آپ نے اپنی تمام عمر میں کبھی شرک نہیں کیا تھا۔

لَاحکمَ اِلاَّ اللہ کا نعرہ :۔

خوارج نے 'لاحکم الا اللہ' کا نعرہ ایجاد کیا تھا۔ انہوں نے اسے جا بجا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ جب حضرت علیؓ مسجد میں خطبہ دے رہے ہوتے تو خطبہ کے دوران ہی میں حضرت علیؓ کی بات کاٹ کر کوئی شخص لاحکم الا اللہ کا نعرہ لگاتا اور پھر ساری مسجد اس نعرے سے گونجنے لگتی۔

خوارج کی غلط فہمی :۔

جب حضرت علیؓ اور حضرت ابنِ عباسؓ ان لوگوں کو سمجھا بجھا کر کوفہ لائے تھے تو ان لوگوں کا خیال تھا کہ امیر المومنینؓ بھی اب ان کی طرح فیصلہ تحکیم کو ناپسند کرنے لگے ہیں اور انہیں اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کا ایک آدمی حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

"لوگ آپ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے کفر سے توبہ کر لی ہے۔"

یہ خبر حضرت علیؓ کی جماعت میں بھی پھیل گئی اور لوگ آپ کے متعلق مختلف افواہیں گرم کرنے لگے۔ آخر حضرت علیؓ نے چاہا کہ لوگوں پر اپنا موقف واضح کر دیں تاکہ کسی غلط فہمی کا شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے وقت آپ نے ایک خطبہ دیا اور اس میں خوارج اور ان کی ریشہ دوانیوں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ اس پر خوارج بھڑک اٹھے اور مسجد کے صحن میں کھڑے ہو کر چلانے لگے:

"لاحکم الا اللہ"

حضرت علیؓ نے یہ سن کر فرمایا اللہ اکبر! بات تو ان کی سچی ہے لیکن یہ لوگ اس سے جو مطلب نکال رہے ہیں وہ غلط ہے۔ دیکھو جب تک تم ہمارے ساتھ ہو ہم پر تمہارے تین حق ہیں۔ ہم تمہیں اپنی

مساجد میں نماز پڑھنے سے نہیں روکیں گے تاوقتیکہ تم ان میں خدا تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو۔ ہم تمہیں مالِ غنیمت حاصل کرنے سے منع نہیں کریں گے تاوقتیکہ تم ہمارے ساتھ مل کر لڑتے رہو۔ ہم تم سے اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک تم ہم سے لڑائی شروع نہ کرو۔

خوارج کا نہروان پر اجتماع:۔

جب خوارج حضرت علیؓ کی طرف سے مایوس ہوگئے اور انہیں یقین ہوگیا کہ امیرالمومنینؓ ان کی رائے کو ہرگز قبول نہیں کریں گے تو وہ عبداللہ بن وہب الراسبی کے مکان میں جمع ہوئے عبداللہ نے اس موقع پر ایک تقریر کی جس میں انہیں کوفہ سے باہر نکلنے کا مشورہ دیا۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا:

"خدا کی قسم ایسی قوم کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتی ہو اور قرآن کے احکام پر عمل کرتی ہو یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور قولِ حق کو چھوڑ کر دنیا کو ترجیح دے۔ اس لیے اس بستی سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، کسی پہاڑ یا کسی دوسرے شہر کی طرف نکل چلو اور اس بدعت و ضلالت کے خلاف کمرِ ہمت کس لو۔"

تمام حاضرین نے اسی وقت عبداللہ بن وہب کو اپنا امیر چُن لیا اور فیصلہ کیا کہ شہر سے اکٹھے نکلنے کی بجائے وہ ایک ایک کر کے نکلیں تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ منزلِ مقصود "نہروان" کا پُل قرار پایا۔ عبداللہ بن وہب نے بصرہ میں اپنے ساتھیوں کو سارا حال لکھ بھیجا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ بھی نہروان کے پُل پر اسے آکر ملیں۔ چنانچہ بصرہ کے خارجی بھی نہروان پہنچ گئے۔

حضرت علیؓ کا شام کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ:۔

امیرالمومنینؓ کا اولاً ارادہ یہ ہوا کہ اپنے ساتھیوں کو شام چلنے کی ترغیب دیں چنانچہ آپ نے کوفہ میں ایک خطبہ پڑھا جس میں فرمایا:

"امام کی نافرمانی کا نتیجہ حسرت اور ندامت ہوتا ہے۔ میں نے تمہیں آگاہ کیا تھا کہ

شامیوں کے دھوکے میں نہ آؤ اور تحکیم قبول نہ کرو لیکن تم لوگوں نے اپنی خودسری کے
آگے میری ایک نہ سُنی اور مجھے مجبوراً تحکیم قبول کرنی پڑی۔ لیکن ان دو آدمیوں نے
جنہیں تم نے حکَم مقرر کیا تھا قرآنِ کریم کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس چیز کو زندہ کیا
جسے قرآن مار چکا تھا۔ ہر شخص نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے برعکس اپنی رائے اور خواہش
پر عمل کیا۔ ان دونوں نے بغیر کسی حجّتِ مبینہ کے اپنا فیصلہ دیا۔ پھر اصل فیصلہ میں بھی
دونوں متفق نہیں ہوئے ایک کچھ کہتا تھا دوسرا کچھ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اور اس کا
رسولؐ ان لوگوں کے فیصلہ سے بری ہے۔ سو تم شام چلنے کی تیاری کرو۔"

ساتھ ہی آپ نے خوارج کو بھی شام چلنے کی دعوت دی۔ آپ کو یہ امید تھی کہ یہ لوگ چونکہ تحکیم کے
سخت خلاف تھے اس لئے اب وہ خوشی خوشی آپ کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔

لیکن ان لوگوں نے آپ کی دعوت کا جواب یہ دیا:

"آپ نے اپنے رب کی خاطر حکمین سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا ہے بلکہ اپنے نفس
کی خاطر کیا ہے آپ نے اپنے کفر پر شہادت دے دی ہے۔ اگر آپ توبہ کریں تو ہم اپنے اور آپ
کے تعلقات پر دوبارہ غور کریں گے ورنہ ہمیں آپ کی کوئی پروانہ ہوگی۔ خدا تعالیٰ خیانت کرنے
والوں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔"

حضرت علیؓ نے جب یہ خط پڑھا تو آپ کو خوارج کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی اور آپ نے
انہیں ان کے حال پر چھوڑتے ہوئے شام جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ آپ لشکر لے کر کوفہ سے نکلے
اور مقام "نخیلہ" میں پڑاؤ ڈالا۔ "نخیلہ" سے آپ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو بصرہ خط لکھا کہ جس قدر
لشکر مہیا ہو سکے، اسے لے کر نخیلہ پہنچ جائیں۔ حضرت ابنِ عباسؓ نے مسجد میں کھڑے ہو کر لوگوں
کو اپنے ساتھ چلنے کی تلقین کی لیکن آپ کی آواز پر صرف پندرہ سو آدمیوں نے لبیک کہی۔ جب
حضرت ابنِ عباسؓ نے یہ حالت دیکھی تو اور زیادہ سختی سے لوگوں کو اپنی طرف بلایا۔ اب کے سترہ سو
آدمیوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس وقت بصرہ کے جنگی رجسٹر میں ساٹھ ہزار ایسے اشخاص کا
اندراج تھا جو لڑنے کے قابل تھے۔ ان کے بیٹے اور غلام ان کے علاوہ تھے لیکن ابنِ عباسؓ کے
ساتھ صرف تین ہزار دو سو آدمی تھے۔ وہ انہیں لے کر نخیلہ پہنچے۔

جب حضرت علیؓ نے یہ حال دیکھا تو کوفہ کے رؤسا کو بلا کر انہیں اہلِ بصرہ کی افسوس ناک روش سے آگاہ کیا اور فرمایا۔ اب صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ایسے لوگوں کو جو لڑائی میں شامل ہو سکتے ہیں، ایسے بچوں کو جو بلوغت کے قریب پہنچ گئے ہوں اور انہیں لڑائی کے فنون سے کچھ واقفیت حاصل ہو اور غلاموں کو کوفہ سے بلا لیا جائے تاکہ اس طرح لشکر میں تقویت کا کچھ سامان بہم ہو سکے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی دعوت پر چالیس ہزار جنگ کے قابل افراد، سترہ ہزار قریب البلوغت لڑکے اور آٹھ ہزار غلام کوفہ سے آ گئے۔

جب بصرہ، کوفہ اور مدائن سے لشکر جمع ہو گیا تو حضرت علیؓ کو معلوم ہوا کہ لشکر کے بعض افراد یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمیں پہلے حروریوں (خوارج) سے نبٹنا چاہئے اور انہیں شکست دے کر ان کا کس بل نکالنا چاہئے۔ ان سے فارغ ہو کر ہم اطمینان سے شام کی جانب کوچ کر سکیں گے۔ حضرت علیؓ نے یہ سن کر ایک خطبہ دیا جس میں آپ نے فرمایا کہ موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے شام چلنا اور معاویہؓ سے لڑنا زیادہ اہم ہے۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ اس سے پہلے حضرت علیؓ کے احکام کی خلاف ورزی کا کتنا تباہ کن نتیجہ نکل چکا ہے اس لئے وہ کہنے لگے:

"امیر المومنین آپ جہاں چاہیں ہمیں لے چلیں۔ ہمیں کوئی عذر نہ ہو گا۔"

عبداللہ بن خباب کا قتل :-

اسی دوران میں یہ واقعہ ظہور پذیر ہوا کہ ایک بزرگ عبداللہ بن خباب اپنی حاملہ بیوی کو ساتھ لئے چلے جا رہے تھے کہ خوارج سے ان کا سامنا ہو گیا۔ ان لوگوں نے انہیں پکڑ لیا اور کہا کہ یہ قرآن جو آپ کے گلے میں لٹکا ہوا ہے آپ کے قتل کا حکم دیتا ہے۔ عبداللہ خباب نے کہا میں تو مسلمان ہوں اور میرا نام عبداللہ بن خباب ہے۔ خوارج نے کہا ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ کے والد کی سند سے آپ تک پہنچی ہو۔ آپ نے فرمایا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عنقریب ایک فتنہ نمودار ہو گا جس میں آدمی کا دل اس طرح مر جائے گا جس طرح اس کا بدن مر جاتا ہے۔ وہ رات کو مومن سوئے گا اور صبح کو کافر اٹھے گا اور صبح کو کافر ہو گا تو شام کو مومن۔"

انہوں نے پوچھا:

"آپ کا حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

انہوں نے آپ کی بڑی تعریف کی۔ پھر حضرت عمرؓ کے بارہ میں دریافت کیا۔ انہوں نے ان کے متعلق بھی توصیفی کلمات کہے۔ اس کے بعد پوچھا کہ حضرت عثمانؓ کے ابتدائی اور آخری عہد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا:

"وہ اپنے ابتدائی اور آخری زمانوں میں حق وصداقت پر قائم تھے۔"

آخر میں انہوں نے پوچھا کہ حضرت علیؓ کے متعلق تحکیم سے قبل و بعد آپ کی کیا رائے ہے؟

عبداللہ نے جواب دیا:

"علیؓ تمہارے مقابلہ میں کتاب اللہ کو زیادہ سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔"

خوارج نے کہا:

"خدا کی قسم تم اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرکے یہ شہادت دے رہے ہو اور لوگوں کو ان کے کاموں کی بجائے ان کے ناموں کی وجہ سے فضیلت دیتے ہو اس لئے ہم تمہیں قتل کریں گے اور اس طرح قتل کریں گے کہ آج تک کسی اور کو قتل نہ کیا ہوگا۔"

چنانچہ وہ آپ کو نہر کے کنارے لے گئے اور ذبح کر دیا۔ اسی طرح آپ کی بیوی کا پیٹ چاک کر کے اسے بھی قتل کر ڈالا۔ قبیلہ طئی کی تین عورتوں اور ام سنان صیداویہ کو بھی ان ظالموں نے پکڑ کر مار ڈالا۔

ان کی باطنی شقاوت کا تو یہ حال تھا لیکن ظاہری پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ انہی عبداللہ بن خباب نے ایک خارجی کو دیکھا کہ نخلستان میں ایک کھجور درخت سے گر پڑی اس نے اسے اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا۔ دوسرے خارجیوں نے یہ دیکھ کر اسے لعنت ملامت کرنی شروع کی کہ اس نے بغیر مالک کی اجازت کے اور بغیر قیمت دئے یہ کھجور اپنے منہ میں کیوں ڈال لی۔ اسی طرح ان کے ایک شخص نے ایک سؤر مار ڈالا اور وہ اسے برا بھلا کہنے لگے کہ ذمیوں کے مال کا اتلاف کیوں کرتا ہے۔

جنگِ نہروان:۔

جب حضرت علیؓ کو عبداللہ بن خباب اور طئی کی تین عورتوں کے قتل کی خبر ملی تو آپ نے اپنے ایک قاصد کو صحیح خبر لانے کے لئے بھیجا۔ لیکن انہوں نے اس قاصد کو بھی قتل کر ڈالا۔ جب قاصد کے قتل کی خبر لشکر میں پہنچی تو حضرت علیؓ کے ساتھیوں نے آپ سے کہا:

"امیر المومنینؓ! اگر ہم نے ان خارجیوں کو چھوڑ دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ہمارے پیچھے ہمارے اہل و عیال پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں اور ہمارے مال و اسباب لوٹ لیں۔ اس لئے ہمیں پہلے ان کا سر کچلنا چاہیئے۔ جب ہم ان سے فارغ ہو جائیں گے تب شام چلیں گے۔"

حضرت علیؓ کے لئے بھی اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ پہلے خوارج کا قلع قمع کریں چنانچہ آپ لشکر لے کر نہروان کی طرف روانہ ہوئے۔ قریب پہنچ کر آپ نے انہیں پیغام بھیجا کہ ہمارے بھائیوں کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو۔ ہم ان کو قصاص میں قتل کریں گے اور تمہیں چھوڑ کر اہلِ شام سے مقابلہ کے لئے چلے جائیں گے۔ شاید اس عرصہ میں خدا تعالیٰ تمہارے دلوں کو پھیر دے اور تمہیں پھر انہی نیکیوں کی توفیق مل جائے جو تم پہلے بجا لاتے تھے۔

انہوں نے حضرت علیؓ کے اس پیغام کے جواب میں کہلا بھیجا:

"ہم سب نے انہیں قتل کیا ہے اور ہم سب ان کا اور تمہارا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔"

تاہم حضرت علیؓ نے پند و موعظت کے ذریعہ انہیں سمجھانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ لیکن جب حضرت علیؓ ان سے خطاب کرتے، وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال لیتے اور بڑے تکبر اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے۔ آخر ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کو ایک سفید جھنڈا دے کر بھیجا اور اعلان کرا دیا:

"تم میں سے جس نے عبداللہ بن خباب اور دوسرے مسلمانوں کے قتل میں حصّہ نہیں لیا اگر اس جھنڈے کے نیچے آ جائے تو وہ امن میں ہے۔ جو شخص کوفہ یا مدائن چلا جائے اور اس جماعت کو چھوڑ دے وہ بھی مامون ہے۔ میں یہ اعلان اس لئے کر رہا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو قتل کرنا اور ان کے خون سے ہاتھ رنگنا نہیں چاہتا۔"

حضرت علیؓ کا یہ اعلان سن کر ایک جماعت خوارج کو چھوڑ کر چلی گئی اور ایک جماعت حضرت علیؓ کے جھنڈے تلے آ گئی ۔ اب ابنِ وہب کے پاس چار ہزار میں سے دو ہزار آٹھ سو کے قریب آدمی رہ گئے ۔ آخر کار جنگ شروع ہوئی اور تمام دن جاری رہی ۔ اس جنگ میں ابنِ وہب اور اس کے اکثر ساتھی مارے گئے ۔ خوارج کے زخمیوں کی تعداد چار سو تھی ۔ حضرت علیؓ نے انہیں علاج کے لئے ان کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا اور فرمایا :

" انہیں لے جاؤ اور جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو اپنے ساتھ کوفہ لے کر چلو ۔"

ابنِ اثیر اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :

" خوارج اتنے تھوڑے وقت میں قتل کئے گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے ان سے کہا ' مر جاؤ ' اور وہ مر گئے ۔"

حضرت علیؓ کے ساتھیوں کا شام کی طرف جانے سے انکار :۔

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ خوارج کا فتنہ کلیتہً ختم اور لوگ ان کے شور و شر سے بالکل محفوظ ہو چکے ہیں تو آپ نے شام جانے کا قصد کیا لیکن آپ کے ساتھی شام جانے کے لئے تیار نہ تھے وہ کہنے لگے :

" امیر المومنینؓ ! ہمارے تیر ختم ہو گئے ہیں ۔ ہماری تلواریں کند پڑ گئی ہیں ۔ ہمارے نیزوں کے پھل ٹوٹ چکے ہیں اس لئے فی الحال تو ہمیں واپس ہی لے چلئے تا کہ ہم پہلے سے بھی زیادہ تیاری کر کے اہلِ شام کے مقابلہ کے لئے نکل سکیں اور تازہ دم ساتھیوں کی مدد حاصل کر سکیں ۔"

ان لوگوں میں جو واپس جانے کے لئے بیتاب تھے اشعث بن قیس پیش پیش تھا جنگِ صفین کے واقعات میں ہم اس کا تذکرہ تفصیل سے کر چکے ہیں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص حضرت معاویہؓ کے مؤیدین اور ساتھیوں میں سے ہو اور حضرت علیؓ کے ساتھ رہنے سے اس کا مقصد محض آپ کو نقصان پہنچانا ہو کیونکہ اگر یہ واقعتہً لڑائی کا خواہشمند نہ تھا تو حضرت علیؓ کے ساتھ نکلنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے ۔

جب حضرت علیؓ نے لشکر کی یہ حالت دیکھی تو مصلحت اسی میں سمجھی کہ فوج کو شام لے جانے پر اصرار نہ کیا جائے بلکہ بعد میں جب اس کے حوصلے بڑھ جائیں لشکر کشی کی جائے ۔ چنانچہ آپ لشکر

لے کر نخیلہ آ گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ آپ نے حکم دے دیا کہ کوئی شخص لشکر سے باہر نہ نکلے اور اپنی بیویوں اور بیٹوں سے بہت کم ملے۔ کچھ دنوں تک تو فوج نے آپ کے حکم پر عمل کیا لیکن آہستہ آہستہ لوگ کھسکنے اور کوفہ میں داخل ہونے لگے۔ آخر صرف لشکر کے سردار اور راہبر ہی باقی رہ گئے باقی سارا لشکر خالی ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ نے یہ دیکھا تو آپ بھی کوفہ تشریف لے آئے۔ کچھ روز تک تو آپ خاموش رہے آخر ایک دن لشکر کے رؤسا اور امراء کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ شام پر لشکر کشی کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟

اس کے جواب میں آپ کو کوئی حوصلہ افزا جواب نہ ملا۔ ہر شخص لڑائی سے گریز کرنا چاہتا تھا اور کسی شخص میں بھی جوش و خروش کا کوئی جذبہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے یہ حالت دیکھی تو آپ نے فرمایا:

"اللہ کے بندو! تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ جب میں تمہیں کوچ کرنے کا حکم دیتا ہوں تو تمہارے پاؤں من من بھر کے ہو جاتے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم آخرت کی زندگی کے بدلے ذلت اور بزدلی کی زندگی پر رضامند ہو گئے ہو؟ جب کبھی میں تمہیں جہاد کے لئے بلاتا ہوں تمہاری آنکھیں اس طرح پتھرا جاتی ہیں جیسے تم پر موت کی حالت طاری ہو اور تمہاری کیفیت بالکل لومڑیوں کی سی ہو جاتی ہے۔ مصیبت کی گھٹائیں تم پر چھا رہی ہیں لیکن تم خوابِ غفلت میں مدہوش پڑے سو رہے ہو۔"

حضرت علیؓ نے انتہائی کوشش کی کہ ان کی بہادری اور شجاعت کے جذبات کو ابھارا اور ان کی حمیت کو بھڑکایا جائے لیکن آپ کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی جتنا زیادہ آپ ان کو جنگ کے لئے ابھارتے اتنا ہی وہ اس سے گریز کرتے۔ آخر مایوس ہو کر حضرت علیؓ نے شام چلنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

---

(۲۳)

مصر کی نازک حالت

مصر کی ولایت پر قیس بن سعد کا تقرر:-

حضرت علیؓ نے خلافت سنبھالتے ہی صوبوں کے عاملوں کو برطرف کر کے ان کی جگہ نئے عامل مقرر کیے تھے۔ مصر کا عامل آپ نے قیس بن سعد کو مقرر کیا تھا۔ تقرری کے وقت آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

"میں نے تمہیں مصر کا عامل بنایا ہے۔ تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اپنے ساتھ چند قابلِ اعتماد آدمیوں اور فوج کے ایک دستہ کو لے جاؤ تاکہ تمہارے مخالفین پر تمہارا رعب قائم ہو اور وہ تمہارے خلاف کوئی منصوبہ بندی اور شرارت نہ کر سکیں۔ جب تم مصر پہنچ جاؤ تو وہاں کے عوام و خواص سے نرمی اور محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ البتہ جو لوگ سرکشی دکھائیں ان پر سختی کرو اور ضرورت پیش آئے پر طاقت استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کرو۔"

قیس نے اس کے جواب میں کہا "امیر المومنینؓ! خدا آپ پر رحم فرمائے۔ جو کچھ آپ نے فرمایا

وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ لیکن آپ نے فوج کا دستہ ساتھ لے جانے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔ میں اپنے ساتھ فوج لے کر نہیں جانا چاہتا۔ اس وقت آپ کو ایک ایک سپاہی کی ضرورت ہے۔ اگر میں فوج کو اپنے ساتھ لے گیا تو آپ کی طاقت و قوت میں فرق آجائے گا۔ اس لئے میں صرف اپنے اہل و عیال سمیت مصر جاؤں گا۔ باقی آپ نے وہاں کے باشندوں سے نرمی، محبت اور احسان کا سلوک کرنے کی جو ہدایات فرمائی ہیں ان پر میں انشاءاللہ حتی المقدور عمل کروں گا۔"

چنانچہ قیس بن سعد اپنے ساتھ صرف سات آدمیوں کو لے کر مصر پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ منبر پر چڑھے اور سب سے پہلے ایک آدمی سے کہا کہ اہلِ مصر کو حضرت علیؓ کا وہ خط سنا دے جو امیرالمومنینؓ نے ان کے نام لکھا تھا۔ خط یہ تھا۔

اہلِ مصر کے نام حضرت علیؓ کا خط:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط امیرالمومنین علیؓ بن ابی طالب کی طرف سے ہر اس مومن کے نام ہے جس تک اس کی عبارت پہنچے تم سب لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی سلامتی ہو۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے حسنِ تقدیر و تدبیر سے کام لے کر دینِ اسلام ہی کو اپنے لئے اور اپنے ملائکہ اور اپنے رسولوں کے لئے اختیار کر لیا۔ اسی دین کی اشاعت کی خاطر اس نے اپنے رسولوں کو بھیجا۔ اس امت کو اعزاز و اکرام دینے اور اسے فضیلت سے مختص کرنے کے لئے اس پاک پروردگار نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے تشریف لا کر لوگوں کو کتاب، حکمت، فرائض اور سنت کا درس دیا تاکہ وہ ہدایت حاصل کریں۔ آپ نے انہیں ایک جگہ جمع کیا تاکہ وہ متفرق نہ ہو جائیں آپ نے انہیں پاکیزگی کا سبق دیا تاکہ وہ ہر قسم کی کدورتوں کو اپنے دل سے نکال پھینکیں۔ آپ نے انہیں نیکی اور تقویٰ کی نصیحت فرمائی تاکہ وہ بدی کے راستوں سے ہٹ کر نیکی کی راہ پر گامزن ہو جائیں۔ جب آپ اپنا فرض بجا لا چکے تو اللہ تعالیٰ نے

آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے دو پاکباز انسانوں کو یکے بعد دیگرے اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ ان دونوں نے کتاب و سنت پر پورا پورا عمل کیا اور لوگوں کے سامنے اپنا نیک نمونہ دکھا کر ایک مثال قائم کر دی۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اٹھا لیا تو ایک اور شخص خلیفہ منتخب ہوئے۔ بعض لوگوں نے ان کے خلاف بغاوت کر کے انہیں شہید کر دیا۔ ان کی وفات کے بعد لوگ میرے پاس آئے اور میری بیعت کر لی۔ میں خدا تعالیٰ سے ہدایت پر چلنے اور حصولِ تقویٰ کی دعا مانگتا ہوں۔ سب لوگ اس امر سے آگاہ رہیں کہ ہمارا فرض یہ ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر عمل کریں۔ خدا تعالیٰ کے احکام بجا لائیں۔ اس کے رسول کی سنت کا قیام پر نفاذ کریں اور ہمیشہ تمہاری خیر خواہی میں لگے رہیں۔ میں نے قیس بن سعد بن عبادہ کو تمہارا امیر بنا کر بھیجا ہے۔ تم ان کی مدد کرو۔ ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹاؤ اور ان کے احکام کی تعمیل کرو۔ میں نے انہیں حکم دیا ہے کہ وہ احسان کرنے والوں کے ساتھ احسان اور سرکشی دکھانے والوں کے ساتھ سختی کریں۔ عوام و خواص کے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں۔ میں خدا تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی رحمت سے حصہ وافر عطا کرے آمین! اس خط کو عبید اللہ بن ابی رافع نے صفر ۳۶ھ میں لکھا۔"

جب حضرت علیؓ کا یہ خط اہلِ مصر کو سنایا جا چکا تو قیس بن سعد منبر پر کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد کہا:

"اے لوگو! ہم نے اس شخص کی بیعت کی ہے جو اس وقت سب سے افضل انسان ہے اس لئے تم بھی میرے ہاتھ پر اس شخص کی بیعت کرو۔ البتہ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر عمل نہ کریں تو پھر یہ بیعت قائم نہ رہے گی۔"

اہلِ خربتا کے سوا باقی اہلِ مصر کی اطاعت:۔

چنانچہ لوگوں نے قیس کے ہاتھ پر حضرت علیؓ کی بیعت کی۔ قیس نے مصر کے تمام حصوں

میں نظم و نسق درست کرنے کے لئے حکام بھیجنے شروع کئے - چند ہی روز میں تمام مصر قیس کی زیر نگرانی آگیا اور اہلِ مصر نے اپنے نئے حاکم کی اطاعت قبول کرلی - صرف "خربتا" میں ایک جماعت ایسی تھی جس نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کو بہت بُری طرح محسوس کیا تھا۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے بعد وہ منتظر تھے کہ آئندہ کیا ظہور میں آتا ہے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کی اطاعت تو نہیں کی لیکن ان کی مخالفت پر بھی کمر بستہ نہیں ہوئے اور قیس کو کہلا بھیجا کہ ہم آپ کی مخالفت کرنا نہیں چاہتے لیکن فی الحال ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیا جائے تاکہ ہم پیش آمدہ حالات کی بنا پر اپنے لئے کوئی راہ معین کر سکیں۔ اسی طرح مسلمہ بن مخلد نے بھی حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی۔ انہوں نے قیس سے وعدہ کر لیا کہ جب تک وہ مصر کے والی رہیں گے وہ ان کے خلاف کوئی بات نہیں کریں گے مسلمہ بن مخلد جنگِ جمل کے اختتام تک مصر ہی میں رہے اور انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق قیس کی کسی قسم کی مخالفت نہیں کی۔ اس طرح تمام مصر میں قیس کی حکومت اچھی طرح قائم ہوگئی۔

قیس کی حکومت سے حضرت معاویہؓ کو خطرہ :-

حضرت معاویہؓ کے دل میں یہ بات بُری طرح کھٹک رہی تھی۔ ان کو یہ خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے حضرت علیؓ کی جانب پیش قدمی کی تو پیچھے سے کہیں اہلِ مصر شام پر چڑھائی نہ کر دیں۔ اس خطرہ سے بچنے کے لئے انہوں نے قیس کو اپنے ساتھ ملانے کا ارادہ کیا۔ انہوں نے انہیں ایک خط لکھا جس میں حضرت عثمانؓ کا واقعۂ شہادت بیان کیا اور حضرت علیؓ کو اس میں ملوث قرار دیتے ہوئے قیس کو اس بات کی ترغیب دی کہ وہ حضرت علیؓ سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ اس کے بدلہ میں حضرت معاویہؓ نے ان سے وعدہ کیا کہ عراق کی فتح کے بعد وہ انہیں وہاں کا والی بنا دیں گے اور ان کے خاندان کے کسی شخص کو حجاز کی ولایت سپرد کر دیں گے۔ اس کے علاوہ وہ جس قدر مال و متاع چاہیں گے انہیں دے دیا جائے گا۔

معاویہؓ کے مقابلہ میں قیس کی دُور اندیشی :-

جب قیس کے پاس حضرت معاویہؓ کا یہ خط پہنچا تو انہوں نے بہت غور و فکر کے بعد یہ

فیصلہ کیا کہ معاویہؓ سے بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے جواب میں لکھا:

"حضرت علیؓ کے متعلق آپ نے جو باتیں لکھی ہیں میں خیال نہیں کرتا کہ انہوں نے کی ہوں گی اور نہ مجھے کسی ایسی بات ہی کا پتہ چلا ہے۔ آپ نے مجھے حضرت علیؓ کی اطاعت ترک کرنے اور اپنی اطاعت اختیار کرنے کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے میں اس پر غور کروں گا۔ لیکن یہ کوئی اتنا اہم معاملہ نہیں ہے جسے فوری طور پر طے کرنا ضروری ہو۔ البتہ آپ میری طرف سے بے فکر رہئے میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو آپ کو ناگوار گزرے اور جس سے آپ کے لئے کسی قسم کی پریشانی پیدا ہو۔"

اس سے قیس کی غرض یہ تھی کہ وہ معاویہؓ کو اپنی طرف سے اطمینان دلا دیں تاکہ وہ ان کی طرف سے بے فکر ہو جائیں اور اس دوران میں در پردہ تیاری کرتے رہیں اور جب موقع آئے، تو معاویہؓ پر حملہ کر دیں۔ اگر قیس جنگِ صفین تک مصر ہی میں رہتے تو حضرت علیؓ کی زبردست پشت پناہ ثابت ہوتے۔ اس وقت حضرت معاویہؓ دو چکیوں کے پاٹ میں ہوتے۔ ان کی طاقت بالکل ختم ہو جاتی اور شام بھی حضرت علیؓ کے قبضہ میں آجاتا۔

جب حضرت معاویہؓ کے پاس قیس کا خط پہنچا تو وہ فوراً بھانپ گئے کہ اس سے قیس کی غرض کیا ہے۔ انہوں نے قیس کو لکھا:

"مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ یاد رکھو مجھ جیسے شخص کو کوئی انسان دھوکا نہیں دے سکتا بلکہ دھوکا دینے والے کا مکر و فریب خود اسی پر اُلٹا پڑتا ہے۔"

اب قیس جان گئے کہ ٹال مٹول کی پالیسی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جو کچھ ان کے دل میں تھا انہوں نے ظاہر کر دیا اور معاویہؓ کو نہایت سخت الفاظ میں ایک خط لکھا جس کو پڑھ کر حضرت معاویہؓ کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ تاہم وہ ہار ماننے والے نہیں تھے انہوں نے ایک اور تدبیر اختیار کی۔

قیس کو ترک دینے کے لئے معاویہؓ کی تدبیر:۔

انہوں نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ قیس بھی ان کے تابعداروں اور مددگاروں میں شامل

ہو گئے ہیں۔ ان کے اور قیس کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کے خون کے مطالبہ کو جائز اور برحق ٹھہرایا ہے۔ حضرت علیؓ کو یہ باتیں محمد بن ابی بکرؓ، محمد بن جعفرؓ او شام میں آپ کے جاسوسوں نے پہنچائیں۔ آپ کو یہ خبریں سُن کر بہت فکر ہوا اور آپ نے اس کے متعلق اپنے دونوں بیٹوں اور عبداللہ بن جعفر سے مشورہ کیا۔ انہوں نے قیس کو معزول کرنے کی رائے دی۔ لیکن حضرت علیؓ فوری طور پر یہ قدم اٹھانا نہیں چاہتے تھے۔

اسی دوران میں قیس بن سعد کا خط آیا جس میں "خربتا" کے لوگوں کا مفصل حال لکھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ اگرچہ انہوں نے بیعت تو نہیں کی لیکن وہ آپ کی مخالفت کرنے کا بھی کوئی ارادہ نہیں رکھتے حضرت علیؓ کے مشیروں نے یہ سمجھا کہ یہ دراصل قیس کی علیحدگی کی تمہید ہے انہوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ انہیں اہلِ خربتا سے لڑنے کا حکم دیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے انہیں لکھا کہ اہلِ خربتا سے بزور بیعت لی جائے۔ لیکن قیس نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو لکھا:

"اگرچہ اہلِ خربتا اس وقت غیر جانبدار ہیں لیکن وقت پڑنے پر وہ آپ ہی کی مدد کریں گے۔ اس لئے ان سے تعرض نہ کرنا چاہیئے۔"

قیس کی معزولی:-

اس خط سے حضرت علیؓ کے قریبی ساتھیوں کے شک کو اور تقویت پہنچی اور انہوں نے بڑے زور سے قیس کو معزول کرنے کا مشورہ دیا۔ آخر حضرت علیؓ کو ان کا مشورہ ماننا پڑا اور قیس کو معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ کو مصر کا والی بنا کر بھیج دیا۔ قیس کو بہت غصہ آیا۔ وہ مصر سے حضرت علیؓ کے پاس پہنچے اور تمام حالات انہیں سنائے۔ حضرت علیؓ نے ان کا بیان سُن کر ان کے عذرات قبول کر لئے۔

حضرت معاویہؓ کی کامیابی:-

اس طرح معاویہؓ کی حُسنِ تدبیر سے ان کی راہ کا ایک کانٹا نکل گیا۔ وہ مصر کی طرف سے مطمئن ہو کر جنگِ صفین کے لئے تیاری کرنے لگے۔ اگر قیس مصر میں رہتے تو جنگ کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔

اس وقت معاویہؓ اپنی پوری فوج کو صفین نہ بھیج سکتے۔ بلکہ فوج کا ایک حصہ انہیں مصر کی جانب بھی رکھنا پڑتا۔ اس صورت میں حضرت علیؓ کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ وہ اس سے پہلے کہ کسی شخص کے ذہن میں مصحف بلند کرنے اور تحکیم کا خیال آتا، شام کے لشکر کو شکستِ فاش دے سکتے۔

قیس کی جگہ محمد بن ابی بکر کا تقرر:۔

اپنے مشیروں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے قیس بن سعد کو مصر کی ولایت سے معزول کر کے ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو وہاں کا والی بنا دیا تھا۔ محمد بن ابی بکر کو مصر آئے ہوئے ایک مہینہ بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے "خربتا" کے غیر جانبدار لوگوں کو لکھا کہ یا تو وہ اس کی اطاعت قبول کر لیں ورنہ مصر سے نکل جائیں۔

انہوں نے جواب دیا:

"ہم اس وقت تک تمہاری اطاعت قبول نہیں کریں گے جب تک حالات کا پورے طور پر مشاہدہ نہ کر لیں گے۔ تم ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو اور ہم سے جنگ کرنے میں جلدی نہ کرو۔"

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان کا عذر قبول نہ کیا اور چڑھائی کر دی۔

قیس بن سعد یہ معلوم ہونے پر کہ ان کی جگہ محمد بن ابی بکر کو مصر کا حاکم بنایا گیا ہے اس سے جا کر ملے تھے اور مصر کے تمام حالات سے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا تھا:

"میری معزولی مجھے تمہیں نصیحت کرنے سے نہیں روکتی۔ مجھے مصر کے حالات سے پوری طرح آگاہی ہے اور میں ان لوگوں کی سرشت سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ جب تک میں وہاں رہا معاویہؓ عمروؓ بن العاص اور اہل خربتا سے کھلا مقابلہ کرنے کی بجائے مختلف تدابیر اختیار کر کے انہیں اپنا مخالف بنانے سے روکتا رہا۔ میں تمہیں بھی یہی نصیحت کرتا ہوں کہ میرے طریق پر چل کر ان سے کھلا مقابلہ نہ کرنا بلکہ دوسرے طریقوں سے ان کو زک دینا۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو سخت نقصان اٹھاؤ گے۔"

محمد بن ابی بکر کی بے تدبیری:۔

لیکن محمد بن ابی بکر نے ان نصیحتوں پر مطلق کان نہ دھرا اس نے یہ سمجھا کہ چونکہ قیس کو معزول کر دیا گیا ہے

اس لئے وہ نصیحت کے پردے میں مجھے زک پہنچانا اور انتقام لینا چاہتا ہے اس لئے اس نے ہربات میں قیس کے خلاف کیا اور اہلِ خربتا سے جنگ چھیڑ دی۔ وہ بھی جان توڑ کر لڑے اور اسے شکست دے دی۔

جب حضرت معاویہؓ کو اہلِ خربتا کے ہاتھوں محمد بن ابی بکر کی شکست کا پتہ چلا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اسی اثنا میں مصر میں بھی ایک شخص معاویہ بن خدیج السکونی کھڑا ہوگیا جس نے حضرت عثمانؓ کا انتقام لینے کا مطالبہ شروع کر دیا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ کر لیا۔ اس طرح محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں مصر کا سارا انتظام درہم برہم ہوگیا۔ جب حضرت علیؓ کو اس کا علم ہوا تو آپ کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور آپ نے فرمایا:

"مصر کی حالت صرف دو آدمیوں کے ذریعہ درست ہو سکتی ہے۔ یا قیس کے ہاتھوں یا اشتر کے ہاتھوں۔"

محمد بن ابی بکر کی جگہ اشتر کا تقرر:۔

اشتر اس زمانہ میں جزیرہ میں حضرت علیؓ کا عامل تھا۔ آپ نے اسے کہلا کر بھیجا کہ مصر محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں سے نکلتا جا رہا ہے۔ وہ ناتجربہ کار نوجوان ہے اور اس کے ذریعہ مصر کی حالت درست ہونی بہت مشکل ہے اس لئے کسی قابلِ اعتبار اور موزوں آدمی کو اپنی جگہ چھوڑ دو اور میرے پاس پہنچو۔

حکم کی تعمیل میں اشتر حضرت علیؓ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اسے مصر کی ولایت کا پروانہ لکھ دیا اور فرمایا:

"اگر میں تمہیں نصیحت نہ بھی کروں تو مجھے امید ہے کہ تم وہاں جا کر خود ہی مناسب تدابیر اختیار کرو گے۔ تاہم اس بات کا خیال رکھنا کہ ہر مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہنا۔ وہاں کے باشندوں کے ساتھ ہمیشہ نرمی کا سلوک کرنا۔ سختی صرف اس وقت کرنا جب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔"

حضرت معاویہؓ کی تدابیر سے اشتر کی ہلاکت:۔

چنانچہ اشتر مصر کی جانب روانہ ہوگیا۔ حضرت معاویہؓ کو اپنے جاسوسوں کے ذریعہ یہ خبر مل گئی

آپ نے سوچا کہ اشتر مصر پر قابض ہو گیا تو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ انہوں نے ایک شخص "جایستار" کو بلایا جو اہلِ خراج میں سے تھا اور اس سے کہا:

"اشتر کو مصر کا والی بنایا گیا ہے۔ اگر تم کسی طرح اسے مصر میں داخل ہونے سے روک دو تو میں تمہارا بقیہ خراج معاف کر دوں گا۔"

"جایستار" نے حامی بھر لی اور جب اشتر مصر کی حدود میں داخل ہونے لگا تو وہ اس سے ملا اور کہنے لگا:

"میں ایک خراجی ہوں۔ یہ میرا گھر ہے۔ یہاں تشریف رکھئے اور ماحضر تناول فرمائیے۔"

اشتر "جایستار" کے کہنے میں آ گیا اور اس کے گھر اتر پڑا۔ وہ شہد کا ایک پیالہ لایا جس میں زہر ملا ہوا تھا۔ اشتر نے اسے پیا اور زہر کے اثر سے ہلاک ہو گیا۔

جایستار حضرت معاویہؓ کے پاس آیا اور انہیں اشتر کی موت کی خبر دی۔ انہوں نے کہا:

"علیؓ بن ابی طالب کے دو بازو تھے۔ ایک بازو (عمارؓ) تو جنگ صفین کے دن کٹ گیا اور دوسرا (اشتر) آج قطع ہو گیا۔"

محمد بن ابی بکر کی بحالی:۔

محمد بن ابی بکر کو مصر کی ولایت سے معزولی بہت ناگوار گزری تھی۔ جب حضرت علیؓ کو اشتر کی ہلاکت اور محمد بن ابی بکر کی ناراضگی کا پتہ لگا تو آپ نے اسے لکھا:

"میں نے تمہیں کسی ناراضگی یا قصور کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا۔ بات صرف یہ تھی کہ میں اشتر کو صرف اس لئے مصر کا حاکم بنانا چاہتا تھا کہ وہ بہت زیادہ تجربہ کار تھا اور مصر کے بگڑے ہوئے حالات کو قابو میں لا سکتا تھا۔ اب جبکہ وہ اپنی زندگی کے دن پورے کر کے خدا کے دربار میں حاضر ہو چکا ہے میں تمہیں بدستور مصر کا حاکم باقی رکھتا ہوں۔ تم دشمن کا مقابلہ اچھی طرح کرو۔ لڑائی سے کبھی پہلو تہی نہ کرو۔ لوگوں کو نصیحت بہت اچھے پیرائے میں کرو۔ خدا تعالیٰ کے ذکر میں اپنا اکثر وقت گزارو۔ اسی سے مدد طلب کرو اور اسی سے ڈرو۔ اگر تم نے ان باتوں پہ عمل کیا تو کامیابی تمہارے قدم

چومے گی۔ بڑے بڑے مشکل کام آسان ہو جائیں گے اور ہر وقت خدا تعالیٰ کی نصرت تمہارے شاملِ حال رہے گی۔"

محمد بن ابی بکر کی ناراضگی حضرت علیؓ کا یہ خط پڑھ کر دور ہو گئی اور اس نے جواب میں آپ کو یہ خط لکھا:

"امیر المومنینؓ کا خط پہنچا۔ جو کچھ آپ نے اس میں لکھا تھا وہ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ امیر المومنینؓ سے زیادہ اور کوئی شخص مجھے عزیز نہیں ہے اور آپ کی رائے کا پاس مجھ سے زیادہ اور کسی کو نہیں ہے۔ آپ کی بیعت کے لئے میں نے اہلِ خربتا کو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے پیہم انکار کیا۔ آخر میں نے ان کے خلاف لشکر کشی کی۔ اس کے باوجود میں نے ہر شخص کو امان دے دی تھی۔ صرف اسی شخص سے لڑائی کی تھی جس نے خود مجھ سے لڑنا چاہا۔ بہر حال میں امیر المومنینؓ کا تابعدار ہوں اور ان کا ہر حکم بسر و چشم قبول کرنے کے لئے تیار۔"

---

(۴۲)

سرزمینِ مصر پر حضرت معاویہؓ کا قبضہ

محمد بن ابوبکرؓ کے مقابلہ کے لیے حضرت معاویہؓ کی اہلِ خربتا سے استمداد

اہلِ شام صفین سے واپس آکر حکمین کے فیصلہ کا انتظار کر رہے تھے اذرح میں حکمین کے اجتماع کے بعد اہلِ شام نے حضرت معاویہؓ کی بیعت کر لی۔ جس سے حضرت معاویہؓ کی قوت وطاقت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ دوسری جانب اہلِ عراق کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک فریق حضرت علیؓ کے حق میں تھا اور ایک ان کے خلاف۔ اس طرح نہ صرف عراق میں خلفشار برپا ہو گیا بلکہ حضرت علیؓ کی قوت میں بھی بہت کمی آگئی۔ حضرت معاویہؓ کو صرف مصر کی طرف سے فکر تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہیں مصر پر حضرت علیؓ کا مکمل تسلّط نہ ہو جائے اور آپ مصریوں کی مدد سے شام پر حملہ نہ کر دیں۔

اگرچہ مصریوں کا حضرت عثمانؓ کی شہادت میں بہت بڑا حصہ تھا تاہم وہاں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو حضرت علیؓ کی مخالف تھی۔ حضرت معاویہؓ نے چاہا کہ حضرت علیؓ کے مخالفین کی مدد

حاصل کی جائے اور ان کے ذریعہ مصر پر اپنا تسلط جمایا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اہلِ خربتا کے دو سرداروں مسلمہ بن مخلد انصاری اور معاویہ بن خدیج کندی کو لکھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہیں ایک عظیم الشان کام کے لئے انتخاب کیا ہے اور وہ عظیم الشان کام یہ ہے کہ تم ان لوگوں کے ساتھ جنگ کرو جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذمہ دار ہیں۔ اگر تم اس کے لئے تیار ہو تو میں تمہاری مدد کے لئے فوج بھیج سکتا ہوں۔

اہلِ خربتا محمد بن ابی بکر کے ہاتھوں پہلے ہی تنگ تھے۔ انہوں نے حضرت معاویہؓ کی پیش کش کو بڑی خوشی سے قبول کر لیا اور انہیں لکھ بھیجا کہ ہم جنگ کے لئے بالکل تیار ہیں لیکن آپ کو جو مدد بھیجنی ہے وہ جلدی بھیجئے کیوں یہاں کا حاکم پہلے ہی ہم سے برسرپیکار ہے اور ہماری تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اب تک تو ہم اس کے حملوں کو روک رہے ہیں لیکن اندیشہ ہے کہ مبادا ہم بالکل مغلوب ہو جائیں۔ البتہ اگر آپ کی طرف سے مدد پہنچ گئی تو انشاء اللہ ہم ضرور فتح یاب ہوں گے۔

اہلِ خربتا کی مدد کے لئے عمروؓ بن العاص کا پہنچنا:۔

جب یہ خط حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے حضرت عمروؓ بن العاص کو چھ ہزار کی جمعیت دے کر مصر روانہ کیا اور انہیں نصیحت کی کہ اپنے مخالفین سے بہت نرمی سے پیش آئیں۔ پہلے انہیں صلح و اتحاد کی دعوت دیں اور اگر وہ یہ دعوت قبول نہ کریں تو صرف انہی سے لڑیں جو ان کے مقابلے کے لئے آئیں۔ لیکن جو لوگ لڑائی سے گریز کریں ان سے کسی قسم کی بازپرس نہ کریں۔

جب حضرت عمروؓ بن العاص مصر پہنچے تو اہلِ خربتا ان سے آملے۔ آپ نے محمد بن ابوبکر کو یہ خط لکھا:

" اے ابن ابوبکرؓ! تم اپنے خون کو مجھ سے بچاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں میرے ہاتھوں شکست کھانی پڑے۔ اہلِ مصر تمہاری پیروی کرنے سے نادم ہیں اور وہ تمہارے خلاف ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہی بہتر ہے کہ تم مصر سے نکل جاؤ۔ یاد رکھو میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔"

حضرت عمروؓ بن العاص نے اپنے خط کے ساتھ حضرت معاویہؓ کا ایک خط بھی روانہ کیا۔ اس خط میں حضرت معاویہؓ نے محمد بن ابوبکر کو لکھا تھا:

"بغاوت اور ظلم کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے اور ناحق خون بہانے والا دنیا ہی میں اپنی سزا کو پہنچ جاتا ہے۔ آخرت میں جو سزا اسے ملے گی وہ اس کے علاوہ ہو گی۔ مجھے معلوم ہے کہ تم حضرت عثمانؓ کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ تم نے لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ ان کا خون بہانے والوں میں بھی تم پیش پیش تھے۔ تم نے یہ خیال کر لیا کہ میں تم سے غافل ہوں اور تمہارے سارے کرتوت میری نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں۔ اسی لئے تم نے خوشی خوشی مصر کی ولایت قبول کر لی لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مصر والے میرے ساتھ ہیں اور میری بات مانتے ہیں۔ وہ تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ تمہارا خون بہا کر اور تم سے جہاد کر کے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ وہ تمہیں قتل کر کے تمہارا مُثلہ کریں گے۔ اگر انہوں نے تمہارے قتل کا ارادہ نہ کیا ہوتا تو میں تمہیں نہ ڈراتا۔ مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں کہ وہ تمہارے ظلم، سرکشی اور حضرت عثمانؓ کے قتل میں حصّہ لینے کی وجہ سے تمہیں قتل کریں۔ البتہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ قریش کے کسی شخص کا مُثلہ کیا جائے۔ یاد رکھو! تم کہیں بھی چلے جاؤ۔ خدا تعالیٰ تم سے بدلہ لے کر چھوڑے گا۔"

محمد بن ابی بکر کی حضرت علیؓ سے مدد کی درخواست:۔

جب محمد بن ابی بکر کو یہ دونوں خط ملے تو اس نے انہیں اپنے ایک خط کے ساتھ حضرت علیؓ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اس خط میں اس نے لکھا:

"عمروؓ بن العاص مصر کے زیریں حصّہ میں پہنچ گئے ہیں اور اس علاقہ کے جتنے لوگ معاویہؓ کے حامی تھے وہ ان سے مل گئے ہیں۔ عمروؓ بن العاص کے ساتھ بھاری لشکر ہے لیکن میرے بعض ساتھیوں میں بزدلی پائی جاتی ہے۔ اگر آپ کو سرزمین مصر کا کچھ بھی فکر ہے تو فوراً میری مدد کے لئے فوج روانہ کیجئے۔"

حضرت علیؓ نے اس کے جواب میں محمد بن ابوبکر کو ایک تسلّی آمیز خط بھیجا جس میں عمروؓ بن العاص کی

چڑھائی کو معمولی بات قرار دیا اور لکھا کہ یہ چڑھائی خود اس کے لئے فائدہ مند ثابت ہوگی۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ کسی صورت میں بھی بزدلی نہ دکھائے اور پوری طاقت سے ہر شہر اور ہر بستی کی حفاظت کرے ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وہ جلدی ہی اس کی امداد کے لئے ایک فوج روانہ کریں گے۔

حضرت علیؓ کا جواب پہنچنے پر محمد بن ابوبکر کو کچھ اطمینان ہوا اور اس نے حضرت معاویہؓ کو ان کے خط کے جواب میں لکھا:

"آپ کا خط مجھے ملا جس میں آپ نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ذیل میں میرا تذکرہ بھی کیا ہے اور مجھے ان کے قتل میں شریک ٹھہرایا ہے۔ میں اس کے متعلق کسی قسم کا عذر پیش کرنا نہیں چاہتا۔ آپ مجھے حکم دیتے ہیں کہ میں مصر چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں گویا آپ میرے بڑے ناصح ہیں۔ آپ مجھے مثلہ سے ڈراتے ہیں گویا آپ میرے بڑے مشفق ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جنگ میں آپ کو شکست و فاش نصیب ہوگی اور آپ کی فوجوں کا تہس نہس ہو جائے گا۔"

ایک خط حضرت عمروؓ بن العاص کو بھی اسی مضمون کا لکھا:

"تم اپنے خیال میں اس بات کو ناپسند کرتے ہو کہ مجھے تمہارے مقابلہ میں شکست ہو۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ تم اپنے اس خیال میں سراسر غلطی پر ہو۔ تمہارا خیال ہے کہ تم میرے ناصح مشفق ہو۔ حالانکہ تم سے زیادہ مجھے نقصان پہنچانے والا آدمی اور کوئی نہیں۔ تمہیں گمان ہے کہ اہلِ مصر نے میرا ساتھ چھوڑ کر تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے اور وہ میرا ساتھ دینے پر نادم ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو وہ لوگ تمہیں اور شیطان کو مبارک ہوں۔"

لڑائی کا آغاز اور محمد بن ابوبکر کا قتل:۔

یہ دونوں خط بھیجنے کے بعد محمد بن ابوبکر لڑائی کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ اس نے لوگوں کو لڑائی کے لئے ابھارنا شروع کیا۔ آخر کنانہ بن بشر کی سرکردگی میں اس نے دو ہزار فوج عمروؓ بن العاص کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ ادھر سے عمروؓ بن العاص بھی پہنچ گئے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو کنانہ نے

بڑے زور شور سے عمروؓ بن العاص کی فوج پر حملہ کیا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ جب عمروؓ بن العاص نے یہ صورتِ حال دیکھی تو معاویہ بن خدیج السکونی سے مشورہ کیا۔ معاویہ بن خدیج فوراً اہلِ خربتا کو میدان میں لے آئے اور کنانہ بن بشر کی فوج کو گھیر لیا۔ اب شامیوں نے زبردست حملہ کیا اور کنانہ کی فوج کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کنانہ بھی میدانِ جنگ میں کام آئے۔ جب محمد بن ابوبکر کے ساتھیوں کو کنانہ کی فوج کی حسرت ناک شکست کا پتہ چلا تو وہ اس کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے اور محمد اکیلا رہ گیا۔ آخر مایوس ہو کر وہ شہر سے باہر نکلا اور ایک کھنڈر میں پناہ لی۔ معاویہ بن خدیج، محمد کی تلاش میں تھا۔ بعض قبطیوں نے اسے محمد کا پتہ بتا دیا۔ معاویہ بن خدیج کھنڈرات میں پہنچا اور محمد کو باہر نکال کر قتل کرنا چاہا۔ یہ دیکھ کر محمد کے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ جو عمروؓ بن العاص کے لشکر میں تھے برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے عمروؓ بن العاص سے کہا:

"کیا تم میرے بھائی کو قتل کر ڈالو گے؟"

عمروؓ بن العاص نے معاویہ بن خدیج کو کہلا بھیجا کہ وہ محمد کو زندہ پکڑ کر ان کے پاس لے آئیں لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ محمد پیاس سے مرا جا رہا تھا اس نے التجا کی کہ مجھے پانی کا ایک پیالہ پلا دو پھر بیشک قتل کر ڈالنا۔ لیکن معاویہ نے کہا:

"خدا تعالیٰ مجھے پانی کا ایک گھونٹ نہ پلائے اگر میں تمہیں پانی پلاؤں۔ تم نے حضرت عثمانؓ کو پانی سے قطعاً محروم کر دیا تھا اور وہ شدتِ پیاس کی حالت میں شہید کئے گئے۔ اے ابنِ ابوبکرؓ! میں تمہیں ضرور قتل کروں گا۔ آخرت میں خدا تعالیٰ تمہیں گرم پانی پلائے گا۔"

چنانچہ معاویہ نے محمد کو قتل کر کے اس کی لاش کو جلا دیا۔

جب حضرت عائشہؓ کو یہ حال معلوم ہوا تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے معاویہ اور عمروؓ بن العاص کے حق میں بددعا کی اور محمد کے اہل و عیال کو اپنے پاس بلا لیا۔

حضرت علیؓ نے بہت مشکل سے دو ہزار کی جمعیت محمد بن ابوبکرؓ کی مدد کے لئے فراہم کی تھی۔ اس لشکر نے ابھی تھوڑی مسافت ہی طے کی تھی کہ محمد کے قتل اور مصر پر حضرت معاویہؓ کے قبضہ کی خبر آ گئی۔ اس پر یہ لشکر راستہ ہی سے واپس ہو گیا۔ جب حضرت علیؓ کو محمد کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ البتہ معاویہؓ اور اہلِ شام کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

مصر کی ولایت دوبارہ عمروؓ بن العاص کے ہاتھوں میں:-

عمروؓ بن العاص نے فتح کے بعد فسطاط جا کر اس پر قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ صفر ۳۸ھ کا ہے۔ حضرت معاویہؓ نے عمروؓ بن العاص کو مصر کی ولایت سونپ دی اور اس طرح عمروؓ بن العاص دوبارہ مصر کے والی ہو گئے۔

حضرت عمروؓ بن العاص کو اگرچہ مصر کی ولایت مل گئی تھی لیکن وہ اکثر شام آتے رہتے تھے معاویہؓ بھی ان کے مشورہ اور رائے کے بغیر کوئی اہم کام سرانجام نہیں دیتے تھے۔ طبری نے ذکر کیا ہے کہ جس روز حضرت امام حسنؓ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کی ہے اس دن عمروؓ بن العاص بھی معاویہؓ کے پاس موجود تھے۔ البتہ اس دوران میں ان کا کوئی بڑا کارنامہ نظر نہیں آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی ولایت کے دوران میں حضرت عمروؓ بن العاص وہاں کی سیاسی حالت سدھارنے اور عام نظم و نسق درست کرنے میں مصروف رہے۔ انہیں جنگوں میں حصہ لینے کی فرصت نہ مل سکی۔ مصر پر حکومت کرتے ہوئے انہیں ابھی چار سال ہی ہوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلاوا آ پہنچا اور ۴۲ھ میں یہ عظیم الشان سیاستدان دنیا سے اُٹھ گیا۔

---

(۲۵)

حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری ایام

۳۸ھ سے ۴۰ھ تک

پریشانی کے ایام :-

حضرت علیؓ کی خلافت کے آخری ایام ان کے لئے نہایت پریشانی کے تھے۔ آپ کے بیشتر ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔ بڑے بڑے مددگار اور حامی جو ہمیشہ آڑے وقت میں آپ کے کام آتے تھے مثلاً اشترؒ، عمار اور محمد بن ابی بکرؓ آپ کے سامنے ہی راہیٔ ملکِ عدم ہو چکے تھے آپ کے ارد گرد جو لوگ باقی رہ گئے تھے نہ ان میں بہادری تھی اور نہ آپ کی مدد اور حمایت کا جوش۔ جب آپ ان لوگوں کو مدد کے لئے بلاتے تھے تو وہ پس و پیش کرنے لگتے تھے اور آپ کی آواز پر مطلق کان نہ دھرتے تھے۔ اس کے بالمقابل حضرت معاویہؓ کے ساتھی ان کی ایک آواز پر اپنا فرض بجا لانے کے لئے تیار ہو جاتے تھے اور کسی خطرہ کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے یہ حالات دیکھے اور اپنے اور حضرت معاویہؓ کے ساتھیوں کا موازنہ کیا تو آپ کو یقین ہو گیا کہ معاویہؓ نے تمام عالمِ اسلام پر حکومت کرنے کا جو خواب دیکھا ہے وہ بالآخر پورا ہو جائے گا

اور وہ اپنے ساتھیوں کی غداری، کم ہمتی اور بزدلی کی وجہ سے ان کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ اس صورتِ حال کا ان کے دل پر بہت گہرا اثر ہوا اور ان پر انتہائی پژمردگی چھاگئی۔ آپ نے باہر نکلنا اور لوگوں سے ملنا جلنا بہت کم کر دیا۔ جب عاملِ بصرہ حضرت ابنِ عباسؓ کو حضرت علیؓ کی اس حالت کا پتہ چلا تو وہ آپ کی ہمت بڑھانے اور معاویہؓ کے مقابلہ میں کوئی کارگر حربہ اختیار کرنے کے لئے کوفہ روانہ ہوئے۔

عبداللہ بن حضرمی کا بصرہ پر تسلط :۔

جب حضرت معاویہؓ کو یہ معلوم ہوا کہ ابنِ عباسؓ بصرہ چھوڑ کر کوفہ گئے ہیں تو انہوں نے موقعہ کو غنیمت جانا اور عبداللہ بن حضرمی کو اپنے حق میں پروپیگنڈا کرنے کے لئے بصرہ بھیجا اور اس سے کہا کہ بصرہ کے باشندوں کی ایک کثیر تعداد حضرت علیؓ کی مخالف ہے تم جاکر انہیں اپنے ساتھ ملاؤ۔ چنانچہ ابنِ حضرمی بصرہ پہنچا۔ وہاں جاکر اس نے بنو تمیم اور مضر کو اپنے ساتھ ملا کر انہیں انتقامِ عثمانؓ کے مطالبہ کے لئے کھڑا کر دیا۔

ابنِ عباسؓ زیاد بن ابیہ کو اپنا قائم مقام بنا کر گئے تھے۔ انہوں نے جو یہ صورتِ حال دیکھی تو حضرت علیؓ کے حامی قبیلہ ربیعہ سے پناہ طلب کی اور بصرہ کا سارا خزانہ بھی وہ اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں سے انہوں نے حضرت علیؓ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور ان سے مدد طلب کی۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ کو ایک لشکر دے کر بھیجا۔ انہوں نے بصرہ جاکر ابنِ حضرمی کا مقابلہ کیا۔ وہ اپنے ستر ساتھیوں کے ساتھ بصرہ کے ایک مکان میں پناہ گزین ہو گیا۔ لیکن جاریہ نے اس مکان کو جلا ڈالا تو ابنِ حضرمی اور اس کے ستر ساتھی آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے۔

خریت بن راشد کا فتنہ :۔

معرکۂ نہروان کے بعد اگرچہ خوارج کا فتنہ دب گیا تھا لیکن اس کا پورے طور پر استیصال نہ ہو سکا تھا اور کبھی کبھی موقعہ پاکر یہ فتنہ سر اٹھا لیتا تھا۔ خریت بن راشد ایک خارجی نے اہواز، فارس اور کرد کے علاقوں میں حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت برپا کر دی اور حضرت علیؓ کے عمال کو ان علاقوں سے باہر نکال دیا۔ حضرت علیؓ نے اس کے مقابلہ کے لئے بصرہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس نے جا کر

تخریب کے زور کو توڑا اور اس کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اس علاقہ میں پورے طور پر امن قائم کرنے اور تخریب کے فتنہ کے آثار مٹانے کے لئے حضرت علیؓ نے زیاد بن ابیہ کو وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا۔ زیاد نے فارس پہنچ کر تمام حالات کا جائزہ لیا۔ نہایت ہوشمندی سے کام لے کر وہاں امن قائم کیا اور قبائلی سرداروں کو بیش قیمت عطایا اور مال و منال کا لالچ دے کر اپنی اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا اس طرح فارس کے تمام علاقے میں زیاد کی حکومت اچھی طرح مستحکم ہو گئی۔

حضرت معاویہؓ کے جارحانہ حملے :۔

جب حضرت معاویہؓ کو خوارج کے اس فتنہ کا علم ہوا تو انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر مختلف اطراف میں اپنے لشکر بھیجنے شروع کر دئے۔ نعمان بن بشیر کو عین التمر کی طرف بھیجا۔ وہاں حضرت علیؓ کی طرف سے مالک بن عوف حاکم تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو امداد کے لئے لکھا آپ نے لوگوں کو جمع کر کے عین التمر جانے کے لئے ارشاد فرمایا لیکن اہلِ کوفہ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ کو شدید غصہ آیا اور آپ نے فرمایا:

"تمہیں کیا ہوا؟ کیا تمہاری آنکھوں پر بجلی گر پڑی ہے کہ وہ اندھی ہو گئی ہیں یا زبانوں پر فالج کا اثر ہو گیا ہے کہ ان میں نام کو حرکت باقی نہیں رہی یا کانوں نے جواب دے دیا ہے اور وہ بہرے ہو گئے ہیں۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون "

لیکن اہلِ کوفہ خاموش بیٹھے رہے اور دربارِ خلافت سے مالک کو کوئی امداد نہ پہنچ سکی۔ آخر مالک نے خود ہی نعمان کا مقابلہ کیا اور اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔

حضرت معاویہؓ نے چھ ہزار کا ایک اور لشکر سفیان بن عوف کی سرکردگی میں ہیت، انبار اور مدائن پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ سفیان پہلے ہیت پہنچا لیکن یہاں اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی فوج موجود نہ تھی۔ وہاں سے وہ انبار آیا یہاں ایک فوج مقابلہ کے لئے موجود تھی۔ سفیان نے لڑائی شروع کر دی اور فتح یاب ہو گیا۔ اسے یہاں سے جس قدر مال و اسباب مل سکا وہ لے کر حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ گیا۔

عبداللہ بن مسعدہ کو تیماء کی طرف بھیجا اور اسے حکم دیا کہ وہ بدویوں سے بہ جبر صدقہ وصول کرے

اور جو شخص مزاحمت کرے اسے قتل کر دے اس کے بعد مکہ اور مدینہ کا رُخ کرے۔ حضرت علیؓ نے عبداللہ کے مقابلہ کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ دونوں فوجوں میں شدید لڑائی ہوئی جس کے نتیجہ میں عبداللہ آگے نہ بڑھ سکا اور شام کی طرف لوٹنے پر مجبور ہو گیا۔

ضحاک بن قیس کو اطرافِ بصرہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا جس نے وہاں پہنچ کر قتل و غارت کا بازار خوب گرم کیا۔

بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت دے کر حجاز اور یمن کی طرف روانہ کیا۔ بسر سب سے پہلے مدینہ آیا اور شہر پر قبضہ کر کے اہلِ مدینہ سے حضرت معاویہؓ کی بیعت لی۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ مکہ پہنچا اور وہاں کے لوگوں سے بھی حضرت معاویہؓ کی بیعت لی۔ مکہ سے وہ یمن پہنچا۔ یمن میں اس وقت حضرت علیؓ کی جانب سے عبیداللہ بن عباس والی تھے۔ انہوں نے جب بسر کے آنے کی خبر سُنی تو کوفہ چلے گئے۔ بسر نے آکر یمن پر قبضہ کر لیا اور عبیداللہ بن عباس کے دو کم سن بچوں کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا۔

بسر نے حضرت علیؓ کے حامیوں کی ایک کثیر تعداد کو قتل کر دیا۔ مکہ اور مدینہ کے بہت سے گھروں کو مسمار کرا دیا۔ جب حضرت علیؓ کو بسر کے ظلم و ستم سے آگاہی ہوئی تو آپ نے اس کے مقابلے کے لئے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن سعود کو دو دو ہزار کا لشکر دے کر روانہ کیا۔ جب بسر کو ان دونوں کے آنے کی اطلاع ملی تو ڈر کر شام بھاگ گیا۔ اسی اثناء میں حضرت علیؓ کی شہادت واقع ہو گئی۔ اس خبر کو سُن کر جاریہ نے اہلِ یمن سے حضرت علیؓ کے بیٹے حضرت امام حسنؓ کی بیعت لی۔ یمن سے وہ مکہ آئے اور مکہ سے مدینہ پہنچے اور علی الترتیب ان دونوں شہروں سے بھی حضرت امام حسنؓ کے لئے بیعت لی۔

حضرت علیؓ کے آخری دورِ خلافت کے واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دن حضرت علیؓ کے لئے انتہائی پریشانی کے تھے۔ حکومت کا تمام نظام درہم برہم ہو گیا تھا اور سلطنت کے ہر حصہ میں فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں حضرت معاویہؓ کی طاقت و قوت بڑھ رہی تھی اور ان کی سلطنت کو استحکام حاصل ہو رہا تھا۔

---

(۲۶)

امیر المومنین کی شہادت

۴۰ھ کا ذکر ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم المرادی، برک بن عبداللہ اور عمرو بن بکر التمیمی تین مشہور خارجی ایک دوسرے سے ملے اور عالمِ اسلام کی ناگفتہ بہ حالت کا تذکرہ کرنے لگے۔ بات چیت کے دوران میں جنگِ نہروان کا بھی ذکر چھڑ گیا۔ یہ تینوں دردانگیز الفاظ میں اپنے مقتولین کا ذکر کرنے اور کہنے لگے کہ اپنے بھائیوں کے قتل کے بعد زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا۔ اب ہمارے لئے یہی ایک راستہ ہے کہ ہم ان لوگوں کو جنہوں نے تمام عالمِ اسلام میں ایک فساد برپا کر رکھا ہے، قتل کر دیں اس طرح جہاں ہم مسلمانوں کو ایک عظیم فتنہ سے نجات دلا دیں گے وہاں اپنے بھائیوں کا انتقام بھی لے لیں گے۔

ابنِ ملجم نے جو اہلِ مصر میں سے تھا کہا کہ میں علیؓ کو قتل کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ برک بن عبداللہ نے معاویہؓ کو قتل کرنے کی ذمہ داری لی اور عمرو بن بکر نے عمروؓ بن العاص کو قتل کرنے کی حامی بھری۔

ان تینوں نے باہم عہد و پیمان کئے اور قسمیں کھائیں کہ اپنے اپنے مفوضہ کام سے کسی طرح پیچھے نہیں ہٹیں گے اور یا تو ان تینوں کو قتل کر دیں گے یا خود مارے جائیں گے۔ اس کام کے لئے

رمضان کی سترہ تاریخ مقرر ہوئی۔ قول و قرار کے بعد انہوں نے اپنی تلواریں زہر میں بجھائیں اور تینوں اپنا اپنا کام سرانجام دینے کے لئے کوفہ، دمشق اور مصر روانہ ہو گئے۔

ابن ملجم کوفہ آیا اور بنو کندہ میں ٹھہرا جو درپردہ خوارج کے حامی تھے۔ لیکن اس نے اس ڈر سے اپنے ارادہ کا کسی شخص پر اظہار نہ کیا کہ کہیں بات نکل نہ جائے۔ ایک دن اس نے قبیلہ تیم رباب کے چند لوگوں کو دیکھا۔ حضرت علیؓ نے تیم رباب کے دس آدمیوں کو جنگِ نہروان میں قتل کیا تھا۔ یہ ان سے ملا اور ان کے مقتولوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسی خاندان کی ایک انتہائی حسین و جمیل عورت "قطام" تھی۔ اس کے باپ اور بھائی کو بھی حضرت علیؓ نے جنگِ نہروان میں قتل کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے دل میں حضرت علیؓ کی طرف سے شدید عداوت بھری ہوئی تھی۔ قطام کو دیکھ کر ابنِ ملجم اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے اسے نکاح کا پیغام دے دیا۔ قطام نے کہا۔ "مجھے تم سے نکاح کرنے میں کوئی عذر نہیں لیکن مہر وہ ہو گا جو میں مقرر کروں گی۔"

ابن ملجم نے کہا:

"وہ کیا ہو گا؟"

قطام نے کہا:

"تین ہزار درہم، ایک غلام، ایک لونڈی اور علیؓ بن ابی طالب کا قتل۔"

ابنِ ملجم نے کہا:

"تمہارا مہر مجھے منظور ہے میں تو خود ہی علیؓ کو قتل کرنے کوفہ آیا ہوں۔"

قطام نے ابنِ ملجم کو نصیحت کی کہ وہ حضرت علیؓ پر اچانک حملہ کرے۔ "اگر وہ بچ گیا تو دونوں آرام کی زندگی بسر کریں گے ورنہ آخرت کا عیش و آرام اس کے لئے اس دنیا کے عیش و آرام سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ اپنے قبیلہ کے ایک شخص وردان کو بھی اس نے ابنِ ملجم کے ساتھ کر دیا۔

ابنِ ملجم قطام کے پاس سے اٹھ کر قبیلہ اشجع کے ایک شخص شبیب بن بجرہ کے پاس آیا اور اس سے پوچھا:

"کیا تم دنیا اور آخرت کا شرف حاصل کرنا چاہتے ہو؟"

اس نے پوچھا۔ "وہ کس طرح؟"

ابن ملجم نے کہا:

"علیؓ بن ابی طالب کو قتل کر کے۔"

شبیب نے یہ سُن کر کانوں پر ہاتھ دھرا اور کہنے لگا:

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

ابنِ ملجم نے کہا:

"میں مسجد میں چھپ کر بیٹھ رہوں گا۔ جب علیؓ فجر کی نماز پڑھانے مسجد میں آئیں گے تو ہم دونوں اچانک ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دیں گے۔ اگر ہم بچ نکلے تو اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو جائیں گے اور اپنے مقتولین کا انتقام لے لیں گے لیکن اگر بچ نکلنا ہمیں نصیب نہ ہوا تو آخرت کا اجر تو بے حساب ہمیں ملے گا ہی۔"

شبیب نے کہا:

"علیؓ نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دی ہیں۔ اسلام لانے میں ان کو سابقیت کا شرف حاصل ہے۔ میں تو اس کام میں تمہارا ساتھ نہیں دوں گا۔"

ابنِ ملجم نے کہا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ علیؓ نے جنگِ نہروان میں خدا تعالیٰ کے سینکڑوں نیک اور پاکباز بندوں کو قتل کیا تھا؟"

شبیب نے اثبات میں جواب دیا۔

ابنِ ملجم نے کہا:

"تب ہم علیؓ کو اپنے بھائیوں کے بدلہ میں کیوں نہ قتل کریں؟"

اس طرح اس نے بہلا پھسلا کر شبیب کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ یہ تینوں حسبِ قرارداد ۱۷ رمضان کو فجر کی نماز کے وقت مسجد میں جا کر اس دروازہ کے سامنے بیٹھ گئے جہاں سے حضرت علیؓ نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا کرتے تھے۔ جب حضرت علیؓ نماز کے لئے تشریف لائے تو سب سے پہلے شبیب نے اپنی تلوار سے آپ پر حملہ کیا لیکن اس کی تلوار دروازہ پر جا کر لگی۔ اس کے بعد ابنِ ملجم نے وار کیا۔ اس کی تلوار آپ کے سر پر لگی۔ وردان وار نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔

وردان نے اپنے گھر آکر یہ واقعہ ایک شخص کو سنایا جس پر اس نے اسے قتل کر ڈالا۔

شبیب موقعہ پاکر ہجوم میں گھس گیا اور بچ گیا۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان کے قاتل کو پکڑا جائے۔ لوگوں نے ابنِ ملجم کو پکڑ لیا اور اس کی مشکیں کس کر حضرت علیؓ کے سامنے حاضر کیا۔

حضرت علیؓ نے اس سے فرمایا:

"اے اللہ کے دشمن کیا میں نے تجھ پر احسان نہیں کیا تھا؟"

اس نے جواب دیا:

"بے شک!"

"آپ نے فرمایا:

"پھر کس بات نے تجھے مجھ پر حملہ کرنے کے لئے مجبور کیا؟"

ابن ملجم نے اس بات کا تو کوئی جواب نہ دیا البتہ یہ کہا:

"میں نے اپنی اس تلوار کو چالیس روز تک تیز کیا ہے کیونکہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اس کے ذریعہ بدترین مخلوق کو قتل کروں گا۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"اس تلوار سے تجھی کو قتل کیا جائے گا اور دنیا میں تو ہی بدترین مخلوق ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے بیٹوں سے فرمایا:

"اگر میں فوت ہو گیا تو اس شخص کو قتل کر دینا اور اگر میں زندہ رہا تو اس سے خود ہی سمجھ لوں گا۔"

حضرت علیؓ کی بیٹی اُمِّ کلثوم نے جو اپنے والد کی حالت دیکھ کر رو رہی تھیں، ابنِ ملجم سے کہا:

"اے اللہ کے دشمن! میرے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور تو اپنے مقصد میں ناکام ہوگا۔"

ابنِ ملجم نے کہا:

"اگر تمہارے باپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا تو پھر تم رو کیوں رہی ہو؟ میں نے اپنی تلوار ایک ہزار درہم میں خریدی تھی اور ایک درہم خرچ کرکے میں نے اسے زہر میں بجھایا تھا۔ اگر اس کی ضرب تمام

اہلِ شہر پر بھی پڑے تو بھی کوئی شخص زندہ نہ بچے۔"

آخری وقت جندب بن عبداللہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ سے دریافت کیا:

"کیا ہم آپ کے بعد آپ کے بیٹے حسنؓ کو خلیفہ بنالیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"نہ میں تمہیں ایسا کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں جو تم مناسب سمجھو، کرو۔"

اس کے بعد آپ نے اپنے دونوں بیٹوں حسنؓ اور حسینؓ کو بلایا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"میں تمہیں چند باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنا، دنیا سے کبھی دل نہ لگانا، کسی ایسی چیز کی خواہش نہ کرنا جو تمہاری دسترس سے باہر ہو، ہمیشہ سچ بولنا، یتیم پر رحم کرنا، بیکس کی مدد کرنا، اپنی آخرت سنوارنے کی کوشش کرنا، ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا، مظلوم کی مدد کرنا، قرآنِ کریم کے احکام پر عمل کرنا، اللہ تعالیٰ کی تعمیلِ احکام کے سلسلہ میں لومۃ لائم کی پروا نہ کرنا۔"

حسنؓ اور حسینؓ کو یہ نصیحت کرنے کے بعد آپ اپنے تیسرے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"میں نے تمہارے بھائیوں کو جو نصیحتیں کی ہیں تم نے اچھی طرح انہیں گوش گزار کرلیا ہے؟"

انہوں نے کہا:

"جی ہاں!"

حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تم بھی انہی نصیحتوں پر عمل کرنا۔ ساتھ ہی میں تمہیں یہ نصیحت بھی کرتا ہوں کہ تم اپنے بڑے بھائیوں کی توقیر اور تعظیم کرنا۔ کیونکہ ان کا تم پر بہت بڑا حق ہے۔ جو کچھ وہ کہیں اس پر عمل کرنا اور ان کے کسی حکم کی بجا آوری میں دیر نہ کرنا۔"

آپ نے اپنے پسماندگان سے فرمایا:

"اے بنی عبدالمطلب! خبردار تم میرے بعد مسلمانوں کا خون بہانے کے درپے نہ ہوجانا اور

میرے قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرنا۔"

خاص طور پر حضرت حسنؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"حسنؓ! اگر میں مرجاؤں تو میرے قاتل کا تلوار سے ایک دفعہ ہی خاتمہ کر دینا۔ اس کا مثلہ نہ کرنا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سُنا ہے:

"مثلہ سے بچو خواہ باؤلا کتا ہی کیوں نہ ہو۔"

زخم لگنے کے دو روز بعد حضرت علیؓ نے وفات پائی۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت حسنؓ کے سامنے ابنِ ملجم کو حاضر کیا گیا۔ ابنِ ملجم نے ان سے عرض کیا:

"میں نے خدا تعالیٰ سے خانہ کعبہ میں عہد کیا تھا کہ میں یا تو علیؓ اور معاویہؓ کو قتل کر دوں گا یا خود مر جاؤں گا۔ عہد کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا ہے۔ آپ مجھے اجازت دیں میں معاویہؓ کو جا کر قتل کر آؤں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر بچ کر نکل آیا تو ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

حضرت حسنؓ نے ابنِ ملجم کی یہ درخواست رد کر دی اور اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ قتل کے بعد اسے آگ میں جلا دیا گیا۔

برک بن عبداللہ بھی حسبِ قرارداد اسی رات کو جس رات حضرت علیؓ پر حملہ کیا گیا حضرت معاویہؓ کی گھات میں بیٹھ گیا۔ جب وہ صبح کی نماز کے لئے نکلے تو تلوار سے آپ پر حملہ کیا۔ تلوار ان کی ران میں لگی اور وہ انہیں قتل نہ کر سکا۔ برک کو فوراً گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے حضرت معاویہؓ کی خدمت میں عرض کیا:

"میں آپ کو ایک خوشخبری سُنانا چاہتا ہوں۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"وہ کیا؟"

اس نے کہا:

"میرے ایک بھائی نے اسی رات علیؓ کو قتل کر دیا ہے۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا۔ "شاید وہ بھی تمہاری طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا ہو گا۔"

اس نے کہا:

"نہیں وہ ضرور کامیاب ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ علیؓ کے ساتھ پہرہ دار نہیں ہوتے"

برک کو تو حضرت معاویہؓ نے قتل کرا دیا اور ساعدی نامی ایک طبیب کو بلایا۔ طبیب نے زخموں کا اچھی طرح معائنہ کیا اور کہا:

"آپ پر زہر کی بجھی ہوئی تلوار سے حملہ کیا گیا ہے۔ میں اس کے دو ہی علاج کر سکتا ہوں ایک تو لوہا گرم کر کے زخم کی جگہ لگاؤں یا ایک دوائی آپ کو پلاؤں۔ لیکن اس دوائی کا اثر یہ ہوگا کہ آپ کی اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔"

حضرت معاویہؓ نے کہا:

"گرم لوہے کے لگوانے کی تو مجھ میں تاب نہیں۔ باقی رہا اولاد کا سلسلہ منقطع ہو جانے کا سوال تو میرے لئے یزید اور عبداللہ ہی کافی ہیں۔"

چنانچہ طبیب نے انہیں دوائی پلائی اور وہ اچھے ہو گئے۔ بعد ازاں ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہؓ نے مسجد میں مقصورہ بنانے کا حکم دیا اور پہرہ دار مقرر کئے جو نماز پڑھاتے وقت مقتدیوں کی نگرانی کرتے رہتے تھے۔

عمرو بن بکر بھی اسی رات حضرت عمروؓ بن العاص کی گھات میں بیٹھ گیا۔ عمروؓ بن العاص بیمار تھے اس لئے نماز کے لئے نہ آ سکے اور اپنی جگہ خارجہ بن حذافہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ چونکہ اس وقت تک روشنی نمودار نہ ہوئی تھی اس لئے عمرو بن بکر کو پتہ نہ چل سکا کہ عمروؓ بن العاص کی جگہ خارجہ بن حذافہ نماز پڑھانے کے لئے آئے ہیں۔ اس نے عمروؓ بن العاص کے دھوکے میں خارجہ بن حذافہ پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈالا۔ لوگوں نے جھٹ اسے پکڑ لیا اور اسے حضرت عمروؓ بن العاص کی خدمت میں لے گئے۔ عمرو بن بکر نے لوگوں سے پوچھا:

"یہ کون ہیں؟"

لوگوں نے جواب دیا:

"عمروؓ بن العاص!"

اس نے کہا: "میں نے کسے قتل کر ڈالا؟"

لوگوں نے کہا:

"خارجہ بن حذافہ کو"

اس پر وہ حضرت عمروؓ بن العاص سے کہنے لگا:

"میں نے تو اپنے خیال میں تم پر حملہ کیا تھا"

عمروؓ بن العاص کہنے لگے:

"تو نے میرے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ میری جگہ خارجہ مارے جائیں۔ اچھا اب اپنے کئے کی سزا بھگت!"

انہوں نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا اور اسے فوراً قتل کر دیا گیا۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے ساتھ اسلام کی تاریخ کے ایک درخشندہ باب کا خاتمہ ہو گیا۔ دینی خدمات، اعلائے کلمۃ الحق، زہد و قناعت اور دنیوی عیش و آرام سے نفرت کے لحاظ سے حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نقشِ قدم پر تھے۔ تفقہ فی الدین اور شریعت کی اصل روح کے علم میں آپ شیخین سے بڑھے ہوئے تھے۔ البتہ جہاں تک تدبیرِ مملکت، سیاست کی باریکیوں کو سمجھنے، قوم کے تمام حالات کا علم رکھنے، فتنہ و فساد کی تمام راہوں کو بند کرنے اور فرماں روائی کا تعلق ہے حضرت علیؓ کو وہ مقام حاصل نہیں تھا جو شیخین کو تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ سے سیاست اور حکومت کے بارہ میں ایسے اقوال مروی ہیں جن پر عمل کرنے سے مملکت میں کوئی ابتری پیدا نہیں ہو سکتی۔ لیکن اصل چیز یہ ہوتی ہے کہ اقوال کو عملی جامہ پہنایا جائے اور یہ چیز حضرت علیؓ کو میسر نہ ہو سکی۔

تاہم اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر زمانہ حضرت علیؓ کا ساتھ دیتا اور امت میں تفرقہ پیدا نہ ہو جاتا تو آپ اپنے عہد میں عالمِ اسلام میں عدل و انصاف کا وہ نمونہ قائم کرتے اور فتوحاتِ اسلامی کو اتنی وسعت دیتے کہ عہدِ صدیقیؓ و فاروقیؓ کا سماں لوگوں کی نظروں میں چھا جاتا۔ حضرت علیؓ کے تقویٰ اور پرہیزگاری، سادہ زندگی اور دنیوی مال و منال سے نفرت کرنے کا یہ عالم تھا کہ آپ کے انتقال کے وقت آپ کے پاس سوائے سات درہم کے اور کچھ نہ تھا۔ حالانکہ آپ کے زمانہ میں آپ کی رعایا میں ہزاروں لوگ ایسے تھے جن کے پاس ہزاروں لاکھوں درہم موجود تھے۔ خود آپ کے مدِ مقابل

معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص نہایت عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے لیکن حضرت علیؓ کی زندگی نہایت سادہ تھی۔ آپ کا لباس اور کھانا پینا نہایت معمولی ہوتا تھا۔ دنیوی شان و شوکت کے آپ کبھی پاس بھی نہ پھٹکتے تھے۔

آپ نے سب سے پہلی شادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے کی۔ ان کی زندگی میں آپ نے اور کوئی شادی نہیں کی۔ حضرت فاطمہؓ کے بطن سے دو لڑکے حسنؓ اور حسینؓ اور دو لڑکیاں زینبؓ اور ام کلثومؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات کے بعد آپ نے کئی شادیاں کیں۔ آپ کے جن پانچ صاحبزادوں سے نسل کا سلسلہ جاری رہا ان کے نام یہ ہیں:

حسنؓ۔ حسینؓ۔ محمد بن الحنفیہؒ۔ عباسؓ۔ عمرؓ

---

(۲۷)

حضرت علی کی ناکامی کے اسباب

ایک مؤرخ بڑی حیرت سے یہ پوچھتا ہے کہ قریش نے شیخین کی اطاعت کس طرح قبول کر لی پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیقؓ قبیلہ بنی تیم بن کعب سے تھے اور دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ بنی عدی سے۔ لیکن قریش نے نہ صرف یہ کہ ان کی خلافت پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ ان کی کامل فرمانبرداری بھی اختیار کی۔ ان کے عہد میں ساری قوم نے پوری یک جہتی کا ثبوت دیا اور کسی طرف سے بھی مخالفت کی کوئی آواز نہ اٹھی۔ لیکن جب خلافت بنی عبد مناف کے ہاتھ آئی اور آخری دو خلیفہ قریش کے اس معزز ترین خاندان میں سے ہوئے تو پہلے خلیفہ کو اس کی زندگی کے آخری دور میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا اور قریش کی نظروں کے سامنے اس نے جام شہادت نوش کیا اور دوسرے خلیفہ کی ابتدا ہی سے مخالفت شروع کر دی گئی اور ساری عمر اسے اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ ہر شخص کو معلوم تھا کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ ان کا خاندان جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں قریش کا سب سے برتر خاندان رہا ہے اور یہ وہ خصوصیت تھی جو پہلے دو خلفاء کو حاصل نہ تھی۔ خاندانی بزرگی کے علاوہ خود حضرت علیؓ کی اپنی

ذاتی شخصیت انتہائی ارفع واعلیٰ تھی۔ علم وفضل میں آپ کا کوئی ہم پایہ نہ تھا۔ پھر یہ کیا ہوا کہ آپ کی ساری زندگی ناکامیوں کا مرقع بنی رہی اور زمانہ آپ کی مخالفت پر کمربستہ رہا؟

اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت علیؓ انتہائی شجاع اور بہادر انسان تھے کسی خطرہ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے دشمن کی صفوں میں بے دھڑک گھس جانا آپ کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ موت کی پروا آپ کو بالکل نہ تھی۔ شجاعت کا سب سے پہلا نمونہ آپ نے اس رات کو دکھایا جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی۔ آپ بالکل بے خوف ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر لیٹ گئے" حالانکہ آپ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج کی رات حضورؐ کے بستر پر لیٹنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ لیکن آپ نے کوئی پروا نہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بلا چون وچرا بجا لائے۔

اس کے بعد جب جنگوں کا زمانہ شروع ہوا تو آپ نے اپنی بہادری کے ایسے حیرت انگیز نمونے دکھائے جن کی مثال لانے سے زمانہ قاصر ہے۔ دشمن کی جس صف کے مقابل ڈٹ جاتے تھے وہ آپ کے سامنے گھڑی نہ رہ سکتی تھی اور آپ کے حملہ کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہونے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ فتح وکامرانی ہر دم آپ کے قدم چومتی رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد چوبیس سال تک آپ نے اپنی تلوار کو میان میں رکھا۔ لیکن جب آپ کی خلافت کا دور آیا تو دنیا نے ایک مرتبہ پھر آپ کی تلوار کے جوہر دیکھے اور آپ کے دشمنوں پر آپ کا رعب اور آپ کی ہیبت چھا گئی۔

آپ کے علم وفضل اور تفقہ فی الدین سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ابتدا سے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اور آپ سے علمِ قرآن حاصل کیا۔ دینی احکام کے استنباط میں آپ کو جو کمال حاصل تھا اسی کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اکثر اوقات آپ سے مشورہ لیتے رہتے تھے۔ اگر کسی معاملہ میں حضرت علیؓ کو ان بزرگوں سے اختلاف ہوتا تھا تو بالآخر حضرت علیؓ کی رائے پر ہی فیصلہ کیا جاتا تھا۔

فصاحت وبلاغت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور اس میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

ان صفاتِ عالیہ کے ساتھ ساتھ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔

خدا تعالیٰ نے جن صفات اور جن فضائل سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا ان کی بنا پر آپ تمام قریش سے اپنے آپ کو افضل و برتر اور خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ خلافت دوسرے لوگوں نے حاصل کر لی۔ حالانکہ میرا حق اس پر سب سے زیادہ تھا۔ یہ فطری بات ہے کہ عامۃ الناس کبھی اس شخص کے ساتھ نہیں ہوتے جس کو تفوق و برتری کا دعویٰ ہو اور وہ دوسروں کی نسبت اپنے آپ کو زیادہ معزز اور افضل سمجھتا ہو۔ لوگوں کے دل ابوبکرؓ جیسے شخص کی طرف ہی مائل ہوتے ہیں جس کا یہ مقولہ ہو "بیشک میں تم پر حاکم تو بنایا گیا ہوں لیکن میں تم پر برتری کا ہرگز دعویٰ نہیں کرتا۔"

اسی احساسِ برتری کی وجہ سے حضرت علیؓ یہ سمجھتے تھے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہی ٹھیک ہے خواہ دوسرے لوگ موافقت کریں یا مخالفت۔ اسی وجہ سے وہ کسی شخص سے مشورہ لینے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے اور صرف اپنی رائے پر عمل کرتے تھے۔ یہ ایسی چیز تھی جس کو قریش کے بڑے بڑے آدمی جو اسلام میں بھی ایک خاص پوزیشن کے مالک تھے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

آپ کی بیعتِ خلافت کے بعد حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ نے یہی شکایت حضرت علیؓ سے کی اور کہا کہ وہ نہ ان سے کوئی مشورہ لیتے ہیں اور نہ اپنے معاملات میں ان کو شریک کرنے اور ان کی مدد حاصل کرنے کے روادار ہیں۔ اس شکایت کے جواب میں حضرت علیؓ نے فرمایا:

"تم نے جس بات پر اظہارِ ناراضگی کیا ہے وہ بہت معمولی ہے۔ تم مجھے بتاؤ تو سہی، تمہارا کون سا حق تھا جسے میں نے تمہیں دینے سے انکار کر دیا ہو، یا کسی اور مسلمان کا ایسا کون سا حق تھا جو میں اسے دینے سے قاصر یا بے خبر رہا ہوں، یا میں نے اس کے ادا کرنے میں غلطی سے کام لیا ہو۔ خدا کی قسم! مجھے خلافت اور حکومت کی مطلق خواہش نہیں تھی لیکن تم لوگوں نے مجھے خود ہی اس کی دعوت دی اور مجھے خلافت قبول کرنے پر مجبور کر دیا۔ اب جبکہ میں یہ ذمہ داری قبول کر چکا ہوں تو ہر امر کے متعلق کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام تلاش کروں گا اور انہی کے مطابق عمل کروں گا۔ مجھے تمہاری یا کسی اور کی رائے کی ضرورت نہیں۔ نہ مجھے کسی ایسے مسئلہ ہی کا سامنا کرنا پڑا جس کی صحیح حقیقت سمجھنے سے میں قاصر رہا اور مجھے تمہاری یا دوسرے مسلمانوں کے مشورہ کی ضرورت پڑی۔"

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے اور ہرمزان کے قتل کے سلسلہ میں عبیداللہ بن عمرؓ کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا تو حضرت علیؓ کی رائے یہ تھی کہ انہیں قتل کر دیا جائے لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کے رائے کے خلاف فیصلہ دیا اور حکم فرمایا کہ اس کی دیت ادا کی جائے۔ یہ دیت بھی آپ نے اپنے مال سے ادا کی۔ یہ فیصلہ صحیح تھا یا غلط بہر حال ایک خلیفہ کا فیصلہ تھا اور اس کا احترام کرنا ضروری تھا لیکن جب خلافت حضرت علیؓ کے پاس آئی تو آپ نے عبیداللہ کو قتل کرنا چاہا حالانکہ اس قضیہ کو طویل مدت گزر چکی تھی۔ عبیداللہ کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ بھاگ کر معاویہؓ سے مل جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور جنگِ صفین کے موقعہ پر وہ حضرت علیؓ کے مقابلہ پر حضرت معاویہؓ کے بڑے بڑے سالاروں میں سے تھے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی خلافت کے دوران میں کئی لوگوں کو زمین کے قطعات مرحمت فرمائے تھے حضرت علیؓ نے وہ سب واپس لے لیئے۔ اس سے لوگوں میں ناراضگی کا مزید جذبہ پیدا ہو گیا۔

جس وقت آپ نے خلافت سنبھالی مملکت کے مختلف حصوں کے والی قریش کے سربرآوردہ اشخاص تھے جن کی فطانت، ذکاوت اور عقلمندی میں کسی شخص کو کلام نہیں تھا۔ آپ کے خیر خواہ مشیروں نے آپ کو یہ رائے دی کہ آپ ان والیوں کو اس وقت تک معزول نہ کریں جب تک آپ کی حکومت اچھی طرح مستحکم نہ ہو جائے۔ لیکن آپ نے کسی کی ایک نہ سُنی بلکہ سب والیوں کے نام معزولی کے احکام بھیج دیئے۔ اس پر ان کو یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت علیؓ کی خلافت ان کے لئے مصیبت کا پیغام لے کر آئی ہے چنانچہ وہ سب آپ کے مقابلہ پر کھڑے ہو گئے۔

اہلِ عراق پر زبردست دباؤ کی ضرورت تھی لیکن حضرت علیؓ نے ایسا نہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر کے وہ دلیر تو ہو ہی چکے تھے اب شیر ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت محض انہی کی رہینِ منت ہے۔ اگر وہ ان کی مدد نہ کرتے تو حضرت علیؓ کبھی خلافت حاصل نہ کر سکتے۔ اس بنا پر وہ حضرت علیؓ کے احکام کو نظر انداز کرنے اور آپ سے اپنی مرضی منوانے لگے۔ چنانچہ جنگِ صفین کے موقعہ پر انہوں نے آپ سے کہا کہ یا تو آپ تحکیم قبول کریں، ورنہ ہم آپ کے ساتھ بھی وہی کریں گے جو پہلے حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر چکے ہیں اس طرح خلافت کی ہیبت اور جلال لوگوں کے دلوں سے جاتا رہا۔

معاملہ صرف اسی حد تک نہیں رہا بلکہ آپ کے کاموں پر نکتہ چینیوں تک پہنچ گیا۔ جب آپ نے حضرت ابنِ عباسؓ کو بصرہ کا والی بنایا تو وہاں کے لوگ کہنے لگے:

"قثم بن عباس کو حجاز کا والی بنا دیا گیا۔ عبید اللہ بن عباس کو یمن کی ولایت سونپ دی گئی اور عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی حکومت دے دی گئی۔ اگر یہی کچھ ہونا تھا تو ہم نے حضرت عثمانؓ کو کیوں قتل کیا؟"

حضرت علیؓ کی ان سے اور ان کی حضرت علیؓ سے بیزاری بڑھتی ہی چلی گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ خلافت کی عزت اور حکومت کا ڈر ان لوگوں کے دلوں میں بالکل باقی نہ رہا۔ حضرت علیؓ انہیں اپنی مدد کے لئے بلاتے تھے لیکن وہ چپ سادھے بیٹھے رہتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتے تھے آپ انہیں پکارتے تھے اور وہ سُنی ان سُنی کر دیتے تھے۔

آپ کے مقابل جو لشکر آتے تھے ان کی قیادت قریش کے بڑے بڑے سرداروں کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ وہ لشکر اپنے سالاروں کے احکام کی بلا چون وچرا تعمیل کرتے تھے لیکن حضرت علیؓ کی فوج اس صفت سے کلی طور پر محروم تھی۔ اس طرح طرفین کے درمیان توازن برقرار نہ رہا تھا اور حضرت علیؓ کی حالت انتہائی قابلِ رحم ہو گئی تھی۔

حضرت معاویہؓ فوج کے سالاروں اور قبائل کے سرداروں کی غلطیوں پر چشم پوشی اور عفو و درگذر سے کام لیتے تھے مزید برآں ان کو انعام واکرام سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ اس طرح ان کی گردنیں حضرت معاویہؓ کے سامنے جھکی رہتی تھیں۔ لیکن حضرت علیؓ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ والیوں اور فوج کے سالاروں سے رتی رتی کا حساب لیتے تھے جس سے ان کے دلوں میں ناراضگی پیدا ہوتی تھی۔ اوروں کا تو کیا ذکر ہے ان کے خاص معتمد علیہ ابنِ عباسؓ اسی بات پر حضرت علیؓ سے ناراض ہو گئے اور ان کا ساتھ چھوڑ کر بصرہ سے مکہ آ گئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے عمال سے سخت محاسبہ کیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے حالات میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت عمرؓ کے ساتھ ساری امت تھی اور تمام عمال پر آپ کا رعب قائم تھا لیکن حضرت علیؓ کے ساتھ امت کا بہت تھوڑا حصہ تھا اکثر حصہ آپ کے خلاف ہی تھا۔ اس وجہ سے آپ کا رعب بھی لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گیا تھا۔

مختصر یہ کہ حضرت علیؓ کی ناکامی کے بڑے بڑے اسباب یہ تھے:

(۱) آپ کا اپنے متعلق یہ عقیدہ کہ آپ امت میں سب سے افضل اور خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔

(۲) قریش کے سرداروں اور بڑے بڑے لوگوں کی رایوں کو در خور اعتناء نہ سمجھنا۔

(۳) امرائے لشکر اور والیوں سے سختی سے پیش آنا اور انہیں انعام و اکرام سے محروم رکھنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت علیؓ اپنی پرہیزگاری اور عفت کی وجہ سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں ان حیلوں، دھوکوں اور دوسرے ناواجب طریقوں سے کام نہیں لے سکتے تھے جن سے آپ کے دشمن آپ کے مقابلہ میں کام لے رہے تھے لیکن اس وقت کی سیاسی حالت اتنی اضطراب انگیز ہو گئی تھی کہ جن طریقوں کو حضرت علیؓ استعمال کرنا چاہئے تھے اور کر رہے تھے ان سے کسی قسم کے فائدہ کی امید نہ ہو سکتی تھی۔

سلطنت کے انتظام کیلئے حضرت علیؓ کی اپنے عمّال کو ہدایات:۔

سلطنت کا انتظام کرنے کے لئے حضرت علیؓ نے اپنے عمال کو جو ہدایات دیں وہ تقریباً وہی تھیں جو آپ سے پہلے خلفاء خصوصاً حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ اپنے عمال کو دے چکے تھے۔ جب آپ کسی شخص کو عامل بناتے تھے تو اسے نہایت سادہ زندگی بسر کرنے اور رعایا کے ساتھ نرمی برتنے کا حکم دیتے تھے۔

جب آپ نے اشتر نخعی کو مصر کا حاکم بنایا تو اسے مندرجہ ذیل ہدایات دیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ ان ہدایات کو عملی جامہ نہ پہنا سکا اور مصر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

"خراج کا اس طور پر انتظام کرنا جو صوبہ کے باشندوں کے لئے آسانی اور راحت کا موجب ہو۔ تمہاری کوشش یہ ہونی چاہئے کہ زمینیں آباد رہیں۔ محض خراج وصول کرنا تمہارا مطمح نظر نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ خراج تبھی حاصل ہو سکتا ہے جب زمینیں آباد رہیں۔ جو شخص باشندوں سے خراج تو وصول کرے گا لیکن زمین کی آبادی کی طرف کوئی توجہ نہیں دے گا۔ وہ ملک میں تباہی و بربادی لانے اور باشندوں کو شدید مصیبت میں ڈالنے کا سبب ہو گا اور اس کی حکومت زیادہ دیر تک نہ چل

سکے گی۔"

"تم اپنے افسروں کے کاموں پر کڑی نظر رکھو۔ جن لوگوں کو کوئی عہدہ سپرد کرو اچھی طرح جانچ پڑتال اور تجربہ کے بعد سپرد کرو۔ تمام افسروں کو اپنے کام کا تجربہ ہونا چاہیے وہ نیک گھرانوں کے افراد ہونے چاہئیں اور اسلام میں ان کو سبقت حاصل ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسے لوگ ہی با اخلاق ہوتے ہیں۔ حرص کا مادہ ان میں بہت کم ہوتا ہے۔ سلطنت کے کاموں پر ان کی نظر بہت وسیع ہوتی ہے۔ ان لوگوں کی تنخواہیں کافی مقرر کرو۔ کیونکہ کافی تنخواہیں مقرر ہونے سے وہ اپنی ظاہری حالت کو بہتر بنا سکیں گے اور رشوت وغیرہ لینے سے باز رہ سکیں گے۔ ان کے کاموں کی جانچ پڑتال اور چھان بین کے لئے قابلِ اعتبار اشخاص کو مقرر کرو جو خفیہ طور پر ان حاکموں کے کاموں کی رپورٹیں تمہیں بھجوائیں۔ اگر کسی حاکم کی بدعنوانیوں کا ان جاسوسوں کے ذریعہ پتہ چل جائے اور وہ بدعنوانیاں پایۂ ثبوت کو بھی پہنچ جائیں تو اسے بلا تامل سزا دو۔"

جن لوگوں کو آپ صدقات و زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کرتے تھے ان کو مندرجہ ذیل ہدایات دیتے تھے:

"جب تم اپنے کام کی انجام دہی کے لئے نکلو تو تقویٰ سے کام لو۔ کسی مسلمان کو ناحق پریشان نہ کرو اور ان کو یہ احساس نہ ہونے دو کہ تمہارے جانے سے ان پر مصیبت ٹوٹ پڑی ہے۔ ان کے اموال میں سے خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حصہ کے سوا اور کچھ وصول نہ کرو۔ جس قبیلہ میں جاؤ انتہائی سکینت اور وقار سے جاؤ اور ان سے کہو:

"اے اللہ کے بندو! خدا تعالیٰ کے خلیفہ نے مجھے تمہارے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں تمہارے اموال میں سے خدا تعالیٰ کا حق وصول کروں۔ بتلاؤ تم میں سے کون کون ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے۔"

"اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر زکوٰۃ واجب نہیں تو اس کی بات کا یقین کر لو۔ کسی شخص کو ڈرانے دھمکانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو شخص زکوٰۃ دینے پر آمادگی ظاہر کرے تو سونے چاندی کی جتنی مقدار وہ دے، لے لو اور اس سے تکرار مت کرو۔ اگر کسی شخص کے پاس اونٹ یا بھیڑ بکریاں ہوں جن کی زکوٰۃ واجب ہو تو مالک کی اجازت کے بغیر ان جانوروں کے پاس مت جاؤ۔ کیونکہ

ایک قلیل حصّہ کے سوا باقی تمام مال اسی کا ہے۔ زکوٰۃ کے لیئے جانور منتخب کرنے کا حق مالک کو دو۔ جو جانور وہ منتخب کرے ان پر اعتراض نہ کرو البتہ ایسے جانور نہ لو جو بہت بوڑھے ہوں۔ ان کا کوئی عضو ناکارہ ہو۔ بیمار ہوں یا ان میں کسی اور قسم کا عیب موجود ہو۔"

جہاں آپ اپنے عمّال کو رعایا سے نرمی اور محبت کا سلوک کرنے کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ وہاں مجرموں کے لیئے آپ کے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ آپ اس بات کو برداشت نہ کر سکتے تھے کہ سلطنت میں قانون شکنی پھیلے اور سماج دشمن عناصر کے ہاتھوں رعایا کے جان و مال کو خطرہ پیدا ہو۔

آپ کی اسی خصلت کو بیان کرتے ہوئے یعقوبی لکھتا ہے:۔

"حضرت علیؓ نے بعض دفعہ بڑے عجیب احکام دیئے۔ زندیقوں کی ایک جماعت کو آپ نے زندہ آگ میں جلوا دیا۔ بعض دفعہ چوروں کے ہاتھوں کی انگلیاں کٹوا دیا۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں کو فسق و فجور کی بنا پر ایک دیوار کے نیچے کھڑا کر کے اس دیوار کو ان پر گرا دیا اور وہ دب کر مر گئے۔"

آپ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ مجرموں کے لیئے میرے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے لوگوں کو اہلِ قبلہ سے لڑنا سکھایا۔

حضرت علیؓ کے فرمودہ احکام سے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں پتہ چلتا ہے کہ آپ کے پیشِ نظر وہی راستہ تھا جس پر آپ کے تین پیشرو گامزن تھے لیکن حوادثِ زمانہ اور آئے دن کے فتنے حضرت علیؓ کے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے راستہ میں روک بن کر کھڑے ہو گئے اور مملکت کا امن باغیوں کے ہاتھوں بالکل غارت ہو گیا۔

---

(۲۸)

خلافتِ راشدہ کے عہد میں سلطنت کا نظم و نسق

حضرت صدیقِ اکبرؓ، حضرت فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کی سوانح حیات میں ہم عہدِ خلفاءِ راشدین کے تہذیب و تمدن، سیاستِ ملکی اور طریقِ حکومت پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ یہاں ہم اس نظام کی تھوڑی سی جھلک دکھانا چاہتے ہیں جو خلفاءِ راشدین نے اپنے اجتماعی امور میں رائج کیا خواہ وہ اندرونی اصلاحات سے تعلق رکھتے ہوں یا بیرونی محاربات سے۔

اسلامی مدنیت کا پہلا مظہر اس سیاسی نظام کا قیام تھا جس پر امت کا کاربند ہونا ضروری تھا۔ اس غرض کے لئے خلافت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ خلافت جہاں ایک دینی ریاست تھی وہاں وہ دنیوی ریاست بھی تھی۔ اس کی بنیاد دینِ اسلام پر رکھی گئی تھی اور اس کی غرض یہ تھی کہ نصوص قرآنیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہر قسم کی صلاح و فلاح کی طرف امتِ محمدیہ کی عملی رہنمائی کرے۔

خلافتِ راشدہ میں تشریع کی بنیاد قرآنِ کریم اور سنتِ معروفہ پر تھی۔ اگر خلفاء کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش ہوتا جس کے بارہ میں قرآن کریم اور سنت میں کوئی حکم نہ ملتا تو وہ اشباہ و نظائر

اور امثال پر قیاس کر کے اس مسئلہ کا حکم نکالتے تھے۔

امت پر خلیفہ کے احکام کی اطاعت لازم تھی۔ البتہ اس امکان کی صورت میں کہ وہ کوئی ایسا حکم دے دے جو خلافِ قرآن و سنت ہو' اس کے احکام کی اطاعت واجب نہیں تھی۔ خلیفہ استنباط مسائل اور اجتہاد میں دوسرے مجتہدین سے کوئی خاص امتیاز نہ رکھتا تھا۔ اکثر اوقات وہ خود اپنے اجتہاد میں دوسرے صحابہؓ سے مدد لیتا تھا اور ان کے بتاتے ہوئے مسئلہ پر عمل کرتا تھا۔

خلیفہ کا انتخاب مشورہ سے کیا جاتا تھا۔ جمہوریت کی بنیاد دراصل اسی وقت سے پڑی۔

خلفائے راشدین میں شاہانہ تمکنت اور امارت کا غرور مطلق نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو عام آدمی کی طرح سمجھتے تھے اور سوائے خلافت کے ان میں اور دوسرے لوگوں میں کوئی امتیاز نہ تھا۔ حضرت عمرؓ اس بات کو سخت ناپسند کرتے تھے کہ آپ کے عمال اور رعایا کے درمیان کوئی روک ہو جس سے رعایا اپنا حال احوال آسانی سے عامل تک نہ پہنچا سکے۔ خلیفہ اور رعایا کے درمیان اصل حجاب خلفاء بنی امیہ کے عہد میں پیدا ہوا۔

صیغۂ قضا:۔

قضاء کا کام خلیفہ کے فرائض میں سے سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے خلفاء اس کام کے لئے خود اپنی طرف سے نائب مقرر کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ہر شہر کا عامل ہی قضا کا کام بھی کرتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس کے لئے ایک جداگانہ محکمہ قائم کر دیا اور مختلف شہروں میں قاضی مقرر کئے۔ قاضی اپنی رائے اور حکم دینے میں آزاد ہوتے تھے۔ انہیں یہ ہدایت تھی کہ جو حکم بھی دو وہ قرآن و سنت کے احکام کے مطابق دیں۔ علاقہ کے حاکم کا قاضی پر کوئی دباؤ یا اثر نہ ہوتا تھا۔ قاضی کی تعیین خلیفہ خود کرتا تھا۔ کبھی خلیفہ کسی شہر کے حاکم کو بھی قاضی مقرر کرنے کا اختیار دے دیتا تھا۔ قاضیوں کو بیت المال سے بیش قرار تنخواہیں دی جاتی تھیں تاکہ وہ رشوت کی طرف مائل نہ ہو سکیں۔

ذیل میں حضرت علیؓ کا ایک خط درج کیا جاتا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ قضاۃ کے تقرر میں کتنی احتیاط ملحوظ رکھتے تھے:

"لوگوں کے مقدمات فیصل کرنے کے لئے ایسے معزز لوگوں کو مقرر کرو جن کے فیصلہ کو

لوگ بلا چون و چرا مان لیں اور کسی میں ان پر اعتراض کرنے کی جرأت نہ ہو۔ وہ طمع سے پاک اور کسی شخص کی حیثیت سے مرعوب ہونے والے نہ ہوں۔ ہر قسم کے معاملات پر ان کی نظر گہری ہو۔ شبہ کے موقعوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ فریقین کے دلائل سے گھبرائیں نہیں۔ معاملہ کی تہ تک پہنچنے کے لئے انتہائی احتیاط اور غور و فکر سے کام لیں اور جب کسی فیصلہ پر پہنچ جائیں تو اسے مضبوطی سے عملی جامہ پہنانے اور نافذ کرنے والے ہوں۔ کسی قسم کی سفارش اور کسی قسم کے عہدہ اور مرتبہ کو اپنے فیصلوں کی راہ میں حائل نہ ہونے دیں۔ اگرچہ ایسے لوگ بہت تھوڑے ہوتے ہیں۔ لیکن قاضی کو انہی صفات کا حامل ہونا چاہئے۔ جب تم کسی شخص کو قضا کا عہدہ تفویض کرو تو اس کی تنخواہ بیش قرار مقرر کرو تاکہ اس کے اخراجاتِ زندگی اسے رشوت لینے پر مجبور نہ کریں۔ اس کی قدر و منزلت تمہارے دل اور تمہاری مجالس میں اتنی ہونی چاہئے کہ کوئی شخص اس کے خلاف تمہارے کان بھرنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

قاضیوں کے علاوہ ہر شہر میں ایک ایسی جماعت بھی موجود رہتی تھی جس نے احکامِ فقہی کے استخراج اور استنباطِ احکام میں خوب ملکہ پیدا کر لیا تھا۔ جب قاضیوں کو کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو وہ ان لوگوں سے مدد لیا کرتے تھے۔

اس وقت سب سے مشکل یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث باقاعدہ کسی کتاب میں مدوّن نہیں ہوئی تھیں بلکہ لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھیں۔ کسی کو کوئی حدیث یاد تھی اور کسی کو کوئی۔ ساری احادیث کسی شخص کو بھی یاد نہیں تھیں۔ جب قاضیوں کے سامنے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا اور انہیں اس بارہ میں حدیث کی ضرورت پیش آتی تو وہ مختلف لوگوں سے پوچھتے تھے کہ آیا انہیں اس سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کا پتہ ہے یا نہیں۔ کسی کو کوئی حدیث مل جاتی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا۔ لیکن اگر کسی کو اس قسم کی کوئی حدیث نہ مل سکتی تو وہ اجتہاد سے کام لے کر کسی دوسرے نتیجہ پر پہنچتا تھا۔ اس وجہ سے اکثر اوقات ایک ہی معاملہ کے متعلق قاضیوں کے فیصلے باہم مختلف ہو جاتے تھے۔ اس زمانہ میں قاضیوں نے جو فیصلے کئے تھے ان کو بھی ضبطِ تحریر میں نہیں لایا گیا۔ اس طرح بعد میں آنے والے قاضی اپنے پیشروؤں کے فیصلوں

کے علم سے محروم رہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں قضا کا سارا دارومدار محض اجتہاد پر تھا کوئی معین قانون موجود نہیں تھا۔ لیکن یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ اجتہاد صرف قانون شرعی کے معلوم کرنے اور اسے زمانہ کے مخصوص حالات و واقعات پر منطبق کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ قانون میں تفصیل موجود نہیں ہوتی بلکہ اصولی قواعد درج ہوتے ہیں۔ وہ قوانین جو ایک مختصر عرصہ کے لئے نہیں بلکہ مدت دراز تک کے لئے ہوں یقیناً ایسے ہی ہونے چاہئیں تاکہ انہیں ہر زمانہ میں اور ہر جگہ استعمال کیا جا سکے۔

قضاۃ کے تقرر کے باوجود خلفاء اس امر کے پابند نہیں تھے کہ وہ خود بھی رعایا کے باہمی جھگڑوں پر غور و فکر کر کے ان کا فیصلہ نہ کر سکیں۔ بسا اوقات خلفاء جھگڑوں کا فیصلہ خود ہی کر دیا کرتے تھے۔ قاضی صرف نائبین کا کام سرانجام دیتے تھے۔

جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے قاضیوں کے پاس فیصلوں کے اندراج کے لئے کسی قسم کا رجسٹر موجود نہیں ہوتا تھا اور نہ فیصلوں کی نقلیں ہی فریقین کو دی جاتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تنفیذ کا سارا کام بھی قاضی ہی کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ وہی فیصلہ سناتا تھا اور وہی فیصلہ کا نفاذ کرتا تھا اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ قاضیوں کو فیصلہ کی تنفیذ میں کوئی دقت پیش آئی ہو۔ کیونکہ جونہی وہ حکم سناتا تھا محکوم علیہ فوراً اس کے فیصلہ کی تعمیل کر دیتا تھا۔ اس طرح فریقین کی حیثیت محض مستفسر کی ہوتی تھی۔ جب ان کو اپنے معاملہ میں ماضی سے کسی شرعی حکم کا پتہ چل جاتا تھا وہ بلا چون و چرا اس حکم کی تعمیل کر دیتے تھے۔

خلفاء راشدین کے زمانہ میں قاضیوں کا کام صرف باہمی جھگڑوں کو طے کرانا اور ان کے متعلق فیصلے صادر کرنا تھا۔ قصاص اور حد کا اجراء صرف خلیفہ یا صوبہ کے امراء کے ہاتھ میں ہوتا تھا۔ کسی قاضی کے متعلق بھی یہ ثابت نہیں ہے کہ اس نے کسی شخص کو قتل کے الزام میں سزا دی ہو۔ یا چوری کرنے اور شراب پینے کی وجہ سے حد لگائی ہو۔ تمام تادیبی سزائیں جن میں قید کرنا بھی شامل تھا صرف خلیفہ یا اس کے نائب صوبہ کے امیر کے حکم سے دی جا سکتی تھیں۔ اس طرح قضا کا دائرہ بہت تنگ تھا۔

یہ امر بھی ثابت نہیں ہے کہ چھوٹے چھوٹے شہروں میں قاضی مقرر کیے گئے ہوں۔ قاضی صرف بڑے بڑے شہروں میں مقرر کیے جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں باہمی تنازعات بہت کم ہوتے تھے۔

صیغۂ دفاع :-

لشکروں کی اصل قیادت خلیفہ کے ہاتھ میں ہوتی تھی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضور خود فوجوں کی قیادت فرمایا کرتے تھے لیکن جب سلطنت کے کاموں نے وسعت اختیار کی تو خلفاء اپنی جگہ ایسے لوگوں کو جو بہادری میں یکتا اور شجاعت میں طاق ہوتے تھے سپہ سالار مقرر کرنے لگے۔ ان کی اطاعت اسی طرح واجب تھی جس طرح خلیفہ کی اطاعت واجب تھی۔ فتح کے بعد جب حالات پرسکون ہو جاتے تھے تو ان سپہ سالاروں کی ذمہ داری فوج کے امور کی نگہداشت اور آئندہ کے لیے انہیں جنگ کی ٹریننگ دینے تک محدود ہو جاتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ساری فوج رضا کارانہ تھی۔ اس کے نام کسی رجسٹر میں درج نہیں تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے وقت میں سب سے پہلے سپاہیوں کے نام درج رجسٹر کیے گئے۔ اس طرح باقاعدہ فوج کی صورت پیدا ہوئی۔ فوجیوں کے نام درج رجسٹر کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اگر کوئی سپاہی فوج سے بھاگ جاتا تھا یا پیچھے رہ جاتا تھا تو فوراً اس کے نام کا پتہ چل جاتا تھا۔ ایسے لوگوں کے لیے حضرت عمرؓ نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ اسے اس کے قبیلہ کی مسجد میں کھڑا کر کے یہ اعلان کر دیا جاتا تھا کہ یہ شخص فوج سے بھاگا ہوا ہے یا اس نے جہاد سے جان چرائی ہے۔ یہ توبیخ اعراب کی نظروں میں گردن اڑا دینے سے بھی زیادہ سخت تھی۔ کیونکہ انہوں نے اقوامِ عالم میں اپنی بے نظیر شجاعت اور حیرت انگیز دلیری کی وجہ سے جو نام پیدا کیا ہوا تھا اس کے پیشِ نظر کسی شخص پر بزدلی کا الزام لگنا اور وہ بھی اس طرح علانیہ، اس کے لیے موت سے بھی زیادہ سخت تھا۔ یہ الزام لگنے کے بعد اس شخص کو کسی محفل میں منہ دکھانے کی جگہ نہ رہتی تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمام فوجیوں کی بیت المال سے تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔ اس سے

پہلے ان کی تنخواہیں مقرر نہ تھیں بلکہ مال غنیمت میں جو کچھ آتا تھا وہ ان میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں تمام فوجیوں کی تنخواہیں یکساں نہ تھیں بلکہ اسلامی فضیلت کے لحاظ سے ان کی تنخواہیں مختلف رکھی گئی تھیں۔ البتہ حضرت علیؓ نے اپنے عہد میں تنخواہوں کے فرق کو مٹا کر تمام فوجیوں کی یکساں تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔

ہر لشکر میں ہر دس آدمیوں پر ایک "عریف" مقرر ہوتا تھا۔ تمام لشکر کی تنخواہیں "عریفوں" کے سپرد کر دی جاتی تھیں۔ وہ انہیں سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔

لشکروں کی تنظیم میں بھی خلفاء راشدین کے زمانہ میں بہت ترقی ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا طریقہ یہ تھا کہ دشمن کے سامنے کبھی بے ترتیب اور کبھی صف بند ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک دو دو بہادر نکل کر لڑتے تھے۔ پھر عام حملہ کرتے تھے پھر بھاگتے تھے۔ پھر پلٹ کر بغیر کسی نظام اور ترتیب کے دشمن پر حملہ کرتے تھے۔

جب مسلمانوں کو ایران اور شام کی منظم افواج کا مقابلہ کرنا پڑا تو انہیں معلوم ہوا کہ یہ پرانا فوجی نظام ان منظم قوموں کے مقابلہ میں کام نہیں دے گا۔ اس لئے انہوں نے نئے سرے سے اپنی فوجوں کو ترتیب دیا۔ باقاعدہ صفیں منظم کی جاتیں کوئی شخص صفوں سے آگے پیچھے نہ ہو سکتا تھا۔ لشکر کو پانچ دستوں میں منقسم کیا جاتا تھا۔ وہ دستہ جو سب سے آگے ہوتا تھا اسے "مقدمہ" کہا جاتا تھا۔ یہ دستہ سب سے پہلے لڑائی شروع کرتا تھا۔ درمیانی دستہ کو "قلب" کہا جاتا تھا امیر لشکر اسی دستہ میں ہوتا تھا۔ دائیں دستہ کا نام "میمنہ" اور بائیں دستہ کا نام "میسرہ" تھا۔ پچھلے دستہ کو "ساقہ" کہا جاتا تھا۔

جب لشکر ان پانچوں دستوں پر مشتمل ہوتا تھا تو اسے "خمیس" کہا جاتا تھا۔ پانچوں دستوں کے علیحدہ علیحدہ امیر بھی ہوتے تھے جو سالار لشکر کے احکام کے مطابق اپنے دستہ کو حرکت میں لاتے تھے۔ سواروں کا خاص طور پر ایک علیحدہ امیر ہوتا تھا۔ خط رجعت کی حفاظت کے لئے بھی مسلمان خاص اقدام کرتے تھے تاکہ دشمن موقعہ پا کر پیچھے سے ان پر نہ ٹوٹ پڑے۔ رات کو بھی لشکر کی حفاظت اور دشمن کے شبخون سے بچنے کے لئے خاص طور پر انتظامات کئے جاتے تھے۔ مسلمانوں کا جاسوسی نظام بھی بہت اعلیٰ تھا اور دشمن کے بیشتر ارادوں کا انہیں پہلے سے علم

ہو جایا کرتا تھا۔

محاصل:۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد سے خراج کی وصولی کے لئے مستقل اور جداگانہ عامل مقرر کئے جاتے تھے بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ صوبوں کے امراء کو خراج کا انتظام سپرد کیا گیا ہو۔ جو خراج وصول ہوتا تھا اسے خلیفہ کے احکام کے تحت فوج کی تنخواہ اور مصالح عامہ کے دوسرے کاموں پر خرچ کیا جاتا تھا۔ جو رقم بچ جاتی تھی اسے دار الخلافہ بھیج دیا جاتا تھا۔

اس زمانے میں محصول کی دو قسمیں تھیں (۱) مستقل (۲) غیر مستقل۔ مستقل محصول خراج، زکوٰۃ عشر اور جزیہ تھے اور غیر مستقل مال غنیمت۔

خراج ۔ جن زمینوں پر مسلمان جنگ کے بعد قابض ہو گئے تھے وہاں کی تمام زمینیں ان کے مالکوں ہی کے ہاتھوں میں رہنے دی گئی تھیں۔ البتہ پیداوار کے لحاظ سے ان پر کچھ مالگزاری مقرر کر دی گئی تھی۔ اس مالگزاری کو خراج کہتے تھے اور یہ زمین کے کرایہ کے طور پر لیا جاتا تھا اس کی دو صورتیں تھیں یا تو رقم معین کر دی جاتی تھی جیسا حضرت عمرؓ نے سواد عراق میں کیا تھا، یا پیداوار کا کوئی حصہ مقرر کر دیا جاتا تھا۔

عشر ۔ جن زمینوں کے مالکوں نے اسلام قبول کر لیا تھا یا جس سر زمین پر مسلمان قابض ہو گئے تھے لیکن وہاں کے لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا (مثلاً عرب کے بت پرست) ایسی زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور ان کی پیداوار کا دسواں حصہ حکومت وصول کر لیا کرتی تھی۔ عشری زمینوں میں وہ زمینیں بھی شامل تھیں جن پر مسلمان بزور قابض ہو گئے تھے اور انہیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ اس طرح وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی تھیں۔

جب حضرت عمرؓ کے عہد میں سوادِ عراق اور شام فتح ہوا تو آپ نے مفتوحہ زمینوں کے متعلق اپنے مشیروں سے رائے دریافت فرمائی۔ اکثر نے یہی رائے دی کہ ان زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: "اس صورت میں آئندہ آنے والی نسلوں کی حق تلفی ہوگی۔ کیونکہ اگر

اس وقت زمینیں تقسیم کر دی گئیں تو ان کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔"

اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض بولے:

"زمین اور لونڈی غلام انہی لوگوں کو مل سکتے ہیں جن کی قوتِ بازو سے شہر فتح ہوئے۔ دوسرے لوگ مفت کس طرح پا سکتے ہیں؟"

حضرت عمر رض نے جواب دیا:

"یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن یاد رکھو میرے بعد کبھی اس قدر فتوحات نہیں ہوں گی جن میں مسلمانوں کو اس قدر مال و دولت اور زمین ہاتھ آئے جس قدر اب آ رہی ہے۔ اکثر فتوحات بجائے فائدہ کے مسلمانوں پر بوجھ ہوں گی۔ اگر عراق اور شام کی زمینوں کو ان کے مالکوں کے ہاتھوں سے چھین کر اور مفتوحین کو غلام بنا کر مسلمان فاتحین میں تقسیم کر دیا جائے تو سرحدوں کی حفاظت کس طرح کی جا سکے گی۔ کیونکہ مسلمان تو کاشتکاری میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس کے علاوہ یتیموں اور بیواؤں کی نگہداشت بھی نہیں ہو سکے گی۔"

حضرت عمر رض کی اس تصریح کے باوجود لوگوں نے یہی کہنا شروع کیا کہ دوسرے لوگوں کو جو ان جنگوں میں حاضر نہیں ہوئے اور ان کی اولادوں کو ان زمینوں سے فائدہ اٹھانے کا کیا حق ہے۔ حق صرف ہمارا ہے جنہوں نے اپنی تلواروں سے ان ملکوں کو فتح کیا ہے۔

آخر حضرت عمر رض نے اس مسئلہ کے متعلق مہاجرین رض اور انصار رض سے باقاعدہ مشورہ لینا چاہا۔ سب سے پہلے آپ نے مہاجرین اولین رض سے اس بارہ میں رائے دریافت کی۔ مہاجرین رض کی رائے میں اختلاف تھا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض تو برابر مُصِر تھے کہ یہ زمینیں فاتح مسلمانوں کا حق ہیں اور انہی میں تقسیم کر دینی چاہئیں۔ لیکن حضرت عثمان رض، حضرت علی رض، حضرت طلحہ رض اور حضرت ابنِ عمر رض حضرت عمر رض کی رائے کے حامی تھے۔

مہاجرین رض سے مشورہ لینے کے بعد حضرت عمر رض نے دس جلیل القدر انصاری صحابہ رض کو بلا بھیجا ان میں سے پانچ قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے اور پانچ قبیلہ خزرج سے۔ جب یہ بزرگ جمع ہو گئے تو آپ کھڑے ہوئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے آپ لوگوں کو ایک اہم معاملہ پر غور و خوض کرنے کے لئے تکلیف دی ہے

میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ لوگ ضرور میری رائے پر ہی صاد کریں۔ آپ لوگوں کے پاس کتاب اللہ موجود ہے جس کی مدد سے آپ خود صحیح رائے پر پہنچ سکتے ہیں۔"

انھوں نے کہا:

"فرمائیے آپ کیا کہنا چاہتے ہیں ہم سننے کے لئے تیار ہیں۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"آپ لوگوں نے ان لوگوں کی باتیں سن لی ہیں جو یہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان کے حقوق پر چھاپہ مارا ہے۔ لیکن میں اس امر سے خدا تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اگر میں کوئی ایسی چیز، جس پر عام مسلمانوں کا حق ہو، ان سے چھین کر دوسرے لوگوں کو دے دوں جن کا اس پر حق نہیں ہے، تو واقعی میں بہت بڑا ظالم ہوں۔ لیکن یہاں یہ بات نہیں۔ مجھے یہ بات دکھائی دے رہی ہے کہ کسریٰ کی سرزمین کی فتح کے بعد ایسی عظیم الشان فتح اب مسلمانوں کو حاصل نہیں ہوگی۔ خدا تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں کے اموال اور زمینیں عطا کی ہیں۔ ہم ان لوگوں سے جس قسم کا چاہیں سلوک کر سکتے ہیں۔ میں نے خمس نکال کر باقی مالِ غنیمت تو فاتح مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ زمین کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ میں اسے ملک کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دوں اور اس کے بدلے ان پر خراج عائد کر دوں۔ اس طرح جو کچھ خراج وصول ہوگا وہ درحقیقت مسلمانوں کی فوجوں، ان کی اولادوں اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بطور غنیمت کے ہوگا۔ کیا آپ لوگوں کی نظریں ان وسیع سرحدوں کی طرف نہیں جاتیں؟ ضروری ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں جو ان کی حفاظت کریں۔ ان علاقوں کی حفاظت کے لئے یہاں فوجیں متعین رہنی ضروری ہیں اور فوجوں کا خرچ بھی لازمی ہے۔ اگر یہ زمینیں تقسیم کر دی گئیں تو مسلمان کھیتی باڑی میں مشغول ہو جائیں گے۔ پھر ان علاقوں کی حفاظت کے لئے فوجوں کا انتظام کیسے ہوگا؟ اور اگر ہو گیا تو ان کے لئے خرچ کہاں سے آئے گا؟"

حضرت عمرؓ کی یہ تقریر سن کر سب لوگوں نے متفقہ طور پر کہا:

"واقعی آپ کی رائے بالکل ٹھیک ہے۔ اگر یہ سرحدیں اور یہ شہر فوجوں سے خالی ہو گئے تو ان علاقوں کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں ہو سکے گا اور کافر دوبارہ ان شہروں پر مسلط ہو

جائیں گے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

"یہ معاملہ تو صاف ہو گیا۔ اب مجھے ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو سارے عراق کی پیمائش کر سکے۔ تاکہ خراج کا تعین ہو سکے۔"

لوگوں نے اس کام کے لئے عثمان بن حنیف کا نام لیا۔ چنانچہ آپ نے انہیں عراق کی پیمائش کا کام سپرد کیا۔ عثمان بن حنیف نے یہ کام بڑی محنت اور جانفشانی سے کیا۔ پیمائش کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال قبل سوادِ کوفہ کا خراج ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا۔

جب شام فتح ہوا تب بھی لوگوں نے حضرت عمرؓ سے یہی مطالبہ کیا کہ اس کی زمینوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ یہ مطالبہ کرنے میں سب سے پیش پیش حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت بلالؓ بن ابی رباح تھے۔ اس وقت بھی حضرت عمرؓ نے یہی جواب دیا:

"اگر ایسا کر دیا گیا تو بعد میں آنے والی نسلوں کے لئے کچھ باقی نہیں رہے گا۔"

چنانچہ آپ نے عراق کی طرح شام کی زمینیں بھی وہاں کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دیں اور اس کے بدلہ ان سے خراج وصول کیا جانے لگا۔

حضرت عمرؓ کی یہ رائے کہ مفتوحہ علاقوں کی زمینیں فاتحین میں تقسیم نہ کی جائیں بلکہ انہیں ملک کے باشندوں کے پاس ہی رہنے دیا جائے کہ وہ ان میں کاشت کریں اور ان کا خراج ادا کریں' نہایت دور اندیشی پر مبنی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان اپنے اصلی فرض کو بھول کر کھیتی باڑی میں مشغول ہو جاتے۔ سپہ گری کا فن ان کے ہاتھوں سے جاتا رہتا۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہوتی کہ اس علاقے کی حفاظت کرنے والی اور دوسرے ملکوں میں لڑنے والی اسلامی فوجوں کے اخراجات کا کہیں سے انتظام نہ ہو سکتا۔ اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھا کر ایرانی اور رومی سردار جو اپنے علاقوں پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے تھے دوبارہ اپنے اپنے علاقوں پر قابض ہو جاتے اور مسلمانوں کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا۔

جزیہ۔ جزیہ وہ رقم تھی جو ذمیوں سے ان کی حفاظت کے بدلہ اور ان کو دشمنوں سے بچانے کے معاوضہ میں وصول کی جاتی تھی۔ یہ رقم صرف بالغ اور تندرست مردوں سے وصول کی جاتی تھی

عورتیں، بچے، مفلس اور اپاہج اس سے مستثنیٰ تھے۔ حضرت عمرؓ نے تو بعض مفلس ذمیوں کا وظیفہ بھی بیت المال سے مقرر کر دیا تھا۔ جزیہ مرد کی مالی حالت کے مطابق لگایا جاتا تھا۔ اس کی مقدار ۱۲ درہم سے کم اور ۴۸ درہم سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو ذمیوں سے نیکی کرنے، ان سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنے، ان کی حفاظت کے لئے لڑنے اور انہیں ان کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہ دینے کی وصیت لکھی کر دی تھی۔

زکوٰۃ۔ مسلمانوں کے ہر قسم کے اموال، چرنے والے مویشیوں، نقدیوں اور زمین کی پیداوار پر قرآن مجید کے احکام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی۔

عشور۔ مسلمان تاجر جب اپنا مال لے کر روم کے شہروں میں جایا کرتے تھے تو ان سے مال کا دسواں حصہ بطور محصول وصول کیا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرؓ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے حکم دیا کہ جو رومی تاجر ہمارے ملک میں مال لے کر آئیں ان سے بھی اسی قدر محصول وصول کیا جائے جتنا وہ ہمارے تاجروں سے وصول کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ذمی تاجروں سے نصف عشر اور مسلمان تاجروں سے مال و اسباب کا چالیسواں حصہ وصول کیا جائے۔ البتہ اگر دو سو درہم سے کم قیمت کا مال ہو تو اس میں سے کچھ وصول نہ کیا جائے۔

زیاد بن حدیر عشور کے نگران مقرر کئے گئے تھے۔ ایک مرتبہ بنی تغلب کا ایک عیسائی تاجر ایک گھوڑا لے کر آیا۔ انہوں نے گھوڑے کی قیمت بیس ہزار درہم لگائی اور اس سے ایک ہزار درہم وصول کر لئے۔ سال کے اندر ہی وہ تاجر وہی گھوڑا لے کر پھر گزرا انہوں نے اس سے پھر ایک ہزار درہم کا مطالبہ کیا۔ تاجر نے کہا: "ایک بار آپ مجھ سے ایک ہزار درہم لے چکے ہیں۔ کیا جس بار بھی میں گزروں گا آپ مجھ سے ایک ہزار درہم وصول کریں گے؟"

زیاد نے کہا "بیشک!"

وہ تغلبی تاجر حج کے موقعہ پر حضرت عمرؓ سے مکہ میں ملا اور ان کو سارا قصہ سنایا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے صرف اتنا فرمایا "میں اس کا بندوبست کروں گا۔" اس کے علاوہ اور کچھ نہ کہا۔

وہ یہ سمجھا کہ حضرت عمرؓ نے سرسری بات کہہ دی ہے۔ اب پھر ایک ہزار درہم دینے ہوں گے کیونکہ اس کے سوا اور کوئی چارہ ہی نہیں۔ یہ سوچتے ہوئے جب وہ واپس سرحد پر پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ کا حکم عامل کو پہنچ چکا تھا جس میں لکھا تھا کہ جس چیز پر ایک بار عشور وصول کر لیا جائے اگلے سال کی اسی تاریخ تک دوبارہ اس پر کچھ نہ لیا جائے سوائے اس کے کہ اس چیز کے علاوہ کوئی اور چیز ہو۔

اس پر اس نصرانی نے زیاد سے کہا کہ میں ارادہ کرکے آیا تھا کہ ایک ہزار درہم ادا کروں گا اب میں اقرار کرتا ہوں کہ میں اسی شخص کے دین پر ہو ں جس نے تجھے یہ حکم بھیجا ہے۔

بعد میں بھی مسلمانوں نے تعشیر کا وہی طریق رائج رکھا جو حضرت عمرؓ نے مقرر کیا تھا۔

سکہ :-

عرب میں اسلام سے قبل سونے اور چاندی کے ایرانی اور رومی سکے رائج تھے۔ ان کا اپنا سکہ کوئی نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی سکے چلتے رہے۔ ایران کی فتح کے بعد حضرت عمرؓ نے چاہا کہ درہم کا وزن مقرر کیا جائے کیونکہ ایرانی سکے مختلف وزن کے ہوتے تھے۔ بعض درہم بیس قیراط کے، بعض بارہ قیراط کے اور بعض دس قیراط کے۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں اوزان کا مجموعہ لے کر اس کا ثلث یعنی ۱۴ قیراط درہم کا وزن قرار دیا۔ اس طرح دس درہم کا وزن سات مثقال ہو گیا۔

مقریزی کہتا ہے کہ ۱۸ھ میں کسروی دراہم کے نمونے پر درہم ڈھالے گئے۔ بعض کا نقش الحمد للہ بعض کا نقش محمد رسول اللہ اور بعض کا نقش لا الہ الا اللہ قرار دیا گیا۔ بعض پر "عمر" لکھ دیا گیا۔ ہر دس دراہم کا وزن سات مثقال قرار دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں جب دراہم ڈھالے گئے تو ان پر صرف "اللہ اکبر" کے الفاظ ہی کندہ کئے گئے۔

بعض مؤرخین یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض امراء نے رومی دیناروں کی طرز پر بھی سکے ڈھالے اور اپنے نام ان پر کندہ کرا لیے۔

قرآنِ کریم :-

اس فصل کا اختتام ہم قرآنِ کریم کے ذکر پر کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کے نزول سے پہلے عرب جاہل محض تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کے نزول کے بعد اس کی ترویج اتنی زبردست ہوئی کہ قرآنِ کریم کی آیات ہر شخص کی زبان پر رہنے لگیں۔ ہر گھر میں اس کی تلاوت کی جانے لگی۔ خلفاء راشدین کے عہد میں سوائے قرآنِ کریم کے اور کوئی علم مدون نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ احادیث کی تدوین بھی نہیں کی گئی۔

---

(۲۹)

حضرت علیؓ کی ادبی شخصیت

حضرت علیؓ کی شخصیت پر تاریخ نے بڑے دبیز پردے ڈال رکھے ہیں جس سے آپ کے صحیح خدوخال متعین کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ جہاں دشمنوں نے آپ کی سیرت کو مسخ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں معتقدین نے بھی آپ کی مبالغہ آمیز مدح و توصیف میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

البتہ آپ کے اقوال، آپ کے خطبات اور آپ کے احکام پر نظر ڈالنے سے آپ کی حقیقی شخصیت معلوم کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے اور پتہ چلتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک حیرت انگیز دماغ ودیعت ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار ہونے اور حضورؐ کی خدمت میں حاضر رہ کر آپ کا پُر معارف کلام سُنتے رہنے کی وجہ سے فصاحت و بلاغت آپ کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی تھی۔ اسی کا اثر تھا کہ آپ کی زبانِ مبارک سے ہر وقت فصاحت و بلاغت کے چشمے پھوٹتے رہتے تھے۔ حکمت آپ کے گھر کی لونڈی تھی اور خطابت میں کوئی شخص آپ کا ہم پلّہ نہ تھا۔ کوئی بھی موضوع کیوں نہ ہو آپ بے تکان اس پر گھنٹوں لیکچر

دے سکتے تھے۔ لوگوں کو جہاد پر اُبھارنے کے لئے آپ کے خطبے، حضرت معاویہؓ کے نام آپ کے خطوط، امراء اور عمال کے متعلق آپ کے احکام عربی ادب کے معجزات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نہج البلاغہ:۔

حضرت علیؓ کی بہترین ادبی یادگار "نہج البلاغہ" ہے۔ نہج البلاغہ ان خطبوں، خطوط اور مواعظ کا مجموعہ ہے جو حضرت علیؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں وقتاً فوقتاً دیئے۔ ان خطبوں، خطوط اور مواعظ کو شریف الرضی نے مرتب کر کے کتابی صورت دی تھی اور اس مجموعہ کا نام "نہج البلاغہ" رکھا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کتاب میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ سب کا سب حضرت علیؓ کا فرمودہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں میں سب سے پیش پیش ابن خلکان ہے۔ ابنِ خلکان کی تقلید میں بعض دوسرے لوگوں نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ نہج البلاغہ کا اکثر حصہ حضرت علیؓ ہی کے فرمودات اور ارشادات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب آپ کی زندگی، آپ کے عہدِ خلافت، آپ کی جنگوں اور غزوات اور آپ کی دنیا سے بے رغبتی کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ بعض خطب و رسائل غلط طور پر حضرت علیؓ سے منسوب ہیں تاہم اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ "نہج البلاغہ" میں آپ کے جو خطبات اور رسائل درج کئے گئے ہیں ان سے حضرت علیؓ کی رفیع الشان شخصیت، جو ایمان و یقین سے بھرپور اور حق و صداقت کے سلسلہ میں انتہائی مضبوط تھی، ہمارے سامنے آجاتی ہے۔

مسعودی "نہج البلاغہ" کے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں تقریباً پانچ سو خطبات دیئے تھے۔ لوگ ان خطبات کو زبانی یاد کر لیتے تھے۔ یاد کرنے کا یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ کئی سو سال تک چلتا رہا۔ آخر شریف رضی نے آپ کے تمام خطبوں، مواعظ اور رسائل کو کتابی صورت میں مرتب کیا اور اس کا نام نہج البلاغہ رکھا۔ شریف رضی اس کتاب کی تالیف سے ۴۰۰ھ میں فارغ ہوا۔ اس نے ہر باب کے آخر میں کچھ خالی صفحات اس غرض سے چھوڑ دیئے تھے کہ اگر بعد میں کچھ معلوم ہو تو اسے اپنے موقعہ اور محل پر درج کر دیا جائے

شریف رضی حضرت علیؓ کی نسل ہی میں سے تھا وہ ۹۶۹ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۱۵ء میں وفات پائی۔ اسے مرتضٰی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ اس کا شمار اس زمانے کے مشہور ادیبوں میں تھا۔ نہج البلاغہ کے علاوہ اس نے اشعار کا ایک دیوان بھی اپنی یادگار چھوڑا ہے۔

نہج البلاغہ کی تالیف کے بعد علماء، فقہاء اور ادباء کی ایک جماعت نے اس کتاب کی شرحیں لکھنے کی طرف اپنی توجہات مبذول کیں۔ اندازہ ہے کہ اب تک اس کی چھبیس شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ قدیم شارحین میں سے سب سے مشہور شخص عبدالحمید بن ابی الحدید معتزلی ہیں۔ وہ ۱۱۹۰ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۱۲۵۷ء میں وفات پائی۔ ان کی شرح بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ متاخرین میں سب سے مشہور شارح مصر کے علامہ مفتی محمد عبدہٗ ہیں۔ آپ نے ۱۹۰۵ء میں وفات پائی۔

شریف رضی کتاب کے مقدمہ میں لکھتا ہے۔ "حضرت علیؓ علیہ السلام کا تمام کلام تین اصناف پر مشتمل ہے (۱) خطبات و اوامر (۲) خطوط و رسائل (۳) حکم و مواعظ۔ میں نے بھی اسی ترتیب سے اپنی کتاب میں سب سے پہلے آپ کے خطبات کو درج کیا ہے۔ ان کے بعد آپ کے خطوط کو اور آخر میں آپ کے حکیمانہ اقوال کو۔"

علامہ مفتی محمد عبدہ نہج البلاغہ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک خطیب اور ایک ادیب کے کلام میں جتنی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ سب اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس میں ادبی پیرایہ میں مدح بھی ہے اور ذم بھی۔ نیک باتوں کی ترغیب بھی ہے اور بری باتوں سے نفرت کا اظہار بھی۔ سیاسی چپقلش کے نمونے بھی ہیں اور جنگ و جدل کا حال بھی۔ رعایا پر حاکم کے حقوق کی تفصیل بھی ہے اور حاکم پر رعایا کے حقوق کا بیان بھی۔ شہریت کے اصول بھی درج ہیں اور عدالت کے قواعد بھی۔ شخصی نصائح بھی ہیں اور عمومی مواعظ بھی۔ مختصر الفاظ میں اس کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ یہ خدا تعالیٰ کے کلام سے کمتر اور بندوں کے کلام سے بڑھ چڑھ کر ہے۔

حضرت علیؓ کی جانب ایک دیوان بھی منسوب کیا جاتا ہے جو پندرہ سو اشعار پر مشتمل ہے لیکن اکثر مؤرخین یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے دو اشعار کے سوا اور کوئی شعر نہیں کہا۔

نہج البلاغہ میں درج کئے جانے والے خطوط اور حکیمانہ اقوال کے علاوہ بعض اور خطوط اور

حکیمانہ اقوال بھی آپ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن ان کے بارہ میں مؤرخین کو شک ہے کہ آیا وہ واقعی حضرت علیؓ ہی کے ہیں یا دوسروں کے اقوال آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

ہم نے اس فصل میں جو کچھ بیان کیا ہے اس سے قارئین کو اس وقت تک حضرت علیؓ کی ادبی شخصیت کا پورا اندازہ نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے خطبوں، خطوط و رسائل اور حکیمانہ اقوال کے کچھ نمونے ان کے سامنے پیش نہ کئے جائیں۔ اس غرض سے صفحاتِ آئندہ میں آپ کے کلام کا کچھ نمونہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اسے پڑھ کر حضرت علیؓ کی ادبی، مذہبی اور سیاسی شخصیت کا کافی حد تک اندازہ ہو سکے گا۔

---

(۳۰)

حضرت علیؓ کے خطبات

حضرت معاویہؓ کے حکم سے سفیان بن عوف الغامدی نے انبار پر چڑھائی کی تھی اس موقعہ پر حضرت علیؓ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مندرجہ ذیل خطبہ پڑھا تھا اور انہیں دشمن کا مقابلہ کرنے کی غیرت دلائی تھی۔ آپ نے فرمایا:

"یاد رکھو جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جس شخص نے جان بوجھ کر اس سے روگردانی کی اللہ تعالیٰ اسے ذلت کا لباس پہنائے گا۔ مصائب کا پہاڑ اس کے سر پر ٹوٹ پڑے گا۔ خواری کا طوق اس کے گلے میں ڈالا جائے گا اور اسے اپنے حق سے محروم کر دیا جائے گا۔ میں تمہیں شامیوں سے لڑنے کے لئے شب و روز بلاتا رہا۔ میں تم سے بار بار کہتا رہا کہ قبل اس کے کہ یہ لوگ تم پر حملہ کریں تم ان پر چڑھائی کر دو۔ کیونکہ جس قوم پر حملہ کیا جاتا ہے اور جس کے علاقہ میں اس کے دشمنوں کے پاؤں پہنچ جاتے ہیں وہ ذلیل اور رسوا ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ لیکن تم نے میری بات پر مطلق کان نہ دھرا اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے۔ میری نصیحتیں تمہیں گراں گزرتی تھیں

اور میری باتوں کو تم ہنسی میں اڑا دیتے تھے۔ اس لاپرواہی کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ اب تمہارے سامنے ہے۔ تمہارے علاقہ پر دشمن نے چڑھائی کر دی۔ سفیان بن عوف غامدی کے گھوڑے انبار تک پہنچ گئے اور تمہیں اپنے گھوڑوں کو پیچھے ہٹاتے ہی بن پڑی۔ تمہارے کئی بہادر جان سے مارے گئے۔ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ان لوگوں نے مسلمان اور ذمی عورتوں کے کنگن، پازیب اور بالیاں تک اتار لیں۔ انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار خوب گرم کیا اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر واپس گئے لیکن ان کے کسی آدمی کو خراش تک نہ آئی۔ اس کے بعد اگر کوئی مسلمان افسوس اور رنج کے مارے اپنی جان گنوا دیتا ہے تو میرے نزدیک وہ ملامت کے قابل نہیں ہے بلکہ ایسی موت کا قرار واقعی مستحق ہے۔ کیا ہی تعجب ہے کہ ایک قوم باطل پر ہونے کے باوجود اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے پوری جدوجہد کرتی ہے اور تم حق پر ہونے کے باوجود بزدلی دکھاتے ہو۔ افسوس تم دشمنوں کا نشانہ بن گئے جس پر وہ جی بھر کر تیر چلاتا ہے۔ تم مال غنیمت بن گئے جس کو وہ جی بھر کر لوٹتا ہے لیکن تمہاری غیرت کی حس بالکل مردہ ہو چکی ہے۔ تمہارے علاقہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ لیکن تم خاموش بیٹھے رہتے ہو۔ تم پر چڑھائی کی جاتی ہے لیکن تم میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا ولولہ بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ علی الاعلان اللہ کی نافرمانی کی جاتی ہے لیکن تمہارے دلوں میں قطعاً درد پیدا نہیں ہوتا۔ جب میں تمہیں گرمی میں شام کی طرف کوچ کرنے کو کہتا ہوں تو تم یہ عذر کر دیتے ہو کہ اب سخت گرمی ہے۔ ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔ جب گرمی گذر جائے گی تب ہم چلیں گے لیکن جب سردی آتی ہے تو تم سخت سردی کا عذر کر کے کہہ دیتے ہو کہ ہمیں مہلت دیجئے جب سردی گذر جائے گی تب ہم چلیں گے۔ نہ تم گرمی کی تاب لا سکتے ہو نہ سردی کی۔ جب تمہاری یہ حالت ہے کہ تم گرمی اور سردی تک سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم تلوار سے تو ضرور ہی بھاگو گے۔ اے وہ لوگو! جو مردوں کے مشابہ ہو لیکن مرد نہیں ہو، میری خواہش ہے کہ خدا تعالیٰ مجھے تمہارے درمیان سے

اٹھالے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری صورتیں بھی مجھے نہ دکھائی دیں اور مجھے تم سے
کسی قسم کا تعلق نہ ہو۔ خدا کی قسم میں ندامت سے حیران ہوں۔ تم نے میرے
دل کو غیظ و غضب سے بھر دیا ہے۔ تم نے مجھے موت کے گھونٹ پلانے چاہے
ہیں۔ تم نے مجھ سے سرکشی کر کے، میرے احکام کی سرتابی کر کے اور مجھے چھوڑ کر
میری تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا ہے۔ اسی وجہ سے قریش یہ کہنے لگے کہ ابن
ابی طالب شجاع تو ہے لیکن اسے جنگ کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ خدا ان کا بھلا
کرے ان میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ جنگ کا ماہر اور تجربہ کار نہیں ہے
جتنا لمبا تجربہ جنگ کا مجھے حاصل ہے اور کسی شخص کو حاصل نہیں۔ میں ابھی
بیس برس کی عمر کو بھی نہیں پہنچا تھا کہ مجھے جنگ کی پوری مہارت حاصل ہو گئی تھی
اب میں ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکا ہوں لیکن جب تک کسی رائے اور تجربہ پر عمل نہ
کیا جائے محض رائے اور تجربہ کا کوئی فائدہ نہیں۔"

ایک خطبہ میں اپنے دشمنوں کا بایں الفاظ ذکر فرماتے ہیں:

"انہوں نے اپنے کاموں میں شیطان کو شریک بنا لیا ہے۔ شیطان نے ان کے
سینوں میں انڈے بچے دیئے ہیں اور وہ ان کی عقلوں پر پوری طرح قابض ہو گیا ہے
اب ان کی آنکھوں سے شیطان دیکھتا ہے اور ان کی زبانوں سے شیطان بولتا ہے
وہی ان سے گناہوں کا ارتکاب کرا رہا ہے اور بری باتوں کو خوبصورت بنا کر ان کے
سامنے پیش کر رہا ہے۔"

اہلِ بصرہ کی مذمت میں خطبہ ارشاد فرماتے ہیں:

"تم ایک خاتون[1] کا لشکر ہو اور ایک حیوان[2] کی پیروی کرنے والے۔ جب وہ جانور
آواز نکالتا ہے تو تم اس کو جواب دیتے ہو لیکن جب اس کی کونچیں کاٹ ڈالی جاتی
ہیں تو بھاگ جاتے ہو۔ تمہارے اخلاق نہایت گرے ہوئے ہیں۔ تمہارے وعدے
جھوٹے ہیں۔ تمہارا دین نفاق پر مبنی ہے۔ میں تمہاری مسجد میں اس کشتی کی مانند ہوں
جو قیامت خیز طوفان میں بہہ رہی ہو۔ جو شخص اس کشتی میں سوار ہو گیا وہ بچ گیا اور

---

[1] ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ [2] اونٹ۔ حضرت علیؓ اس خطبہ میں جنگِ جمل کا ذکر فرما رہے ہیں۔

جو شخص سوار نہ ہوا وہ غرق ہو گیا"

ایک خطبہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہر قسم کی تعریف ہے اس اللہ کے لئے جو اول بھی ہے اور آخر بھی، جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ اس کے علاوہ ہر عزیز ذلیل ہے، ہر قوی ضعیف ہے، ہر مالک مملوک ہے، ہر عالم متعلّم ہے، ہر قادر عاجز ہے، ہر سمیع بہرہ ہے۔ کیونکہ وہ لطیف آوازوں کو نہیں سُن سکتا۔ ہر بصیر اعمیٰ ہے کیونکہ وہ مخفی رنگوں اور لطیف اجسام کو نہیں دیکھ سکتا۔ ہر ظاہر باطن ہے اور ہر باطن ظاہر۔ جو چیز اس نے پیدا کی ہے اسے پیدا کرنے کی اور کسی میں قدرت نہیں۔ اسے زمانہ کے عواقب خوف زدہ نہیں کر سکتے۔ اسے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ تمام مخلوق اسی کی پروردہ ہے تمام بندے اسی کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وہ کسی چیز میں محلول نہیں ہے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ وہ فلاں چیز میں پایا جاتا ہے، وہ کسی چیز سے منفصل نہیں ہے تاکہ یہ نہ کہا جا سکے کہ وہ فلاں چیز سے علیحدہ ہے۔ اسے کسی چیز کے پیدا کرنے میں مشقت، تکلیف اور عجز کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔ جو کچھ گزر گیا اور جو کچھ آئندہ پیش آنے والا ہے اس میں اس کو کسی قسم کا شبہ نہیں ہے۔ اس کی قضا یقینی، اس کا علم محکم اور اس کا حکم مبرم ہے جو کسی صورت میں ٹلنے والا نہیں۔"

استسقاء کی دعا:

"اے اللہ! ہمارے پہاڑ خشک ہو گئے ہیں، ہماری زمین پر خاک اڑنے لگی ہے، ہمارے جانوروں کے حلق پیاس کی وجہ سے خشک ہو چکے ہیں، وہ بڑی بے تابی سے اپنے احاطوں میں کھڑے نہایت دردناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔ وہ بار بار چارے اور پانی کی تلاش میں چراگاہوں میں پھرتے ہیں اور گھاٹ پر جاتے ہیں لیکن ناکام واپس آتے ہیں۔

اے اللہ! گڑگڑانے والوں کی گڑگڑاہٹ پر رحم فرما۔ اے اللہ! ان جانوروں پر رحم فرما جو چراگاہوں میں حیران و سرگردان پھر رہے ہیں اور اپنے باڑوں میں

دردناک آوازوں سے چیخ رہے ہیں۔

اے اللہ! ہم تیرے حضور اس وقت حاضر ہوئے ہیں جب کہ قحط سالی کی انتہا ہو چکی ہے۔ آسمان پر بارش برسانے والے بادلوں کا کہیں نام ونشان بھی نہیں ہے۔ ایسے وقت میں تو ہی مایوس لوگوں کی امید اور عاجزی سے دعا مانگنے والوں کی دعا قبول کرنے والا ہے۔ ہم تجھے اس وقت پکار رہے ہیں جب تیری مخلوق بارش سے ناامید ہو چکی ہے۔ بادلوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔ مویشی ہلاک ہو رہے ہیں اے اللہ! تو ہمارے اعمال کی پاداش میں ہمیں نہ پکڑ، تو ہمارے گناہوں کے بدلے ہمیں سزا نہ دے، تو ہم پر اپنی رحمت کا سایہ نازل فرما، تو ہمارے لئے پانی سے بھرپور بادل بھیج جو آ کر کثرت سے بارش برسائیں اور مری ہوئی زمین کو دوبارہ زندہ کر دیں۔

اے اللہ! تو ایسی بارش برسا جو بابرکت ہو۔ روئیدگی اور سبزہ پیدا کرنے والی ہو جس سے تیرے ضعیف اور کمزور بندے فرحت اور توانائی حاصل کریں۔ جس سے مردہ علاقے پھر تروتازہ اور سرسبز ہو جائیں اور ہمارے مویشی بافراغت چارہ حاصل کر سکیں۔

اے اللہ! اپنی غریب اور کمزور مخلوق اور بے زبان جانوروں کو اپنے کرم سے نواز اور ان پر اپنی بے پایاں برکات نازل فرما۔ تو اپنی رحمت سے ہمارے لئے ایسا بادل بھیج جو پانی سے بھرا ہوا ہو اور جو آ کر موسلادھار بارش برسائے ایسا بادل نہ بھیج جس کی کڑک، گرج اور چمک ہمیں دھوکا دے اور جو پانی سے بالکل خالی ہو۔ اے اللہ! خشک زمین کو سیراب کر اور قحط زدہ لوگوں کو آرام اور چین مرحمت فرما۔"

---

(۳۱)

حکیمانہ اقوال

۱۔ جب دنیا کسی پر مہربان ہوتی ہے تو دوسرے شخص کے محاسن بھی اسی کو دے دیتی ہے اور جب اس سے منہ موڑتی ہے تو اس کی اپنی خوبیاں بھی چھین لیتی ہے۔

۲۔ لوگوں کے ساتھ میل ملاپ رکھو تاکہ جب تم مرجاؤ تو وہ تم پر روئیں اور جب تک تم زندہ رہو وہ تم سے محبت کا برتاؤ کرتے رہیں۔

۳۔ اگر تم اپنے دشمن پر قابو پالو تو قابو پانے کے شکریہ میں اسے معاف کر دو۔

۴۔ وہ شخص ناکام ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل نہ کر سکے لیکن سب سے زیادہ ناکام وہ شخص ہے جو اپنے بھائیوں کی دوستی حاصل کرنے کے بعد پھر اسے کھو دے۔

۵۔ اگر تم منعم کا شروع ہی میں شکریہ ادا نہ کرو گے تو آئندہ حاصل ہونے والی نعمت کو ہاتھ سے کھو دو گے۔

۶۔ تم صاحب مروت لوگوں کی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا کرو۔ کیونکہ ان میں جو شخص لغزش کھاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاتھ سے اٹھاتا ہے۔

۷ - بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کی جائے اور مصیبت زدوں کی تکالیف دور کی جائیں۔

۸ - کوئی شخص کسی بات کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ چھپائے لیکن کبھی نہ کبھی وہ بلا ارادہ بلا سوچے سمجھے اس کی زبان یا اس کے چہرے سے ظاہر ہو ہی جائے گی۔

۹ - جب تک بیماری کی حالت میں کام ہو سکتا ہے کام کئے جاؤ۔

۱۰ - بہترین زہد یہ ہے کہ اپنے زہد کو چھپایا جائے۔

۱۱ - سخی بنو لیکن فضول خرچ نہ بنو۔ میانہ روی اختیار کرو لیکن کنجوس نہ بنو۔

۱۲ - عاقل کی زبان اس کے دل کی تابع ہوتی ہے اور احمق کا دل اس کی زبان کے تابع ہوتا ہے[1]۔

۱۳ - اگر کسی غلطی سے تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ غلطی اس نیکی سے اچھی ہے جس سے تم مغرور ہو جاؤ۔

۱۴ - نیک دل انسان کے حملہ سے ڈرو جب وہ بھوکا ہو، اور کمینے شخص کے حملہ سے ڈرو جب وہ سیر ہو۔

۱۵ - جب تک تیرا بخت یاور ہے تیرا عیب بھی چھپا ہوا ہے۔

۱۶ - عفو و درگذر کرنے کے لائق سب سے زیادہ وہ شخص ہے جسے سزا دینے میں کوئی روک نہ ہو۔

۱۷ - سخاوت وہ ہے جو بلا مانگے کی جائے۔ مانگنے پر سخاوت، سخاوت نہیں ہوتی بلکہ حیا اور تذمم[2] ہوتی ہے۔

۱۸ - عقل سے بڑھ کر اور کوئی دولت نہیں۔ جہالت سے بڑھ کر اور کوئی فقر نہیں۔ ادب سے

---

[1] اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقل جو کچھ کہتا ہے خوب سوچ سمجھ کر کہتا ہے۔ بے احتیاطی سے کوئی لفظ نہیں نکالتا۔ لیکن احمق بے سوچے سمجھے جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ حضرت علیؓ سے اسی قسم کا ایک اور فقرہ بھی مروی ہے جو یہ ہے "احمق کا دل اس کے منہ میں ہوتا ہے اور عاقل کی زبان اس کے دل میں"۔

[2] تذمم کے لغوی معنے مذمت سے بچنے کے ہیں۔

بڑھ کر اور کوئی میراث نہیں۔ مشورہ سے بڑھ کر اور کوئی مددگار نہیں۔

۱۹۔ صبر دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک صبر اس چیز پر جسے تو ناپسند کرتا ہے اور ایک صبر اس چیز پر جسے تو پسند کرتا ہے۔

۲۰۔ قناعت وہ مال ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

۲۱۔ مال شہوات کا مادہ و بنیاد ہے۔

۲۲۔ جس شخص نے تجھے ڈرایا وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے تجھے خوشخبری دی۔

۲۳۔ کسی حاجت مند کو تھوڑی چیز دینے سے نہ شرماؤ۔ کیونکہ بالکل ہی نہ دینا اس سے بدتر ہے۔

۲۴۔ ناشکری فقر کا زینہ ہے اور شکر دولتمندی کا زینہ۔

۲۵۔ جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام گھٹ جاتا ہے (یعنی عاقل لوگ بہت کم کلام کرتے ہیں)

۲۶۔ جو شخص اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے امام کے طور پر پیش کرے اسے چاہیئے کہ دوسرے لوگوں کو تعلیم دینے سے پہلے اپنے نفس کو تعلیم دے۔ لوگوں کو اپنی زبان کے ذریعہ ادب سکھانے سے پہلے اپنی سیرت اور نمونہ کے ذریعہ ادب سکھائے۔ اپنے نفس کا معلّم اور مؤدِّب لوگوں کے معلّم اور مؤدّب سے زیادہ عزت اور تکریم کا مستحق ہے۔

۲۷۔ حکمت مومن کی گم شدہ چیز ہے۔ اس لئے اگر حکمت منافقوں کے پاس بھی ملے تو وہاں سے بھی حاصل کرو۔

۲۸۔ کسی شخص کی قیمت وہی ہوتی ہے جو وہ خود اپنے لئے مقرر کرتا ہے۔

۲۹۔ جس شخص نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے مابین معاملہ درست رکھا اللہ تعالیٰ اس کے اور دوسرے لوگوں کے درمیان بھی معاملہ درست ہی رکھے گا۔ جس شخص نے اپنی آخرت سُدھار لی اللہ تعالیٰ اس کی دنیا بھی سُدھار دے گا۔ جس شخص کا نفس اسے نصیحت کرنے والا ہو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔

۳۰۔ دل اسی طرح اُکتا جاتے ہیں جس طرح جسم تھک جاتے ہیں۔ تم ان کی اُکتاہٹ اور تھکاوٹ

کرو ور کرنے کے لئے حکیمانہ اور پُرلطف باتیں بیان کیا کرو۔

۳۱۔ اپنے جسموں کی آغازِ سرما میں خوب نگہداشت کرو۔ کیونکہ سردی جسموں پر وہی عمل کرتی ہے جو درختوں پر کرتی ہے۔ شروع میں انہیں جلا دیتی ہے اور آخر میں انہیں سرسبز کردیتی ہے۔

۳۲۔ کوئی دوست اس وقت تک دوست نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ تین موقعوں پر اپنے بھائی کی بُرائی کرنے سے باز نہیں رہتا۔ اس کی نکبت اور افلاس کے وقت، اس کی غیرحاضری میں اور اس کے مرنے کے بعد۔

۳۳۔ تفکرات آدھا بڑھاپا ہوتے ہیں۔

۳۴۔ اپنے بھائی پر احسان کر کے اس پر ناراض ہو اور اس پر انعام و اکرام کر کے اس کے شر کو لوٹا دو۔

۳۵۔ انسان اپنی زبان کے نیچے چھپا ہوا ہوتا ہے۔

۳۶۔ جہاں خالق کی نافرمانی ہوتی ہے وہاں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں

۳۷۔ اکثر اوقات ایک لقمہ کئی لقموں کو روک دیتا ہے۔

۳۸۔ جب تو اپنے دل سے بدی کو مٹا دے گا تو دوسرے شخص کے دل سے بھی بدی کا قلع قمع کر دے گا۔

۳۹۔ جس طرح جہالت کی بات کہنے میں کسی قسم کی بھلائی نہیں ہے اسی طرح حکمت کی بات پر خاموش رہنے میں بھی بھلائی نہیں ہے۔

۴۰۔ اے ابنِ آدم! تو اپنی مقررہ روزی سے زیادہ جو کچھ کمائے اس میں تیرے بھائی تیرے شریک ہیں اور تو اس مال پر صرف نگہبان کی حیثیت رکھتا ہے۔

۴۱۔ ہر برتن ان چیزوں سے بالآخر بھر جاتا ہے جو اس میں ڈالی جاتی ہیں۔ لیکن علم کا برتن نہیں بھرتا جتنا جتنا علم اس میں ڈالا جاتا ہے اتنا اتنا وہ بڑھتا جاتا ہے۔

۴۲۔ تکلیف کو برداشت کر، کیونکہ جو شخص تکلیف برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساری عمر طول ہی رہتا ہے۔

۴۳۔ اکثر انسانوں کی عقلیں سیم و جواہر کی چمک دیکھ کر جاتی رہتی ہیں۔

۴۴۔ نیک دل انسان کا بہترین کام یہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے ان عیوب سے چشم پوشی کرے جو اس کے علم میں آئیں۔

۴۵۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اپنی کسی غرض کو مدِ نظر رکھ کے کرتے ہیں وہ تاجروں کی سی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس کی عبادت کرتے ہیں وہ غلاموں کی سی عبادت کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکرگزار ہیں اس کی عبادت کرتے ہیں وہ آزاد بندوں کی سی عبادت کرتے ہیں۔

۴۶۔ جو چھوٹے ہاتھ سے سخاوت کرتا ہے اسے بڑے ہاتھ سے دیا جاتا ہےؔ۔

۴۷۔ دنیا کی تلخی آخرت کی شیرینی ہوتی ہے اور دنیا کی شیرینی آخرت کی تلخی۔

۴۸۔ جب تم غریب ہو جاؤ تو صدقہ کے بدلے اللہ تعالیٰ سے تجارت کا سودا کرو۔

۴۹۔ تھوڑا کام جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے اس بڑے کام سے بہتر ہے جو انسان کو تھکا دے اور آخر اسے چھوڑنا پڑے۔

۵۰۔ احمق کے کبھی ساتھی نہ بنو۔ کیونکہ وہ اپنے کام کو تمہاری نظروں میں اچھا دکھانے کی کوشش کرے گا اور یہ بھی چاہے گا کہ تم بھی اسی جیسے بن جاؤ۔

۵۱۔ تیرے دوست تین ہیں اور تیرے دشمن بھی تین۔ تیرے دوست یہ لوگ ہیں (۱) تیرا دوست (۲) تیرے دوست کا دوست (۳) تیرے دشمن کا دشمن۔ اسی طرح تیرے دشمن یہ لوگ ہیں (۱) تیرا دشمن (۲) تیرے دوست کا دشمن (۳) تیرے دشمن کا دوست۔

۵۲۔ انسان ابناءِ دنیا ہیں اور وہ اپنی ماں سے محبت کرنے کی بنا پر ملامت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

ؔ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ جو شخص نیکی کے راستہ میں اپنا مال خواہ وہ کتنا تھوڑا ہی کیوں نہ ہو خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اس جگہ ہاتھوں سے مراد نعمتیں ہیں۔ حضرت علیؓ نے اس فقرہ میں بندہ کی نعمت اور خدا تعالیٰ کی نعمت کا مقابلہ کیا ہے اور بندے کی دی ہوئی نعمت کو چھوٹی نعمت اور خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو بڑی نعمت بتایا ہے۔

۵۳ - انسان اپنے بیٹے کے کھوئے جانے پر تو سو سکتا ہے لیکن اپنا مال ضائع ہونے پر نہیں سو سکتا۔[1]

۵۴ - پتھر کو جہاں سے وہ آیا ہے وہیں لوٹا دو۔ کیونکہ بُرائی بُرائی سے ہی دور کی جا سکتی ہے۔

۵۵ - تیری آنکھ کا پانی (شرم)، اس وقت تک باقی رہ سکتا ہے جب تک تو سوال نہ کرے۔ جونہی تو سوال کرے گا یہ پانی ڈھل جائے گا۔

۵۶ - جو شخص بغاوت کی تلوار سونتتا ہے وہ اسی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔ جو شخص سخت محنت کرتا ہے بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ جو شخص گہرے پانی میں گھستا ہے غرق ہو جاتا ہے۔ جو شخص بُرائیوں کے اڈوں میں جاتا ہے وہ بھی بدی سے متہم ہو جاتا ہے۔

۵۷ - جو شخص دوسرے لوگوں کے عیب دیکھ کر انہیں بُرا جانتا ہے لیکن پھر خود وہی عیب اختیار کر لیتا ہے اس سے بڑھ کر احمق اور کوئی نہیں۔

۵۸ - جو شخص باتونی ہو گا زیادہ غلطیاں کرے گا۔ جو زیادہ غلطیاں کرے گا اس کی شرم کم ہو جائے گی۔ جس کی شرم کم ہو جائے گی اس کی پرہیزگاری میں فرق آ جائے گا۔ جس کی پرہیزگاری میں فرق آ جائے گا اس کا دل مر جائے گا اور جس کا دل مر جائے گا وہ دوزخ میں داخل ہو گا۔

۵۹ - جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق کوئی لفظ زبان سے نہ نکال۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر اس چیز کے متعلق بھی جس کا تجھے پتہ ہے زبان نہ کھول۔

۶۰ - جس نے حق کا مقابلہ کیا وہ شکست کھائے گا۔

۶۱ - عہدے اور منصب لوگوں کے مضامیر[2] ہیں۔

---

[1] مطلب یہ ہے کہ انسان اپنی اولاد کی موت پر تو صبر کر سکتا ہے لیکن مال کے چھن جانے پر صبر نہیں کر سکتا۔

[2] مضامیر ان جگہوں کو کہتے ہیں جہاں گھوڑوں کو گھوڑ دوڑ کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو عہدے اور منصب مل جاتے ہیں دوسرے لوگوں سے ان کی سابقیت اور فضیلت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۶۲- دو شخص کبھی سیر نہیں ہوتے۔ علم کا طالب اور مال کا طالب۔

۶۳- جو شخص چار باتیں کرے گا چار چیزوں سے کبھی محروم نہیں رہے گا۔ دعا کرنے والا راستی سے، توبہ کرنے والا قبولیت سے، استغفار کرنے والا مغفرت سے اور شکر کرنے والا زیادتی سے۔

۶۴- تین چیزیں جنت کے خزانوں میں سے ہیں (۱) بیماری کا چھپانا (۲) صدقہ و خیرات کا چھپانا۔ (۳) مصیبت کا چھپانا۔

۶۵- اے ابنِ آدم! جب تو یہ دیکھے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ تجھے برابر اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے اور تو اس کی نافرمانی کر رہا ہے تو خدا تعالیٰ سے ڈر۔

۶۶- امیری میں سفر بھی وطن ہے اور غریبی میں وطن بھی سفر۔

۶۷- کتنی عقلیں ہیں جو حاکموں کی خواہشات کے نیچے دبی ہوتی ہیں۔

---

(۴۲)

امیر المومنین کی رائیں اور مزاح

ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ کیا ہمارا شام چلنا قضائے الٰہی کے تحت ہے؟
جواب میں آپ نے فرمایا:
"شاید تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہر چیز قضا و قدر سے وابستہ ہے اور خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ ٹل نہیں سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو ثواب و عذاب کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ نیک عمل کرنے والوں کو جنت کے وعدے اور بدی پر کمربستہ رہنے والوں کو جہنم کے ڈراوے نہ دیئے جاتے اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کو اچھے بُرے کام کرنے کا اختیار دیا ہے اور ان کے کاموں پر ہی جزا و سزا کا دارومدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں بہت آسانی رکھی ہے اور اپنے بندوں کو صرف انہی باتوں کا مکلف کیا ہے جو وہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔ اس نے تھوڑے عمل کے بدلے بہت بڑے انعام کا وعدہ کیا ہے۔ اس نے انبیاء کو تفریحاً نہیں بھیجا۔ قرآنِ کریم کو بندوں کے لئے بیکار نازل نہیں کیا۔ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، اسے یوں ہی پیدا نہیں کیا۔ یہ خیال صرف کافروں کا ہے اور کافروں کے لئے آگ ہی ٹھکانہ ہے۔"

ایک شخص نے آپ سے ایمان کے متعلق پوچھا آپ نے فرمایا:

" ایمان چار ستونوں پر قائم ہے۔ صبر، یقین، عدل اور جہاد۔ صبر کی بنیاد بھی چار چیزوں ـــــ شوق، خوف، زہد اور انتظار ـــــ پر ہے۔ جو کوئی جنت کا خواہشمند ہے وہ شہوات سے کنارہ کشی اختیار کرے گا۔ جس کو دوزخ کا خوف ہے وہ محرّمات سے بچے گا۔ جو دنیا سے بے رغبتی اختیار کرے گا اسے مصائب کی کوئی پروانہ ہوگی اور جو شخص موت کا انتظار کرتا رہے گا وہ نیک کاموں میں عجلت سے کام لے گا۔

یقین کی بنیاد بھی چار باتوں ـــــ زیرکی، وقت رسی، عبرت اندوزی اور سنت الاوّلین ـــــ پر ہے۔ جو شخص زیرکی اختیار کرے گا اسے حکمت کی دقیق ترین باتوں کا علم ہو جائے گا اور جسے حکمت کی دقیق ترین باتوں کا علم ہو جائے گا وہ دوسرے لوگوں سے ضرور عبرت حاصل کرے گا اور اس طرح وہ گویا پہلے لوگوں ہی کے زمرہ میں شامل ہو جائے گا۔

عدل کی بنیاد بھی چار باتوں پر ہے۔ اچھی طرح سمجھنے پر، کسی چیز کے ظاہر و باطن کو باریک نظر سے دیکھنے پر، حکمت پر اور حلم پر۔ جو شخص علم کو اچھی طرح سمجھ لے گا وہ اس کے ظاہر و باطن کو لازماً باریک نظر ہی سے دیکھے گا، اور جو شخص علوم ظاہری و باطنی کو باریک نظر سے دیکھے گا وہ حکیمانہ باتیں ہی کرے گا۔ جو شخص علم و بردباری اختیار کرے گا وہ کبھی زیادتی سے کام نہ لے گا اور لوگوں کے درمیان نہایت اچھے طریقہ سے زندگی بسر کرے گا۔

جہاد کی بنیاد بھی چار باتوں پر ہے۔ امر بالمعروف پر، نہی عن المنکر پر، لڑائی کے موقعہ پر ثابت قدم رہنے پر اور فاسقوں سے دشمنی رکھنے پر۔ جو شخص لوگوں کو نیک کاموں کی تلقین کرے گا وہ مومنوں کی قوت کو مضبوط کرے گا۔ جو شخص لوگوں کو بدی کے کاموں سے روکے گا وہ کافروں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے گا۔ جو شخص لڑائی کے موقعہ پر ثابت قدم رہے گا وہ فتح یاب ہوگا۔ جو شخص فاسقوں سے دشمنی رکھے گا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی ان سے ناراض ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی خاطر اس کے دشمنوں سے ناراض ہوگا اور قیامت کے دن اسے اپنی رضا کی نعمتِ عظمیٰ سے بہرہ ور کرے گا۔"

" ایمان دل کے یقین، زبان کے اقرار اور ارکانِ اسلام پر عمل کرنے کا نام ہے۔"

"کفر بھی چار ستونوں پر قائم ہے۔ (۱) اوہام کے اتباع پر (۲) لڑنے جھگڑنے پر (۳) کجی پر (۴) مخالفت اور دشمنی پر۔ جو شخص اوہام کی پیروی اختیار کرے گا اسے حق کی جانب رجوع کرنے کی توفیق نہ ہوگی۔ جو شخص اکثر ازراہِ جہالت لڑتا جھگڑتا رہے گا حق و صداقت کی جانب سے ہمیشہ اس کی نظریں ہٹی رہیں گی۔ جو شخص کجی اختیار کرے گا وہ نیکی کو برائی سمجھے گا اور برائی کو نیکی۔ وہ ضلالت اور گمراہی کے نشہ میں مدہوش ہو جائے گا۔ جو شخص ہمیشہ دوسروں کی مخالفت اور دشمنی پر کمربستہ رہے گا وہ دائماً اپنے مخالف کے راستہ کے اُلٹ راستہ اختیار کرے گا اس لئے ہمیشہ گمراہی میں پھنسا رہے گا اور اس سے نکلنا اس کے لئے انتہائی دشوار ہوگا۔"

"شک کی بنیاد چار باتوں پر ہے (۱) ناحق جھگڑنے پر (۲) دہشت پر (۳) تردد پر اور (۴) تابعداری پر۔ جس نے ناحق جھگڑنے کی عادت کو اپنا لیا وہ شک کے اندھیرے سے کبھی یقین کی روشنی تک راہ نہ پا سکے گا۔ جو شخص اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ کر دہشت زدہ ہے گا وہ بالآخر الٹے پاؤں واپس ہو جائے گا۔ جو شخص متردد رہے گا، شیطان اس پر قابو پالیں گے جو شخص اپنی دنیا اور آخرت کی تباہی پر راضی ہو جائے گا وہ دنیا میں بھی ہلاک ہوگا اور آخرت میں بھی۔"

ایک شخص نے آپ کے سامنے کہا: "استغفراللہ" (میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتا ہوں)، آپ نے اس سے فرمایا:

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ استغفار کیا ہوتا ہے؟ استغفار کا حق علیین کو ہے۔ چھ باتیں کرنے کے بعد پھر استغفار کرنے کا درجہ آتا ہے (اول) جو گناہ تم سے سرزد ہوا اس پر ندامت کا اظہار کرو۔ (دوم) برائی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کا عزم کرو۔ (سوم) مخلوق کو ان کے حقوق آخر وقت تک ادا کرو اور خدا تعالیٰ کے حضور بالکل پاک صاف ہو کر حاضر ہو۔ (چہارم) یہ کہ ہر اس فریضہ کی طرف متوجہ ہو جو تم سے چھوٹ گیا تھا اور اسے ادا کرو۔ (پنجم) یہ کہ اس گوشت کی طرف توجہ کرو جو حرام کی کمائی کی وجہ سے تم پر چڑھ گیا ہو اور رنج و غم کی گرمی سے اس کو یہاں تک پگھلا دو کہ گوشت کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ کھال ہڈیوں سے چمٹ جائے اور ہڈیوں اور کھال کے درمیان نیا گوشت پیدا ہو جائے۔ (ششم) یہ کہ تم اپنے جسم کو اطاعت کا اتنا مزا چکھاؤ جتنا

تم نے اسے معصیت کا مزا چکھایا تھا اس وقت تم کہہ سکتے ہو" استغفراللہ"۔

مزاح :۔

"عورت ساری کی ساری بُری ہے اور جو کچھ اس کے دل میں ہوتا ہے وہ بھی بُرا ہوتا ہے"

"عورت بچھو ہے جس نے شیرینی کا لباس پہن رکھا ہے"۔

"عورتوں کی تین اچھی خصلتیں مردوں کی بُری خصلتیں ہوتی ہیں یعنی تکبر، بزدلی اور بخل۔ اگر عورت مغرور ہوتی ہے تو طبعی طور پر ہوتی ہے جان بوجھ کر نہیں ہوتی۔ اگر وہ بخیل ہوتی ہے تو اپنے مال کی حفاظت بھی کرتی ہے اور اپنے شوہر کے مال کی حفاظت بھی اور اگر بزدل ہوتی ہے تو ہر اس چیز سے کنارہ کشی اختیار کرتی ہے جو اس کے سامنے آتی ہے"۔

جنگِ جمل کے بعد آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

"اے لوگو! عورتیں ناقص الایمان اور ناقص العقل ہوتی ہیں۔ بُری عورتوں سے تو لازماً بچو ہی۔ نیک عورتوں سے بھی پرے پرے ہی رہو۔ اچھی بات میں بھی ان کی اطاعت نہ کرو تاکہ وہ بُرائی کے کاموں کی طرف تمہیں متوجہ کرنے کے متعلق سوچ بھی نہ سکیں"۔

ایک مرتبہ آپ نے جابر بن عبداللہ انصاری سے فرمایا:

" اے جابر! دنیا چار قسم کے لوگوں کے سہارے قائم ہے (۱) عالم جو اپنے علم کو برابر استعمال میں لاتا رہتا ہے (۲) جاہل جو علم سیکھنے کو بُرا نہیں سمجھتا (۳) امیر جو کبھی بخل نہیں کرتا۔ (۴) فقیر جو اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے نہیں بیچ ڈالتا۔ اگر عالم اپنے علم کو ضائع کر دے گا تو جاہل علم سیکھنے کو بُرا سمجھنے لگے گا اور اگر امیر بخل کرے گا تو فقیر اپنی آخرت کو اپنی دنیا کے بدلے بیچ دے گا۔

اے جابر! جس شخص کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہتات ہو جاتی ہے حاجت مند لوگ بھی اس کے پاس کثرت سے جانے لگتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان نعمتوں کو دوام اور بقا عطا کر دیتا ہے

لیکن جو شخص انہیں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال نہیں کرتا اور اپنے واجبات کو فراموش کر دیتا ہے تو وہ نعمتیں کم ہوتے ہوتے آخر بالکل ختم ہو جاتی ہیں۔"

ایک مرتبہ کسی شخص نے آپ سے کوئی مشکل مسئلہ دریافت کیا آپ نے فرمایا:

"جو کچھ پوچھنا ہے وہ تفقہ اور مزید علم حاصل کرنے کے لئے پوچھو۔ محض تنگ کرنے اور اعتراض کے لئے نہ پوچھو۔"

آپ سے دریافت کیا گیا کہ عاقل کی صفت بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

"عاقل وہ ہے جو چیز کو اس کے موقعہ اور محل پر رکھتا ہے۔"

پھر کہا گیا کہ جاہل کی صفت بھی بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

"اس کی صفت میں نے بیان کر دی ہے۔"

اوباش لوگوں کی تعریف آپ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی:

"اوباش وہ لوگ ہیں کہ جمع ہوں تو نقصان پہنچائیں اور منتشر ہو جائیں تو فائدہ۔"

لوگوں نے کہا کہ ہمیں ان کے اجتماع کی مضرت کا تو پتہ چل گیا لیکن ان کے منتشر ہونے کی وجہ سے فائدہ حاصل ہونے کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

آپ نے فرمایا:

"جب وہ لوگ منتشر ہو جائیں گے تو مزدور اپنے اپنے کاموں میں لگ جائیں گے۔ معمار عمارتیں بنانے میں، جولاہے کپڑا بننے میں اور نانبائی روٹیاں پکانے میں مشغول ہو جائیں گے اس طرح لوگوں کو اوباشوں کے منتشر ہونے سے فائدہ حاصل ہو جائے گا۔"

آپ نے ایک دفعہ پرانی اور پھٹی ہوئی قمیص پہن رکھی تھی۔ جب لوگوں نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

"اس طرح دل خشوع و خضوع کی طرف مائل ہوتا ہے۔ نفس تذلل اختیار کرتا ہے اور مومن اس کی پیروی کرتے ہیں۔"

آپ نے ایک خارجی کو تہجد کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
"یقین کی نیند شک کی نماز سے بہتر ہے۔"
ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ کی تعریف میں مبالغہ سے کام لیا تو آپ نے فرمایا:
"جو کچھ تم میرے متعلق کہتے ہو میں اس سے کم تر ہوں لیکن جو کچھ تمہارے دل میں میرے متعلق ہے اس سے برتر ہوں۔"

(۳۳)

خطوط اور وصایا

واقعۂ جمل کے بعد آپ کا خط حضرت معاویہؓ کے نام :-

"سلام علیک - واضح ہو کہ مدینہ میں میری بیعت ہو جانے سے تمہارے لئے شام
میں میری بیعت کرنی ضروری ہو گئی ہے - کیونکہ میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے
حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی تھی اور اسی بات پر کی ہے
جس بات پر میرے سے پہلے خلفاء کی کی تھی - بیعت کے بعد کسی ایسے شخص کے لئے
جو اس موقعہ پر حاضر تھا یہ جائز نہیں ہے کہ وہ میری بجائے کسی اور کا نام خلافت
کے لئے تجویز کرے اور نہ کسی ایسے شخص کے لئے جو اس موقعہ پر حاضر نہیں تھا
جائز ہے کہ وہ اس بیعت کو رد کر دے - شوریٰ کا حق صرف مہاجرینؓ اور انصارؓ کا
ہے - جب وہ کسی شخص پر متفق ہو کر اس کا نام امامت کے لئے تجویز کر دیں تو اس
مشورہ کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو جاتی ہے - اگر اس فیصلہ سے کوئی شخص

انحراف کرتا ہے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ بزور اسے خلیفہ کے حلقۂ اطاعت میں داخل کریں۔ اگر وہ برابر انکار ہی کرتا چلا جائے تو اس سے لڑیں۔ طلحہؓ اور زبیرؓ نے پہلے میری بیعت کی اور بعد کو پھر گئے۔ ان کا بیعت توڑ دینا بیعت سے انکار کرنے کے مترادف تھا۔ میں نے ان پر حجت تمام کر کے ان سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ حق ظاہر ہو گیا اور خدا تعالیٰ کی مشیت ان کی ناراضگی کے باوجود پوری ہوئی۔ میں تمہیں بھی اسی بات کی طرف بلاتا ہوں جسے دوسرے مسلمانوں نے قبول کر لیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم میری بیعت میں داخل ہو جاؤ۔ تم قاتلینِ عثمانؓ سے انتقام لینے کے متعلق بہت شور مچا رہے ہو۔ اگر تم میری بیعت میں داخل ہو جاؤ اور پوری طرح میری اطاعت کرو تو میں تم سے بھی اور ان لوگوں سے بھی کتاب اللہ کے مطابق سلوک کروں گا۔ تم اپنے لئے ولایت چاہتے ہو لیکن یہ محض دھوکا ہے۔ تم اگر اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر اپنی عقل کو کام میں لاؤ تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ میں تمام قریش میں سب سے زیادہ حضرت عثمانؓ کے خون سے بری الذمہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم آزاد کردہ قیدیوں میں سے ہو[1] جن کے لئے نہ خلافت جائز ہوتی ہے اور نہ انہیں شوریٰ میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ میں جریر بن عبداللہ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں جو اہلِ ایمان اور مہاجرین میں سے ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ تم ان کی بیعت کر لو۔ ولا قوۃ الا باللہ"[2]

---

[1] یہ کہنے سے حضرت علیؓ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت معاویہؓ اور ان کے والد ابوسفیان فتح مکہ کے دن دراصل قیدی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر احسان کر کے انہیں آزاد کر دیا۔

[2] حضرت معاویہؓ نے اس خط کا یہ جواب دیا:

"سلام علیک۔ اگر آپ کی بیعت ان لوگوں نے کر لی ہے جن کا آپ نے ذکر کیا ہے اور آپ حضرت عثمانؓ کے خون سے بھی بری ہیں تو آپ کا رتبہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے برابر ہے لیکن واقعہ یہی ہے کہ آپ نے لوگوں کو حضرت عثمانؓ کے قتل پر اکسایا اور انصار کو چھوڑ دیا۔ آپ کی اطاعت جاہلوں نے کی ہے اور جو لوگ کمزور تھے وہ آپ کی بدولت (بقیہ صفحہ ۲۲ پر)

حضرت معاویہؓ کے نام ایک اور خط:۔

"تمہارا خط پہنچا۔ اس کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط کسی ایسے شخص کا ہے جس کی نظر نے کام کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور اب وہ سیدھے راستے پر چل ہی نہیں سکتا۔ نہ اس کے پاس کوئی ایسا شخص ہے جو اسے سیدھے راستے پر چلائے نفسانی خواہشات کے زیرِ اثر ہی اس نے یہ جواب دیا ہے اور نفسانی خواہشات ہی اس کی راہبر ہیں اور وہ بلا سوچے انہی کے پیچھے چلا جا رہا ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ عہد شکنی کی اور انہیں شہید کروا دیا۔ خدا کی قسم میں تو عام مہاجرین میں سے ایک فرد ہوں۔ جس طرح دوسرے مہاجرین نے کیا میں نے بھی کیا۔ خدا تعالیٰ انہیں ضلالت اور گمراہی پر اکٹھا نہیں کر سکتا اور نہ ان کی آنکھوں ہی کو اندھا کر سکتا ہے۔ میرے سپرد کوئی عہدہ نہیں تھا جس کی وجہ سے مجھ پر کسی قسم کی کوئی ذمہ داری عائد ہو سکتی۔ نہ میں نے ان کو شہید ہی کیا تھا جس کی بناء پر مجھے قصاص کا خطرہ ہو۔ تمہارا یہ قول کہ اہلِ شام اہلِ حجاز کے حاکم ہیں تو شامی

(بقیہ صـ۲۲۶) قوی بن گئے ہیں۔ اہلِ شام اس وقت تک آپ سے جنگ کرتے رہنے کا ارادہ کر چکے ہیں جب تک آپ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ان کے حوالے نہیں کر دیتے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو پھر خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے باہم مشورے سے طے کیا جائے گا۔ اہلِ حجاز ہی لوگوں کے حاکم ہیں۔ حق بھی انہی میں ہے۔ اگر وہ شوریٰ سے علیحدہ ہو جائیں تب اہلِ شام لوگوں کے حاکم ہیں۔ اہلِ بصرہ کی طرح اہلِ شام آپ کے مطیع نہیں ہیں اور آپ ان پر کسی قسم کی حجت قائم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح طلحہؓ اور زبیرؓ کی طرح میں آپ کا تابع نہیں ہوں۔ ان دونوں نے آپ کی بیعت کی تھی اس لئے ان پر تو آپ حجت قائم کر سکتے ہیں لیکن مجھ پر آپ حجت قائم نہیں کر سکتے۔ رہی اسلام میں آپ کی فضیلت اور آپ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت تو اس سے میں انکار نہیں کرتا۔"

قریشیوں میں سے کوئی ایک شخص ایسا پیش کرو جسے مجلسِ شوریٰ میں قبول کر لیا جائے یا اس کے لئے خلافت جائز ہو۔ اگر تم کسی ایسے شخص کا نام پیش کر بھی دو گے تو مہاجرینؓ اور انصارؓ بالاتفاق تمہیں جھٹلائیں گے۔ ہاں ہم حجازی قریشیوں میں سے ایسے نام پیش کر سکتے ہیں جو مندرجہ بالا معیار پر پورے اتریں۔ تم نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو میرے حوالے کر دو تو تم اس معاملہ میں بولنے والے کون ہوتے ہو؟ یہاں حضرت عثمانؓ کے بیٹے موجود ہیں وہ اس بات کے حقدار ہیں کہ یہ مطالبہ کریں۔ تم نے اہلِ شام اور اہلِ بصرہ، اور اپنے اور طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان تمیز کی ہے۔ لیکن اس کا کوئی سوال نہیں ہے، اگر کسی شخص یا فریق نے میری بیعت نہیں کی تو اس وجہ سے وہ بری الذمہ نہیں ہو جاتا۔ جب عام بیعت ہو گئی تو پھر کسی اور شخص کو بدلنے کا اختیار نہیں رہتا۔ میری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور اسلام میں سبقت کے فخر کو اگر تم مٹا سکتے ہو تو مٹا دو۔"

حضرت معاویہؓ کے نام ایک اور خط:۔

"تم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمانؓ کا فضیلت میں تیسرا درجہ ہے (یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد) اگر وہ محسن ہوں گے تو قیامت کے دن ربِ شکور کے حضور حاضر ہوں گے جو نیکیوں کا بدلہ بہت بڑھا چڑھا کے دینے والا ہے۔ وہ انہیں بیش قرار انعامات سے نوازے گا۔ اگر ان میں کچھ برائیاں ہوں گی تو قیامت کے دن وہ ربِ غفور کے سامنے حاضر ہوں گے جو اپنی رحمت سے ان کے گناہوں کو بخش دے گا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام میں سب سے بڑا حصہ ہمارا یعنی اہلِ بیت کا ہے۔ تم نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں نے خلفاء کی بیعت کرنے میں دیر کی میں نے ان سے حسد کیا اور ان کے خلاف بغاوت کی۔ حالانکہ بغاوت سے میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ تم نے میرے متعلق یہ بھی کہا ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ سے سرکشی اختیار کی اور ان سے قطع رحم کیا۔ حضرت عثمانؓ نے جو کچھ کیا وہ بھی تمہیں

معلوم ہے اور لوگوں نے ان سے جو سلوک کیا اس کا بھی تمہیں پتہ ہے۔ تمہیں یہ بھی
علم ہے کہ میں اس سارے قضیہ سے بالکل الگ تھلگ رہا۔ اگر اس پر بھی تم مجھ پر
اتہام لگاتے ہو تو تمہیں اختیار ہے، جو چاہو کہو اور جو چاہو کرو۔ تم نے حضرت عثمانؓ
کے قاتلوں کا ذکر کیا ہے اور مطالبہ کیا ہے کہ انہیں تمہارے حوالے کر دیا جائے۔
میں نے اس معاملہ میں بہت غور کیا اور آخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ میں انہیں نہ تمہارے حوالے
کر سکتا ہوں اور نہ کسی اور کے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو تمہارے والد ابو سفیان میرے
پاس آئے اور کہا" اپنا ہاتھ بڑھائیے میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ کیونکہ آپ ہی
خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔" لیکن میں نے مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کے
اندیشہ کی بناء پر ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تمہارے والد تم سے زیادہ میرے مرتبہ
اور میرے حق سے واقف تھے۔ اگر تم بھی اپنے والد کی طرح میرے مرتبہ اور میرے
حق کو پہچان لو تو یقیناً راہِ راست پر آ جاؤ۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو سکے تو ہم تمہارے بارہ
میں اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

حضرت معاویہؓ نے ایک دفعہ آپ کو لکھا کہ آپ شام کی حکومت ان کے قبضہ ہی میں رہنے دیں
اور عرب کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچائیں۔ اس خط میں انہوں نے لکھا کہ فریقین کی قوت برابر
کی ہے اور کسی ایک فریق کے حق میں فیصلہ ہونا بہت مشکل ہے۔ انہوں نے اس بات پر بھی
فخر کا اظہار کیا کہ وہ بنی امیہ میں سے ہیں اور بنو امیہ اور بنو ہاشم کا سلسلہ نسب ایک ہی ہے۔ حضرت
علیؓ نے ان کے خط کا جواب ان الفاظ میں دیا:

"تم نے اپنے لئے شام کا مطالبہ کیا ہے لیکن جس چیز کو میں نے کل دینے سے انکار
کر دیا، آج اسے کس طرح دے سکتا ہوں۔ تم نے لکھا ہے کہ جنگ نے عرب کو
کھا لیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس شخص کو حق نے کھا لیا ہے وہ جنت میں جائیگا
اور جسے باطل نے کھا لیا ہے وہ آگ میں جائے گا۔ تم نے جنگ میں فریقین کی برابری
کا ذکر کیا ہے۔ تم اپنے متعلق شک میں ہو اس لئے ضرور ہار گے۔ جونکہ میں اپنے متعلق

یقین پر ہوں اس لئے میں ضرور جیتوں گا۔ اہل شام دنیا کے اتنے حریص نہیں ہیں جتنے اہل عراق آخرت کے حریص ہیں۔ رہا تمہارا یہ قول کہ " ہم بنو عبد مناف ہیں" تو تمہاری طرح ہم بھی بنو عبد مناف ہیں۔ لیکن امیہ کا مقابلہ ہاشم سے، حرب کا مقابلہ عبد المطلب سے، ابو سفیان کا مقابلہ ابو طالب سے، مہاجر کا مقابلہ آزاد کردہ قیدی سے، صحیح النسب کا مقابلہ اس شخص سے جو اپنے نسب کو کسی دوسرے قوم کے نسب سے ملاتا ہو، حق پر قائم رہنے والے کا مقابلہ باطل پر ہونے والے شخص سے اور مومن کا مقابلہ مفسد سے نہیں جا سکتا۔"

حضرت معاویہ ؓ کے نام ایک اور خط :۔

"سبحان اللہ! تم اپنی باطل خواہشات پر کس مضبوطی سے قائم ہو۔ حالانکہ واقعات و حقائق سراسر تمہارے برخلاف ہیں۔ تم حضرت عثمان ؓ کے انتقام کے متعلق بڑا واویلا کر رہے ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تم نے حضرت عثمان کی مدد اس وقت کی جب ان کی مدد تمہارے لئے فائدہ مند تھی۔ لیکن جس وقت انہیں تمہاری مدد کی ضرورت تھی اس وقت تم نے ان کی مدد سے کنارہ کشی اختیار کی[1]۔"

منذر بن جارود عبدی کو آپ نے ایک علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے بیت المال کے اموال میں کچھ خیانت کی۔ جب آپ کو اس کا پتہ چلا تو آپ نے اسے مندرجہ ذیل خط لکھا :

"تمہارے باپ کی نیکی نے مجھے تمہارے متعلق دھوکے میں رکھا۔ میرا خیال تھا کہ تم اپنے باپ کی تقلید کرو گے اور اسی کے راستہ پر چلو گے۔ لیکن مجھے تمہارے متعلق جو خبریں ملی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیا میں عیش و آرام

---

[1] حضرت علی ؓ کا یہ لکھنے سے مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ تم ان کے انتقام کا نعرہ لگا کر سیاسی فائدہ حاصل کر سکتے ہو تمہیں ان کا انتقام لینے کا بہت جوش ہے لیکن ان کی زندگی میں جب انہیں تمہاری حقیقی مدد کی ضرورت تھی تم نے ان کی کسی قسم کی مدد نہ کی۔

حاصل کرنے کے لئے اپنی آخرت کو تباہ کر لیا اور اس کے لیے کسی قسم کا زادِ راہ تیار نہ کیا۔ مجھے تمہارے متعلق جو خبریں ملی ہیں اگر وہ سچ ہیں تو تمہارے گھر کے اونٹ اور تمہاری جوتی کے تسمے تم سے بہتر ہیں۔ تم جیسا کوئی شخص ہرگز اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اسے سرحدوں کی حفاظت کے لئے چھوڑا جائے' اسے کوئی مرتبہ دیا جائے' اس کی عزت اور قدر و منزلت کی جائے' اسے امانت میں شریک کیا جائے یا اسے قابلِ اعتماد سمجھا جائے۔ جونہی میرا یہ خط تمہیں پہنچے اسی وقت مجھ سے ملنے کے لئے روانہ ہو جاؤ۔"

...ن بن حنیف انصاری عاملِ بصرہ کے متعلق آپ کو یہ خبر ملی کہ انہیں ولیمہ کی ایک دعوت میں ...یا گیا اور وہ چلے گئے۔ اس پر آپ نے انہیں مندرجہ ذیل خط لکھا:

"اے ابنِ حنیف! مجھے پتہ چلا ہے کہ اہلِ بصرہ میں سے ایک شخص نے تمہیں دعوت میں بلایا اور تم وہاں چلے گئے۔ اس وقت تمہیں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ جس دعوت میں تمہیں مدعو کیا گیا ہے اس میں امیروں کو تو بلایا گیا ہے لیکن غریبوں کو نہیں بلایا گیا۔ آئندہ اس بات کا سختی سے خیال رکھو کہ جو دعوت تمہارے نزدیک مشکوک ہو اس میں مت جاؤ۔ البتہ جس دعوت کے متعلق تمہیں یہ یقین ہو جائے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کی مخالفت کر کے منعقد نہیں کی گئی' اس میں شریک ہو سکتے ہو۔"

...یاد بن ابیہ کے نام ایک خط:

"اسراف کو چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ کل کا دھیان آج ہی کرو اور بقدرِ ضرورت اپنا مال بچاؤ۔ خرچ کرنے کے بعد جو مال بچ جائے اسے آئندہ کی ضروریات کے لئے رکھ چھوڑو۔

کیا تمہیں یہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں منکسر المزاج لوگوں کے زمرہ میں شامل کرے گا' اگرچہ اس کے نزدیک تمہارا شمار مغرور لوگوں میں ہو۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو

کہ تمہیں اسی ثواب سے متمتع کیا جائے گا جو صدقات دینے والوں کے لئے مخصوص ہے۔ اگرچہ دولت کی افراط کے باوجود تم اسے کمزوروں اور یتیموں اور بیواؤں پر خرچ نہ کرو۔ یاد رکھو ہر انسان کو آخرت میں اسی کام کا اجر دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں کیا ہو گا۔ اسے وہاں وہی کچھ ملے گا جو وہ اس دنیا میں چھوڑ گیا ہو گا۔"

ایک عامل کے نام خط:۔

"تمہارے علاقہ کے غیر مسلم زمینداروں نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم ان سے سختی کرتے ہو اور نفرت و حقارت سے پیش آتے ہو۔ ان کے شرک کی وجہ سے میں انہیں اس بات کا اہل تو نہیں سمجھتا کہ تم انہیں مسلمانوں کی طرح اپنے قریب کر لو۔ لیکن چونکہ وہ معاہد ہیں اس لئے ان سے زیادہ دوری بھی اچھی نہیں۔ نہ تم ان سے حد سے زیادہ نرمی سے پیش آؤ اور نہ حد سے زیادہ سختی سے، بلکہ نرمی اور سختی، قرب اور دوری کے مابین ان سے معاملہ کرو۔"

اپنے بڑے بیٹے حضرت حسنؓ کو نصیحتیں فرماتے ہیں:۔

"اپنے پیچھے دنیا کی کوئی چیز باقی نہ رہنے دینا کیونکہ وہ چیز لا محالہ دو آدمیوں میں سے ایک کے پاس جائے گی۔ یا تو اس کے پاس جو اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے راستہ میں خرچ کرے گا اور اس طرح اس چیز سے فائدہ حاصل کرے گا جو تمہارے کام نہ آئی، یا پھر اس آدمی کے پاس جو اسے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کرے گا اور اس طرح تم اس کی نافرمانی میں اس کے مددگار بنو گے۔ یہ دونوں آدمی اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ تم ان کو اپنے آپ پر ترجیح دو۔

بیٹا! چار باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو۔ (۱) اصل دولتمندی عقل کی دولتمندی ہے (۲) سب سے بڑا فقر حماقت ہے (۳) سب سے زیادہ وحشت تکبر اور خود پسندی ہے (۴) سب سے معزز حسب نیک خلقی ہے۔ میرے بیٹے!

احمق کی دوستی سے بچنا۔ کیونکہ وہ اپنے خیال میں تو تمہیں فائدہ پہنچائے گا لیکن
دراصل نقصان پہنچانے کا موجب بنے گا۔ بخیل کی دوستی سے بچنا۔ کیونکہ جن
چیزوں کی تمہیں اشد ضرورت ہوگی وہ ان کو تم سے دور کر دے گا۔ فاجر کی دوستی
سے بچنا۔ کیونکہ وہ ایک معمولی چیز کے بدلے تمہیں بیچ دے گا۔ جھوٹے کی دوستی
سے بچنا۔ کیونکہ وہ سراب کی طرح ہے۔ دُور کو نزدیک دکھائے گا اور نزدیک
کو دور۔"

کمیل بن زیاد نخعی کہتے ہیں کہ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب نے میرا ہاتھ پکڑا اور صحرا میں ایک
قبرستان کی طرف تشریف لے گئے۔ بہت دور نکل جانے کے بعد آپ نے ایک لمبا سانس لیا
اور فرمایا:

"اے کمیل! یہ دل دراصل برتن ہیں تم ان میں پاک چیزیں ڈالو اور جو کچھ میں
کہتا ہوں غور سے سُنو۔

انسان تین قسم کے ہیں (۱) ربانی عالم (۲) نجات حاصل کرنے کے لئے علم
سیکھنے والے (۳) احمق جو ان چرواہوں کی طرح ہیں کہ ہر بھیڑ کی آواز پر اس کی
طرف بھاگتے ہیں۔ جس طرف کی ہوا ہوتی ہے اسی طرف چلے جاتے ہیں۔
نہ وہ علم کے نور سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور نہ کسی مضبوط چیز کا سہارا
ڈھونڈتے ہیں۔

اے کمیل! علم مال سے بہتر ہے۔ علم تیری حفاظت کرتا ہے اور تو مال کی
حفاظت کرتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے لیکن علم خرچ کرنے
سے بڑھتا ہے۔ جو شخص مال کے بل بوتے پر عزت حاصل کرتا ہے اس کی
عزت مال کے ہونے تک باقی رہتی ہے۔ جونہی مال ختم ہوا اس کی عزت
بھی ختم ہو گئی۔ لیکن جو شخص علم کے بل بوتے پر عزت حاصل کرتا ہے اس کی
عزت ہمیشہ رہتی ہے۔

اے کمیل! علم کے ذریعہ انسان زندگی میں بھی ناموری حاصل کر لیتا ہے اور

اس کی وفات کے بعد بھی اس کا ذکر باقی رہتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔

"میں تمہیں پانچ نصیحتیں کرتا ہوں (۱) سوائے خدا کے اور کسی سے امید نہ رکھو (۲) سوائے اپنے گناہ کے اور کسی سے نہ ڈرو (۳) اگر تم سے کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا تمہیں علم نہ ہو تو تم یہ کہتے ہوئے نہ شرماؤ کہ "میں نہیں جانتا (۴) اگر تمہیں کسی بات کا علم نہ ہو تو اسے معلوم کرنے میں تکلف نہ کرو (۵) صبر اختیار کرو کیونکہ صبر کا تعلق ایمان سے ایسا ہی ہے جیسا سر کا تعلق بقیہ جسم سے۔ اس جسم سے کوئی فائدہ نہیں جس کا سر نہ ہو۔ اسی طرح اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں جس کے ساتھ صبر نہ ہو۔"

عربی ماخذ

فتوح الشام از واقدی

السیرۃ النبویہ از ابن ہشام

الطبقات الکبریٰ از ابن سعد

الامامۃ والسیاسۃ از ابن قتیبہ

المعارف از ابن قتیبہ

فتوح البلدان از بلاذری

انساب الاشراف از بلاذری

تاریخ الیعقوبی از احمد بن یعقوب

تاریخ الامم والملوک از طبری

العقد الفرید للملک السعید از قرطبی

الاغانی از اصفہانی

مقاتل الطالبیین از اصفہانی

تاریخ ابن خلدون از ابن خلدون

[illegible] العرب [illegible]

[illegible]یعاب [illegible]

تاریخ دمشق از ابن عساکر

معجم البلدان از یاقوت حموی

مختصر الدول از ابن العبری

وقعۃ صفین از نصر بن مزاحم

الکامل از ابن اثیر
اسد الغابہ از ابن اثیر
الکامل از مبرد
المختصر فی اخبار البشر از ابو الفداء
الاصابہ فی تمیز الصحابہ از ابن حجر عسقلانی
صحیح البخاری از امام بخاری
تاریخ الخمیس از دیار بکری
شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید
عمرو بن العاصؓ از حسن ابراہیم حسن
فتوح مصر واعمالہا از ابن اسحاق
وفیات الاعیان از ابن خلکان
الفخری از ابن طباطبا
فتوح مصر از ابن عبد الحکم
العقد الفرید از ابن عبد ربہ
مختصر تاریخ الدول از ابن العبری
المواعظ والاعتبار از مقریزی
مروج الذہب از مسعودی
الخلفاء الراشدون از عبد الوہاب نجار
تاریخ الامم الاسلامیہ از محمد خضری
التمدن الاسلامی از جرجی زیدان
الاموال از ابن سلام
کتاب الخراج از امام ابو یوسف
کتاب الخراج از یحییٰ بن آدم

الاخبار الطوال از دینوری

تاریخ التشریع الاسلامی از خضری

فجر الاسلام از احمد امین

حاضر العالم الاسلامی (حواشی) از امیر شکیب ارسلان

خطط الشام از محمد کرد علی

الادارۃ الاسلامیہ فی عز العرب از محمد کرد علی

البیان والتبیین از جاحظ

عصر المامون از رفاعی

مسند حنبل از امام احمد بن حنبل

الموطا از حضرت امام انس بن مالک

الملل والنحل از شہرستانی

الفصل فی الملل والنحل از ابن حزم

الفرق بین الفرق از بغدادی

رسائل اخوان الصفا

الانتصار از خیاط المعتزلی

عیون الاخبار از ابن قتیبہ

الحیوان از جاحظ

منہاج السنہ از ابن تیمیہ

المجمل فی تاریخ الادب العربی

تاریخ الادب العربی از زیات

الوسیلۃ الادبیہ از مرصفی

علی رض بن ابی طالب

فرانسیسی ماخذ

الثلاثہ از لامنس

تاریخ شام از لامنس

معاویہ از لامنس

یزید از لامنس

تاریخ عرب از ہوار

اسلام از ماسیہ

اسلام از مونتہ

تمدن عرب، از گستاف لیبان

اسلامی عقائد اور شریعت اسلام از گولڈسیہر

اسلامی اولیاء از پرنس کیتانی

رسائل اور مضامین مختلفہ از نولڈیکے

〃 〃 〃 〃 〃 ہارٹمین

〃 〃 〃 〃 〃 فان کریمر

〃 〃 〃 〃 〃 سپرنگر

〃 〃 〃 〃 〃 سترک ہرونیہ

〃 〃 〃 〃 〃 غودسہ

〃 〃 〃 〃 〃 ڈوزی

〃 〃 〃 〃 〃 رینہ

دائرۃ المعارف الاسلامیہ

دائرۃ المعارف الافرنسیہ

انگریزی ماخذ

مختصر تاریخ العرب از سید امیر علی
فتح العرب لمصر از الفرڈ بٹلر
تاریخ فارس از بجمن
تاریخ شہنشاہیت بیزنطینیہ از ارمان
تاریخ عرب از جیلمان
خلافت، اس کا عروج و زوال از سر ولیم میور
مذکرہ دی غوبی از دی غوبی
تاریخ التواریخ مطبوعہ کیمبرج یونیورسٹی
وجہۃ الاسلام
تاریخ زوالِ روما از گبن
تاریخ العام از ولز
المحمدیہ از مارگولیس
مختلف مقالات از گیب
انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا